سردارِ کربلاؑ

مولف

حجتہ الاسلام شیخ عباس اسماعیلی یزدی

مختلف ممالک میں رہنے والے اپنے بچوں کے لئے
یہ کتاب Scan کی ہے جسے دیگر حضرات
بھی استعمال کر سکتے ہیں۔
طالب دعاء
سید نذر عباس رضوی

تقدیم

افضل کل عالم کی سجدہ ریزی سے دشت بلا میں ہونے والا اک سجدہ
حشر تلک توحید خدا کا ضامن ہے فصل عبادت بونے والا اک سجدہ

(مظہر عباس)

فہرست

☆ گفتار ناشر 15

☆ اردو کتب مقاتل کا ایک سرسری جائزہ 25

☆ مقدمہ مؤلف 32

☆ ولادت امام حسینؑ مع عرض مترجم 41

☆ امام حسینؑ کے چند فضائل اور معجزات 49

☆ خصائص الحسین علیہ السلام 69

☆ حسین مظلومؑ پر رونے کی فضیلت 77

☆ مظلوم حسینؑ پر گریہ کے فوائد 98

☆ زیارت حسین کی فضیلت 116

☆ زیارت حسینؑ کے فوائد 123

☆ احادیث میں زیارت حسینؑ میں تفاوت کا راز 127

☆ زیارت حسینؑ کے متعلق چند داستانیں 128

☆ امام حسینؑ اور قبول شہادت 147

☆ رسول خداؐ کا حسین علیہ السلام کو چومنا 154

☆ پانی پینے کے وقت یاد حسینؑ کی فضیلت 156

☆ انبیائے کرام کی مصائب وشہادت حسینؑ پر گریہ 158

☆ امام مظلوم کے مصائب وشہادت کی تذکرہ: ولادت کے بعد اور شہادت سے پہلے 165

☆ زمین کربلا کی فضیلت اور تربت سید الشہداءؑ 170

☆ انبیاءؑ اور زمین کربلا 170
☆ امام حسینؑ اور حضرت یحییٰؑ 182
☆ شباہتیں 182
☆ دونوں ہستیوں کی شہادتوں میں فرق 184
☆ فاطمہ زہراؑ میدان محشر میں ورود 186
☆ مظلوم کربلاؑ کی عزاداری میں سیاہ پوشی کا استحباب 190
☆ سیاہ پوشی فقہاء کی نظر میں 196
☆ تاریخ گزشتگان کی تحقیق لازمی ہے 200
☆ امام حسینؑ کے قیام کا فلسفہ 203
☆ امام حسینؑ کا بیعت یزید سے انکار 231
☆ امام حسینؑ کی مکہ روانگی 238
☆ حضرت مسلم کی کوفہ آمد 247
☆ حضرت مسلم و ہانی کی شہادتیں 259
☆ عظمت حضرت ہانی 263
☆ عظمت وشجاعت حضرت مسلم 265
☆ حضرت مسلم سے محبت رسولؐ 266
☆ زیارت حضرت مسلم کے چند فقرات 267
☆ حضرت مسلم کی عمر مبارک 268
☆ فرزندان مسلم کی شہادت 269
☆ امام حسینؑ کی مکہ سے کربلا کی طرف روانگی 275

☆	زہیر بن قین کی امام حسینؑ سے یکجائی	284
☆	حضرت مسلم وہانی کی شہادتوں کی خبر کا ملنا	286
☆	امام عالی مقامؑ کی حر بن یزید ریاحی سے ملاقات	293
☆	امام عالی مقامؑ کا کربلا میں ورود	303
☆	زمین کربلا	309
☆	امام حسینؑ خریدار زمین کربلا	311
☆	امام حسینؑ کے نام ابن زیاد کا خط	312
☆	عمر سعد کا کربلا میں ورود	316
☆	پانچ محرم الحرام	320
☆	چھ محرم الحرام	322
☆	سات محرم الحرام	323
☆	ابن زیاد کا پانی بند کرنے کا حکم	323
☆	امام حسین کی عمر سعد سے ملاقات	325
☆	آٹھ محرم الحرام	327
☆	دنیا اور ریاست کی محبت ، بدبختی کے دو عوامل	329
☆	نو محرم الحرام	330
☆	شب عاشور	333
☆	امام حسینؑ کے لشکر کی تعداد	347
☆	بنو امیہ کے لشکر کی تعداد	349
☆	[illegible] اور روز عاشور	352

☆ صبح عاشور	358
☆ پہلہ جملہ	367
☆ امام مظلومؑ کا کربلا میں گریہ	369
☆ وہ مواقع جن پر امامؑ نے خجالت محسوس کی	372
☆ عاشور کے شب و روز میں اہل بیتؑ کی پیاس	373
☆ علامہ شوشتری کی گفتگو کا خلاصہ	381
☆ امام عالی مقامؑ کے اصحاب کے فضائل	381
☆ وداع اصحاب حسینؑ	388
☆ حر کی توبہ اور امام سے آملنا	389
☆ حر کے بھائی اور بیٹے کی شہادتیں	397
☆ بریر بن خضیر ہمدانی کی شہادت	398
☆ شہادت وہب بن عبداللہ	401
☆ شہادت مسلم بن عوسجہ	405
☆ شیر راہی مانند پسر	405
☆ یوم عاشور سید الشہداء کی نماز ظہر	411
☆ شہادت حبیب ابن مظاہرؓ	414
☆ حبیب ابن مظاہرؓ کی کوفہ سے کربلا آمد	415
☆ حبیب ابن مظاہرؓ کی شخصیت وعظمت	418
☆ زہیر بن قین اور ان کی شہادت	424
☆ عابس بن (ابی) شعیب شاکری ہمدانی.	426

☆ شہادت شوذب و عابس	427
☆ شہادت جون بن ابی مالک	430
☆ ترک غلام کی شہادت	433
☆ جوانان بنی ہاشم کی شہادتیں	434
☆ فرزندان امیر المومنینؑ میں سے	434
☆ فرزندان امام حسینؑ مجتبیٰؑ میں سے	435
☆ فرزندان امام حسینؑ میں سے	435
☆ فرزندان عبداللہؓ و زینبؑ میں سے	435
☆ خاندان عقیلؑ میں سے	435
☆ حضرت علی اکبرؑ	436
☆ شہزادہ علی اکبرؑ کی ولادت اور عمر مبارک	439
☆ ازدواج علی اکبرؑ	440
☆ مدر علی اکبرؑ	440
☆ فضائل علی اکبرؑ	440
☆ اہل بیتؑ کا پہلا شہید	448
☆ شہادت علی اکبرؑ	449
☆ کیا علی اکبرؑ کی ماں لیلیٰ کربلا میں موجود تھیں	466
☆ حضرت قاسم ابن حسنؑ	472
☆ شہادت حضرت قاسم	473
☆ حضرت عباسؑ	479

☆ ولادت عباس اور حسن مبارک 479

☆ نام، کنیت اور لقب 480

☆ امام البنین، والدہ حضرت عباس 483

☆ حضرت عباس شمائل 485

☆ حضرت عباس فضائل 485

☆ سردار کربلا کا علم 488

☆ حضرت عباسؑ کا ادب 492

☆ سردار کربلاؑ کی شجاعت 493

☆ حضرت عباس کی مواسات 497

☆ حضرت عباسؑ کا مقام شفاعت 498

☆ قمر بنی ہاشم کے معجزات 499

☆ شہادت حضرت عباسؑ 503

☆ بی بی ام البنین کا اپنے فرزند عباس کی شہادت میں گریہ 518

☆ حضرت عباسؑ کی اولاد 520

☆ حضرت علی اصغرؑ 521

☆ ولادت علی اصغرؑ 521

☆ اسم گرامی 523

☆ والدہ علی اصغر 523

☆ شہادت علی اصغر 525

☆ امام حسینؑ کا چہرہ تمتما اٹھا 537

☆ وداعِ امامِ مظلومؑ 539

☆ مکاشفہ زعفر 556

☆ پرانا لباس 559

☆ علامت امامت کی سپردگی 562

☆ مظلومِ کربلاؑ کا امام سجادؑ سے وداع 564

☆ امامؑ کی میدان جنگ میں روانگی 568

☆ اہل بیتؑ سے دوسرا وداع 578

☆ میدان جنگ سے واپسی 579

☆ عبداللہ بن الحسنؑ کی شہادت 583

☆ مظلومِ کربلاؑ کی شہادت 586

☆ ذوالجناح کی خیموں میں واپسی 603

☆ دنیا اجڑ گئی 609

☆ لاش حسینؑ کی پامالی 612

☆ آتش زدگی خیام 614

☆ گیارہویں کی رات 618

☆ سرہائے مطہر کی کوفہ روانگی 629

☆ گیارہ محرم الحرام 633

☆ خاندان حسینؑ کی اسیری 652

☆ یوم تدفین شہداء 664

☆ اہل بیتؑ کی اسیری 665

☆ اہل بیتؑ کا کوفہ میں ورود 672

☆ کوفہ میں خطبہ حضرت زینبؑ 679

☆ کوفہ میں خطبہ سجادؑ 684

☆ بی بی فاطمہ صغریٰ اور بی بی ام کلثومؑ کے خطبات 685

☆ اسیران اہل بیت دربار ابن زیاد میں 686

☆ عبداللہ بن عفیف کی شہادت 692

☆ شام کی طرف روانگی 694

☆ دیر راہب کا واقعہ 698

☆ شام میں داخلہ 703

☆ دربار یزید 711

☆ دربار یزید میں خطبہ زینبؑ 729

☆ امام سجادؑ مسجد شام میں 734

☆ اہل بیتؑ کا شام میں قیام 745

☆ مصائب شام شدید تر تھے 749

☆ بی بی سکینہؑ کا خواب 752

☆ ہندہ زوجہ یزید کا خواب 753

☆ شام میں اہل بیتؑ کی غذا 755

☆ قصر یزید کے نزدیک خرابہ کیسا؟ 756

☆ حضرت رقیہؑ 757

☆ حضرت رقیہؑ کی قبر کی تعمیر 767

☆	عنایات وکراماتِ رقیہؑ	769
☆	سرِ حسینؑ کا مدفن	772
☆	روزِ اربعین، اہلِ بیتؑ کا کربلا میں ورود	775
☆	زیارتِ اربعین	788
☆	روزِ اربعین جابر کی کربلا میں آمد	790
☆	اہلِ بیتؑ کی مدینہ واپسی	794
☆	حضرت زینبؑ کی ولادت	807
☆	بی بی زینبؑ کی نام گزاری	808
☆	کنیت اور القاب	811
☆	خطبات وکلامِ زینبؑ	813
☆	حضرت زینب اور نقلِ حدیث	815
☆	حضرت زینبؑ کے فضائل و مناقب	817
☆	کراماتِ زینبؑ	824
☆	حضرت زینبؑ کی اپنے بھائی حسین سے شدید محبت	827
☆	خصائص زینبؑ	830
☆	وفاتِ حضرت زینب اور مقامِ تدفین	838
☆	حضرت زینبؑ کے بعض مصائب	850
☆	آسمان پر مجلسِ عزاء اور گریہ ملائکہ	852
☆	حضرت سکینہؑ	856
☆	حدیث سکینہؑ شیعوں کی فضیلت میں	859

گفتار ناشر

علامہ ریاض حسین جعفری فاضل قم
(سربراہ ادارہ منہاج الصالحین لاہور)

مقتل نگاری محض ''تاریخ نویسی'' ہی نہیں، بلکہ ایک عظیم انسانی و اسلامی واقعہ کی لحہ بہ لحہ ترسیم ہے۔ جس کے انکشافات سے تمام عقیدتی، اخلاقی، سیاسی اور اجتماعی پہلو صورت پذیر ہوتے ہیں۔

مقتل نگاری مورد نظر ''آئینِ شہیداں'' سے استفادہ کے راستے احساسات کو ابھارنے کی کوشش اور عشق و عرفان کے میدانوں کی تجسیم و تشکیل ہے، جو خاص زمان و مکان اور اشخاص و شرائط سے متحقق ہوکر آئندہ نسلوں کے لیے سرمشق (اور عنوان حیات) قرار پاتی ہے۔

مقتل نگاری محض وقائع نگاری ہی نہیں بلکہ ایمان وعشق اور قربانی و ایثار کی ان آیات کی تفسیر بھی ہے جو عاشورا کے بلند آسمان اور کربلا کی مقدس زمیں پر جلوہ افروز ہوئیں اور قرآن مجید کی نورانی آیات کی عملی اور حقیقی ضمانت ثابت ہوئیں۔

مقتل نگاری صاحبانِ صدق و ثبات کے (موقف کے) اثبات کے لیے صریح و صمیم آراء کی گواہی ہے، جنہوں نے اپنے سالار شہادت کے فرمودات کو سعادت جانا اور ظالموں کے ساتھ زندہ رہنے کو سوائے تباہی اور خسارے کے کچھ نہ سمجھا [۱]۔ جب کہ عزت کی افتخار آمیز موت کو عینِ حیات اور ذلت کی حقارت آمیز زندگی کو عینِ مرگ و نابودی سمجھا [۲]۔

مقتل نگاری انسانی راستوں پر ہدایت ساز اور فروزاں مشعل کو اٹھا کر چلنے کا نام ہے، تا کہ حق و باطل اور ایمان و کفر کی زیبائی اور بدصورتی میں تمیز کی جا سکے اور حق کے متلاشیوں کو شیطان کے پیروؤں سے، شائستگانِ ولایت کو غاصبانِ خلافت سے، اور عدالت پسندوں کو سیاست بازوں سے ممیز کر کے پہچانا جا سکے۔

تمام شہادتیں یادناموں (اور تذکروں) کی متقاضی ہوتی ہیں۔ لہذا آئمہ اطہار میں سے ہر امامؑ کی شہادت پر کتب تحریر کرنے کی ضرورت ہے، جن میں ان عظیم ہستیوں کی راہِ حق میں جانثاری اور ایثار و قربانی کی عظیم داستانوں کی شرح و تفصیل بیان کی جا سکے۔

البتہ وہ دن دور نہیں ہیں کہ جب مقتل کے نام سے بے شمار یاد نامے (تذکرے) جو بیش بہا تفاصیل اور جزئیات نگاری کے حامل ہوں، حیطہ تحریر میں لائے جائیں گے اور بہت سے مؤلفین اور محققین سید الشہداءؑ اور آپ کے ساتھیوں کی شہادتوں کو اختصاص کے ساتھ بیان کریں گے کیونکہ وہ ہمارے آئمۂ کرام کے ''خود'' تھے۔ آپ کی اپنی شہادت اور دیگر شہدائے کربلا کے بارے میں فرمایا گیا:

---

(۱) امام حسین علیہ السلام کا فرمان ذیشان ہے:

اِنی اَرَی الْمَوْتَ اِلَّا سَعَادَةً وَالْحَیَاةَ مَعَ الظَّالِمِیْنَ اِلَّا بَرَماً

(بحارالانوار: ج۴۴/ص۳۸۱، لہوف ص۷۹)

(۲) امام حسین علیہ السلام کا فرمان عالی شان ہے:

اَلْمَوْتُ فِی حَیَاتِکُمْ مَقْھُورِیْنَ وَالْحَیَاةُ فِی مَوْتِکُمْ قَاھِرِیْنَ

ظالموں کے زیر تسلط زندگی حقیقی موت ہے اور ظالموں پر تسلط آمیز افتخار کے حالات میں مرنے کو حقیقی و واقعی زندگی سمجھنا چاہیے۔

(کلمات الحسینؑ)

لاَ یَومَ کَیَومِکَ یَا اَبَا عَبْدِاللّٰہِ

''اے اباعبداللہ! کوئی دن (بھی) آپ کے روزِ عاشورا جیسا نہیں ہے۔''(۱)

(۱:امام حسنِ مجتبیٰ، امالی صدوق، ص ۱۱۶ اور بحارالانوار، ج۴۵، ص ۲۱۸)

جب آسمان کے فرشتوں نے امام حسینؑ پر گریہ کیا اور پریوں پرندوں نے زمین اور ہوا میں ان پر نوحہ کیا[۲] تو کیا ان مخلوقات کی ہمنوائی متقاضی نہیں ہے کہ خاندانِ عصمت و ولایت پر گزرنے والے واقعات کی یاد آوری پر ہمیشہ کے لیے گریہ اور نوحہ کیا جائے؟ امام حسینؑ پر آسمان نے گریہ کیا، چشم فلک عزائے حسینؑ میں چالیس دن گریاں رہی۔[۳]

کیا یہ ہوسکتا ہے کہ زمین کی آنکھوں نے اس مظلومؑ پر گریہ نہ کیا ہو؟ جب کہ امام سجادؑ نے اپنی تمام (بقیہ) عمر یادِ کربلا میں گزاری اور عاشور کے مصائب پر رواں اشکوں کے سوا پانی تک نہ پیا۔ (کامل الزیارت، ص۱۷۵، بحارالانوار، ج۴۶، ص ۱۰۸)

جب کہ امام جعفر صادقؑ محرم کے ایام میں ہمیشہ غرق ماتم رہے، آپ کے ہونٹوں سے ہنسی تک غائب ہو جاتی۔ عاشور کے دن عزا داری کرتے اور خود اپنے غریب دادا کی روضہ خوانی فرماتے۔

(امالی صدوق، ص ۱۲۸، بحارالانوار، ج۴۴، ص۲۸۴ عوالم، ج۱۷، ص ۵۳۸)

---

(۲) امام سجاد علیہ السلام کا فرمان:

اَنَا ابْنُ مَنْ بَکَتْ عَلَیْہِ مَلاَئِکَۃُ السَّمَاءِ اَنَا بْنُ مَنْ نَاحَتْ عَلَیْہِ الجِنُّ فِی الاَرْضِ وَالطَّیرِ فِی الھَواءِ (بحارالانوار، ج۴۵، ۱۷۴، عوالم، ج۱۷، ص۴۸۵)

(۳) امام محمد باقرؑ کا فرمان ہے:

مَابَکَتِ السَّمَاءُ عَلٰی اَحَدٍ بَعْدَ یَحْیٰی بنِ زَکْرِیَّا اِلاَّ عَلَی الْحُسَیْنِ بْنِ عَلِی عَلَیْھِمَا السَّلاَمُ، فَاِنَّھَا بَکَتَ عَلَیْہِ اَرْبَعِینَ یَومًا

(بحارالانوار، ج ۴۵، ص۲۱۱، کامل الزیارات: ص۹۰، وعوالم ج۱۷، ص۴۶۹)

یحییٰ بن زکریا کے بعد جس مظلوم پر آسمان خون رویا وہ حسینؑ ابن علیؑ تھے، آپ پر آسمان نے چالیس یوم گریہ کیا۔

امام رضا علیہ السلام اپنے جد بزرگوار (حسین علیہ السلام) کے غم میں اپنا غم نامہ پڑھتے اور روزِ عاشورہ اپنی پلکوں کو آنسوؤں کا سیلاب بہا دینے کے لیے وقف کر دیتے، یہاں تک کہ (رو رو کر) اپنی پلکوں کو زخمی کر لیتے۔ فرمانِ امامؑ ہے:

اِنَّ یَوْمَ الْحُسَیْنِ اَقْرَحَ جُفُوْنَنَا وَاَسْبَلَ دُمُوْعَنَا وَأَذَلَّ عَزِیْزَ نَا بِاَرْضِ کَرْبٍ وَبَلاَءٍ ۔ (مدرک پیشین)

امام زمانہ علیہ السلام خود کو اپنے جد بزرگوار کے مصائب پر ہمیشہ کے لیے نوحہ خواں اور ہر شب و روز گریہ کناں رکھتے ہیں۔ آپ اس قدر گریہ فرماتے ہیں کہ آپ کی آنکھوں سے بجائے آنسوؤں کے خون ٹپکنے لگتا ہے۔

اب بھلا یہ جائز ہے کہ شیعانِ اہل بیتؑ گریہ سے پرہیز کریں اور اپنے مولاؑ کی مصیبت پر خانہ دل کو ماتم اور جامِ چشم کو اشکوں سے محروم رکھیں؟

امام مہدی علیہ السلام کا فرمان ہے:

فَلَئِنْ اَخَّرَتْنِی الدُّهُورُ وَ عَاقَنِی عَنْ نَصْرِکَ الْمَقْدُورُ فَلاَ اَنْدُ بَنَّکَ صَباحاً وَمَساءً وَلاَ بْکِیَنَّ لَکَ بَدَلَ الدُّمُوعِ دَماً.

(بحارالانوار: ج۹۸،ص۳۲۰)

امام مظلوم حسین علیہ السلام کے سانحہ شہادت کے سوز و حرارت قلوب مومنین میں ہمیشہ کے لیے ودیعت کر دیے گئے ہیں۔ رسول خداؐ نے فرمایا تھا:

اِنَّ لِقَتْلِ الْحُسَیْنِ حَرَارَةً فِیْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِیْنَ لاَ تَبْرُدُ اَبَدًا

(مستدرک الوسائل، ج ۱۰،ص ۳۱۸ و جامع احادیث الشیعہ ج ۱۲،ص ۵۵۶)

مومن کا دل محبت حسینؑ کا گنجینہ ہے اور ان کی شہادت کی آتشِ جاں سوز مومن کے آرام و آسائش پر حاوی ہے۔ کتب مقاتل، جو کہ امامؑ کی مظلومیت پر شرح و بسط کی حامل ہیں، اس ودیعت کی تذکیر، اس محبت کی تجدید اور اس آتش جاں سوز کی

تشدید ہیں۔

مظلوم کربلاؑ کا نام سنتے ہی ہر مومن کے اشک رواں ہو جاتے ہیں۔ (امام صادق ؑ نے فرمایا: "اَلْحُسَیْنُ عَبْرَۃُ کُلِّ مُؤمِنٍ" (بحارالانوار، ج ۴۴، ص ۲۸۰) امام حسینؑ کا فرمان ہے: "اَنَا قَتِیلُ الْعَبْرَۃِ لاَ یَذْکُرُنِی مُؤمِنٌ اِلَّا اسْتَعْبَرَ"
(مدرک پشین ص ۲۸۴، امالی صدوق، ص ۱۳۷)

نیز مظلوم کربلاؑ کی عزا داری ہمیشہ رہنے والی سنت ہے۔ کتب مقاتل کہ جو آپ اور آپ کے ساتھیوں کی شہادتوں کے سوگنامے ہیں، آپ کے نام کے احیاء، یاد کی بقا اور اقامۂ عز کا باعث بنتے ہیں۔ اور اس طرح مقتل سے نیاز مندی پیدا ہوتی ہے اور وقائع عاشورا کے ذکر کے بیان سے اجتناب مشکل ہو جاتا ہے اور مومنین کا مقتل اور عاشورا کے یاد ناموں اور تذکروں سے ارتباط و تعلق ایک طبعی امر بن کر سامنے آتا ہے۔

البتہ یہ امر بھی پیش نظر رہے کہ مومنوں کی اس عزا داری میں کیا راز چھپا ہوا ہے اور ان کی اس سوگواری اور اشکباری کا ان کے ایمان اور دینداری سے کیا تعلق ہے؟

امام حسینؑ کی زیارت کس طرح باعث مغفرت ہے؟

آپ پر سلام بھیجنا کس طرح سرمایہ فوز و فلاح اور سعادت مندی سمجھا جاتا ہے؟

امام ہادیؑ کا فرمان ہے: جو شخص اپنے گھر سے امام حسینؑ کی زیارت کے لیے نکلے اور دریائے فرات پر پہنچ کر اس میں غسل کرے خدا اس کا نام رستگاروں میں لکھ لیتا ہے اور جب وہ آنحضرت پر سلام بھیجتا ہے تو فائزین میں محسوب ہوتا ہے اور جب وہ نماز سے فارغ ہوتا ہے تو ایک فرشتہ اس سے کہتا ہے: رسول خداؐ نے تم پر درود بھیجا ہے اور تمہیں کہلا بھیجا ہے کہ تیرے گناہ بخش دیئے گئے ہیں۔ پس اپنے عمل کا از سر نو آغاز کر دے۔
(وسائل الشیعہ، ج ۱۰، ص ۳۸۰، وکامل الزیارات ص ۱۸۵، ۱۸۶)

کس طرح وہ (سلام و زیارت) گناہوں کی بخشش اور نامہ اعمال کی پیرائش کا

سبب بنتا ہے؟

امام صادقؑ کا فرمان ہے:

مَنْ بَکٰی اَوْاَبْکٰی اَوْتَبَاکٰی وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ

(جلاء العیون ص ۴۶۳ص، کامل الزیارات ص ۱۰۸)

کس طرح آپؑ پر رونا، رلانا یارونے کی کوشش کرنا بہشت میں داخل ہونے کا باعث بنتا ہے؟ (اور آپؑ کی عزاداری میں آنکھوں کا آنسوؤں سے پر ہوجانا دوزخ کی آگ سے رھائی کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔

کس طرح ہر قسم کے گریہ و بے تابی کو مکروہ البتہ مظلوم حسینؑ پر دردمندانہ گریہ اور بے تابی کو مایہ اجر وثواب سمجھا جاتا ہے؟(۱)

کس طرح آپؑ کی عزاداری کو دو ہزار حج، دو ہزار عمرہ جات اور پیغمبرؐ کی معیت میں دو ہزار جہاد کے برابر سمجھا جاتا ہے؟ (امام باقرؑ کامل الزیارات ص ۳۶۰)

کس طرح آپ کے عزادار اور رونے والے پیغمبر اکرمؐ کے سلام اور دعا میں شامل قرار پاتے ہیں؟(۲)

---

(۱) امام صادقؑ کا فرمان ہے: (حواشی جاری)

(۱) اِنَّ الْبُکَاءَ وَالْجَزَعَ مَکْرُوهٌ لِلْعَبْدِ فِی کُلِّ مَاجَزَعَ ما خَلاَالْبُکَاءَ وَالْجَزَعَ عَلَی الْحُسَیْنِ بْنِ عَلِیٍّ (عَلَیْهِما السّلام) فَاِنَّهُ فِیهِ مَاجُورٌ

یقیناً ہر گریہ و بے تابی ایک بندہ خدا کے لیے مکروہ ہے۔ سوائے حسینؑ ابن علی پر گریہ و بے تابی کے کہ جس کے عوض میں نیک صلہ دیا جائے گا۔ (بحارالانوار ج ۴۴، ص: ۲۸۰ و ۲۹۱ کامل الزیارات، ص ۱۰۰)

(۲) پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: حسینؑ پر گریہ کرنے والوں اور عزاداروں پر خدا کا درود ہو اور ان پر بھی کہ جو دشمنان حسینؑ پر لعنت اور نفرین کرتے ہیں۔ نیز ان پر بھی کہ جن کے دل قاتل حسینؑ کے خلاف غصہ اور کینہ سے پر ہیں۔ (بحارالانوار، ج ۴۴، ص ۳۰۴)

کیا اس سب کی وجہ سوائے اس کے کچھ اور تو نہیں کہ امام حسینؑ کی زیارت اور ان پر سلام نیز گریہ و عزا داری ، ان سے محبت کی ترجمان ہے اور ان سے محبت ان کی اطاعت سے متلازم ہے؟[1]

کیا امام حسینؑ کو چراغ ہدایت اور کشتی نجات [2] کے عنوان سے یقین و راستی کے ساتھ قبول کرلیا جائے اور ضلالت و گمراہی کی تاریکی اور فتنوں اور گناہوں کے عزقاب میں اپنے گوہر حیات معنوی کو اپنے ہاتھ سے نہ جانے دیا جائے؟

کیا حسینؑ کو خدا کی طرف دعوت دینے والے [3] کے عنوان سے پہنچانا جائے ، آپؑ کے خطبات ہدایت ودعوت کو مقاتل کی زبان سے سنا جائے ۔ آپؑ کے دعوت گرانہ کردار کو تاریخ کے آئینے میں دیکھا جائے ، آپ کے اور آپ کے بیٹوں (بھائیوں) اور ساتھیوں کے خون مطہر کو لوگوں کی خدا کی طرف رہنمائی کے راستے سے کتب عاشورا کے صفحات میں دیکھا جائے ۔ یا پھر آرام اور بے تفاوتی اور غیر ذمہ داری کے ساتھ بیٹھ رہنا چاہیے اور اس کے احیاء میں درپیش خطرات سے ہراساں ہو جانا چاہیے ۔

کیا ہمیں امام علی مقامؑ کی آواز استغاثہ سن کر بغیر لبیک کہے گزر جانا چاہیے؟ انہی کتب مقاتل سے امامؑ کے قیام کے اسرار و رموز ہمارے ہاتھ لگ سکتے ہیں ۔ ہمیں چاہیے کہ امامؑ کی تحریک کے پس منظر کو دیکھیں اور اس کے اسباب وعلل کی تحقیق کریں ، راہ و رسم استقامت کو پہنچانیں اور راستے میں کھڑی رکاوٹوں کو دور کریں ، شہدائے کرامؑ کے

---

(۱) "اَحَبَّ اللّٰہُ مَن اَحَبَّ حُسَیناً" جوکوئی حسینؑ سے محبت رکھتا ہے وہ خدا سے محبت رکھتا ہے ۔ (خدا اس کا دوست ہے کہ جو حسینؑ کو دوست رکھے) (کامل الزیارات ص ۳۰)

(۲) رسول خدا نے فرمایا: حسینؑ چراغ ہدایت اور کشتی نجات ہیں ۔ (سفینۃ البحار: ج۱، ص ۲۰۷)

(۳) لَبَّیکَ یا داعِیَ اللّٰہ (بحارالانوار: ج ۹۸، ص ۱۹۹ کامل الزیارات: ص ۲۱۸)

اوصاف (بابرکات) کو دریافت کریں اور ان کی تاثیر کو قبول کریں ، نیز ان کے مشاہدہ کے بعد تمام مورد ابتلاء ابواب کو مورد تجلیل قرار دیں ۔دشمن کی طرف سے کیے گئے جنگی اقدامات کے مقابلہ میں دفاعی حکمت عملی اختیار کرنا لازم ہے۔ ہمیں حسینی بننا چاہیے اور یزیدان زمانہ سے مبارزہ میں شہیدوں کے قافلہ سے مل کر خدائی (منسوب بہ خدا) ہو جانا چاہیے ۔ اس اعتبار سے کتب مقاتل نے اپنی حقیقی وقعت اور اہمیت منوائی۔

مقتل کی پہلی کتاب امام جعفر صادق ؑ کے عہد میں ابو مخنف کے توسط یا ابو القاسم اصبغ بن نباتہ کے وسیلے سے لکھی گئی ۔

اس کے بعد دسیوں کتب مقاتل حیطہ تحریر میں آئیں کہ ان میں سے اکثر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ، سوائے اپنے ناموں کے ، زمانے کی دست برد کا شکار ہو گئیں ۔ اور ان کے گراں قدر مؤلفین کے اسماء کتب رجال میں باقی رہ گئے ۔ فارسی زبان میں مقتل کی پہلی کتاب چوتھی صدی ہجری میں ابوعلی محمد بلعمی کے توسط سے تالیف ہوئی جو کہ طبری کا خلاصہ شدہ ترجمہ تھا اور اسے تاریخ بلعمی کے نام سے شہرت حاصل ہوئی ۔

یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ اہل سنت کے علماء نے دس سے زیادہ بہترین کتب مقتل کے باب میں تحریر کی ہیں ، کہ جن میں سے قدیم ترین مقتل الحسین ؑ ہے جو کہ چھٹی صدی ہجری کے علماء میں سے ابو مؤید خطب خوارزی کی تالیف ہے ۔

مقتل نویسی مختلف منابع سے استناد کے ساتھ صورت پذیر ہوئی ، جن میں سے اہم ترین حسب ذیل ہیں :

(۱) وہ روایات جو آئمہ اطہار ؑ سے اس بارے میں منقول ہیں ۔

(۲) امام سجاد ؑ اور اہل بیت امام ؑ کے خطبات نیز عزاداری میں چلنے والے بیانات ۔

(۳) وہ لوگ کہ جو امام عالی مقام ؑ کے لشکر میں شامل تھے لیکن فیض شہادت سے محروم رہے ۔

(۴) لشکر یزید کے سپاہی اور رپورٹر مثلاً حمید بن مسلم اور ہلال بن نافع وغیرہ کچھ آپ کی عظمت اور مظلومیت کا مشاہدہ کر کے اس کا تذکرہ کئے بغیر نہ رہ سکے۔

(۵) وہ لوگ جو نہ ہی لشکر یزید میں شامل تھے اور نہ امام حسینؑ کے ساتھیوں میں لیکن بہر حال کچھ جزوی وقائع کے شاہدین کے طور پر ہمارے لیے بطورِ ناقل موردِ اطمینان ہیں۔

فارسی میں پیش نظر کتاب مقتل (سحاب رحمت) حجۃ الاسلام والمسلمین آقائے شیخ عباس اسماعیلی یزدی کی تالیف ہے، جو کہ ممتاز خصوصیات کی حامل ہے اور جن کی طرف مؤلف محترم نے کتاب ہذا کے مقدمہ میں اشارہ فرمایا ہے۔ ہم اس کتاب کو کار تحقیق اور نشر علوم و تاریخ اہل بیتؑ کے ضمن میں قبولیت کی امید کے ساتھ خون حسینؑ کے وارث اور منتقم حضرت امام مہدیؑ کی خدمت اقدس میں تقدیم کرتے ہیں۔

(یکے از تحقیقات مسجد مقدس جکمران ذیقعد ۱۴۱۹/زمستان ۱۳۷۷)

حرف مزید:

کتاب مقتل ''سحاب رحمت'' مولفہ علامہ عباس اسماعیلی یزدی کے فارسی پیش گفتار کا ترجمہ آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ یقیناً اس کے مطالعہ سے آپ تاریخ مقتل کے ساتھ ساتھ کتاب ہذا میں مؤلف کی تحقیق عمیق اور کتب مقاتل میں اس کے مقام و اہمیت سے باخبر ہوگئے ہوں گے۔ ہم نے اس جدید ترین تحقیق مقتل کو اردو کے قالب میں ڈھالنے کے لیے اردو زبان و ادب کے استاد پروفیسر مظہر عباس صاحب کی خدمات حاصل کی ہیں جو فارسی زبان سے بھی فطری اور روحانی لگاؤ رکھتے ہیں، اور قبل ازیں متعدد کتب مقاتل کے مصحح کے طور پر کام کر چکے ہیں۔ گویا مقتل کے موضوع پر وسیع مطالعہ اور گہری نظر رکھتے ہیں۔ موصوف نے کتاب ہذا کو نہایت سلیس اور رواں دواں اسلوب میں لباس اردو پہنایا ہے، جس کا زندہ ثبوت آپ کے ہاتھ میں ہے۔

ہماری کوشش رہی ہے کہ دیگر موضوعات کے ساتھ ساتھ کتب مقاتل کی اشاعت پر بھی خصوصی توجہ دی جائے کیونکہ مصائب اہل بیتؑ اور فضائل اہل بیتؑ لازم ملزوم ہیں ۔ نیز سوگواری ،عزاداری اور مقتل نگاری شیعہ قوم کا عزیزاز جان سرمایہ ایمان ہے ۔ضرورت اس امر کی ہے کہ پیش نظر کتاب مقتل کی طرح کی مستند کتب تاریخ کا مطالعہ کیا جائے اور علماء خطباء اور ذاکرین ان تحقیقات سے فائدہ اٹھا کر کربلا کے مستند اور حقیقی واقعات و روایات کو پیش کریں تا کہ یہ امر معصومینؑ کی خوشنودی کا باعث بنے اور سامعین کی طرف سے بھی کسی قسم کا اعتراض نہ اٹھ سکے۔ آج کا دور تحقیق ، دلیل اور سچائی کا دور ہے، محض عقیدت اور مظلومیت کا بیان ناکافی ہے ۔ سچ پوچھیے تو ہمارے منبر پر جو مصائب اہل بیتؑ پیش کیے جاتے ہیں وہ اہل بیت عظام کے مصائب کے بحر ذخار کا ایک شمہ بھی نہیں ہیں ۔ آسان طلبی اور سہل پسندی نے ہمیں مروج مصائب کے بیان کے دائرے سے نکلنے ہی نہیں دیا ۔ حالانکہ کتب مقاتل میں ایسی ایسی روایات مصائب موجود ہیں جنہیں پڑھ اور سن کر انسان لرزہ براندام ہو جاتا ہے اور بغیر کسی تمثیل کاری کے ایسی رقت طاری ہوتی ہے کہ سیدہ فاطمہ زہراؑ ء کے قول کے ثبوت میں پہاڑ ریزہ ریزہ اور روشن دن سیاہ راتوں میں بدلتے دکھائی دیتے ہیں ۔

مظلومہ کائنات سیدہ زہراؑ ء اپنی اولاد کے مصائب کا پرسہ لینے کے لیے قیامت تک سوگوار وعزادار ہیں ۔ ارض وسما کی ہر مجلس عزا میں مظلوم حسینؑ کے عزاداروں اور ماتم داروں کے اجتماع میں شرکت فرمانے والی یہ بی بی روز قیامت کے انتظار میں ہے جب میدان محشر میں کائنات کی سب سے بڑی مجلس عزا برپا ہوگی ہم اپنی اس کاوش کو اسی مظلومہؑ بی بی کے حضور پیش کرتے ہیں تا کہ روز قیامت ہم عاصیوں کی نجات کی ضامن بنے اور اپنے حق شفاعت سے بہرہ مند فرمائے ۔

(یکے از تراجم ادارہ منہاج الصالحین لاہور، یکم جنوری ۲۰۰۴ عیسوی)

اردو کتبِ مقاتل کا سرسری جائزہ
اور سوگنامہ سید الشہداءؑ

(مختصر مقالہ مترجم)

اردو زبان کوئی قدیم زبان نہیں ہے کہ اس میں موجود علم و ادب بھی زمانہ قدیم سے محفوظ چلا آتا ہو۔ خصوصاً اردو نثر کی تاریخ کا تو آغاز ہی فورٹ ولیم کالج کلکتہ کے زیرِ نگرانی ہوا۔ جہاں تک اردو نثر میں مذہبی کتب کی تصنیف کا تعلق ہے تو اس کام کی ابتداء بھی تقریباً اسی دور میں لکھنؤ اور دہلی میں ہوئی، اور جو کتب منصۂ شہود پر آئیں وہ زیادہ تر عربی فارسی کتب سے ماخوذ اور مستفاد مواد پر مبنی تھیں۔

کتب مقاتل وہ نثری کتب ہیں جو سید الشہداءؑ امام حسینؑ اور دیگر شہدائے کربلا کے ذکرِ جمیل اور شہادت جلیل پر مشتمل ہیں اور جن میں عموماً ابتدائی تاریخ اسلام اور خانوادہ عصمت و طہارت کے مختصر تعارف خدمات کے بعد ولادت امام حسینؑ سے لے کر ان کی شہادتوں کے مابعد تک اہل حرم کو پیش آنے والے مصائب کا تذکرہ ہوتا ہے۔ فضیلت زمین کربلا، زیارات شہداءؑ، علل قیام حسینیؑ، واقعات روز بہ روز، تذکرہ شہادت ہائے (کوفہ و کربلا) شام غریباں، کوفہ و شام کی اسیری اور مصائب، دربار زیاد و یزید میں، خطبات سجاد و زینبؑ، قید سے رہائی، کربلا میں واپسی، ورود بہ مدینہ وغیرہم کا تفصیلی ذکر کیا جاتا ہے۔

اردو زبان میں اس حقیر کے مطالعہ میں آنے والی اس طرح کی کتب مقاتل میں علمائے برصغیر کی کتب میں اخبار ماتم، نہر المصائب، بحرالمصائب، ذکر المصائب، توضیح عزاء وغیرہ قابل ذکر ہیں (یہ محولہ بالا کتب بالفعل میرے سامنے نہیں ہیں ورنہ ان کے مصنفین اور سنین تصنیف و اشاعت کا تذکرہ بھی کیا جاتا)۔ یہ تمام کتب زبان کی ارتقائی منازل اور اپنے دور کے مروجہ اسلوب کے مطابق مقفٰی و مسجع اور دقیق پیرایہ اظہار کی حامل ہیں۔جن کی لسانی تجدید ادارہ منہاج الصالحین کی طرف سے کروائی جارہی ہے۔

عربی اور فارسی سے ترجمہ شدہ کتب مقاتل میں سے معالی السبطین اور ریاض القدس کے نام قابل ذکر ہیں۔ معالی السبطین ایک عراقی عالم آقائے محمد مہدی مازندرانی کی تصنیف کردہ فضائل و مصائب کی معتبر کتاب ہے جس کا اردو ترجمہ ہو چکا ہے۔اور ریاض القدس فارسی میں روضہ خوانی کی مقبول عام کتاب ہے جس کے مصنف آقائے صدر الدین قزوینی ہیں اور اس کے مترجم مولانا سید ظل حسنین زیدی سرسوی ہیں۔ اردو میں ان ہر دو کتب کے طابع سید محمد شبر رضا ہیں اور یہ دلی العصر ٹرسٹ کی پیش کش ہیں۔ جب کہ نفس المہموم، مہیج الاحزان، ریاض الاحزان، اسرار شہادت کے تراجم کی اشاعت کا بھی عزم ظاہر کیا گیا ہے۔ ریاض القدس اور معالی السبطین کے تراجم حد اعتدال سے زیادہ مفرس اور تشنہ اصلاح ہیں۔عربی عبارات اعراب سے محروم ہونے کے سبب اردو قاری کے بھرپور استفادہ کے لیے ناکافی ہیں عربی فارسی اشعار کا ترجمہ ناقص اور ملخص ہے۔ اور کچھ اشعار کا ترجمہ ہی نہیں کیا گیا۔

مصائب محمدؐ و آل محمدؐ پر چند سال قبل چھپنے والی ایک کتاب حجۃ الاسلام والمسلمین محمد محمدی اشتہاردی کی کتاب سوگنامہ آل محمدؐ ہے۔ کتاب ہذا میں چہاردہ معصومینؑ کے مصائب درج ہیں اور کاملتاً مقاتل کربلا پر مبنی کتاب نہیں ہے۔ پھر بھی واقعات کربلا اور شہادت کے موضوعات پر اس کے تقریباً تین چوتھائی صفحات مخصوص ہیں۔ اردو میں

اسکے دو تراجم منظر عام پر آئے ہیں۔ ایک جامعۃ المنتظر کے مدرس مولانا موسیٰ بیگ نجفی صاحب نے کیا ہے اور دوسرا ترجمہ ادارہ منہاج الصالحین کے سرپرست مولانا ریاض حسین جعفری صاحب کا ہے، جو نہ صرف بہتر ترجمہ ہے بلکہ اصل کتاب میں عزا داری اور ذوالجناح کے موضوعات پر اضافہ جات بھی کئے گئے ہیں۔ معلوم ہوا ہے کہ ادارہ منہاج الصالحین جلد ہی لہوف مؤلفہ سید بن طاؤس کا ترجمہ بھی شائع کر رہا ہے۔

علاوہ ازیں طبع زاد تالیفات میں ذبح عظیم مصنفہ سید اولاد حیدر فوق بلگرامی، محسن انسانیت مصنفہ علامہ علی نقی اصحاب الیمین مصنفہ علامہ حسین بخش جاڑا، سعادت الدارین مصنفہ مولانا محمد حسین نجفی وغیرہ اور کئی سنی حضرات کی کتب مثلاً فاطمہ کا لال، خاک کربلا وغیرہ کو بھی گنوایا جا سکتا ہے۔

زیر نظر سوگنامہ سید الشہداؑ جو کہ حجۃ الاسلام والمسلمین شیخ عباس اسماعیلی یزدی کی تحقیق و نگارش ہے۔ اور فارسی میں سحاب رحمت کے نام سے موسوم انتشارات مسجد مقدس جمکران میں سے ایک ہے۔ یہ کتاب ۸۷۰ صفحات پر مبنی ہے، جس میں تقریباً ایک سونوے (۱۹۰) موضوعات پر تاریخ مقتل کے جدید تقاضوں کے مطابق روشنی ڈالی گئی ہے پہلا موضوع ولادت امام حسینؑ اور آخری موضوع وفات حضرت سکینہؑ ہے۔ فہرست سے پہلے دو صفحات ارشاد امام مہدیؑ اور زیارت ناحیہ کے ایک مختصر سے اقتباس پر مبنی ہیں۔ چند سطور تبرکاً ملاحظہ ہوں۔

اے اہل عالم! آگاہ ہو جاؤ کہ میرے جد حسینؑ کو پیاسا شہید کر دیا گیا۔

اے اہل عالم! آگاہ ہو جاؤ کہ میرے دادا حسینؑ کو عریاں (و بے گور و کفن) چھوڑ دیا گیا۔

اے اہل عالم! آگاہ ہو جاؤ کہ میرے دادا حسینؑ کا بدن گھوڑوں کے سموں کے تلے پامال کیا گیا۔ (الزام الناصب ۲۷، ص ۲۸۲)

اگر زمانے نے مجھے تاخیر میں ڈال دیا اور میں آپؑ کی نصرت کرنے سے قاصر رہا اور جن لوگوں نے آپؑ سے جنگ کی ان سے نہ لڑ سکا اور جن لوگوں نے آپؑ سے دشمنی کی ان سے ستیزہ کار نہ ہو سکا تو میں صبح و شام آپؑ کے لیے نالہ و فریاد کروں گا، اور اشکوں کے بجائے آپ کے لیے خون روؤں گا۔ آپؑ کے لیے حسرت اور آپ کے مصائب پر اندوہ تاسف کروں گا۔ حتیٰ کہ مصائب کے اثر سے اپنی جان پر وارد ہونے والے غصہ جانکاہ اور اندوہ فراواں سے مرجاؤں گا۔ (بحارالانوار)

☆ سوگنامہ سید الشہداءؑ سحاب رحمت کا اردو ترجمہ حقیر فقیر کی عاجزانہ پیش کش ہے، جو سید الشہداءؑ کی کرم نوازی سے کراماتی طور پر معرض وجود میں آیا ہے، ورنہ مجھے دعویٰ زباندانی ہے اور نہ دعویٰ علمیت۔ ہاں البتہ فطرس کو پر پرواز عطا کرنے والی اس ہستی کی عطا پر نہایت نازاں اور مفتخر ہوں۔

☆ ترجمہ ہذا میں ادب آداب کے لحاظ سے صیغوں کا خیال رکھا گیا ہے نیز شتر گربہ سے احتراز کیا گیا ہے۔

☆ آیات قرآنی اور فرمودات معصومینؑ کا ترجمہ ایسے ہی ہے کہ جیسے آئینے میں پھولوں کا عکس ورنہ کلام ربانی اور کلام معصومینؑ کی خوشبو اور جوہر ترجمے میں منتقل کرنا مجھ حقیر کے بس کا روگ قطعاً نہیں ہے۔

☆ میرے خیال میں ہر زبان کا اپنا اپنا محاورہ اور روز مرہ ہوتا ہے۔ مترجمین کا متعلقہ زبانوں کے روز مرہ اور محاورہ سے واقف ہونا ضروری ہے۔ لیکن اس کے باوجود بھی نعم البدل میسر نہ ہونے کے سبب عربی سے فارسی اور فارسی سے اردو ترجمہ ہوتے ہوتے کہیں نہ کہیں معمولی فرق رہ جاتا ہے۔ جو لسانی مجبوری کے تحت قابل قبول ہے۔ البتہ ظلم کی انتہا تو یہ ہے کہ آج

کے اکثر مترجمین ہر دو زبانوں کے محاورے سے نابلد ہوتے ہیں، حتیٰ کہ اپنی زبان اردو کے محاورے سے بھی ناآشنا ہیں۔ اور ایسے ایسے گل کھلاتے ہیں کہ خدا کی پناہ۔

☆ ایک اور مسئلہ مروج اور غیر مروج روایات اور واقعات کا ہے۔ مثلاً بعض مصائب عراق و ایران و شام میں تو مروج ہیں لیکن پاکستان اور ہندوستان میں غیر مروج۔ ہونا تو یہ چاہیے کہ اصل معیار حقائق کو بنایا جائے اور حقائق کی تحقیق و ترویج کی جائے نہ کہ انہیں خارج از کتاب کردیا جائے اور یوں جو غلط سلط مستعمل ہے اس کو بالواسطہ فروغ دیا جائے۔

☆ محترم المقام ناشر صاحب کی ہدایات کے مطابق حوالہ جات اور حواشی کو علیحدہ (Foot notes) کی صورت میں درج کرنے کے بجائے محولہ اقتباسات کے ساتھ ساتھ ہی درج کیا گیا ہے (طوالت کی صورت میں صرف چند مقامات پر ایسا نہیں ہوسکا)۔

☆ کتاب کے موضوعات کو پرکشش بنانے کے لیے انہیں مختصراً اور موقع محل کی مناسبت سے باندھا گیا ہے۔

☆ کچھ تشنہ وضاحت مطالب کی وضاحت قوسین لگا کر عبارات کے اندر ہی کردی گئی ہے۔

☆ کہیں کہیں اصل متن میں اغلاط کا شائبہ ہوا ہے تو انہیں بھی تحقیق کے بعد دور کردیا گیا ہے، پھر بھی ایک حسرت دل میں موجود ہے کہ وسیع مطالعہ اور تحقیق و تدقیق کے بعد بذات خود تاریخ کربلا رقم کروں جو کاملاً اردو میں ہو اور جس میں عربی اور فارسی عبارات اور اشعار سے احتراز کیا گیا ہو۔

☆ یقیناً نقش اول اغلاط سے کا ملتا پاک نہیں ہوسکتا۔ علمائے تاریخ و مذہب اور ادباء وفضلاء سے بالخصوص اور خطباء و قارئین سے بالعموم گزارش ہے کہ وہ ترجمہ ہذا میں جہاں کہیں کوئی سقم یا کمی بیشی دیکھیں براہ کرم مطلع فرمائیں تاکہ نقش ثانی کو مزید بہتر بنایا جا سکے۔

☆ تمام روایات اصل کتب کے مطابق درج کی گئی ہیں۔ اور عام روش کے مطابق ترجمہ کرتے وقت سنی سنائی روایات کو درج نہیں کردیا گیا۔ مثلاً آہوان ارض نینوا والی روایت ہی کو لے لیں، تو شیخ صدوقؒ کی کمال الدین جو اس روایت کا ماخذ ہے اس سے کتاب ہذا میں درج روایت (فارسی) کا موازنہ کیا تو نہ صرف لفظی بلکہ کچھ مفہومی بعد بھی موجود تھا جسے دور کیا گیا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ عربی سے فارسی اور فارسی سے اردو ترجمہ کرتے وقت ایسے سقم پیدا کردیئے جاتے ہیں۔ روایات کا عربی متن معلوم ہو تو ایسے اسقام کا ازالہ کیا جا سکتا ہے۔

☆ جہاں تک فارسی تالیف کا تعلق ہے تو مؤلف نے سینکڑوں کتب کے مطالعہ اور تدقیق کے بعد حوالہ جاتی اور ازاں بعد تجزیاتی تحقیق کا شاندار مرقع پیش کیا ہے بعض اوقات تو شیوخ کی روایات تک میں غلطی تک کا انکشاف کیا ہے۔ مؤلف کی تحقیق عمیق، اصول تاریخ سے واقفیت، تجزیہ نگاری، نتیجہ خیزی اور زبان و بیان پر گرفت کا اندازہ جملہ موضوعات سے عموماً اور ''امام حسینؑ کے قیام کے اسباب وعلل'' ''عزائے امام میں سیاہ پوشی کا استحباب'' اور ''تاریخ گزشتگان کی تحقیق لازمی ہے'' سے خصوصاً کیا جا سکتا ہے۔

مختصراً اگر یہ کہا جائے کہ سحاب رحمت کربلا پر دور حاضر کی عمدہ ترین تحقیق ہے

تو یہ قطعاً بے جا نہ ہوگا۔

ترجمہ ہذا کی پیش کش میں سرپرست ادارہ منہاج الصالحین جناب علامہ ریاض حسین جعفری صاحب کا کار خیر نہایت قابل قدر ہے۔ اردو میں تاریخ کربلا کے موضوع پر یہ ان کی (ان شاء اللہ) زبردست اشاعت ہوگی۔ اللہ رب العزت علامہ صاحب موصوف کی توفیقات میں روز بہ روز اضافہ فرمائے اور انہیں مذہب حقہ اثنا عشریہ کی خالص خدمت پر تا حیات مامور رکھے۔

عربی، فارسی اور اردو متن کی پروف ریڈنگ میں مولانا مسرور حسین شیرازی اور مولانا جان محمد صاحبان کا بھی ممنون ہوں۔ اعراب لگانے میں محمد عارف حسینی نے بہت محنت کی، اللہ رب العزت ان تمام احباب کو اجر عظیم عطا فرمائے۔عربی عبارات کو Tele کرنے اور حوالہ جات کو Check کرنے کا مشکل تر کام میری شریک حیات ناہید عباسی نے انجام دیا ہے، اللہ تعالیٰ ان کی اہل بیتؑ شناسی میں مزید اضافہ فرمائے اور جزائے خیر سے نوازے۔قارئین سے استدعا ہے کہ مطالعہ کتاب کے وقت میرے خاندان کے مرحومین خصوصاً میرے والد محترم، تایا جان اور پھوپھی جان مرحومہ کے ایصال ثواب کے لیے فاتحہ ضرور پڑھیں۔شکریہ

احقر العباد: مظہر عباس

مقدمہ مؤلف

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم

والحمد للّٰه ربّ العالمين والعاقبة للمتّقين والجنّه للموحّدثين والنّار للملحدين وصلّى اللّٰه على محمّد سيّد المرسلين وعلى آله آل اللّٰه سيّما مولانا المظلوم وأبانا الرّؤف حجّة بن الحسن المهدىّ عجّل اللّٰه تعالى فرجه الشّريف واللّعنة على أعدائهم أعداء اللّٰه الى يوم القاء اللّٰه

مجاہدوں کے سید و سردار، عارفوں کے امام، شہیدوں کے سالار، ہدایت کے سورج، سعادت کے راستے کی مشعل، ایثار و وفا کے اسوہ (کامل) صبر و استقامت کے آموزگار، رنج و محن اور کرب و بلا کے حامل، فداکاری اور ایثار و سخا کے مظہر، مہربانی اور جوانمردی و شجاعت کے جامع، جانبازی، از خود رفتگی اور شہادت کے نمونے عالمین کے مولا اور مردان آزاد کے سرور و صاحب حضرت ابا عبداللہ الحسین ابن علیؑ ابن ابی طالبؑ روحی وارواح العالمین لہ الفدا پر اللہ، اس کے مقرب ملائکہ اور برگزیدہ بندوں کا سلام ہو۔

اس ہستی پر بے حدوحساب سلام ہو کہ جس کی شجاعت نے حیدر کرارؑ کی شجاعت یاد دلا دی اور جس کا وجود اقدس انبیائے کرام کے کمالات و فضائل کا حامل تھا۔ جس کی شہادت نے اہل جہان کو یہ درس دیا کہ حق (ہمیشہ کے لیے) محکم و مستحکم ہے اور باطل آخرکار نیست و نابود اور فنا ہونے والا ہے اور ظالموں کے ساتھ زندہ رہنے پر عزت و شرافت کی سرخ موت کو اختیار کرتے ہوئے عاشور کے حماسہ جاوید کو وجود بخشا، اور عاشور کے پرشور و صلابت خونیں ہنگامہ کو اس طرح ایجاد کیا کہ جیسا گزشتہ صدیوں میں کبھی نہ ہوا تھا۔ اور عالم بشریت کو فدا کاری اور جانبازی کا (مثالی) سبق دیا۔

اس ہستی کے ہمراہیوں اور ساتھیوں پر بھی درود و سلام ہو کہ جنہوں نے توحید و ولایت کے شجر کی آبیاری کی اور صاحب عاشور کو بہترین طریقہ سے اپنی "دین" ادا کی۔

صاحب عاشورا کی سچائی کیا ہے؟

انسان بہت حقیر و کمتر ہے کہ اس ہستی عظیم کے وجود بے انتہا کی بیکرانیوں کو ہاتھ ڈالے۔ جوں جوں وقت گزرتا جا رہا ہے ویسے ویسے اس ہستی کے قیام اور تحریک کی تازہ بہ تازہ ابعاد آشکار ہوتی چلی جارہی ہیں اور انسان معقول و منقول میں جس قدر عمیق تر اور قلمروئے فکر میں جس درجہ کامل تر ہوتا جاتا ہے اس ہستی کے بارے میں اس کی اہمیت بڑھتی ہی چلی جاتی ہے۔

حسینؑ وہ جامع اور کامل حقیقت ہیں کہ مفکروں، دانشوروں، مصنفوں اور محققوں میں سے کسی نے طول تاریخ میں اپنے علم و فکر کے مطابق محض اس بے کراں سمندر کے گوشوں سے خود کو سیراب کیا اور توشہ (آخرت) اکٹھا کیا۔

ہدایت بشر جس طرح ایک علت محدثہ کی خواہاں ہے اسی طرح ایک علت مبقیہ کی بھی نیاز مند ہے۔ اس کی علت محدثہ طول قرون و اعصار میں ہونے والے (تمام)

انبیاءؑ کی بعثت سے متحقق ہوئی اور علت مبقیہ، کی تحقیق بھی ولایت کبریٰ کے ذریعے امکان پذیر ہوئی ہے۔ اور امام حسینؑ علت مبقیہ انبیاءؑ کی دعوت اور سید المرسلینؐ کی شریعت کی بقا کا راز ہیں۔ کیونکہ ہر نبوت اور ہر ولایت ان کے وجود کے سبب سے باقی ہے۔

بنو امیہ کہ جن کی حکومت کی بنا سقیفہ ہی میں پڑ گئی تھی اور یہود و نصاریٰ کے مکروفریب سے (پوری طرح) صورت پذیر ہوگئی، اسلام کو محو کرنے کے لیے کوشاں تھے اور اس فکر پلید کو مسلسل اپنے ذہنوں میں پال رہے تھے کہ ارکان ایمان کو ڈھایا جائے حتّٰی کہ اسلام کا نام تک باقی نہ رہے۔

امیر معاویہ نے اپنے نامشروع بیٹے (یزید) کو بنیاد حکومت فراہم کی اور یزید آشکارا اسلام کو مٹانے کی کوششوں میں جت گیا۔ اس کا خیال یہ تھا کہ حسینؑ کو شہید کردینے سے سب کچھ ختم ہو جائے گا۔ اتفاقاً حالات و واقعات اور ظواہر بھی اسی صورت حال کے غماز تھے کہ حادثہ عاشور کے بعد دین وقرآن کا نام ونشان تک باقی نہ رہے گا۔

لیکن زیادہ دیر نہ ہوئی کہ تیرہ و تار بادلوں کے پیچھے سے شہیدوں کے سالار اور حریت پسندوں کے رہبر و رہنما کا سیمائے پر فروغ سب پر عیاں ہوگیا، اور دوست دشمن امام عالی مقامؑ کی حقیقت سے آگاہ ہوگئے۔ یوں زریں صفحات تاریخ آنحضرتؑ کے لیے مختص ہوگئے، جب کہ یزید اور معاویہ کا نام سوائے ننگ و عار اور لعن ونفرین کے باقی نہ رہا۔

آج نہ صرف شیعہ قوم امام حسینؑ کی عاشق و دلدادہ ہے بلکہ دنیائے عالم کے چپے چپے میں ہر مذہب ومسلک کے لوگوں اور حریت پسندوں کے دل عاشورہ اور کربلا کی طرف مرکوز ہیں۔ اور اس مدرسہ عشق و ایثار سے بہرہ مند ہو رہے ہیں۔

ہندوستان کا عظیم مصلح گاندھی کہتا ہے:

میں ہندوستان کے عوام کے لیے کوئی نئی چیز نہیں لایا ہوں بلکہ میں نے صرف

وہ نتائج ہندوستانی قوم کی نذر کیے ہیں جو مجھے کربلا کے شہیدوں کی تاریخ حیات کے مطالعہ و تحقیق سے ہاتھ لگے ہیں ،اور اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہندوستان کو آزادی دلائیں تو ہم پر لازم ہے کہ ہم حسینؑ ابن علیؑ کے نقش قدم پر چلیں ۔

(حسینؑ پیشوای انسانہا/۳۰،بنقل از مجلہ الغری شمارہ ربیع الاول : ۱۳۸۱)

ماربین المانی کا کہنا ہے:

وجدان کے پیرو اگر اس عہد کے حالات و واقعات ، بنی امیہ کے مقاصد کی پیش رفت اور ان کی وضع سلطنت نیز دشمنی و عداوت کو حق و حقیقت کی نگاہ اور دقت نظر سے دیکھیں تو بغیر از تامل تصدیق کریں گے کہ حسینؑ نے اپنے عزیز ترین افراد کی قربانیاں دے کر اپنی مظلومیت اور حقانیت کے اثبات سے دنیا کو فداکاری اور جانبازی کا سبق دیا۔ اور اس طرح اسلام اور مسلمانوں کا نام صفحات تاریخ میں ثبت اور کائنات عالم میں سر بلند کر دیا۔

اور اگر یہ الم ناک حادثہ پیش نہ آیا ہوتا تو اسلام قطعاً موجودہ حالت میں نہ ہوتا اور اسلام اور مسلمان یکسر نیست و نابود ہو چکے ہوتے ۔ (حسین پیشوای انسانہا/۳۸)

مشہور انگریز مورخ تھامس کارلائل لکھتا ہے:

ہمیں واقعہ کربلا سے جو بہترین درس حاصل ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ حسینؑ اور ان کے ساتھی خدائے متعال پر کامل ایمان رکھتے تھے ، انہوں نے اپنے عمل سے واضح کر دیا کہ حق و باطل کے تصادم میں عددی برتری کوئی اہمیت نہیں رکھتی ۔ حسینؑ اور ان کے ساتھیوں نے تعداد میں کم ہونے کے باوجود جو کامیابی حاصل کی ہے وہ میرے لیے حیران کن ہے۔

معاصر مسیحی دانشور ''انطون بارا'' اپنی کتاب ''الحسینؑ فی الفکر المسیحی '' نہایت عجز و ادب کے ساتھ امام عالی مقامؑ کی خدمت میں تقدیم کی ہے۔

امام حسین علیہ السلام صرف اپنے عہد حیات ہی میں مشعل ہدایت اور کشتی نجات نہیں تھے بلکہ صدیاں اور زمانے بیت جانے کے باوجود آج بھی اکثر لوگوں کو اپنی جانب کھینچتے ہیں۔کتاب "شَیِّعنِی الحُسَینُ" "تاریخ عاشورہ کی تحقیق کے نتیجے میں مذہب حقہ سے انہی ہدایت حاصل کرنے والوں کے بارے میں حیطہ تحریر میں لائی گئی ہے۔

وجہ تالیف (سحاب رحمت)

جوانی کی بہار گزر گئی' پیری کی خزاں آ پہنچی' میں نے کشت و زراعت (کھیتی باڑی) کے وقت تخم ریزی نہ کی اور اپنی عمر کا پھل چنا اور نہ اندوختہ کیا۔قیمتی سرمایہ حیات کو اس تاجر کی طرح برباد کردیا جو اپنے تمام وجود کو ہار بیٹھا ہو اور شکست (فاش) سے دو چار ہو۔ یا پھر اس مسافر کی طرح کہ جسے طویل مسافت درپیش ہو اور وہ زادسفر سے محروم اور قافلے سے دور رہ گیا ہو۔

یوں محسوس ہوتا ہے کہ:

در معاصی شد ہمہ عمرم تباہ
قامتم خم گشت زین بار گناہ
موی من در روسیاہی شد سفید
یعنی از رو قاصدِ مرگم رسید

''میری تمام عمر گناہوں میں گزر گئی اور اس بار گناہ نے میری کمر خمیدہ کردی ۔ میرے بال روسیاہی میں سفید ہوگئے اور موت کا قاصد آن پہنچا۔''

میں نہ ایمان سے بہرہ مند ہوا نہ تقویٰ اور اعمال صالح کا توشہ بہم پہنچایا اور نہ نیک صفات سے آراستہ ہوا بلکہ ہر طرف سے ناامیدی اور یاس کے آثار خود میں پائے (

لہذا) میرے لیے کوئی وسیلہ ضروری تھا کہ حتمی ہلاکت سے نجات پا سکوں۔ میں نے وسائل (نجات) پرنظر دوڑائی تو سید الشہداءؑ کی عنایات کوتمام مخلوق خدا کے شامل حال پایا۔ آپؑ کا دروازہ کس قدر وسیع تر ہے اور آپ کی کشتی نجات ساحل کی طرف تیز تر ہے، اور آپؑ کے انوار سے استفادہ آسان تر ہے۔

اگر چہ تمام آئمہ اطہارؑ وسیلہ ہدایت، کشتی نجات اور مخلوق خدا کے لیے پناہ گاہ ہیں کیونکہ رسول خداؐ نے فرمایا تھا:

اِعْلَمُو أَنَّ الدُّنیا بَحْرُ عَمِیْقُ قَدْ غَرِقَ فِیْھا خَلْقُ کَثِیْرُ وأَنَّ سَفِیْنَةَ نَجاتِھا آلُ مُحَمَّدٍؐ

جان لو کہ دنیا ایک گہرا اور بیکراں سمندر ہے اور بکثرت انسان اس میں غرق ہیں اور اس دنیا کے لیے سفینہ نجات آل محمدؐ ہیں۔ (بحارالانوار: ۲۴۲/۱۷)

نیز فرمایا:

اِنَّمَا مَثَلُ أَھْلِ بَیْتِی (فِیْکُمْ) کَمَثَلِ سَفِیْنَةِ نُوحٍ، مَنْ رَکِبَھَا نَجا ،وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْھا غَرِقَ .

''یقیناً میرے اہل بیتؑ (تمہارے لیے) کشتی نوحؑ کی مانند ہیں جو اس میں سوار ہوگیا وہ نجات پا گیا اور جس نے تخلف کیا غرق ہوگیا۔'' (ینابیع الحکمۃ: ۱/۱)

لیکن رسول اسلامؐ نے امام حسینؑ کا نام بالخصوص لیا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا:

اس خدا کی قسم کہ جس نے مجھے حق پر مبعوث فرمایا: آسمان پر حسینؑ بن علیؑ کا مقام زمین پر ان کے مقام سے بلند تر ہے۔ عرش خدا کی دائیں جانب لکھا ہوا ہے: حسینؑ مشعل ہدایت کشتی نجات' صراط مستقیم کے، صاحب عزوشرف، بحرعلم اور زخیرہ (پروردگار) ہیں

(عیون الاخبار: ۱/ ۴۸ ب ٦ ح ۲۹، بحارالانوار: ٣٦/ ۲۰۵ و ۹۴/ ۱۸۴)

امام حسینؑ بہشت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ اور تاریکیوں میں چراغ ہدایت ہیں۔ (مقتل خوارزمی: ۱/۱۴۵)

لہٰذا امید وار ہو کر دست توسل ان کے دامن پرمہر کی طرف بڑھایا ہے۔

بساں موری باران ملخی برسویش شتا فیتم

بنا برایں کہ کتاب ینابیع الحکمہ کی اشاعت کے بعد مجالس و منبر پر اس سے استفادہ کئے جانے سے تمام دوستوں کی نصیحت مقتل پر ایک جامع اور مستند کتاب لکھنے کا مورد بنی۔ چند سالوں کی تحقیق اور مطالعہ کے بعد موجودہ کتاب طباعت و اشاعت کے لیے تیار ہوگئی۔

جن برداران نے اس کام میں مجھ حقیر کی مدد کی ان کے شکریہ اور قدر دانی کے ساتھ ساتھ قارئین کی توجہ چند نکات کی طرف مبذول کروانا چاہوں گا۔

(۱) سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کی پوری زندگی اور آپؑ کی تحریک کی مختلف ابعاد اس کتاب کے صفحات میں قطعاً بند نہیں ہوسکتیں۔(حتّٰی کہ گراں قدر کتاب ''دائرۃ المعارف الحسینیہ'' کہ جس کی ۳۳۲ سے زیادہ ضخیم جلدیں ہیں اور حال ہی میں دس جلدیں چھپ کر منظر عام پر آئی ہیں۔ اس میں بھی اس عظیم ہستی کی نہضت کی تمام ابعاد کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا) طبعاً بہت سی ان کہی باتیں آئندہ نسلوں پر کہنا باقی ہیں۔ نہ جانے ابھی کتنے دروس و حقائق مقرروں اور سخنوروں کے لبوں پر نہیں آئے، حتّٰی کہ محققوں اور مفکروں کی نظروں سے بھی پوشیدہ ہیں۔

لہٰذا صاحب بصیرت دانشوروں اور باخبر محققوں کہ جو تاریخ اور خصوصاً تاریخ کربلا کا دقیق مطالعہ رکھتے ہیں اور اس کی عمیق تحقیق نیز تحلیل و تجزیہ کر چکے ہیں، سے

ملتمسانہ درخواست کرتا ہوں کہ مجھ حقیر کی اس کاوش کے نقائص دور کر کے اس کی تکمیل میں میری مدد فرمائیں۔

(۲) میں پوری تاریخ اسلام و مسلمانان میں کربلا کی مثل کسی اور واقعہ کا سراغ نہیں پاتا کہ جس کی منشاء مذہبی دینی اور اجتماعی قیام ہوں اور تاریخ اسلام کے لیے باعث تحول ہو، چنانچہ یہ کسی طرح ممکن ہے کہ اس طرح کے حادثہ (سانحہ) کے پاس سے گزرا جائے اور اس کی وسیع ابعاد کی تحقیق نہ کی جائے؟

اگر چہ ہم یہ استطاعت نہیں رکھتے کہ اس عظیم ہستی (امام حسینؑ) کی حقیقت قیام کی اصلیت تک رسائی حاصل کرسکیں اور ہمارا ہاتھ وہاں تک نہیں پہنچ سکتا لیکن ہمیں آنحضرتؐ کی حیات . کات کے اہم ترین حصے یعنی تاریخ کربلا کو دہراتے رہنا چاہیے ۔تاکہ یہ ہمارے مذہبی معاشرے میں رواج پا سکے اور آپ سے محبت کرنے والے کربلا کے واقعہ سے صبر و استقامت، ایثار و فدا کاری اور شجاعت برد باری کے اعلیٰ ترین نمونوں کا درس حاصل کرسکیں۔

(۳) پیش نظر کتاب کی تدوین و تالیف، امام حسینؑ کے مدینہ سے کربلا تک کے سفر سے مربوط وقائع و حوادث، عاشورائے حسینی کے واقعات و جریانات کا بیان اور آپ کے مقتل کا تذکرہ ہے، اس طرح کہ قاری حقیقت میں جو واقع ہوا ہے اس سے کافی حد تک آشنا ہو جائے، لہٰذا نہضت حسینی سے حاصل کئے جا سکنے والے نکات و دقائق اور دروس سے سوائے چند موارد کے احتراز کیا گیا ہے۔

(۴) وہ عبارات جو فارسی کتب سے نقل کی گئی ہیں اگر چہ یہی کوشش تھی کہ ان کو بعینہ دہرایا جائے لیکن بہت سے مواقع پر استفادہ عام کے لیے تسہیل کے

نقطہ نظر سے یہ عبارات مروج فارسی میں پیش کی گئی ہیں۔

(۵) اگر چہ مقتل کی دسیوں کتب تالیف کی جا چکی ہیں لیکن یا تو وہ عالم کامل سید بن طاؤس کی لہوف کی طرح مختصر ہیں یا پھر اضافی مطالب اس قدر حاوی ہیں کہ جو قاری کو اصل مطلب سے دور لے جاتے ہیں۔اس کتاب میں کوشش کی گئی ہے کہ لازمی اور مستند مطالب کو لایا جائے۔

قرآن مجید سے استمداد اور خداوند متعال کی درگاہ سے مشاورت سے "اسحاب رحمت" نام رکھا گیا ہے۔امید ہے کہ ولایت حسینی کے آسمان سے برسنے والی خدا کی رحمت کی بارش ہوسارے زنگ زدہ اور تاریک دھبوں کو دھو ڈالے اور ہم رحمت الٰہی کے وسیع دروازے سے بہرہ مند ہوسکیں۔

بارالٰہا! میں تیری بارگاہ میں اپنے پیغمبر کے فقدان، اپنے اماموں کی غیبت، اپنے دور کی سختی، آشوب زمانہ، اپنے خلاف دشمنوں کی یکجائی، دشمنوں کی کثرت اور اپنے اقلیت میں ہونے کی شکایت کرتا ہوں۔

بارالٰہا: اپنی طرف سے ہماری سریع نصرت اور باعزت یاوری فرما،اور ظہور امامؑ اور ان کی عادلانہ رہنمائی سے ہمارے اس غم واندوہ کو دور فرما دے۔

معبود! ہمیں حق پر رکھ اور ہماری دعائیں قبول فرما۔

☆ ۱۵ شعبان المعظم ۱۴۱۹

☆ روز ولادت باسعادت منجی بشریت

☆ حضرت حجۃ بن الحسنؑ المہدیؑ

☆ حوزہ علمیہ قم

☆ عباس اسماعیلی یزدی۔

احوال مترجم

مظہر عباس دینی و عزائی ادب کا ایک تابناک ستارہ ہیں، جو دیہات و مضافات سے طلوع ہو کر لاہور جیسے شہر کے علمی و ادبی افق پر نہایت پر وقار انداز سے درخشاں ہیں۔ موصوف کا تعلق ضلع گوجرنوالہ کے معروف بھنڈر (جٹ) خاندان سے ہے۔ آپ کے اجداد گنجی بار کی آباد کاری کے موقع پر سنٹرل پنجاب کے دیگر خاندانوں کی طرح ضلع منٹگمری (موجودہ ساہیوال، اوکاڑا) منتقل ہو گئے، اور اختر آباد وغیرہ میں زرعی زمینیں خرید کیں۔ آپ کی جائے پیدائش بھی 15/i.a.l. اختر آباد ہی ہے۔ گریجوایشن کرنے کے بعد آپ نے پنجاب یونیورسٹی لاء کالج لاہور سے ایل، ایل، بی کا امتحان پاس کیا اور پنجاب یونیورسٹی سے ایم، اے سیاسیات۔ ایم اے اردو، ایم اے، پنجابی کی ڈگریاں حاصل کیں۔ آپ فارسی زبان وادب سے گہرا لگاؤ رکھتے ہیں، اور اقبالیات کے بھی ماہر ہیں۔ عربی فارسی کا ذوق آپ کو اپنے والد محترم چودھری محمد اسلم بھنڈر (مرحوم) سے ورثے میں ملا۔ جو شیر گڑھ (اوکاڑا) میں مقیم رہے اور اپنے دور کے زیرک و ذہین اور فاضل ترین افراد میں شمار ہوتے تھے۔

مظہر عباس کا اصل نام خورشید اسلم تھا، جسے ان کے والد مرحوم کے ایک برادر ایمانی سید محمد رضا شمسی صاحب نے مظہر عباس میں بدل دیا۔ اسی نام کے فیضان واثرات سے آپ آل عبا سے مودت و وفا کا پیمان نبھا رہے ہیں۔

آپ متعدد دینی کتب کے مصحح ومبصر ہیں ۔ خود بھی اس جواں سالی میں تیس (۳۰) سے زیادہ کتب کے مصنف ومؤلف اور مترجم ہیں ۔ ماہنامہ ''المنتظر '' کے مدیر اعلیٰ بھی رہے اور متعدد دینی ماہناموں میں آپ کے رشحات قلم شائع ہوئے ۔ آپ نے لاہور کے ملکی وغیر ملکی تعلیم کے اعلیٰ اور معیاری اداروں میں تدریسی خدمات انجام دیں ،جن میں یونیورسٹی کالج لاہور، ویسٹ منسٹر کالج لاہور ، ڈی پی ایس انٹر کالج، بیکن ہاؤس کالج اور لاہور سکول آف لاء اینڈ مینجمنٹ سائنسز وغیرہ شامل ہیں ۔

سردار کربلا کا ترجمہ آپ نے مولانا ریاض حسین جعفری صاحب کی تحریک پر کیا۔ یہ حجۃ الاسلام والمسلمین عباس یزدی اسماعیلی کی مقتل کے موضوع پر جدید ترین تحقیقی کتاب ہے ۔ جس میں سینکڑوں کتب مقتل سے استفادہ کیا گیا ہے ۔ کتاب ہذا فارسی نام سحاب رحمت (تاریخ وسوگنامہ سید الشہداءؑ) ہے۔ اردو میں یہ اپنے موضوع پر گراں قدر علمی اضافہ ہے ۔ مترجم موصوف نے اردو بولنے اور سمجھنے والے مومنین ومومنات خصوصاً ریسرچ سکالرز ، دینی عالموں ، ادیبوں ، شاعروں اور ذاکروں کے لیے'' سردار کربلا'' جیسی مستند اور معتبر کتاب پیش کر کے تاریخ اسلام خصوصاً تاریخ کربلا کی تفہیم کو آسان اور عام بنادیا ہے ۔ادارہ منہاج الصالحین کی یہ فخریہ پیشکش شایان شان' طباعت و اشاعت کے ساتھ آپ کے ہاتھوں میں ہے ۔ اب اس کی پذیرائی اور مقبولیت کا فیصلہ آپ کے اختیار میں ہے۔ ہم دعاگو ہوں کہ مصائب کی دنیا کی یہ شاہکار بقائے دوام حاصل کرے اور مومنین و مومنات رہتی دنیا تک اس سے بھرپور استفادہ کرتے رہیں ۔

ادارہ منہاج الصالحین کتاب ہذا کی اشاعت پر مبارک باد کا مستحق ہے ۔

چودھری اختر علی ایم اے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

زیارت ناحیہ مقدسہ میں بقیۃ اللہ الا اعظم حضرت امام مہدی علیہ السلام (اروا حنا فداہ) نے اپنے جد بزرگوار، سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام سے یوں خطاب کیا ہے:

فَلَئِنْ أَخَّرَ تْنِی الدُّهُورُ وَعَا قَنِی عَنْ نَصْرِکَ الْمَقْدُوْرُ وَلَمْ أَکُنِ لِمَنْ حَارَبَکَ مُحَارِبًاوَلِمَنْ نَصَبَ لَکَ الْعَدٰوَۃَ مُنَاصِبًا فَلأَنْدُ بَنَّکَ صَبَاحاً وَمَسَاءً وَلاَ بْکِیَنَّ لَکَ بَدَلَ الدُّمُوعِ دَماً حَسْرَۃً عَلَیْکَ وَتَأَسُفاً عَلٰی مَادَهَاکَ وَتَلَهُّفًا حَتّٰی أَمُوتَ بِلَوْعَۃِ الْمُصَابِ وَغُصَّۃِ الْاِ کْتِیَابِ ۔

''اگر زمانے نے مجھے تاخیر میں ڈال دیا اور میں آپؑ کی نصرت کرنے سے قاصر رہا اور جن لوگوں نے آپؑ سے جنگ کی ان سے نہ لڑ سکا اور جن لوگوں نے آپؑ سے دشمنی کی ان سے ستیزہ کار نہ ہو سکا، تو میں صبح و شام آپ کے لئے نالہ وفریاد کروں گا، اور اشکوں کے بجائے آپ کے لئے خون روؤں گا۔ آپؑ کے لئے حسرت اور آپ کے مصائب پر اندوہ و تأسف کروں گا۔ حتیٰ کہ ان مصائب کے اثر سے (اپنی) جان پر وارد ہونے والے غصہء جانکاہ اور اندوہ فراواں سے مرجاؤں گا۔

(بحار الانوار، ج ۱۰۱، ص ۲۰)

جب حضرت قائمِ آلِ محمدؑ عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف ظہور فرمائیں گے تو رکن و مقام کے درمیان کھڑے ہوکر پانچ آوازیں دیں گے:

اَلْاُوْلٰی : اَلَا یَا اَھْلَ العَالَمِ! اَنَا الاِمَامُ الْقَائِمُ .

اَلثَّانِیْ: اَلَا یَا اَھْلَ الْعَالَمِ! اَنَا الصَّمْصَامُ الْمُنْتَقِمُ .

اَلثَّالِثُ: اَلَا یَا اَھْلَ الْعَالَمِ! اِنَّ جَدِّیَ الْحُسَیْنَ قَتَلُوْہُ عَطْشَانًا .

اَلرَّابِعُ: اَلَا یَا اَھْلَ الْعَالَمِ! اِنَّ جَدِّیَ الْحُسَیْنَ طَرَحُوْہُ عُرْیَانًا.

اَلْخَامِسُ: اَلَا یَا اَھْلَ الْعَالَمِ! اِنَّ جَدِّیَ الْحُسَیْنَ سَحَقُوْہُ عُرْیَانًا.

اول: اے اہل عالم! آگاہ ہوجاؤ کہ میں قیام کرنے والا امامؑ ہوں۔

دوم: اے اہل عالم! آگاہ ہوجاؤ کہ میں انتقام لینے والی تلوار ہوں۔

سوم: اے اہل عالم! آگاہ ہوجاؤ کہ میرے جد حسین علیہ السلام کو پیاسا شہید کردیا گیا

چہارم: اے اہل عالم: آگاہ ہو جاؤ کہ میرے دادا حسین علیہ السلام کو عریاں (بے گور دکفن) چھوڑ دیا گیا۔

پنجم: اے اہل عالم! آگاہ ہو جاؤ کہ میرے دادا حسین علیہ السلام کا بدن گھوڑوں کے سُموں تلے پامال کیا گیا۔

(الزام الناصب، ج ۲، ص ۲۸۲)

امام حسینؑ کی ولادت باسعادت

علمائے شیعہ میں مشہور ہے کہ آنحضرتؐ کی ولادت باسعادت مدینہ (منورہ) میں تین شعبان سن چار ہجری کو ہوئی۔

حضرت ولی عصر عجل اللہ تعالی فرجہ الشریف کی توقیع (بیان) کے مطابق، قاسم بن علاء ہمدانی، جو حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے وکیل تھے، سے منقول ہے: ہمارے آقا حضرت امام حسینؑ جمعرات کے دن، تین شعبان کو متولد ہوئے۔ پس اس دن روزہ رکھنا چاہیے اور یہ دعا پڑھنی چاہیے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَسْئَلُکَ بِحَقِّ الْمَوْلُودِ فِی ھٰذَا الْیَوْمِ

(مصباح شیخ طوسیؒ/ ۷۵۸)

خدایا میں آج کے دن تجھ سے اس مولود کے صدقہ میں سوال کرتا ہوں .....

سید بن طاؤس نے بھی تین شعبان کو (آپ کا یومِ ولادت) تسلیم کیا ہے۔

(اقبال الاعمال ۶۸۹)

لیکن شیخ مفیدؒ نے ''الارشاد'' میں اور بعض دوسرے مصنفین نے بھی آنحضرتؐ کی ولادت باسعادت کی تاریخ پانچ شعبان بتائی ہے۔ (ارشاد: ۲/۲۴، ابن نما نے مثیر الاحزان ۱۶ء میں پانچ شعبان نقل کی ہے)

شیخ طوسیؒ نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ کی ولادت پانچ شعبان سن چار ہجری کو ہوئی۔ (بحار الانوار ۴۴/۲۰۱)

حضرت امام رضاؑ نے اپنے آباؤ اجداد کی سندِ معتبر کے ساتھ حضرت علیؑ بن الحسینؑ سے روایت کی ہے کہ جب حضرت امام حسین علیہ السلام پیدا ہوئے تو جناب رسول خداؐ نے اسماء بنتِ عمیس سے فرمایا: ''میرے بیٹے کو لاؤ۔'' وہ اس بزرگوار کو ایک سفید کپڑے میں لپیٹ کر آنحضرتؐ کی خدمت میں لے گئی۔ آپؐ نے اس کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی اور اسے اپنی گود میں بٹھا کر گریہ فرمایا:

اسماء نے عرض کیا: میرے ماں باپ آپؐ پر قربان، آپ گریہ کیوں فرما رہے ہیں؟
فرمایا: میں اپنے اِس بیٹے کے لئے رو رہا ہوں۔ اسماء نے کہا: یہ بچہ تو ابھی ابھی دنیا میں آیا ہے!
فرمایا: میرے بعد ظالموں کا ایک گروہ اسے قتل کردے گا، اللہ ان کو میری شفاعت نصیب نہ کرے۔

پھر فرمایا: فاطمہؑ کو اس واقعہ کی خبر نہ کرنا کیوں کہ وہ ابھی اِیامِ زچگی میں ہے۔
اس کے بعد حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا: اس کا نام کیا رکھا ہے؟ انہوں نے عرض کیا:
اگر چہ میری خواہش ہے کہ اس کا نام ''حرب'' (بمعنی شجاع و جنگجو) رکھوں، لیکن آپ پر سبقت نہیں کرسکتا۔ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا۔ میں بھی پروردگار پر سبقت نہیں کروں گا، اتنے میں جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے اور فرمایا:

''اے محمدؐ! خدائے بزرگ و برتر نے آپؐ پر سلام بھیجا ہے اور وہ فرماتا ہے:

عَلِیٌّ مِنکَ کَھٰارُوْنَ مِنْ مُوْسٰی

''علیؑ کی تجھ سے نسبت، ھارونؑ کی موسٰیؑ سے نسبت کی مانند ہے۔''

اس کا نام ہارونؑ کے بیٹے کے نام پر شبیرؑ رکھو۔

پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: میری زبان عربی ہے۔ جبرئیلؑ نے عرض کیا: اس کا نام حسینؑ رکھو۔
جب آپؑ سات دن کے ہوگئے تو دو سیاہ و سفید گوسفند آپ کے لئے عقیقہ کئے گئے اور ایک ران دایا کو دی گئی۔ آپؑ کے سر کے بال تراشے گئے اور ان کے وزن کے برابر چاندی صدقہ کی گئی، اور آپؑ کے سر پر خلوق نامی ایک خوشبودار چیز ملی گئی۔ پھر پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا:

اے اسماء!

اَلدَّمُ فِعْلُ الْجَاهِلِيَّةِ

''نومولود کے سر پر خون ملنا زمانہء جاہلیت کا فعل ہے۔''

(بحارالانوار ۲۴۸/۴۳ ذیل ح ۴، اسی مضمون کی اور روایات بھی منقول ہیں)

صادق آل محمدؑ فرماتے ہیں: جب حضرت امام حسینؑ دنیا میں تشریف لائے تو خدا وند متعال نے جبرئیلؑ کو حکم دیا کہ ہزار فرشتوں کے ساتھ زمین پر جاؤ اور میری طرف سے نیز اپنی جانب سے رسول خداؐ کو مبارک باد دو۔

جب جبرئیلؑ نازل ہوئے تو ایک سمندری جزیرے میں ان کا گزر حاملان عرش میں سے ایک فرشتے کے پاس سے ہوا جس کا نام ''فُطرس'' تھا۔ اس کو اللہ نے ایک حکم دیا تھا اور اس نے غفلت کی تھی، جس کے سبب اس کے بال و پر چھین لئے گئے تھے اور اس جزیرے میں پھینک دیا گیا تھا۔ وہ سات سو سال سے اس جگہ مصروفِ عبادت تھا، حتیٰ کہ امام حسین علیہ السلام متولد ہو گئے۔

مناقب کی روایت کے مطابق: خدا نے اسے دنیا و آخرت کے عذاب کے درمیان اختیار دے دیا تھا اور اس نے عذاب دنیا کو اختیار کیا تھا۔ (مناقب ابن شہر آشوب ۷۴/۴)

جب اس نے دیکھا کہ جبرئیلؑ ملائکہ کے ساتھ نزول فرما رہے ہیں، تو اس نے جبرئیلؑ سے پوچھا: تم کہاں جا رہے ہو؟ جبرئیلؑ نے کہا:

خدا نے حضرت محمدؐ کو ایک نعمت عطا کی ہے اور مجھے تہنیت اور مبارک باد کے لئے بھیجا ہے۔ فطرس نے کہا: مجھے بھی ساتھ لیتے جایئے، شاید حضرت محمدؐ میرے لئے دعا فرما دیں۔ جبرئیلؑ اس کو ہمراہ لے آئے۔

جب رسولِ پاکؐ کی خدمت میں پہنچے تو اللہ اور اپنی جانب سے مبارک باد دی اور فُطرس کی شرحِ حال بیان کی۔ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: اسے کہو کہ خود کو اس مولود کے ساتھ مس کرے اور اپنے مقام پر لوٹ جائے۔ فُطرس نے خود کو امام حسین علیہ السلام کے ساتھ مس کیا اور اوپر پرواز کر گیا۔ اس دوران میں اس نے کہا: اے رسول خداؐ! آپؐ کی امت جلد ہی اس بچے کو شہید

کردے گی۔ چونکہ اس کا مجھ پر حق ہے اس لئے جو کوئی اس کی زیارت کے لئے آئے گا میں اس کی زیارت اس (امام حسینؑ) تک پہنچادوں گا۔ اور جو مسلمان اس کو سلام نہیں کرے گا نیز جو شخص اس پر صلواۃ نہیں بھیجے گا، میں یہ بات بھی اس تک پہنچادوں گا[1] مناقب کی روایت کے مطابق جب فُطرس آسمان کی طرف اڑا تو اس نے کہا: میری طرح کا کون ہے کہ میں حسینؑ فرزند علیؑ و فاطمہؑ کا آزاد کردہ ہوں، جس کے نانا احمد مختارؐ ہیں۔

---

(۱) کامل الزیارات ۶۶ ب ۲۰ ح ۱، امالی صدوق ۱۲۱/۱۴۷ م ۲۸ ح ۸، بحارالانوار: ۲۴۳/۱۴۳، مناقب ابن شہر آشوب: ۷۴/۴، اور اس مضمون کی دیگر روایات معتبر کتب شیعہ میں نقل ہیں۔

اور اگر کہا جائے: ملائکہ گناہ نہیں کرتے "لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَ يَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ "نہیں نافرمانی کرتے (سورہ تحریم، آیہ ۶) تو یہ ان کی عصمت کے موافق نہیں ہوگا۔ ہم کہتے ہیں: انبیاء بھی صاحب عصمت ہوتے ہیں اور معصیت نہیں کرتے لیکن ممکن ہے کہ ان سے ایسا کام سرزد ہو جائے جو ان کے مقام کو زیب نہ دیتا ہو، اگر چہ وہ حرام نہ ہو، یہی معاملہ ملائکہ کا ہے۔

امام حسینؑ کے منتخب فضائل اور معجزات

(۱) امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: پیغمبر اکرمؐ اُم سلمہؓ کے گھر میں تشریف فرما تھے اور انہیں کہہ رکھا تھا کہ کوئی بھی میرے پاس نہ آئے۔ امام حسینؑ جو اس وقت کم سن تھے، گھر میں داخل ہوئے۔ اُم سلمہؓ آپؑ کو روک تو نہ سکیں لیکن آپؑ کے پیچھے چلی آئیں۔ دیکھا تو امام حسینؑ آنحضورؐ کے سینے پر سوار تھے اور حضورؐ گریہ فرمارہے تھے اور ایک چیز آپؐ کے ہاتھ میں تھی جسے چوم رہے تھے۔

پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: اے ام سلمہؓ! جبرئیلؑ نے مجھے خبر دی ہے کہ یہ حسینؑ قتل کر دیا جائے گا اور یہ اس جگہ کی خاک ہے جس پر اسے قتل کیا جائے گا۔ اسے اپنے پاس رکھ لو جب یہ خون ہو جائے تو سمجھ لینا کہ میرا حبیب (حسینؑ) شہید ہو گیا ہے۔

ام سلمہؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہؐ! اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ حسینؑ سے یہ ستم دور فرما دے۔

پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: میں نے دعا کی ہے لیکن خداوند متعال نے مجھ پر وحی فرمائی ہے کہ اس کے لئے ایسا درجہ و مقام ہے کہ کوئی بھی اس تک نہیں پہنچ سکتا اور اس کے شیعہ ہوں گے، وہ شفاعت کریں گے تو ان کی شفاعت قبول ہوگی۔ اور تحقیق مہدیؑ اس کی اولاد میں سے ہے۔ وہ خوش نصیب ہے جو حسینؑ کے اولیاء میں سے ہو۔ خدا کی قسم اس کے شیعہ قیامت کے روز رُستگار و کامیاب ہوں گے۔

(امالی صدوقؒ ۱۳۹/م ۲۹ ح ۳)

(۲) حضرت ابو ذرؓ فرماتے ہیں: میں نے دیکھا کہ رسول خداؐ حسن وحسین علیہما السلام کو چوم رہے تھے، اور فرماتے تھے جو کوئی حسنؑ حسینؑ اور ان کی ذریت کو خلوص کے ساتھ دوست رکھے، اگر چہ اس کے گناہ صحرا کی ریت کے ذروں کی مانند ہوں، آگ اس کے جسم کو نہ چھو سکے گی۔ مگر وہ ایسے گناہ ہوں کہ جن کے سبب وہ حلقہء ایمان سے خارج نہ ہوگیا ہو۔ (کامل الزیارات ۵۱ ب ۱۴ ح ۴)

(۳) رسول خداؐ نے فرمایا:

حُسَيْنٌ مِنِّي وَأَنَا مِنْ حُسَيْنٍ ،اَحَبَّ اللّٰهُ مَنْ أَحَبَّ حُسَيْنًا ،حُسَيْنٌ سِبْطٌ مِنَ الْاَ سْبَاطِ.

''حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں، جو حسینؑ سے محبت رکھے اللہ اس سے محبت رکھتا ہے۔ حسینؑ (پیغمبروںؑ) کے بیٹوں میں سے ایک بیٹا ہے۔''

(کامل الزیارات/ ۵۲ ح ۱۱، ارشاد: ۲/ ۱۳۱ ب ۴، اہل تسنن نے بھی اس حدیث کو اپنی معتبر کتب میں متعدد طریقوں سے نقل کیا ہے، مسند احمد: ۴/ ۱۷۲، سنن ترمذی: ۵/ ۶۵۸ ح ۳۷۷۵، سنن ابن ماجہ: ۱/ ۵۱ ح ۱۴۴، مستدرک حاکم: ۳/ ۱۷۷، اور سند حدیث کو صحیح بتایا گیا ہے)

سید مرتضیٰ رحمتہ اللہ نے کتاب ''غرر و درر'' میں روایت کی ہے کہ ایک دن پیغمبر اکرمؐ اصحاب کے ساتھ ایک دعوت پر باہر تشریف لے گئے۔ راستے میں امام حسینؑ سے ملاقات ہوگئی۔ پیغمبر اکرمؐ اپنے اصحاب سے آگے نکل کر حسینؑ کی جانب بڑھے۔ جب کہ امام حسینؑ بچوں کی عادت کے مطابق آنحضورؐ سے کبھی ادھر نکل جاتے اور کبھی ادھر تا کہ آنحضورؐ آپ کو پکڑ نہ سکیں۔ پیغمبر اکرمؐ (یہ دیکھ کر) ہنستے تھے۔

ثُمَّ أَخَذَهُ فَجَعَلَ اِحْدَىٰ يَدَيْهِ تَحْتَ ذَقْنِهِ وَالْاُخْرىٰ تَحْتَ قَاسِ رَاسِهِ وَأَقْنَعَهُ فَقَبَّلَهُ وَقَالَ: أَنَا مِنْ حُسَيْنٍ وَحُسَيْنٌ مِنِّي، أَحَبَّ اللّٰهُ مَنْ أَحَبَّ حُسَيْنًا حُسَيْنٌ سِبْطٌ مِنَ الْاَ سْبَاطِ.

''پس پیغمبر اکرمؐ نے آپؑ کو پکڑ لیا اور ایک ہاتھ آپ کی ٹھوڑی کے نیچے رکھا جب کہ دوسرے ہاتھ سے آپ کا سر پکڑا اور آپؑ کو دیکھتے، چومتے اور فرماتے تھے: میں حسینؑ سے ہوں اور حسینؑ مجھ سے ہے۔ خدا اس سے محبت رکھتا ہے جو حسینؑ سے محبت رکھتا ہے۔ حسینؑ (پیغمبروںؑ کے) بیٹوں میں سے ایک بیٹا ہے۔'' (تذکرۃ الشہداء ۱۶)

(۴) حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: میں نے حسنؑ و حسینؑ کے بارے میں رسول خداؐ سے سنا کہ آپ فرماتے تھے: ''خدایا! میں ان دونوں سے محبت رکھتا ہوں، پس تو بھی ان سے محبت فرما۔''

اور فرماتے تھے: ''جو شخص حسنؑ و حسینؑ سے محبت رکھتا ہے، میں اس سے محبت رکھتا ہوں اور جس سے میں محبت رکھتا ہوں خدا بھی اس سے محبت رکھتا ہے، اور جس سے خدا محبت رکھتا ہے اسے داخل بہشت کرے گا، اور جو کوئی ان کو دشمن رکھتا ہے میں اسے دشمن رکھتا ہوں اور جسے میں دشمن رکھتا ہوں خدا بھی اسے دشمن رکھتا ہے۔ اور جسے وہ دشمن رکھے اسے دوزخ میں داخل کرے گا۔ مزید فرماتے تھے۔ میرے یہ دونوں بیٹے دنیا میں میرے باغ کے دو پھول ہیں۔'' (ارشاد مفید: ۲/۲۵ ب ۳)

(۵) جب اسامہ بن زید (مرض الموت کے سبب) بیمار ہوگئے تو امام حسینؑ ان کی عیادت کے لئے گئے۔ اسامہ نے کہا (وَاغمَّاهُ) آنحضرتؑ نے فرمایا: بھائی تم کس لئے غم زدہ ہو؟ کہا: ساٹھ ہزار درہم کا مقروض ہوں۔

آپؑ نے فرمایا: تمہارا قرض میرے ذمے رہا۔ وہ کہنے لگے: مجھے ڈر ہے کہ میں مرجاؤں گا۔ حضرت نے فرمایا: میں تمہارے مرنے سے پہلے تمہارا قرض چکا دوں گا۔ اور آپ نے ایسے ہی کیا۔ (مناقب ابن شہر آشوب: ۴/۶۵ فصل مکارم اخلاق آنحضرتؑ)

(۶) ایک اعرابی مدینہ آیا اور اس نے پوچھا: اس شہر کا سخی ترین شخص کون ہے؟ لوگوں نے

حضرت امام حسین علیہ السلام کا نام لیا۔ وہ مسجد میں پہنچا تو دیکھا کہ آنحضرتؑ مشغول نماز ہیں، اس نے آپ کی مدح میں چند شعر پڑھے۔

امام حسینؑ نے قنبرؓ سے فرمایا: کیا مال حجاز میں سے کچھ بچا ہے؟ قنبرؓ نے کہا: جی ہاں! چار ہزار طلائی دینار موجود ہیں۔ فرمایا: لے آؤ کہ یہ زیادہ مستحق ہے۔ (پھر آپ گھر تشریف لے گئے) اپنی ردائے مبارک اٹھائی اور اس میں چار ہزار دینار باندھ کر شگاف سے باہر نکال کر اس کو عطا کئے اور ساتھ ساتھ چند شعر پڑھ کر معذرت بھی کی۔

اعرابی نے یہ سونا پکڑ لیا اور رونے لگا۔ آنحضرتؑ نے فرمایا: کیا ہماری عطا کو کم خیال کرتے ہو؟ اس نے عرض کیا: نہیں بلکہ روتا اس لئے ہوں کہ اس قدر سخاوت کرنے والا ہاتھ کس طرح خاک میں پنہاں ہو جائے گا۔

اس طرح کی ایک داستان حضرت امام حسنؑ کے بارے میں بھی روایت کی گئی ہے۔

(۷) جب امام حسینؑ کربلا میں شہید ہوگئے تو آپ کی پشت مبارک پر بوجھ اٹھانے کا نشان دیکھا گیا۔ امام زین العابدینؑ سے اس کا سبب پوچھا گیا تو آپؑ نے فرمایا: یہ اس وجہ سے ہے کہ آپ اپنی پشت مبارک پر طعام کے تھیلے اٹھا کر بیواؤں، یتیموں اور مسکینوں کے گھروں تک پہنچایا کرتے تھے۔

(مناقب:۶۶/۴، تذکرۃ الشہداء ۱۸، تذکرۃ الخواص سے ابن جوزی کی نقل ہے)

(۸) عبدالرحمٰن سلمٰی نے آپؑ کے ایک (غیر معصوم) بیٹے کو سورۂ حمد سکھائی۔ اس نے یہ سورہ اپنے پدر بزرگوار یعنی امام عالی مقامؑ کو سنائی۔ آپؑ نے ایک ہزار طلائی دینار اور ایک ہزار لباس عبدالرحمان کو عطا کئے اور اس کے منہ کو موتیوں سے بھر دیا۔ لوگوں نے کہا: اس کی اس قدر اُجرت تو نہ تھی؟ آپ نے فرمایا: یہ تو کچھ بھی نہیں، اس نے میرے بیٹے کو (حمد خداوندی کی) تعلیم دی ہے۔ پھر دو شعر پڑھے۔ (مناقب:۶۶/۴)

(۹) آپ سے کہا گیا کہ آپ اپنے پروردگار سے اتنا زیادہ کیوں ڈرتے ہیں؟

فرمایا: عذاب قیامت سے امان نہیں ہے مگر اس کے لئے جو دنیا میں خوف خدا رکھتا ہے۔

آنحضرتؑ نے پچیس حج پیدل چل کر کئے تھے، حالانکہ اونٹ اور محمل آپ کے پیچھے پیچھے تھے۔ (مناقب:۶۹/۴)

(۱۰) ایک دن امام حسینؑ کا گزر مساکین کے ایک گروہ کے پاس سے ہوا کہ جو اپنی عباؤں کو بچھا کر ان پر خشک روٹیاں رکھے کھا رہے تھے۔ جب انہوں نے آپؑ کو دیکھا تو آپؑ کو بھی کھانے کی دعوت دی۔ آپؑ ان کے پاس بیٹھ گئے اور فرمایا: اللہ تعالیٰ متکبروں کو دوست نہیں رکھتا اور اگر یہ صدقہ نہیں ہے تو میں تمہارے ساتھ کھاتا ہوں۔ پھر آپؑ نے فرمایا: میں نے تمہاری دعوت قبول کی اب تم بھی میری دعوت قبول کرو اور انہیں اپنے گھر لے گئے۔ پھر آپؑ نے جناب رباب سے فرمایا: جو کچھ مہمانوں کے لئے ذخیرہ کر رکھا ہے لے آؤ۔ میں نے ان کی ضیافت کی ہے۔ آپؑ نے ان کو لباس عطا کئے اور نوازشات کے ساتھ روانہ فرمایا۔

(تفسیر عیاشی:۲/۲۵۷، سورۂ نحل آیہ ۲۳ و مناقب:۴/۶۶)

(۱۱) اہل قبلہ یعنی تمام مسلمانوں کا اسی پر اجماع ہے کہ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا:

اَلْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ اِمَامَانِ قَامَا اَوْ قَعَدَا.

"حسنؑ اور حسینؑ دونوں امام ہیں، قیام کریں یا بیٹھے رہیں (یعنی قیام نہ کریں) نیز اس فرمان رسول پر بھی اجماع امت ہے۔

اَلْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ سَيِّدَا شَبَابِ اَهْلِ الْجَنَّةِ.

"حسنؑ اور حسینؑ جوانان جنت کے سردار ہیں۔" (مناقب۳/۳۹۴)

(۱۲) اسماعیل بن یزید نے اپنی سند کے ساتھ محمدؑ بن علیؑ (امام محمد باقر علیہ السلام) سے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے عہد رسول خدا میں ایک گناہ کیا اور خوف کے سبب چھپ گیا۔ جب اس نے حسن و حسین علیہما السلام کو راستے پر تنہا آتے ہوئے دیکھا تو اس نے دونوں شہزادوں کو اپنے کاندھوں پر بٹھا لیا اور رسول اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: اے خدا کے رسولؐ!

"اِنِّی مُسْتَجِیْرٌ بِاللّٰہِ وَبِھِمَا"

"میں نے جو گناہ کیا ہے، اس کے لئے اللہ تعالیٰ اور آپ کے ان دونوں بیٹوں کی پناہ مانگتا ہوں۔"

رسول خداؐ اس قدر ہنسے کہ دست مبارک اپنے منہ پر رکھ لیا اور فرمایا: جاؤ تم آزاد ہو اور حسنؑ و حسینؑ کو فرمایا: "میں نے اس کے حق میں تمہاری شفاعت کو قبول کرلیا۔" اس وقت یہ آیہء مبارکہ نازل ہوئی:

وَلَوْ اَنَّھُمْ اِذْ ظَّلَمُوا اَنْفُسَھُمْ جآ ءُ وْکَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰہَ وَاسْتَغْفَرَ لَھُمُ الرَّسُولُ لَوَ جَدُوا اللّٰہَ تَوَّا بًا رَحِیْماً۔ (سورہ نساء آیت ۶۴)

"اگر وہ خود پر ظلم کریں اور پھر تمہارے پاس آئیں اور اللہ سے استغفار کریں (معافی کے طلب گار ہوں) اور پیغمبر بھی ان کے حق میں استغفار کریں تو وہ اللہ کو توبہ قبول کرنے والا، رحم کرنے والا پائیں گے۔"

(مناقب: ۴۰۰/۳)

(۱۴) ایک اعرابی امام حسینؑ کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا: فرزند رسولؐ! میں دیہ کاملہ کی ادائیگی کا ضامن ہوا ہوں جب کہ اس کی قدرت نہیں رکھتا۔ میں نے سوچا کہ کسی کریم ترین شخص سے سوال کروں اور کسی کو آپ اہل بیتؑ سے کریم ترین خیال نہیں کرتا۔

آنحضرتؑ نے فرمایا: برادر عرب! میں تم سے تین مسئلے پوچھوں گا اگر تم نے ان میں سے ایک کا جواب دے دیا تو اس مال (ضمانت) کا تیسرا حصہ تمہیں عطا کروں گا، اور تم نے دو سوالوں کا جواب دیا تو دو ثلث (۲/۳) مال دوں گا اور اگر تینوں کا جواب دے دیا تو تمام کا تمام مال ضمانت عطا کردوں گا۔

اعرابی نے کہا! اے فرزند رسولؐ! یہ کس طرح روا ہے کہ آپ جیسا اہل علم و شرف مجھ ایسے سے سوال کرے۔ آنحضرتؑ نے فرمایا: میں نے اپنے نانا رسول خداؐ سے سنا کہ

وہ فرماتے تھے۔

اَلْمَعْرُوْفُ بِقَدْرِ الْمَعْرِفَةِ.

''معروف بلحاظ معرفت ہے''

اعرابی نے کہا: جو چاہو سوال کرو۔ اگر جانتا ہوں گا تو جواب دوں گا اور نہ جانتا ہوا تو آپ سے سیکھوں گا۔ وَلاَ قُوَّةَ اِلاَّ بِاللّٰہِ.

حضرت نے فرمایا: افضل الاعمال کیا ہے؟ اعرابی نے جواب دیا: اللہ پر ایمان لانا۔

فرمایا: کیا چیز لوگوں کو ہلاکت سے نجات دیتی ہے؟ جواب ملا: اللہ پر بھروسہ۔

آپ نے فرمایا: آدمی کی زینت کس میں ہے؟ اعرابی نے جواب دیا: ایسا علم کہ جس کے ساتھ حلم بھی ہو۔

امام حسینؑ ہنس پڑے اور ایک تھیلی جس میں ایک ہزار طلائی دینار موجود تھے اس کو دے دی اور ایک انگوٹھی جس کے نگینے کی قیمت بائیس درہم تھی وہ بھی اسے عطا کر دی اور فرمایا: یہ مال اپنے ذمہ کی واجب الاداضمانت کی ادائیگی کے لیے کام میں لاؤ۔

اعرابی نے یہ مال لے لیا اور یہ آیہ مبارکہ تلاوت کی:

اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ (سورہ انعام' آیہ۱۲۴)

''خدا بہتر جانتا ہے کہ وہ اپنی رسالت کہاں قرار دے۔''

(جامع الاخبار/۱۳۷ف ۹۶، مقتل خوارزمی: ۱/۱۵۷ف ۷ اور اس کی نظیر چند احادیث روایت کی گئی ہیں۔)

فخرالدین رازی اپنی تفسیر کبیر میں آیہ شریفہ ''وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا''

اس حدیث کو اضافہء صدر کے ساتھ لائے ہیں:

اعرابی نے عرض کیا: میں نے آپ کے جد سے سنا ہے کہ وہ فرماتے تھے:

جب بھی تجھے کوئی حاجت ہو تو چار گروہوں سے طلب کرو، شریف عربی سے، کریم آقا سے، حامل قرآن سے یا پھر خوب صورت انسان سے، (اور یہ چاروں خصائل آپ میں جمع ہیں چونکہ) عربوں نے آپؑ کے نانا کے وجود سے شرافت حاصل کی اور

بزرگواری آپ کی عادت و روش ہے، قرآن آپ کے گھر میں نازل ہوا اور زیبائی صورت اس قدر ہے کہ میں نے رسول خداؐ سے سنا کہ وہ فرماتے تھے: جب تمہارا دل مجھے دیکھنے کو چاہے تو حسنؑ و حسینؑ کو دیکھ لیا کرو۔

امام حسینؑ نے فرمایا: تمہاری حاجت کیا ہے؟ اعرابی نے اپنی حاجت زمین پر لکھ دی۔
(فضائل الخمسہ: ۳/۳۳۲)

(۱۴) شیخ طوسیؒ نے "تہذیب" میں امام جعفر صادقؑ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا: ایک عورت نے اپنا ہاتھ حالت طواف میں باہر نکالا۔ ایک مرد، جو اس کے پیچھے طواف کر رہا تھا، نے اپنا ہاتھ اس عورت کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے ہاتھ کو اس عورت کے ہاتھ سے چسپاں کردیا۔ ہرچند کوشش کی گئی لیکن یہ ہاتھ علیحدہ نہ ہو پائے۔ لوگوں نے طواف کر لیا تو حاکم کو اطلاع دی گئی۔ جب یہ مرد اور عورت حاکم کے حضور حاضر کئے گئے تو اہل سنت کے دانشوروں کو بلایا گیا: انہوں نے کہا: اس مرد کا ہاتھ کاٹ دینا چاہیے کہ اس نے گناہ کیا ہے۔ حاکم نے کہا: کیا کوئی اولاد محمدؐ میں سے یہاں موجود ہے؟ لوگوں نے کہا: ہاں! حسینؑ بن علیؑ آج رات مکہ میں داخل ہوئے ہیں۔ حاکم نے آنحضرتؐ کو بلا بھیجا اور کہا دیکھئے ان کے سر پر کیا بلا آپڑی ہے۔ حضرت نے منہ کعبہ کی طرف کیا اور مشغول عبادت ہوگئے۔ کافی دیر تک دعا کرنے کے بعد ان کے نزدیک آئے اور اس مرد کے ہاتھ کو اس عورت کے ہاتھ سے جدا کردیا حاکم نے کہا: کیا ہم اس شخص کو اس فعل پر سزا دیں۔ آپ نے فرمایا نہیں۔
(وسائل: ۱۳/۲۲۷ب ۱۴ از مقدمات طواف ح ۷)

(۱۵) ابو خالد کابلی نے یحییٰ بن ام طویل سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: ایک دن میں امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا، اچانک ایک جوان گریہ کرتا ہوا آیا حضرت نے اس سے رونے کی وجہ پوچھی۔

اس نے کہا: میری ماں کی ابھی ابھی وفات ہوئی ہے۔ اس نے مال چھوڑا ہے لیکن

وصیت نہیں کی ، اور مجھے حکم دیا تھا کہ جب میں مر جاؤں تو تم پہلے خدمت امامؑ میں حاضر ہونا پھر کوئی اور کام کرنا۔

امامؑ نے فرمایا: اٹھو تا کہ ہم اس خاتون کے پاس پہنچیں ۔جب ہم گھر کے دروازے پر پہنچے تو حضرت کھڑے ہوگئے اور دعا فرمائی کہ خداوند متعال! اسے زندہ کر دے تا کہ یہ اپنی وصیت کو عمل میں لائے ۔ جونہی آپؑ دعا سے فارغ ہوئے اللہ نے اس عورت کو زندہ فرمادیا۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔پھر کہنے لگی: اے میرے مولا ! گھر میں داخل ہوجایئے اور جو مصلحت آپ سمجھتے ہیں مجھے اس کا حکم دیجیے۔

حضرتؑ گھر کے اندر داخل ہوگئے اور اس کے سرہانے بیٹھ گئے ۔پھر فرمایا: خدا تم پر رحمت فرمائے: نصیحت کرو ۔اس عورت نے کہا: اے فرزند رسول خداؐ! میرے پاس اس مقدار میں مال ہے جو فلاں مکان میں رکھا ہے۔ میں اس کا ایک تہائی آپ کی خدمت میں پیش کرتی ہوں کہ آپ اپنے دوستوں میں سے جسے چاہیں دیں،اور دو تہائی میرے اس بیٹے کے لئے ہے بشرطیکہ آپ سمجھتے ہیں کہ یہ آپ کے موالیوں اور دوستوں میں سے ہے اور اگر آپ کے مخالفوں میں سے ہے تو سارے کا سارے مال آپ کا ہے۔ کیونکہ مخالفین اس مال میں کچھ حق نہیں رکھتے ۔

اس نے پھر حضرت سے درخواست کہ مجھ پر نماز (جنازہ) پڑھنا اور میرے دفن کے وقت موجود رہنا اور دوبارہ جاں بحق ہوگئی۔

(الخرائج قطب راوندی/ ۲۴۷ ب ۴ ، بحار الانوار: ۱۸۰/۴۴)

(۱۶) ایک شخص امام حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ایک دولت مند عورت سے شادی کرنے کے لئے مشورہ لیا۔وہ خود بھی کافی دولت مند تھا۔حضرتؑ نے موافقت میں اظہار نہ فرمایا ۔ اس شخص نے آپ کے مشورے کے خلاف اس سے شادی کر لی ۔تھوڑے ہی عرصے میں وہ تہی دست ہوگیا۔

حضرت نے فرمایا: میں نے تمہیں کہا نہ تھا کہ اس سے شادی مت کرنا۔اب اس سے

جدا ہو جاؤ اور فلاں عورت سے شادی کرلو۔ اللہ تعالیٰ تمہیں اس کا بہتر عوض دے گا۔ جب اس شخص نے اس (دوسری) عورت کے ساتھ شادی کی تو ایک سال سے زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ وہ ڈھیروں دولت کا مالک بن گیا، اللہ نے اسے بیٹا بیٹی بھی عطا فرمائے اور اس کے حالات سنور گئے۔ (الخرائج ۲۲۷' بحار الانوار ۱۸۲/۴۴)

(۱۷) امام صادق علیہ السلام اپنے والدگرامی سے اس طرح روایت فرماتے ہیں: ایک دن امام حسینؑ عبداللہ بن شداد کی عیادت کے لئے گئے، اسے شدید بخار تھا۔ جب حضرت گھر کے اندر داخل ہوئے تو اس کا بخار اتر گیا۔ بیمار نے کہا: جو حق آپ کو اللہ نے عطا کیا ہے میں اس پر خوش ہوں۔ میرا بخار بھی آپ ہی کی وجہ سے اترا ہے۔ آنحضرتؑ نے فرمایا: اللہ نے کسی شے کو خلق نہیں فرمایا مگر اسے حکم دیا کہ ہماری اطاعت کرنا (یعنی اللہ نے ہر شے ہماری مطیع بنائی ہے)۔ اچانک ہم نے کسی کی آواز سنی گئی: ''لبیک'' حالانکہ کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔ حضرتؑ نے فرمایا: کیا امیرالمومنین علیہ السلام نے تمہیں حکم نہ دیا تھا کہ ہمارے دشمن کے سوا کسی کے نزدیک نہ جانا۔ یا پھر اس شخص کے کہ جو گناہ گار ہوگیا ہو' تاکہ اس کے گناہ کا کفارہ بن سکے۔ تو اس مومن کے نزدیک کیوں آیا ہے؟ (مناقب: ۵۱/۴، رجال کشی: ۲۹۸/۱، ح ۱۴۱)

(۱۸) حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا:

صَحَّ عِنْدِی قَوْلُ النَّبِیِ اَفْضَلُ الْاَعْمٰالِ بَعْدَ الصَّلٰوۃِ اِدْخٰالُ السُّرُوْرِ فِی قَلْبِ الْمُؤْمِنِ بِمٰا لاٰ اِثْمَ فِیْهِ .

مجھے نبی معظمؐ کا ایک قول ملا ہے کہ آپؐ نے فرمایا: نماز کے بعد بہترین عمل مومن کے دل میں سرور کا اِدخال ہے' جس کی وجہ سے اس میں گناہ نہیں رہتے۔

ایک دن میں نے ایک غلام کو دیکھا کہ ایک کتے کے ساتھ کھانا کھا رہا ہے۔ میں نے اس سے اس کا سبب پوچھا تو اس نے کہا: فرزند رسول خداؐ! میں غم زدہ ہوں میں اسے

(کتے کو) خوش کرنا چاہتا ہوں شاید اس کی خوشی میرے سرور کا باعث بن جائے۔ کیونکہ میں ایک یہودی کا غلام ہوں اور میری خواہش ہے کہ مجھے اس سے نجات مل جائے۔

آنحضرتؑ اس یہودی کے پاس گئے اور اس سے فرمایا: میں تمہیں بائیس (۲۲) طلائی دینار دیتا ہوں۔ تم یہ غلام میرے ہاتھ بیچ دو۔ یہودی نے کہا: میں نے اس غلام کو آپ کے پاؤں پر قربان کیا، اسے لے جائیے۔ اور یہ باغ بھی اسے دیتا ہوں اور آپ کا مال آپ کو واپس کرتا ہوں۔

حضرت نے فرمایا: مال میں نے تجھے بخش دیا ہے۔ یہودی نے کہا: میں قبول کرتا ہوں اور غلام کو بخشتا ہوں۔ حضرتؑ نے فرمایا: میں نے غلام کو آزاد کیا اور اموال اسے عطا کئے۔

یہودی کی عورت نے کہا: میں مسلمان ہوگئی اور اپنا حق مہر اپنے شوہر کو معاف کیا۔

یہودی نے کہا: میں بھی مسلمان ہوا اور یہ گھر اپنی بیوی کو دیا۔ (مناقب: ۷۵/۴)

(۱۹) حذیفہ یمانی روایت کرتا ہے: پیغمبر اکرمؐ نے امام حسینؑ کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا۔

أَيُّهَا النَّاسُ، هٰذَا الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ فَاعْرِفُوهُ فَوَ الَّذِی نَفْسِیْ بِيَدِهِ إِنَّهُ لَفِي الْجَنَّةِ وَمُحِبِّيهِ فِيْ الْجَنَّةِ، وَ مُحِبِّي مُحِبِّيهِ فِي الْجَنَّةِ:

اے لوگو! یہ حسینؑ ابن علیؑ ہے۔ اسے پہچان لو خدا کی قسم میری جان اس کے ہاتھ میں ہے۔ تحقیق یہ جنتی ہے اور اس کے دوست بھی جنتی ہیں اور اس کے دوستوں کے دوست بھی جنتی ہیں۔ (بحارالانوار: ۲۶۲/۴۳ ح۶)

(۲۰) بعض کتب معتبرہ میں طاؤس یمانی سے اور احادیث معتبرہ میں شیعہ و سنی احباب سے روایت ہے کہ جب آنحضرتؑ سیاہ رات میں کسی مکان میں بیٹھے ہوتے تو لوگ آپؑ کی پیشانی اور گردن کے نیچے سے ابھرنے والے نور اور روشنی سے آنحضرتؑ کو پہچان لیتے تھے، کیونکہ رسول خداؐ نے ان دونوں جگہوں کو بہت چوما تھا۔

شیعہ وسنی راویوں نے معتبر احادیث میں روایت کی ہے، کئی دفعہ یہ اتفاق ہوتا تھا کہ حضرت فاطمہؑ سوئی ہوئی ہوتیں اور حضرت امام حسین علیہ السلام جھولے میں روتے تو جبرئیلؑ آپ کے جھولے کو جھلاتا اور آپؑ کو چپ کراتا۔ جب فاطمہؑ بیدار ہوتیں تو دیکھتیں کہ جھولا ہل رہا ہے اور کوئی آپؑ سے باتیں کر رہا ہے۔ لیکن وہ شخص نظر نہیں آتا تھا۔ پیغمبر اکرمؐ فاطمہ علیہا السلام سے فرماتے تھے کہ وہ جبرئیلؑ ہے۔

(بحار الانوار: ۴۴/۱۸۷ باب معجزات آنحضرتؑ ذیل ح ۱۶ جلاء العیون علامہ مجلسی ۱/۳۰۵ ب ۵ ف ۴)

(۲۱) آپؑ کی شجاعت اور عظمت کے بارے میں روایت کی گئی ہے کہ ایک دن مدینہ میں آنحضرتؑ اور حاکم مدینہ ولید بن عقبہ کے درمیان ایک زمین (کھیت) کے بارے میں جھگڑا ہو گیا۔ آپ نے ولید کا عمامہ اس کے سر سے اتارا اور اس کی گردن پر باندھ کر اسے زمین پر گرا دیا۔ مروان نے دیکھا تو کہا: میں نے کسی شخص کو نہیں دیکھا جس نے حاکم کے ساتھ ایسی جسارت کی ہو۔ ولید نے کہا: حق آپؑ کے ساتھ ہے اور زمین آپؑ کی ہے۔ حضرتؑ نے فرمایا: اب جب کہ تو نے اعتراف حق کر لیا ہے تو میں یہ زمین تجھے بخشتا ہوں۔ (بحار الانوار ۴۴/۱۹۱ باب مکارم اخلاق آنحضرتؑ ح ۴ جلاء العیون ۱/۲۹۵ ف ۳)

(۲۲) کشف الغمہ میں روایت ہے کہ: انس نے کہا: ایک دن میں حسین علیہ السلام کی خدمت میں موجود تھا کہ آنحضرتؑ کی کنیز نے آپ کے پاس ایک پھول لاکر رکھا۔ حضرت نے فرمایا: میں نے تجھے آزاد کیا۔ میں نے کہا: وہ آپ کے لئے ایک پھول لائی ہے اور اس کے بدلے آپ اسے آزاد فرما رہے ہیں! حضرتؑ نے فرمایا: خدا فرماتا ہے:

وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِاَحْسَنَ مِنْهَا اَوْ رُدُّوْهَا. (سورۂ نساء آیہ ۸۶)

جب کوئی تمہیں کوئی تحفہ دے تو تمہیں چاہیے کہ تم اسے اس سے بہتر تحفہ دو۔

میرا بہتر تحفہ یہی تھا کہ اسے آزاد کردوں۔ (بحار الانوار: ۴۴/۱۹۵ ح ۸)

(۲۳) آپؑ کے غلاموں میں سے ایک غلام نے خیانت کی اور وہ مستحق سزا تھا۔ آپ نے

حکم دیا کہ اسے پیٹا جائے۔ غلام نے کہا: میرے آقا:

وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ.

اپنے غصے پر قابو رکھو۔

حضرتؑ نے فرمایا: اس سے ہاتھ اٹھا لو (اسے مت مارو)

غلام نے کہا:

وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ.

لوگوں سے درگزر کرنے والے۔

حضرت نے فرمایا: میں نے تمہیں معاف کیا۔

اس نے کہا: میرے آقا!

وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ. (سورۂ آل عمران، آیہ ۱۳۴)

خدا نیکوں کاروں کو دوست رکھتا ہے۔

حضرتؑ نے فرمایا: میں نے تمہیں خدا کے راستے میں آزاد کیا اور جو کچھ اس سے قبل میں نے تمہیں دیا وہ تمہارے لئے مقرر کرتا ہوں۔ (بحار الانوار: ۴۴/۱۹۵ ضمن ح ۹)

(۲۴) اہل سنت کے عالم ابن عبدربہ اپنی کتاب ''عقدالفرید'' میں نقل کرتے ہیں کہ امام سجادؑ سے عرض کیا گیا کہ آپ کے پدر بزرگوار کی اولاد کم کیوں ہے؟ فرمایا: تعجب ہے! میر ی طرح ان سے اولاد کس طرح ہوتی، کیونکہ وہ شبانہ روز ہزار رکعت نماز ادا کیا کرتے تھے (پس انہیں کس وقت فرصت ملتی کہ اپنی زوجہ کے پاس تشریف لے جاتے۔

(بحار الانوار: ۴۴/۱۹۶ ح ۱۰)

(۲۵) اہل سنت روایت کرتے ہیں کہ ایک دن پیغمبر اکرمؐ حضرت عائشہ کے گھر سے باہر نکلے اور جب حضرت فاطمہؑ کے گھر پہنچے تو حضرت حسینؑ کے رونے کی آواز سنی۔ فرمایا: اے فاطمہؑ! حسینؑ کو رونے نہ دیا کرو کہ اس کے رونے سے مجھے تکلیف ہوتی ہے۔

(جلاء العیون /۲۸۸ ب ۵ ف ۲)

(۲۶) ابن شہر آشوب نے امام رضا علیہ السلام اور اہل تسنن نے بھی متعدد طریقوں سے روایت کی ہے کہ ایک دن رسول اکرمؐ نے فرمایا: جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اہل زمین میں سے اہل آسمان کے نزدیک محبوب ترین ہستی کو دیکھے، وہ حضرت امام حسینؑ کو دیکھ لے

(جلاء العیون/۲۸۸ ب ۵ ف ۲)

(۲۷) عِصام بن المصطلق شامی کہتا ہے: میں مدینہ گیا جب حسینؑ بن علیؑ کو دیکھا' تو آپؑ کی نیک سیرت اور پاکیزہ صورت نے مجھے حیرت میں ڈال دیا۔ میرا حسد کھل کر سامنے آ گیا کہ جو بغض اور عداوت میں آپ کے باپ سے رکھتا تھا وہ ظاہر کردوں۔ میں آپؑ کے قریب گیا اور کہا: ''تم ہی ابو تراب کے بیٹے ہو''؟ آنحضرتؑ نے فرمایا: ہاں ! میں نے آنحضرتؑ اور آپ کے باپ کو برا بھلا کہا۔ آپ نے مجھ پر نظر کرم ڈالی اور فرمایا:

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ خُذِالْعَفْوَ وَ اْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ ...... ثُمَّ لَا يُقْصِرُوْنَ) (سورہ اعراف آیات ۱۹۹۔۲۰۲)

درگزر کو اپنا شیوہ قرار دو، نیکی کا حکم دو اور جاہلوں سے اعراض برتو۔

ان آیات میں اس اخلاق حسنہ کی طرف اشارہ ہے جس کا پیغمبر اکرمؐ کو حکم دیا گیا ہے

پھر مجھ سے فرمایا: اس کام کو خود سہل اور آسان بناؤ اور اللہ سے میرے اور اپنے لئے معافی طلب کرو۔ تحقیق اگر تم ہم سے مدد کے طالب ہو تو ہم تمہاری مدد کے لئے تیار ہیں اور اگر عطا کے طالب ہو تو وہ بھی کریں گے، اور اگر نصیحت کے طالب ہو تو نصیحت کریں گے۔

عصام کہتا ہے: میں اپنے کہے پر اور اپنی غلطی پر پشیمان ہوا۔ آنحضرتؑ نے اپنی فراست سے بھانپ لیا اور فرمایا:

لاَ تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ أَرْحَمُ الرّٰاحِمِيْنَ .

(سورۂ یوسف: آیہ ۹۲)

تم پر کچھ ملامت نہیں' خدا نے تمہیں بخش دیا اور وہ اَرْحَمُ الرّٰاحِمِیْنَ ہے۔

یہ آیۂ شریفہ حضرت یوسفؑ نے اپنے بھائیوں سے فرمائی تھی کہ جب وہ آپ سے طالب عفو ہوئے۔

پس آنحضرتؑ نے فرمایا: تو شامی ہے؟ میں نے کہا: ہاں۔ فرمایا: "شِنْشِنَةٌ أَعْرِفُهَا مِنْ أَخْزَمٍ" یہ ایک ضرب المثل ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ ہمیں گالیاں دینا اہل شام کی عادت ہے کیونکہ معاویہ نے ان میں یہ رواج دے رکھا ہے۔ پھر فرمایا: تمہاری جو حاجت ہے مجھ سے کہو تا کہ میں اسے پورا کرسکوں۔

عصام نے کہا: آنحضرتؑ کے ان اخلاق عالیہ کے مقابلے میں اپنے سے سرزد ہونے والی جسارتوں پر مجھ پر زمین تنگ ہوگئی اور میرا دل چاہتا تھا کہ اس میں دھنس جاؤں۔ لہٰذا میں آہستہ سے آنحضرتؑ کے پاس سے کھسک گیا، تا کہ لوگوں میں گھس جاؤں اور آنحضرتؑ مجھے دیکھ نہ پائیں اور اس کے بعد مجھے آنحضرت اور آپ کے والد گرامی سے زیادہ کوئی شخص محبوب نہیں تھا۔ (منتہی الآمال: ۱/۲۸۶)

(۲۸) سید شریف زاہد ابوعبداللہ علوی حسینی نے اپنی کتاب "تعازی" میں روایت کی ہے کہ امام حسن علیہ السلام امام حسین علیہ السلام کی اس طرح تعظیم کیا کرتے تھے کہ گویا آنحضرت امام حسن علیہ السلام سے بڑے ہوں۔

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ میں نے امام حسنؑ سے اس کا سبب پوچھا تو انہوں نے فرمایا: امام حسین علیہ السلام امیر المومنین علیہ السلام کی طرح کی ہیبت رکھتے ہیں۔

ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ امام حسن علیہ السلام ہمارے ساتھ ایک مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اسی اثناء میں وہاں امام حسین علیہ السلام تشریف لے آئے امام حسینؑ کے احترام میں ان کی حالت متغیر ہوگئی۔ (منتہی الآمال: ۱/۲۸۸)

(۲۹) منہال کہتا ہے: خدا کی قسم میں نے دیکھا کہ حضرت حسین علیہ السلام کا سرمبارک نیزہ پر اپنی زبان گویا سے قرآن کی قرأت کر رہا تھا اور سورۂ کہف تلاوت کر رہا تھا۔
جب آپ اس آیہ مبارکہ پر پہنچے:
أَمْ حَسِبْتَ أَنَّ أَصْحَابَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيمِ كَانُوا مِنْ آيَاتِنَا عَجَبًا.
(سورۂ کہف، آیہ ۹)
کیا تم گمان کرتے ہو کہ اصحاب کہف ورقیم ہماری عجیب نشانیوں میں سے تھے؟
پس ایک شخص نے کہا: اے فرزند رسولؐ خدا کی قسم آپ کا سرمبارک زیادہ تعجب خیز ہے
(مدینۃ المعاجز: ۴/۱۳۶ 'معجزہ ۔۱۷۱ ح ۱۱۳۷ اور اس طرح کی ایک حدیث ۱۱۳۶ زید بن ارقم سے بھی مروی ہے اور حدیث ۱۱۳۸ میں ہے کہ آنحضرت نے فرمایا: میرا معاملہ اصحاب کہف ورقیم سے بھی تعجب خیز ہے۔)

(۳۰) مشہور ہے کہ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا:
اِنَّ لِلْحُسَیْنِ فِی بَوَاطِنِ الْمُؤْمِنِیْنَ مَعْرِفَةً مَکْتُوْمَةً.
تحقیق مومنین کے دلوں میں امام حسینؑ کے لئے گہری معرفت ہے۔
(بحار الانوار: ۴۳/۲۷۲ باب فضائل حسنین علیہما السلام ضمن ح ۳۹، القطرۃ: ۱/۱۷۸ (چاپ جدید ص ۲۹۸) ب ۵ ح ۸، لیکن مہیج الاحزان/۲۲۲ م ۹ میں مَعْرِفَةً مَکْتُوْمَةً کے بجائے مُحَبَّةً مَکْتُوْمَةً گہری محبت ہے۔)

(۳۱) حضرت جعفر صادقؑ سے سند معتبر کے ساتھ روایت ہے کہ ایک دن رسول اکرمؐ حضرت فاطمہؑ کے گھر میں' حضرت حسین علیہ السلام کو اپنی آغوش میں بٹھائے ہوئے تھے کہ اچانک گریاں ہوگئے اور سجدے میں گر گئے۔ پھر فرمایا: اے فاطمہؑ! اے محمدؐ کی بیٹی! اللہ رب العزت نے اس لمحے مجھ پر خود وحی فرمائی اور مجھ کو الطاف بے پایاں سے فرمایا: اے محمدؐ! کیا آپ حسینؑ سے محبت رکھتے ہیں؟ میں نے کہا: ہاں، یہ میری آنکھوں کا نور، میرے گلستان کا پھول اور میرے دل کا میوہ ہے۔
پس ارشاد رب العزت ہوا: اے محمدؐ! حسینؑ کتنا مبارک مولود ہے میں اپنی رحمتوں' برکتوں اور صلوات وخوشنودی کا اس پر نزول کرتا ہوں اور جو اسے قتل کرے، اس سے دشمنی کرے اور اس سے جھگڑا کرے، اس پر میری پھٹکار' لعنت' غضب' عذاب اور رسوائی ہے۔

وہ دنیا و آخرت کے اولین و آخرین میں شہیدوں کا سردار ہے۔ وہ جمیع خلق میں اہل بہشت کے جوانوں کا سردار ہے۔ اوراس کا باپ اس سے بھی افضل اور نیک تر ہے اسے میرا سلام پہنچادو اور بشارت دے دو کہ وہ راہ ہدایت کا علم اور علامت، میرے اولیاء کا ہادی' مخلوق پر گواہ، میرے علم کا خزانچی اور اہل آسمان وزمین اور جن و بشر پر میری حجت ہے۔

(کامل الزیارات /۷۰ب۲۲ح۹' جلاالعیون /۳۱۹ب۵ف۹)

(۳۲) محمد بن مسلم روایت کرتے ہیں کہ میں نے امام باقرؑ اور امام صادقؑ سے سنا کہ وہ فرماتے تھے:

اِنَّ اللّٰہ تَعَالٰی عَوَّضَ الْحُسَیْنَؑ مِنْ قَتْلِہٖ اَنْ جَعَلَ الْاِمَامَۃَ فِیْ ذُرِّیَّتِہٖ وَالشِّفَاءَ فِیْ تُربَتِہٖ وَ اِجَابَۃَ الدُّعَاءِ عِنْدَ قَبْرِہٖ وَلَا تُعَدُّ اَیَّامُ زَائِرِیْہِ جَائِیًاوَ رَاجِعًا.

خداوند قدوس نے حضرت امام حسینؑ کی شہادت کے عوض آپؑ کی ذریت میں امامت اور آپ کی تربت میں شفاء عطا کی۔ اور آپ کی قبر کے نزدیک دعا قبول ہوتی ہے اور آپ کی مرقد منور کی زیارت کرنے والے کو آنے اور جانے پر جتنے دن لگتے ہیں، زائر کی عمر سے ان کا حساب نہیں ہوگا۔

محمد بن مسلم کہتا ہے: میں نے حضرت صادقؑ سے عرض کیا: جب آنحضرتؑ کی برکت میں اس قدر فضیلت ہے تو خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فضیلت کس قدر ہوگی؟

فرمایا: خدا نے آنحضرتؑ کو پیغمبر اکرمؐ سے ملحق گردانا ہے اور آپؑ کا درجہ و مقام ان کے ساتھ ہے۔ پھر یہ آیہ مبارکہ تلاوت فرمائی:

وَالَّذِیْنَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْھُمْ ذُرِّیَّتُھُمْ بِاِیمَانٍ اَلْحَقْنَا بِھِمْ ذُرِّیَّتَھُمْ .

(سورہ طور آیہ ۲۱)

وہ لوگ جو ایمان لائے اور ان کی ذریت نے ایمان کے ساتھ ان کی پیروی کی، ہم نے ان کی ذریت کو ان کے ساتھ ملحق کر دیا۔ (بحار الانوار: ۲۹/۱۰۱باب ۲۷ از مزار، ج ۴۴/۲۲۱' امالی طوسی: ۱/۳۲۴)

(۴۳) منقول ہے کہ جس وقت شمر حضرتؑ کے سینے پر سوار تھا اور آپؑ کو قتل کرنے کا ارادہ رکھتا تھا تو آپؑ کے لب ہائے مبارک حرکت کر رہے تھے۔ شمر کو یقین تھا کہ آپ اس پر نفرین کر رہے ہوں گے۔ جب وہ اپنا سر آپؑ کے نزدیک لے گیا تو اس نے سنا کہ آپؑ فرما رہے تھے: خدایا! میں نے اپنا عہد وفا کر دیا ہے اور جان تیری راہ میں قربان کردی ہے۔ تو بھی اپنا عہد وفا کر اور میرے نانا کی امت کے گناہ گاروں کو بخش دے اور میں جانتا ہوں کہ تو اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔ ہاتف غیبی نے آواز دی کہ ہم بھی اپنا عہد وفا کریں گے۔ (ریاض الشہادۃ: ۲/۳۱م۴، اور اسی کی نظیر تذکرۃ الشہداء ۱/۱۳)

(۴۴) ابو ہریرہ سے روایت ہے: میں نے رسول خداؐ سے اس آیہ مبارکہ کے بارے میں سوال کیا:

وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِي عَقِبِهِ. (سورہ زخرف آیہ ۲۸)

اس کے عقب میں کلمہ باقیہ قرار دیا گیا۔

آپؐ نے فرمایا: خدا نے امامت کو حسین علیہ السلام کی پشت میں قرار دیا۔ اس کے صلب سے نو (۹) امام ہوں گے اور مہدیؑ امت بھی انہی میں سے ہے۔

(مناقب ابن شہر آشوب: ۴/۴۲، اس مضمون کی اور روایات بھی مروی ہیں۔ تفسیر نور الثقلین: ۴/۵۹۲ سے رجوع کریں)

(۴۵) شیخ صدوق رحمتہ اللہ علیہ رقم طراز ہیں: ابو الحسن علی بن ثابت دوالیبی نے سال ۳۵۲ میں، محمد بن علی بن عبدالصمد سے، انہوں نے علی بن عاصم سے اور انہوں نے حضرت جواد علیہ السلام سے اور انہوں نے اپنے آباؤ اجداد علیہم السلام سے (سلسلۃ الذہب کی صورت میں) حضرت امام حسین علیہ السلام سے ہمارے لئے نقل کیا ہے کہ فرمایا: میں خدمت رسول خداؐ میں گیا تو ابی بن کعب آنحضورؐ کے نزدیک بیٹھا تھا۔ رسول خداؐ نے مجھ سے فرمایا:

مَرْحَباً بِكَ يَا أَبَا عَبْدِاللّٰهِ يَا زَيْنَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ.

اے ابا عبداللہؑ! اے آسمان اور زمین کی زینت خوش آمدید۔

(آسمان دنیا کواکب سے مزین ہے لیکن حسینؑ صرف آسمان دنیا کی زینت نہیں بلکہ آسمان دنیا سے اوپر جہاں تک جایا جا سکے، اور وہاں سے لے کر ارضین سفلی تک، کیونکہ اگر حسینؑ نہ ہوتے تو عالم وجود میں نہ آتا۔

ابی بن کعب نے عرض کیا: اے رسول خداؐ! آپؐ کے سوا کوئی کس طرح آسمانوں اور زمین کی زینت ہو سکتا ہے؟

آنحضرتؐ نے فرمایا: اے ابی!

وَالَّذِی بَعَثَنِی بِالْحَقِ نَبِیًّا اِنَّ الْحُسَیْنَ بْنَ عَلِیٍّ فِیْ السَّمَاءِ اَکْبَرُ مِنْهُ فِیْ الْاَرْضِ وَاِنَّهُ لَمَکْتُوبٌ عَنْ یَمِیْنِ عَرْشِ اللّٰهِ: مِصْبَاحُ هُدًی وَسَفِیْنَةُ نَجَاةٍ..........

خدا کی قسم کہ جس نے مجھے پیغمبر حق مبعوث فرمایا ہے حسینؑ ابن علیؑ آسمانوں میں زمین سے بھی زیادہ محترم ہیں۔ اور تحقیق عرش خدا کی داہنی طرف مرقوم ہے وہ مشعل ہدایت اور کشتی نجات، رہنمائی کرنے والے، (صاحب) عزت و شرف دریائے علم اور ذخیرۂ (پروردگار) ہیں۔

(عیون الاخبار: ۱/۴۸ب ۶ ح ۲۹، بحارالانوار: ۳۶/۲۰۴ ح ۸ و ج ۹۴/۱۸۴)

امام عالی مقامؑ کے بے شمار فضائل کو جاننے کے لئے ان آیات کی تفسیر ملاحظہ کیجئے۔

آیہ تطہیر (سورۂ احزاب آیہ ۳۳) آیہ مباہلہ (سورۂ آل عمران، آیہ ۶۱) سورۂ ھل اتی (سورہ انسان) سورۂ فجر خصوصاً آیہ۔

یَا اَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ اِرْجِعِی اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً ہ

اے نفس مطمئنہ اپنے پروردگار کی طرف رجوع کر تو اس سے خوش وہ تجھ سے راضی۔ (سورۂ فجر آیہ ۲۸)

وَفَدَیْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ ہ (سورہ صافات، آیہ ۱۰۷)

ہم نے اس کا فدیہ ایک عظیم قربانی قرار دیا۔

وَاُولُوالْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ (سورہ انفال: ۷۵)

اور صاحبان قرابت خدا کی کتاب میں باہم ایک دوسرے کے (بہ نسبت اوروں کے) زیادہ حق دار ہیں۔

وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطَانًا. (سورہ اسراء آیت ۳۳)

اور جو شخص ناحق مارا جائے تو ہم نے اس کے وارث کو قاتل پر قصاص کا اختیار دیا ہے۔

حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَضَعَتْهُ كُرْهًا (سورۂ احقاف آیہ ۱۵)

اس کی ماں نے رنج ہی کی حالت میں اس کو پیٹ میں رکھا اور رنج ہی سے اس کو جنا۔

فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَاءُ وَالْاَرْضُ. (سورۂ دخان، آیہ ۲۹)

توان لوگوں پر آسمان اور زمین کو بھی رونا نہ آیا......................

اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحَابَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ اٰيَاتِنَا عَجَبًا ٥

(سورۂ کہف، آیہ ۹)

اے رسولؐ کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ اصحاب کہف و رقیم ہماری قدرت کی نشانیوں میں سے ایک عجب نشانی تھے۔

اَلَّذِيْنَ اُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ. (سورۂ حج، آیہ ۴۰)

یہ وہ مظلوم ہیں جو بیچارے صرف اتنی بات کہنے پر کہ ہمارا پروردگار خدا ہے، ناحق اپنے گھروں سے نکال دیئے گئے۔

وَاِذَا الْمَوْءُدَةُ سُئِلَتْ بِاَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ. (سورۂ تکویر، آیہ ۸)

......................پوچھا جائے گا کہ تمہیں کس جرم میں مارا گیا۔

مذکور بالا آیات کی شان نزول اور اس میں وارد روایات کتاب ہذا کے مختلف ابواب کے ضمن میں آئیں گی۔

خصائص حسین علیہ السلام

آنحضرتؑ کے اوصاف اس قدر زیادہ ہیں کہ ان کے بارے میں کہنا پڑتا ہے: امام حسینؑ کی ہر چیز مخصوص ہے۔
مرحوم شیخ جعفر شوشتری نے ان خصائص پر باقاعدہ ایک کتاب تحریر کی ہے، ان اوصاف کی طرف اشارہ اس کتاب کے لئے باعث زینت ہوگا۔
(مزید تفصیل و مطالعہ کے لئے کتاب ''الخصائص الحسینیہ'' اور ''بحارالانوار'' وغیرہ سے مربوط روایات کی طرف رجوع فرمائیں)

(۱) آپؑ کے نور کا عالم بالا میں امتیاز' کہ یہ نور اس جہان میں نور رسول خداؐ سے نسبت رکھتا ہے جیسا کہ ارشاد نبوی ہے:
''حُسَيْنٌ مِنّي وَأَنَا مِنْ حُسَيْن''
اور اس جہان میں اس امتیاز کا سبب حزن و اندوہ ہے جیسا کہ حضرت آدمؑ کے واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے۔
آخر میں دوران حمل میں آپ کا امتیاز خاص ہے، کہ آپ کی والدۂ ماجدہ علیہا السلام کا فرمان ہے: جب اس (حسینؑ) کے حمل کو پانچ ماہ گزر گئے تو تاریک رات میں مجھے چراغ کی ضرورت نہ پڑتی تھی۔

(۲) آپؑ کے نانا' بابا' ماں اور بھائی کی سی عظمت اور کسی کے حصے میں نہ آئی۔

(۳) رسول اکرمؐ امیر المومنینؑ اور حضرت فاطمہ زہراؑ حضرت سید الشہداءؑ سے شدید محبت فرماتے تھے۔

(۴) آپؑ کے مقام شفاعت کو کوئی نہ پہنچ سکا۔ کیونکہ خداوند متعال نے آپ کو یہ مقام شہادت کے عوض کے طور پر عطا فرمایا کہ روز قیامت دوسرے بھی شفاعت فرمانے والے ہوں گے، لیکن چہاردہ معصومینؑ کے علاوہ سبھی لوگ آنحضرتؑ کی شفاعت کے محتاج ہیں۔ جیسا کہ فطرس فرشتہ جو کہ سینکڑوں سالوں سے معذب تھا اُسے آپ کی شفاعت کے سبب عذاب سے نجات ملی۔

اور ایک روایت کے مطابق اہل محشر (جنہیں نجات کی ضرورت ہوگی) کی ہزار صفیں ہوں گی۔ جن میں سے نو سو ننانوے (۹۹۹) صفیں امام حسین علیہ السلام کی شفاعت کے سبب جنت میں جائیں گی اور ان میں سے ایک صف کی تمام آئمہ طاہرینؑ شفاعت فرمائیں گے، اور اس میں بھی امام حسینؑ شریک ہوں گے۔ (تذکرہ الشہداء ۱۶/)

(۵) آئمہ علیہم السلام آپ کی نسل میں سے ہیں۔ نو (۹) امام جن میں سے آخری حضرت مہدی علیہ السلام ہوں گے۔ حضرت سید الشہداء کی اولاد میں سے ہیں۔

(۶) آپ کی شہادت کی خبر' آپ کی ولادت سے ہزاروں سال پہلے اللہ تعالیٰ نے جبرئیلؑ کو دے رکھی تھی۔ جبرئیلؑ آپ کی روضہ خوانی کرتے تھے اور انبیاءؑ و اصیاءؑ اس سے باخبر تھے۔

(۷) آپ کے اصحاب کی عظمت، کہ جس کے بارے میں آپؑ خود فرماتے ہیں:

(فَاِنِّیْ لَاْ اَعْلَمُ اَصْحَابًا اَوْفٰی وَلَاَ خَیْرًا مِنْ اَصْحَابِیْ وَلَاْ اَهْلَ بَیْتٍ اَبَرَّ وَلَاْ اَوْصَلَ مِنْ اَهْلِ بَیْتِیْ)

تحقیق میں اپنے صحابہ سے زیادہ باوفا اور بہتر صحابہ کا علم نہیں رکھتا اور اپنے خاندان سے زیادہ نیکوکار اور مہربان خاندان کو نہیں جانتا۔

(ایک مستقل فصل میں اس پر مزید بحث ہوگی)

(۸) آنحضرتؑ کی ولادت اور حمل کی خصوصیات جن کی طرف قبل ازیں اشارہ کیا جا چکا ہے

(۹) عالم آخرت میں آپؑ کی عظمت۔

(۱۰) برزخ میں آنحضرتؑ کی عظمت۔

(۱۱) قیامت میں آپؑ کی مجلس عزا کا منعقد ہونا اور حضرت فاطمہ زہراءؑ کی امام حسینؑ کے حوالے سے مظلومیت جس کا تذکرہ بعد میں کیا جائے گا۔

(۱۲) آپ کے مثالی اخلاق اور صفات حمیدہ و برجستہ' آپ کی شجاعت وسخاوت وغیرہ۔ باب فضائل میں ایک حدیث آپؑ کی سخاوت کے بارے میں بیان کی جا چکی ہے، اور آپؑ کی شجاعت کے بارے میں روایت میں ہے کہ رسول اکرمؐ نے اپنی شجاعت امام حسینؑ کو دے دی تھی اور اس میں کچھ شک نہیں کہ پیغمبر اکرمؐ تمام انسانوں سے زیادہ شجاع تھے۔ اور مشہور ہے کہ واقعہء کربلا کے بعد حضرت علی علیہ السلام کی شجاعت کا ذکر کبھی نہ ہوا۔ بلکہ ہر جگہ شجاعت حسینی کا تذکرہ ہوتا تھا۔ جس قدر شجاعت امام حسین نے روز عاشور دکھائی، حضرت علیؑ اپنی کسی بھی جنگ میں ایک ہی دن میں اتنی شجاعت کا مظاہرہ نہ کر سکے۔ (تذکرہ الشہداء/۲۳۱)

(۱۳) آپؑ کی عبادات آپ کی نماز کی طرح آپ ہی کا خاصہ تھیں۔

(۱۴) آپؑ پر رونے کا ثواب اور اس کے فضائل سینکڑوں احادیث میں مروی ہیں اوران میں سے بعض کو ہم نے علیحدہ ابواب میں نقل کیا ہے۔ آپ کے لئے رسول خداؐ، امیر المومنین' حضرت فاطمہؑ، امام حسن مجتبیٰؑ اور دیگر آئمہ نیز انبیاء و اولیاء اور ملائکہ کا گریہ کسی اور ہستی کے لئے منقول نہیں ہے۔

اور بھلا کس شخص کو یہ شرف حاصل ہے کہ حضرت صاحب الامرؑ فرماتے ہیں:

فَلاَ نُدُ بَنَّکَ صَباحاً وَمَساءً وَلَأَ بْکِیَنَّ لَکَ بَدَلَ الدُّمُوعِ دَماً.

میں ہر صبح و شام آپؑ پر نالہ و فریاد کروں گا اور اشکوں کے بجائے آپ کے لئے خون روؤں گا۔

(۱۵) آپ کے حرم ''کربلائے معلیٰ'' کی عظمت اور شرف تمام زمینوں پر' حتیٰ کہ بروئے حدیث کعبہ پر بھی مسلم ہے۔ اس حدیث کا تذکرہ آگے ہوگا۔

(۱۶) آنحضرت کی زیارت کا ثواب بیان سے باہر ہے حتیٰ کہ معصومین علیہم السلام میں سے کسی کے بارے میں بھی اس قدر ثواب زیارت وارد نہیں ہوا۔ یہاں تک کہ ارشاد ہے: آپ کے زائر نے عرش پر خدا کی زیارت کی ہے۔ اس سلسلے میں کی گئی روایات میں سے کچھ نقل کی جائیں گی۔

اس طرح اربعین کے روز آپ کے روضہ اطہر کی زیارت مومن کی پانچ علامات میں سے ایک علامت کے طور پر مشہور ہے۔ سال کے تمام متبرک دنوں اور راتوں میں آنحضرت کی زیارت کی برکت کا ذکر وارد ہوا ہے۔

(۱۷) آپ کی مجالس منعقد کرنے کی سفارش: یہاں تک کہ آپؑ کی ولادت سے قبل بھی انبیائے خداؑ اس مظلوم کی مجالس برپا کیا کرتے تھے اور آنحضرتؑ کے لئے عزاداری کی جاتی تھی۔

(۱۸) آپؑ کا وسیلہ خداوند قدوس تک پہنچنے کے لئے نزدیک تر راستہ ہے اور ہر ایک کے لئے آپؑ سے رابطہ استوار کرنا ضروری ہے۔

(۱۹) آپؑ سے استغاثہ (طلب نصرت) تمام مشکلات سے نجات دلاتا ہے۔

(۲۰) گناہ گاروں کی امید اور امت کی نجات کا دروازہ حسین علیہ السلام ہیں۔

(۲۱) خداوند کریم نے آپ کی شہادت کے عوض کے طور پر آپ کی تربت (خاک مرقد) میں شفا قرار دی ہے۔

(۲۲) آپ کی تربت اور اس پر سجدہ کی فضیلت کے بارے میں وارد ہوا ہے کہ جب کوئی فرشتہ زمین پر آتا ہے اور واپس جاتا ہے تو ملائکہ اس سے آپ کی تربت (خاک مزار بطور ہدیہ مانگتے ہیں۔

روایات میں ہے کہ آپ کی تربت پر سجدہ ساتوں حجابات کو ہٹا دیتا ہے اور نماز کی قبولیت کا باعث ہے۔

(۲۳) ہر قسم کی مٹی کھانا حرام ہے، مگر آپ کی قبر کی مٹی شفا کے ارادے سے کھانا جائز ہے۔

(۲۴) آنحضرتؑ کا حرم ان چار مقامات میں سے ہے جہاں مسافر کو چاہیے کہ پوری نماز پڑھے۔

(۲۵) امام حسینؑ جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہیں۔ پیغمبر اکرمؐ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا:

أَلاٰ وَاِنَّ الْحُسَيْنَ بَابٌ مِنْ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ، مَنْ عانَدَهُ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ .

آگاہ رہو کہ حسینؑ جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے اور جو شخص اس کے ساتھ دشمنی رکھتا ہے۔ اللہ اس پر بہشت کی خوشبو حرام کر دیتا ہے (مقتل خوارزمی: ۱/۱۴۵ف ۷)

(۲۶) امام حسینؑ نے کسی عورت کا دودھ نہ پیا اور آپ کی خوراک رسول اکرمؐ کے ذریعے انجام پائی۔ وہ اس طرح کہ ہر روز حضورؐ اپنی زبان مبارک امام حسینؑ کے دہن مبارک میں دے دیتے اور وہ اسے چوس چوس کر سیر ہو جاتے۔

(۲۷) سالار شہیداں امام حسینؑ پیغمبر اکرمؐ کی کامل تصویر تھے۔ اور منقول ہے کہ آپؑ سینہ مبارک سے پاؤں تک تمام لوگوں سے زیادہ رسول خداؐ سے مشابہ تھے۔

(۲۸) آپؑ کی ولادت کی رات آتش جہنم احتراماً خاموش ہوگئی۔

(۲۹) امام حسینؑ کی ولادت کے وقت ملائکہ حضرت جبرئیلؑ کی قیادت میں گروہ در گروہ رسول اکرمؐ پر نازل ہوئے اور آپ حضورؐ کو مبارک باد دی۔

(۳۰) آپ وہ پہلے مولود تھے جس کی ولادت کے وقت اس کے ناناؐ، باباؑ اور ماں نے گریہ فرمایا۔

(۳۱) معصومین علیہم السلام سے جو بزرگوار بھی آپ کا نام لیتے گریہ فرماتے تھے، اور کامل مومنین بھی جب آپ کا ذکر کرتے ہیں تو گریہ فرماتے ہیں۔

(۳۲) امام حسینؑ اس قدر رعب و جلال کے حامل تھے کہ امام حسن مجتبیٰ آپؑ کے رعب و جلال کو امیر المومنین علیہ السلام کے رعب و جلال کی مانند سمجھتے تھے اور آپؑ کا احترام باپ کی طرح کرتے تھے۔

(باب فضائل میں یہ حدیث منتہی الآمال کے حوالے سے نقل کی جا چکی ہے)

آپ علیہ السلام کی شہادت کے وقت سرخ آندھی چلی' فضا تیرہ وتاریک ہوگئی۔ یہاں تک کہ کوئی شے نظر نہ آتی تھی اور سات روز تک افق سرخ رہا راتوں کے وقت بھی آسمان خون رنگ محسوس ہوتا تھا۔

جس پتھر کو اٹھایا جاتا اس سے خون جاری ہو جاتا اور اجسام زمینی میں دسیوں آثار دگر گونی پیدا ہوگئے جن میں سے بعض اب تک قائم ہیں۔ان جملہ آثار میں سے:

زر آباد (قزوین کے ایک قصبہ) میں چنار کے درخت سے خون جاری ہوگیا۔ ہر سال روز عاشور ہزاروں لوگ اس خونبار چنار کو دیکھنے کے لئے جاتے ہیں۔ آیۃ اللہ مرعشی نجفی کتاب ''عروہ'' کے حاشیے میں خون ہائے پاکیزہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ایسا خون کہ جو قزوین کے مضافات میں واقع ایک گاؤں زر آباد کے درخت سے خارج ہوتا ہے۔

(۳۴) آپؑ کے قاتل کا عذاب تمام اہل جہنم سے زیادہ ہے' اور روایت میں ہے کہ وہ اہل تابوت ہوگا یعنی اہل دنیا کا نصف عذاب اس پر ہوگا۔

اور منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ سے فرمایا: اے موسیٰ! اگر تم اولین وآخرین کے بارے میں مجھ سے سفارش کرو گے تو میں قبول کروں گا مگر قاتل حسینؑ ابن علیؑ (کے سلسلے میں تمہاری سفارش بھی قبول نہیں ہوسکتی) کہ میں خود حسینؑ کے قاتل سے انتقام لوں گا۔

(۳۵) متعدد روایات کے مطابق' پہلے شخص جو دور رجعت میں تشریف لائیں گے وہ سالار شہیداں حضرت ابا عبداللہ الحسینؑ ہوں گے کہ جو حضرت بقیہ اللہ الاعظم ارواحنا فداہ کے بعد چالیس ہزار سال تک حکومت کریں گے۔

(۳۶) امام حسینؑ کے حرم میں دعا مستجاب ہوتی ہے۔

(۳۷) امام حسینؑ تمام پیغمبروں کے (مصائب، فضائل اور کمالات کے) وارث ہیں۔ جیسا کہ زیارت وارث میں مذکور ہے۔

(۳۸) آپ کی ولادت ماہ میں شعبان میں ہوئی اور شعبان وہ مہینہ ہے کہ جس میں کسی معصومؑ کی شہادت منقول نہیں۔ اور آپ کی شہادت ماہ محرم میں ہوئی کہ جس میں کسی معصومؑ کی ولادت واقع نہیں ہوئی۔

(البتہ ایک قول کے مطابق حضرت سجادؑ کی ولادت ماہ شعبان میں نقل ہوئی ہے)

(۳۹) صبر آنحضرتؑ، کہ آپؑ تمام مراتب صبر پر فائز تھے۔ حتیٰ کہ جب آپ زمین پر گرے پڑے تھے اور آپؑ کے تمام اعضا پارہ پارہ ہو گئے تھے، سر شگافتہ تھا، دل سہ شعبہ نیزے سے زخمی تھا، ہونٹ شدت پیاس سے خشک اور سر اور ڈاڑھی خون سے خضاب ہو چکے تھے۔ نیز ایک جانب سے عیال و اطفال کی صدائے استغاثہ بلند ہو رہی تھی اور دوسری جانب سے دشمنوں کی شماتت، آپ نے اس حالت میں فرمایا:

صَبْرًا عَلٰی قَضٰاءِ کَ لَا مَعْبُودَ سِوٰاکَ.

میں تیرے حکم پر صبر کرتا ہوں، تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔

زیارت ناحیہ مقدسہ میں ہے:

لَقَدْ عَجَبَتْ مِنْ صَبْرِکَ مَلٰائِکَۃُ السَّمٰوٰاتِ.

"تحقیق آسمانوں کے فرشتے تمہارے صبر پر حیران ہیں۔"

(۴۰) آنحضرتؑ کی زیارت کی خصوصیات:

الف: حضرت سید الشہداء کی زیارت میں آپ مظلوم کی ذات پر سلام کے علاوہ آپ کے اعضاء و جوارح پر بھی سلام بھیجا گیا ہے: میرا سلام ہو آپ کے کٹے ہوئے سر پر، میرا سلام ہو آپ کے شکستہ سینے پر، آپکے بدن اطہر پر سلام، آپ کی خون آلودہ ڈاڑھی پر سلام، آپ کے برہنہ بدن پر سلام، آپ کے نیزہ پر سوار سر پر سلام، آپ کے خون پر سلام۔ جبکہ پیغمبر اکرمؐ کی زیارت میں ہم صرف حضورؐ (کی ذات) پر سلام بھیجتے ہوئے

کہتے ہیں:

اَلسَّلامُ علیکَ یا نبیَّ اللّٰہِ ،یا خاتَم النَّبیّیْن.

اور علی ھذا القیاس ذاتی صفات کے ساتھ ساتھ کہ جو آپؐ کے نام اور القاب سے متعلق ہیں(ہدیہ سلام موجود ہے) (مجالس المواعظ ۳۵/۴م۴)

ب. آپؐ کی زیارت کے وقت سات دفعہ کہنا چاہیے :

لَبَّیکَ داعیَ اللّٰه .اور (ممکن ہے) یہ سات دفعہ لبیک کہنا آپ کے ہفت استغاثہ کے جواب میں ہو اور صرف اس دور کے لوگوں سے اس کا اختصاص نہ ہو۔(مرحوم شوشتری کا اعتقاد ہے کہ امام حسینؑ نے روز عاشور سات مرتبہ ھَلْ مِنْ نَاصِرٍ کہہ کر استغاثہ بلند کیا۔ (مجالس المواعظ ۳۶/۴م۴)

ج: امام حسین علیہ السلام کی زیارت کے بارے میں امامؑ نے مفضل سے فرمایا۔

لاَ تَزُوْرَنَّ خَیْرٌ مِنْ اَنْ تَزُوْرَنَّ .

مفضل کہتا ہے : میں نے عرض کیا : ہمارا زیارت ترک کرنا زیارت کرنے سے کس طرح بہتر ہے؟ فرمایا: کیونکہ جس وقت اس بزرگوار کی زیارت کی جارہی ہو اس وقت خوش ہونا' لذیذ غذائیں کھانا' حالانکہ حسینؑ بن علیؑ تشنہ اور گرسنہ شہید ہوئے ہیں .... (مجالس المواعظ ۸/۱م۱)

مظلوم کربلاؑ پر گریہ کی فضیلت

نبی اکرمؐ اور اہل بیت عصمتؑ سے گریہ کرنے اور اہل بیتؑ خصوصاً حضرت ابا عبداللہ الحسینؑ کے مصائب پر رونے کی فضیلت میں بکثرت روایات منقول ہیں۔ اور تواتر کے سبب ان میں استناد کی بھی کوئی مشکل نہیں۔ قبل ازیں ان میں سے اکثر احادیث کتاب "کامل الزیارات" میں نقل ہو چکی ہیں، جو فقہائے کرام رضوان اللہ علیہم کے لئے مورد وثوق و اعتماد و استناد ہیں:

ہم ذیل میں ان احادیث میں سے کچھ بطور نمونہ درج کر رہے ہیں۔

(۱) حضرت امام زمانہ عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف اپنے جد بزرگوار حضرت امام حسینؑ سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں:

وَاُقِيمَتْ لَکَ الْمَاتَمُ فِيْ اَعْلاَ عِلِّيِينَ وَلَطَمَتْ عَلَيْکَ الْحُورُ الْعِينُ ، وَبَکَتِ السَّمَاءُ وَسُکَّا نُهَا، وَالْجِنَانُ وَخُزَّا نُهَا وَالْهِضَابُ وَاُقْطَارُهَا ، وَالْبِحَارُ وَحِيتَا نُهَا وَالْجِنَانُ وَوِلْدَا نُهَا ، وَ الْبَيْتُ وَالْمَقَامُ وَ الْمَشْعَرُ الْحَرَامُ وَالْحِلُّ وَالْاِ حْرَامُ ۔

آپ کے لئے اعلاعلیین (عالم ملکوت) میں مجالس برپا ہوئیں' حوران بہشتی نے آپ کے غم میں اپنے سروں اور چہروں کو پیٹا۔ آسمان اور اس کے رہنے والے بہشت اور اس کے نگہبان' پہاڑ اور ان کے دامن، سمندر اور ان کی مچھلیاں' جنت کے باغ اور ان کے نوجوان' خانہ کعبہ اور مقام ابراہیم' مشعرالحرام اور حرم خانہ خدا اور وہ لوگ جو وہاں محرم (احرام باندھے ہوئے

ہیں) اور ان کے اطراف و جوانب سب کے سب آپ کے غم و ماتم میں
روئے۔ (بحار الانوار :۱۰۱/۳۲۳)

(۲) محمد بن مسلم امام محمد باقر علیہ السلام سے نقل فرماتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: ہر وہ مومن
جو امام حسینؑ کے قتل پر آنسو بہائے اور وہ آنسو اس کے رخساروں پر بہنے لگیں تو
"بَوَّأَهُ اللّٰهُ بِهَا غُرَفاً فِي الْجَنَّةِ يَسْكُنُهَا أَحْقَاباً .
(احقاب کا معنی طویل زمانہ ہے لیکن یہاں کنایتاً دوام اور ہمیشگی مراد ہے)
اللہ انہیں بہشت کے میں جگہ عطا فرمائے گا اور وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے۔
(کامل الزیارات ۱۰۴/۱ باب ۳۲ ح ۹' بحار الانوار :۴۴/۲۸۵ آنحضرتؑ پر گریہ کے ثواب کا باب ح ۲۱ وسائل :۱۴/۵۰۸ ح ۱۸)

(۳) امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: (میرے والد) علی بن الحسین نے اپنے باپ حسینؑ بن علیؑ
پر بیس سال یا چالیس سال گریہ فرمایا ، اور کبھی آپ کے پاس کھانا نہیں رکھا گیا مگر
آپ حسین علیہ السلام پر گریہ فرما رہے ہوتے تھے ۔ یہاں تک کہ ایک غلام نے
حضرت سے کہا : اے فرزند رسول خدا ! میں آپؑ پر قربان' مجھے خوف ہے کہ آپؑ
کثرت گریہ سے ہلاک ہو جائیں گے۔

یہ تردید راوی نے کی ہے ، اور ظاہراً بیس سال صحیح معلوم نہیں ہوتے ۔اس کا مطلب یہ ہے کہ امام سجاد علیہ السلام امام حسین علیہ السلام پر اپنی بقیہ عمر کا کچھ حصہ روئے حالانکہ ایسا نہیں تھا غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سانحہ کے بعد امام سجادؑ ۳۴ یا ۳۵ سال زندہ رہے۔ احتمال ہے کہ آپ ۴۰ سال تک (اندازاً) یعنی جب تک زندہ رہے، روتے رہے ۔

إِنَّمَا أَشْكُو بَثِّي وَحُزْنِي إِلَى اللّٰهِ وَأَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ .
(سورۃ یوسف' آیہ ۸۶)

تحقیق میں اپنی پریشان حالی اور حزن و ملال کو خدا کے علاوہ کسی سے بیان
نہیں کرتا ۔ اور اللہ کی طرف سے میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے ۔
إِنِّي لَمْ أَذْكُرْ مَصْرَعَ بَنِي فَاطِمَةَ إِلَّا خَنَقَتْنِي الْعَبْرَةُ لِذٰلِكَ "

کسی بھی وقت اولاد فاطمہؑ کی شہادت کا تذکرہ نہیں ہوتا مگر یہ کہ اس کے سبب میں گریہ سے گلوگیر ہو جاؤں۔

(کامل الزیارات /۱۰۷ باب ۳۵ ح ا' امالی صدوق /۱۴۱ م ۲۹ ذیل ح ۵)

(۴) علیؑ بن الحسینؑ (امام سجادؑ) کے غلاموں میں سے ایک غلام کا کہنا ہے: ایک دن میں نے اپنے آقا کو دیکھا کہ وہ اپنے حجرے میں سجدے میں گریہ فرما رہے تھے۔ میں نے عرض کیا: اے ہمارے آقا علیؑ بن الحسینؑ۔

أمَا آنَ لِحُزْنِکَ أنْ یَنْقَضِیَ .

کیا وہ وقت نہیں آیا کہ آپ کا غم پایہ تکمیل کو پہنچے؟

حضرتؑ نے سجدے سے سر اٹھا کر فرمایا: وائے ہو تم پر یا تمہاری ماں تمہارے غم میں بیٹھے۔ خدا کی قسم! یعقوبؑ کو مجھ سے کم تر المیہ پیش آیا تھا اور انہوں نے خدا سے شکوہ کیا حتّٰی کہ فرمایا:

یٰا أَسَفٰی عَلٰی یُوسُفَ (سورہ یوسف آیہ ۸۴)

''ہائے افسوس یوسفؑ کے فراق پر''

اور اس کا صرف ایک بیٹا گم ہوا تھا۔

وَأنَا رَأیْتُ أَبِی وَجمَاعَةً مِنْ أَهْلِ بَیْتِی یَذْبَحُوْنَ حَوْلِی !

جبکہ میں نے دیکھا کہ میرے بابا اور میرے اہل بیتؑ میرے سامنے ذبح کئے جا رہے تھے اور ان کے سر کاٹے جا رہے تھے۔ (کامل الزیارات /۱۰۷ ح ۲)

(۵) نوحہ سرا ابوعمارہ کہتے ہیں۔

کوئی دن ایسا نہیں تھا کہ جس دن امام حسینؑ کا امام صادقؑ کے پاس ذکر کیا گیا ہو اور اس دن صبح سے رات تک آپ کو تبسم کرتے دیکھا گیا ہو (بلکہ اس تمام دن آپ محزون وگریاں رہتے تھے) اور مسلسل فرماتے تھے:

اَلْحُسَیْنُ عَبْرَةُ کُلِّ مُؤْمِنٍ .

حسینؑ ہر مومن کی آنکھ کا آنسو (اور گریہ وحزن کا سبب) ہیں۔

(کامل الزیارات ۱۰۸/ باب ۳۶ ح ۲' بحار الانوار: ۲۸۰/۴۴ ح ۱۱)

(۶) ابو بصیر امام صادق علیہ السلام سے روایت کرتا ہے کہ حسین بن علی علیہما السلام نے فرمایا: میں اشک چشم کا شہید ہوں۔ کوئی مومن مجھے یاد نہیں کرے گا سوائے اسکے کہ وہ گریہ کرنے لگے۔

(کامل الزایارات ۱۰۸/ ح ۴، بحار الانوار: ۲۸۴/۴۴ ح ۱۹' امالی صدوق ۱۳۷/۷' م ۲۸ ح ۷)

(۷) فضیل بن یسار سے منقول ہے کہ امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: ہر وہ شخص کہ جس کے سامنے ہم اہل بیتؑ کا ذکر ہو اور اس کی آنکھ میں اگرچہ مچھر کے پر کے برابر ہی آنسو آجائے تو اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے، ہر چند وہ دریا کی جھاگ کی طرح زیادہ کیوں نہ ہوں۔

(کامل الزیارات ۱۰۳/ باب ۳۲ ح ۸' بحار الانوار: ۲۸۴/۴۴ ح ۲۰ وسائل: ۵۰۰/۱۴ ب ۶۶ من المزار ح ۱)

(۸) فضل بن شاذان سے روایت کہ میں نے امام رضا علیہ السلام سے سنا کہ آپ نے فرمایا: جب خداوند متعال نے حضرت ابراہیمؑ کو حکم دیا کہ اپنے بیٹے کی جگہ، گوسفند جو اس کے بدلے بھیجا گیا ہے قربان کرو تو حضرت ابراہیمؑ نے آرزو کی کاش مجھے اسماعیلؑ ہی کو راہ خدا قربان کرنے کا حکم ملتا اور اس کے بدلے گوسفند کی قربانی کا حکم نہ ملتا، تاکہ عزیز ترین فرزند کو قربان کرنے سے میرے دل میں درد پیدا ہوتا اور وہ میرے لئے بالاترین مصیبت دیدہ افراد کے درجات اور ان کے صلے کا باعث بنتا۔ اور مجھے ان جیسا صلہ ملتا۔

اللہ تعالی نے آپؑ پر وحی نازل فرمائی اے ابراہیم! تمہارے نزدیک میری مخلوق میں سے بہترین شخص کون ہے؟ (ابراہیمؑ نے) جواب دیا: خدایا! تو نے ابھی مخلوق کو خلق بھی نہ کیا تھا کہ میرے نزدیک تیرا حبیب محمدؐ محبوب ترین ہستی تھی۔

فرمایا: کیا اسؐ سے زیادہ محبت کرتے ہو یا خود سے؟ جواب دیا: اس سے زیادہ محبت کرتا ہوں

خدائے متعال نے فرمایا: کیا اسؐ کے بیٹے سے زیادہ محبت کرتے ہو یا اپنے بیٹے سے؟ جواب دیا: اسؐ کے بیٹے سے۔

خدائے متعال نے فرمایا: کیا اسؐ کے بیٹے کے دشمنوں کے ہاتھوں قتل ہونے سے تمہارے دل میں زیادہ درد ہوگا یا اپنے بیٹے کو اپنے ہاتھ سے قربان کرنے سے؟ جواب دیا: پروردگار! اس کے بیٹے کے دشمنوں کے ہاتھوں قتل ہونے سے میرے دل کو زیادہ تکلیف ہوگی۔ فرمایا: اے ابراہیمؑ! ایک گروہ جو یہ دعوی کرتا ہوگا کہ ہم امت محمدؐ میں سے ہیں، اسؐ کے فرزند حسینؑ کو ظلم و دشمنی کے سبب گوسفند کی طرح ذبح کردے گا اور اپنے اس فعل کے سبب وہ لوگ میرے قہر و عذاب کے سزاوار ہوں گے۔

حضرت ابراہیمؑ یہ سن کر آزردہ خاطر ہوگئے' آپؑ کا جی بھر آیا' دل کو تکلیف ہوئی اور رونے لگے۔

خدا نے آپؑ پر وحی نازل فرمائی کہ اے ابراہیمؑ! میں نے تیری جزع کو تیرے بیٹے اسماعیلؑ پر قربان کیا، اگر تو اسے حسینؑ پر جزع اور گریہ پر قربان کرتا ہے تو تجھے مصیبت زدگان کے بالا ترین درجات عطا کئے جاتے ہیں اور گفتار خداوندی کا یہ مفہوم ہے:

وَفَدَیْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ۔ (سورہ صافات آیہ ۱۰۷)

ہم نے اس کے بدلے ایک بڑی قربانی رکھ دی۔

(عیون الاخبار: ۱/۱۶۶ ب ۱۷، بحار الانوار: ۴۴/۲۲۵)

(۹) حضرت امام رضا علیہ السلام نے فرمایا: جس شخص نے ہماری مصیبت کو یاد کیا اور جو کچھ ہم نے کیا اس پر رویا تو وہ روز قیامت ہمارے ساتھ اور ہمارے درجے میں ہوگا۔

اور جس شخص نے ہماری مصیبت کی دوسروں کو یاد دلائی اور خود رویا اور دوسروں کو رلایا اس کی آنکھ اس دن گریہ کناں نہ ہوگی، جس دن سب آنکھیں گریہ کر رہی ہوں گی۔

اور وہ شخص جو ایسی مجلس میں بیٹھا کہ جس میں ہمارے امر کو زندہ کیا جائے تو اس کا دل (اس دن) مردہ نہیں ہوگا جس دن سب دل مردہ ہو جائیں گے۔

(بحار الانوار: ۴۴/۲۷۸ ح ۱، امالی صدوق ۱۳۱/۷۳م ۲۷ ح ۴ وسائل: ۱۴/۵۰۲ ح ۴۲)

(۱۰) امام صادق ؑ نے فرمایا: ایک دن امام حسین ؑ رسول ؐ خدا کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت ؐ نے آپ ؑ پر نظر فرمائی اور آپ کو زانوئے مبارک پر بٹھا لیا اور فرمایا:

اِنَّ لِقَتْلِ الْحُسَيْنِ عَلَيْهِ السَّلَامُ حِرَارَةً فِي قُلُوْبِ الْمُومِنِيْنَ لَا تَبْرُدُ أَبَدًا .

تحقیق حسین علیہ السلام کے قتل کی وجہ سے مومنوں کے دلوں میں ایک حرارت ہے کہ جو ہرگز سرد نہیں ہوگی۔

پھر فرمایا: تمہاری آنکھ سے نکلنے والے ہر آنسو پر میرا باپ قربان ہو، امام ؑ سے پوچھا گیا ہر آنسو پر قربان ہونے سے کیا مراد ہے؟

فرمایا: کوئی مومن ایسا نہیں کہ جس کے سامنے آپ ؑ کا ذکر کیا جائے اور وہ نہ روئے۔ (مستدرک الوسائل: ۱۰/۳۱۸ ب ۴۹ از مزار ح ۱۳)

(۱۱) حضرت موسیٰ ؑ کی حدیث مناجات میں مذکور ہے کہ حضرت موسیٰ ؑ نے خداوند متعال سے عرض کیا: پروردگار! تو نے امت محمد ؐ کو تمام امتوں پر فضیلت کس لئے دی؟ خدائے متعال نے فرمایا: دس خصائل کی وجہ سے۔

حضرت موسیٰ ؑ نے عرض کیا: وہ خصلتیں کیا ہیں؟ تا کہ میں بنی اسرائیل کو حکم دوں کہ وہ بھی انہیں انجام دیں۔

خدا نے فرمایا۔ نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج، جہاد، جمعہ، جماعت، قرآن، علم و عاشورا۔

حضرت موسیٰؑ نے عرض کیا: پروردگار! یہ عاشورا کیا ہے؟ فرمایا اے موسیٰ فرزند محمد مصطفیٰؐ کی مصیبت پر گریہ، مرثیہ و عزاداری۔ اس زمانے میں کوئی شخص ایسا نہ ہوگا جو فرزند مصطفیٰؐ پر گریہ و ماتم اور غم کرتا ہو اور جنت اس پر واجب نہ ہو۔

اور کوئی شخص ایسا نہ ہوگا کہ فرزند پیغمبرؐ کی محبت میں اپنے مال میں سے کچھ مال طعام پر یا کسی اور کام پر خرچ کرے مگر یہ کہ خدا دنیا میں اس کے ایک درہم کو ستر درہم میں برکت دے دے اور وہ اللہ کے فضل و کرم سے بہشت میں داخل ہو اور اس کے گناہ بخش دیئے جائیں۔

مجھے اپنے عزت و جلال کی قسم کوئی مرد یا کوئی عورت ایسے نہیں کہ جو روز عاشور یا اس کے علاوہ (امام حسینؑ کی عزاداری پر ایک قطرہ برابر آنسو بہائیں، مگر یہ کہ ان کے لئے سو شہیدوں کا ثواب لکھا جائے گا۔ (مستدرک الوسائل: ۳۱۸/۱۰، ح ۱۴، مجمع البحرین: ۴۰۵/۳)

(۱۲) امام صادق علیہ السلام نے فضیل سے فرمایا۔ جب تم ہم سے دور لوگوں سے ملتے ہو تو ہماری احادیث کا ذکر کرتے ہو؟ اس نے عرض کیا: میں آپ پر قربان ہو جاؤں: ہاں۔ فرمایا: میں اس قسم کی مجالس کو دوست رکھتا ہوں۔ پس (اس طرح کی مجالس ہمارے امر کو زندہ کرتی ہیں۔ خدا رحمت کرے اس شخص پر کہ جس نے ہمارے امر کو زندہ کیا۔

اے فضیل! ہر وہ شخص جو ہمارا ذکر کرے یا اس کے نزدیک ہمارا ذکر کیا جائے اور اس کا مکھی کے پر کے برابر آنسو جاری ہو جائے تو خدا اس کے تمام گناہوں کو بخش دے گا اگرچہ وہ سمندر کی جھاگ کے برابر کیوں نہ ہوں۔

(بحار الانوار: ۲۸۲/۴۴، ح ۱۴، وقرب الاسناد ۱۸/، وسائل: ۵۰۱/۱۴، ح ۲)

(۱۳) ریان ابن شبیب کا کہنا ہے: میں یکم محرم کے روز حضرت امام رضاؑ کی خدمت میں پہنچا آپؑ نے مجھ سے فرمایا: فرزند شبیب! کیا تم نے روزہ رکھا ہے؟ میں نے کہا: نہیں!

فرمایا: یہ وہ دن ہے کہ جس دن زکریاؑ نے اپنے پروردگار سے دعا کی تھی اور کہا تھا:

رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَاءِ "

(سورۂ آل عمران، آیہ ۳۸)

خدایا! مجھے اپنی بارگاہ سے پاکیزہ ذریت عطا فرما، تحقیق تو دعا کو سننے الا ہے۔

خداوند متعال نے ان کی دعا قبول فرمائی اور ملائکہ کو حکم ہوا:

(زکریاؑ جب محراب عبادت میں مشغول نماز تھے) انہیں کہہ دو کہ خدا آپ کو یحییٰؑ کی بشارت دیتا ہے۔ (سورہ آل عمران آیہ۳۹)

جو شخص اس دن کو روزہ رکھے اور اللہ سے دعا کرے تو اس کی دعا قبول ہوگی جیسا کہ دعائے زکریاؑ قبول ہوئی۔

پھر فرمایا: اے شبیب کے بیٹے! محرم وہ مہینہ ہے کہ دور جاہلیت کے لوگ بھی اس کی حرمت کا خیال رکھتے تھے۔ اور اس کے احترام کے پیش نظر اس میں جنگ وجدل اور ظلم کو حرام سمجھتے تھے۔ لیکن اس امت نے نہ اس مہینے کی حرمت کو اور نہ ہی پیغمبر اکرمؐ کی حرمت کو پیش نظر رکھا اور اس مہینے میں آپؐ کی ذریت کو قتل کر دیا گیا، آپ کی خواتین کو قیدی بنا لیا گیا اور ان کے اسباب کو لوٹ لیا گیا، (خدا ان ظالموں) کو ہرگز معاف نہیں کرے گا۔

يَابْنَ شَبِيْبٍ، اِنْ كُنْتَ بَاكِياً لِشَيْءٍ فَابْكِ لِلْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ أَبِيْ طَالِبٍ عَلَيْهِ السَّلَامَ فَاِنَّهُ ذُبِحَ كَمَا يُذْبَحُ الْكَبْشُ، وَقُتِلَ مَعَهُ مِنْ أَهْلِ بَيْتِهِ ثَمَانِيَةَ عَشَرَ رَجُلاً مَا لَهُمْ فِيْ الْاَرْضِ شَبِيْهُوْنَ وَلَقَدْ بَكَتِ السَّمٰوَاتُ السَّبْعُ وَالْاَرَضُوْنَ لِقَتْلِهِ وَلَقَدْ نَزَلَ فِيْ الْاَرْضِ مِنَ الْمَلَائِكَةِ أَرْبَعَةَ آلَافٍ لِنَصْرِهِ فَوَجَدَهُ قَدْ قُتِلَ فَهُمْ عِنْدَ قَبْرِهِ شُعْثٌ غُبْرٌ اِلٰى أَنْ يَقُوْمَ الْقَائِمُ عَلَيْهِ السَّلَامَ فَيَكُوْنُوْنَ مِنْ أَنْصَارِهِ، وَشِعَارُهُمْ يَا لَثَارَاتِ الْحُسَيْنِؑ۔

''اے فرزند شبیب ! اگر تو کسی کے لئے گریہ کرنا چاہتا ہے تو حسینؑ بن علیؑ کے لئے گریہ کر' کیونکہ آپؑ کو گوسفند کی طرح ذبح کردیا گیا اور آپؑ کے خاندان کے اٹھارہ افراد بھی قتل کئے گئے کہ جن کی مثال روئے زمین پر نہیں ملتی تھی ۔ آپ کے قتل پر سات آسمانوں اور زمین نے گریہ کیا۔اور چار ہزار فرشتے آپ کی شہادت کے وقت زمین پر اترے ۔ جو ظہور حضرت قائم عجل اللہ فرجہ الشریف تک آپ کی قبر کے نزدیک آشفتہ مو اور سر میں خاک ڈالے رہیں گے ۔ پس وہ آپؑ (امام زمانہؑ) کے مددگار بنیں گے اور انکا شعار یا ''لثارات الحسین'' ہے، یعنی اے خون حسینؑ کا انتقام لینے والو! اٹھ کھڑے ہوں۔

اے فرزند شبیب ! میرے باپؑ نے اپنے باپؑ یعنی میرے جد امجد سے روایت کی ہے کہ جب میرے جد حسین علیہ السلام کو قتل کردیا گیا تو آسمانوں سے خون برسا اور سرخ آندھی چلی ۔

اے فرزند شبیب !

''اِنْ بَکَیْتَ عَلَی الْحُسَیْنِؑ حَتّٰی تَصِیْرَ دُمُوعُکَ عَلٰی خَدَّیْکَ غَفَرَ اللّٰہُ لَکَ کُلَّ ذَنْبٍ أَذْنَبْتَہُ صَغِیْرًا کَانَ أَوْ کَبِیْرًا قَلِیلاً کَانَ أَوْ کَثِیْرًا''

اگر تم حسین علیہ السلام پر گریہ کرو، یہاں تک کہ آنسو تمہارے رخساروں پر رواں ہو جائیں تو خداوند کریم ہر وہ گناہ جو تم نے کیا ہے، خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا' تھوڑا ہو یا زیادہ، معاف فرمادے گا۔

اے فرزند شبیب ! اگر تم بہشت کے غرفوں (کمروں) میں پیغمبر خداؐ اور آپؐ کے خاندان کے ساتھ بیٹھنے کو محبوب رکھتے ہو تو قاتلان حسینؑ پر لعنت کیا کرو۔

اے فرزند شبیب ! اگر تم چاہتے ہو کہ تمہیں حضرت حسینؑ کے ساتھ شہید ہونے والے اشخاص کا سا ثواب ملے تو آپؑ کو یاد کر کے کہو:

یَا لَیتَنِی کُنتُ مَعَھُم فَأَفُوزَ فَوزًا عَظِیمًا.

کاش! میں ان کے ساتھ ہوتا اور فوزِ عظیم پر فائز ہوتا۔

اے فرزند شبیب ! اگر تم بہشت کے بلند درجات میں خود کو ہمارے ساتھ محبوب رکھتے ہو تو ہمارے غم و اندوہ پر اندوہناک اور ہماری خوشی پر خوش رہو' یوں ہماری دوستی اور ولایت تمہارے لئے ہوگی کیونکہ اگر کوئی شخص کسی پتھر سے محبت کرے تو خدا قیامت کے دن اسے اس پتھر کے ساتھ محشور فرمائے گا۔

(امالی صدوق /۱۲۹ م ۲۷ ح ۵' عیون الاخبار :۱/ ۲۳۳ ب ۲۸ ح ۵۸ بحارالانوار :۴۴/ ۲۸۵ ح ۲۳' وسائل :۱۴/ ۵۰۲ ح ۵)

(۱۴) ابو ہارون مکفوف سے روایت ہے کہ حضرت صادق علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا: اے ابو ہارون ! مجھے مرثیہ حسینؑ میں شعر سناؤ۔ میں نے (مرثیہ) پڑھنا شروع کیا تو فرمایا: اس طرح سناؤ جس طرح اپنی خواہش سے پڑھتے ہو، یعنی پرسوز انداز میں۔ پس میں نے سوز کے ساتھ پڑھنا شروع کیا۔

أُمْرُرْ عَلٰی جَدَثِ الْحُسَیْنِ
فَقُلْ لِأَعْظُمِهِ الزَّکِیَّة

یعنی مزارِ حسینؑ پر پہنچ اور پاک و نورانی قطعات کہہ۔ حضرتؑ یہ سن کر رونے لگے اور فرمایا ! پڑھو میں نے ایک اور قصیدہ پڑھا پس حضرت رو رہے تھے اور میں نے پس پردہ خواتین کو بھی نالہ و زاری کرتے ہوئے پایا۔

جب میں فارغ ہوا تو فرمایا: اے ابو ہارون ! شخص جو مرثیہ حسینؑ میں ایک شعر پڑھے ،خود روئے اور دس افراد کو رلائے جنت ان (سب) کے لئے لکھی جا چکی ہے۔

اور جو شخص مرثیہ حسینؑ میں ایک شعر پڑھے ، خود روئے اور پانچ افراد کو

رلائے تو بہشت ان (سب) کا مقدر ہوگی۔ اور جو شخص رثائے حسینؑ میں ایک شعر پڑھے، خود روئے اور کسی ایک شخص کو رلائے تو ان دونوں کے لئے بھی بہشت نوشتۂ تقدیر ہے۔

اور جس شخص کے نزدیک ذکر حسینؑ کیا جائے اور اس کی آنکھ سے مکھی کے پر کے برابر آنسو بہے تو اس کا اجر خدائے عزوجل پر ہے اور وہ اس کے لئے جنت کے سوا راضی نہیں ہوگا۔

(کامل الزیارت ۱۰۴/باب ۳۳ ح ۱، بحارالانوار: ۲۸۸/۴۴ ح ۲۸، ثواب الاعمال ۸۳/)

(۱۵) ابو عمارہ منشد کا کہنا ہے کہ امام جعفر صادقؑ نے مجھ سے فرمایا: اے ابو عمارہ مجھے مرثیۂ حسینؑ پر مبنی اشعار سناؤ۔ میں نے (اشعار) پڑھے تو حضرتؑ رونے لگے۔ حتیٰ کہ اندرون خانہ سے بھی رونے کی آوازیں آنے لگیں۔

پس امام علیہ السلام نے فرمایا: اے ابو عمارہ! جو شخص حسینؑ ابن علیؑ کی رثا میں ایک شعر پڑھے اور پچاس اشخاص کو رلائے تو بہشت اس کا صلہ ہے۔

اور جو شخص رثائے حسینؑ میں ایک شعر پڑھے اور چالیس افراد کو رلائے اس کا اجر (بھی) بہشت ہے۔

اور جو شخص رثائے حسینؑ میں ایک شعر پڑھے اور تیس افراد کو رلائے تو اس کے لئے (بھی) بہشت ہے۔

اور جو شخص رثائے حسینؑ میں ایک شعر پڑھے اور بیس افراد کو رلائے اس کے لئے بھی بہشت ہے۔

اور جو شخص رثائے حسینؑ میں ایک شعر پڑھے اور کسی ایک شخص کو رلائے اس کا اجر (بھی) بہشت ہے۔

اور جو شخص رثائے حسینؑ میں ایک شعر پڑھے۔ اور خود روئے اس کے لئے بھی جنت ہے۔

اور جو شخص رثائے حسینؑ میں ایک شعر پڑھے اور رونے والی صورت بنالے

اس کے لئے بہشت ہے۔

(کامل الزیارات/۱۰۵ ح ۲' امالی صدوق/۱۴۱م ۲۹ ح ۶ بحارالانوار: ۴۴/۲۸۲ ح ۱۵' وسائل: ۵۹۵/۱۴ ب ۱۰۴ ح ۴'
ثواب الاعمال/۸۴)

(۱۶) اَبان بن تغلب سے منقول ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

نَفَسُ المَہمُومِ لِظُلْمِنا تَسْبِیحٌ ' وَھَمُّہُ لَنا عِبادَۃٌ، وَکِتمانُ سِرِّ ناجَہادُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ.

جو شخص ہم پر ہونے والے ظلم وستم کی وجہ سے محزوں ہو اس کا سانس لینا تسبیح خداوندی ہے' اور اس کا ہمارے لئے گریہ کرنا عبادت ہے۔ اور ہمارے اسرار کو مخفی رکھنا راہ خدا میں جہاد ہے۔

پھر امام صادقؑ نے فرمایا: اس حدیث شریف کو آب زر سے لکھنا چاہیے۔

(بحارالانوار: ۴۴/۲۷۸ ح ۴)

(۱۷) زید شحام نے کہا: میں اہل کوفہ کی جماعت کے ساتھ امام صادقؑ کی خدمت میں حاضر تھا کہ جعفر بن عفان وہاں آیا۔ آنحضرتؑ نے اسے اپنے پاس بلا کر فرمایا: اے جعفر! اس نے عرض کیا: لبیک! خدا مجھے آپ کا فدیہ جانے۔ فرمایا: میں نے سنا ہے کہ تم مرثیہ حسین علیہ السلام میں اچھے شعر کہتے ہو۔

عرض کرنے لگا: ہاں! خدا مجھے آپ کا فدیہ جانے۔ امامؑ نے فرمایا ایک شعر پڑھو۔ پس اس نے آنحضرتؑ کے لئے شعر پڑھا اور آپؑ اور ان لوگوں نے جو آپؑ کے اردگرد موجود تھے، گریہ کیا اور آپؑ کے چہرے اور محاسن مبارک پر آنسو جاری ہو گئے۔

آپ نے فرمایا: اے جعفر! خدا کی قسم! اللہ کے مقرب فرشتے حاضر تھے اور انہوں نے امام حسینؑ کے متعلق تمہارا کلام سنا اور ہماری طرح بلکہ ہم سے بھی زیادہ گریہ کیا۔

اور تحقیق خداوند قدوس نے اس ساعت بہشت اپنی تمام تر نعمات کے
ساتھ تجھ پر واجب کردی ہے اور تجھ کو بخش دیا ہے۔
اے جعفر! مزید کہو؟ جعفر نے عرض کیا: ہاں اے میرے سید و سردار! فرمایا:
کوئی شخص ایسا نہیں جو حسین علیہ السلام کے بارے میں شعر پڑھے، خود
روئے اور دوسروں کو رلائے مگر یہ کہ خدا بہشت اس پر واجب کردیتا ہے اور
اس کو بخش دیتا ہے۔ (بحارالانوار: ۴۴/۲۸۲ ح ۱۶ وسائل: ۱۴/۵۹۳ ب ۱۰۴ ح ۱)

(۱۸) روایت میں ہے کہ جب پیغمبر اکرمؐ نے حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت اور ان پر وارد ہونے والے مصائب کی حضرت فاطمہؑ کو خبر دی تو حضرت فاطمہؑ نے شدید گریہ فرمایا: اور عرض کیا: بابا جان! یہ واقعہ کس زمانے میں ہوگا؟۔

فرمایا: اس وقت کہ جب میں، تم اور علیؑ نہیں ہوں گے۔ حضرت فاطمہؑ اور
زیادہ رونے لگیں اور عرض کیا: پھر اس کے لئے گریہ اور عزاداری کون
کرے گا؟

پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: اے فاطمہؑ! میری امت کی عورتیں میرے اہل بیتؑ کی
عورتوں پر اور ان کے مرد میرے اہل بیت کے مردوں پر گریہ کریں گے،
اور نسل در نسل ہر سال عزاداری برپا کریں گے۔ اور جب روز قیامت
آپہنچے گا تو تم ان عورتوں کی شفاعت کروگی اور میں مردوں کی شفاعت
کروں گا۔ اور جس کسی نے مصیبت حسینؑ پر گریہ کیا ہوگا اس کا ہاتھ پکڑ کر
اسے بہشت میں داخل کردیں گے۔

اے فاطمہؑ! روز قیامت ہر آنکھ رو رہی ہوگی مگر وہ آنکھ کہ جس نے مصائب حسین علیہ السلام پر گریہ کیا ہوگا، وہ نعمات بہشت سے خوش و خرم ہوگی۔ (بحارالانوار: ۴۴/۲۹۲ ح ۳۷)

(۱۹) حدیث اربعماۃ میں امیر المومنین علیہ السلام کا فرمان ہے: روز قیامت ہر آنکھ گریاں بے خواب اور خوفزدہ ہوگی، مگر وہ آنکھ کہ جسے خدا نے کرامت و بزرگی عطا

فرمائی ہوگی اور حضرت حسینؑ اور خاندان پیغمبرؐ پر گریاں رہی ہوگی۔

اور فرمایا: تحقیق خداوند متعال نے زمین کی طرف توجہ فرمائی اور ہمیں اختیار کیا اور ہمارے لئے ہمارے شیعوں کا انتخاب کیا۔ ہمارے شیعہ ہمارے مدد گار ہیں ہماری خوشی میں خوش ہوتے ہیں اور ہمارے غم میں غم زدہ۔ ہمارے راستے میں اپنے مال و جان کو قربان کرتے ہیں وہ ہم سے ہیں اور ہماری طرف لوٹ کر آئیں گے (یعنی ہم سے آملیں گے اور ہمارے ساتھ رہیں گے) (خصال ۲/۶۲۵ و ۶۳۵)

(۲۰) ابو بصیر روایت کرتے ہیں کہ میں حضرت صادقؑ خدمت میں حاضر ہوا اور آپؑ کی صحبت میں بیٹھا............

آنحضرت نے فرمایا: اے ابوبصیر! میں جب بھی فرزندان حسینؑ پر نگاہ دوڑاتا ہوں تو گریہ مجھے اس طرح گلوگیر ہو جاتا ہے کہ میں ان مصائب کی وجہ سے کہ جو ان پر اور ان کی آباؤ اجداد پر وارد ہوئے تھے، قابو نہیں رکھ پاتا۔

اے ابوبصیر! تحقیق، فاطمہ زہرا علیہا السلام حسینؑ پر گریہ کرتی ہیں تو آتش جہنم اس طرح بھڑک اٹھتی ہے کہ ماموران جہنم جب گریہء فاطمہ کو سن رہے ہوتے ہیں، اگر تیار نہ ہوں تو ڈر ہوتا ہے کہ جہنم کی آگ کے شعلے یا دھواں خارج ہوں اور اہل زمین کو جلا کر بھسم کر دیں۔ پس جب فاطمہؑ گریہ کر رہی ہوں تو ماموران جہنم پر نگاہ رکھتے ہیں اور اہل زمین کے جل جانے کے ڈر سے جہنم کی حفاظت کرتے ہیں۔ اور جب تک فاطمہؑ گریہ روک نہ دیں جہنم آرام نہیں کرتا۔

اور (گریہ فاطمہ علیہا السلام سے) نزدیک ہے کہ دریاؤں میں شگاف پڑ جائیں اور وہ ایک دوسرے سے مل جائیں۔

اور ملائکہ ہمیشہ دل گرفتہ رہتے ہیں اور وہ فاطمہ کا گریہ سن کر گریاں ہو جاتے

ہیں جبکہ وہ خدا سے دعا مانگتے ہیں اور تضرع وزاری کرتے ہیں۔

اوراہل زمین (کی نابودی) کے خوف سے ساکنان عرش اور ان کے اطراف میں رہنے والے تضرع کے ساتھ دامن عرش خدا کو پکڑ لیتے ہیں اور تقدیس خداوندی میں صدائے ملائکہ بلند ہوتی ہے اور اگر ان کی صدا اہل زمین تک پہنچ جائے تو وہ بے ہوش ہو جائیں اور پہاڑ اپنی جگہ سے اکھڑ جائیں ۔ اور زمین اور اس کے رہنے والے جنبش (زمین) سے مضطرب ہوجائیں ۔پھر فرمایا: اے ابوبصیر!

أَمَا تُحِبُّ أَنْ تَكُونَ فِيمَنْ يُسْعِدُ فَاطِمَةَ ؟

کیا تم ان اشخاص میں سے ہو جانے کی خواہش نہیں رکھتے کہ جو فاطمہؑ کو کمک پہنچاتے ہیں۔

جب آپ نے یہ فرمایا تو میں اس قدر رونے لگا کہ مجھے صحت کلام پر قدرت نہ رہی۔

(کامل الزیارات ۸۲/ب ۲۶ ح ۷،بحار الانوار ۴۵/۲۰۸ ح ۱۴)

(۲۱) حضرت سید الشہداءؑ کی شہادت کے بعد ابلیس لعین نے خوشی وشادمانی سے پرواز کی اور تمام زمین پر پھرا اور اپنے دوستوں کو جمع کرکے کہا: اے گروہ شیاطین !آج ہم نے اپنی آرزو کو پالیا اور لوگوں کو جہنمی بنا دیا ،سوائے اس شخص کہ جو اس مصیبت پر گریہ کرے اور آل محمد علیہم السلام کی دوستی پر قائم رہے۔

پس جہاں تک ہو سکے لوگوں کو شک میں ڈال دو اور اس مصیبت (کے ادراک) سے باز رکھو تا کہ میری محنت ضائع نہ ہوجائے ۔(تذکرۃ الشہداء ۳۴۷)

(۲۲) بعض روایات میں ہے کہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا ہر روز صیحہ کرتی ہیں اور اپنے فرزند ارجمند پر گریہ فرماتی ہیں۔

فَلَا يَبْقَى فِي السَّمٰوَاتِ مَلَكٌ اِلَّا بَكَى رَحْمَةً لِصَوتِهَا، وَمَا تَسْكُنُ حَتّٰى يَأْتِيَهَا النَّبِيُّ فَيَقُولُ: يَا بُنَيَّةُ، قَدْ أَبْكَيْتِ أَهْلَ

السَّمٰوٰاتِ وَسَغَلَتِهِمْ عَنِ التَّقْدِيْسِ وَالتَّسْبِيْحِ فَكُفِّيْ حَتّٰى يُقَدِّسُوا

''آسمانوں میں کوئی فرشتہ نہیں رہتا، مگر یہ کہ وہ صدائے فاطمہؑ کی دلسوزی کے سبب گریہ کرتے ہیں۔ اور وہ مخدرہ اس وقت تک خاموش نہیں ہوتیں جب تک پیغمبر اکرمؐ ان کے نزدیک آ کر یہ نہیں فرماتے: میری بیٹی! تو نے اہل آسمان کو گریاں کر دیا اور انہیں تسبیح خداوندی سے روک دیا۔

چپ ہو جاؤ تا کہ وہ تقدیس خداوندی بیان کریں۔ (تذکرۃ الشہداء ۴۵۱)

سید الشہداءؑ حضرت ابا عبداللہ الحسین علیہ السلام پر گریہ و زاری کے موضوع پر احادیث و اخبار بہت زیادہ ہیں۔ اس حد تک کہ اگر ہم انہیں متواتر لفظی نہ کہیں تو بلا تردید متواتر معنوی ضرور ہیں۔

رسول خداؐ اور آئمہ اطہار علیہم السلام نے اپنے شیعوں کو امام حسین علیہ السلام پر رونے اور رلانے کی ہمیشہ ترغیب دی ہے کہ جن میں سے کچھ احادیث کو آپ نے بطور نمونہ ملاحظہ فرمایا۔

نہایت افسوس ہے کہ بعض جہلا ان احادیث سے انکار کرتے ہیں یا بغیر تامل اور بے دلیل ان کی تاویل کرتے ہیں۔ وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اگر یہ احادیث صحیح ہیں تو گناہوں کے ارتکاب میں احکام و ترخیص کا باعث بنیں گی۔

واضح رہے کہ یہ فضول باتیں مذکورہ احادیث میں عدم تدبر کے باعث کی جاتی ہیں۔ ان لوگوں کا مقصد وھابیت کی ترویج اور پیروی ہے تعجب ہے کہ یہ لوگ کس طرح یہ الفاظ اپنے قلم کی نوک سے جاری کرتے ہیں، باوجودیکہ آنحضرتؑ پر گریہ ہمیشہ سے گمراہوں کے ایک گروہ کی توبہ و بیداری کا باعث اور اس سے ان کی راہ راست کی طرف ہدایت کا سبب رہا۔ اور کس قدر زیادہ حکایات منقول ہیں یا خود ان کے واقعات میں مذکور

ہیں کہ ایسے افراد جو کسی بھی گناہ سے اجتناب نہیں کرتے تھے وہ آنحضرت پرگریہ کے اثر سے بیدار ہوئے اور اپنی اصلاح کی فکر میں لگ گئے اور صالحین میں شمار ہونے لگے۔علاوہ ازیں کسی نے کہا ہے کہ گناہ کرتا,کہ اس کو دھونے کے لئے گریہ کرسکو؟ جس طرح کہتے ہیں : اگرکسی کو سردی لگ جائے تو فلاں گولی دو کہ وہ اس کا علاج ہے۔کیا اس کے معنی یہ ہیں کہ جاؤ سردی لگواؤ ؟

علماء امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرتے ہیں اور لوگوں کو گناہوں سے بچاتے ہیں، اور چونکہ گناہان کبیرہ میں سے ایک گناہ رحمت خدا سے یاس و ناامیدی ہے۔اس طریقے سے گناہ گار کو بخشش کا امید وار بنایا جاتا ہے اور (علماء اس کی ناامیدی کا) مداوا کرتے ہیں۔

مجالس عزاداری کو لوگوں کی اہل بیت علیہم السلام سے دشمنی کے سبب بند کرنا اس طرح ہے جس طرح جسمانی امراض کے علاج کے لئے بنائے گئے ہسپتالوں کو بند کرنا۔

پس صحیح راستہ یہی ہے کہ لوگوں کو امر بالمعروف کے ذریعے گناہ سے اور نگہداشت کی ترویج سے (مذکورہ) بیماری سے بچایا جائے اور بعینہ جس طرح ہسپتالوں کا وجود ضروریات میں سے ہے مجالس عزاداری بھی (گناہوں کے) علاج کے لئے لازمی ہیں۔جیسا کہ حدیث میں ہے:

أَلاَ اِنَّ الْفَقِيْهَ كُلَّ الفَقِيهِ هُوَ الَّذِى لَمْ يُقَنِّطِ النَّاسَ مِنْ رَحْمَةِ اللّٰهِ تَعَالىٰ وَلاَ يُوْ مِّنْهُمْ مِنْ عَذٰابِهِ .

امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں : آگاہ ہوجاؤ کہ فقیہ کامل وہ ہے جو لوگوں کو رحمت خداوندی سے ناامید نہ کرے اور اس کے عذاب سے مامون بھی قرار نہ دے۔ (بحار الانوار:۷۸/۴۷)

اس سے ملتی جلتی حدیث نہج البلاغہ میں بھی ہے۔(شرح ابن ابی الحدید:۱۸/۲۴۳ ب ۸۷)

اور شرع مقدسہ میں جہاں بہت سی آیات اور روایات توبہ و استغفار کے بارے میں وارد ہوئی ہیں، کیا کوئی انہیں جواز معصیت سمجھتا ہے؟

بلکہ جب کہا جاتا ہے کہ گناہ نہ کرو تو پھر بھی اگر کوئی گناہ کرے تو کیا اس کو مایوس کردینا چاہیے یا یہ کہنا چاہیے کہ توبہ کرو؟

انسان کی توبہ کے لئے کامیاب عوامل میں سے ایک عامل سید الشہداءؑ پر گریہ کرنا ہوگا کیونکہ پروردگار کی وسیع رحمت کوانسان کے شامل حال سمجھنا چاہیے۔

دوسرے (نقطہ نظر کے حامل لوگ) کہتے ہیں جو احادیث میں غورنہیں کرتے اپنے افکار و خیالات کے مطابق احادیث کی توجیہ بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں: اس حدیث کا مطلب یہ نہیں ہے کہ رونا فی نفسہ مطلوب ہے اور یہ آثار وثواب اس پر مترتب ہوتے ہیں بلکہ چونکہ ذکر امامؑ مرثیہ وشعر خوانی اور حضرتؑ پرگریہ و زاری انکار منکر ہے (برائی سے انکار) اور دشمنان دین اور ظالم بادشاہوں سے جنگ ہر دور میں لازمی ہے۔خصوصاً بنی امیہ کی ستم گری کا خاتمہ،بیان ظلم اوران کے برے اعمال کا افشا وغیرہ، مختصراً جب ان کا شعار انقلاب وجہاد ہوں گے تو یہ ثواب ان پر مترتب ہوگا۔لیکن یہ لوگ اس افادیت اخبار سے غافل ہیں کہ امام حسینؑ پرگریہ اہم عباوات میں سے ہے۔ بلکہ حق تعالیٰ تک پہنچنے کے لئے نزدیک ترین راستہ ہے۔

اور جو انہوں نے خیال کیا ہے وہ بھی ٹھیک ہے لیکن یہ نہیں کہ گریہ کا حتمی مطلوب یہی ہے اور بس۔ بلکہ مطلوب گریہ دل کا عمل ہے کہ جس جگہ محبت ہوتی ہے۔آنکھ اس کی مددگار بنتی ہے اور جس قدر گریہ زیادہ ہوگا محبت بھی زیادہ ہوگی،اور کیا دین محبت کے علاوہ بھی کچھ ہے؟

کوئی شخص دشمنان دین سے جہاد، حتی کہ رسول اللہؐ کی ہمراہی میں بھی اگر محبت واخلاص سے عاری ہوگا تو اس کا کچھ فائدہ نہیں۔ جیسا کہ فرمان ہے:

اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ (بحار الانوار ۲۷/۱۰۵)

حبیب ابن مظاہرؓ سے کہ جنہوں نے خود راہ حسین میں جاں فشانی کی، خواب میں سوال کیا گیا: آیا آپ کوئی آرزو رکھتے ہو؟ فرمایا: ایک آرزو ہے کہ دوبارہ دنیا میں جاؤں اور جملہ عزاداران حسینؑ میں داخل ہوجاؤں۔

(زندگانی حبیب بن مظاہر تالیف مرحوم نمازی ۵۶/)

حبیب ابن مظاہر اس لحاظ سے آنحضرتؑ پر گریہ کی آرزو رکھتے ہیں کہ روز عاشور کو میدان جنگ میں آنحضرتؑ کی مظلومیت پر گریہ وشیون کا موقع نہ تھا، اور (مومن کے لیے) مظلوم پر گریہ دوا اور اس کے دل کے لئے شفا ہے جبکہ آپؑ کے دشمنوں کے دلوں کے لئے ایک تیر ہے۔

گریہ اہل بیتؑ سے دوستی میں شدت اور ان کے دشمنوں سے بغض ونفرت کا موجب ہے اور یہ بات معقول نہیں۔ ہے کہ کوئی شخص کسی کے لئے گریہ کرے اور اس کو دوست نہ رکھتا ہو، اور اس کے دشمنوں سے بیزار نہ ہو۔ اور جتنی محبت زیادہ ہوگی اطاعت بھی اتنی ہی زیادہ ہوگی۔ چنانچہ صادق آل محمد علیہ السلام کے فرمان کے مطابق:

اِنَّ الْمُحبَّ لِمَنْ أَحَبَّ مُطِيْعٌ.

جو جس سے محبت کرتا ہے اس کا مطیع ہوتا ہے۔ (بحار الانوار: ۷۸/۱۲۴)

جو شخص امام حسین علیہ السلام پر گریہ کرتا ہے وہ آنحضرت سے مربوط ہوجائے گا۔ آنحضرتؑ کا رنگ اختیار کرلے گا اور وہ رنگ الٰہی رنگ ہے:

وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً. (سورہ بقرہ آیہ ۱۳۸)

رنگ کے حوالے سے خدا سے بہتر کون ہے۔؟

اور آپؑ سے سنخیت پیدا ہو جائے گی یعنی آنحضرتؑ کی عادت و صفات اس میں پیدا ہوں گی ۔ اور وہ آپ کے نزدیک ہو جائے گا ۔ آیا کوئی اور عبادت ہے جس کے اس قدر (مفید) اثرات ہوں؟ ۔

ہاں کمال و ترقی بشر اور بندگی پروردگار کے بہترین راستوں میں سے ایک راستہ گریہ کا راستہ ہے، اور سید الشہداء علیہ السلام پر گریہ کرنے سے انسان خاتم الانبیاء حضرت محمدؐ اور ان کی آلؑ کا ہم نشین و ہم درجہ ہو جاتا ہے کہ جن کو بارگاہ ایزدی میں بالاترین مرتبہ و مقام حاصل ہے ۔

گریہ پیغمبرؐ اور آل پیغمبرؐ کے حق کی ادائیگی ہے اور آنحضرتؑ کی نصرت کا ذریعہ ہے ۔ گریہ کرنے والا انبیائے عظام' ملائکہ مقربین اور نیک لوگوں کی تاسی کرتا ہے ۔ کیونکہ آدمؑ سے لے کر خاتم تک تمام انبیائے کرام آنحضرتؑ پر گریہ کناں رہے ہیں ۔

حسینؑ علیہ السلام کی مجالس گریہ میں ملائکہ مقربین حاضر ہوتے ہیں ۔ بلکہ جہاں بھی آپ کی مجلس عزا منعقد ہوتی ہے وہ درحقیقت آپؑ کا حرم ہے ۔

روز قیامت تمام انسان رو رہے ہوں گے سوائے حسین پر گریہ کرنے والے چند گروہوں کے' جو پیغمبر اکرمؐ اور آپؐ کی آلؑ کے شفاعت یافتہ ہوں گے ۔

اور حضرت (حسینؑ) یہ خصوصیت رکھتے ہیں کہ تقرب خداوندی کے لئے آپؑ کا دروازہ وسیع ہے آپ کی کشتی خطرناک موجوں میں ساحل نجات کے نزدیک تر ہے، اس کشتی کا لنگر مضبوط ہے اور آپؑ امت کی نجات کا دروازہ ہیں ۔

سید الشہداء علیہ السلام پر رونا شریعت کی حفاظت کا موجب اور مکتب اہل بیت کے احیاء کا ذریعہ ہے ایک بزرگ نے کیا خوب فرمایا ہے :

اَلاِسْلَامُ مُحَمَّدِیُّ الْحُدُوْثِ وَحُسَیْنِی الْبَقَاءِ .

چنانچہ عزاداری سے لوگ شریعت کے قریب ہوتے ہیں اور احکام الٰہی کو سیکھتے ہیں ۔ عاشورہ نہ ہوتا تو لوگ دین سے بیگانہ ہوجاتے ، لہٰذا حیات دین کی تجدید عاشورہ سے ہے۔

مجالس حسینی میں مکارم اخلاق' صفات حمیدہ مثلاً حیا' غیرت' شہامت' عفت ' عطوفت' شجاعت' ایثار' صبر واستقامت اور ظالم کے سامنے نہ جھکنے کا احیاء ہوتا ہے۔ مبلغین ان مجالس میں لوگوں کو نصیحتیں کرتے ہیں اور احکام الٰہی کی یاد دلاتے ہیں ۔ بلکہ یہ مجالس آ گاہی کا ذریعہ سیاسی شعور کا مرکز اور دنیا کی تحاریک اور انقلاب کی ضمانت ہیں جو کہ ظہور حضرت مہدی عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کا پیش خیمہ ثابت ہوں گی ۔

مرحوم حاج محمد محمدی یزدی، جو کربلا کے رہنے والے ایک نیک شخص تھے، ہمارے لیے نقل کرتے ہیں : جس وقت ہمیں عراق سے نکال دیا گیا، میں بہت رنجیدہ تھا کہ امام حسینؑ کے حرم کو کس طرح چھوڑوں؟ لیکن عراقی حکام کے دباؤ اور اپنی ماں کے اصرار پر حرم مطہر سے وداع کرنے گیا۔ امامؑ سے گہری وابستگی کے سبب شدید گریہ کرتے ہوئے بادل نخواستہ حرم سے نکلا پھر واپس گیا اور کئی بار ایسا کیا۔

اچانک سید الشہداءؑ کو حالت بیداری میں دیکھا کہ وہ فرما رہے تھے :ایران چلے جاؤ۔

''جہاں کہیں بھی میری مجلس عزا منعقد ہوتی ہے وہ میرا حرم ہے''

مرحوم قم تشریف لے آئے اور قم ہی میں وفات پائی۔

اور مرحوم شوستری نے بھی فرمایا تھا: مجالس عزاداری سے حرم امام حسینؑ بن جاتا ہے)

(اشک رواں /۸۵و ۲۵۶)

امام عالی مقامؑ پرگریہ کے فوائد

آنحضرتؑ پرگریہ کی فضیلت میں کثیر روایات کے مطالعہ اور کتاب مستطاب "الخصائص الحسینیہ" مصنفہ مرحوم شوستری سے استفادہ کرکے ہم گریہ کے کچھ فوائد بیان کرتے ہیں۔

(۱) گریہ گناہوں کا کفارہ ہے' کہ آپ پرگریہ کرنے والے کے گناہ باقی نہیں رہتے۔اس مضمون پرمبنی متواتر روایات ملتی ہیں۔

(۲) گریہ درجات کی بلندی کا باعث بنتا ہے' اورکوئی رتبہ خاتم الانبیاء اور آپ کے اوصیاء سے بلندتر نہیں ہے اور (شہادت حسینؑ پر) گریہ کرنے والا ان کے ساتھ اوران کے درجے میں ہوگا۔

(۳) اسکا صلہ رسول معظمؐ دیں گے۔

(۴) (گریہ کرنا) حضرت فاطمہ زہراؑ کی ہمراہی ہے کیونکہ آپؑ ہرروز گریہ فرماتی ہیں۔امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: کیاتم دوست نہیں رکھتے کہ ان لوگوں میں سے ہو جاؤ کہ جوحضرت فاطمہ زہراؑ علیہا السلام کے معین و مددگار ہیں۔

(۵) اورحضرت بقیۃ اللہ علیہ السلام کی بھی ہمراہی ہے کہ آنحضرتؑ فرماتے ہیں:

فَلأَ نْدُ بَنَّکَ صَبا حاًوَ مَسَاءً .

میں ہرصبح وشام آپؑ (امام حسینؑ) کے لئے نالہ وزاری کرتا ہوں۔

(۶) پیغمبر اکرمؐ اور آئمہء ھدیٰ علیہم السلام کے حق کی ادائیگی ہے۔

(۷) امام حسینؑ کی نصرت اور یاوری ہے۔

(۸) انبیاء، ملائکہ اور اللہ کے صالح بندوں کی تاسی ہے، کیونکہ وہ تمام امام حسینؑ کے لئے گریہ کرتے ہیں۔

(۹) بزرگوں نے انبیاء و ملائکہ کے سید الشہداء پر گریہ کرنے پر مستقل باب لکھا ہے۔ حسین علیہ السلام پر گریہ نہ کرنا رسول خداؐ پر جفا کے مترادف ہے۔

(۱۰) اجر رسالت کی ادائیگی ہے کیونکہ یہ مودت ذی القربیٰ ہے۔

(۱۱) کیونکہ حدیث میں وارد ہوا ہے:

أَلاَ وَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَى الْبَاكِيْنَ عَلَى الْحُسَيْنِ رَحْمَةً وَشَفَقَةً.

خبردار! اللہ حسینؑ پر رونے والوں پر سلام، رحمت اور شفقت بھیجتا ہے۔

(بحارالانوار: ۴۴/ ۳۰۴)

(۱۲) امام حسین علیہ السلام پر گریہ کرنا حضرت اسماعیلؑ کی قربانی کا فدیہ ہے کہ جب حضرت ابراہیمؑ نے اپنے بیٹے (اسماعیلؑ) کے عوض گوسفند کو ذبح کرتے ہوئے آرزو کی تھی کہ کاش میں اپنے بیٹے کو ذبح کرتا، تاکہ بالاترین درجات پر فائز ہوتا، تو اللہ تعالیٰ نے سانحہ کربلا کے بارے میں ان پر وحی فرمائی اور وہ امام حسینؑ پر گریہ کناں ہوئے پس وحی ہوئی کہ اس جزع کو ہم اسماعیلؑ کی قربانی کے عوض میں قبول کرتے ہیں۔

(۱۳) قیامت کے خوف اور عذاب سے نجات کا سبب ہے۔

(۱۴) کل قیامت کو ہر آنکھ گریاں ہوگی، سوائے اس آنکھ کے جو امام حسین پر گریہ کرتی رہی

(۱۵) گریہ کرنے والا موت کے وقت اس قدر خوش ہوگا کہ قیامت تک یہ سرور اس کے دل میں باقی رہے گا۔

(۱۶) جب قبر سے برآمد ہوگا تو سرور و مسرت اس کے چہرے سے عیاں ہوں گے۔ ملائکہ اس کے استقبال کے لئے آئیں گے اور اسے ثواب الٰہی کی بشارت دیں گے۔

(۱۷) (گریہ کرنے والا) پیغمبر اکرمؐ اور آپ کے اہل بیتؑ کی شفاعت کا مستحق ہوگا۔

(۱۸) پیغمبر اکرمؐ حسینؑ پر گریہ کرنے والے کا ہاتھ پکڑیں گے (اور اسے پل صراط عبور

کرائیں گے)

(۱۹) آنحضرتؑ پر گریہ جہنم کی گرمی کو ختم کرتا ہے۔

(۲۰) آنحضرتؑ پر ایک قطرۂ اشک بہانے کا ثواب یہ ہے کہ وہ (قطرۂ اشک بہانے والا) بہشت جاویداں میں ہوگا۔اور بہشت کے درجات اس پر مسلسل وا ہوتے جائیں گے۔

(۲۱) جو آنکھ امام حسین علیہ السلام پر گریہ کرتی ہے وہ اللہ کے نزدیک محبوب ہے۔

(۲۲) مقرب ملائکہ اس آنسو کو چنتے ہیں اور بہشت کے خازن کے سپرد کر دیتے ہیں کہ اسے بہشت کے پانی میں ملا دے، تا کہ اس پانی کی خوشگواری و خوشبو ہزار گنا ہو جائے۔

(۲۳) ہر عمل کے لئے محدود ثواب ہے مگر سید الشہداؑ پر گریہ کے اجر کی انتہا نہیں ہے۔

(۲۴) گریہ سے آنحضرتؑ سے محبت پیدا ہوتی ہے اور آپؑ کے دشمنوں سے بغض بڑھتا ہے۔

(۲۵) آپ پر گریہ کرنے والے میں سخیت پیدا ہو جاتی ہے۔اس میں آنحضرتؑ کے صفات و کمالات ظاہر ہونے لگتے ہیں۔وہ آنحضرتؑ کے رنگ میں رنگ جاتا ہے اور حسینی بن جاتا ہے۔

(۲۶) گریہ شریعت محمدیؐ کی حفاظت کا باعث اور دین کی بقا کا ضامن ہے

(۲۷) ظالموں کے ظلم کے خاتمے اور دنیا میں مختلف انقلابات اور تحاریک کا باعث ہے۔

(۲۸) مکتب اہل بیتؑ کا احیاء امام حسینؑ پر گریہ میں ہے۔

(۲۹) گریہ کرنے والے کو سو (۱۰۰) شہیدوں کا ثواب ملتا ہے۔

(۳۰) اس کا دل کبھی نہیں مرتا بلکہ حیات ابدی حاصل کر لیتا ہے۔

امام حسینؑ پر گریہ کے متعلق چند داستانیں

(۱) سید علی حسینی سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا: مشہد مقدس میں روز عاشور میرا ایک دوست ہمیں مقتل کی ایک کتاب پڑھ کر سنا رہا تھا، جب وہ اس حدیث پر پہنچا کہ

حضرت امام باقرؑ نے فرمایا:
جس شخص کی آنکھ سے مصیبت حسینؑ میں آنسو جاری ہو جائے‘خواہ وہ مکھی کے پر کے برابر کیوں نہ ہو،خدا اس کے گناہوں کو بخش دے گا اگر چہ وہ سمندر کی جھاگ کے برابر کیوں نہ ہوں۔

مجلس میں بیٹھے ایک شخص نے اس حدیث کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور کہا:اس کو عقل قبول نہیں کرتی ۔اور بحث شروع ہوگئی اور اس کے بعد لوگ گھروں کو چلے گئے ۔

اس رات اس نے خواب میں دیکھا کہ قیامت برپا ہے اور لوگ ہموار زمین پر برانگیختہ ہیں......گرمی کی شدت ہوگئی اور پیاس غالب آ گئی۔وہ ہر طرف پانی کی تلاش میں پھرا لیکن پانی نہ ملا ،آخر کار ایک بہت بڑے اور پانی سے بھرے ہوئے کنویں کو دیکھا کہ جس کا پانی برف سے بھی ٹھنڈا تھا اور اس کے کنارے پر دو آدمی اور ایک عورت سیاہ لباس پہنے کھڑے تھے۔

اس نے پوچھا:یہ کون ہیں؟ جواب ملا:حضرت محمدؐ،حضرت علیؑ اور حضرت فاطمہؑ ہیں۔
پوچھا:انہوں نے سیاہ لباس کیوں پہن رکھے ہیں اور غمگین کیوں ہیں؟ لوگوں نے کہا کہ آج روز عاشور نہیں ہے؟یہ اس وجہ سے محزون ہیں ۔ میں حضرت فاطمہؑ کے نزدیک گیا اور پانی کی درخواست کی ۔آپؑ نے مجھے غصے سے دیکھا اور فرمایا:تو میرے نور چشم حسینؑ پر رونے کی فضیلت کا منکر ہے؟ کہ جسے ظلم و دشمنی سے قتل کر دیا گیا!خدا اس کو قتل کرنے والوں،اس پر ظلم کرنے والوں ،اور پانی بند کرنے والوں پر لعنت فرمائے۔

پس میں خواب سے بیدار ہوا اور اپنے کہے پر پشیمان ہوا اور اللہ تعالیٰ سے توبہ کی۔
(بحار الانوار:۴۴/۲۹۳،منتخب طریحی:۲/۸۳)

(۲) مرحوم نوری نے اپنے استاد بزرگوار عالم جلیل القدر علامہ شیخ عبدالحسین تہرانی سے نقل کیا ہے کہ میرزا نبی خان جو کہ محمد شاہ قاجار کے خواص میں سے تھا نیز اس کا اپنا شخص

تھا وہ ہر گناہ کا مرتکب ہو چکا تھا اور ظاہراً فسق و فجور میں ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر گیا تھا، میں نے اسے خواب میں دیکھا کہ سرسبز باغات اور بلند و بالا عمارات میں سیر کر رہا تھا، محسوس ہوتا تھا کہ جیسے یہ بہشت کے باغات اور عمارات ہوں۔ میرے ساتھ ایک شخص تھا جو کہ ان گھروں اور محلوں میں رہنے والوں کو پہچانتا تھا جب ہم ایک جگہ پہنچے تو اس شخص نے مجھے اشارہ کر کے بتایا: یہ میرزا نبی خان کا گھر ہے اور اگر تم اسے ملنا چاہو تو وہ موجود ہے۔

میں نے توجہ کی تو دیکھا وہ تنہا ایک ہال کمرے میں بیٹھا ہوا ہے جب اس نے مجھے دیکھا تو اشارہ کیا کہ اوپر آ جاؤ۔ میں اس کے نزدیک گیا تو اس نے کھڑے ہو کر مجھے سلام کیا اور صدر مجلس میں بٹھایا، اور خود جس طرح اپنی زندگی میں بیٹھتا تھا بیٹھ گیا۔

میں اس کے ٹھاٹ باٹ اور عالی شان گھر کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ اس نے میرے چہرے سے اس بات کا اندازہ لگا لیا اور کہا: اے شیخ! گویا تم حیران ہو کہ میرا یہ مقام! حالانکہ میں دنیا میں اپنے اعمال بد کی وجہ سے جہنم کا سزاوار تھا۔ میں نے کہا: ہاں۔

کہنے لگا: طالقان میں میری نمک کی ایک کان تھی کہ جس کا اجارہ میں ہر سال نجف بھیجتا تھا تاکہ حضرت ابا عبداللہ الحسینؑ کی عزاداری پر صرف ہو۔ یہ گھر مجھے اس عمل کے عوض میں عطا ہوا ہے۔

میں بحالت تعجب نیند سے بیدار ہوا اور صبح اپنے درس کی مجلس میں یہ خواب بیان کیا۔

ایک عالم و فاضل فرزند مولا مطیع طالقانی نے کہا: یہ بات صحیح ہے' اس کی طالقان میں نمک کی کان تھی جس کا اس وقت کی کرنسی کے مطابق سو تومان کے نزدیک اجارہ تھا، جو وہ نجف میں بھیجتا تھا اور میرے باپ کی نگرانی میں وہ رقم عزاداری سید الشہداء پر خرچ ہوتی تھی۔

استاد نے فرمایا۔ اس سے پہلے مجھے معلوم نہیں تھا کہ طالقان میں اس کی کان تھی اور وہ اس کی آمدن عزاداری پر خرچ کرتا تھا۔ (دارالسلام: ۲۴۳/۲)

(۳) مرحوم فاضل دربندی اسرار الشہادہ میں لکھتے ہیں: طائفہ ہند کی ایک شخصیت جس کا لقب افتخار رالدولہ تھا اور جو اس سے پہلے حکومت ہند میں عزا داری پر مال کثیر خرچ کرتے تھے، ایک سال انہوں نے گزشتہ دو سالوں کے برابر خرچ کیا (اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ وہ شدید بیماری میں مبتلا ہوگئے اور ان پر نزع و احتضار کی سی کیفیت طاری تھی۔

اچانک انہیں صحت و سلامتی مل گئی اور وہ بستر بیماری سے اٹھتے ہی مسلمان ہوگئے ان سے اس کا سبب پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا: میں نے سید الشہداؑ کو خواب میں دیکھا' آپ فرما رہے تھے۔

قُمْ قَدْ عافا کَ اللّٰہُ تَعالیٰ بِبرَ کَۃِ اِقَا مَتِکَ تَعزِیَتِی.

اٹھ بیٹھو کہ اللہ نے تمہیں میری عزاداری برپا کرنے کی وجہ سے شفاعت بخش دی ہے۔

انہوں نے احکام الٰہی کو سیکھنے کی کوشش کی اور اپنے خاندان کے ہمراہ، جو کہ ان کے ساتھ مسلمان ہو چکا تھا، ہندوستان سے کربلا ہجرت کر گئے اور اپنے قیمتی اموال کو آستان حسینؑ پر ہدیہ کردیا اور وہاں کے اعبد و ازہد اشخاص میں سے ہوگئے۔ (وقائع الایام ۱۲/)

(۴) محتشم کا ایک بیٹا تھا' جو انتقال کرگیا، اس نے اپنے بیٹے کی رثا میں چند شعر کہے۔ایک رات اس نے رسول اکرمؐ کو خواب میں دیکھا کہ آپؐ فرما رہے تھے :

تو اپنے بیٹے کا مرثیہ تو لکھتا ہے لیکن میرے بیٹے کا مرثیہ کیوں نہیں لکھتا۔

وہ کہتا ہے: میں (خواب سے) بیدار ہوا تو چونکہ اس سلسلے میں کبھی کام نہ کیا تھا لہٰذا میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آنحضرتؐ کا مرثیہ کس طرح شروع کروں۔

دوسری رات رسول اکرمؐ نے پھر خواب میں فرمایا: تو نے میرے بیٹے کی مصیبت پر مرثیہ نہیں کہا؟ میں نے عرض کیا: کیسے کہوں کہ ابھی تک اس وادی میں قدم ہی نہیں رکھا۔

فرمایا: کہو: بازایں چہ شورش است کہ درخلق عالم است۔
اٹھو! خلق عالم میں یہ کیا شورش بپا ہے۔ میں جاگ اٹھا۔ اس مصرع کو مطلع قرار دیا اور جو کچھ بن پڑا لکھا' جب اس مصرع پر پہنچا:

ہست از ملال گرچہ بری ذات ذوالجلال

اگر چہ ذات ذوالجلال رنج وملال سے مبرا ہے تو میں اس سوچ میں تھا کہ اس شعر کو کیسے پایہ تکمیل تک پہنچاؤں تا کہ مقام خداوندی میں جسارت نہ کر بیٹھوں۔

رات کو میں نے حضرت ولی عصرؑ ارواحنا فداہ کو خواب میں دیکھا کہ آپ فرما رہے تھے: تو نے اپنے مرثیے کو مکمل کیوں نہیں کیا؟ میں نے عرض کیا: اس مصرع پر ہمت ہار بیٹھا ہوں۔

فرمایا: کہو: اودر دل است و ہیچ دلی نیست بی ملال

وہ دلوں میں رہتا ہے اور کوئی دل بے ملال نہیں۔ میں جاگ اٹھا اور اس مصرع کو پہلے مصرع کا ضمیمہ بنا کر شعر کو مکمل کیا۔ (الکلام' بجر الکلام: ۲/ ۱۱۰)

لیکن مرحوم ملا علی خیابانی وقائع الایام ۵۸ میں رسول اکرمؐ کی جگہ لکھتے ہیں: امیر المومنین علیہ السلام کو خواب میں دیکھا۔

(۵) منقول ہے کہ (اصفہانی شاعر) عقبل جوانی کے دور میں نہایت ظریف اور لطیفہ گو تھا۔ ایام محرم میں وہ لوگوں کے ایک اجتماع کے پاس سے گزرا جو سینہ زنی میں مصروف تھے اس نے مذاق سے کوئی بات کہی جو عزاداروں کو ناگوار گزری۔ کچھ عرصہ بعد وہ جذام کے مرض میں مبتلا ہو گیا' لوگ اس سے نفرت کرنے لگے اور وہ حمام کے آتش خانے میں (تنہا) پڑا رہتا تھا۔

دوسرے سال وہ اس خرابے کے پاس شکستہ خاطر بیٹھا ہوا تھا۔ ماتمیوں کا ایک گروہ نوحہ خوانی کر رہا تھا۔

چہ کربلا ست اِمروز
چہ پر بلا ست اِمروز
سرِ حسینؑ مظلوم
ازتن جدا ست اِمروز

مقبل کے دل سے اک ہوک سی اٹھی اوراس نے انہیں نظر حیرت سے دیکھتے ہوئے کہا:

روزِ عزاست امروز
جان در بلاست اِمروز
فغان و شورِ محشر
در کربلا ست اِمروز

اسی رات اس نے رسول اکرمؐ کوخواب میں دیکھا۔آپؐ نے اس پر نظر عنایت فرمائی اوراس کی خطا کو بخش دیا۔کہتے ہیں اس کا نام ''محمد شیخا'' تھا اورحضورؐ نے اسے مقبل کا لقب عطا فرمایا۔

لہٰذا اس نے سید الشہداء علیہ السلام کے واقعات غم پر شعر گوئی شروع کردی۔وہ کہتا ہے۔جب میں واقعہ شہادت کومکمل کر چکا تو جمعہ کی شب تھی میں بار بار(وہ اشعار دہراتے اورگریہ کرتے کرتے سوگیا۔عالم خواب میں میں نے خودکوفرزند علی (حسین علیہ السلام) کے حرم منور میں پایا کہ منبر لگا ہوا تھااوررسول معظمؐ تشریف فرما تھے۔اس دوران میں محتشم کولایا گیا۔

رسول اکرمؐ نے فرمایا: آج شب جمعہ ہے۔منبر پر چڑھ کر میرے بیٹے (حسینؑ کے بارے میں کچھ پڑھ۔محتشم آنحضورؐ کے حکم سے منبر پر پہنچا ۔وہ چاہتا تھا کہ پہلے زینے پر ہی بیٹھ جائے لیکن حضورؐ نے فرمایا: اوپر چلو جب دوسرے زینے پر پہنچا تو فرمایا: اوراوپر چلو۔اس طرح وہ منبر کے آخری زینے پر بیٹھا اور(مرثیہ) پڑھا۔

بر حربگاه چون ره آن کاروان فتاد
شور و نشور واهمه درگمان فتاد

هم بانگ نوحه غلغله درشش جهت فکند
هم گریه بر ملایک هفت آسمان فتاد

هر جاکه بود آهوئی از دشت پاکشید
هر جا که بود طائری از آشیان فتاد

شد وحشتی که شور قیامت زیاد رفت
چون چشم اهل بیتؑ برآن کشتگان فتاد

ناگاه چشم دختر زهراؑ در آن میان
بر پیکر شریف امامؑ زمانؑ فتاد

بی اختیار نعره هذا حسینؑ از او
سرزد چنانکه آتش او در جهان فتاد

پس بازبان پر گله آن بضعهٔ بتولؑ
رو بر مدینه کرد که یا ایها الرسولؐ

این کشتهء فتاده به هامون حسینؑ تست
وین صید دست و پا زده در خون حسینؑ تست

این ماهی فتاده به دریای خون که هست
زخم از ستاره برتنش افزون حسینؑ تست

این خشک لب فتادہ و ممنوع از فرات
کز خون او زمین شدہ جیحون حسینؑ تست

این شاہ کم سپاہ کہ باخیل اشک و آہ
خرگاہ این جہان زدہ بیرون حسینؑ تست

وین نخل تر کز آتش جانسوز تشنگی
دود از زمین رساندہ بگردون حسینؑ تست

این قالب طپان کہ چنین ماندہ بر زمین
شاہ شہید ناشدہ مدفون حسینؑ تست

مقبل کا کہنا ہے: سوگواری اور تعزیہ داری سے فراغت کے بعد رسول اکرمؐ نے محتشم کو خلعت عطا فرمائی۔

میں نے خود سے کہا: شاید میرے اشعار آنحضورؐ کی بارگاہ میں قبولیت کے لائق نہیں تھے کہ انہوں نے مجھے پڑھنے کو نہیں کہا۔

اچانک ایک حور نے آ کر آنحضورؐ کی خدمت میں عرض کیا: جناب فاطمہ زہراؑ کہہ رہی ہیں: مقبل کو بھی حکم دیجئے کہ مرثیہ سید الشہداءؑ میں کوئی واقعہ بیان کرے۔

پس حضورؐ نے مجھے حکم دیا میں منبر پر گیا اور زینہ اول پر بیٹھ کر پڑھا:

روایت است کہ چون تنگ شد بر او میدان
فتاد از حرکت ذوالجناح وز جولان

نہ سیدالشہداءؑ بر جدال طاقت داشت
نہ ذوالجناح دیگر تاب استقامت داشت

کشید پا ز رکاب آن خلاصہ ایجاد
برنگ پرتو خورشید بر زمین افتاد

ہوا ز جور مخالف چو قیرگون گردید
عزیز فاطمہؑ از اسب سرنگون گردید
بلندمرتبہ شاہی ز صدر زین افتاد
اگر غلط نکنم عرش بر زمین افتاد

اچانک کسی نے اشارہ کیا کہ اتر آؤ۔ سیدہ کی بیٹی بے ہوش ہوگئی ہے۔ پس میں منبر سے اتر آیا اور عطائے خیرالبریہ کا منتظر تھا کہ میں نے دیکھا، سبط خیر البشرؑ کی ضریح منور وا ہوگئی اور اس سے ایک جلیل القدر ہستی برآمد ہوئی۔ ان کے سینے کا زخم ستارے سے زیادہ چمک دار تھا، اور بدن پر لگے ہوئے زخم شمار سے باہر تھے۔ انہوں نے مجھے ایک خلعت فاخرہ عطا فرمائی۔ میں نے عرض کیا: میں قربان جاؤں آپ کون ہیں، فرمایا: میں حسینؑ ہوں۔ (وقائع الایام/۵۸۱)

(٦) بزرگ علماء میں سے کسی نے جناب حبیب ابن مظاہرؓ کو خواب میں دیکھا کہ جنت کے غرفوں میں پروردگار کی انواع و اقسام کی نعمتیں میسر تھیں اور آپ کے لئے بستر نشاط بچھا ہوا تھا۔ انہوں نے بعد از عرض ارادت کہا:

اے حبیبؓ! آپ ان نعمتوں کا شکر کس طرح ادا کرسکوں گے کہ جوانی میں خدمت رسولؐ میں رہے اور بڑھاپے میں فرزند رسولؐ کی نصرت میں اپنے سفید بالوں کو خون سے خضاب کیا، کیا آپ کوئی اور آرزو رکھتے ہیں؟

فرمایا: میری آرزو ہے کہ دوبارہ دنیا میں جاؤں اور جملہ عزاداران حسینؑ میں شامل ہو جاؤں کہ میں نے سرور دو عالمؐ سے سنا کہ آپؐ فرماتے تھے: جو شخص میرے بیٹے حسینؑ کی مجلس عزا میں معرفت کے ساتھ اشک ریزی کرے گا خداوند کریم اسے سو شہیدوں کا ثواب عطا فرمائے گا اور بہشت میں اس

کے درجات میں اضافہ ہوتا رہے گا۔ (زندگانی حبیب بن مظاہر/۵۶)

(۰ ہندوستان کے کسی شہر کا رہنے والا ایک محب اہل بیتؑ بے شمار دولت کا مالک تھا۔ وہ ہر سال ماہ محرم میں مجلس عزا منعقد کرتا اور بہت سا روپیہ خرچ کرتا تھا۔ اور صبح و شام دستر خوان بچھائے فقرا اور مساکین کو کھانا کھلاتا رہتا تھا۔ کسی نے دشمن اہل بیتؑ حاکم کے پاس اس کے اس کام کی شکایت کردی۔ حاکم نے حکم دیا کہ اسے پیش کیا جائے۔ جب وہ لایا گیا تو حاکم نے اسے گالیاں دیں اور حکم دیا کہ اسے پیٹا جائے، اور اس کا مال ضبط کرلیا جائے۔

جو دولت اس کے پاس تھی اس پر قبضہ کرلیا گیا اور تمام غلاموں کو گرفتار کرلیا گیا۔ جب ماہ محرم آیا تو وہ شخص بہت رنجیدہ خاطر ہوا، کیونکہ وہ مجلس برپا کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا تھا۔

اس کی نیک بخت بیوی نے کہا: آپ کس لئے ناخوش ہیں اور رو کیوں رہے ہیں؟

اس نے جواب دیا: میں امام مظلومؑ کی مجلس عزا کی استطاعت بھی نہیں رکھتا ! عورت نے کہا: غمزدہ نہ ہوں ہمارا جو بیٹا ہے اسے دور دراز کے کسی شہر میں لے جائیں اور غلام ظاہر کرکے فروخت کردیں اور اس رقم سے عزاداری برپا کریں۔

وہ شخص خوش ہوگیا جوان (بیٹے) سے یہ حکایت بیان کی تو اس نے کہا: میں خود کو حسینؑ فرزند فاطمہؑ پر قربان کرتا ہوں۔ پس وہ شخص اسے دور دراز کے کسی شہر میں لے گیا اور بازار میں لے آیا۔

اس نے ایک جلیل القدر اور نورانی شخص کو دیکھا جو اسے کہہ رہا تھا: اس جوان کے بارے میں تمہارا کیا ارادہ ہے؟ اس نے جواب دیا: میں اسے بیچنا چاہتا ہوں نورانی شخص نے منہ مانگی قیمت پر بغیر سودے بازی اسے خرید لیا۔ تاجر خوشی خوشی گھر واپس چلا گیا۔ گھر پہنچا تو اپنی بیوی کو سارا ماجرا

سنایا۔ اسی اثنا میں وہ جوان بھی واپس گھر آ پہنچا۔اس شخص نے کہا: تم بھاگ آئے ہو؟ بیٹے نے جواب دیا: نہیں۔ کہا: پھر کیسے آئے ہو؟

جوان نے کہا: جب آپ چلے آئے تو میں رونے لگا۔اس بزرگوار نے مجھ سے پوچھا: روتے کیوں ہو؟ میں نے کہا: اپنے آقا کے فراق میں روتا ہوں، کیوں کہ وہ بہت اچھا شخص تھا اور میرے ساتھ بہت احسان کرتا تھا۔

اس بزرگوار نے فرمایا: تم اس کے غلام نہیں ہو بلکہ بیٹے ہو۔ میں نے کہا! اے میرے سید وسردار! آپ کو یہ کیسے معلوم ہے؟ فرمایا میں تو یہ بھی جانتا ہوں کہ تمہارے باپ نے تمہیں کس مقصد کے لئے فروخت کیا۔نیز فرمایا:

أَنَا الغَرِيْبُ المُشَرَّدَ ' أَنَا الَّذِیْ قَتَلُوْنِیْ عَطْشَانًا.

پھر فرمایا: افسردہ نہ ہوں۔ میں تمہیں تیرے باپ کو واپس کرتا ہوں۔ جب میں واپس آنے لگا تو آپؑ نے فرمایا: حاکم تمہارا مال اضافے کے ساتھ تمہیں واپس کردے گا اور تم پر احسان اور مہربانی کرے گا۔ پس میں واپس آنے لگا تو وہ بزرگوار میری آنکھوں سے غائب ہو گئے۔

یہ گفتگو ابھی جاری ہی تھی کہ دوازے پر دستک ہوئی' جب دروازہ کھولا گیا تو ایک شخص نے کہا: امیر آپ کو بلا رہا ہے۔

وہ شخص امیر کے پاس گیا تو امیر نے اس کی بہت عزت کی اور اس کا جو کچھ قبضے میں لیا تھا وہ اضافے کے ساتھ واپس کردیا اور کہا: اے مرد صالح! سید الشہداء علیہ السلام کی مجلس برپا کرو، میں ہر سال دس ہزار درہم تمہیں دوں گا۔ میں اپنے خاندان اور وابستگان سمیت ہدایت پا چکا ہوں اور شیعہ ہو گیا ہوں، میں نے امام حسین علیہ السلام اور ان کے احباب کو دیکھا ہے، وہ مجھ سے فرما رہے تھے: تم نے اسے اذیت دی جو میرا فرش ماتم بچھاتا تھا اور اس سے اموال اور غلام چھین لئے؟ تم نے اس کا جو کچھ قبضے میں لیا

ہے، واپس کردو ورنہ میں زمین کو حکم دوں گا کہ تمہیں تمہاری دولت سمیت نگل لے۔ اس کام میں جلدی کرو، اس سے پہلے کہ تم پر بلا نازل ہوجائے

فَهٰا أَنَا اَسْتَغْفِرُاللّٰهَ وَتُبْتُ اِلَيْهِ وَاهْتَدَيْتُ بِهِدَايَةِ آلِ امامٍ اِلٰى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ (معالی السبطین :۱/۹۸)

(۸) آقائے حاج شیخ مہدی حائری تہرانی (امام جماعت مسجدارگ و مسجد الغدیر) نے ہمارے لئے نقل فرمایا کہ میں نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ میں استفادہ کے لئے اس حسینیہ میں آیا ہوں۔ مرحوم سید جوادسدھی منبر پر روضہ خوانی فرما رہے تھے۔ انہوں نے عجیب جوش و انقلاب کی کیفیت پیدا کر رکھی تھی اور حاضرین ان کی روضہ خوانی کی تاثیر سے اپنے چہرے اور سینے پیٹ رہے تھے اور گریہ کر رہے تھے۔ اور بعض تو بیہوش ہوگئے تھے۔

جب انہوں نے منبر چھوڑا اور نیچے اترے تو لوگ ان سے مصافحہ کر رہے تھے اور (کچھ) ان کے ہاتھ چوم رہے تھے۔ میں بھی آگے بڑھا' ان سے مصافحہ کیا اور غور سے دیکھا۔

میں نے کہا: حاج آقا! آپ کا کیا حال ہے؟ فرمایا: الحمد للہ' سید الشہداء کی برکات و عنایات سے ہمارا حال بہت اچھا ہے۔ ایک دن آقائے سلطان الوعظین شیرازی (مؤلف کتاب شب ہائے پیشاور) آئے اور ہم میں سے ہر ایک کو روضہ خوانی میں ایک ہی درجہ دیا۔

(اختر فروزاں' تالیف جناب آقائے شیخ محمد شریف رازی/۳۳۳)

(۹) علی ابن دعبل خزاعی جو کہ اہل بیتؑ کے مشہور شاعر تھے، کے بیٹے علی سے منقول ہے کہ اس نے کہا: (باوجود اس کے کہ میرا باپ علی بن الرضا علیہ السلام کے شیعوں میں سے تھا، اور آنحضرتؑ سے بہت محبت رکھتا تھا۔ وقت وفات اس کا رنگ متغیر ہوگیا۔ زبان بند ہوگئی اور چہرہ سیاہ پڑ گیا۔ (میں نے دشمنوں کی ملامت کے خوف سے اسے

چھپائے رکھا و اور تنہائی میں غسل دیا اور دفن کیا' اور اس واقعہ سے بہت غمگین ہوا نزدیک تھا کہ میں اپنے مذہب سے پھر جاتا۔ لیکن تین روز بعد اسے خواب میں دیکھا۔ اس کا چہرہ نورانی تھا، سفید لباس پہن رکھا تھا کہ جس سے پاکیزگی چھلک رہی تھی اور سر پر سفید رنگ کی پگڑی باندھ رکھی تھی۔

میں نے کہا: بابا جان! اللہ نے آپ کے ساتھ کیا کیا؟

کہا: میرے بیٹے! وہ جو تم نے مشاہدہ کیا، یعنی چہرے کا سیاہ ہو جانا اور زبان کا بند ہو جانا تو یہ دنیا میں شراب نوشی کے سبب تھا' میں اسی حالت میں تھا کہ رسول خداؐ سفید لباس اور کلاہ کے ساتھ تشریف لائے اور مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا: "اَنتَ دِعْبِل؟" تو ہی دعبل ہے (جو میرے اہل بیتؑ کے شہیدوں کے مرثیے پڑھتا تھا اور ہمارے دوستوں کو ان کی مصیبت پر رلاتا تھا؟

میں نے عرض کیا: ہاں! یارسول اللہؐ!

فرمایا: ان مرثیوں میں سے جو تم نے ان کے لئے لکھے کچھ سناؤ۔ (پس میری قبر وسیع ہوگئی' کرسی بچھادی گئی' اور رسول اکرمؐ اس پر تشریف فرما ہوئے اور بے شمار ملائکہ آپ کی خدمت میں موجود تھے۔ میں نے پڑھا:

لا أَضْحَكَ اللّٰهُ سِنَّ الدَّهْرِ اِنْ ضَحِكَتْ
وَآلُ اَحْمَدَ مَظْلُوْمُونَ قَدْ قُهِرُوْا

مُشَرَّدُوْنَ نَفُوا عَنْ عَقْرِ دارِهِمْ
كَاَ نَّهُمْ قَدْ جَنَوا مَالَيْسَ يُغْتَفَر

زمانہ اور اس کے رہنے والے ہرگز خوش اور شادمان نہیں ہوں گے۔ اور

زمانہ اور اس کے حال میں اہل بیت رسول خداؐ نے ظلم وستم برداشت کیے خوار وزار کیے گئے اور مظلوم مقہور ٹھہرائے گئے۔ انہیں ظلم وستم سے ان کے گھروں سے دربدر کردیا گیا۔ جیسے ان سے کوئی ایسا گناہ سرزد ہوگیا ہو کہ جس کی معافی ہی نہیں۔

رسول خداؐ (رونے لگے) اور وہ سفید لباس جو آپ نے زیب تن کررکھا تھا مجھے عطا فرمادیا اور میری شفاعت فرمائی۔

(عیون الاخبار: ۲/ ۲۷۰ب ۶۶ ح ۳۶ خبر دعبل عند وفاتہ ریاض الشہادۃ: ۲/ ۳۱۲م ۱۶)

اس واقعہ کی نظیر سید حمیری سے بھی منقول ہے' کیوں کہ وہ بھی شراب پیتا تھا علاوہ ازیں مذہب کیسانیہ پر تھا اور محمد حنفیہؒ کی امامت کا قائل تھا۔ لیکن امیر االمومنین علیہ السلام کی دوستی اور منافقین و معاندین سے دشمنی پر مصر تھا اور اس نے امیر علیہ السلام کی شان میں بہت سے قصائد لکھے اور آنحضرت کے مخالفوں پر لعن طعن رقم کی۔ اس نے اہل سنت کے علماء کو کئی دفعہ نادم کیا اور خلفائے بنی عباس اس کی زبان کے خوف سے اس کی بہت عزت کرتے تھے اور نظر التفات رکھتے تھے۔ جب وہ بیمار ہوگیا (اور حالت نزع میں تھا) تو اس کی زبان بند اور چہرہ سیاہ ہوگیا۔ مخالفین اس وجہ سے مسرور ہوئے اور خوشی منائی ایک دن حضرت امام جعفر صادقؑ نے اپنے اصحاب سے فرمایا: سید حمیری کا کیا حال ہے؟ انہوں نے اس کی کیفیت حال عرض کی تو آپؑ نے فرمایا وہ ہمارا مداح اور شاعر ہے اس حال میں نہیں رہے گا۔

لہٰذا آپ اس کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے جب امامؑ اس کے سرہانے بیٹھے اور اس کی نظر امامؑ پر پڑی تو اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور زبان نہیں تھی کہ بات کرسکتا۔

حضرت صادق علیہ السلام نے فرمایا: میں دعا کرتا ہوں' اس کی زبان کھل

جائے گی ۔عرض کرنے لگا: فرزند رسول خداؐ میں آپ کے قربان ۔

أبأ ولیاءِ کَ یُفعَلُ هٰذا ؟

کیا آپ کے دوستوں کے ساتھ ایسے ہوتا ہے؟

فرمایا:"قُلْ بِالْحَقِّ یُکْشَفُ مابِکَ

مذہب حقہ شیعہ اثنا عشریہ کو قبول کرلو اور میری امامت کے قائل ہو جاؤ تاکہ

تمہارا عارضہ رفع ہو جائے ۔

اس نے کہا:

تَجَعْفَرْتُ بِاسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَکْبَرُ .

میں اللہ کے نام کے ساتھ جعفری ہوتا ہوں اور اللہ ہر چیز سے بزرگ تر ہے ۔

اس نے قصیدے کو مکمل کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کا چہرہ سفید کر دیا۔ اس کا غم دور ہو گیا اور پھر وہ جتنی مدت زندہ رہا آنحضرتؑ کی خدمت کرتا رہا اور آنحضرتؑ نے اسے سید کا لقب عطا فرمایا ورنہ حمیری معروف معنوں میں سید نہیں تھا۔

(بحار الانوار ۴۷/۲۶۲۔۳۶۲ مستدرک سفینہ :۲/۳۹۵، ریحانۃ الادب :۳/۱۲۰)

(۱۰) بعض معتبر اصحاب کی کتب میں مذکور ہے کہ مدینہ میں ایک بدکار عورت رہتی تھی جو کہ اپنے برے اعمال کی وجہ سے مشہور تھی ۔اس کا ایک ہمسایہ تھا جو ہمیشہ امام حسینؑ کی تعزیہ داری بجا لاتا تھا ۔ایک دن وہ ہمیشہ کے معمول کے مطابق مشغول تعزیہ داری تھا اور ایک دیگ آگ پر رکھی تھی تا کہ عزاداروں کو طعام مہیا کیا جاسکے ۔ اس فاسق عورت کو آگ کی ضرورت پڑی اور وہ ہمسائے کے گھر سے آگ لینے آئی ۔

وہ اس دیگ کے پاس آئی ، دیکھا تو اس دیگ کی آگ بجھ چکی تھی، لہٰذا اس نے پھونک مار کر آگ جلا دی ۔ اس آگ کی حرارت اور دھوئیں کے اثر سے اس کی آنکھوں سے چند قطرے پانی کے نکل آئے ۔اس نے آگ اٹھائی اور اپنے گھر چلی گئی۔

گرمیوں کے دن تھے اور اس عورت کو قیلولہ کرنے کی عادت تھی ۔ جب وہ سو گئی

تو اس نے خواب میں دیکھا کہ قیامت برپا ہے اور ماموران جہنم اس کو پکڑ کر آگ کے طوق و زنجیر سے باندھ رہے ہیں۔ اور فرماتے ہیں: خداوند متعال نے تجھ پر غضب نازل کیا ہے اور ہمیں حکم دیا ہے کہ تجھے جہنم میں لے جائیں۔

اس عورت نے فریاد کی اور مدد کی طالب ہوئی۔ لیکن کوئی اس کی فریاد پر نہ پہنچا۔ عذاب کے فرشتوں نے اسے کھینچا تا کہ جہنم کے کنارے لے جائیں وہ اسے جہنم میں پھینکنا ہی چاہتے تھے کہ ایک نورانی شخص نے انہیں آواز دی کہ اسے چھوڑ دو۔

عذاب کے فرشتے اس سے دور ہٹ گئے اور کمال ادب و ملائمت سے عرض کرنے لگے: فرزند رسولؐ! یہ زنا کار عورت ہے اور اس نے اپنی عمر کو برے کام اور معصیت خدا میں گزارا ہے! فرمایا: لیکن ایک دن یہ عزاداروں کی مجلس میں آئی تھی۔ اور اس نے ان کے لئے آگ جلائی تھی۔ اور اس آگ سے اس کے ہاتھ کو تکلیف محسوس ہوئی اور اس کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے تھے۔ جب ملائکہ نے یہ بات سنی تو اسے چھوڑ دیا اور کہنے لگے:

كَرَامَةً لَكَ يَابْنَ الشَّافِعِ وَالسَّاقِيْ .

اے شفاعت کرنے والے اور ساقی کوثر کے بیٹے یہ آپؑ کی کرامت ہے۔

اس بزرگوار کی حرمت کے سبب ہم نے اس (عورت) سے ہاتھ اٹھا لیا اور اے ساقی کوثر اور ان کے بیٹے حسینؑ کے صدقے میں اسے بخش دیا۔

جب وہ عورت خواب سے بیدار ہوئی تو جلدی جلدی عزا خانہ میں پہنچی اور ان عزاداروں کو اپنا خواب سنایا۔ اس مجلس میں ایک نیا کہرام مچ گیا اور اس طرح گریہ و زاری اور آہ بکا ہوئی کہ چشم زمانہ نے نہ دیکھی ہوگی۔ اس عورت نے سید الشہداءؑ کی عزاداری کی برکت سے توبہ کی اور بقیہ عمر آنحضرتؑ کی عزاداری میں گزاری۔ (ریاض الشہادۃ: ۲/۵۱)

سید الشہداؑ کی زیارت کی فضیلت

بزرگان آنحضرتؑ کی زیارت کو ضروریات دین و مذہب میں سے خیال کرتے ہیں اور بعض احادیث میں اسے فرض اور واجب سمجھا گیا ہے، کہ جو شخص بغیر کسی وجہ کے اس کو ترک کرے وہ خدا و رسولؐ کے حق کو ضائع کرتا ہے، اور پیغمبر اکرمؐ کی ناراضگی کے سبب دوزخیوں میں شمار ہوگا۔

آنحضرتؑ کی زیارت خصوصاً مخصوص ایام مثلاً روز عاشور، روز اربعین، روز عرفہ، پندرہ شعبان کی رات اور دن، شب ہائے قدر، روز ہائے قدر اور شب جمعہ وغیرہ کو کرنے کی فضیلت میں متواتر روایات ملتی ہیں۔ ان کے جمع کرنے کے لئے ایک مستقل کتاب کی ضرورت ہے۔ ہم یہاں بطور نمونہ چند روایات درج کرتے ہیں۔

(۱) محمد بن مسلم سے منقول ہے کہ امام باقر علیہ السلام نے فرمایا: ہمارے شیعوں کو قبر حسینؑ کی زیارت کا حکم دیا گیا ہے۔ کیونکہ ہر وہ مومن جو اللہ عز و جل کی طرف سے آنحضرتؑ کی امامت کا اقرار کرتا ہے، اس پر آپؑ کی قبر پر آنا واجب ہے۔

(کامل الزیارات ۱۲۱/۱ ب ۴۳ ح ۱، بحار الانوار: ۱۰۱/۳ ب ۱۸ ح ۸)

(۲) امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں: تم میں سے کوئی شخص اگر تمام عمر حج کی بجا آوری کرے لیکن حسین بن علی علیہ السلام کی زیارت نہ کرے تو اس نے خدا اور اس کے رسولؐ کے حقوق میں سے ایک حق کو ترک کیا کیونکہ حق حسینؑ اللہ کی طرف سے ایک ایسا فریضہ ہے جس کی ادائیگی ہر مسلمان پر واجب ہے۔

(کامل الزیارات ۱۲۲/۱ح ۴' بحار الانوار ۱۰۱/۳، وسائل: ۱۴/ ۴۲۸ ب ۳۸ ح ۱)

(۳) صفوان جمال سے منقول ہے کہ جب حضرت امام جعفر صادقؑ حیرہ تشریف لائے تو مجھے فرمایا: کیا تو قبر حسینؑ پر جاتا ہے۔؟ میں نے عرض کیا: میں آپ کے قربان کیا آپؑ بھی (مرقد حسینؑ) کی زیارت کرنے جاتے ہیں؟

حیرہ شہر کوفہ سے ایک فرسخ کے فاصلے پر آباد تھا، اور سانیوں کے عہد میں لخمی بادشاہ یہاں رہتے تھے۔ کوفہ کی بنیاد رکھے جانے کے بعد اس پر زوال آ گیا اور بعد ازاں مکمل طور پر خاتمہ ہو گیا۔

فرمایا: میں کس طرح آپ کی زیارت نہ کروں؟ جب کہ خداوند متعال ہر شب جمعہ کو خود قبر حسینؑ کی زیارت کرتا ہے (زیارت پروردگار کے معنی صرف خواص اولیاء اور علمائے کامل ہی سمجھتے ہیں) اور آپ کی قبر کی زیارت کے لئے ملائکہ انبیاء اور اوصیاء نزول فرماتے ہیں۔ اور محمدؐ بہترین انبیاء اور ہم بہترین اوصیاء ہیں صفوان عرض کرتے ہیں: میں آپ کے قربان آپ ہر شب جمعہ کو اس لئے آنحضرتؑ کی زیارت کرتے ہیں کہ پروردگار کی زیارت اور تجلیات کا درک کر سکیں؟

فرمایا: ہاں اے صفوان! اس زیارت کو التزام کے ساتھ بجالایا کرو تا کہ قبر حسینؑ کی زیارت تمہارے لئے نوشتہ تقدیر بن جائے اور یہ ہے فضیلت اور یہ ہے سرفرازی۔

(کامل الزیارات ۱۱۳/۱ ب ۳۸ ح ۴ بحار الانوار: ۱۰۱/۶۰ ب ۲۶ ح ۳۲)

(۴) عبداللہ بن سنان کا کہنا ہے۔ میں نے امام صادق علیہ السلام سے سنا کہ وہ فرماتے تھے: قبر حسین بن علی علیہ السلام بیس (۲۰) ذراع (ہاتھ) مربع جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے اور آسمان کی طرف فرشتوں کا عروج اس جگہ سے ہوتا ہے اور کوئی مقرب فرشتہ یا نبی مرسل نہیں مگر یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ سے قبر حسینؑ کی زیارت کی خواہش کرتا ہے۔ پس ایک گروہ نازل ہوتا ہے تو ایک گروہ اوپر چلا جاتا ہے۔

(کامل الزیارات ۱۱۲/۱ ح ۳ و ص ۱۱۴ ب ۳۹ ح ۴' بحار الانوار: ۱۰۱/۶۰)

(۵) امام رضا علیہ السلام اپنے پدر بزرگوار سے نقل فرماتے ہیں کہ امام صادق علیہ السلام نے فرمایا زیارت حسین علیہ السلام کے یا مکہ کے زائرین کی عمر میں زیارت کے عرصے کا حساب نہیں کیا جاتا۔ (کامل الزیارات ۱۳۶/ب ۵۱' بحار الانوار: ۱۰۱/۷۴ وسائل: ۱۴/۴۱۴ ب ۳۷ ح ۹)

(۶) موسیٰ بن جعفر علیہ السلام نے فرمایا: جو شخص امام حسین علیہ السلام کی زیارت کرے اور آپ کے حق کی معرفت حاصل کرلے تو خدا اس کے گزشتہ و آیندہ گناہوں کو بخش دیتا ہے۔

(کامل الزیارات ۱۳۸ ب ۵۴ ح ۱ تا ۱۵ اور عبارت میں تھوڑے سے تفاوت کے ساتھ' بحار الانوار: ۱۰۱/صفحہ ۲۱ تا ۲۶)

آیۃ اللہ جزائری مرحوم فرماتے ہیں: اخبار (احادیث) سے جو ظاہر ہوتا ہے وہ یہ ہے' کہ سید الشہداء پر گریہ گناہوں کے لکھے جا چکنے کے بعد ان کی مغفرت کا باعث بنتا ہے۔ لیکن آنحضرتؑ کی زیارت ان کے ثبت کرنے میں مانع ہے۔ اس اعتبار سے کہ جب لوح محفوظ میں معلوم ہے کہ کوئی شخص آنحضرت کی زیارت سے مشرف ہوگا تو اس لیے اس کے گناہ اصلاً ثبت نہیں کئے جاتے۔ چونکہ لوح میں محو و اثبات بھی تحریر ہے۔ چنانچہ جب وہ زیارت کے لیے جاتا ہے تو (یہ گناہ) مٹا دیئے جاتے ہیں۔ پس اس بیان سے معلوم ہوا کہ:

غَفَرَ اللّٰهُ لَهُ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَمَاتَاَخَّرَ

ثبت کیے جانے کا مطلب لوح محفوظ میں محو و اثبات ہے۔ (خصائص الزینبیہ/۶۱ خصیصہ ۱۹)

(۷) محمد بن مسلم امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپؑ نے فرمایا: اگر لوگوں کو زیارت قبر حسین علیہ السلام کی فضیلت کا علم ہو جائے تو وہ شوق اور حسرت کے ساتھ سے مر جائیں۔

میں نے عرض کیا: (زیارت قبر حسینؑ) کیا فضیلت رکھتی ہے؟ فرمایا: جو شخص ذوق و شوق کے ساتھ قبر حسین علیہ السلام پر جائے خدا اسے ہزار مقبول حجوں' ہزار عمروں اور بدر کے شہداء میں سے ہزار شہیدوں' ہزار روزوں ہزار صدقوں اور راہ خدا میں ہزار غلاموں کو آزاد کرنے کا ثواب عطا فرمائے گا اور اس سال میں وہ ہر بلا سے محفوظ رہے گا کہ جن میں سے آسان ترین شیطان ہے۔ اور اس کی حفاظت کے لئے دو بزرگوار فرشتے موکل

ہوں گے تا کہ اس کی ہر طرف سے حفاظت کریں۔

اگر وہ اس سال مرجائے تو اس کے غسل وکفن کے موقع پر رحمت کے فرشتے حاضر ہوں گے، جو اس کے لئے استغفار کریں گے اور استغفار پڑھتے ہوئے قبر تک اس کے جنازے کی تشییع اور ہمراہی کریں گے۔ اور جہاں تک نظر جائے گی اس کی قبر وہاں تک وسیع کردی جائے گی۔ اللہ اسے افشار قبر اور نکیر ومنکر کے خوف سے امان دے گا۔ اس کے لئے جنت کا دروازہ کھل جائے گا اور اس کی کتاب (صحیفہ اعمال) اس کے داہنے ہاتھ میں دی جائے گی۔

اور روز قیامت اس کو وہ نور عطا ہوگا جو مشرق ومغرب کے مابین کو روشن کردے گا اور منادی ندا کرے گا: یہ وہ شخص ہے جس نے شوق کے ساتھ قبر حسینؑ کی زیارت کی تھی۔ پس قیامت میں کوئی شخص ایسا نہیں ہوگا جو قبر حسین کا زوار ہونے کی خواہش نہ کرے۔

(کامل الزیارات ۱۴۲/۱ب ۵۶ ح ۳ بحارالانوار: ۱۰۱/۱۸ وسائل: ۱۴/۴۵۲/۱۱ ب ۴۵ ح ۱۸)

(۸) زید شحام کا کہنا ہے: میں نے امام صادق علیہ السلام سے عرض کیا: جو شخص (قبر) حسینؑ کی زیارت کرے اس کا صلہ کیا ہے؟ فرمایا: وہ اس شخص کی طرح ہے جس نے عرش پر خدا کی زیارت کی ہو۔

میں نے عرض کیا جو شخص آپؑ میں سے کسی ایک (امامؑ کی) زیارت کرے اس کا صلہ کیا ہے؟ فرمایا: اس شخص کی مانند ہے جس نے رسول خداؐ کی زیارت کی ہو۔

(کامل الزیارات ۱۵۰/۱ب ۶۰ ح ۴)

(۹) ابو بصیر امام صادق علیہ السلام سے اور ابو حمزہ امام سجاد علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ ان دونوں ہستیوں نے فرمایا: جو شخص یہ محبوب رکھتا ہو کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء اس کے ساتھ مصافحہ کریں تو اسے نیمہ شعبان میں قبر حسین علیہ السلام کی زیارت کرنا چاہیے۔ جب ارواح انبیاء اللہ سے زیارت (حسینؑ) کی اجازت لیتی ہیں اور انہیں

اجازت دی جاتی ہے

ان پیغمبروں میں پانچ اولوالعزم پیغمبر بھی شامل ہیں۔

ہم نے عرض کیا: وہ کون کون سے ہیں؟ فرمایا: حضرت نوح' ابراہیم' موسیٰ' عیسیٰ اور محمد علیہم السلام۔

ہم نے عرض کیا: اولوالعزم کے معنی کیا ہیں؟ فرمایا: جو تمام خلائق ،بشمول مشرق سے لے کر مغرب تک زمین پر رہنے والے جنوں اور انسانوں، پر غالب ہوں۔

(کامل الزیارات ۱۷۹/ اب ۲۷ ح ۲' بحار الانوار: ۱۰۱/ ۹۳ ب ۳ ح ۲' ۳' ۴)

(۱۰) محمد بن مسلم امام باقر علیہ السلام سے نقل کرتے ہیں کہ آپؑ نے فرمایا: ہمارے شیعوں میں سے جو شخص قبر حسین علیہ السلام کی زیارت کے لئے نہ جائے اس کا ایمان اور دین ناقص ہے اور اگر وہ بہشت میں داخل ہو بھی گیا تو مومنین کے نچلے سے نچلے درجے میں ہوگا۔

(کامل الزیارات ۱۹۳ ب ۷۸ ح ۱' بحار الانوار: ۱۰۱/ ۴ ب ۱۸ ح ۱۳ و ۱۴)

(۱۱) امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: جو شخص خود کو ہمارے شیعوں میں سے خیال کرے اور قبر حسین علیہ السلام کی زیارت کے لئے نہ جائے اور مر جائے وہ ہمارے شیعوں میں سے نہیں ہے، اور وہ بہشت میں داخل ہو بھی جاتا ہے تو اہل بہشت کا مہمان ہوگا۔

(کامل الزیارات / ۱۹۳ ح ۳' بحار الانوار: ۱۰۱/ ۴ ح ۱۵)

(۱۲) ہارون بن خارجہ کا کہنا ہے میں نے امام صادق علیہ السلام سے اس شخص کا حال پوچھا جو کسی وجہ کے بغیر قبر حسین علیہ السلام کی زیارت کو ترک کرے؟ فرمایا: وہ اہل آتش میں سے ہے۔

(کامل الزیارات / ۱۹۳ ح ۵' بحار الانوار: ۱۰۱/ ۵ ح ۱۷)

(۱۳) محمد بن احمد کا بیان ہے: میرا ایک ہمسایہ تھا جس کا نام علی بن محمد تھا اس نے کہا: میں ہر مہینے قبر (حسین علیہ السلام) کی زیارت کے لئے جایا کرتا تھا۔ یہاں تک کہ میری عمر زیادہ ہوگئی اور میں کمزور و ناتواں ہوگیا۔ چنانچہ ایک عرصہ حضرت کی زیارت کو ترک کئے رکھا۔

ایک دن میں پیدل آپؑ کی زیارت کے لئے گیا۔ جب وہاں پہنچا تو سلام کر کے دو رکعت نماز پڑھی اور سو گیا۔

میں نے خواب میں امام حسین علیہ السلام کو دیکھا کہ آپ اپنی قبر اطہر سے باہر تشریف لائے اور مجھ سے فرمایا: اے علی! تم تو نیک اور فرماں بردار شخص تھے۔تم نے مجھ پر جفا کیوں کی؟ میں نے عرض کیا: اے میرے آقا! میرا جسم کمزور ہو گیا ہے پاؤں ضعف کا شکار ہیں اور مجھے محسوس ہوتا ہے کہ عمر کے آخری ایام میں ہوں۔ میں نے آپ سے روایت کی گئی ایک حدیث سن رکھی ہے میری خواہش ہے کہ آپ حضورؑ سے بذات خود سنوں۔آپؑ نے فرمایا: کہو! میں نے عرض کیا: آپ سے روایت کی گئی ہے کہ آپؑ نے فرمایا: جو شخص اپنی زندگی میں میری زیارت کرے اس کے مرنے کے بعد میں بھی اس کی زیارت کے لئے آؤں گا۔فرمایا: ہاں اسی طرح ہے اور اگر اسے آتش جہنم میں پاؤں گا تو وہاں سے نکال لوں گا۔(بحار الانوار:۱۰۱/۱۶)

(۱۴) امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: جو شخص روز عرفہ قبر حسین علیہ السلام کی زیارت کرے اللہ تعالیٰ اس کے لئے حضرت قائم عجل اللہ تعالیٰ فرج الشریف کے ساتھ ادا کئے گئے ایک ملین حج، رسول خداؐ کے ساتھ کئے گئے ایک ملین عمروں، ایک ملین غلاموں کو آزاد کرنے اور ایک ملین گھوڑے راہ خدا میں جہاد کے لئے بھیجنے کا ثواب لکھے گا، اور اللہ اسے اپنا صدیق بندہ کہے گا جو کہ اس کے وعدے پر ایمان لایا۔اور فرشتے کہتے ہیں یہ فلاں صدیق ہے کہ جسے خدا نے عرش کے اوپر پاک فرمایا اور زمین میں کروبی کا نام دیا گیا۔

(کامل الزیارات/۱۷۲باب ۷۵ ح ۱۰، بحار الانوار، ۱۰۱/ ۸۸ ح ۱۸، ۱۹)

(۱۵) ابو بصیر حضرت امام باقر اور امام صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے سنا آپؑ فرماتے تھے:

جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کا ٹھکانہ بہشت میں بنے وہ مظلومؑ کی زیارت کو ترک نہ کرے۔

میں نے عرض کیا: وہ مظلوم کون سی ہستی ہے؟

فرمایا: کیا تو مظلوم کونہیں پہچانتا؟

اَلْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ صَاحِبُ كَرْبَلَا .

''وہ امام حسینؑ صاحب کربلا ہیں''

جو شخص ذوق وشوق اور رسول خداؐ حضرت فاطمہ زہراؑ اور امیر المومنینؑ سے محبت و دوستی کے نقطۂ نظر سے آپؑ (حسینؑ) کی زیارت کے لئے آئے تو اللہ تعالیٰ اس کو بہشت کے دسترخوانوں پر بٹھائے گا اور جب لوگ حساب کتاب دے رہے ہوں گے وہ بہشتی کھانے کھا رہا ہوگا۔

(کامل الزیارات /۱۳۷ باب ۵۲ ح ۲ 'بحار الانوار: ۱۰۱/۶۶ ح ۵۵ ص ۷۶)

مرحوم شوستری فرماتے ہیں: آنحضرتؐ کے زائر کا مقام اس قدر ہے کہ اسے کہیں گے: تو بھی کوثر پلانے والوں میں سے بن جا' خود سیراب ہو اور دوسروں کو بھی سیراب کر۔ (مجالس المواعظ /۲۳۱ مجلس ۳)

امام حسینؑ کی زیارت کے فوائد

آنحضرتؑ کی زیارت کی فضیلت میں وارد ہونے والی روایات سے رجوع کرنے سے حسب ذیل فوائد سمجھ میں آتے ہیں۔ اگرچہ اس کے تمام آثار وفوائد حیطہ بیان میں نہیں آ سکتے' چونکہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اگر لوگ اس کی فضیلت کو سمجھ لیں تو اشتیاق سے مرجائیں۔

(۱) (زیارت قبر حسینؑ) روزی کو بڑھاتی ہے اور فقر کا خاتمہ کرتی ہے (کامل الزیارات ۱۵۰ اب ۶۱)

(۲) زیارت کرنے والا گناہوں سے پاک ہوجاتا ہے، اکثر احادیث میں ہے کہ اس کے گزشتہ اور آئندہ گناہ بخش دیئے جاتے ہیں اور بعض روایات میں ہے کہ وہ اس نومولود کی طرح ہوجاتا ہے جو دنیا میں تازہ وارد ہو، اور اس کا کوئی گناہ باقی نہیں رہتا۔

(کامل الزیارات ۱۵۲ اب ۶۲ وص ۱۴۴ اب ۵۷ ح ۲ وص ۱۴۵ اب ۵۷ ح ۵ وص ۱۳۸ اب ۵۴)

(۳) زائر کی نیکیاں بڑھ جاتی ہیں۔ (کامل الزیارات ۱۳۳ اب ۴۹ ح ۳ وص ۱۵۲ اب ۶۲ ح ۳)

(۴) (زیارت حسینؑ) بہشت میں داخل ہونے کا سبب ہوگی' بلکہ زائر دوسروں سے چالیس سال پہلے بہشت میں جائے گا، جب کہ (دوسرے) تمام لوگ اپنا اپنا حساب دینے میں مصروف ہوں گے۔ (کامل الزیارات ۱۳۷ اب ۵۳)

(۵) اس کے درجات بلند ہوجائیں گے۔ (کامل الزیارات ۱۲۸ اب ۴۶ ح ۴)

(۶) اس کی دعائیں مستجاب اور حاجتیں پوری ہوں گی۔ (کامل الزیارات ۱۴۶ اب ۵۷ ح ۷)

(۷) آتش دوزخ سے رہائی ملے گی۔ (کامل الزیارات ۱۴۵ اب ۵۷ ج ۷)

(۸) زائر کی دوسروں کے حق میں شفاعت قبول ہوگی بعض روایات میں ہے: اس کی شفاعت

سوافراد کے حق میں قبول ہوگی جو سب آگ کے مستحق ہوں گے اور دنیا میں مسرفین میں سے تھے۔ (کامل الزیارات/۱۶۵ ب ۶۸)

(۹) روز قیامت ہر شخص یہ آرزو کرے گا کہ میں زائرین حسینؑ میں سے ہو جاؤں، جب وہ ان (زائرین) کے لئے خدائے متعال کی کرامت کا مشاہدہ کرے گا۔

(کامل الزیارات/۱۳۵ ب ۵۰)

(۱۰) ہزار حج اور عمرہ کا ثواب اسے دیا جائے گا اور بعض احادیث میں لاکھ (حج و عمرہ کا ثواب) مذکور ہے، اور بعض روایات میں ہے: ہر قدم پر (اتنا ثواب ہوگا)

(کامل الزیارات/۱۶۴ ب ۶۶ ح ۱۰ و ص ۱۴۵ ب ۵۷ ح ۳ و ص ۱۴۴ ح ۱)

(۱۱) اسے راہ خدا میں جہاد کا ثواب ہوگا اور بعض روایات میں شہدائے بدر میں سے ہزار شہید کا ثواب اس کے لئے لکھا جائے گا۔ (کامل الزیارات/۱۴۲ ب ۵۶ ح ۳)

(۱۲) اسے ہزار روزہ داروں کا ثواب دیا جائے گا۔ (کامل الزیارات/۱۴۲ ب ۵۶ ح ۳)

(۱۳) عمر کو لمبا کر دیا جاتا ہے اور اس کی کوتاہیوں سے صرف نظر کیا جاتا ہے۔

(کامل الزیارات/۱۵۰ ب ۶۱)

(۱۴) اس کا جان و مال محفوظ رہتا ہے۔ (بحار الانوار: ۱۰۱/ ۴۶ ح ۸)

(۱۵) اس کی پریشانیاں دور ہو جاتی ہیں۔ (کامل الزیارات/ ۱۶۷ ب ۶۹)

(۱۶) زیارت پر خرچ ہونے والی رقم کے بدلے میں اللہ اسے ہزار ہا گنا مال عطا کرتا ہے۔

(کامل الزیارات ۱۲۸ ب ۴۶)

(۱۷) ستر ہزار فرشتے اس کی قبر کے نزدیک نماز میں مشغول رہتے ہیں کہ جس میں سے ہر نماز کا ثواب بنی آدم کی نمازوں میں سے ہزار نماز کے برابر ہے، اور ان تمام نمازوں کا ثواب آنحضرتؐ کی قبر کے زوار کے لئے ہے۔ (کامل الزیارات/۱۲۱ ب ۴۲)

(۱۸) ملائکہ اس کے لئے دعائے مغفرت کرتے ہیں اور بخشش طلب کرتے ہیں، اور اس کی واپسی کے وقت اس کی مشایعت کرتے ہیں۔ اگر وہ فوت ہو جائے تو اس کے جنازہ کی

تشییع کرتے ہیں، اس کے غسل وکفن میں حاضر ہوتے اور اس پر نماز پڑھتے ہیں۔

(کامل الزیارات ۱۱۸/ب ۴۱ وص ۱۸۹ ب ۷۷)

اور ان (فرشتوں) کی تسبیح و تقدیس کا ثواب اس (زوار) کو دیا جاتا ہے اور (فرشتے) اس کے راہ زیارت میں اٹھنے والے ہر قدم پر دعا کرتے ہیں۔

(کامل الزیارات ۲۰۷/ب ۷۹ ضمن ح ۵ بحارالانوار: ۱۶۴/۱۰۱)

(۱۹) جنت میں پیغمبر اکرمؐ اور ان کے اہل بیتؑ کا ہم صحبت اور ہمسایہ ہوگا اور ان کے جوار رحمت میں رہے گا، اوران کے ساتھ ایک ہی برتن میں کھائے پیئے گا۔

زیارت (حسینؑ) سے رسول اللہؐ اوران کے خاندان کے ساتھ صلہ رحمی کرے گا اور بغیر کسی عذر کے زیارت نہ کرنے والا ان ہستیوں کی طرف سے عاق ہو جائے گا۔

زیارت کرنے سے اہل بیتؑ سے اس کی محبت میں اضافہ ہوگا اوران کی دعاؤں میں شامل ہو جائے گا۔

(کامل الزیارات ۱۵۳/ب ۶۲ وص ۱۴۱ ب ۵۵ وص ۱۳۶ ب ۵۶ وص ۱۳۸ ب ۳۶ ح ۶)

(۲۰) ہزار صدقہ کا ثواب اس کے نامہ عمل میں لکھا جائے گا۔

(کامل الزیارات ۱۴۲/ب ۵۶ ح ۳)

(۲۱) خداوند قدوس حاملان عرش اور ملائکہ مقربین کے سامنے اس پر فخر ومباہات کرتا ہے۔

(کامل الزیارات ۱۶۳ ضمن ح ۵)

(۲۲) اسے راہ خدا میں ہزار غلام آزاد کرنے کا ثواب دیا جاتا ہے۔

(کامل الزیارات ۱۶۴/ب ۶۷ ح ۱)

(۲۳) خداوند کریم اس پر نظر (کرم) فرماتا ہے اور بعض روایات میں ہے وہ ایسا ہے کہ جیسے اس نے عرش پر خدا کی زیارت کی ہو، یعنی زائر حق تعالیٰ کا انتہائی قرب حاصل کر لیتا ہے۔

(کامل الزیارات ۱۴۷/ب ۵۹)

(۲۴) ہر عمل منقطع ہو جاتا ہے چاہے اس کا ثواب کسی قدر بھی ہو، مگر زیارت امام حسین علیہ السلام فرشتوں کے توسط سے روز قیامت تک دوام رکھتی ہے۔

(کامل الزیارات ۱۹۰/ب ۷۷ ح ۴ وص ۲۰۷ اشک روان ۲۹۱/)

(۲۵) ہر غمگین رنجیدہ خاطر اور دردمند جو آنحضرتؑ کی قبر کے نزدیک دعا کرتا ہے اور آپؑ سے توسل کرتا ہے اس کے رنج وغم دور ہو جاتے ہیں، مرض سے شفا پاتا ہے اور اس کی حاجت پوری ہو جاتی ہے۔ (کامل الزیارات ۱۶۷/ب ۶۹)

(۲۶) اگر زائر شقی ہے تو سعید ہو جائے گا۔ (کامل الزیارات ۱۶۴/ب ۶۶ ح ۱۰ وص ۱۴۴ ب ۵۷ ح ۳)

(۲۷) زائر کروبیین میں سے سمجھا جاتا ہے۔ (کامل الزیارات ۲/۱۷ ب ۷ ح ۱۰)

(۲۸) آنحضرتؑ کا زائر خدا اور رسول کا زائر ہے۔ (کامل الزیارات ۱۴۹/ب ۶۰ وص ۱۴۷ ب ۵۹)

(۲۹) کثیر روایات میں ہے کہ رسول خداؐ نے فرمایا: جو شخص میرے حسینؑ کی زیارت کرے میں روز قیامت اس سے ملاقات کرنے کا ضامن ہوں اور اسے (قیامت کے) خوف و شدائد سے نجات دلاؤں گا۔

(کامل الزیارات ۱۱/ب ۱ اور خصائص میں ہے کہ اس ضمن میں ۱۵ روایات ہیں اشک رواں ۲۸۳/)

(۳۰) زائر کا ایمان کامل ہو جاتا ہے اور زیارت کو ترک کرنے سے نقص ایمان واقع ہوتا ہے بلکہ اس کا تارک شیعوں میں محسوب نہیں ہوگا۔ (کامل الزیارات ۱۹۳/ب ۷۸)

(۳۱) تمام اہل بہشت آنحضرتؑ کے زائرین کے مہمان ہیں کیونکہ جن اشخاص نے زیارت نہ کی اگر وہ بہشت میں چلے بھی جائیں تو بہشت کے مالک نہیں ہوں گے بلکہ دوسروں کے مہمان ہوں گے اور ان کا رتبہ دوسروں سے کم تر ہوگا۔ (کامل الزیارات ۱۹۳/ح ۱ تا ۳)

(۳۲) ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاءؑ اس (زائر) سے مصافحہ کریں گے۔ (کامل الزیارات ۹۱/ب ۷۲ ح ۲)

(۳۳) فشار قبر اور عذاب قبر سے رہائی پائے گا۔ (کامل الزیارات ۱۴۲/ب ۵۶ ح ۳)

(۳۴) زائر قیامت کے خوف و وحشت سے امان پائے گا اور اس کا نامہ عمل اس کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا۔ (کامل الزیارات ۱۴۲/ب ۵۶ ح ۱ و ۳ وص ۱۲۵ ب ۴۵)

(۳۵) ایک سال تک ہر بلا اور آفت سے امان میں رہے گا اور ملائکہ شش جہات سے اس کی نگہبانی کریں گے۔ (کامل الزیارت ۱۴۳/ب ۵۶ ح ۳)

(۳۶) زیارت کا عرصہ زائر کی عمر میں محسوب نہیں ہوتا۔ (کامل الزیارات/۱۳۶باب ۵۱)

(۳۷) آنحضرتؑ کی زیارت تمام اعمال سے افضل ہے۔ (کامل الزیارات/۱۴۶باب ۵۸)

(۳۸) مکرمین میں سے ہو جائے گا اور حضرت امام حسین علیہ السلام کے پرچم کے نیچے جگہ پائے گا: (کامل الزیارات/۱۴۳باب ۵۶ح ۴)

(۳۹) علی بن محمد خواب میں سید الشہداءؑ کی خدمت میں عرض کرتے ہیں: آپ سے روایت شدہ ایک حدیث کو بذات خود سننے کی خواہش رکھتا ہو۔آپ نے فرمایا: کہو: عرض کیا: آپ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: جوشخص اپنی زندگی میں میری زیارت کرے' مرنے کے بعد میں اس کی زیارت کروں گا۔ امام نے فرمایا: ہاں اسی طرح ہے، اور اگر اسے جہنم کی آگ میں پاؤں گا تو نکال لوں گا۔ (بحارالانوار: ۱۰۱/۱۶)

(۴۰) آپ کی زیارت نہیں کرتے مگر صدیقین۔ (کامل الزیارات/۱۰۷ب ۳۲ح ۴)

اور بہت سے دیگر فوائد ہیں جن کو اختصار کے پیش نظر تحریر نہیں کیا جارہا۔ جیسا کہ اس سے پہلے ہم کہہ چکے ہیں کہ تمام آثار وفوائد بیان نہیں کئے جاسکتے۔ کیونکہ لوگوں کی قابلیت اور ظرفیت مختلف ہوتی ہے اور تمام لوگ ان مسائل کے متحمل ہونے کی طاقت نہیں رکھتے۔

زیارت کے کچھ آداب اور شرائط ہیں، جو کہ احادیث میں مذکور ہیں اور بزرگوں نے انہیں اپنی کتابوں میں تحریر کیا ہے،اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ خلوص نیت ہو اور بہتر ہے کہ زائر زیارت سے پہلے انہیں بغور سمجھ لے۔ (مفاتیح الجنان اور دیگر کتب سے رجوع فرمائیں)

صلہ زیارت میں کمی بیشی کا راز

احادیث میں وارد ہونے والے ثواب زیارت میں اختلاف کے اسباب وعلل کو جاننے کے لئے مختلف پہلوؤں کو سمجھنا ضروری ہے جن میں سے کچھ حسب ذیل ہیں۔

(۱) زائرین کے درجات میں اختلاف' مثلاً ان کی قوت ایمان یا ضعف ایمان' خدائے

متعال اور آئمہ اطہارؑ کا پیمانہ معرفت اور دیگر فضائل جیسے تقویٰ وعلم وغیرہ کے سبب ایک زائر کو تو ایک ہی حج وعمرہ کا ثواب ملتا ہے جب کہ دوسرے کو بیس حج وعمرہ اور بعض کو ہزار حج وعمرہ کا ثواب عطا کیا جاتا ہے۔

(۲) کبھی ان (زائرین) کے اخلاص میں اختلاف کے باعث ایسا ہوتا ہے کہ جو (زائر) زیادہ اخلاص کا حامل ہو اسے زیادہ ثواب وفضیلت عطا ہوتے ہیں۔

(۳) تکلیف سفر وغیرہ کے سبب...... کہ جو دور دراز سے چل کر آئے، تکلیف اٹھائے اور زیادہ رنج ومحن برداشت کرے اسے زیادہ ثواب ملتا ہے۔

(۴) ایام ولیالی (دنوں اور راتوں) میں اختلاف کے نقطہ ءنظر سے' مثلاً جمعہ کی رات اور نیمہ ءشعبان کی رات دوسری راتوں سے فضیلت میں فرق رکھتی ہیں۔ یا پھر روز عرفہ کہ جو سب ایام سے متفاوت ہے' یہ مسائل متعدد احادیث میں بیان ہوئے ہیں۔

(۵) آداب زیارت کی رعایت سے۔

علاوہ ازیں دیگر پہلو بھی ہیں جو احادیث سے رجوع کرنے پر واضح ہوتے ہیں۔

زیارت (قبر) حسینؑ سے مربوط چند داستانیں

(۱) مرحوم علامہ نوری اپنے استاد عالم بزرگوار مرزا خلیل تہرانی سے اور وہ استاد کل وحید بہبہانی کے شاگردوں میں سے معروف فاضل مولا محمد کاظم ہزار جریبی سے نقل کرتے ہیں: ایک دن میں کربلائے معلّی کی مسجد کے پائین صحن مقدس میں استاد کی مجلس درس میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک زوار وہاں آیا اور ایک تھیلی سامنے رکھتے ہوئے بولا: یہ زنانہ زیورات ہیں آپ جیسے چاہیں انہیں خرچ کریں۔

استاد نے فرمایا: وقوعہ کیا ہے؟ اس نے کہا: یہ ایک عجیب داستان ہے' میں فلاں شہر کا رہنے والا ہوں، تجارت کے سلسلے میں میں روس کے ایک شہر میں گیا ہوا تھا۔ وہاں کثیر دولت میرے ہاتھ لگی۔ ایک روز میری نظر ایک خوبصورت لڑکی پر پڑی میں بے اختیار

اس پر عاشق ہوگیا اور اس کے وارثوں کے پاس جا کر اس کی خواستگاری کی۔

انہوں نے کہا: ہمیں اس لڑکی سے تمہاری شادی کرنے میں کوئی بات مانع نہیں سوائے مذہب کے' اگر تم عیسائی ہو جاؤ تو ہم اس لڑکی کی شادی تم سے کر دیتے ہیں۔

میں غصے سے باہر نکل آیا اور چند روز صبر کیا۔ لیکن اس لڑکی سے میرا عشق روز بروز بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ میں نے تجارت سے ہاتھ کھینچ لیا اور اس قدر حواس باختہ ہوا کہ ہلاکت کو قبول کرلیا اور خود سے کہا: ظاہراً نصرانی ہو جاتا ہوں۔

اس سوچ کے پیش نظر نصرانی ہوگیا اور اس لڑکی سے شادی کر لی۔ لیکن چند دن گزرے تو شہوت کی آگ سرد پڑ گئی اور میں اپنے کئے پر بہت پشیمان ہوا، اور خود کو بہت سرزنش کی۔

نہ وطن ہی واپس جانے کی طاقت تھی اور نہ خود کو نصرانیت پر راضی کر سکتا تھا۔ میرا سینہ تنگ ہوگیا۔ تعلیمات اسلامی میں سے مجھے کچھ یاد نہ رہا۔ لیکن لطف خدا سے وسیلہ الٰہی' سالار شہیداں' امام حسین علیہ السلام کی گہری یاد میں ڈوب گیا اور اپنی نجات کا واحد ذریعہ آنحضرتؑ پر گریہ کرنے میں جانا۔ یہ فکر مجھ میں قوت پکڑ گئی اور آپؑ سے شدید محبت پیدا ہوگئی۔ کئی دنوں تک ایک کونے میں بیٹھا، زانوئے غم بغل میں لئے آپؑ کے مصائب کو زبان پر لاتا تھا اور گریہ وزاری کرتا تھا۔

میری بیوی میری یہ حالت دیکھ کر متعجب ہوتی اور مجھ سے گریہ کا سبب پوچھتی' آخر کار میں نے خدا پر بھروسہ کرتے ہوئے اسے کہہ ہی دیا کہ میں ابھی مذہب اسلام پر باقی ہوں اور میرا رونا امام حسین علیہ السلام کے لئے ہے۔

جونہی اس نے آنحضرتؑ کا اسم گرامی سنا، نور ایمان اس کے دل میں ظاہر ہوگیا' کفر کی تاریکیاں دور ہوگئیں، اور اس نے اسلام قبول کرلیا۔

یہاں تک کہ ہم نے مصمم ارادہ کرلیا کہ ہم چپکے سے اپنا مال ومتاع اٹھاتے ہیں اور کربلائے معلیٰ پہنچ کر اپنے قبول اسلام کا اظہار کرتے ہیں اور قبر حسینؑ کی

زیارت میں زندگی بسر کرتے ہیں۔لیکن نہایت افسوس کہ میری بیوی بیمار پڑ گئی، اور اس دنیا سے رحلت کر گئی۔

اس کے رشتہ دار اور نزدیکی جمع ہوئے اور عیسائیوں کے طریقے پر تجہیز کر کے اسے تمام زیور سمیت دفن کر دیا۔

میرا حزن و غم اور بڑھ گیا اور میں نے خود سے کہا: رات ہوتی ہے تو میں اس کا جسد نکالتا ہوں اور کربلا لے جا کر وہاں دفن کرتا ہوں۔ جب رات ہوگئی تو میں نے اس کی قبر کو شگافتہ کیا تو دیکھا کہ وہاں پر ایک بڑی بڑی مونچھوں والے بے ریش شخص کا جنازہ پڑا ہوا ہے۔ میں بہت حیران ہوا اور اس کے سبب سے بے خبر، پریشان خاطر گھر لوٹ آیا۔

خراب حالت میں میں نے دیکھا کہ کوئی کہہ رہا ہے: دل خوش رکھو کہ تمہاری بیوی کو ملائکہ نے کربلا میں منتقل کر دیا ہے اور صحن مقدس میں پائین پا کی طرف منارۂ کاشی کے نزدیک دفن کر دیا ہے، اور یہ فلاں بادیہ نشین کا جسد ہے جس کو آج وہاں دفن کیا گیا ہے۔اس کو تمہاری بیوی کی جگہ پر (فرشتے) یہاں لے آئے ہیں۔

میں خوشی خوشی کربلا چلا آیا ہوں اور خدائے متعال نے مجھے آنحضرتؑ کی زیارت کی توفیق عطا فرمائی ہے۔میں نے صحن مقدس کے خدام سے پوچھا کہ فلاں روز مینار کے پاس کس کو دفن کیا گیا ہے؟ انہوں نے کہا: فلاں بادیہ نشین کو۔ میں نے ان کے سامنے اپنا قصہ بیان کیا پس قبر کو کھودا گیا۔ جب میں قبر میں داخل ہوا تو میں نے دیکھا کہ میری بیوی بالکل اسی طرح قبر میں سوئی ہوئی ہے جس طرح اسے اپنے شہر میں سپرد خاک کیا گیا تھا۔ میں نے اس کے زیورات اتار لئے ہیں جو آپ کو پیش کرر ہا ہوں۔

مرحوم بہبہانی نے یہ زیوارات قبول کئے اور کربلا کے فقراء میں تقسیم کر دیئے۔

(دارلسلام نوری: ۲/۱۶۲؛ منتخب التواریخ ۷۵۵)

(۴) عالم بزرگوار شیخ حسن فرید گلپا یگانی اور مرحوم آیت اللہ شیخ مرتضٰی حائری اور دیگر علماء، مرحوم آیت اللہ شیخ عبدالکریم حائری یزدی، مؤسس حوزۂ علمیہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: ہم آیۃ اللہ مرزا محمد تقی شیرازی مرحوم سے بالا خانہ میں درس خصوصی پڑھ رہے تھے۔ ہمارے دوسرے استاد آیت اللہ سید محمد فشارکی مرحوم نیچے سے اپنے دوست یعنی آیت اللہ مرزا محمد تقی کی آواز سن کر اوپر تشریف لائے۔ان دنوں اہل سامرا کسی دبائی بیماری میں مبتلا تھے اور ہر روز متعدد افراد اس بیماری سے مر رہے تھے۔

آیت اللہ فشارکی نے آیت اللہ مرزا مرحوم سے فرمایا: کیا آپ مجھے مجتہد اور عادل سمجھتے ہیں؟ انہوں نے جواباً فرمایا ہاں !فرمایا اگر میں کوئی حکم دوں تو کیا آپ اسے انجام دیں گے؟ فرمایا: ہاں ! فشارکی مرحوم نے فرمایا: میں حکم دیتا ہوں کہ سامرا کے شیعہ آج سے لے کر دس روز تک زیارت عاشورا پڑھیں اور اس کا ثواب حضرت حجت عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کی والدہ محترمہ نرجس خاتون کی روح اقدس کو ہدیہ کریں اور انہیں اپنے فرزند حضرت بقیۃ اللہ علیہ السلام کے نزدیک شفیع بنائیں تو میں ضمانت دیتا ہوں کہ جو شخص اس عمل کو انجام دے گا وہ اس وبا میں مبتلا نہ ہوگا۔

اہل مجلس نے یہ حکم تمام شیعوں کو پہنچایا، ہر شخص نے اس عمل کو انجام تو آئندہ روز شیعوں کی اموات متوقف ہوگئیں اور ان میں سے کسی کی موت واقع نہ ہوئی سوائے ایک پارہ دوز (موچی) مومن کے کہ جس کے بارے میں علم نہیں تھا کہ اس نے زیارت پڑھی یا نہیں پڑھی اور یہ بھی پتا نہیں تھا کہ اس وبا سے مرا ہے یا کسی اور وجہ سے جبکہ ہر روز متعدد سنی حضرات مرتے رہے اور کسی حد تک مفہوم واضح تھا کہ وہ شرمندگی کے باعث اپنے مردوں کو رات کے وقت دفن کرتے تھے اور حرم عسکریین علیہما السلام میں آ کر کہتے تھے:

اِنّا نُسَلِّمُ عَلَیْکَ مِثْلَ ما تُسَلِّمُ عَلَیْکَ اَلشِّیْعَۃ.

بنا بہ نقل دیگر: ان میں سے کچھ اپنے شیعہ دوستوں سے پوچھتے تھے کہ تم نے کیا عمل

انجام دیا ہے کہ جس کے سبب تم میں سے کوئی فوت نہیں ہوا؟ وہ جواب دیتے ہم زیارت عاشورا پڑھتے ہیں۔ہم اس میں مشغول ہوتے ہیں۔ بلا ہم سے ٹل جاتی ہے۔

(مجموعہ یادداشتہائی آیہ اللہ شیخ مرتضی حائری ۲۷، داستانھائی شگفت ۲۹۴/۱ داستان ۱۴۸ وطبع جامعہ مدرسین ۲۷۱/۱ داستان ۱۴۳ الکلام یجر الکلام: ۵۴/۱ ، سر دلبران ۸۸ ،زیارات عاشورا اور اس کے عجیب وغریب اثرات ۱۵/۱)

نگارندہ کہتا ہے: اس تجربہ سے ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ جو شخص بھی زیارت عاشورا کو اس طرح بجا لائے گا وہ اپنے مقصود اور حاجت کو پالے گا۔ اور بہت سے دوستوں نے اس کی انجام دہی سے اپنے مطلوب کو حاصل کیا ہے۔

(۳) فقیہ زاہد وعادل مرحوم شیخ جواد بن شیخ مشکور عرب کہ جو نجف اشرف کے اجل علماء میں سے تھے، اور تمام عراق کے شیعوں کے لئے مرجع تقلید اور صحن مطہر کے آئمہء جماعت میں سے تھے نے ۱۳۳۶ ہجری میں ۲۶ صفر کی رات کو خواب میں حضرت عزرائیل کو دیکھا۔سلام کے بعد آپ نے ان سے پوچھا: آپ کہاں سے آرہے ہیں؟ انہوں نے جواب میں فرمایا: میں شیراز سے آرہا ہوں وہاں میں نے میرزا ابراہیم محلاتی کی روح قبض کی ہے۔شیخ نے پوچھا: برزخ میں ان کی روح کس حال میں ہے؟ فرمایا: بہترین حالت میں برزخ کے بہترین باغات میں ہے، اور اللہ نے ہزار فرشتوں کو ان کا موکل بنا رکھا ہے جو ان کا حکم بجالاتے ہیں۔

شیخ نے پوچھا: وہ کس عمل کے سبب اس مقام پر پہنچے ہیں؟ کیا اپنے علمی مقام اور شاگردوں کی تعلیم وتربیت کے سبب؟ فرمایا: نہیں۔ پوچھا: آیا نماز باجماعت اور لوگوں کو (شرعی) احکام پہنچاتے کے سبب؟ فرمایا: نہیں۔

میں نے کہا: پھر کس لئے؟ فرمایا: زیارت عاشورا پڑھنے کی وجہ سے (میرزا محلاتی مرحوم نے اپنی عمر کے آخری تیس سال زیارت عاشورا کو کبھی ترک نہ کیا تھا، اور جس روز بوجہ بیماری یا بوجہ امر دیگر نہ پڑھ سکتے تھے اس کی نیابت کے لئے بعد میں پڑھتے تھے۔

شیخ مرحوم: آئندہ روز آیت اللہ میرزا محمد تقی شیرازی کے مکان پر گئے اور انہیں اپنا خواب سنایا۔

میرزا محمد تقی شیرازی مرحوم گریہ کرنے لگے' ان سے گریہ کا سبب پوچھا گیا تو فرمایا: میرزا محلاتی (یقیناً) اس دنیا سے تشریف لے جا چکے ہیں۔ آپ فقہ کے ستون تھے۔

لوگوں نے ان سے کہا: شیخ نے خواب دیکھا ہے اور اس کی واقعیت کا علم نہیں۔

میرزا نے فرمایا: اگر چہ خواب ہے مگر شیخ مشکور کا خواب ہے، نہ کہ کسی خوابوں کے شہزادے کا اس سے ایک روز بعد میرزا محلاتی کی وفات کا ٹیلی گرام شیراز سے نجف اشرف پہنچا اور شیخ مرحوم کے خواب کی صحت آشکارا ہوگئی۔

اس داستان کو نجف اشرف کے تمام فضلاء نے آیت اللہ سید عبدالہادی شیرازی مرحوم سے نقل کیا ہے (جو شیخ مرحوم کے میرزا محمد تقی کے مکان پر پہنچنے اور اپنا خواب سنانے کے وقت موجود تھے)، اور آیت اللہ محلاتی مرحوم کے فرزند دانش مند گرامی جناب حاج صدر الدین محلاتی نے بھی شیخ مذکور سے یہ داستان سنی۔

(عجیب وغریب داستانیں، داستانھای شگفت، چاپ اول ۳۶۹ داستان ۱۱۴ و چاپ جامعہ مدرسین ۱۹۶ داستان ۱۱۰)

(۵) استاد اشرف آہن گر کی داستان اور سید رشتی کی داستان جو بہت مشہور ہیں اور مرحوم محدث قمی قدس سرہ نے مفاتیح الجنان کے زیارت عاشورا اور زیارت جامعہ کے باب میں ان داستانوں کو نقل کیا ہے۔

(٦) علامہ نوری مرحوم نے عالم بزرگوار و متقی' معدن علم و فضل، شیخ المشائخ شیخ جواد سے اور وہ اپنے والد بزرگوار عالم متقی شیخ حسین نجفی سے نقل کرتے ہیں: ایک نصرانی بصرہ میں تجارت کرتا تھا، جب تجارت سے بہت سا منافع اس کے پاس آ گیا تو اس نے بصرہ کو اپنی سکونت اور تجارت کے لئے مناسب نہ جانا۔ اس کے ہم پیشہ اور دوست احباب نے بھی اسے لکھا کہ بغداد آ جاؤ کیونکہ بصرہ میں رہنا تمہارے لئے سزاوار نہیں ہے۔ اس نے اپنے ضروری مال و متاع کو سمیٹا اور بغداد کی جانب روانہ ہوا تا کہ اپنے کام کو فروغ

دے اور مزید ترقی کر سکے۔

راستے میں ڈاکوؤں نے اس پر حملہ کر دیا اور اس کے مال و متاع کو لوٹ لیا۔ بیچارا خالی تاجر ہاتھ اور پیادہ پا' بادیہ نشینوں کے ایک طائفے میں پہنچا اور ان کے پا بطور مہمان ٹھہرا۔ وہ اس قبیلہ سے تھوڑا تھوڑا مانوس ہوگیا۔ وہ جہاں بھی نقل مکانی کرتے وہ ساتھ رہتا، نیز ان کے ہمراہ کھیتی باڑی کے کام میں بھی ہاتھ بٹانے لگا۔

ایک مدت کے بعد اس نے خود سے کہا: شاید میں ان لوگوں پر بوجھ ہوں! ایک دن اس نے اپنے اس اندیشے کا اظہار اپنے رفقاء سے کیا: توانہوں نے کہا: مطمئن رہو تم ہم پر بوجھ نہیں ہو کیونکہ مہمانوں کے خورد ونوش کے لیے بجٹ معین ہے اور تمہارے ہونے یا نہ ہونے سے اس میں کوئی تبدیلی نہیں آئے گی لہٰذا بے فکر رہو۔

ان میں سے اکثر نے آئمہ علیہم السلام کی زیارت کا ارادہ کیا اور زادِ سفر کے طور پر کچھ گندم اور کھجوریں مہیا کیں۔ اس نصرانی کو بھی زیارت کا شوق پیدا ہوگیا اور اس نے کہا: میں یہاں تنہا خستہ حالی میں پڑا رہوں گا، اگر کوئی چیز مانع نہ ہو تو مجھے بھی اپنے ہمراہ لیتے چلو تاکہ میں تمہارے لئے مددگار ثابت ہوسکوں۔

چنانچہ وہ اس نصرانی کو اپنے ہمراہ لے آئے۔ وہ ان سے کھاتا پیتا اور ان کے سامان کی حفاظت کرتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ نجف اشرف پہنچ گئے اور وہاں کی زیارت کرنے کے بعد کربلا کی جانب عازم سفر ہوئے۔

جب وہ کربلا پہنچے تو یہ عاشورۂ محرم کے دن تھے، کربلا ماتم اور گریہ ونوحہ کے شور سے پر تھا۔ انہوں نے صحن مقدس کے ایک کونے میں قیام کیا اور اپنا سامان نصرانی کے پاس رکھ کر اسے کہا: تم یہاں ہی بیٹھنا ہم ظہر کے بعد تمہارے پاس پہنچ جائیں گے۔

عاشور کی رات کو نصرانی ایک جگہ پر لیٹا ہوا تھا۔ جب رات کا کچھ حصہ گزر گیا تو

اس نے تین محترم ہستیوں کو حرم سے نکلتے ہوئے دیکھا۔ ان میں سے ایک نے دوسروں سے فرمایا: جو زائرین اس شہر میں زیارت کے لئے آئے ہوئے ہیں ان کے ناموں کو مخصوص دفتر میں لکھ لو۔

دو اشخاص چلے گئے اور کافی دیر کے بعد واپس آ کر ناموں کی فہرست اس ہستی کے سامنے رکھی۔ آقا نے اس دفتر پر نگاہ کی اور فرمایا: ابھی کچھ زائرین کے نام باقی ہیں۔

وہ دوبارہ گئے اور واپس آ کر کہا: اب کوئی باقی نہیں رہا۔

تیسری بار وہ ہر جگہ گھوم کر پلٹے اور کہا: اب کسی کا اندراج باقی نہیں رہا سوائے اس نصرانی کے فرمایا: تم نے اس کا نام کیوں نہیں لکھا؟

اَلَیْسَ قَدْ حَلَّ بِسَا حَتِنَا.

کیا وہ ہمارے حرم میں وارد نہیں ہوا؟

پس وہ نصرانی کفر کی نیند سے جاگ اٹھا اور ایمان کا نور اس کے دل میں چمکنے لگا اور خدا نے دنیوی مال کے بدلے میں اسے اخروی نعمتوں سے مالا مال کر دیا۔

نوری مرحوم نے اس داستان کے بعد اس کی مثل ایک اور داستان بھی نقل کی ہے

(دارلسلام: ۲/ ۱۴۴)

(۷) اور فاضل صالح شیخ حسن مازندرانی سے بھی منقول ہے کہ میں شیخ الفقہاء صاحب جواہر کی مجلس بحث میں شریک تھا، آپ نے فرمایا: کل رات میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ بہت بڑی مجلس برپا ہے، بہت سے علماء موجود ہیں اور دربان ایستادہ ہیں۔ میں نے اجازت لی اور (مجلس میں) داخل ہوا' میں نے دیکھا کہ تمام گزشتہ علماء تشریف فرما ہیں اور صدر مجلس میں علامہ مجلسیؒ بیٹھے ہوئے ہیں۔

میں نے اس بات پر تعجب کیا کہ یہ (علامہ مجلسیؒ) سب پر مقدم ہیں؟! میں نے نگہبانوں سے اس کی وجہ پوچھی تو انہوں نے کہا: علامہ مجلسیؒ آئمہ علیہم السلام کے

نزدیک باب للآ ئمہ مشہور ہیں اور یہ مقام و منزلت اس وجہ سے ہے کہ آپ نے زائرین کے لیے چاؤش (رہنماؤں) کا اہتمام کیا۔

مرحوم نوری فرماتے ہیں چاؤش کے رواج پانے کے بعد لوگوں میں آئمہ علیہم السلام کی زیارت کی تشویق اور ترغیب ہوئی، اور ممکن ہے کہ اس سے آپ کی تالیفات مراد ہوں جو احادیث و آثار اہل بیتؑ کی نشر و اشاعت کا سبب بنیں اور لوگوں کو خاندان عصمت کا راستہ معلوم ہوا۔ (دارلسلام: ۲/۲۴۴)

(۸) یزد کے ایک بزرگ شیخ علی اکبر سعیدی مرحوم نقل کرتے ہیں۔ ایک زرتشی لڑکی نے اسلام قبول کیا اور حاج ابو القاسم بلور فروش مرحوم سے شادی کی۔ بیس سال کا عرصہ گزر گیا لیکن اس کے ہاں کوئی اولاد پیدا نہ ہوئی اسے تجویز پیش کی گئی کہ زیارت عاشورا پڑھو۔ یہ عورت مسلمان ہوگئی اور اس نے چالیس دن زیارت عاشور کو صد لعن اور دعائے علقمہ کے ساتھ پڑھا۔ خدا نے اسے اولاد نرینہ عطا کی۔

(۹) آیت اللہ شیخ علی اکبر نہاوندی مرحوم نقل کرتے ہیں کہ سید جلیل سید احمد اصفہانی، جو خوشنویس کے نام سے مشہور تھے، ہمارے لئے تحریر فرماتے ہیں کہ میں جمعہ کے روز مسجد سہلہ کے حجرے میں بیٹھا ہوا تھا' ناگاہ ایک بزرگوار اور معمم (عمامہ پہننے والے) سید وہاں تشریف لائے۔ انہوں نے حجرہ میں موجود ایک فرش اور چند کتب اور برتنوں پر نگاہ ڈالی اور فرمایا: حاجب دنیا کی کفایت کے لئے تم ہر روز صبح کے وقت امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کی نیابت میں زیارت عاشور پڑھا کرو، میں تمہاری ہر ماہ روزی کی کفایت کی ذمہ داری لیتا ہوں کہ تم کسی کے محتاج نہیں ہوگے۔ پھر انہوں نے مجھے کچھ رقم دی اور کہا: یہ رہا تمہارا ایک ماہ کا خرچ اور خود مسجد کی طرف چلے گئے۔

میں (شرم سے) زمین پر گر گیا اور میری زبان گنگ ہوگئی، میں اپنی خواہش کے مطابق نہ بات کر سکتا تھا اور نہ ہی مجھ میں اٹھنے کی سکت تھی۔ جب وہ چلے گئے تو میں باہر نکلا، یوں محسوس ہوتا تھا کہ گویا میں کسی آہنی قید سے آزاد ہوا ہوں۔

چنانچہ میں اٹھا اور مسجد سے باہر نکل کر (ادھر ادھر) دیکھا لیکن باوجود جستجو کے اس ہستی کو نہ پایا۔ (عبقری الحسان: ۱۱۳/۱)

(۱۰) سلیمان اعمش سے منقول ہے کہ اس نے کہا: میرا ایک ہمسایہ تھا جس کے گھر میرا آنا جانا تھا، شب جمعہ کو میں اس کے پاس گیا اور امام حسینؑ کی زیارت کے متعلق پوچھا۔ اس شخص نے کہا: یہ بدعت ہے اور ہر بدعتی گمراہ ہے اور ہر گمراہ کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

سلیمان کا کہنا ہے: میں غصے میں اس کے پاس سے اٹھ آیا اور اپنے آپ سے کہا صبح اس کے پاس جاؤں گا اور اسے امام حسین علیہ السلام کے فضائل سے آگاہ کروں گا۔ اگر اس نے اپنے عناد پر اصرار کیا تو اسے قتل کر دوں گا۔

صبح کے وقت میں اس کی تلاش میں نکلا، اس کے دروازے پر دستک دی اور اس کا نام لے کر صدا دی۔ اس کی بیوی نے کہا: میرا شوہر امام حسین علیہ السلام کی زیارت کے لئے گیا ہوا ہے

سلیمان کا کہنا ہے: میں (بھی) اس کے پیچھے آنحضرتؑ کی زیارت کے لئے چلا گیا۔ جب حرم میں داخل ہوا تو میں نے دیکھا کہ وہ سجدہ کی حالت میں گریہ کر رہا ہے اور توبہ واستغفار میں مشغول ہے۔ کافی دیر کے بعد اس نے سجدے سے سر اٹھایا تو میں نے اسے کہا: کل رات تو تم امام حسین علیہ السلام کی زیارت کے منکر تھے اور اسے بدعت سمجھتے تھے' اب خود زیارت کے لئے آئے ہوئے ہو؟ اس نے جواب میں کہا: سلیمان! مجھے ملامت نہ کرو، کل رات تک میں نے آئمہ اطہارؑ کو قبول ہی نہیں کیا تھا۔ لیکن (رات) میں نے ایک خواب دیکھا ہے جس کی وجہ سے میں وحشت زدہ ہو گیا ہوں۔

میں نے درمیانے قد و قامت کے ایک جلیل القدر شخص کو دیکھا کہ جس کے رعب عظمت کے سبب مجھے اس کے جلال و جمال اور کمال کی تعریف کی قدرت نہیں۔ میں نے دیکھا کہ لوگوں کا ایک گروہ اس کے اردگرد موجود تھا اور اس کے پاس

ایک اور ہستی تشریف فرما تھی کہ جس کے سر پر ایک تاج تھا۔

میں نے ایک خادم سے پوچھا: یہ کون ہستیاں ہیں؟ اس نے کہا: یہ محمد مصطفیٰ ہیں اور دوسرے ان کے وصی علی مرتضیٰ ہیں۔ میں نے غور سے دیکھا تو ایک نوری ناقہ زمین و آسمان کے درمیان حرکت میں تھا۔ میں نے دیکھا کہ اس پر ایک نوری ہودج تھا اور اس پر دو خواتین تشریف فرما تھیں۔

میں نے پوچھا: یہ ناقہ کس کا ہے؟ اس نے کہا خدیجہ کبریٰ اور فاطمہ زہراؑ کا۔ میں نے پوچھا: یہ جوان کون ہے؟ جواب ملا حسن ابن علی ہیں۔ میں نے پوچھا: یہ کہاں جا رہے ہیں؟ جواب ملا: یہ سید الشہداء حسین ابن علیؑ کی زیارت کے لئے جا رہے ہیں، جو کربلا میں حالت مظلومیت میں شہید کر دیئے گئے۔ اس وقت میں نے چاہا کہ اس (نوری) ہودج کی طرف بڑھوں جس میں حضرت فاطمہؑ سوار تھیں میں نے دیکھا کہ آسمان سے کچھ رقعے نیچے گر رہے ہیں۔

میں نے پوچھا: یہ رقعے کیسے ہیں؟ جواب ملا: ان رقعوں میں تحریر ہے:

أَمَانٌ مِنَ اللّٰهِ لِزُوَّارِ الْحُسَيْنِ لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ.

''شب جمعہ میں امام حسین علیہ السلام کے زائرین کے لئے امان ہے''

میں نے بھی ان رقعوں میں سے ایک رقعہ لینے کی درخواست کی۔ جواب ملا: تو تو کہتا ہے کہ زیارت بدعت ہے، تمہیں یہ رقعہ نہیں مل سکتا جب تک کہ تو اس ہستی کے فضل و شرف کا معتقد نہیں ہو جاتا اور اس کی زیارت کے لئے نہیں جاتا۔ اچانک ایک ہاتف نے ندا دی: آگاہ ہو جاؤ کہ ہم اور ہمارے شیعہ بہشت کے درجہ عالیہ میں ہوں گے۔

پس میں خوف و وحشت کے سبب بیدار ہو گیا اور اسی لمحے اپنے سید و سردار حسین علیہ السلام کی زیارت کا ارادہ کر لیا، اور اب میں اللہ رب العزت سے (اپنے کہے کی) معافی مانگ رہا ہوں۔ سلیمان! خدا کی قسم میں جب تک زندہ رہا

آنحضرتؑ کی زیارت ترک نہیں کروں گا۔

(دارالسلام: ۲۴۵/۱۱، نجم الثاقب ۲۷۷/۱، مزار ابن المشهدی اور منتخب طریحی سے نقل کیا گیا ہے، بحارالانوار: ۵۸/۱۰۱، مزار کبیر سے منقول ہے)

(۱۱) الحاج علی بغدادی کی داستان شرف میں اس طرح روایت ہے .... سیدنا! ہمیں ایک مسئلہ درپیش ہے۔ فرمایا: پوچھئے میں نے کہا: امام حسین علیہ السلام کے تعزیہ خوان پڑھتے ہیں کہ سلیمان اعمش کے پاس ایک آدمی آیا اور سید الشہداءؑ کی زیارت کے متعلق پوچھا تو اس نے کہا: یہ بدعت ہے۔ پس اس نے خواب میں زمین و آسمان کے درمیان ایک ہودج دیکھا۔ اس نے سوال کیا کہ اس ہودج میں کون ہے؟ اسے جواب ملا حضرت فاطمہ زہراؑ اور حضرت خدیجہ کبریٰؑ ہیں۔

اس نے پوچھا: یہ کہاں جا رہے ہیں؟ کہنے لگے:

زیارت امام حسین علیہ السلام کے لئے کیونکہ آج شب جمعہ ہے، اور اس نے کچھ رقعے دیکھے جو ہودج سے نیچے گرائے جا رہے تھے اور ان پر تحریر تھا:

أَمَانٌ مِنَ النَّارِ لِزُوَّارِ الْحُسَيْنِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِيْ لَيْلَةِ الْجُمُعَةِ أَمَانٌ مِنَ النَّارِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

کیا یہ حدیث صحیح ہے؟ فرمایا: ہاں سچی اور مکمل ہے۔

میں نے کہا: سیدنا! کیا یہ بھی صحیح کہ جو کہا جاتا ہے: جس شخص نے شب جمعہ کو حسین علیہ السلام کی زیارت کی اس کے لئے امان ہے؟ فرمایا: ہاں اللہ کی قسم (صحیح ہے) اور آپؑ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور آپؑ رونے لگے۔

(مفاتیح الجنان، نجم الثاقب ۲۴۷، مرحوم نوری نے بذات خود بغیر کسی واسطہ کے حاج علی بغدادی سے نقل کیا ہے۔ مرحوم آیت اللہ اراکی نے قم میں جمعہ کی نماز میں (یہ روایت) اپنے استاد مرحوم آیۃ اللہ شیخ عبدالکریم حائری مؤسس حوزۂ قم سے نقل کی ہے اور انہوں نے تین معتبر واسطوں سے حاج علی بغدادی سے نقل فرمائی ہے۔)

(۱۲) استاد ملا عبدالحمید قزوینی مرحوم کہتے ہیں: اپنی طویل مدت کی مجاورت کے دوران میں امام حسینؑ کی زیارت مخصوصہ باقاعدگی سے بجا لاتا رہا مگر جن دنوں میں نے مسجد سہلہ

میں چالیس راتیں چلہ کاٹنے کا ارادہ کیا،

اتفاقاً ایک روز میں کربلا جانے کے ارادے سے باہر نکلا۔ جب وادی السلام کی بلندی پر پہنچا تو میں نے مجمع اعیان کو دیکھا کہ ایک آقا زادے کی مشایعت کے لئے باہر نکلے ہوئے ہیں۔ پس انہوں نے اسے کمال احترام سے کجاوے میں سوار کیا، اس کے کان میں دعائے سفر پڑھی، چند قدم اس کے ہمراہ چلے اور اسے ملازموں اور لوازم سفر کے ساتھ روانہ کیا۔

جب میں نے یہ دیکھا اور پھر اپنی ذلت سفر کا مشاہدہ کیا تو میں ملول اور شرمسار ہوا اور ارادہ کیا کہ آئندہ اس طرح ذلت وخواری کے ساتھ زیارت کے لئے نہیں جاؤں گا۔ میں واپس آیا تو میرا یہی ارادہ تھا کہ اتنے میں زیارت مخصوصہ کا وقت آ پہنچا، طالب علموں میں سے چند ایک نے خواہش کی کہ میں ان کے ہمراہ زیارت کے لئے جاؤں۔ میں نے قبول نہ کیا اور کہا: میرے پاس وہاں مسافر خانے میں ٹھہرنے کے لئے کرایہ بھی نہیں ہے اور میں پیدل بھی جانا نہیں چاہتا۔ انہوں نے کہا: تم ہمیشہ پیدل ہی جایا کرتے تھے! میں نے کہا: اب نہیں جاؤں گا وہ کہنے لگے: اس وقت جب کہ ہم نے پیدل جانے کا ارادہ کرلیا ہے تو تم بھی ہمارے ساتھ چلو کہ ہم جانے سے باز نہیں آئیں گے۔ اس کے بعد تم جانو اور تمہارا کام۔

نہایت اصرار کے بعد ہم نے توشہ راہ خریدا اور روانہ ہوگئے آئندہ روز روز زیارت تھا۔ صبح کے وقت ہم باہر نکلے تا کہ نماز ظہر "کارواں سرائے شور" میں پڑھ سکیں اور رات کو کربلا پہنچ جائیں۔ یہ کارواں سرائے خستہ حال تھی اور ہوا بھی گرم تھی، اس کے علاوہ وہاں چوری چکاری کا بھی خطرہ تھا۔

کھانا کھانے کے بعد ہم سوگئے۔ میں اپنے ہمراہیوں سے جلدی جاگ اٹھا اور آفتابہ اٹھا کر وضو کے لئے گیا۔ وضو کے دوران جب میں مسح کرنے میں مشغول

تھا، میں نے ایک شخص کو دیکھا جو عربی لباس پہنے پیادہ پا کاروان سرائے میں داخل ہوا اور تیزی سے میری طرف بڑھا۔ مجھے گمان ہوا کہ یہ چور ہے لیکن میں خوف زدہ نہ ہوا کہ میرے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔

وہ میرے نزدیک پہنچا اور میری طرف متوجہ ہو کر بولا: ملا عبدالحمید قزوینی تم ہی ہو ؟ جب اس نے کسی سابقہ آشنائی کے بغیر میرا نام لیا تو میں تعجب سے بولا: ہاں !میں ہی ہوں اس نے کہا: تمہی نے کہا تھا کہ میں آئندہ ذلت وخواری سے نہیں جاؤں گا ؟ میں نے کہا: ہاں !اس نے کہا: تم تیار ہو جاؤ کہ تمہارے آقا ابولفضل عباسؑ اور حضرت علیؑ بن الحسینؑ تمہارے استقبال کے لئے آئے ہیں تا کہ تم اپنی قدر کو جان سکو اور اس بے اعتبار دنیا کے زرق برق سے افسردہ اور غمگین نہ ہو۔

جب میں نے اس کی بات سنی تو مات ومبہوت ہو گیا کہ یہ کیا کہہ رہا ہے؟ اچانک دو سوار اسی شکل وصورت کے، جن کے بارے میں میں نے سنا تھا اور کتب احادیث ومقتل میں پڑھ رکھا تھا، جنگی اسلحہ سے لیس کاروان سرائے میں داخل ہوئے۔ حضرت ابوالفضل عباسؑ آگے آگے تھے اور ان کے پیچھے پیچھے حضرت علی اکبرؑ تھے۔ جب میں نے دیکھا تو بے اختیار چبوترے سے نیچے اترا اور دوڑتا ہوا ان کے گھوڑوں کے پاؤں میں گر کر ان کو چوما اور پھر ان کے گھوڑوں کے اردگرد گھوم کر ان کے زانو، رکابیں اور پاؤں چومنے لگا۔

میں نے خود سے کہا: زہے نصیب !میں اپنے رفقاء کو بیدار کرنے لگا تا کہ وہ بھی حیدر کرارؑ کے ان دو بیٹوں کی خدمت میں پہنچ سکیں۔ میں جلدی جلدی ان کے پاس پہنچا اور ان میں سے ایک کو ہاتھ سے ہلاتے ہوئے کہا: ملا محمد جعفر! اٹھئے کہ حضرت عباسؑ اور علیؑ اکبر استقبال کے لئے آئے ہیں، چلو ان سے شرف باریابی حاصل کریں۔

ملا جعفر نے جب یہ بات سنی تو کہنے لگا: اخوند کیا کہہ رہے ہو۔؟ شیخی بگھارتے

ہو! میں نے کہا: نہیں' اللہ کی قسم میں سچ کہہ رہا ہوں۔ آؤ دیکھو وہ تشریف فرما ہیں۔
جب اس نے میرا اصرار اس حد تک دیکھا تو سمجھ گیا کہ کوئی بات ہے، وہ اٹھا اور
جب ہم وہاں پہنچے تو کسی کو بھی نہ پایا۔ ہم کارواں سرائے سے باہر نکل آئے۔
اطراف صحرا ہموار میں ہم نے بڑی دور تک ادھر ادھر دیکھا لیکن اس پیادہ اور
دونوں سواروں کے آثار و غبار دور تک نہ تھے۔ پس ہم متاسف و حیران واپس
چلے آئے۔

میں نے اپنے سابقہ ارادے سے توبہ کی اور عزم مصمم کیا کہ اس مظلومؑ کی زیارت
کو ہرگز ترک نہیں کروں گا، اگرچہ ظاہراً یہ ذلت و زحمت ہی کیوں نہ لگے۔

(دارالسلام عراقی ۱/۲۲۸ ساتویں واقعہ کا خلاصہ)

(۱۳) میرے استاد بزرگوار دام ظلہ الوارف نقل فرماتے ہیں: میں نجف اشرف میں آقائے سید
حسین شاہرودی رحمتہ اللہ علیہ کے مکان پر ٹھہرا ہوا تھا انہوں نے فرمایا:

میں شیخ علی زاہد قدس سرہ (جو کہ بزرگان نجف میں سے تھے اور اپنے زہد و تقوی کے
سبب ممتاز تھے، اور ان کی عدالت سب کے لئے مسلمہ تھی) کے ہمراہ مسجد سہلہ سے
پیدل واپس آ رہا تھا۔ ایک عربی نے ہم کو روکا اور شیخ علی زاہد سے پوچھا: یا شیخ! کیا
یہ صحیح ہے کہ جو شخص چالیس راتیں مسجد سہلہ میں آئے وہ حضرت مہدی اروا احنافداہ
کی خدمت میں شرف باریابی حاصل کرتا ہے؟ آپ نے فرمایا: اس میں کوئی شک نہیں
اس نے پوچھا: کیا آپ نے حضرتؑ سے ملاقات کا شرف حاصل کیا ہے؟

فرمایا: مجھے چالیس راتیں مسجد (سہلہ) میں آنے کی توفیق نہیں ہوئی اس نے
عرض کیا کیوں؟ فرمایا: چونکہ مجھے بعض راتوں کو حضرت ابا عبداللہ الحسینؑ کی
زیارت کے لئے کربلا جانا ہوتا ہے اور اس طرح مسجد (سہلہ) جانے کا عمل ترک
ہو جاتا ہے کہنے لگا: چالیس راتوں کی تکمیل کے لئے امام حسینؑ کی زیارت کو
ترک کر دیں، کربلا تو ایسی جگہ (بھی) نہیں ہے کہ جہاں جانے کی خواہش کی

جائے۔شیخ علی زاہد نے فرمایا: میں تمہارے لئے ایک واقعہ نقل کرتا ہوں تا کہ تم جان سکو کہ میں زیارت امام حسینؑ کو ترک نہ کرنے کا حق رکھتا ہوں۔

فرمایا: نجف اشرف میں ایک متدین ومحترم شخص رہتا تھا۔آخری عمر میں اس نے اپنی تمام جائیداد فروخت کردی اور کربلا کو مسکن بنالیا۔ہم نے اس سے کہا: سب لوگ خواہش رکھتے ہیں کہ نجف اشرف میں مریں لیکن تو کربلا آ گیا ہے! اس نے کہا: امیر المومنین (علی) علیہ السلام کی دستگاہ صرف مرد ہی قبول کرتے ہیں (یعنی صالح اور پاک کردار لوگ کہ جو دنیا سے علاقہ نہیں رکھتے اور گناہوں سے آلودہ نہیں ہوتے بارگاہ علی علیہ السلام میں جاتے ہیں۔لیکن بارگاہ حسینؑ میں سب کو قبول کرلیا جاتا ہے خواہ وہ متقی ہوں یا فاسق' حتیٰ کہ یہود ونصاریٰ تک بھی اوسع الہٰی کے اس دروازے میں سے گزر سکتے ہیں۔

مختصراً وہ شخص کربلا میں فوت ہوگیا اور وہیں دفن ہوا۔اس کی تدفین کی رات کچھ لوگوں نے اسے خواب میں دیکھا کہ وہ کہہ رہا تھا:

جب مجھے قبر میں رکھا گیا تو نکیرین سوالات کے لئے آ پہنچے، وہ میرے اعمال کے بارے میں ایک دوسرے سے بحث کرنے لگے:

انہوں نے میری نمازوں سے شروع کیا، لیکن ان کی قبولیت میں اشکال کیا گیا۔اور میں سمجھتا ہوں کہ وہ سچے تھے کہ (میری نمازیں) خدا کے لئے نہیں تھیں جب میری نماز رد ہوگئی تو میں مایوس ہوگیا۔بعد میں اسی طرح مجھے تمام اعمال کا خدشہ تھا کہ قبول نہیں ہوئے۔پھر بات ان اعمال تک پہنچی جو امام حسین علیہ السلام سے مربوط تھے۔کہا گیا: یہ کربلا کی زیارت کے لئے گیا۔انہوں نے بغیر کسی اعتراض کے قبول کیا۔مجلس روضہ (خوانی) میں شرکت کی تھی؟ قبول کی۔ فلاں مجلس عزاء میں عزاداروں کی خدمت کی تھی۔قبول کی اور اسی طرح ....

میں قبر میں جذباتی ہوگیا اور کہا: اے فرشتگان خدا! میرے سب اعمال میرے لئے

کیوں نہیں۔

باقی کوئی چیز کس لئے قبول نہیں ہوئی اوران میں سے کوئی چیز رد کیوں نہیں ہوئی !

انہوں نے مجھ سے کہا: ''خاموش ہو جاؤ کہ ہم بارگاہ حسینی میں تحقیق کی جرات نہیں رکھتے ہیں، ہم صرف ظاہر پر مامور ہیں''

اس کے بعد شیخ علی زاہد نے فرمایا: کیا اب میں حق رکھتا ہوں کہ زیارت امام حسینؑ کو ترک نہ کروں؟ اس عرب نے کہا: ہاں حق تمہارے ساتھ ہے۔

(۱۴) آیۃ اللہ علامہ امینی قدس سرہ مولف کتاب ''الغدیر'' کے فرزند ارجمند آقائے ڈاکٹر محمد ہادی امینی لکھتے ہیں:

اپنے والد بزرگوار کی وفات کے چار سال بعد سن ۱۳۹۴ ہجری قمری کو صبح جمعہ کی اذان سے پہلے میں نے انہیں خواب میں خوش وخرم دیکھا۔ میں آگے بڑھا اور سلام ودست بوسی کے بعد عرض کیا: وہاں آپ کی سعادت ونجات کا باعث کون سا امر بنا؟

کہنے لگے: کیا کہہ سکتا ہوں؟ میں نے دوبارہ عرض کیا: آغا جان! جہاں آپ اقامت پذیر ہیں وہاں کون سا عمل آپ کی نجات کا موجب بنا؟ کیا کتاب الغدیر، یا آپ کی تمام تالیفات یا پھر کتاب خانہ کی تاسیس یا......؟

انہوں نے جواب دیا: میں نہیں جانتا تم کیا کہہ رہو، اپنی بات کی کچھ وضاحت کرو۔

میں نے کہا: آغا جان! اب جب کہ آپ ہمارے درمیان سے جا چکے ہیں اور دوسرے جہاں میں منتقل ہو چکے ہیں، جہاں آپ ہیں وہاں آپ کی سینکڑوں خدمات اور بڑے بڑے علمی ودینی اور مذہبی کارناموں میں سے کون سا عمل آپ کی نجات کا باعث بنا ہے؟

علامہ امینی مرحوم نے فکر وتامل کے بعد فرمایا: صرف زیارت امام حسینؑ۔

میں نے عرض کیا: آپ جانتے ہیں کہ ایران وعراق کے تعلقات نہایت ناگفتہ

بہ ہیں اور کربلا کا راستہ بند ہے اب میں کیا کروں؟

فرمایا: عزاداری امام حسین علیہ السلام میں جو مجالس و محافل برپا ہوں ان میں شرکت کرو، تمہیں امام حسین علیہ السلام کی زیارت کا ثواب مل جائے گا۔

پھر فرمایا: میرے بیٹے ! گزشتہ ایام میں بھی میں تمہیں بارہا یاد دلا چکا ہوں اور اب بھی نصیحت کرتا ہوں کہ زیارت عاشور کو کسی وقت اور کسی وجہ سے بھی ترک اور فراموش نہ کرنا۔ زیارت عاشورہ با قاعدگی کے ساتھ پڑھا کرو اور اسے وظیفہ بنا لو، یہ زیارت بہت زیادہ آثار و برکات اور فوائد کی حامل ہے اور دنیا و آخرت میں تمہاری نجات اور سعادت مندی کا باعث ہوگی۔ اور مجھے دعا میں یاد رکھنا۔

مرحوم آیت اللہ امینی کے فرزند ارجمند لکھتے ہیں: علامہ امینی تالیف و مطالعہ اور کتاب خانہ کی تعمیر و تنظیم کے کثیر مشاغل کے باوجود زیارت عاشور نہایت باقاعدگی سے پڑھتے تھے۔ اور اس کے پڑھنے کی سفارش کرتے تھے۔ (زیارت عاشورا و آثار شگفت/ ۵۱ داستان ۲۴)

(۱۵) آیت اللہ حاج سید مرتضٰی موحد ابطحی کہتے ہیں: داستان تمبا کو میں علمائے ایران کی کوششوں کی ناکامی کے بعد ہم نے آقائے منیر بروجرد ی کو ایک خط لکھ کر دیا کہ جب وہ سامرا جائیں تو مرزا محمد حسن شیرازی کو پہنچا دیں۔ جب وہ سامرا پہنچے تو حاج فتح علی سلطان آبادی جو کہ مرزا حسن نوری کے استاد اور کتاب ''الکلمۃ الطیبۃ فی الا نفاق'' کے مولف تھے، ان سے ملنے کے لئے آئے۔ حاج آقا منیر نے چائے پیش کی تو فرمانے لگے: نہ ہی بھوک ہے کہ کچھ کھاؤں اور نہ پیاس کہ کچھ پیوں۔ پھر ان سے فرمایا: میں جانتا ہوں کہ آپ سامرا کس لئے آئے ہیں اور پھر میرزا کے لئے لکھا گیا خط پڑھنا شروع کر دیا۔

اس کے بعد حاج آقا منیر نے حاج ملا فتح علی سے نصیحت کی درخواست کی۔

انہوں نے فرمایا: تین عمل مت چھوڑنا۔

اول! آغازِ ماہ کی نماز

دوم !دفن کی رات کی نماز ، کہ جب بھی تمہیں اطلاع ملے کہ کوئی (مومن) مرگیا ہےتو اس کے لئے لیلۃ الدفن کی نماز پڑھا کرو۔

سوم: زیارت عاشورا باقاعدگی سے پڑھا کرو۔

حاج آقا منیر نے جب زیارت عاشور میں مداومت شروع کی تو وہ عاشور کے دس دنوں میں شہدائے کربلا میں سے ہر ایک کے لئے زیارت عاشور پڑھتے اور مجالس میں شریک رہتے اور اگر مجلس میں سجدۂ زیارت تک پہنچتے تو وہیں سجدہ اور نماز زیارت بجالاتے۔

ان کے داماد آقائے حاج میرزا محمد باقر کہتے ہیں: مرحوم حاج آقا منیر سکرات موت کی حالت میں بھی زیارت عاشورا میں مشغول تھے۔کبھی زیارت کے وسط میں حالت سکرات کی وجہ سے وقفہ آجاتا تو حالت طبعی میں آنے کے بعد دوبارہ (زیارت) پڑھنا شروع کردیتے ،اور اسی حالت میں دعوت حق کو قبول کیا۔

(زیارت عاشورا وآثار شگفت آن/۵۳'داستان ۲۵)

حضرت امام حسینؑ اور قبول شہادت (۱)

جس وقت خداوند قدوس نے ازراہ محبت مخلوقات کے وجود اور قابلیات کو ذرات کی صورت میں خلق کیا تو ان سے خطاب فرمایا:

أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ. (سورۂ اعراف آیہ ۱۷۲)

کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟

ان تمام ذرات نے اپنے اپنے درجہ استعداد کے مطابق "بلیٰ" کہا، اور جو کچھ اپنے باطن میں رکھتے تھے اسے ظاہر کردیا، اور جو کچھ بھی انہوں نے مانگا انہیں عطا کردیا گیا

وَآتَاكُمْ مِنْ كُلِّ مَا سَأَلْتُمُوهُ. (سورۂ ابراہیم آیہ ۳۴)

"اور جو کچھ تم نے مانگا تمہیں عطا کردیا گیا"

اولین ہستی، جس نے تمام ذرات سے پہلے "بلیٰ" کہا وہ حقیت محمدیہ تھی چونکہ آپؐ اولین مخلوق خدا تھے اس وجہ سے آپؐ کے وجود مبارک ہی نے اس عالم میں سب سے پہلے ندائے لبیک کہی، لہٰذا اسی وجود مسعود نے غیب وشہود کے تمام عوالم میں سب موجودات پر سبقت حاصل کی۔

ایک شخص نے آپؐ کی خدمت میں عرض کیا: آپ کو کس وجہ سے تمام انبیاء پر فضیلت عطا کی گئی، حالانکہ آپ ان سب کے آخر میں مبعوث ہوئے ہیں؟ تو آپؐ نے فرمایا اس لئے کہ میں نے اجابت خدا میں سب پر سبقت کی۔

(۱) اس موضوع پر مزید تحقیق کی ضرورت ہے، خصوصاً عالم ذر پر، لہٰذا تذکرۃ الشہداء کی عبارت پر اکتفا کیا جارہا ہے۔

حضرت محمدؐ کے بعد حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ نے ندائے حق کے جواب میں ''بلی'' کہا۔ اس کے بعد تمام آل محمد علیہم السلام نے اپنے اپنے مراتب کے مطابق اور اس کے بعد تمام مخلوق یعنی ملائکہ اور جن و انس اور دیگر مخلوقات نے (ایسا کیا)۔

بعض کتب میں ہے چونکہ محمدؐ و آل محمدؐ نے ندائے حق کو قبول کرنے میں تمام مخلوق پر سبقت اختیار کی' اس لئے نور الٰہی نے ان کے تمام ذرات کو محیط کرلیا اور یہ نور ان کے غیب و شہود میں درخشندہ ہوگیا۔ اس وقت خداوند قدوس نے تمام مخلوق کو ان کی جلالت و بزرگی کی تصدیق کا مکلّف بنایا۔ خبیث لوگوں نے جب محمدؐ و آل محمدؐ کے اس مقام و مرتبہ کو دیکھا تو انہوں نے ان سے حسد کیا اور ان کی دشمنی اپنے دلوں میں بٹھالی۔ جیسا کہ حضرت باقر علیہ السلام اس آیہ مبارکہ کے ذیل میں:

أَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَاآتَاهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهِ .

''کیا لوگ اس لئے حسد کرتے ہیں کہ اللہ نے اپنے فضل سے ان کو عطا کیا ہے''

فرمایا: وہ ہم ہی ہیں جن سے لوگ حسد کرتے ہیں۔

چنانچہ اس حسد و عداوت کے ذریعے ظلمت پیدا ہوئی اور اس نے تمام عالم کو گھیر لیا۔ اس وقت منادی حق نے ندا کی کہ کوئی ہے جو اس ظلمت کو برطرف کرنے کی حامی بھرے اور وہ بھی مظلومیت اور مقہوریت سے نہ کہ قہر و غلبہ سے، یعنی شہادت کلیہ کے ساتھ؟

عرض کیا گیا: خدایا! شہادت کلیہ کیا ہے؟ فرمایا: وطن سے دوری اور مصائب برداشت کرنا' تشنہ لب قتل ہونا اور بیٹوں' بھائیوں اور ساتھیوں کو قتل ہوتے دیکھنا۔ دشمنوں سے گالیاں سننا اور مال و اسباب کے لٹنے نیز عورتوں اور بچوں کے اسیر ہوکر نامحرموں کے درمیان بازاروں میں پھرائے جانے پر رضا مند

ہونا۔ اوران امور پر بھی رضا مند ہونا کہ دشمن سر کو کاٹ کر شرابیوں کے مجمع میں طلائی طشت میں رکھ کر اسے خیزران کی چھڑی ماریں' بیٹیاں کنیزیں بنائی جائیں اور بہنوں کے سروں سے چادریں چھین لی جائیں۔ بچے تشنگی سے مرجائیں' چھ ماہ کی گردن پر تیر لگے' بھائی کے کٹے ہوئے ہاتھوں کو دیکھنا اور جوان کے سر کو شگافتہ مشاہدہ کرنا۔ بچوں کی اَلْعَطَش اَلْعَطَش کی آوازیں سننا اور خود اس امتحان دینے والے کا سر پس پشت سے بارہ ضربوں کے ساتھ جدا کیا جائے اور دشمن اس کے بدن کو برہنہ کر کے دھوپ میں پھینک دیں اور پھر اس پر گھوڑے دوڑائیں۔

جب اہل محشر نے اس تفسیر کو سنا تو لرز کر رہ گئے اور اس کو قبول کرنے سے بھاگ گئے اور خود کو یہ امتحان برداشت کرنے کے قابل نہ پایا۔ جیسا کہ ارشاد ہوا:

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَ مَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ اَنْ يَحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا . (سورہ احزاب آیہ ۷۲)

ہم نے اپنی امانت کو آسمانوں' زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کیا تو انہوں نے ان کو اٹھانے سے انکار کر دیا اور ڈر کر رہ گئے۔

امام محمد تقیؑ کی روایت کے مطابق: انہوں نے جواب نہ دیا' دوبارہ آواز دی گئی تو بھی کسی نے جواب نہ دیا۔ پھر تیسری دفعہ ندائے عظیم بلند ہوئی: کون ہے جو شہادت کلیہ کو قبول کرے تاکہ روز قیامت شفاعت کلیہ کا پرچم اس کے ہاتھ میں دیا جا سکے؟ امام حسین علیہ السلام نے عرض کیا: خدایا! میں اس امانت کا بوجھ اٹھاتا ہوں اور اس کام کو انجام دوں گا۔

ایک اور روایت کے مطابق آپؑ نے عرض کیا: میں یہ خریداری کرتا ہوں۔ ندا آئی اے حسینؑ!

بِمَ تَشْتَرِ يْهِمْ وَتَشْفَعُهُمْ وَتُعْتِقُهُمْ مِنَ النَّارِ ؟

''تم کس چیز سے یہ خریداری کرتے ہو اور کس طرح ان کی شفاعت کر کے انہیں آگ سے نجات دلاؤ گے؟

عرض کیا: ہر اس چیز سے جو تیرے نزدیک عزیز تر ہو۔ آواز آئی کہ میرے نزدیک جان سے عزیز کوئی شے نہیں ہے۔ عرض کیا: میں اپنی جان دیتا ہوں اور امت کو خریدتا ہوں۔

آواز آئی جان کے ساتھ ''مردوں'' کو خریدتے ہو، عورتوں کو کس سے خرید کرو گے؟ عرض کیا: اپنی عورتوں اور بیٹوں کو تیری راہ میں (وقف کئے) دیتا ہوں تا کہ لعین انہیں اسیر کر کے شہر بہ شہر پھرا سکیں۔

آواز آئی! ان کے جوانوں کو کس طرح خریدو گے؟ عرض کیا: اپنے جوان تیری راہ میں قربان ہونے کے لئے پیش کروں گا۔ آواز آئی: ان کے بچوں کو کس چیز سے خریدتے ہو؟ عرض کیا: اپنا شیر خوار بچہ دیتا ہوں تا کہ شقی اس کے پیاسے حلق پر تیر ماریں۔

پس رب الارباب نے اس بارے میں آپ سے عہد و پیمان لیا اور اس عہد کو ایک صحیفہ میں لکھ لیا گیا۔

پھر وہ صحیفہ رسول خداؐ کے ہاتھ میں دے دیا گیا، تا کہ ملاحظہ فرمالیں۔ جب پیغمبر اکرمؐ نے اس عہد نامے کا مطالعہ کیا تو آپؐ کا رنگ متغیر ہو گیا اور آپؐ کے چہرۂ انور پر حزن و ملال کے آثار ظاہر ہو گئے۔ آپؐ نے شدید گریہ کرتے ہوئے فرمایا: میں اس پر راضی ہوں، جس بات پر خدا ہم سے راضی ہے۔ میں اس مصیبت پر صبر کروں گا کیونکہ دین کی ترویج اور گناہ گاروں کی شفاعت اسی میں ہے۔ پھر اشک بار آنکھوں کے ساتھ اپنی خاتم مبارک سے اس عہد نامے پر مہر ثبت فرمادی۔

اس کے بعد یہ عہد نامہ آپؐ کے والد محترم علی علیہ السلام کی خدمت میں پیش کیا

گیا انہوں نے بھی گریہ کرتے ہوئے فرمایا:

مَالِیْ وَلآلِ اَبِیْ سُفْیَانِ ۔

''مجھے آل ابی سفیان سے کیا کام''

اور فرمایا' میں اس پر خوش ہوں جس پر اللہ اور اس کا رسولؐ راضی ہیں۔ آپ نے اس صحیفہ کو ملاحظہ فرمایا اور خاتم شریف سے اس پر مہر لگادی۔

جب یہ صحیفہ آپ کی والدۂ ماجدہ حضرت فاطمہؑ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو انہوں نے اس کے مضمون سے مطلع ہوکر شدید گریہ فرمایا اور بے ہوش ہوگئیں۔ اور جب ہوش میں آئیں تو پر سوز دل کے ساتھ نالہ بلند فرمایا: ''وَاوَلَدَاہُ وَاحُسَیْنَاہُ'' اور جب معلوم ہوا کہ اس مصیبت عظمیٰ کے بدلے میں ترویج دین اور شفاعت کبریٰ ہے تو فرمایا: میں ہر اس بات پر راضی ہوں جس پر اللہ، اس کا رسولؐ اور علیؑ راضی ہیں۔

جب اس صحیفے کو امام حسنؑ کے سامنے لایا گیا تو انہوں نے بھی گریہ فرمایا اور رضا مندی سے اپنی مہر ثبت فرمادی۔ پس تمام انبیاء' اوصیاء اور ملائکہ نے اس صحیفے پر مہریں لگادیں اور یہ مضمون ملکوتی دفتر میں ثبت کردیا گیا۔

اس وقت منادی حق نے ندادی: اے لوگو!

هٰذَا الْحُسَیْنُ بْنُ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْطَالِبْ، هُوَ حَبِیْبِیْ وَوَلِیِّ وَصَفْوَتِی وَوَدِیْعَتِی فِیْکُمْ ، اَحِبُّوْهُ وَاَعِزُّوْهُ وَلاٰ تُخَالِفُوْهُ وَلاٰ تُنْکِرُوْا عَلَیْهِ .

یہ حسینؑ ابن علیؑ ابن ابی طالبؑ ہے۔ یہ تمہارے درمیان میرا حبیب' ولی اور برگزیدہ ہے۔ اس سے محبت رکھو اور اس کو عزت و اکرام دو۔ اور اس کی مخالفت اور انکار مت کرو۔

سب سے پہلی ہستیاں جنہوں نے اس ندا کو قبول کیا وہ حضرات محمد و آل محمدؐ تھے اور ان کے بعد ان کے شیعہ اور دوست تھے۔ اسی لئے فرمان جاری ہوا: مومنوں کے دلوں میں (امام) حسینؑ کے لئے محبت پوشیدہ ہے۔

جب منافقوں نے امام حسینؑ کے لئے اس بلند منزلت و مقام کو دیکھا تو بغض و حسد کے سبب ان کی عداوت اور بڑھ گئی۔ اور انہوں نے آپے سے باہر ہو کر کہا: کیا یہ تکلیف یعنی حسینؑ کی محبت و اطاعت جبری و اضطراری ہے یا رغبت و اختیار پر مبنی؟

آواز آئی: ہم کسی کو اضطراراً تکلیف نہیں دیتے۔

فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ ۔

کون شخص چاہتا ہے کہ ایمان لائے اور کون شخص چاہتا ہے کہ کافر ہو جائے۔

کہنے لگے: اے پروردگار! ایسا کیوں نہ ہے؟ ہم نے تو رضا مندی کا اظہار نہیں کیا کہ حسینؑ کو ہم پر امیر اور حاکم بنا دیا جائے۔ اس بات پر ارکان وجود متزلزل ہو گئے اور ملائکہ، انبیاءؑ اور اولیاءؑ گریہ کرنے لگے۔ رنج و غم ان کے دلوں میں داخل ہو گیا اور انہیں سخت اذیت ہوئی۔

(تذکرۃ الشہداء ۴ تا ۷ مجلس اول)

رسول خداؐ کا امام حسینؑ کو چومنا

حضرت امام باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ: بچپن میں امام حسین علیہ السلام جب بھی رسول خداؐ کے پاس آتے ۔ وہ آپؑ کو اپنے پہلو میں بٹھاتے (اور جب حسینؑ بھاگنے لگتے) تو آپؐ حضرت علی سے فرماتے: (یا علیؑ!) میری خاطر اس پر نظر رکھو، پھر آپؑ کو پکڑ لیتے اور چومنے کے ساتھ ساتھ گریہ فرماتے:
(ایک دن اس مظلومؑ نے) کہا: نانا جان آپ (مجھے چومتے اور) روتے کیوں ہیں؟۔

حضرت نے فرمایا:

"یا بُنَیَّ اُقَبِّلُ مَوْضِعَ السُّیُوفِ مِنْکَ"

میرے بیٹے! میں دشمنوں کی تلواروں کے لگنے کی جگہوں کو چومتا ہوں۔

فرمایا: نانا جان کیا میں قتل کر دیا جاؤں گا؟ فرمایا ہاں خدا کی قسم تمہارے بابا اور بھائی سبھی قتل کئے جائیں گے۔

امام حسین علیہ السلام نے کہا: ہمارے مقام ہائے شہادت ایک دوسرے سے جدا جدا ہوں گے؟ حضورؐ نے فرمایا: ہاں میرے بیٹے۔ امام مظلومؑ نے کہا: آپ کی امت میں سے ہماری زیارت کے لئے کون آئے گا؟ رسول خداؐ نے فرمایا: میری امت کے صدیقوں کے علاوہ تمہارے بابا، بھائی اور خود تمہاری زیارت کے لئے کوئی نہیں آئے گا۔ (کامل الزیارات/۷۰ ب۲۲ ح۴)

مرحوم شوشتریؒ سید الشہداء کے ایام طفولیت کے تذکرہ میں فرماتے ہیں: پیغمبر

اکرمؐ نے اس مظلومؑ کو اپنی انگشت ابہام سے دودھ پلایا۔ آپ کی دیکھ بھال خود کی۔ اپنے دست مبارک سے لباس پہنایا اور اس مظلومؑ کو مخصوص طریقوں سے چوما۔ عام رسم یہ ہے کہ بچے کا منہ چوما جاتا ہے۔ لیکن رسول خداؐ سید الشہداءؑ کا بدن مبارک بھی چومتے تھے۔ گردن کے نیچے بوسے دیتے تھے اور آپؑ کے سینے کو ننگا کر کے خصوصاً دل کے اوپر سے چومتے تھے۔

لوگوں نے یہ سب دیکھ رکھا تھا، لہٰذا جب امام حسینؑ نے مکہ جانے کا ارادہ کیا تو عبداللہ بن عمر آئے اور کہا: اے ابا عبداللہ! میری خواہش ہے کہ آپ ان مقامات کو وا فرمائیں جن کو پیغمبر اکرمؐ چوما کرتے تھے۔ حضرتؑ نے اپنا لباس (کرتہ) اتارا اور عبداللہ نے آپ کی ناف مبارک کا بوسہ لیا۔

چومنے کا ایک انداز اور بھی تھا کہ پیغمبر اکرمؐ امیر المومنینؑ سے فرماتے: "یا علیؑ اَمسِکْہُ" جب سید الشہداء بچے تھے تو آپؑ بھاگنے لگتے، رسول خداؐ امیر المومنینؑ سے فرماتے: اسے پکڑو، اور پھر رسول خداؐ سرتاپا اس مظلومؑ کو چومتے اور گریہ فرماتے۔ امیر المومنینؑ عرض کرتے: آپؐ گریہ کیوں فرماتے ہیں؟ تو آپؐ فرماتے

اُقَبِّلُ مَوضِعَ السُّیُوفِ.

"میں تلواروں کی جگہ کو چومتا ہوں"

(رسول خدا کا حسینؑ مظلوم کو) چومنے کا ایک انداز یہ بھی تھا کہ جب آپ حسینؑ کو چومنا چاہتے تو حسینؑ ادھر ادھر بھاگنے لگتے۔ پیغمبر اکرمؐ باوجود صاحب وقار اور صاحب سکینہ ہونے کے (حسینؑ کے پیچھے) ادھر ادھر بھاگتے اور آپؑ کے ہونٹوں پر بوسہ دیتے اور کبھی ہونٹوں کو کھول کر دندان مبارک کو چومتے۔ حضورؐ کا اس طرح چومنا (کچھ) خصوصیات کا حامل تھا جنہیں بیان کر دیا گیا ہے۔

پیغمبر اکرمؐ کے جمہ ... میں سے ایک اس مظلوم کربلاؑ کی حفاظت کرنا بھی تھا۔

ایک روز سید الشہداءؑ مسجد میں زمین پر گر پڑے۔ رسول خداؐ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے، آپ نے خطبہ چھوڑ دیا اور لوگوں کی طرف منہ کر کے فرمایا: حیران نہ ہوں میں اسے (حسینؑ کو) اس حال میں نہیں دیکھ سکتا۔

ایک دن آپ نے سجدہ کو طول دے دیا۔ سلام نماز کے بعد آپ سے پوچھا گیا کہ آپ نے سجدہ کو طول کیوں دیا؟ تو آپ نے فرمایا: یہ بچہ (حسینؑ) میری پشت پر سوار تھا۔ میں اس لئے نہیں اٹھا مبادا کہ یہ گر جائے۔

(فوائد المشاہد ۳۴۶/)

..........۞..........

پانی پیتے وقت سید الشہداءؑ کو یاد کرنے کی فضیلت

حضرت سکینہؑ بنت امام حسینؑ فرماتی ہیں: جب میرے بابا جان شہید ہوگئے تو میں نے ان کے سر کو اپنی آغوش میں لیا اور بے ہوش ہوگئی، اس حالت میں میں نے سنا کہ آپؑ فرما رہے تھے:

شِيْعَتِي مَاإنْ شَرِ بْتُمْ رَيَّ عَذْبٍ فَاذْ كُرُوْنِيْ
أوْسَمِعْتُمْ بِغَرِيْبٍ أوْ شَهِيْدٍ فَانْدُبُونِي

اے میرے شیعو! جب بھی ٹھنڈا پانی پیو مجھے یاد رکھنا' اور جب بھی کسی غریب یا شہید کا نام سنو مجھ پر گریہ کرنا۔ (مصباح کفعمی/۷۴۱)

داؤد رقی کا کہنا ہے: میں امام صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھا' آپؑ نے پانی طلب فرمایا جب پینے لگے تو آپ پر رقت طاری ہوگئی۔ آپؑ کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہوگئیں اور آپؑ گریہ کرنے لگے۔

اس کے بعد فرمایا: اے داؤد! خدا حسین علیہ السلام کے قاتل پر لعنت فرمائے۔

فَمَا أنْغَصَ ذِكْرُ الْحُسَيْنِ ؑلِلْعَيْشِ، إنِّيْ مَاشَرِبْتُ مَاءً بَارِدًا إلَّا ذَكَرْتُ الْحُسَيْنَ، وَمَا مِنْ عَبْدٍ شَرِبَ الْمَاءَ فَذَكَرَ الْحُسَيْنَ ؑ(وَأهْلَ بَيْتِهِ) وَلَعَنَ قَاتِلَهُ إلَّا كَتَبَ اللّٰهُ لَهُ مِأَةَ ألْفِ حَسَنَةٍ وَ مَحٰى (حَطَّ) عَنْهُ مِأَةَ ألْفِ سَيِّئَةٍ وَرَفَعَ لَهُ مِأَةَ ألْفِ دَرَجَةٍ ،وَكَانَ كَأنَّمَا أعْتَقَ مِأَةَ ألْفِ نَسَمَةٍ وَحَشَرَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَبْلَجَ الْوَجْهِ ثَلِجَ الْفُؤادِ.

یادِ حسینؑ زندگی کو کس قدر ناگوار کر دیتی ہے۔ میں کبھی ٹھنڈا پانی نہیں پیتا سوائے اس کے کہ حسین علیہ السلام کو یاد کروں اور جو شخص پانی پیتے وقت حسینؑ اور آپ کے اہل بیتؑ کو یاد کرے اور آپ کے قاتل پر لعنت بھیجے، خدا اس کے لئے ایک لاکھ نیکیاں لکھ دیتا ہے۔ اس کے ایک لاکھ گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ اور ایک لاکھ مدارج بلند ہو جاتے ہیں۔ وہ ایسا ہی ہے کہ جیسے اس نے ایک لاکھ غلاموں کو آزاد کیا ہو، اور روز قیامت خداوند متعال اسے مطمئن دل (اور روشن چہرے) کے ساتھ محشور فرمائے گا۔

(امالی صدوق /۱۴۲ م ۲۹ ح ۷' کامل الزیارات /۱۰۶ باب ۳۴، کافی ۳۹۱/۶ باب نوادر از شربہ ح ۶)

آئمہ طاہرینؑ میں سے کسی ایک کے حضور میں متبرک اور فضیلت والی راتوں میں سے ایک رات' نیز اس رات میں کئے جانے والے اعمال خیر کے ثواب کا تذکرہ ہوا حاضرین میں سے ایک نے کہا: آہ! میں تو اس رات سے غافل تھا اور اس کو غفلت سے گزارتا رہا۔ اس نے اس رات میں اپنی غفلت پر تاسف کیا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اس رات تمہارا عمل سب سے بہتر اور تمہارا ثواب سب سے بیشتر تھا۔ چونکہ تو نے اس رات پانی پیتے وقت امام حسینؑ کو یاد کیا اور جن ظالموں نے آپ پر ظلم کیا ان پر لعنت کی اور ان سے برات کا اظہار کیا۔

(حدیقۃ الشیعہ /۵۱۳ لئالی الاخبار: ۳۳۲/۲)

ایک اور حدیث میں ہے کہ جو شخص پانی پیتے وقت کربلا میں امام مظلومؑ کی تشنگی کو یاد کرے اور آپؑ کے قاتلوں پر لعنت کرے، اس کے لئے اس شخص جتنا ثواب ہے کہ جس نے روز عاشور آپؑ کے بچوں کو پانی پلایا ہو۔ اور اس کے لیے اس شخص کا سا ثواب ہے جس نے روز عاشور آپؑ کی دعوت کو قبول کیا اور آپؑ کے ہمراہ شہید ہوا۔

ایک اور حدیث میں فرمایا گیا: وہ شخص اس کی مثل ہے جس نے ہزار پیغمبروںؑ کی پیاس بجھائی ہو اور ہزار دفعہ ایک عادل امامؑ کی معیت میں شہید ہوا ہو۔ (انوار الشہادۃ/۱۵۹ف ۱۴)

مصائب وشہادت حسینؑ پر گریہ انبیاءؑ

(۱) جبرئیلؑ کی روضہ خوانی اور حضرت آدمؑ کا سماعت فرمانا۔

کتاب ''الدرالثمن'' کے مصنف حسب ذیل آیہ شریفہ۔

فَتَلَقّٰی آدَمُ مِنْ رَبِّهٖ کَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَیْهِ .

پس آدم نے اپنے خدا سے کچھ کلمات سیکھے جو اس کی توبہ کی قبولیت کا باعث بنے

(سورہ بقرہ آیہ ۳۷)

تفسیر میں روایت کرتے ہیں کہ حضرت آدمؑ نے پایہ عرش میں پیغمبر اکرمؐ اور آئمہ علیہم السلام کے اسمائے گرامی دیکھے۔ پس جبرئیلؑ نے آپؑ کو تلقین فرمائی کہ کہو:

یا حَمِیْدُ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ یا عَالِیُ بِحَقِّ عَلِیٍّ یا فَاطِرُ بِحَقِّ فَاطِمَةَ یامُحْسِنُ بِحَقِّ الْحَسَنِ وَالْحُسَیْنِ وَمِنْکَ الْاِحْسَانُ.

جب (آدمؑ نے) نام حسینؑ کو زبان پر جاری کیا تو ان کے آنسو رواں ہو گئے اور قلب شکستہ سے فرمایا: بھائی جبرئیلؑ! پانچویں کو یاد کرنے سے میرا دل شکستہ کیوں ہو گیا ہے، اور آنسو کیوں بہنے لگے ہیں؟

جبرئیلؑ نے عرض کیا: آپ کا یہ بیٹا ایک ایسی مصیبت میں مبتلا ہوگا کہ جس کے مقابلے میں تمام مصائب ہیچ ہیں۔ حضورؑ نے فرمایا: اے بھائی وہ کونسی مصیبت ہے:

جبرئیلؑ نے جواب دیا۔

يُقْتَلُ عَطْشَانًا غَرِيْبًا وَحِيْدً فَرِيْدًا، لَيْسَ لَهُ نَاصِرٌ وَلاَ مُعِيْنٌ .

''وہ تشنہ لب' غربت بے کسی اور تنہائی کے عالم میں شہید کردیا جائے گا اور اس کا کوئی یاور و مددگار نہ ہوگا۔''

اے آدمؑ! اگر تو اسے اس حال میں دیکھے کہ جب وہ کہہ رہا ہوگا:

واعَطَشَاهُ، واقِلَّةَ ناصِراهُ ، حَتّٰی یَحُوْلَ الْعَطَشُ بَیْنَهُ وَبَیْنَ السَّمَاءِ کَالدُّخَانِ فَلَمْ یُجِبْهُ أَحَدُ اِلاَّ بِالسُّیُوفِ وَشُرْبِ الْحُتُوفِ.

ہائے پیاس' ہائے مددگاروں کی قلت، یہاں تک کہ اس کے اور آسمان کے درمیان تشنگی حائل ہوجائیگی (یعنی پیاس کی شدت کے سبب آسمان دھوئیں کی مانند دکھائی دے گا) اور کوئی شخص اس فریاد پر اجابت نہیں کرے گا، سوائے تلواروں اور نیزوں سے مارنے کے۔

پس اسے اس طرح ذبح کردیا جائے گا جس طرح گوسفند کو بے دردی سے ذبح کیا جاتا ہے۔ دشمن اس کا مال واسباب کو لوٹ لیں گے اور اس کا سر، اس کے ساتھیوں کے سر اور اہل وعیال شہر بہ شہر پھرائیں گے۔

پس حضرت آدمؑ اور جبرئیلؑ اس ماں کی طرح گریہ کرنے لگے جس کا جواں سال بیٹا مرگیا ہو: (بحارالانوار: ۴۴/۲۴۵ باب اخبار اللہ بشہادتہ ح ۴۴)

(۲) بہشت میں ایک مجلس جبرئیلؑ ذاکر' پیغمبر اکرمؐ سامع

حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام جب اس دنیا سے رخصت فرمانے لگے تو آپؑ کا رنگ مبارک سبزی مائل ہوگیا۔ آپ نے گریہ کرتے ہوئے اپنے بھائی حسینؑ سے فرمایا: اے بھائی! میرے اور تمہارے بارے میں ہمارے جد (امجد) کی حدیث صحیح ہے۔ پھر دونوں ایک دوسرے کے گلے میں باہیں ڈال کر روتے رہے۔

حضرت سید الشہداء سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے

جواب میں فرمایا کہ میرے جد کا فرمان ہے:

شب معراج جب میں بہشت میں داخل ہوا تو میں نے ایک دوسرے کے نزدیک واقع دو بہت بلند محلات دیکھے ایک سبز زبرجد کا بنا ہوا تھا اور دوسرا سرخ یاقوت کا بنا ہوا تھا۔ میں نے جبرئیلؑ سے سوال کیا یہ دو محل کن کے لیے ہیں؟ اس نے کہا: ایک حسنؑ کے لئے اور دوسرا حسینؑ کے لئے ہے۔

میں نے کہا: ان کا رنگ ایک جیسا کیوں نہیں ہے؟ جبرئیلؑ خاموش ہوگیا اور جواب نہ دیا۔ میں نے کہا: جواب کیوں نہیں دیتے ہو؟ کہنے لگا: شرم محسوس کرتا ہوں۔

جب رسول خداؐ نے جبرئیلؑ کو قسم دے کر پوچھا تو اس نے کہا: سبز رنگ کا محل حسنؑ کا ہے کیونکہ وہ زہر سے شہید ہوں گے اور شہادت کے وقت ان کا رنگ سبز ہو جائے گا اور حسینؑ کا محل سرخ اس وجہ سے ہے کہ آپ کو قتل کر دیا جائے گا اور آپ کا چہرہ اپنے خون مبارک سے سرخ ہوگا۔

پس پیغمبر اکرمؐ اور جبرئیلؑ نے تمام حاضرین مجلس سمیت گریہ کی صدا بلند کی۔

(بحارالانوار: ۴۴/۱۴۵ تاریخ امام حسن علیہ السلام ح ۱۳)

(۳) کربلا میں حضرت آدمؑ نے حسینؑ کی مجلس منعقد کی، جس کا تذکرہ زمین کربلا کی فضیلت میں کیا جائے گا۔

(۴) کشتی نوحؑ کی مجلس کہ جب وہ آنحضرتؑ کے مقام شہادت پر پہنچی تو ہچکولے کھانے لگی، اس کا تذکرہ بھی کیا جائے گا۔

(۵) جب حضرت موسیٰؑ نے حضرت خضرؑ سے مجمع البحرین میں ملاقات کی تو آل محمد علیہم السلام اور ان کی ابتلا کے بارے میں حدیث بیان کرکے دونوں نے صدائے گریہ و نالہ بلند کی۔

(بحارالانوار: ۱۳/۳۰۱ و ۲۷۹ تفسیر قمی: ۲/۳۸)

ملا حبیب اللہ کاشانی مرحوم لکھتے ہیں: جب حضرت موسیٰؑ نے خضرؑ کے ساتھ مجمع

البحرین میں ملاقات کی تو دونوں میں آل محمد علیہم السلام پر گفتگو ہوئی اور جب حدیث کربلا پر پہنچے تو گریہ کرنے لگے۔ (تذکرہ الشہداء ۱/۳۳)

(۶) حضرت سلیمان کہ جو اپنے حشم و خدم جن وانس اور پرندگان کے ہمراہ اپنے تخت پر سوار، فضا میں سیر کر رہے تھے، جب قتل گاہ حسین کے اوپر پہنچے تو ہوا نے تین دفعہ تخت سلیمان کو متزلزل کیا اور وہ زمین کی طرف آئے، اس حدیث میں بھی آنحضرتؑ کی مصیبت کا تذکرہ ہے۔

(۷) جب حضرت ابراہیمؑ نے ملکوت سماوی کا مشاہدہ کیا اور آپ کی نظر عرش اعظم پر پڑی تو پانچ انوار مقدسہ کو دیکھا جنہوں نے عرش الٰہی کو محیط کر رکھا تھا۔ آپ نے پوچھا: یہ انوار مقدسہ کن کے ہیں؟ جواب ملا: یہ حضرت محمدؐ بن عبداللہ، ان کے اوصیاء اوران کی دختر نیک اختر کے انوار مقدسہ ہیں۔ آپؑ نے پوچھا کہ اس کا سبب کیا ہے کہ جب میں نے (ان میں سے) چار انوار پر نظر کی تو خوش ہوا ہوں جبکہ پانچویں نور کو دیکھتے ہی مغموم ومہموم ہو گیا ہوں؟ جواب ملا:

ابراہیمؑ تم نہیں جانتے کہ اس صاحب نور مقدس پر ظلم ہوں گے۔ جب ابراہیمؑ نے ان ظلموں کی تفصیل سنی تو محزون و مغموم ہو گئے اور زندگی تلخ ہو گئی۔

(مہیج الاحزان ۱/۲۲۷م۱۰)

(۸) جب حضرت ابراہیمؑ نے بتوں کو توڑنا چاہا تو کہا: "انی سقیم" (سورہ صافات' آیہ ۸۹) یعنی جو مصائب حسینؑ بن علی علیہ السلام پر گزریں گے، میں ان کے سبب بیمار ہوں۔

(بحارالانوار: ۱۱/۷۷ و معانی الاخبار ۲۰۱)

(۹) ابراہیم علیہ السلام کے لئے دوسری مجلس، جب وہ اپنے بیٹے اسماعیلؑ کو ذبح کرنے پر مامور ہوئے اس روایت کو ہم نے امام حسینؑ پر گریہ کے باب میں نقل کر دیا ہے۔

(۱۰) ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے لئے تیسری مجلس' جب وہ کربلا سے گزرے تو گھوڑے کی لغزش کی وجہ سے گر پڑے، حضرتؑ کا سر مبارک پھٹ گیا اور خون جاری ہو گیا۔ یہ خاتم

الانبیاءؑ کے بیٹے (حسینؑ) کی موافقت میں تھا جیسا کہ حدیث میں مذکور ہے۔

(۱۱) کربلا کی دوسری مجلس کہ جس میں صحرا کے ہرن مرثیہ خوان تھے اور گریہ کرنے والوں میں عیسٰیؑ بن مریم اوران کے حواری شامل تھے جیسا کہ ابن عباسؓ کی روایت میں آیا ہے۔
(بحارالانوار: ۴۴/۲۵۳ ضمن ح ۲، امالی صدوق/ ۵۹۸ م ۸۷ ضمن ح ۵)

(۱۲) طور سینا کی مجلس کہ جس میں ذاکر خود خدا اور سامع موسٰی کلیم اللہؑ تھے، بنی اسرائیل کے ایک شخص نے حضرت موسٰیؑ کو دیکھا کہ آپ بہت تیزی سے چل رہے ہیں۔ آپ کا رنگ زرد اور بدن لرزاں ہے، ضعف کے سبب آپ کی آنکھیں اندر دھنس گئی ہیں۔ اس حالت سے معلوم ہوتا تھا کہ آپ مناجات کے لئے جا رہے ہیں۔ عرض کیا: اے پیغمبر خداؑ! مجھ سے ایک بہت بڑا گناہ سرزد ہو گیا ہے، خدائے متعال سے میری معافی کی درخواست کیجئے۔

جناب موسٰی علیہ السلام نے خدا سے مناجات کرتے ہوئے عرض کیا: اے عالمین کے رب! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تو میری گفتگو سے پہلے ہی اس سوال سے آگاہ ہے۔

خداوند متعال نے فرمایا: اے موسٰی! تم مجھ سے جو کچھ بھی مانگو گے تمہیں عطا کروں گا۔ حضرت موسٰیؑ نے عرض کیا: تیرے فلاں بندے نے گناہ کیا ہے اور تجھ سے طالب عفو ہے۔

خداوند متعال نے فرمایا: اے موسٰی! جو شخص بھی مجھ سے مغفرت طلب کرے گا میں اسے بخشوں گا، سوائے حسین علیہ السلام کو قتل کرنے والوں کے۔

حضرت موسٰیؑ نے عرض کیا: پروردگارا! حسینؑ کون ہے؟

خطاب ہوا: وہی ہستی جس کی یاد تمہیں طور پر آئی تھی۔ عرض کیا: پروردگارا! اسے کون شخص قتل کرے گا؟ ارشاد ہوا! ستم گروں اور سرکشوں کی ایک جماعت کہ جو اپنے آپ کو اس کے جد کی امت میں شمار کرتے ہوں گے، اسے زمین کربلا میں

قتل کردیں گے۔ اس کا گھوڑا (خیموں کی جانب) بھاگے گا اور فریاد کرے گا،
،اوراس فریاد میں کہے گا:

اَلظَّلِیْمَۃَ اَلظَّلِیْمَۃَ مِنْ اُمَّۃٍ قَتَلَتْ اِبْنَ بِنْتِ نَبِیِّھَا، فَیَبْقٰی مُلْقًی عَلَی الرِّمَالِ مِنْ غَیْرِ غُسْلٍ وَلاَ کَفَنٍ وَیُنْھَبُ رَحْلُہٗ وَیُسْبٰی نِسَاؤُہٗ فِیْ الْبُلْدَانِ وَیُقْتَلُ نَاصِرُہٗ وَتُشْھَرُ رُؤُوْ سُھُمْ مَعَ رَأسِہٖ عَلٰی أطْرَافِ الرِّمَاحِ یَامُوْسٰی صَغِیْرُ ھُمْ یُمِیْتُہُ الْعَطَشُ وَکَبِیْرُ ھُمْ جَلْدُہٗ مُنْکَمِشٌ، یَسْتَغِیْثُوْنَ وَلاَ نَاصِرَوَ یَسْتَجِیْرُوْنَ وَلاَ خَافِرَ .

''اس امت نے ظلم کی انتہا کر دی کہ اپنے نبیؐ کی بیٹی کے فرزند کو قتل کر دیا۔ وہ ریگ صحرا پر بے غسل وکفن پڑا ہے، اس کا مال و اسباب لوٹ لیا گیا اور اس کی خواتین کو قیدی بنا کر شہر بہ شہر پھرایا گیا۔ اس کے ساتھیوں کو شہید کر دیا گیا اور (ملعون) ان کے سروں کو آنحضرتؑ کے سر کے ساتھ نیزوں پر سوار کر کے اطراف واکناف میں پھراتے رہے۔ اے موسٰیؑ! ان کے چھوٹے بچوں کو پیاس نے ہلاک کر دیا اور بزرگوں کے جسموں کے پوست بھی (پیاس کی شدت سے) خشک ہو گئے۔ وہ استغاثہ کرتے رہے مگر کسی نے ان کی امداد نہ کی' وہ پناہ مانگتے رہے لیکن کوئی پناہ دینے والا اور حمایت کرنے والا نہیں تھا''

پس موسٰی علیہ السلام گریہ کرنے لگے اور خداوند سبحانہ' نے فرمایا: اے موسٰی جان لو کہ جو کوئی اس پر گریہ کرے گا یا گریہ کرنے کی کوشش کرے گا میں نے اس پر آتش دوزخ حرام کر دی ہے۔ (بحار الانوار: ۴۴/ ۳۰۸ باب کفر قتلتہ)

(۱۳) ایک اور مجلس بیت المقدس میں ہوئی جس میں ذاکر خداوند متعال اور سامع حضرت زکریاؑ تھے۔ سعد بن عبداللہ کے حضرت قائم عجل اللہ تعالٰی فرجہ' الشریف سے کیے گئے جملہ سوالات میں سے ایک سوال یہ تھا کہ مجھے کھیعص (سورۂ مریم آیہ ۱) کی خبر دیجئے؟ فرمایا: یہ حروف غیب کی خبروں میں سے ہیں کہ جن سے خداوند قدوس نے اپنے

نبی زکریاؑ کو مطلع فرمایا، اور ان میں سے حضرت محمدؐ کے لئے نقل فرمایا گیا ہے اور یہ داستان کچھ اس طرح ہے:

حضرت زکریاؑ نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ مجھے اسمائے خمسہ طیبہ (پنجتن پاکؑ کے نام) تعلیم فرمائیے۔ جبرئیلؑ نازل ہوئے اور انہیں (ان اسماء کی) تعلیم دی۔ جب حضرت زکریا محمدؐ، علیؑ، فاطمہؑ اور حسنؑ کو یاد کرتے تو ان کا رنج وغم دور ہو جاتا، لیکن جب حسینؑ کو یاد کرتے تو ان پر گریہ طاری ہو جاتا۔ آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے اور سانس رکنے لگتی۔

ایک دن عرض کرنے لگے: خدایا! یہ کیا مسئلہ ہے کہ جب ان چار ہستیوں کو یاد کرتا ہوں تو میں رنج وغم سے رہائی پاتا ہوں، اور جب حسینؑ کو یاد کرتا ہوں تو اشک رواں ہو جاتے ہیں اور ہیجانی کیفیت میں مبتلا ہو جاتا ہوں؟

پس خداوند متعال نے انہیں آنحضرتؑ کے قضیہ سے آگاہ فرمایا اور ارشاد ہوا: "کھیعص کا" "کاف" کربلا کی طرف اشارہ ہے "ہاء" سے ہلاکت عترت طاہرہ مراد ہے، یاء سے یزید مراد ہے کہ جو امام حسینؑ پر ظلم کرے گا اور انہیں قتل کرے گا۔ عین سے عطش آنحضرتؑ اور "صاد" سے صبر آن جنابؑ مراد ہے۔

جب زکریا نے یہ واقعہ سنا تو تین یوم تک مسجد سے باہر نہ نکلے اور لوگوں کو اپنے پاس آنے سے منع کر دیا، آپ مسلسل گریہ و نالہ فرماتے تھے اور عرض کرتے تھے: خدایا! کیا تیری بہترین مخلوق (حضرت محمدؐ) کے دل میں اپنے بیٹے کی مصیبت پر درد نہیں اٹھے گا! الٰہی! کیا ان کی ساحت قدس پر تو اتنی بڑی مصیبت نازل کرے گا۔ کیا تو اس مصیبت کا لباس علیؑ و فاطمہؑ کو پہنائے گا؟! کیا تو اس مصیبت کی سختی کو ان کے حریم پر روا رکھے گا؟!

پھر عرض کیا: خدایا! مجھے ایک بیٹا عطا فرما کہ جس کے سبب بڑھاپے میں میری آنکھیں روشن ہو جائیں اور اس کی محبت کو میرے دل میں کوٹ کوٹ کر بھر دے

اور پھر مجھے اس کی مصیبت میں مبتلا فرما، جیسا کہ تو نے اپنے حبیب ؐ کو ان کے بیٹے کی مصیبت میں مبتلا کرنا چاہتا ہے۔

پس اللہ رب العزت نے زکریاؑ کو حضرت یحییٰ عطا فرمائے اور انہیں یحییٰؑ کی مصیبت میں مبتلا کیا۔ حضرت یحییٰ ؑ کے حمل کی مدت چھ ماہ تھی جیسا کہ (بعدازاں) حضرت حسین علیہ السلام کے حمل کا عرصہ بھی چھ ماہ ہی تھا۔

(احتجاج: ۲/۲/۲۷۲ بحارالانوار؛ ۴۴/۲۲۳ باب اخبار اللہ شہادۃ ح ۱ اشک رواں برامیر کارواں ۲۲۲/۱)

(۱۴) ایک اور مجلس حضرت عیسیٰؑ بن مریمؑ سے منسوب ہے کہ جس میں شیر نے مرثیہ خوانی کی اور حضرت عیسیٰؑ اور ان کے حواریوں نے گریہ فرمایا، جیسا کہ حدیث میں مذکور ہے۔

یہ وہ مجالس ہیں جو سید الشہداء کی ولایت سے پہلے منعقد ہوئیں۔ علامہ شوشتری نے ''خصائص الحسینیہ'' میں اس طرح کے کئی اور موارد بھی نقل فرمائے ہیں۔

ولادت کے بعد اور شہادت سے قبل امام حسینؑ کے مصائب اور شہادت کی یاد

(۱) امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: رسول اکرمؐ بی بی ام سلمہؓ کے گھر میں تھے اور ان سے کہہ رکھا تھا کہ کسی کو میرے پاس نہ آنے دیجئے گا۔ حسین علیہ السلام، جو ابھی کم سن تھے، تشریف لائے تو ام سلمہ انہیں روک نہ سکیں۔ اور آپ رسول اکرمؐ کے پاس پہنچ گئے۔ ام سلمہؓ آپ کے پیچھے پیچھے گئیں تو دیکھا کہ حسینؑ سینہ رسول پر سوار ہیں اور رسول اکرم گریہ فرما رہے ہیں، نیز ہاتھ میں ایک چیز لئے اسے چوم رہے ہیں۔

(بحارالانوار میں ''یُقَبِّلُهُ'' کی بجائے ''یُقَلِّبُهُ'' کا کلمہ مرقوم ہے جس کے معنی یہ ہوں گے کہ آپؐ کے ہاتھ میں ایک چیز تھی جسے آپ گھما رہے تھے۔

پس رسول اکرمؐ نے فرمایا: اے ام سلمہ! جبرئیلؑ نے مجھے خبر دی ہے کہ یہ بچہ قتل کر دیا جائے گا، اور یہ وہ خاک ہے جس پر اسے قتل کیا جائے گا۔ اس خاک کو اپنے پاس رکھ لیجیے جب یہ خون (میں تبدیل) ہو جائے تو سمجھ لیجیے گا کہ میرا حبیب حسینؑ شہید ہو گیا ہے۔

ام سلمہؓ نے عرض کیا: اے رسول خداؐ! آپ اللہ سے درخواست کریں کہ وہ اس شہادت کو اس بچے سے دور کر دے۔

رسول اکرمؐ نے فرمایا: میں نے اللہ سے عرض کیا ہے لیکن اللہ رب العزت نے مجھ پر وحی فرمائی ہے: (اس شہادت کے عوض میں اسے کچھ چیزیں دوں گا) اس کے لئے وہ درجہ ہے کہ کوئی شخص اس درجے تک نہیں پہنچ سکے گا۔ اس کے شیعہ ہوں گے جو شفاعت کریں گے اور ان کی شفاعت قبول کی جائے گی، اور اس کے بیٹوں میں سے ایک مہدی عجل اللہ فرجہ الشریف ہیں۔ پس اس کے زہے نصیب جو حسین علیہ السلام کے اولیاء اور شیعوں میں سے ہو' خدا کی قسم یہ سب روز قیامت کامیاب دکامران ہوں گے۔

(امالی صدوق ۱۳۹/ام ۲۹ ح ۳ اس کو امام صادق نے نقل کیا ہے)

(۲) مفضل بن عمر نے امام صادقؑ سے اور انہوں نے اپنے پدر بزرگوار اور جد گرامی سے روایت کی ہے کہ ایک دن امام حسینؑ، امام حسنؑ کے پاس پہنچے۔

جونہی اپنے بھائی پر نظر پڑی آپ نے رونا شروع کر دیا۔ امام حسنؑ نے فرمایا: اے ابا عبداللہ! آپ رو کیوں رہے ہیں؟ فرمایا: میں اس سلوک کے پیش نظر رو رہا ہوں جو آپ سے کیا جائے گا۔ (امام حسنؑ) نے فرمایا: میرے حلق میں تو زہر انڈیلا جائے گا جس سے میں شہید ہوں گا۔

وَلٰكِنْ لَا يَوْمَ كَيَوْ مِكَ يَا أَبَا عَبْدِاللّٰهِ.

لیکن اے ابا عبداللہ! کوئی دن آپ کے دن کی طرح کا نہ ہوگا۔

تیس ہزار افراد جو سب کے سب ہمارے جد کے امتی ہونے کا دعویٰ کرتے ہوں گے اور خود کو اسلام سے نسبت دیتے ہوں گے' آپ کو گھیر لیں گے۔

فَيَجْتَمِعُوْنَ عَلٰى قَتْلِكَ وَسَفْكِ دَمِكَ ' وَانْتِهَاكِ حُرْ مَتِكَ، وَسَبْيِ ذَرَارِيكَ وَنِسَاءِكَ' وَانْتِهَابِ ثِقْلِكَ.

پس وہ آپؑ کے قتل کے لئے، آپؑ کا خون بہانے کے لئے آپ کی ہتک حرمت کے لئے' آپؑ کی اولاد اورخواتین کو قیدی بنانے کے لئے اور اموال کو لوٹنے کے لئے جمع ہوں گے۔

اسی سبب بنی امیہ کے لئے لعنت اترے گی اور آسمان سے خاک وخون برسیں گے اور ہر شے حتیٰ کہ بیابانوں کے درندے اور دریاؤں کی مچھلیاں آپ کی حالت زار پر گریاں ہوں گے۔ (امالی صدوق ۱۵۱ام ۲۴ح ۳ بحارالانوار: ۱۴۵باب ماظہر بعد شہادۃ ح ۴۴)

(۳) ام فضل بنت حارث کہتی ہے: ایک دن میں نے رسول اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا: یارسول اللہ! کل رات میں نے ایک وحشت ناک خواب دیکھا ہے۔ فرمایا: تو نے کیا دیکھا ہے؟ میں نے عرض کیا: بہت سخت خواب ہے۔ فرمایا: کیا ہے؟ میں نے کہا: میں نے خواب میں دیکھا کہ آپ کے جسم کا ایک ٹکڑا جدا ہوکر میری آغوش میں آ گرا ہے۔

فرمایا: خیر ہے! ان شاء اللہ فاطمہؑ کے بطن سے ایک بیٹا ہوگا جو تمہاری گود میں پرورش پائے گا۔ پس فاطمہؑ نے امام حسینؑ کو جنم دیا اور وہ میری آغوش میں پہنچے، جیسا کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا تھا۔

ایک دن میں رسول اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور امام حسینؑ کو آپ کی گود میں دیا۔ یک دم میں نے توجہ سے دیکھا تو رسول اکرمؐ کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب جاری تھا۔

میں نے کہا: اے رسول گرامیؐ: میرے ماں باپ آپ پر قربان آپ کو کیا ہوا ہے فرمایا: ابھی ابھی میرے پاس جبرئیلؑ آیا ہے اور اس نے بتایا ہے کہ میری امت میرے اس بیٹے کو قتل کردے گی میں نے پوچھا: آپؑ کے اس بیٹے کو؟! فرمایا: ہاں، اور اس کی تربت کی مٹھی بھر سرخ خاک مجھے دی۔

حاکم نیشا پوری نے اس حدیث کو اپنی مستدرک میں شامل کیا ہے اور تصریح کی

ہے کہ یہ حدیث بخاری و مسلم کے ضوابط کے مطابق صحیح ہے۔

(مستدرک صحیحین: ۳/۱۷۶ مقتل خوارزمی: ۱/۱۵۸ لہوف ۸ ح ۲)

(۴) مسور بن مخزمہ نے ایک طویل حدیث کے ضمن میں روایت کی ہے۔ جب امام حسینؑ کی ولادت کو دو سال گزر گئے تو رسول اسلامؐ ایک سفر پر گئے۔ راستے میں آپ ٹھہر گئے اور کلمہ استرجاع "اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّااِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ" پڑھا، اور آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ (سورہ بقرہ آیہ ۱۵۶)

اس خاموشی کا سبب پوچھا گیا تو فرمایا جبرئیل آیا ہے اور فرات کے کنارے واقع کربلا نامی سرزمین کے بارے میں مجھ سے گفتگو کر رہا ہے۔ میرا بیٹا حسینؑ بن فاطمہؑ اس جگہ قتل کیا جائے گا۔ پوچھا گیا: اسے کون قتل کرے گا؟ فرمایا: یزید نامی ایک شخص کہ اللہ اسے ناپسند کرتا ہے..........

(مقتل الحسین از خوارزمی: ۱/۱۶۵ ف ۸ ح ۱۳' بحار الانوار: ۴۴/۲۴۸)

(۵) رسول اکرمؐ نے اولین تعزیہ داری امام حسینؑ کی ولادت کے وقت کی' جب فرمایا:

میرے بیٹے کو لاؤ؟ جواب ملا: ابھی اسے پاک نہیں کیا گیا (نہلایا نہیں گیا)

فرمایا: تو اس کو پاک کرے گی! خدا نے اسے پاک کر دیا ہے۔ حضورؐ نے حسینؑ پر پہلی نگاہ ڈالتے ہوئے فرمایا:

عَزِيْزٌ عَلَيَّ عَزِيْزٌ عَلَيَّ يا أَبا عَبْدِاللّٰهِ .

اس حالت میں ایک طرح کی عزاداری برپا ہوگئی، آپؐ نے حسین علیہ السلام کو سینے سے چمٹا کر فرمایا:

مالِيْ وَلِيَزِيْد .

مجھے یزید سے کیا کام ہے!

البتہ (باقاعدہ) عزاداری روز عاشور آپؑ کے سانحہ ارتحال کے بعد قیام پذیر ہوئی۔

(مجالس المواعظ/۹۰م۱)

(٦) رمضان کے مبارک مہینے کی تیرہ تاریخ کو حضرت علی علیہ السلام نے کوفہ کے منبر پر بیٹھ کر حسینؑ سے پوچھا: اس مہینے کے کتنے دن گزر چکے ہیں اور کتنے دن باقی ہیں؟ فرمایا: اس مہینے میری ڈاڑھی کے بال میرے خون سے رنگین ہوں گے۔ آپ رونے لگے اور لوگوں نے بھی گریہ کیا۔

بعد میں فرمایا: یہ گمان نہ کرنا کہ میرا گریہ اس مفہوم میں ہے۔

وَاللّٰہِ لاَبْنُ اَبِیْطَالِبٍ اَشْوَقُ اِلَی الْمَوْتِ مِنَ الطِّفْلِ اِلٰی ثَدْیِ اُمِّہٖ.

خدا کی قسم ابی طالبؑ کے بیٹے کو موت سے اس سے بھی زیادہ پیار ہے جتنا بچے کو ماں کے پستان سے ہوتا ہے بلکہ میرا گریہ اپنے ان دو بیٹوں کے لئے ہے کہ ایک کو زہر سے شہید کردیا جائے گا اور دوسرے کا تشنہ لب سر بدن سے جدا کردیا جائے گا۔

(تذکرۃ الشہداء ۳۹ مجلس سوم)

حضرت امام حسین کی ولادت کے بعد اور شہادت سے پہلے منعقد ہونے والی مجالس بے شمار ہیں۔ اور اگر ان کو یکجا کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب بن جائے گی۔ علامہ امینی قدس سرہ نے اہل سنت کی معتبر کتب سے بیس مثالیں اپنی کتاب مستطاب ''سیرتنا وسنتنا'' میں جمع کی ہیں اور ان کے منابع و مآخذ بیان کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے رجال واسناد پر بھی بحث کی ہے۔

(سیرتنا وسنتنا/۱۴۹ تا ۱۵۰)

انبیاءؑ اور زمین کربلا

شوستری مرحوم تحریر کرتے ہیں : زمین کربلا میں وارد ہونا حزن اور رقت کا باعث ہے۔چنانچہ یہ کیفیت جمیع انبیاء کی نسبت واقع ہوئی ۔جیسا کہ روایت میں ہے کہ تمام پیغمبروں کو کربلا کی زیارت کی توفیق حاصل ہوئی ۔

"وَمَا مِنْ نَبِیٍّ اِلَّا وَقَدْزَارَ كَرْبَلَا ، وَوَقَفَ عَلَيْهَا وَقَالَ اِنَّكِ لَبُقْعَةٌ كَثِيْرَةُ الْخَيْرِ فِيْكِ يُدْفَنُ الْقَمَرُ الْاَزْهَرُ"

" تمام انبیاء نے اس مقام مقدسہ کی زیارت کی اور یہاں کچھ دیر ٹھہرے،اور فرمایا: اے زمین کربلا! تو مقام خیر و برکت ہے اور تجھ میں امامت کا ماہ تاباں دفن ہوگا"

(بحارالانوار:۴۴/۳۰۱ح ۱۰)

ان انبیاء کرامؑ سے جو بھی نبی کربلا میں وارد ہوئے انہیں کوئی نہ کوئی صدمہ برداشت کرنا پڑا اور وہ دل گرفتہ اور مغموم ہوئے ۔جب انہوں نے اس دن کی تنگی ،دل گرفتگی اور زحمت کے بارے میں خداوند ذوالجلال سے سوال کیا تو وحی الٰہی نازل ہوئی کہ یہ زمین کربلا ہے اور اس میں امام حسینؑ شہید ہوں گے۔ (بحارالانوار:۴۴/۲۴۲تا۲۴۴)

(۱) جب اہل بیتؑ کربلا میں پہنچے تو جناب ام کلثوم نے دریافت کیا: اے بھائی جان! یہ ایک ہولناک صحرا ہے۔جسے دیکھ کر میرے دل میں ایک بہت بڑا خوف ٹھہر گیا ہے؟

امام حسینؑ نے فرمایا: میں جنگ صفین کے موقع پر اپنے والدگرامی امیرالمومنینؑ کے ساتھ اس زمین پر پہنچا تو میرے بابا گھوڑے سے اترے آپ نے اپنا سر مبارک میرے بھائی (حسنؑ)

کی آغوش میں رکھا اور سو گئے ۔ میں ان کے سرہانے بیٹھا تھا۔اچانک بابا جان تشویشناک حالت میں بیدار ہوئے اور زاروقطار رونے لگے۔ بھائی حسنؑ نے اس گریہ کا سبب پوچھا:تو فرمایا: میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ یہ صحرا ایک خون سے بھرا سمندر ہے اور میرا حسینؑ اس بحر خون میں پڑا ہاتھ پاؤں مار رہا ہے اور کوئی اس کی مدد کے لئے نہیں پہنچتا۔

پھر چہرہ مبارک میری طرف کیا اور فرمایا:

"یا أبا عَبدِاللّٰهِ ، کَیفَ تَکُونُ اِذَا وَقَعتُ هَا هُنَا الْوَاقِعَةُ "

"اے حسین جب اس زمین پر تمہارے ساتھ یہ واقعہ رونما ہوگا تو تم کیا کرو گے"

میں نے عرض کیا: صبر کروں گا اور صبر کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں ۔

(مہیج الاحزان/۶۵،معالی السبطین :۱/۱۷۵،اشک رواں ۲۱۰)

(۲) جب حضرت آدمؑ اس زمین پر اترے تو حضرت حوا کو نہ پایا۔آپ ان کی تلاش میں نکلے ۔ اس اثنا میں آپ زمین کربلا میں پہنچ گئے' آپ پر رنج و ملال اور دل گرفتگی کی حالت طاری ہوگئی ۔ اور جب آپ امامؑ کے مقام شہادت پر پہنچے تو آپ کے پاؤں لرزنے لگے آپ زمین پر گر پڑے اور آپ کے پاؤں سے خون بہنے لگا۔

آپ نے اپنا سر آسمان کی طرف بلند کیا اور عرض کیا: خدایا کیا مجھ سے کوئی گناہ سرزد ہوگیا ہے۔جس کی وجہ سے مجھے یہ سزا دی جارہی ہے؟ میں ساری زمین پر پھرا ہوں لیکن میرا اتنا برا حال کسی زمین پر نہیں ہوا جتنا کہ اس زمین پر۔

اللہ رب العزت نے آپ پر وحی کی کہ اے آدمؑ :تم نے کوئی گناہ نہیں کیا لیکن تمہارا بیٹا حسینؑ اس مقام پر ظلم وستم سے شہید کردیا جائے گا۔تمہارا خون اس کے خون کی موافقت میں بہا ہے آدمؑ نے عرض کیا کہ اس کا قاتل کون ہوگا؟ وحی نازل ہوئی اس کا قاتل یزید ہوگا ۔ جو اہل آسمان اور اہل زمین کے نزدیک لعین ہوگا۔حضرت آدمؑ نے کہا: اے جبرئیلؑ اگر تمہیں حسینؑ کے قاتل کے بارے میں معلوم ہو تو تم کیا کرو گے؟

جبرئیل نے کہا: اس پر لعنت کروں گا۔

پس آدمؑ نے اس پر چار مرتبہ لعنت کی اور عرفات کی جانب روانہ ہوگئے۔ جہاں انہوں نے حضرت حوا کو پالیا۔ (بحار الانوار: ۴۴/۲۴۲ ح ۳۷، اشک رواں/۲۱۰)

(۳) حضرت نوحؑ جب کشتی پر سوار ہوئے تو تمام دنیا میں پھرتے ہوئے جب کربلا کے مقام پر پہنچے تو طوفان کی زد میں آگئے۔ آپ کی کشتی تلاطم میں گھر گئی) حضرت نوحؑ ڈرنے لگے کہ کہیں غرق ہی نہ ہو جائیں آپ نے بارگاہ پروردگار میں عرض کیا: خدایا! میں ساری دنیا میں پھرا ہوں لیکن اس مقام جیسی حالت اور ایسا خوف مجھ پر کہیں بھی طاری نہیں ہوا جبرئیل نازل ہوئے اور فرمایا: اے نوحؑ اس مقام پر خاتم الانبیاء محمدؐ اور خاتم الاوصیاء علیؑ کے فرزند حسین کو قتل کر دیا جائے گا (حضرت علی کو خاتم الاوصیاء اس لئے کہا گیا ہے کہ حضرت علی کے وصی ہیں۔ جب کہ دوسرے آئمہ اطہار حضرت علی کے وصی ہیں۔ چونکہ حضرت محمد خاتم الانبیاء ہیں اس لئے حضرت علی خاتم الا دصیاء ہیں اور حضرت امام مہدی علیہ السلام اس لحاظ سے خاتم الاوصیاء ہیں کہ ان پر سلسلہ وصایت اختتام کو پہنچ جائے گا)
حضرت نوح نے پوچھا: اے جبرئیل! حسینؑ کا قاتل کون ہوگا؟ جبرئیل نے جواب دیا: قاتل حسینؑ! سات آسمانوں اور سات زمینوں کا ملعون ہوگا۔ پس حضرت نوحؑ نے اس پر چار مرتبہ لعنت کی۔ اس کے بعد کشتی روانہ ہوگئی اور کوہ جودی پر پہنچ کر لنگر انداز ہوئی۔

(بحار الانوار ۴۴/۲۴۳/۳۸ اشک رواں ۲۱)

(۴) جب حضرت ابراہیمؑ نے زمین کربلا کو عبور کیا تو آپؐ کا گھوڑا لرزنے لگا، آپ گھوڑے سے نیچے گر پڑے اور آپ کا سر پھٹ گیا اور خون بہنے لگا۔ آپؐ نے استغفار پڑھنا شروع کی اور عرض کیا:

خدایا! مجھ سے کیا گناہ سرزد ہوگیا ہے۔

جبرئیل حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے ابراہیم آپ سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہوا۔ لیکن اس سرزمین پر خاتم الانبیاء اور خاتم الاوصیاء کا فرزند شہید کر دیا جائے گا۔ آپ کا خون اس لیے جاری ہوا کہ اس ہستی کے خون سے موافقت پیدا ہو سکے۔ (بحار الانوار: ۴۴/۲۴۳ ح ۳۹)

(۵) حضرت اسماعیلؑ نے اپنے گوسفندوں کو دریائے فرات کے کنارے چرنے کے لئے بھیجا تو گلہ بانوں نے آپ کو خبر دی کہ چند روز سے ریوڑ پانی نہیں پیتا۔ اسماعیلؑ نے اس کا سبب جاننے کے لئے بارگاہ خداوندی میں درخواست کی جبرئیلؑ نازل ہوئے اور کہا: اے اسماعیلؑ اپنے گوسفندوں پر سوال کرو وہ اس کا سبب بیان کریں گے۔ حضرت اسماعیلؑ نے ان سے فرمایا: تم پانی کیوں نہیں پیتے؟ گوسفندوں نے نہایت فصیح زبان میں جواب دیا:

"قَدْ بَلَغَنَا اِنَّ وَلَدَکَ الْحُسَیْن سَبْطَ مُحَمَّدٍ یُقْتَلُ هُنَا عَطْشَانًا،فَنَحْنُ لَا نَشْرَبُ مِنْ هَذِهِ الْمَشْرَعَةِ حُزْنًا عَلَیْهِ . (۴۴/۲۴۳ ح ۳۸ اشک رواں:۲۱۷)

"ہم تک خبر پہنچی ہے کہ آپ کے فرزند حسینؑ نواسہ محمدؐ اس میدان پر شہید کر دیئے جائیں گے۔ اور ہم ان کے غم میں پانی نہیں پی رہے اسماعیلؑ نے آپ کے قاتل کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے کہا: آنحضرت کو آسمانوں کے رہنے والوں اور زمین پر بسنے والوں میں سے ملعون ترین شخص قتل کرے گا۔ پس جناب اسماعیلؑ نے آپ کے قاتل پر لعنت فرمائی"

(بحارالانوار: ۴۴/۲۴۳ ح ۴۰ اشک رواں ۲۲۰)

(۶) روایت میں ہے کہ حضرت سلیمان اپنے تخت پر بیٹھ کر ہوا میں سیر فرماتے تھے۔ ایک دن آپؑ اسی سیر کے دوران زمین کربلا تک پہنچے۔ آپ کا ہوائی تخت اس قدر لڑکھڑایا کہ آپؑ ڈر گئے کہ کہیں گر نہ جائیں جب آندھی رک گئی تو آپ زمین کربلا پر اتر آئے۔ اور نے آندھی سے کہا تم نے یہ کام کس لئے کیا اور مجھے زمین پر کیوں اتارا دیا؟

اس نے جواب دیا: اس مقام پر حسینؑ کو شہید کر دیا جائے گا۔ سلیمانؑ نے پوچھا: کون حسینؑ؟

جواب ملا: محمد مختار اور حیدر کرار کے فرزند حسینؑ:

حضرت سلیمانؑ نے سوال کیا! ان کا قاتل کون ہوگا؟

جواب ملا: وہ آسمانوں اور زمین پر رہنے والوں میں (سب سے) ملعون یزید ہوگا۔

حضرت سلیمانؑ نے ہاتھ بلند فرمائے اور یزید پر لعنت ونفرین فرمائی اور جن وانس نے آپ کی اس بددعا پر آمین کہا۔

پس آندھی ٹھہر گئی اور حضرت سلیمان نے اپنے ہوائی سفر کو جاری رکھا:

(بحارالانوار: ۴۴/۲۴۴ ح ۴۲)

(۷) ایک دن حضرت موسیٰؑ حضرت یوشع بن نون کے ہمراہ سیر کر رہے تھے جب زمین کربلا پر پہنچے تو آپ کے جوتے ٹوٹ گئے اور بند کھل گئے اور آپ کے پاؤں میں کانٹے چبھنے کی وجہ سے خون بہنے لگا۔

آپ نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا: خدایا! مجھ سے کیا گناہ سرزد ہوگیا ہے کہ اس سزا میں مبتلا ہوگیا ہوں؟

وحی نازل ہوئی اس زمین پر حسینؑ قتل کر دیئے جائیں گے اور ان کا خون بہے گا لہٰذا ان کے خون کی موافقت میں تمہارا خون بہا۔

عرض کیا کہ پروردگار! کون حسینؑ؟

جواب ملا: محمد مصطفیٰؐ اور علی مرتضیٰ کا فرزند ارجمند: موسیٰ نے پوچھا کہ ان کا قاتل کون ہوگا؟

جواب ملا: وہ سمندر کی مچھلیوں، صحرا کے وحشیوں اور ہوا میں اڑنے والے پرندوں سے ملعون ہوگا۔ حضرت موسیٰؑ نے بددعا کے لیے ہاتھ بلند کئے اور یزید پر لعنت ونفرین کی۔ جب کہ حضرت یوشع نے آمین کہی اور اپنے سفر پر روانہ ہوگئے۔

(۸) ایک دن حضرت عیسیٰؑ اپنے حواریوں کے ساتھ جنگل بیاباں میں سیاحت فرما رہے تھے ان کا گزر کربلا میں سے ہوا تو ایک خون خوار شیر کو دیکھا' جو کہ ان کے راستے میں حائل تھا۔ حضرت عیسیٰؑ آگے بڑھے اور کہا: اے شیر! تو راستے پر کیوں بیٹھا ہوا ہے اور ہمیں گزرنے کیوں نہیں دیتا؟ اس شیر نے فصیح عربی میں جواب دیا:

"اِنِّی لَمْ أَدَعْ لَکُم الطَّرِیْقَ حَتّٰی تَلْعَنُوْا یَزِیْدَ قَاتِلَ الْحُسَیْنِؑ"

"میں تمہارے لئے راستہ نہیں چھوڑوں گا جب تک تم یزید قاتل حسینؑ پر لعنت

نہیں بھیجتے!

حضرت عیسیٰ نے کہا حسین کون؟

شیر نے کہا: وہ رسول امی محمدؐ اور ولی خدا علیؑ کا بیٹا ہے

فرمایا: اس کا قاتل کون؟

کہا: ان کا قاتل تمام حیوانات، وحشی درندوں اور بھیڑیوں سے بھی زیادہ ملعون ہے خصوصاً عاشور کے دنوں میں۔

حضرت عیسیٰؑ نے ہاتھ بلند فرمائے اور یزید پر لعنت ونفرین کی اوران کے حواریوں نے آمین کہی۔ شیر ان کے راستے سے ہٹ گیا اور وہ راستے سے گزر گئے۔ (بحارالانوار: ۴۴/۲۴۴ ح ۴۱)

مرحوم مازندرانی حائری اس واقعہ کے ذیل میں رقم طراز ہیں:۔

حضرت عیسیٰؑ اور آپ کے حواریوں نے گریہ کیا اور آنحضرتؑ کے قاتلوں پر لعنت کی۔ نیز حضرت عیسیٰ نے فرمایا: اے بنی اسرائیل! قاتل حسین پر لعنت کرو اور اگر ان کے زمانے کو پاؤ تو ان میں نہ بیٹھنا (یعنی ان کے ہمراہ جہاد کرنا) کیوں کہ ان کے ہمراہ شہید ہو جانا انبیاءؑ کے ہمراہ شہادت ہے۔ (معالی السبطین: ۱/۱۷۶)

تمام انبیائے کرام کا کربلا کی زیارت کرنے کا یہی سبب تھا۔

(۹) ام سلمہؓ فرماتی ہیں: ایک رات رسول پاکؐ میرے پاس سے باہر تشریف لے گئے اور کافی دیر تک میری آنکھوں سے اوجھل رہے۔ پھر آپ آشفتہ چال اور غبار آلودہ حالت میں گھر میں آئے۔ آپ نے اپنے ہاتھ باندھ رکھے تھے۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ کیا وجہ ہے کہ میں آپ کو پریشان حال اور گرد آلود دیکھ رہی ہوں؟

فرمایا: اس دوران میں (جتنی دیر گھر سے باہر گیا ہوں) مجھے عراق کے ایک موضع جسے کربلا کہتے ہیں، میں پھرایا گیا ہے۔ وہاں مجھے میرے بیٹے حسینؑ، میرے (دیگر) بیٹوں اور میرے اہل بیتؑ کے ایک گروہ کے محل شہادت کی نشان دہی کی گئی ہے۔ میں نے ان کے خون کو وہاں سے اٹھایا اور یہ خون میرے ہاتھ میں ہے۔ اس کے بعد آپ نے اپنا ہاتھ کھولا اور فرمایا: اے

پکڑو اور اس کی حفاظت کرنا۔

پس میں نے خاک سرخ سے مشابہ اس مٹی کو لے کر ایک شیشی میں رکھ لیا اور اس کا منہ باندھ دیا اور اسے حفاظت سے رکھا۔

جب حسینؑ مکہ سے عراق کی سمت روانہ ہوئے تو میں ہر روز بوقت شب اس شیشی کو نکالتی، سونگھتی اور دیکھتی اور آنحضرتؐ کی مصیبت پر گریہ کرتی۔

جب دس محرم کا دن آ پہنچا کہ جس روز حضرتؑ شہید ہوئے۔ میں نے اس شیشی کو دن کے پہلے پہر میں نکالا تو وہ اسی حالت میں تھی۔ جب میں دن کے آخری پہر میں اس کے پاس گئی تو وہ تازہ خون کی صورت اختیار کر چکی تھی۔ پس میں اپنے گھر میں آہ فریاد اور گریہ کرنے لگی لیکن اس خوف سے کہ کہیں دشمن مدینہ میں میری آواز نہ سن لیں اور ہماری شماتت میں جلدی کریں، اپنے دکھ کو چھپائے رکھا اور مسلسل اس دن اور گھڑی کو نظر میں رکھا۔ یہاں تک کہ آپ کی شہادت کی خبر مدینہ میں پہنچی اور جو کچھ میں نے دیکھا تھا اس کی حقیقت آشکار ہوگئی۔

(بحارالانوار: ۴۴/۲۳۹ ح ۳۱، ارشاد: ۲/۱۳۳ ب ۴ ح ۷)

(۱۰) شیخ صدوقؒ نے سند معتبر کے ساتھ ابن عباس سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ جنگ صفین میں جاتے ہوئے میں بھی امیر المومنین کے ساتھ تھا جب آپ نے فرات کے کنارے نینوا میں منزل کی تو بہ آواز بلند فرمایا: اے ابن عباس! کیا آپ اس موضع کو پہچانتے ہیں؟ میں نے کہا: نہیں اے امیر المومنینؑ فرمایا: اگر تم میری طرح اس موضع کو پہچانتے تو اس سے گزر نہ کرتے جب تک کہ میری طرح گریہ کناں نہ ہوتے۔

آپؑ نے شدید گریہ فرمایا: یہاں تک کہ آپ کی ریش مبارک آنسوؤں سے تر ہوگئی اور آنسو ٹپک ٹپک کر آپ کے سینہ مبارک پر رواں ہوگئے اور ہم گریہ کرنے لگے، اور حضرت فرماتے تھے۔ آہ آہ! مجھے آل ابوسفیان سے کیا کام؟ مجھے آل حرب سے کیا مطلب؟ کہ وہ حزب شیطان اور اولیائے کفر ہیں اے ابا عبداللہ! صبر کیجئے کہ جو صدمات تمہارے باپ کے ساتھ گزرے اسی کی مثل تمہارے ساتھ گزریں گے۔

پس آپ نے پانی طلب فرمایا اور وضو کیا اور چند رکعت نماز پڑھی۔ نماز کے بعد بھی یہی گفتگو کرتے اور روتے رہے۔ یہاں تک کہ کچھ دیر سو گئے۔ جب نیند سے بیدار ہوئے تو فرمایا: اے ابن عباس!

میں نے عرض کیا: میں حاضر ہوں۔

فرمایا: میں نے جو خواب میں دیکھا ہے: تمہیں اس کی خبر دوں؟ میں نے عرض کیا: اے امیرالمومنین آپؑ کی آنکھیں ہمیشہ استراحت میں رہیں، جو کچھ آپ نے دیکھا وہ بہتر ہی ہوگا۔ فرمایا: میں نے دیکھا کہ چند آدمی آسمان سے زمین پر آئے، جن کے ہاتھوں میں سفید رنگ کے پرچم تھے اور تیز وہ دھار چمکتی تلواریں حمائل کیے ہوئے تھے۔ انہوں نے اس زمین کے گرد ایک خط کھینچا۔

اس کے بعد میں نے دیکھا کہ خرما کے یہ درخت اپنی شاخیں زمین پر مار رہے ہیں، اور ان سے تازہ خون بہہ رہا ہے اور میرے جسم کا ٹکڑا اور آنکھوں کا نور حسینؑ اس خون میں غلطان فریاد اور استغاثہ کر رہا ہے لیکن کوئی اس کی مدد کو نہیں پہنچتا۔ وہ نورانی مرد جو آسمان سے اترے تھے اسے بہ آواز بلند کہہ رہے ہیں:

"صَبْراً آلَ الرَّسُوْلِ ، فَاِنَّكُمْ تُقْتَلُوْنَ عَلٰى اَيْدِى شِرَارِ النَّاسِ ، وَهٰذِهِ الْجَنَّةَ، يا أَبا عَبْدِاللّٰهِ اِلَيْکَ مُشْتَاقَةٌ"

"اے آل رسولؐ! صبر کیجئے تم بدترین خلق کے ہاتھوں قتل ہوگے اور اے ابا عبداللہ! جنت آپ کے (وجود مسعود) کی مشتاق ہے"

اس کے بعد انہوں نے مجھ سے تعزیت کی اور کہا: اے ابوالحسنؑ! آپؑ کو خوش خبری ہو کہ خدا قیامت کے دن اس (شہادت) سے آپ کی آنکھوں کو روشن کرے گا۔ پھر میں خواب سے بیدار ہو گیا۔ اے ابن عباس! مجھ علیؑ کو اس خدا کی قسم کہ جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ پیغمبر اکرم حضرت ابوالقاسمؐ نے مجھے خبر دی تھی کہ تم جب اہل ظلم و ستم سے جنگ کرنے کے لئے جاؤ گے تو اس زمین کو دیکھو گے۔ یہی وہ زمین کربلا ہے جہاں میرا حسینؑ دفن ہوگا اور میری اور فاطمہؑ کی اولاد میں سے سترہ (۱۷) افراد اس کے ہمراہ دفن ہوں گے۔ یہ زمین آسمان پر مشہور و معروف ہے اور

اس زمین کرب و بلا کا اسی طرح تذکرہ کیا جاتا ہے جس طرح زمین حرمین (مکہ و مدینہ) کو یاد کیا جاتا ہے۔اس کے بعد آپؑ نے مجھ سے فرمایا: ابن عباس! تم اس صحرا میں ہرن کی مینگنیاں تلاش کرو خدا کی قسم نہ تو میں نے جھوٹ کہا اور نہ ہی رسول اللہ سے جھوٹ سنا کہ ان کا رنگ مثل زعفران زرد ہوگا۔ابن عباس کہتے ہیں کہ میں نے امیر المومنین کے حکم کے مطابق مینگنیاں تلاش کیں تو ایک جگہ ان کو جمع پایا۔ میں نے بہ آواز بلند پکارا: یا امیر المومنینؑ! مجھے انہی صفات کی مینگنیاں مل گئی ہیں۔جیسا کہ آپ نے فرمایا تھا۔امیر المومنین نے ارشاد فرمایا: خدا اور رسول نے سچ فرمایا۔ پھر آپؑ تشریف لائے اور ان مینگنیوں کو اٹھا کر سونگھا اور فرمایا: یہ بعینہ وہی مینگنیاں ہیں (جن کی مجھے خبر دی گئی تھی) پھر اپنے حواریوں کے ساتھ جب اس صحرا میں وارد ہوئے تو دیکھا کہ یہاں ہرنوں کا ایک گلہ جمع ہے اور وہ ہرن رو رہے ہیں۔ یہ حال دیکھ کر حضرت عیسیٰؑ زمین پر بیٹھ گئے اور ان کے حواری ان کے اردگرد بیٹھے۔ اس وقت حضرت عیسیٰ رونے لگے تو حواری بھی انہیں دیکھ کر رونے لگے۔جب کہ وہ اس بات سے آگاہ نہ تھے کہ حضرت عیسیٰ یہاں کیوں بیٹھے ہیں اور کیوں رو رہے ہیں۔

حواریوں نے عرض کیا: یا روح اللہ! آپ گریہ کیوں فرما رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: کیا تم اس زمین کو جانتے ہو؟ حواریوں نے عرض کیا: نہیں۔فرمایا: یہ وہ سرزمین ہے جہاں پیغمبر آخر الزمانؐ احمد کا فرزند اور طاہرہ بتولؑ جو میری والدہ مریمؑ کی شبیہ ہوں گی کا فرزند شہید ہوگا۔اور اسی زمین میں دفن ہوگا اس زمین کی خاک پاک مشک سے فزوں تر ہے کیونکہ یہ خاک اس مظلوم شہید کا مدفن اور انبیاءؑ اور اولاد انبیاءؑ کی طینت ایسی ہی ہوتی ہے۔

یہ ہرن مجھ سے کلام کرتے ہیں اور مجھے بتاتے ہیں کہ تربت امام مظلوم کے اشتیاق میں وہ اس زمین کی گھاس چرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اس زمین پر ہم درندوں کے شر سے محفوظ ہیں۔

اس کے بعد حضرت عیسیٰؑ نے ان مینگنیوں کو اٹھایا، توڑا اور سونگھا اور فرمایا: ان میں اس گھاس کی خوشبو ہے جو اس زمین میں اگتی ہے۔اے اللہ ان مینگنیوں کو ہمیشہ اسی حالت میں باقی رکھ تا کہ اس (شہید مظلوم) کے والد بزرگوار ان کو سونگھیں اور ان کی تسلی کا باعث ہو۔

اس کے بعد امیر المومنینؑ نے فرمایا: اے ابن عباسؓ یہ مینگنیاں آج تک باقی ہیں اور

طویل مدت کے باعث ان کا رنگ زرد ہوگیا ہے اور یہ زمین جائے کرب و بلا ہے۔ اس کے بعد آپ نے بلند آواز سے فرمایا: اے عیسیٰ بن مریم خدا حسینؑ کے قاتلوں برکت نہ دے، اس اشقیاء کی نصرت کرنے والوں اور اس کی مدد نہ کرنے والوں کو۔

یہ کہہ کر امیرالمومنینؑ بہت روئے۔ آپ کو روتا دیکھ کر میں بھی رونے لگا۔ یہاں تک کہ حضرت روتے روتے بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ جب غش سے افاقہ ہوا تو تھوڑی مینگنیاں اٹھا کر اپنی چادر کے دامن میں باندھ لیں اور مجھے حکم دیا تو میں نے بھی تھوڑی ہی مینگنیاں اٹھا لیں۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا: اے ابن عباس! جب تم دیکھو کہ خون تازہ ان میں سے رواں ہے' تو یقین کر لینا کہ میرا فرزند حسینؑ اس سرزمین پر شہید ہو گیا ہے۔

ابن عباس کہتے ہیں کہ میں بعض واجبات خدا سے زیادہ ان مینگنیوں کی حفاظت کرتا تھا اور ہمیشہ اپنی آستین سے باندھے رکھتا تھا۔ ایک دن میں گھر میں سویا ہوا تھا۔ جب نیند سے بیدار ہوا تو دیکھا کہ میری آستین خون سے پر ہے اور خون ان مینگنیوں سے جاری ہے۔ یہ حال دیکھ کر میں اٹھ بیٹھا اور آہ و بکا کرنے لگا۔ میں نے دل میں کہا کہ خدا کی قسم! فرزند رسولؐ شہید ہو گئے اور میرے مولا علیؑ نے ہرگز جھوٹ نہیں فرمایا تھا اور کبھی میرے مولا نے مجھے ایسی خبر نہیں دی واقع نہ ہوئی ہو۔ کیونکہ رسول خداؐ ان کو بہت سی خبریں دیتے تھے۔ جن سے وہ دوسروں کو مطلع نہ فرماتے تھے۔ جب میں ڈرتا ہوا صبح دم گھر سے باہر نکلا تو دیکھا کہ ایک غبار نے سارے مدینہ کو گھیر لیا ہے اور کچھ نظر نہیں آتا گویا سورج کو گہن لگ گیا ہو۔ مدینہ کی دیواریں سرخ ہو گئیں۔ ایسا لگتا تھا کہ ان پر خون چھڑکا گیا ہو۔ پس میں (گھر واپس پلٹا) بیٹھ گیا اور رونے لگا اور کہا خدا کی قسم حسینؑ شہید ہو گئے۔ اتنے میں میں نے ایک غیبی آواز سنی جو یہ تھی:

اِصْبِرُو	آلَ	الرَّسُوْلَ
قُتِلَ	الْفَرْخُ	النُّحُولِ
نَزَلَ	الرُّوْحُ	الْاَمِیْنِ
بِبُکَاءِ	وَ	عَوِیْلِ

اے آلِ رسولؐ! صبر کرو کہ فرزند بتولؑ خستہ تن قتل ہوا اور روح الامینؑ نے نالہ و فریاد کرتے ہوئے اس شہید مظلوم کے ماتم میں نزول کیا۔

پھر اس شخص کے رونے کی آواز میرے کانوں میں آئی ۔اس کے رونے سے مجھ پر رقت طاری ہوگی اور میں نے اس وقت کو یاد رکھا اور وہ عاشور (دس محرم) کا دن تھا۔

جب امام حسینؑ کی شہادت کی خبر مدینہ پہنچی تو معلوم ہوا کہ آپ اسی روز شہید ہوئے تھے۔ اور وہ لوگ جو آپ کے ساتھ تھے بیان کرتے تھے کہ خدا کی قسم ہم نے بھی یہی آواز سنی تھی جو تم نے سنی ہم معرکہ میں مصروف تھے اور نہ سمجھ سکے کہ وہ کون تھا اور ہمارا گمان ہے کہ وہ حضرت خضرؑ تھے۔

(بحارالانوار: ۴۴/۲۵۲، امالی صدوق/ ۵۹۷م ۸۷ ح ۵، جلاء العیون/ ۳۲۷)

(۱۱) ہرثمہ بن ابی مسلم سے سند معتبر سے روایت ہے کہ اس نے کہا: ہم امیر المومنینؑ کے ہمراہ جنگ صفین میں گئے ۔واپسی پر جب زمین کربلا پر پہنچے اور اس جگہ نماز فجر ادا کی تو امیرؑ نے وہاں کی خاک کی ایک مٹھی اٹھائی' اسے سونگھا اور فرمایا: خوشا تمہاری حالت پر اے خاک، تم سے ایک ایسا گروہ محشور ہوگا کہ جو بغیر کسی حساب کے وارد بہشت ہوں گے۔

ہرثمہ نے واپس لوٹنے کے بعد اپنی بیوی سے، جو شیعان علیؑ میں سے تھی یہ واقعہ بیان کیا۔اس کی بیوی نے کہا: اے شخص! امیر المومنین سوائے حق کے کچھ نہیں فرماتے۔

جب امام حسینؑ عراق کی جانب تشریف لائے' تو ہرثمہ کا کہنا ہے کہ میں عبیداللہ ابن زیاد کے لشکر میں تھا۔اس وقت میں نے زمین کربلا اور اس کے درختوں کو دیکھا تو مجھے حضرت علی علیہ السلام کی باتیں یاد آ گئیں۔ میں اپنے اونٹ پر سوار ہو کر امام حسینؑ کے نزدیک پہنچا، انہیں سلام کیا اور اس مقام پر جو کچھ آپؑ کے باباؑ سے سنا تھا آپؑ سے عرض کیا۔

حضرت نے فرمایا: تو کیا تو میرا ساتھ دے گا یا میرے دشمنوں کا؟ میں نے کہا: نہ آپ کا اور نہ آپ کے مخالفوں کا۔کوفہ میں میری چند بیٹیاں ہیں جن کے بارے میں عبیداللہ ابن زیاد سے ڈرتا ہوں۔

آنحضرتؑ نے فرمایا:

فَامْضِ حَيْثُ لَاتَرىٰ لَنَا مَقْتَلاً وَلَا تَسْمَعَ لَنَا صَوتًا ، فَوَالَّذِیْ نَفْسُ حُسَیْنٍ بِیَدِهٖ لَا یَسْمَعُ الْیَومَ وَاعِیَتَنَا أَحَدٌ فَلَا یُعِیْنُنَا اِلَّا کَبَّهُ اللّٰهُ لِوَجْهِهٖ فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ

"کسی ایسی جگہ پر چلے جاؤ کہ جہاں ہمیں قتل ہوتا نہ دیکھو اور ہماری آواز استغاثہ نہ سنو۔ اس خدا کی قسم کہ جس کے ہاتھ میں حسینؑ کی جان ہے جو شخص بھی ہمارا استغاثہ سنے گا اور ہماری مدد نہیں کرے گا، خدائے متعال اس کی اس بات پر اسے آتش جہنم میں پھینک دے گا"

(بحارالانوار: ۴۴/ ۲۵۵، امالی صدوق/ ۱۳۶م ۲۸ح ۶، شرح ابن ابی الحدید: ۳/ ۱۶۹ب ۴۶)

امام حسینؑ اور حضرت یحییٰؑ

شباہتیں:۔

امام سجاد علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا:

ہم امام حسینؑ کے ہمراہ نکلے تو آپ نے کسی بھی منزل پر پڑاؤ نہیں کیا اور کسی بھی منزل سے کوچ نہیں فرمایا مگر یہ کہ یحییٰ بن زکریا علیہ السلام کو یاد فرماتے تھے۔ (بحارالانوار: ۴۵/۲۹۸)

(۱) دونوں کے حمل کی مدت چھے ماہ تھی جس کا تذکرہ کیا جا چکا ہے۔

(۲) دونوں کی ولادت ہائے با سعادت پر خداوند متعال کی طرف سے خوش خبری آئی:

حضرت یحییٰؑ کے بارے میں قرآن فرماتا ہے:

"یازَکَرِیّا اِنَّا نُبَشِّرُکَ بِغُلامٍ اسْمُهُ یَحْییٰ" (سورہ مریم، آیہ ۷)

"اے زکریاؑ! ہم آپ کو ایک فرزند کی خوش خبری دیتے ہیں کہ جس کا نام یحییٰؑ ہے"

اور امام حسینؑ کے بارے میں حدیث شریف میں آتا ہے کہ پیغمبر اکرمؐ پر جبرئیل امینؑ نازل ہوئے اور کہا: اے محمدؐ!

" اِنَّ اللّٰهَ یُقْرِءُ عَلَیْکَ السَّلامَ وَیُبَشِّرُکَ بِمَوْلُوْدٍ یُوْلَدُ مِنْ فاطِمَةَ تَقْتُلُهُ اُمَّتُکَ مِنْ بَعْدِکَ "

"تحقیق خدائے متعال آپؐ پر سلام بھیجتا ہے اور وہ مولود جو حضرت فاطمہ (کے بطن مبارک) سے دنیا میں تشریف لایا ہے، کے بارے میں بشارت دیتا ہے کہ آپ (کے انتقال) کے بعد آپ کے امتی اسے شہید کر دیں گے"

(کامل الزیارات/ ۵۶ ب ۱۶ ح ۴)

(۳) دونوں کے نام بغیر کسی واسطہ کے خداوند متعال کی طرف سے منتخب ہوئے۔

(سورہ مریم' آیہ ۷' بحارالانوار: ۴۳/ ۲۳۸ و ۲۴۹' امالی صدوق ۱۳۴م ۲۸ ح ۳)

(۴) دونوں نے شیر مادر نہیں پیا' حضرت یحییٰ کو آسمان پر اٹھا لیا گیا اور بہشت کی نہروں میں سے (مشروبات بہشت) پیتے رہے اور شیر خوارگی کے بعد باپ کے پاس نازل ہوئے۔

(بحارالانوار: ۱۴/ ۱۸۰ ح ۱۷)

اور امام حسین نے زبان رسول کو چوس کر عرش عظیم سے غذا حاصل کی۔

(بحارالانوار: ۴۳/ ۲۴۵ اصول کافی: ۱/ ۳۸۶، امالی صدوق/ ۱۳۶ م ۲۸ ح ۵)

(۵) دونوں ہستیوں کے چہرے درخشندہ تھے:

حضرت یحییٰ کے بارے میں وارد ہے:

"كَانَ الْبَيْتُ يُضِيئُ بِنُوْرِهِ"

"آپ کے نور جمال نے گھر کو روشن کر دیا" (بحارالانوار: ۱۴/ ۱۸۰ ح ۱۷)

اور امام حسینؑ کے بارے میں راوی کہتا ہے:

" لَقَدْ شَغَلَنِيْ نُورُ وَجْهِهِ وَجَمَالُ هَيْبَتِهِ عَنِ الْفِكْرَةِ فِي قَتْلِهِ "

"ان کے چہرے کے نور اور جمال وجلال نے مجھے ان کے قتل کے ارادے سے باز رکھا"

(بحارالانوار: ۴۵/ ۵۷)

(۶) دونوں ہستیوں میں سے کوئی بھی تمام عمر خوش حال نہ ہوا اور اگر کوئی خوشی ان کی زندگی میں آئی بھی تو جلد ہی حزن و ملال میں بدل گئی۔ (اشک رواں/ ۴۴۰)

(۷) دونوں کے قاتل حرام زادے تھے۔ (کامل الزیارات/ ۷۷ ب ۲۵)

اور حدیث میں آتا ہے کہ جہنم میں ایک ایسی منزل ہے جس کا مستحق امام حسینؑ اور حضرت یحییٰ کے قاتلوں کے علاوہ کوئی نہیں ہے۔

(بحارالانوار: ۴۴/ ۳۰۱ ح ۹' کامل الزیارات/ ۷۸ ب ۲۵ ح ۲' عقاب الاعمال/ ۲۱۶ باب عقاب من قتل الحسینؑ ح ۲)

(۸) آپ پر زمین و آسمان نے گریہ کیا۔

(بحارالانوار: ۱۴/ ۱۶۸ ح ۶ و ۷' و ج ۴۵/ ۲۱۰ و ۲۱۱ کامل الزیارات/ ۸۹ ب ۲۸ ح ۱۷)

بلکہ خون روئے۔ (بحارالانوار: ۴۵/ ۲۱۵و۲۱۶و۲۱۷و ۲۱و ج ۱۴/ ۱۸۳ کامل الزیارات/ ۹۲ ب ۲۸ ح ۲۰)

(۹) آسمان اور اہل آسمان کے علاوہ' سورج نے بھی ان دونوں ہستیوں پر گریہ وغم کیا۔ سورج کا گریہ اس صورت میں تھا کہ وہ خون رنگ طلوع ہوا اور خون رنگ غروب ہوا۔

(بحارالانوار: ۱۴/ ۱۸۲)

(۱۰) شہادت کے بعد ان دونوں ہستیوں کے سروں نے کلام کیا' یحییٰؑ کے سر نے بادشاہ سے کہا: خدا سے ڈرو۔ (بحارالانوار: ۱۴/ ۳۵۷)

اور امام حسینؑ کا سر مبارک بار بار قرآن پڑھتا تھا' جس کا تذکرہ بعد میں کیا جائے گا۔

(۱۱) یحییٰ علیہ السلام کو بطریق صبر قتل کیا گیا۔ (اشک رواں/ ۴۴۱)

اور امام حسین باا ینکہ میدان جنگ میں شہید ہوئے مگر یہ بھی طریق صبر تھا۔

چنانچہ امام سجادؑ نے کوفہ میں فرمایا:

" أَنَا ابْنُ مَنْ قُتِلَ صَبْراً "

"میں اس کا بیٹا ہوں کہ جسے طریق صبر سے شہید کیا گیا۔

(بحارالانوار: ۴۵/ ۱۱۳' لہوف/ ۱۵۷' قتل صبر کا مفہوم یہ ہے کہ کسی جاندار کا نشانہ باندھ کر کوئی چیز اس کی طرف پھینکتے ہیں تا کہ وہ مر جائے)

(۱۲) حضرت یحییٰؑ کے سر کو بنی اسرائیل کے ایک حرامزادے کو ہدیہ کیا گیا۔ (بحارالانوار: ۴۵/ ۲۹۸)

اور سید الشہداءؑ کے سر کو ابن زیاد اور یزید کو ہدیہ کیا گیا جس کا تذکرہ آئندہ آئے گا۔

دونوں ہستیوں کی شہادت میں تفاوت

(۱) یحییٰ کی بشارت حضرت زکریا کے لئے خوشی کا باعث بنی تھی' لیکن حضرت حسینؑ کی بشارت حزن وملال کا موجب بنی۔

(۲) حالانکہ دونوں بطریق صبر شہید ہوئے لیکن امام حسینؑ کو اس قدر زخم لگے کہ آپ ایک جگہ ٹھہر گئے' پس آپ کا سر کاٹ لیا گیا۔

(۳) حضرت یحییٰ کے سر کو ہاتھوں سے پکڑا گیا اور طشت میں کاٹا گیا لیکن حضرت حسینؑ کے پہلو

میں نیزہ مارا گیا جس سے آپ گھوڑے سے زمین پر آ گرے۔ پھر آپ کے سر کو کاٹا گیا۔

(۴) حضرت یحییٰ کے قاتل کی عداوت خنجر کی ایک ضرب چلانے سے ختم ہوگئی' لیکن کربلا میں تلواروں اور نیزوں کی سینکڑوں ضربوں کے علاوہ دیگر ضربوں پر بھی اکتفا نہ کیا گیا۔ اور شہادت کے بعد لاشہ امام کو گھوڑوں کے سموں تلے پامال کیا گیا۔

(۵) حضرت یحییٰ کے سر کو صرف ایک بار ہدیہ کیا گیا لیکن مظلوم حسینؑ کے سر کو نیزے پر سوار کر کے شہر بہ شہر پھرایا گیا اور لعین دستی چوب سے آپ کے دانتوں اور ہونٹوں پر ضربیں لگاتے رہے۔

(۶) حضرت یحییٰ کے قاتل کی حالت آپ کے سر مقدس کو دیکھ کر متغیر ہوگئی لیکن امام حسینؑ کے قاتل نے آپ کے سر مبارک کو دیکھ کر تبسم کیا۔

(۷) حضرت یحییٰ کو مسجد سے باہر لایا گیا تو آپ کے کوئی اہل و عیال اور بچے نہ تھے۔ لیکن امام مظلومؑ کو اس حالت میں خیموں سے باہر لایا گیا کہ بیبیاں حیران' پیاسی' بے سہارا اور عالم غربت میں تھیں۔ چھوٹی بچیاں بے کسی و غریبی کی حالت میں نالہ کناں تھیں اور امامؑ انہیں اپنی امان رحمت میں لے کر تسلی و تشفی دے رہے تھے۔

(۸) جناب یحییٰؑ کا سارا خون طشت میں گرا سوائے اس ایک قطرہ کے جو زمین پر گرا اور جوش زن ہو۔ لیکن کربلا میں سارے کا سارا خون خاک پر بہا سوائے ان چند قطروں کے جو امام مظلومؑ نے خود اپنے ہاتھوں سے اپنے چہرے پر مل لئے یا آسمان کی جانب اچھال دیئے۔

(۹) حضرت یحییٰؑ کا سر ایک ضرب سے کاٹا گیا لیکن مظلوم کربلاؑ کا سر بارہ ضربوں سے کاٹا گیا۔

(۱۰) جب جناب یحییٰؑ کے سر کو کاٹا گیا تو ان کا بدن اطہر صحیح تھا لیکن کربلا میں امام حسینؑ کے بدن کو پامال اور ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا۔

(۱۱) امام حسینؑ کے سر کو نیزہ پر بلند کیا گیا' درخت پر لٹکایا گیا' دروازے پر نصب کیا گیا اور تنور میں رکھا گیا' لیکن جناب یحییٰؑ کا سر صرف طشت میں پڑا رہا۔

(اشک رواں/۴۴۱۔۴۴۳)

فاطمہ زہراؑ کی میدان محشر میں آمد

(۱) امام رضا علیہ السلام اپنے آباؤ اجداد سے نقل فرماتے ہیں کہ رسول خدا نے فرمایا:
قیامت کے دن میری بیٹی فاطمہؑ خون آلودہ لباس لئے میدان محشر میں آئے گی اور ارکان عرش میں سے ایک رکن کا سہارا لے کر کہے گی: اے انصاف فرمانے والے! میرے اور میرے فرزند (حسینؑ) کے قاتلوں کے درمیان فیصلہ فرما۔
رسولؐ خدا نے فرمایا: رب کعبہ کی قسم، میری بیٹی کے حق میں فیصلہ دیا جائے گا۔ بتحقیق خدائے عزوجل فاطمہؑ کے غضب سے خشمناک ہوگا اور اس کی رضا پر خوش وخشنود ہوگا۔

(بحار الانوار: ۴۳/۲۲۰ باب تظلمہا فی القیامۃ ح ۳)

(۲) امام جعفر صادقؑ نقل فرماتے ہیں کہ رسول خداؐ نے فرمایا: جب قیامت کا دن ہوگا تو فاطمہؑ کے لئے ایک قبۂ نور نصب کیا جائے گا اور حسین علیہ السلام خود اپنا سر ہاتھ میں لئے اپنی ماں کی طرف چلیں گے۔
جب حضرت فاطمہؑ ان کو دیکھیں گی تو نالہ وفریاد اور گریہ وشیون کریں گی جس پر تمام مقرب فرشتے، انبیائے مرسلینؑ اور تمام مومنین میدان محشر میں ان کے حال زار پر روئیں گے۔
اس کے بعد امام صادقؑ نے فرمایا: خدا ہمارے شیعوں پر رحمت کرے خدا کی قسم ہمارے شیعہ حقیقی مومن ہیں جو اس طویل رنج وغم اور شدید افسوس میں، اس مصیبت میں ہمارے ساتھ شریک رہیں گے۔

(بحار الانوار: ۴۳/۲۲۱ ح ۷، عقاب الاعمال/۲۵۷ باب کیفر قاتلین حسین علیہ السلام ح ۳)

(۳) حضرت علی ابن ابی طالب سے روایت ہے کہ رسول خدا نے فرمایا: فاطمہؑ کے لئے اس کے بیٹے حسینؑ کا خون آلود سر مجسم ہو جائے گا۔ پس فاطمہؑ فریاد کریں گی:

"وَاوَلَدَاهُ ، وَاثَمَرَةَ فُؤَادَاهُ"

"اے میرے بیٹے، اے میرے میوہ دل"

فاطمہ کے گریہ وشیون پر تمام ملائکہ نالہ و فریاد کرنے لگیں گے، اور اہل محشر کہیں گے: اے فاطمہؑ خدا آپؑ کے بیٹے کے قاتل کو قتل کرے۔

(عقاب الاعمال/۲۶۰ ح ۱۰، بحارالانوار: ۴۳/۲۲۲ ح ۹)

(۴) رسول خداؐ نے فرمایا: جب قیامت کا دن ہوگا تو فاطمہؑ خواتین کے ایک گروہ کے درمیان محشر میں وارد ہوں گی۔ حکم ہوگا: بہشت میں داخل ہو جاؤ۔

آپؑ عرض کریں گی: میں اس وقت تک بہشت میں داخل نہیں ہوں گی جس وقت تک یہ نہ جان لوں کہ میرے بعد میرے بیٹے حسینؑ سے کیا سلوک کیا گیا؟

خطاب باری ہوگا: قلب محشر پر نگاہ ڈالو۔ جب نگاہ ڈالیں گی تو حسینؑ کو دیکھیں گی کہ جو بغیر سر کے کھڑے ہوں گے۔ پس وہ گریہ کریں گی اور میں اس کے گریہ پر نالہ وشیون کروں گا۔ اور تمام ملائکہ ہماری فریاد و فغاں پر تڑپ اٹھیں گے۔

پس خدائے بزرگ و برتر کو غصہ آئے گا اور اس آگ کو کہ جس کا نام ہبہب ہے، اور جسے ہزار سال سے جلایا گیا ہے تا کہ سیاہ ہو جائے اور جس میں ذرہ برابر آسائش نہیں اور اندوہ اس سے جدا نہ ہوگا، حکم دیا جائے گا کہ قاتلان حسینؑ کو اگر چہ وہ حاملین قرآن ہوں برباد کر دو۔ پس وہ آگ ان تمام کو نگل لے گی ....

(بحارالانوار: ۴۳/۲۲۲ ح ۸، عقاب الاعمال/۲۵۸ ح ۵)

(۵) ابان بن عثمان حضرت صادقؑ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: جب قیامت کا دن ہوگا خداوند متعال اولین و آخرین، تمام مخلوقات کو ایک بیابان میں جمع کرے گا پس منادی ندا کرے گا: اپنی آنکھوں کو بند کرلو اور اپنے سروں کو جھکالو، تا کہ فاطمہ بنت محمدؐ

راستے سے گزر جائیں۔

پس (تمام) مخلوق اپنی آنکھوں کو بند کرلے گی اور فاطمہؑ بہشت کے ناقوں میں سے ایک ناقہ پر سوار' ستر ہزار فرشتوں کی مشایعت میں آئیں گی اور میدان قیامت میں ایک بلند مقام پر ٹھہریں گی۔ اس وقت اپنے ناقہ سے اتریں گی اور حسینؑ ابن علیؑ کے خون آلودہ لباس کو ہاتھ میں لے کر عرض کریں گی: پروردگار! یہ میرے بیٹے کا لباس ہے اور تو (خوب) جانتا ہے کہ اس کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا۔

خدائے عزوجل کی طرف سے آواز آئے گی: اے فاطمہ! مجھے تمہاری خوشنودی منظور ہے؟

پس (فاطمہؑ) عرض کریں گی: خدایا! اس کے قاتلوں سے انتقام لے۔

خداوند متعال آگ کے ایک گروہ کو حکم دے گا کہ جہنم سے نکل کر قاتلان حسینؑ کو (میدان محشر سے اس طرح چنو ' جس طرح پرندہ دانہ چنتا ہے۔ پس (وہ) آگ انہیں اپنے ہمراہ جہنم میں لے جائے گی، اورانہیں طرح طرح کے عذاب سے معذب کیا جائے گا۔

اس وقت فاطمہؑ ناقہ پر سوار بہشت میں داخل ہوں گی ملائکہ ان کی مشایعت کر رہے ہوں گے اور ان کے بیٹے ان کے آگے آگے اور شیعہ ان کے دائیں بائیں ہوں گے۔

(امالی مفید/۱۳۰م۱۵ح۶، بحارالانوار: ۴۳/۲۲۴ح۱۱)

علامہ شوستری نے کتاب ''الخصائص الحسینیہ'' میں حضرت فاطمہ زہراءؑ کی آمد کی کیفیت کو کئی احادیث سے استفادہ وتلفیق کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ہم یہاں اس کا خلاصہ نقل کرتے ہیں۔

اس دن حضرت فاطمہ ایک خاص کیفیت میں محشر میں وارد ہوں گی کہ ان کے سر پر حلہ کرامت ہوگا اور ان کے چہرے پر ہزار بہشتی حلے ہوں گے۔ اور ان کے سر پر نور الٰہی کا ایک قبہ ہوگا جس کا ظاہر اس کے باطن سے اور باطن اس کے ظاہر سے روشن تر ہوگا۔ اور سر پر ستر کونوں والا ایک نورانی تاج ہوگا۔ جس ناقہ پر آپؑ سوار ہوں گی وہ جنت کا

ناقہ ہوگا اس کی مہار جبرئیلؑ کے ہاتھ میں ہوگی اور وہ پکار پکار کر کہہ رہا ہوگا: اپنی آنکھوں کو بند کرلو کہ خاتم الانبیاءؐ کی بیٹی گزر سکیں۔

بہشت کی جانب سے بارہ ہزار حور العین ان کے استقبال کے لئے بڑھیں گی کہ جنہوں نے کبھی کسی کا استقبال نہ کیا ہوگا اور نہ کسی کو چاہا ہوگا۔ اس کے ساتھ ساتھ مریم بنت عمران ستر ہزار حوریہ کے ہمراہ اور جناب خدیجہ الکبریٰؑ ستر ہزار فرشتوں کے ہمراہ اور حوا و آسیہ بھی ستر ہزار حوروں کے ہمراہ (استقبال کریں گی)۔ اس وقت آپؑ کے لئے نور کا ایک منبر نصب کیا جائے گا۔ خون آلود سامان اور خون حسینؑ میں غلطان پیراہن اس مکرمہ کے پاس ہوگا۔

پس وہ عرض کریں گی: خدایا! میں چاہتی ہوں کہ حسنؑ وحسینؑ کو دیکھوں۔ پس حسینؑ سر بریدہ حالت میں سامنے آئیں گے اور ان کی رگوں سے خون جاری ہوگا۔ جب اس حالت کو دیکھیں گی تو آپؑ کی چیخ نکل جائے گی، اور خود کو ناقہ سے نیچے گرا دیں گی اور تمام پیغمبر اور ملائکہ رونے اور چلانے لگیں گے۔

حدیث میں ہے کہ حسینؑ بذات خود اپنے سر کو ہاتھ میں لئے آئیں گے اور جب فاطمہؑ ان کو دیکھیں گی تو نعرہ زن ہوں گی اور تمام اہل محشر گریہ کرنے لگیں گے۔ پس حسینؑ کے پیراہن کو ہاتھ میں لے کر عرض کریں گی: خدایا: یہ میرے بیٹے کا پیراہن ہے۔ اس پیراہن کو بھی اس کے بدن پر نہ چھوڑا گیا اور اسے برہنہ حالت میں زمین (کربلا) پر ڈال دیا گیا۔

پس اے خدائے متعال! اس کے قاتلوں اور ان کی اولاد سے اور ان کی اولاد کی اولاد سے جو اپنے باپ دادوں کے اس فعل سے راضی ہوئے، طرح طرح کے عذاب سے انتقام لیجیے۔

(اشک رواں برامیر کارواں/ ۲۸۷ تا ۲۸۹)

عزائے سید الشہداءؑ میں سیاہ لباس پہننے کا استحباب

اس میں کچھ شک نہیں کہ تمام قرون و اعصار میں علماء، صلحاء اور ابرار و اخیار کا وطیرہ یہ تھا کہ مصیبت میں سیاہ لباس پہنتے تھے۔ اور معصومین علیہم السلام بھی ایام عزا خصوصاً عزا داری سید الشہداءؑ میں ایسا ہی کرتے تھے۔ بلکہ تمام عقلا کا اسی پر عمل تھا کہ وہ سیاہ لباس کو حزن و واندہ کا لباس سمجھتے تھے۔

اسلام کی مقدس شرع میں اس پر کسی قسم کا اعتراض اور منع نہیں کیا گیا بلکہ اکثر احادیث اور شواہد اس کی تائید میں ملتے ہیں۔

ہم یہاں اس روش کی دلالت میں چند واقعات کا ذکر کرتے ہیں، اس کے بعد عزائے آئمہ میں سیاہ پوشی کی مطلوبیت پر دال احادیث نقل کریں گے جو بعض فقہا نے اپنے فتاویٰ کے ذیل میں درج کی ہیں۔

(۱) جنگ احد جس میں مسلمانوں کے ستر (۷۰) افراد شہید ہوئے۔ ام سلمہ سمیت مسلمانوں کی خواتین نے شہداء کے سوگ میں سیاہ رنگ کا لباس پہنا۔ (سیرہ ابن ہشام: ۱۵۹/۳)

(۲) ابونعیم اصفہانی نقل کرتے ہیں: جس وقت امام حسینؑ کی شہادت کی خبر جناب ام سلمہؓ کو پہنچی تو انہوں نے مسجد نبوی میں سیاہ رنگ کا قبہ نصب کیا اور سیاہ رنگ کا لباس پہنا۔

(عیون الاخبار از عماد الدین ادریس قرشی/۱۰۹)

(۳) اسماء بنت عمیس نے جنگ موتہ کے بعد اپنے ہمسر جعفر طیار کے غم و عزا میں سیاہ لباس پہنا۔ (مجمع الزوائد ہیثمی: ۱۶/۳)

(۴) امام زین العابدینؑ کے فرزندوں میں سے ایک فرزند نقل فرماتے ہیں کہ امام حسینؑ کی شہادت کے بعد بنی ہاشم کی عورتوں نے آنحضرتؑ کے ماتم میں سیاہ رنگ کے لباس اور خشن کے جامے پہنے اور وہ گرمی یا سردی کی شکایت ہرگز نہ کرتی تھیں اور میرے بابا علی بن الحسین ان کے مراسم عزاداری میں مشغول ہونے کے سبب ان کے لئے غذا کا انتظام کرتے تھے۔

(محاسن برقی /۴۲۰ ح ۱۹۵، بحار الانوار: ۴۵/ ۱۸۸ و ج ۸۲/۸۴، سائل: ۳/ ۲۳۸ ب ۶۷ از دفن ح ۱۰)

(۵) جس وقت یزید نے اہل بیت رسول کو طلب کیا اور انہیں شام میں قیام کرنے یا مدینہ واپس چلے جانے میں اختیار دیا تو وہ کہنے لگے: ہم ہر چیز سے اس بات کو عزیز رکھتے ہیں کہ امام مظلوم کے لئے مجلس ماتم و عزاء برپا کریں اور گریہ و زاری کریں۔

یزید نے کہا: تم جو چاہتے ہو انجام دو۔ اس وقت ان کے لئے مکان مہیا کئے گئے۔ پس بنی ہاشم اور طائفہ قریش کی عورتوں میں سے کوئی بھی ایسی نہ تھی جس نے (عزاداری) حسینؑ کے لئے سیاہ لباس نہ پہنا ہو۔ اور سات دن تک آنحضرتؑ کے لئے گریہ و ندبہ کیا گیا۔

(منتخب طریحی: ۲/۴۸۲، بحار الانوار: ۴۵/۱۹۴، مستدرک: ۳/ ۳۲۷ ب ۱۲۸ احکام ملابس ح ۳۱۲، مقتل ابی مخنف/۲۲۰)

(۶) امام سجاد کے جامع مسجد دمشق میں تاریخی خطبے کے بعد منہال اٹھا اور کہنے لگا: اے فرزند رسول خدا! آپ کا کیا حال ہے؟

امام سجادؑ نے فرمایا: اس شخص کا حال کیسا ہوگا کہ جس کے باپ کو قتل کر دیا گیا ہو اور اس کے اہل و عیال کو قیدی بنا لیا گیا ہو؟ ابھی میں اور میرے اہل بیتؑ لباس عزا پہنے ہوئے ہیں اور نیا لباس پہننا ہمارے لئے روا نہیں ہے۔ (مقتل ابی مخنف/ ۲۱۷، ناسخ التواریخ زندگانی امام سجادؑ: ۱/۲۹۳)

(۷) سلیمان بن راشد اپنے باپ سے نقل کرتا ہے کہ میں نے امام سجادؑ کو دیکھا کہ آپ سیاہ رنگ کا ایک جبہ' جو آگے سے کھلا تھا' پہنے ہوئے تھے۔

(کافی: ۶/۴۴۹، وسائل: ۵/۳۴ب ۱۱۸ حکام ملابس ح ۲، مستدرک: ۳/۲۱۰ب ۷ الباس مصلی ح ۲، دعائم الاسلام: ۲/۱۶۱ ح ۵۷۲)

(۸) نعمان بن بشیر نے جس وقت امام حسینؑ کی شہادت کی خبر اہل مدینہ کے کانوں تک پہنچائی، تمام لوگوں نے سیاہ لباس پہن لئے اور نالہ وفریاد کرنے لگے۔

(مقتل ابی مخنف/۲۲۲)

(۹) سلیمان بن ابی جعفر (ہارون کے چچا) امام کاظمؑ کی تشییع جنازہ میں سیاہ رنگ کا لباس پہنا۔

(بحارالانوار: ۴۸/۲۲۷)

(۱۰) سیف بن عمیرہ، امام صادقؑ اور امام کاظمؑ کے ایک بزرگ صحابی اپنے سوگنامہ میں کہتے ہیں:

وَاَلْبَسُ ثِیابَ الْحُزْنِ یَوْمَ مُصابِهِ

ما بَیْنَ أَسْوَدَ حالِکٍ أَوْأَخْضَرِ

آنحضرتؑ کے یوم شہادت (روز عاشور) (ایسے) لباس ہائے عزا پہننے چاہیں جو گہرے سیاہ رنگ یا گہرے سبز رنگ کے ہوں۔ (منتخب طریحی: ۲/۴۳۷)

صدر اسلام سے مربوط یہ موارد اس بات پر روشنی ڈالتے ہیں کہ اسلام کے قرون اولیہ میں ہمارے زمانہ کی طرح سیاہ رنگ کا لباس غم کی علامت تھا۔ اور مصیبت زدہ لوگ (مشکی کالے رنگ) کا لباس یا کم از کم لباس تیرہ پہنتے تھے۔

پہلا اور دوسرا واقعہ اس جلیل القدر بی بی کے متعلق ہیں کہ جو سات سال تک پیغمبر اکرم کی زوجہ رہیں اور پچاس سال سے زیادہ عرصہ آئمہ معصومینؑ سے مانوس و مربوط رہیں۔ امیر المومنینؑ اور امام حسنؑ کی شہادتیں ان کے سامنے ہوئیں۔ اور امام حسینؑ نے انہیں ماں کہہ کر مخاطب کیا۔ اس پر توجہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مراسم عزا شروع سے رائج تھے اور مسلسل مروج رہے۔ ان کے اس عمل کو تقریر معصومینؑ سے نسبت ہے اور ان کے اس عمل کو ان کی سیرت کے علاوہ سنت کو ظاہر کرنے والا بھی سمجھنا چاہیے۔

تیسرا مورد اسماء بنت عمیس کے متعلق ہے کہ جو اکثر حضرت فاطمہ زہراؑ اور امیر المومنینؑ کی خدمت میں رہیں۔ ان کا عمل بھی ہمارے کئے بہت سے معاملات سیرت کا آئینہ دار ہے۔

چوتھے مورد کے بارے میں عرض ہے کہ سیاہ پوش بیبیوں کے درمیان عقیلہ بنی ہاشم، نائبہ حضرت زہراؑ، قہرمان کربلا، حضرت زینب کبریٰؑ جیسی ہستی کا وجود اس مسئلے کو حد سیرہ سے بالا تر لے جاتا ہے۔

خصوصاً اس لحاظ سے کہ یہ بیبیاں امام زین العابدین کے حضور موجود تھیں۔ اور امام بذات خود ان کے لئے غذا کا بندوبست فرماتے تھے۔ اور طبعاً ان کے لباس کی وضع کو دیکھتے ہوئے انہیں منع نہیں فرماتے تھے۔

ابن کثیر لکھتے ہیں: سال ۳۵۲ ہجری میں معزالدولہ احمد بن بویہ نے حکم دیا: محرم کے پہلے دس دن بغداد کے عام بازار بند رکھے جائیں اور لوگ سیاہ لباس پہنیں اور عزاداری و نوحہ سرائی کے مراسم برپا کریں۔ نوحہ سرائی کی جائے اور مرد اور عورتیں اپنے سینوں اور چہروں پر ماتم کریں۔ اور اس حالت میں کاظمین شریفین کی طرف جائیں اور ان دونوں اماموں سے امام حسینؑ کی مصیبت پر تعزیت کریں۔ (البدایہ والنہایہ: ۱۱/۲۴۳ عزائے حسینی ۲۲۵)

اس اعتبار سے تقریر معصوم کے سبب یہ شرعی حجت بن جاتی ہے اور اس کی مظلومیت ثابت ہو جاتی ہے۔

پانچواں مورد بھی بعینہ چوتھے مورد کی طرح ہے اور حجتِ شرعی کی حد میں داخل ہے۔

چھٹا مورد ان سے بھی زیادہ دلالت کا حامل ہے' اس میں لفظ سیاہ کی وضاحت نہیں کی گئی بلکہ لباس عزاء کے عنوان سے بات ہوئی ہے۔

ساتویں مورد میں یہ وضاحت نہیں کی گئی کہ اپنے پدر بزرگوار کے سوگ میں مشکی (کالا) لباس پہن رکھا تھا ورنہ حجت شرعی قائم ہو جاتی۔

اس غالب بیان کو سامنے رکھتے ہوئے یہ موارد علاوہ ازیں اس بات کے اثبات کا بھی موجب بنتے ہیں کہ صدر اسلام میں سیاہ لباس، لباس عزا کی حیثیت رکھتا تھا۔ اور تمام لوگ اپنے عزیزوں کی مصیبت میں سیاہ کپڑے پہنتے تھے۔ اس کے شرعی رجحان کے بارے میں امام کا سکوت بھی دال ہے۔

وہ روایات جو عمل معصومؑ پر مبنی قول کی ترجمان ہیں۔

(۱) اصبغ بن نباتہ کا کہنا ہے: میں مولائے متقیان، امیر المومنین علیہ السلام کی شہادت کے بعد مسجد کوفہ میں وارد ہوا۔ میں نے دیکھا کہ امام حسنؑ اور امام حسینؑ نے سیاہ لباس پہن رکھے تھے۔ (سیاہ پوشی در سوگ آئمہ نور/۲۳۳ بہ نقل از رسالہ مجمع الدر آیۃ اللہ مامقانی)

(۲) امیر المومنینؑ کی شہادت کے بعد عبداللہ بن عباس لوگوں کی طرف آئے اور کہا: امیر المومنینؑ ہمارے درمیان سے جا چکے ہیں اور اپنا ایک جانشین چھوڑ گئے ہیں۔ اگر تم اسے دوست رکھتے ہو تو وہ باہر نکلے اور تمہارے پاس آئے وگرنہ کسی کا کسی پر (جبر) نہیں ہے۔ لوگ گریہ کرنے لگے اور کہنے لگے: وہ باہر تشریف لائیں پس امام حسنؑ سیاہ رنگ کے کپڑے پہنے لوگوں کے پاس آئے اور ان کے لئے خطبہ پڑھا۔

(شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید: ۱۶/۲۲، مجمع الزوائد: ۹/۱۴۶)

(۳) رسول اکرمؐ نے اپنی رحلت کے وقت سیاہ لباس پہنا ہوا تھا۔ جیسا کہ امام صادقؑ فرماتے ہیں: جس دن رسول اکرمؐ نے رحلت فرمائی، آپ کے جسم پر سیاہ لباس تھا، صبح کی نماز مسجد میں باجماعت پڑھی اور اس کے بعد خطبہ پڑھنے کا ارادہ کیا۔

(بصائر الدرجات/۳۰۴ جز ۶ ب ۱۶ ح ۱۰)

(۴) امام حسینؑ کی شہادت کے بعد بہشت کے فرشتوں میں سے ایک فرشتہ دریاؤں پر اترا اور اپنے پرو بال اس کی چوٹی کے اوپر پھیلا دیئے، اس کے بعد آہ کھینچی اور کہا: اے دریاؤں میں رہنے والو! جامہ ہائے عزا پہنو کہ رسول خداؐ کے بیٹے کا سر کاٹ دیا گیا ہے۔

(بحار الانوار: ۴۵/۲۲۱، کامل الزیارات/۲۷ ب ۲۱ ح ۳، مقتل خوارزمی: ۱/۱۲۶ ف ۸)

(۵) سکینہؑ بنت حسینؑ نے یزید ملعون سے خطاب فرمایا: کل رات میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ...... پھر اس کے بعد بہشتی خادم نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے محل میں داخل کر دیا۔ وہاں پانچ بزرگ اور نورانی بیبیاں میرے سامنے تھیں، جن میں سے سب سے زیادہ برگزیدہ اور نورانی تر نظر آنے والی خاتون بال بکھرائے، سیاہ لباس پہنے ہوئے تھی جس کے ہاتھ میں

خون آلود لباس تھا......وہ جناب فاطمہ زہراؑ تھیں۔

(بحار الانوار: ۴۵/۱۹۵' مستدرک: ۳۲۷۸۳، منتخب طریحی: ۲/۴۷۹)

(۶) امام حسن عسکریؑ نو ۹ ربیع (الاول) کے اوصاف میں فرماتے ہیں:

"یَوْمَ نَزْعِ السَّوَادِ"

"یہ سیاہ لباس پہن کر نکلنے کا دن ہے"

(مستدرک: ۳/۳۲۶ ب ۴۸ از احکام ملابس ح ۳۰، المختصر/۵۴)

ان چھے موارد سے پہلی اور دوسری روایت سے یہ واضح ہوتا ہے کہ امام حسن مجتبیؑ اور امام حسین سید الشہداءؑ امیر المومنینؑ کی شہادت کے وقت سیاہ لباس پہنے ہوئے تھے، اور اس کام کے رجحان پر پروردگار کی دو حجتوں کی دلالت روشنی ڈال رہی ہے۔

تیسری روایت میں، رسول خدا کے سیاہ پوش ہونے کی طلب بیان نہیں کی گئی، لیکن یہ حقیقت واضح ہے کہ رسول خداؐ سلسلہ وحی کے قطع ہو جانے' حضرت زہراءؑ کی یتیمی، وحی کدے پر ستم گروں کے ستم گرانہ ہجوم جناب فاطمہؑ کے گھر کے دروازے کو جلانے والے ظالموں کی آتش افروزی اور جناب محسن کی شہادت کے متوقع غم میں اپنے ہمیشہ کے دستور کے برعکس سیاہ لباس پہنے ہوئے تھے اور مسلمانوں کو قریش کے دو بڑے بزرگوں کے توسط سے ہونے والے گناہان فاجع سے آگاہ کر رہے تھے۔ چوتھے مورد میں: اگر چہ لفظ سیاہ کے ساتھ تصریح نہیں کی گئی لیکن جامہ عزا کی تعبیر کی روشنی میں یہی معنی مراد لئے جائیں گے۔

پانچواں مورد بھی حضرت سکینہ کے رویائے صادقہ اور جناب صدیقہ طاہرہؑ کے عالم برزخ میں لباس عزا پہننے کے موضوع کے اثبات پر روشنی ڈالتا ہے۔

چھٹے مورد میں اس بات پر توجہ کرنے سے کہ امام حسن عسکریؑ نے اپنے جد بزرگوار رسول خداؐ سے روایت کی ہے۔ (بحار الانوار: ۹۸/۳۵۲)

جو کہ ایام عزا میں رسول خداؐ کے سیاہ لباس پہن کر گریہ وصیحہ کرنے اور اسے ایام جشن و سرور میں بھی پہننے کے لزوم پر روشن دلیل ہے۔

سیاہ پوشی فقہا کی نظر میں

الف: عالم بزرگوار بحرانی مرحوم لکھتے ہیں: بعید نہیں ہے کہ امام حسینؑ کے ماتم میں سیاہ لباس پہننا ان روایات سے (جو سیاہ لباس پہننے کی کراہت پر دال ہیں) مستثنٰی ہو۔ چونکہ ہم شعائر حزن کے اظہار کے حکم کے بارے میں روایات سے مستفیض ہوتے ہیں۔ اور علامہ مجلسی کی برقی کی سند سے کتاب "محاسن" میں درج کی گئی عمر بن زین العابدین سے منقول ایک روایت سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ (الحدائق الناضرۃ: ۷/۱۱۸)

ب: علامہ نوری مرحوم عزائے سید الشہداء میں مشکی لباس پہننے کے حسن ور جحان سے متعلق کی گئی روایات کے تذکرہ کے بعد تحریر کرتے ہیں:

یہ احادیث اور واقعات مکروہ نہ ہونے یا عزائے حسینؑ میں سیاہ لباس پہننے کے رجحان کی طرف اشارہ یا دلالت کرتے ہیں، جیسا کہ سیرت میں اس پر عمل ہے ....۔

(مستدرک الوسائل: ۳/۳۲۸)

ج: عالم بزرگوار سید محمد کاظم یزدی مرحوم۔ صاحب عروۃ الوثقٰی۔ ان تمام امور کے جواب میں رقم طراز ہیں:

ہاں، یہ رسول خداؐ اور آئمہ ہدیٰؑ کی خوشنودی کا باعث ہے، اس لحاظ سے کہ یہ ایک طرح سے حزن و مصیبت کا اظہار ہے۔ اور بعض احادیث سے بھی اس کی ترجیح و مطلوبیت کے بارے میں استفادہ ہوتا ہے۔ اس بنا پر بغرض مذکور سیاہ لباس پہننا مستثنٰی ہے۔

د: مامقانی مرحوم ایک مفصل بحث کے بعد اس بارے میں لکھتے ہیں:

جو کچھ ذکر کیا گیا' اس سب کا حاصل یہ ہے کہ سیاہ پوشی سے عدم کراہت بلکہ آئمہ اور مطلق مومنین کے ایام عزا میں اس کے پہننے کا رجحان تھا۔ اکثر گزشتہ فقہا کے صریح فتاویٰ اور متعدد عالی قدر مراجع تقلید کی سیرت گزشتہ دور سے ہمارے زمانے تک اس طرح استوار ہے کہ اول محرم سے لے کر ماہ صفر کے اختتام تک وہ سیاہ لباس پہنتے ہیں اور غالبًا ان دو ماہ کے عرصہ کے دوران میں

سیاہ لباس کو جسم سے نہیں اتارتے۔

بعض بزرگوار نے اس بارے میں مستقل کتب تحریر کی ہیں جن میں سے کچھ حسب ذیل ہیں:

(۱) ارشاد العبا دالی استحباب لبس السواد علی سید الشهداء والائمة لا مجاد :.

تالیف: سید جعفر طباطبائی، نوہ صاحب ریاض متوفای/۱۳۲۱ھ چاپ ۱۴۰۴ھ قم

(۲) تبیین الرشاد فی استحباب لبس السواد علی الائمہ لامجاد :۔

تالیف: سید حسن صدر، متوفای/۱۳۵۴ھ (اندریعۃ :۳/۳۳۳)

(۳) سیاہپوشی در سوگ آئمہ نور

تالیف: علی ابوالحسنی منذر۔ معاصر۔ چاپ ۱۳۷۵ش در ۳۹۲ صفحہ، قم۔

اس کتاب میں مختلف مسائل پر تحقیق کے علاوہ دس بزرگ مراجع تقلید، صاحب حدائق د صاحب عروہ سے لے کر اس دور کے مراجع تک کے، علمی رسائل، فقہی کتب اور موجود استفتائات سے مواد نقل کیا گیا ہے۔

دیگر کتب جن میں گزشتہ دور کے فقہا سے لے کر عصر حاضر تک کے فتاویٰ مختص ہیں۔اور ان میں سوالات کے متن اور بزرگ مراجع تقلید کے جوابات اُن کی مہروں اور دستخطوں کے ساتھ موجود ہیں حسب ذیل ہیں۔

(۴) عزاداری سید الشہداء علیہ السلام:

تالیف: سبط حسن زیدی۔ معاصر۔ چاپ ۱۴۱۵ھ ۲۱۶ صفحہ۔اس کتاب میں گزشتہ اور موجودہ مراجع سے سینکڑوں فتوے، اور عزاداری کی مختلف جہتیں مرقوم ہیں، جن میں سید الشہداء کے سوگ میں سیاہ لباس پہننے کا تذکرہ بھی تفصیلاً موجود ہے۔

(۵) عزاداری از دیدگاہ مرجعیت شیعہ

تالیف: علی ربانی خلخالی۔ معاصر۔ چاپ ۱۴۱۵ھ ۲۴۰ صفحہ، قم۔

اس کتاب میں بھی عزاداری کے مختلف مسائل کے بارے میں موجود ہیں۔جن میں سینکڑوں شیعہ مراجع کے فتوے مشکی لباس پہننے کے بارے میں یکجا ہیں۔

اس طرح دیگر میسرہ کتب' جن میں اس موضوع پر ایک باب مختص کیا گیا ہے اور جو امام حسین کے غم میں لباس پہننے کے شرعی رجحان' فتاوائے مراجع سے استناد واستدلال کی شکل میں اثبات لئے ہوئے ہیں' حسب ذیل ہیں:

(۶) مجمع الدرر فی مسائل اثنی عشر

تالیف: مرحوم آیۃ اللہ حاج شیخ عبداللہ ماقانی، متوفی ۱۳۵۱ھ چاپ سنگی۔

(۷) الدعاۃ الحسینیۃ

تالیف: مرحوم آیۃ اللہ حاج شیخ محمد علی نخوانی، متوفای ۱۳۳۴ھ:

اس کتاب کا انتخاب اپنے آخر میں معاصر مراجع کے دسیوں استفتات کا ضمیمہ لئے دو سو چالیس صفحات پر مبنی قم کی مطبوعہ اور شائع شدہ ہے۔

(۸) نجاۃ الامۃ فی اقامۃ العزاء علی الحسین والائمۃ:

تالیف: حاج سید محمد رضا حسینی فحام۔ معاصر چاپ ۱۴۱۳ھ قم:

انہوں نے اس کتاب اور اپنی دوسری کتاب "احسن الجزا فی اقامۃ العزاء علی سید الشھداء" (چاپ ۱۳۹۹ھ' قم) میں ان مسائل پر نہایت دقت سے تحقیق کی ہے، اور ان کے شرعی رجحان پر استدلال کیا ہے۔

ان کتب اور دسیوں دیگر کتب میں "مشکی لباس کی کراہت" کو مورد تشکیک قرار دیا گیا ہے اور تصریح کی گئی ہے کہ اس راستے میں کراہت اثبات کا وجود نہیں رکھتی۔ کیونکہ:

(۱) اس پر اجماع نہیں ہوا۔

(۲) شہرت فتاویٰ کی حجیت ثابت نہیں ہے کہ جس درجے میں مستند فتاویٰ معلوم ہو سکے۔

(۳) تمام واردہ روایات مرسل اور ضعیف ہیں۔

(۴) ان روایات میں اصحاب کا استناد، تسامح کے باب میں ادلہ سنن میں ہوگا اور ان کے ضعف سند کا ازالہ نہیں کرتا۔

(۵) برفرض صحت سند بھی دلالت نہیں رکھتی کیونکہ یہ روایات معلل ہیں۔

ان روایات میں آیا ہے کہ کالالباس فرعون اورآل فرعون کا ہے اوراکثر کراہت کی دلیل اس شعار کو بناتے ہیں نہ کہ مطلقاً سیاہ لباس پہننے کو۔

ان روایات اورامام جعفر صادقؑ کی روایت کہ جس میں وہ فرماتے ہیں: میں وہ لباس پہنوں جسے میں اہل دوزخ کا لباس سمجھتا ہوں: بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ یہ ردایات بنی عباس پر طنز اوراس زمانے کے خلفاء پر تعریض ہے کہ جنہوں نے اسے اپنا شعار بنا رکھا تھا۔

داوٗد رقی کہتے ہیں: شیعوں کے ایک گردہ نے امام جعفر صادق سے سیاہ (مشکی) لباس کے بارے میں پوچھا حالانکہ وہ سیاہ جبے، سیاہ عمامے اور سیاہ جوتے پہنے ہوئے تھے۔

امام صادق نے ان کے جواب میں اپنے لباس کے ایک کونے کو ہاتھ میں پکڑا اور فرمایا: اس لباس کا پنبہ سیاہ ہے۔ تم اپنے دلوں کو سفید کرو اور جو چاہو پہنو۔

(وسائل: ۴/۳۸۵ پ ۱۹از لباس مصلی ح ۹)

امام علیہ السلام نے اپنے اس لطیف بیان سے اشارہ کیا ہے کہ ہمارے دشمنوں کی محبت کی تیرگی کو اپنے دلوں سے ہٹاؤ اور اپنے دلوں کو ہمارے نور محبت سے نورانی کرو۔ پھر جو چاہو پہنو۔

یہ سب اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ سیاہ (مشکی) لباس سے روکنا بنی عباس سے تعرض کے سبب تھا کہ انہوں نے آل فرعون کی پیروی میں سیاہ لباس کو اپنا شعار قرار دے رکھا تھا اور یہ بات حکم شرعی کے بیان کے مقام میں نہیں آتی ہے۔

تاریخ گزشتگان کی تحقیق لازمی ہے

جس طرح ایک فرد کو زندگی اور موت، نیند اور بیداری، صحت اور بیماری سے واسطہ پڑتا ہے، اجتماع بھی اسی طرح کے عوارض میں مبتلا ہوتا ہے۔ اور اسے چاہیے کہ دقت سے کام لے تاکہ ان عوارض کے عوامل کا پتہ چلایا جاسکے۔

تنہا تاریخ نویسی کافی نہیں۔ جو اہم تر چیز ہے وہ تاریخ کا تجزیہ اور تحلیل ہے۔ وگرنہ ظواہر حوادث کو لکھنا یا دیکھنا نہ ہی کوئی مشکل کام ہے اور نہ اس سے کامل استفادہ کیا جاسکتا ہے۔

گزرے ہوؤں کی تاریخ کی تحقیق اور پہلے لوگوں کے ملکوں اور شہروں کے آثار اور باقیات کی سیر انسان کو مختلف قبائل و اقوام اور ان کی سرگزشت کے بارے میں آگاہ کرتی ہے اور اسے زندگی گزارنے کے لئے گراں بہا بند و نصائح اور آموزش تجربات سے مستفید کرتی ہے۔

قرآن کی نظر سے یہ مطلب بہت اہم ہے کہ تیرہ موارد پر

(سورہ انعام، آیۃ ۱۱ سورہ: آیۃ ۶۹۔ سورہ عنکبوت: آیۃ ۲۰، سورہ روم، آیۃ ۴۲)

" قُلْ سِيْرُوا فِي الْاَرْضِ اَفَلَمْ يَسِيْرُوافِي الاَرْضِ اَوَلَمْ يَسِيْرُوافِي الاَرْضِ"

(سورہ یوسف، آیۃ ۱۰۹ سورہ عافرہ آیۃ ۸۲ سورہ محمد یہ سورہ روم، آیۃ ۹ سورہ فاطر، آیۃ ۴۴ سورہ غافر، آیۃ ۲۱)

کی صورت میں آیا ہے اور تاریخ سلف کے ذکر سے قرآن کا ہدف یہی ہے بلکہ اس سے بھی بالاتر قرآن کی تعبیر سے گزرے ہوؤں کے آثار کی سیر فکر کی بیداری کا موجب اور قدرت تعقل کے پیدا ہونے کا سبب بنتی ہے۔

" أَفَلَمْ يَسِيْرُو فِي الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبُ يَعْقِلُوْن بِهَا "

(سورہ حج، آیۃ ۴۶)

حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے فرمان کی بنا پر دل کو زندہ کرنے اور مردہ دلوں کو زندگی بخشنے کے لئے گزشتگان کی خبروں سے آشنا ہونا ضروری ہے۔ آپ اپنے بیٹے امام حسن علیہ السلام سے فرماتے ہیں:

أَحْيِ قَلْبَکَ بِالْمَوْعِظَةِ وَأَمِتْهُ بِالزَّهَادَةِ وَأَعْرِضْ عَلَيْهِ اَخْبَارَ الْمَاضِيْنَ وَذَكِّرْهُ بِمَا أَصَابَ مَنْ كَانَ قَبْلَکَ، مِنَ الْأَوَّلِيْنَ ، وَسِرْفِي دِيَارِ هِمْ وَآثَارِ هِمْ ، فَانْظُرْ فِيمَا فَعَلُوا، وَعَمَّنِ انْتَقَلُوا وَأَيْنَ حَلُّوا وَنَزَلُوا ، فَإِنَّکَ تَجِدُهُمْ قَدِانْتَقَلُوا عَنِ الْأَ حِبَّةِ ،وَحَلُّوا دَارَالْغُرْبَةِ وَكَانَّکَ عَنْ قَلِيْلٍ قَدْ صِرْتَ كَاَحَدِهِمْ .

"اپنے دل کو پند ونصیحت سے زندہ رکھو اور زہد و پارسائی کی حالت میں مرو اور گزرے ہوؤں کی خبروں سے آشنائی حاصل کرو اور ان کے دیار و آثار میں پھرو اور دیکھو کہ وہ کیا کر گئے، کہاں انتقال کیا اور کہاں نازل ہوئے اور کہاں ٹھہرے! اور انہوں نے اپنے جدا شدہ دوستوں کو پالیا اور سرائے تنہائی میں اتر گئے اور ایسے ہی تم بھی جلد ہی ان میں سے کسی کی طرح ہو جاؤ گے "

(نہج البلاغۃ فیض الاسلام/ ۹۰۹ نامہ ۳۱)

ظاہر ہے کہ ایک سطحی نظر کے ساتھ اور بغیر وسیع اور ہمہ گیر مطالعہ کے انسان پیش آنے والی اور سر پر آپڑنے والی حقیقت سے آشنا نہیں ہوسکتا اور تاریخی واقعات کی صحیح پہچان کے لئے دقیق تامل و تفکر، صرف وقت اور (ان کے) اعمال و رفتار میں دقت نظر کی ضرورت ہے۔ خصوصاً سانحہ عاشور جیسے عظیم حادثہ اور واقعات کربلا کے مذکورہ امور کے علاوہ ہدف اور ثقافت سے آشنائی ضروری ہے۔

حضرت علیؑ اپنی سفارشات کے آخر میں اپنے فرزند بزرگوار امام حسنؑ مجتبیٰ سے فرماتے ہیں:

" أَيِ بُنَيَّ اِنّي وَاِنْ لَمْ أَكُنْ قَدْ عُمِّرْتُ عُمُرَ مَنْ كَانَ قَبْلِيْ فَقَدْ نَظَرْتُ فِي أَعْمَالِهِمْ وَفَكَّرتُ فِي أَخْبَارِهِمْ وَسِرْتُ فِي آثَارِ هِمْ حَتّٰى عُدْتُ كَأَحَدِ هِمْ بَلْ كَأَنّي بِمَا انْتَهٰى اِلَيَّ مِنْ أُمُورِ هِمْ قَدْ عُمِّرْتُ مَعَ أَوَّلِهِمْ اِلٰى آخِرِ هِمْ فَعَرَفْتُ صَفْوَ ذٰلِكَ مِنْ كَدَرِهِ وَنَفْعَهُ مِنْ ضَرَرِهِ"

''میرے فرزند اگر چہ میں نے اپنوں سے پہلے والوں کی عمر نہیں پائی، البتہ ان کے کاموں کو نظر میں رکھا ہے اور ان کی خبروں پر غور کیا ہے اور ان کے آثار کی سیر کی ہے۔ چنانچہ انہی میں سے ایک ہو گیا ہوں بلکہ ان کاموں کے سبب کہ جو مجھ تک پہنچے، گویا میں نے اول سے آخر تک انہی کے ساتھ زندگی گزاری ہے۔ پس (میں نے) ان کے کردار کی پاکیزگی اور خوبی کو تیرگی و برائی سے اور ان کے فائدے کو ان کے نقصان سے پہچانا''

(نہج البلاغۃ/۹۱۳ نامہ ۳۱، نیز نہج البلاغہ ۸۰ خ ۲۳۴ خطبہ قاصعہ کے ضمن میں اور صبحی صالح ایک نیک صبح / ۲۹۶ خ ۱۹۲ وابن ابی الحدید: ۱۳/ ۱۶۸ خ ۲۳۸ سے رجوع کیا جائے)

امام حسینؑ کے قیام کے اسباب وعلل

گزشتہ مطالب کی روشنی میں یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو چکی ہے کہ سانحہ عاشور ایک اہم ترین تاریخی واقعہ ہے، جس میں تامل وتفکر اور تحقیق وتدقیق کی (اشد) ضرورت ہے۔ طبعاً جو انسان بھی اس غم انگیز حادثہ کو مورد مطالعہ بناتا ہے، اس کے سامنے کئی سوالات سر اٹھاتے ہیں جن میں سے دو سوال اہم تر ہیں۔ جو بزرگوں، مصنفوں حتی کہ عام افراد کے ذہن میں بھی آتے ہیں اور ہر ایک کوشش کرتا ہے کہ ان کے صحیح جواب تک پہنچے۔

(۱) یہ بات مسلمہ ہے کہ امام حسینؑ اور ان کے اہل بیتؑ پر گزرنے والے مصائب اس قدر ہیں کہ قلم ان کے بیان سے عاجز ہے۔ بنی امیہ نے اس قلیل مدت میں سید الشہداؑ ان کی اولاد اور باوفا (اعزاوٗ) اصحاب پر اس قدر ظلم وستم روا رکھا کہ امام سجادؑ نے مدینہ کے باہر اپنے خطاب میں فرمایا:

اس طرح کی روش (بیدادگری) گزشتہ نسلوں میں (بھی) ہمارے سننے میں نہیں آئی ...... خدا کی قسم اگر رسول اکرمؐ بھی ہم سے جنگ کی تجویز دیتے تو جو ہمارے حق میں ان کی سفارش کے باوجود ہمارے ساتھ کیا گیا ہم پر اس سے زیادہ ظلم پھر بھی نہ کیا جاسکتا۔

(اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیہِ رَاجِعُونَ)! کس قدر شدید دلسوز، دردناک، غم انگیز، ناگوار تلخ اور جانسوز مصائب ہم پر ڈھائے گئے۔ (لہوف/۲۰۲)

اب سوال یہ ہے کہ خود کو مسلمان اور رسول اکرمؐ کی امت سمجھنے والوں کے لئے کس طرح ممکن ہے کہ انؐ کے پیارے نواسے اور اس کے بھائیوں، بیٹوں اور یار وانصار کو بے دردی سے

غربت اور مظلومیت میں شہید کردیں حتیٰ کہ ان کے بچوں پر بھی رحم نہ کریں ۔ان کے اجساد مطہر کو گھوڑوں کے سموں کے تلے پامال کردیں، ان کے اہل بیتؑ کو غیر مسلموں اور دشمنوں کی طرح قید کریں اور شہر بہ شہر پھرائیں؟ اور کسی طرح کے ظلم و آزار سے بھی دریغ نہ کریں؟(۱)

(۱) آخر کار کچھ بے فہم یا وھابی اور اہل مغرب کہتے ہیں: یہ سب جھوٹ ہے اور کون آنحضرتؐ کے خاندان پر یہ سب ظلم و ستم کرسکتا ہے۔اس کے علاوہ یہ استبعاد حقیقت سے انکار اور نص کے مقابلے میں اجتہاد کے مترادف ہے۔ اگر تاریخ کے روشن ترین حصہ کو بعید خیال کیا جاتا ہے تو انہیں چاہیے کہ کل تاریخ کا فاتحہ پڑھ دیں۔موجودہ دور میں محققین اس سوال کا جواب بڑی آسانی سے دیتے ہیں۔کیونکہ وہ اس زمانے میں واضح طور پر دیکھ رہے ہیں کہ علم و تمدن کی اس پیش رفت بلندی شعور، حقوق انسانیت آزادی (اظہار) جمہوریت، کمزوروں کی حمایت وغیرہ کو دستاویزی صورت دینے کے باوجود اس دنیا میں کیا کیا ظلم و ستم ڈھائے جارہے ہیں؟ کیا ہم مختلف ملکوں میں خصوصاً اسرائیلیوں کے ہاتھوں زندانوں میں دی جانے والی تکالیف کو فراموش کرچکے ہیں؟ کیا ہم یہ بھلا سکتے ہیں کہ دس سال کی مدت میں کمبوچیا میں ایک ملین سے زیادہ انسان ہلاک ہوئے؟ یا امریکہ نے آزادی کے نام پر جاپان کے دو شہروں پر دو ایٹم بم پھینک کر انہیں کلی طور پر نابود کردیا تھا یا پھر ویت نام میں ہزاروں لوگوں کو ہلاک کردیا گیا۔

کیا ہم بھول چکے ہیں کہ جنگ عظیم اول اور جنگ عظیم دوم میں دسیوں ملین بے گناہ لوگ تباہ و برباد کردیئے گئے؟ کیا ہم دیکھ نہیں رہے کہ افریقہ میں کئی ملین مرد، عورتیں اور بچے نہایت بے دردی سے ہلاک کردیئے گئے؟ کیا ہم نہیں دیکھ رہے کہ دنیا کے کونے کونے میں یہی حقوق انسانی کے نام نہاد محافظ اور روشن فکر کس قدر انسانوں کو کیسی کیسی اذیتوں سے ہلاک کررہے ہیں یا مختلف اقتصادی مراکز اور بارونق شہروں کو جنگی وسائل کی پیش رفت سے خرابوں میں تبدیل کررہے ہیں! کیا یہودیوں اور اسرائیلیوں کے ظلم بھلائے جاسکنے کے قابل ہیں؟ کیا ہم آٹھ سالہ مدت میں صدام کے ظلم و ستم کو اپنے حافظے سے نکال سکتے ہیں؟ کیا انہی دنوں دنیا کے مرکز تہذیب یورپ کے قلب میں واقع سلطنت بوسنیا میں ایسے دردناک واقعات وقوع پذیر نہیں ہورہے کہ جنہوں نے تاریخ کے چہرے کو سیاہ کردیا؟ وغیرہ............

چنانچہ تہذیب و تمدن سے دور کا واسطہ بھی نہ رکھنے والے بنی امیہ اور زمانہ جاہلیت کے دوران میں خاندان رسالت سے دیرینہ بغض و کینہ رکھنے والے وحشیوں کے لیے مشکل نہیں کہ وہ چودہ سو سال قبل یہ سب ظلم و ستم سید الشہداءؑ امام حسینؑ کے خاندان اور ان کے اصحاب سے روا رکھیں۔

(۲) فرض کیجئے کہ حضرت امام حسینؑ مامور بہ ظاہر تھے تو اپنے اشراف علمی اور ان دقیق اطلاعات کے باوجود جو وہ شہر کوفہ کے اوضاع و شرائط کے بارے میں رکھتے تھے اور خود کو یاد کرنے والے مختلف افراد سے مسلسل توسط کے باوجود انہوں نے اس کام کا اقدام کیوں کیا؟ نیز امامؑ کے سفر اور قیام کا اصل مقصد کیا تھا؟

ان سوالوں کے جواب حاصل کرنے کے لئے ہم پر ان عوامل کی جستجو ناگزیر ہے کہ جو فی لواقع حادثہ کربلا کا باعث بنے یا پھر اس واقعہ کی بنیاد رکھنے کا سبب ہوئے۔

اس مقصد کے لئے تاریخ اسلام بالخصوص رسول اکرمؐ کی مدینہ میں ہجرت کے آغاز سے لے کر سال اکسٹھ ۶۱ ہجری تک کہ جس میں حادثہ عاشور واقع ہوا، کا اجمالی جائزہ لینا ضروری ہے۔

سب سے پہلے جو اس کا سبب بنا وہ رسول اکرمؐ کی اسلام کی طرف دعوت تھی، بلکہ پہلے ہی دن جب آنحضورؐ کے اقربا کو قبولیت اسلام کی دعوت دی گئی اور ان روایات کی بنیاد پر جو شیعہ اور سنی (محدثین) سے منقول ہیں کہ مولا امیر المومنینؑ کی سرپرستی اور ولایت کا آنحضورؐ کی طرف سے اعلان قریش کی ظلمت و تاریکی سے سرشار سینوں اور دلوں میں کہ جنہوں نے جہل و نفاق نادانی اور بغض و عداوت کو اپنی فکر و بصیرت کے تاریک خانے پر اوڑھ رکھا تھا اور جو بتوں کی پرستش اور اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی کے سبب تاریک راتوں سے بھی سیاہ تر ہو چکے تھے، حضرت علیؑ کے متعلق کینہ و کید اور حسد و عناد سے مملو ہو گئے۔

اس ہستی کی ولایت کے بارے میں رسول خداؐ کی بار بار سفارشات کے باوجود نہ صرف ان سے دشمنی اور ان کی حق تلفی کی گئی بلکہ ہمیشہ ان کے خلاف عناد و حسد بڑھتا چلا گیا۔

مکہ کے اکابرین کا رسول خداؐ کے قتل کا عزم کرنا اور آنحضورؐ کا امیر المومنینؑ کو مدینہ کی طرف ہجرت کے وقت اپنے بستر پر سلانے کا حکم رسول خداؐ کے اہل بیتؑ سے ان کی دشمنی میں اضافے کا سبب بنا۔

ہجرت کے دوسرے سال بدر کی اہم اور حساس جنگ میں جو مسلمانوں اور کفار کے درمیان لڑی گئی اور جس میں مسلمانوں کی تعداد کافروں کے ایک تہائی سے بھی کم تھی اور وہ بھی جنگی

سازو سامان اور ذخیرہ خوراک وغیرہ سے محروم تھے، اللہ تعالیٰ کے لطف وکرم سے کامیاب ٹھہرے اور کفار مکہ نے بدترین شکست کھائی اور ان کے ستر (۷۰)مقتولین میں سے چھتیس (۳۶) افراد حضرت علیؑ کے ہاتھوں قتل ہوئے کہ جن میں سے بائیس (۲۲)افراد کے ناموں کو واقدی نے تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ (مغازی واقدی:۱/۱۴۷تا۱۵۲)

ان جملہ سرکردہ افراد میں عتبہ، شیبہ ولید بن عتبہ، حنظلہ بن ابی سفیان، ابوجہل اور قیدیوں میں سے نضر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط جیسے مشہور ومعروف، خبیث افراد شامل تھے۔

(منتہی الآمال:۱/۵۶)

یہی وجوہات بنیں کہ واقعہ بدر کے بعد قریش سخت آشفتہ ہوئے اور خاندان پیغمبر خصوصاً حضرت علیؑ کے بارے میں ان کے سینے کینہ ونفاق سے سیاہ تر ہو گئے۔

(ہجرت کے) تیسرے سال جنگ احد میں بھی مشرکین کا علمدار طلحہ بن طلحہ اور اس کا بھائی مصعب حضرت علیؑ کے ہاتھوں ہلاک ہوئے۔(منتہی الآمال:۱/۶۰)

جنگ خندق بھی دوراندیشی کے لحاظ سے حضرت علیؑ کی بے نظیر شجاعت اور فداکاری کی شاہد تھی۔ اور عرب کے مشہور ترین شہسوار عمرو بن عبدود اور نوفل بن عبداللہ کی ہلاکت نے بھی قریش کے تاریک دلوں میں دشمنی کی آگ پہلے سے بھی زیادہ بھڑکا دی۔

اسلام کی محترم خاتون حضرت فاطمہ زہراؑ بنت رسول خداؐ سے ازدواج کی درخواست کرنے والے مختلف افراد کی خواستگاری کو رد کر دیا گیا اور امیر المومنین حضرت علیؑ سے ان کی شادی خانہ آبادی ایک اور عامل تھا کہ جس نے قریش کے دلوں میں غضب، حسد اور کینہ کے شعلوں کو پہلے سے بھی زیادہ کر دیا۔

خاندان رسولؐ خصوصاً حضرت علیؑ سے مختلف مواقع پر بے شمار معجزوں کا صدور ان لوگوں کے خاندان رسول خصوصاً حضرت علیؑ سے حسد وغضب اور کینہ میں اضافے کا سبب بنا۔

نیز حضرت علیؑ کی رسول خداؐ کی نظروں میں محبوبیت، ان کے بے حساب فضائل، اسلام میں سبقت، فتح خیبر، واقعہ مباہلہ، حدیث منزلت آپؐ کے علاوہ (مسجد کی طرف) سب کے دروازوں کا بند

ہو جانا، آیہ "اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہ "(سورہ مائدہ:۵۵) آیہ تبلیغ (سورہ مائدہ:۶۷)، آیہ تطہیر (سورہ احزاب، ۳۳) آیہ مودت (سورہ شوریٰ:۲۳) سورہ "ھل اتی "سورہ عادیات اور ہزاروں دوسرے فضائل و مناقب تھے کہ جن کے اثر سے آپ کے دشمن بغض وحسد میں جل رہے تھے۔

یہاں تک کہ ایک جگہ حضرت علیؑ فرماتے ہیں: قبا میں رسول خدا کے ہمراہ ہم ایک باغ میں پہنچے، میں نے عرض کیا: کیا خوبصورت باغ ہے؟ فرمایا: اے علیؑ بہشت میں تمہارے لئے اس سے بھی خوبصورت باغ ہے۔ اس طرح ہم سات باغوں میں پہنچے اور میں نے ہر باغ کو دیکھ کر کہا: کیا خوبصورت باغ ہے؟ آنحضرت فرماتے تھے: بہشت میں تمہارے لئے اس سے خوبصورت تر باغ ہے۔ پھر آنحضرت نے مجھے گلے لگا لیا اور بہت روئے (اور فرمایا: اے شہید تنہا: (تجھ پر میرا باپ قربان) میں نے عرض کیا: یارسول اللہؐ! آپ روکیوں رہے ہیں؟ فرمایا: بھائی ابوالحسنؑ! میں اس کینہ کے سبب رو رہا ہوں جو لوگوں کے ایک گروہ کے دلوں میں تمہارے خلاف موجود ہے اور وہ اسے میرے بعد ظاہر کریں گے۔

میں نے پوچھا: میرا دین تو سلامت ہوگا نا؟ فرمایا: (یقیناً) تمہارا دین سلامت ہوگا۔ میں نے عرض کیا: اے رسول خداؐ! جب تک میرا دین سالم ہوگا یہ مجھے کوئی رنج نہیں پہنچا سکیں گے۔

(بحارالانوار ۲۸/۶۶ ب ۲ ضمن ح ۲۶ و ج ۴۱/۴ ب ۹۹ ضمن ح ۴ اور اس حدیث کو شیعہ اور سنی محدثین میں سے اکثر نے نقل کیا ہے۔ بحار کی مذکورہ دو جلدوں اور احقاق الحق: ۶/۱۸۱ کی طرف رجوع فرمائیں۔

حضرت فاطمہؑ مہاجرین و انصار کی عورتوں کے حضرت علیؑ کو دیکھنے کے بارے میں فرماتی ہیں وہ ابوالحسن علی علیہ السلام کو دیکھ کر منہ پھیر لیتی تھیں خدا کی قسم ان کی حضرت علی سے روگردانی کا سبب یہ تھا کہ ان کی تلوار میدان ہائے جنگ میں تیز اور کاٹ دار تھی۔ وہ موت سے نہ ڈرتے تھے۔ اور اپنے طاقت ور پنجے کے ساتھ دشمن کو خاک ہلاکت میں ملا دیتے تھے۔ نیز آنحضرتؑ کا غصہ راہ خدا میں ہوتا تھا۔ (احتجاج طبرسی: ۱/۱۴۷، بحارالانوار: ۴۳/۱۶۰)

بہرحال یہ دشمنیاں ایک حساس ترین مقام تاریخ پر، یعنی اٹھارہ ذوالحجہ سن دس ہجری کو غدیر خم میں اپنی انتہا پر پہنچ گئیں۔ اگرچہ رسول خداؐ کی طرف سے امیرالمومنینؑ کی خلافت کے اس

رسمی اعلان کا ظاہراً اہل بیتؑ پرظلم وستم کی بنیاد رکھنے والوں نے بھی استقبال کیا لیکن ان کے کینہ وحسد اور بغض کی آگ اور بھڑک اٹھی۔

ایک اور اہم عامل کہ جس نے حضرت علیؑ کی خلافت کے غصب اور حادثہ کربلا کے وقوع پذیر ہونے اور دیگر جھگڑوں کے لئے سطح ہموار کی وہ یہ تھا کہ ان کے طاقتور اور مخلص ساتھی بہت کم تھے، اور (جو تھے) ان میں سے اکثر مختلف جنگوں میں شہادت پا چکے تھے۔

سدیر کہتا ہے: میں امام محمد باقرؑ کی خدمت میں موجود تھا۔ پیغمبر اکرمؐ کے بعد کے جھگڑوں کے حالات اور حضرت علیؑ کی بے قدری اور گوشہ گیری پر بحث ہو رہی تھی۔ ایک آدمی نے کہا: بنی ہاشم کی عزت اور ان سے شدید نفرتوں کا سبب کیا چیز بنی؟

حضرت امام محمد باقرؑ نے فرمایا.......... خدا کی قسم، اگر حضرت حمزہؓ اور حضرت جعفرؓ ابو بکر اور عمر کے واقعہ میں موجود ہوتے تو وہ اپنا مقصود حاصل نہ کر پاتے اور اگر حضرت حمزہؓ اور جعفرؓ موجود ہوتے تو اپنی جانیں قربان کر دیتے (اور حضرت علیؑ کو خانہ نشین نہ ہونے دیتے)

(کافی: ۸روضہ/۱۸۹ح۲۱۶)

ابو ہیثم کہتے ہیں: حضرت امیر المومنینؑ نے مدینہ کے لوگوں سے خطاب فرمایا: اگر میرے مددگاروں کی تعداد طالوت کے ساتھیوں یا اہل بدر کے برابر بھی ہوتی تو میں تلوار سے تمہیں حق کی طرف لوٹا دیتا۔ پھر مسجد سے باہر نکلے اور گوسفندوں کے ایک باڑے کے پاس سے گزرے، وہاں تیس گوسفند موجود تھے۔ فرمایا: خدا کی قسم! اگر ان گوسفندوں کے برابر بھی مجھے خدا اور اس کے رسول کے خیر خواہ میسر ہوتے تو میں ابو بکر کو حکومت سے ہٹا دیتا۔ جب رات ہوگئی تو تین سو ساٹھ (۳۶۰) افراد نے آپ کی بیعت کی کہ جب تک ہمارے جسم میں جان ہے ہم آپ کا ساتھ دیں گے۔ امیر المومنینؑ نے فرمایا: کل اپنے سر منڈوا کر فلاں مقام پر آ جانا۔ لیکن ابوذرؓ، مقدادؓ، حذیفہؓ بن یمان اور عمار یاسرؓ کے علاوہ کسی نے ساتھ نہ دیا۔ اور ان کے آخر میں حضرت سلمانؓ تشریف لائے۔ (کافی: ۸روضہ/۳۲ضمن ح۵، ابن ابی الحدید کی شرح نہج البلاغہ: ۱۱/۱۴سے رجوع کریں)

جب حضرت علیؑ کو ابو بکرؓ کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ نے فرمایا: خدا کی قسم اگر تلوار

میرے ہاتھ میں ہوتی تو پھر تم مجھے کبھی بے بس نہ کر سکتے ۔ بخدا میں تم سے جہاد سے خود کو ملامت نہ کرتا ۔اگر چالیس افراد میرا ساتھ دیتے تو میں تمہیں منتشر کر دیتا۔ لیکن خدا ایسی اقوام پر لعنت کرے کہ جنہوں نے میری بیعت کی ۔ پھر مجھے چھوڑ دیا اور بیعت توڑ ڈالی ۔ (کتاب سلیم بن قیس/۸۵)

واقعہ سقیفہ اور حضرت علی کو بیعت کے لئے مسجد لے جانے کے بعد حضرت نے اپنا سر آسمان کی طرف بلند کیا اور فرمایا: خدایا! تو جانتا ہے کہ رسول اکرمؐ نے مجھ سے فرمایا تھا: اگر تمہارے ساتھ بیس (۲۰) افراد بطور مددگار ہوں تو جہاد کرنا اور تیرا بھی یہی فرمان قرآن میں موجود ہے:

"اِنْ یَکُنْ مِنکُمْ عِشْرُوْنَ صَابِرُوْنَ یَغْلِبُو مِأَ تَیْنِ"

(سورہ انفال، آیہ ۶۸)

"اگر تم میں بیس (۲۰) صبر کرنے والے ہوں تو وہ دوسو (کفار) پر غالب رہیں گے"

بار خدایا! مجھے بیس افراد بھی میسر نہیں ۔ آپ نے اس آیہ مبارکہ کو تین دفعہ دہرایا اور گھر واپس چلے گئے ۔ (تفسیر عیاشی: ۲/ ۶۸ ۔سورہ انفال، ذیل حدیث ۶۷، اختصاص مفید/۱۸۲)

حضرت علیؑ کو بیعت کے لئے مسجد میں لے گئے اور حضرت فاطمہؑ کی بھی اہانت کی گئی مگر کسی نے کوئی بات نہ کی ۔ ام سلمہ ناراض ہوئیں تو ان کا ایک سال کے لئے بیت المال سے وظیفہ بند کر دیا گیا۔ (دلائل الامامہ/ ۳۹ حدیث فدک کا دنبالہ)

حضرت علیؑ فرماتے ہیں.......... میں دیکھتا ہوں کہ میرے اہل بیتؑ کے بغیر کوئی میرا مدد گار نہیں ہے ۔ میں نہیں چاہتا کہ انہیں قتل کراؤں ۔ اور وہ آنکھ کہ جس میں خاشاک پڑ گیا ہے اسے بند کر لوں اور وہ ہڈی کہ جو میرے حلق میں پھنس گئی ہے اسے نگل لوں (اور شدید غم واندوہ سے) راہ نفس بند کر بیٹھوں اور اطعم علقم (بہت کڑوی گھاس) سے بھی تلخ تر حوادث پر صبر کروں ۔

(نہج البلاغہ فیض/۹۲ خ ۲۶)

اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضور اکرمؐ اپنی رحلت کے بعد پیش آنے والے حالات کے بارے میں کسی خاص گروہ یا افراد کی طرف سے پریشان نہیں تھے ۔ کیونکہ آپ کی رسالت کی ہمہ گیری اور دن بدن لوگوں کے اسلام کے قبول کرنے کی وجہ سے اس کا امکان کم تھا۔

اگر چہ مناقطین کا ایک مختصر سا گروہ اسلام کے بنیادی اور اساسی ارکان کو ملیا میٹ کرنے کے درپے تھا لیکن انہیں بھی اپنے ان مقاصد کی تکمیل کے لیے لوگوں کی پشت پناہی درکار تھی۔ اس لیے انہوں نے آپ کی رحلت کے بعد لوگوں کو اپنے ساتھ ملانے کے لیے کئی اقدامات کیئے۔ اور آپ کی زندگی ہی میں اور بعد میں کئی ایسے اقدامات کیئے جن سے آپ آزادہ خاطر ہوئے۔ لوگوں کے دشمنی پر مبنی انہی اقدامات کی بنا پر منافقین کو موقع ملا کہ وہ اہل بیتؑ کو پے درپے مصائب سے دوچار کریں اور ان کی انہی حرکات کی وجہ سے اہل بیتؑ پر مظالم روا رکھے گئے۔

حضور اکرمؐ کی رحلت سے چند ساعت کے بعد ہی رسول اکرمؐ کے حقیقی جانشین کو ظاہری طور پر اسلام کی عالمگیر حکومت اور منصب الٰہی سے ہٹا دیا گیا۔ اور کل تک جانثاری کرنے والے افراد نے اس اتنے بڑے ظلم پر اپنا کوئی ردعمل نہ دکھایا بلکہ بعض دفعہ تو بڑی خوشی کے ساتھ اس سانحہ کی چشم پوشی کرلی۔

قبائلی نظام کی وجہ سے بھی تمام افراد قبیلہ کے سردار کے تابع ہوتے تھے قبیلہ کا سردار جو کام بھی کرتا افراد قبیلہ اس کی پیروی کرتے تھے۔ درحقیقت قبیلہ کا سردار ہی لوگوں کے لیے نمونہ ہوتا تھا۔ اور اگر کوئی اس سردار کو لالچ دے کر یا ڈرا کر کسی بات کے لیے آمادہ کرتا تو قبیلہ کے بقیہ افراد بھی اسی راہ کو منتخب کرتے۔ اور اسی راستے پر چلتے تھے۔ یہاں ظالم ومظلوم یا حق وباطل کو نہیں دیکھا جاتا تھا بلکہ جو سردار کرتا وہی حق سمجھا جاتا، اور یہی وجہ ہے کہ سقیفہ میں ایک غلط فیصلہ کی بنیاد رکھی گئی۔

حقیقتاً اگر یہ سارے اقدامات اور اہل بیتؑ کے ساتھ کینہ اور حسد نہ ہوتا تو کیسے ممکن تھا کہ ایک چھوٹا سا گروہ ان افراد کے مقابلہ میں آتا جن کی شجاعت ضرب المثل تھی اور جن کا مقابلہ کرنا کسی کے بس کی بات نہ تھی۔ جن کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ اگر سارا عرب حضرت علیؑ کے مقابل کھڑا ہو جائے تو وہ اس کی طرف پشت نہیں کریں گے۔ (یعنی فرار نہیں ہوں گے)

(نہج البلاغہ/۹۲ خ ۲۶)

اگر یہ وجوہات نہ ہوتیں تو وہ کس طرح "حَبْلُ اللّٰہِ الْمَتِیْن" کے گلے میں رسی

باندھتے اور انہیں جبراً ظالموں کی بیعت کے لئے مسجد لے جاتے؟

اور اگر یہ وجوہات نہ ہوتیں تو فدک کو صدیقہ طاہر صلوات اللہ علیہا کے اختیار سے ظالمانہ طریقے سے چھینناکس طرح ممکن ہوتا؟ اس ہولناک گناہ کے مصادر و منابع کا کتاب ''احتراق بیت فاطمہ'' میں مطالعہ فرمائیں۔اور پھر خاتون دو عالم اور شفیعۂ دو جہان کو کس طرح شہید کیا جاتا؟

سرانجام اگر یہ وجوہات نہ ہوتیں تو کس طرح خلیفہ وحجت خدا، محمد مصطفیؐ کے چچازاد اور بتول عذرا کے شوہر کو پچیس سال تک خانہ نشین رکھا جاتا؟

مسائل یہاں بھی ختم نہ ہوئے بلکہ آنحضرتؑ کی ظاہری خلافت کے پانچ سالہ دور میں بھی تین خانہ جنگیوں کا سامنا کرنا پڑا۔

ان تین جنگوں کے لشکری کون لوگ تھے؟ غالباً وہی کہ جن کی تکبیر کی صدائیں رسول خدا اور امیرالمومنینؑ کے معجزات کو دیکھ کر آسمان سے اوپر تک جاتی تھیں! جنگ جمل میں تقریباً اٹھارہ ہزار مسلمان قتل ہوئے کہ جن میں سے پانچ ہزار حضرت علیؑ کے سپاہیوں میں سے تھے اور جنگ صفین جوکہ چار ماہ تک جاری رہی، میں تقریباً ایک لاکھ دس ہزار افراد قتل ہوئے کہ جن میں سے نوے ہزار معاویہ کے لشکری تھے۔اور جنگ نہروان میں چار ہزار افراد جن میں سے اکثر حافظ قرآن تھے ہلاک ہوئے۔دوسری طرف سے معاویہ کی زہر آمیز تبلیغات جو آنحضرتؑ کی ظاہری حکومت کے زمانے میں اور اس کے بعد تک جاری رہیں ان بے شمار موثر عوامل میں سے تھیں کہ جنہوں نے لوگوں کو حق اور حقیقت سے دور تر کردیا اور یہ شقاوت آمیز اور گمراہ کردینے والی حرکت اس قدر آگے بڑھی کہ منقول ہے، مولا امیرالمومنینؑ کی شہادت سے کئی سال بعد عبدالملک کی خلافت کے زمانے میں ایک شخص نے حجاج کے سامنے کہا: میرے ماں باپ نے مجھے عاق کردیا ہے اور میرا نام علیؑ رکھا ہے!

شام میں بنی امیہ کی امیرالمومنین علیؑ اور آل علیؑ کے خلاف اس قدر تبلیغات تھیں کہ اس عہد کے لوگ بنی امیہ کے علاوہ کسی کو رسول خداؐ کے عزیز کے طور پر نہ پہچانتے تھے۔کہا جاتا ہے کہ جب اسیران (اہل بیتؑ) شام میں داخل ہوئے اور بعض لوگوں کو حقیقت حال کا علم ہوا تو دمشق کے مشائخ میں سے ستر افراد نے طلاق وعتاق اور حج کی قسم کھا کر کہا کہ ہم یزید کے علاوہ کسی کو

رسول خداؐ کا رشتہ دار نہیں سمجھتے تھے اور سب نے امام زین العابدینؑ سے معذرت کی۔

(تجارب السلف/۶۹ تالیف ہندوشاہ بن سنجر بن عبداللہ صاحبی نخجوانی)

بلکہ ان تبلیغات سے معاویہ کا ہدف فی الحقیقت اسلام اور رسول خداؐ کے نام تک کو مٹا دینا تھا۔ چنانچہ مطرف بن مغیرہ بن شعبہ کا کہنا ہے:

میرے باپ کا معاویہ کے پاس آنا جانا تھا اور وہ اس کی عقل و ذہانت کی تعریف کیا کرتا تھا۔ البتہ ایک رات جب وہ اس کے پاس سے لوٹا تو شدید غمگین تھا اور اسی رنج میں کھانا تک نہ کھایا۔ مجھے گمان ہوا کہ (ضرور) کوئی سانحہ رونما ہوا ہے۔ میں نے پوچھا: کیا وجہ ہے کہ آپ آج رات اس قدر غمگین ہیں؟

کہنے لگا: میرے بیٹے! میں خبیث ترین شخص کے پاس سے آ رہا ہوں! میں نے کہا: مگر ہوا کیا ہے؟ کہنے لگا: میں معاویہ کے پاس تنہا تھا، میں نے اس سے کہا: تو بہ کو اپنی آرزو بناؤ اور دوسرا تم بوڑھے ہو چکے ہو، کاش اب ہی عدالت اور خیر خواہی کو اپناؤ اور اپنے برادران بنو ہاشم کے حال کی خبر لو اب ان کے پاس کوئی ایسی چیز نہیں رہی کہ جس سے تمہیں ڈرنا چاہیے۔

معاویہ نے جواب میں کہا: ہائے افسوس! ہائے افسوس! ابو بکرؓ نے ایک مدت تک بادشاہی کی اور مر گیا اور اس کا نام تک باقی نہیں رہا مگر یہ کہ کوئی کہنے والا کبھی یہ کہے: ابو بکر، اس کے بعد عمرؓ بادشاہ بنا وہ بھی مر گیا اور اس کا بھی نام نہ رہا۔ سوائے اس کے کہ کوئی کہنے والا یہ کہے (کہ کوئی عمر تھا)۔ عمرؓ کے بعد عثمانؓ بادشاہ بنا کہ نسب میں کوئی بھی اس کی مثل نہ تھا' وہ بھی ہلاک ہو گیا۔ اور اس کا نام اور جو کچھ اس پر گزرا فراموش کر دیا گیا۔

لیکن اس ہاشمی (یعنی رسول خداؐ) کے نام کی ہر روز پانچ مرتبہ صدا بلند کی جاتی ہے۔ اور (موذن) کہتے ہیں: ''اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰه'' خدا کی قسم! دوسرے اس حال میں کیا عمل باقی چھوڑ سکیں گے۔ سوائے اس کے کہ اس کا نام ختم ہو جائے اور اٹھا لیا جائے۔

(مروج الذہب: ۴/۴۹ باب خلافت مامون)

حتی کہ تاریخ بشر کے اس اولین مظلوم (حضرت علیؑ) کی شہادت سے بھی ان خبیث

نامرادوں کے بغض آلودہ سینوں کی اصلاح نہ ہوئی کہ اس بزرگوار کی قبر مطہر بھی سو سال سے زائد عرصہ تک عام لوگوں کی نظر اور دسترس سے پنہاں رہی۔

امام حسن مجتبیٰؑ جو کہ جناب فاطمہ زہرا کے فرزند اور رسول خدا کے نور چشم تھے اور جنت کے جوانوں کے دو سرداروں میں سے ایک تھے (اور بہت سے لوگوں نے اس حدیث کو رسول خدا سے سن رکھا تھا) کو بھی اس جور و ستم اور دشمنی سے امان نہ ملی اور وہ تمام منافق کہ جو آنحضرت کے اصحاب میں موجود تھے اور امیر المومنینؑ کی تلوار کے خوف سے ظاہراً اسلام قبول کئے ہوئے تھے، معاویہ کی سازشوں سے' امام حسن مجتبیٰؑ سے منحرف ہو گئے۔ یہاں تک کہ آنحضرتؑ اس کے شر سے اپنی حفاظت کے لئے نماز تک میں لباس کے نیچے زرہ پہنے رکھتے تھے اور جس وقت آپ نے اپنے اصحاب کی معاویہ کی طرف رغبت اور مکاری دیکھی تو کئی دفعہ فرمایا:

میں تم سے بارہا کہہ چکا ہوں کہ تم عہد وفا کرنے والے نہیں ہو اور تم سب دنیا کے بندے ہو۔

آپؑ کے اصحاب کی بے وفائی اس حد تک پہنچ گئی کہ آپؑ کے لشکر کے اکثر سرداروں نے معاویہ کو لکھا کہ ہم تمہارے تابع ہیں' اور اگر تم عراق کی طرف متوجہ ہو تو ہم امام حسنؑ کو تمہارے سامنے جھکا دیں گے!

لہٰذا آپؑ نے' اس کے بعد کہ جب آپؑ معاویہ سے مخاصمت ترک کرنے پر مجبور ہو گئے' مسجد کوفہ میں لوگوں سے خطاب فرمایا: خداوند متعال نے تمہیں محمد مصطفیؐ کے ذریعے ہدایت دی اور تم نے ان کے اہل بیتؑ سے دست برداری کر لی اور معاویہ نے صرف اس امر (خلافت) میں کہ جو مجھ سے مخصوص ہے، مجھ سے تنازعہ کیا۔ لیکن چونکہ میرا کوئی یار و مددگار نہیں ہے لہٰذا میں اس (تنازعہ) سے دستبردار ہوتا ہوں۔

امام حسن مجتبیٰؑ کے حالات یہ تھے کہ صرف چھ ماہ تک لوگوں پر ظاہری حکومت کی اور اس کے بعد نہایت سخت وقت گزار کر مظلومیت کی شہادت پائی۔ اور اپنی شہادت کے وقت فرمایا: میں اہل کوفہ کو پہچانتا ہوں اور ان کا امتحان لے چکا ہوں' میں سمجھتا ہوں کہ وہ اپنے عہد و پیمان میں وفا

نہیں کرتے اور ان کے قول و عمل پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ ان کی زبانیں میرے ہمراہ ہیں جبکہ ان کے دل بنی امیہ کے ساتھ ہیں۔

(احتجاج طبرسی: ۲/۱۲/الانوار البہیۃ/۷۹)

محدث قمیؒ رقم طراز ہیں: اور اس زمانے میں شیعان علی پر حالات اس قدر تنگ ہوگئے کہ اگر کوئی شیعہ اپنے موافق رفیق سے بھی کوئی بات کرنا چاہتا تو اسے اپنے گھر لے جاتا اور کمرے کا دروازہ اپنے خادم اور مملوک پر بھی بند کر دیتا۔ پھر بہت سخت قسموں کے بعد کہ وہ یہ راز فاش نہیں کرے گا بہت زیادہ خوف اور وحشت کی حالت میں کوئی حدیث یا بات بیان کرتا۔

اور ان لوگوں (بنی امیہ) نے جھوٹی اور جعلی حدیثیں وضع کر رکھی تھیں امیر المومنینؑ اور ان کے اہل بیتؑ کو بہت زیادہ بہتان اور تہمت کا نشانہ بنایا جاتا تھا اور لوگوں کو جھوٹی حدیثوں کے فروغ کی تشویق دلائی جاتی تھی آخر کار لوگ ان جعلی حدیثوں کو سچ سمجھنے لگتے۔ اس حد تک کہ حق باطل کے لباس میں اور باطل حق کے لباس میں آنکلا حسن مجتبیٰؑ کی شہادت کے بعد یہ فتنہ شدید تر ہوگیا اور شیعان علی روئے زمین پر کسی لحاظ سے بھی امان میں نہ تھے وہ اپنے جان و مال کے بارے میں خوف زدہ رہتے تھے اور دور دراز علاقوں میں منتشر ہوگئے تھے اور اگر وہ خود کو یہودی اور نصرانی بتاتے تو وہ اس سے بہتر تھا کہ کسی کے سامنے شیعہ علی ہونے کا اقرار کریں۔ (منتہی الآمال: ۱/۲۳۸)

یہ وہ اوضاع و شرائط تھے کہ جن سے اپنے بڑے بھائی امام حسنؑ کی شہادت کے بعد امام حسینؑ کو واسطہ پڑا۔

یہی حالات اس فجیع جرم کا باعث بنے جو کوفہ کے لوگوں کے ہاتھوں کربلا میں وقوع پذیر ہوا، اس قدر ظلم و مصائب کہ جن پر ساتوں آسمان، تمام سمندر اور زمین رو پڑے۔ آسمان کے ستونوں میں شور بپا ہوگیا اور ملائکہ مقربین اشک بہانے لگے۔ اس بنا پر حضرت سجادؑ کا وہ دلخراش اور جانسوز کلام سن کر مقام تعجب باقی نہیں رہتا جو انہوں نے مدینہ کے لوگوں سے کیا تھا:

خدا کی قسم! اگر ان سفارشات کے بجائے 'جو رسول خداؐ نے ہمارے حق میں کی تھیں' آپؐ نے ہم سے جنگ (ظلم و ستم اور اذیت پہنچانے) کا بھی حکم دیا ہوتا تو جو کچھ ان ظالموں نے ہمارے

ساتھ کیا اس سے زیادہ (ظلم) وہ پھر بھی نہ کر سکتے " اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ " کتنی بھاری، دلسوز، دردناک، رنج پہنچانے والی، ناگوار، تلخ اور جانسوز مصیبت تھی۔ (لہوف/۲۰۲)

یہ سب کچھ ان لوگوں کے ہاتھوں انجام پایا کہ جو خود کو رسول اکرمؐ کی امت سمجھتے تھے۔ نماز پڑھتے تھے، روزہ رکھتے تھے، حج پر جاتے تھے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر انجام دیتے تھے۔

گزشتہ مطالب کی توضیح سے پہلے سوال کا جواب بخوبی دیا جا چکا ہے۔

رہا دوسرے سوال کا جواب کہ آنحضرتؑ کے قیام اور تحریک کی علت کیا تھی؟ تو اگرچہ مندرجہ بالا مطلب کی بادقت تفہیم سے دوسرے سوال کا جواب بھی سمجھ میں آ جاتا ہے۔ لیکن اس ناگزیر مسئلے کی اہمیت کے پیش نظر ہم مزید تحقیق کرتے ہیں۔

سب سے پہلے ان بزرگوں (آئمہ اہل بیتؑ) کا اس ضمن میں ایک فرمان نقل کیا جاتا ہے۔

(۱) حضرت صادقؑ اپنے جد بزرگوار امام سجادؑ سے نقل فرماتے ہیں کہ جب معاویہ مر گیا اور یزید نے کاروبار حکومت سنبھالا تو اپنے چچا کے بیٹے ولید بن عقبہ کو مدینہ کا حاکم بنا دیا۔ ولید مدینہ پہنچا .... اس نے حسین بن علی علیہما السلام سے چاہا اور کہا: یزید نے حکم دیا ہے کہ آپ اس کی بیعت کریں۔

حضرت نے فرمایا: اے عتبہ کے بیٹے! تو جانتا ہے کہ ہم اہل بیتؑ کرامت اور معدن رسالت ہیں میں نے اپنے جد رسول خداؐ سے سنا ہے کہ وہ فرماتے تھے:

''ابوسفیان کی اولاد پر خلافت حرام ہے'' میں کس طرح اس خاندان کی بیعت کروں جس کے بارے میں رسول خداؐ نے اس طرح فرمایا ہو؟

جب ولید نے یہ بات سنی تو یزید کو لکھا: حسینؑ بن علی تمہارے حق خلافت و بیعت کے معتقد نہیں ہیں ان کے بارے میں جو چاہو کرو۔

یزید نے جواب میں لکھا: جونہی میرا خط تمہیں ملے فوراً اس کا جواب لکھنا اور اس خط میں بیان کرنا کہ کون کون میرا مطیع ہے اور کون کون میرے خلاف ہے، اور حسینؑ بن علیؑ کا سر اس خط کے ساتھ ہونا چاہیے۔

جب یہ خبر امام حسینؑ کو ملی تو آپ نے عراق کا ارادہ کیا۔ رات کو مسجد نبوی میں آئے تا کہ حضورؐ کے روضہ مبارک سے وداع کر سکیں۔ جب قبر پر پہنچے تو قبر مبارک سے ایک نور چمکا اور پھر اپنی جگہ لوٹ گیا۔

دوسری رات وداع کے لئے آئے اور نماز کے لئے کھڑے ہو گئے اور اسے طول دے دیا۔ یہاں تک کہ حالت سجدہ میں آنکھ لگ گئی۔ رسول اکرمؐ خواب میں آئے اور آپؑ کو گلے اور سینے سے لگایا، آنکھیں چومیں اور فرمایا: میرا باپ تم پر قربان، میں اس امت کے ایک ہجوم کے درمیان کہ جو میری شفاعت کی امیدوار ہے، تمہیں تمہارے خون میں لت پت دیکھ رہا ہوں۔ لیکن خدا کے نزدیک ان کے لئے کچھ فائدہ نہیں ہے۔

" یَا بُنَیَّ اِنَّکَ قَادِمٌ عَلٰی اَبِیْکَ وَاُمِّکَ وَاَخِیْکَ وَھُمْ مُشْتَاقُوْنَ اِلَیْکَ وَاِنَّ لَکَ فِی الْجَنَّةِ دَرَجَاتٍ لَا تَنَالُھَا اِلَّا بِالشَّھَادَةِ "

"میرے بیٹے! تم اپنے ماں باپ اور بھائی کے پاس پہنچنے والے ہو اور وہ سبھی تمہارے مشتاق ہیں، اور بہشت میں تمہارے لیے (بلند) درجات ہیں جن پر بغیر شہادت کے نہیں پہنچا جا سکتا"

حضرت حسینؑ روتے ہوئے خواب سے بیدار ہو گئے۔

(امالی صدوق/۱۵۱/۴م۳۰، بحارالانوار۴۴/۳۱۳)

(۲) (آنحضرتؑ سے بیعت کی درخواست کے بعد) جب صبح ہوئی تو امام حسینؑ گھر سے باہر تشریف لائے تا کہ تازہ صورت حال سے باخبر ہو سکیں۔ مروان سے ملاقات ہوئی تو اس نے آپ سے کہا: اے ابا عبداللہ! میں آپ کا خیر خواہ ہوں، میری بات مان لیں تا کہ نجات پا سکیں! امامؑ نے فرمایا: تمہاری خیر خواہی کیا ہے؟ کہو تا کہ میں سن سکوں۔

مروان نے کہا: میں آپ کو مشورہ دیتا ہوں کہ یزید کی بیعت کر لو اسی میں آپؑ کے دین کا فائدہ ہے اور یہی آپ کے لئے دنیاوی فائدے کا باعث ہوگا۔

امامؑ نے فرمایا:

" اِنّا لِلّٰهِ وَاِنّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ' وَعَلَى الْاِ سْلاٰمُ السَّلاٰمُ اِذْ قَدْ بُلِيَتِ الْاُ مَّةُ بِرا عٍ مِثْلَ يَزِيْدِ "

''مسلمانوں پر اس سے بڑی مصیبت اور کیا ہوگی کہ وہ یزید (جیسے شخص) کی سرپرستی سے دوچار ہیں ۔ پس انہیں اسلام کو وداع کر دینا چاہیے''

میں نے اپنے جد رسول خداؐ سے سنا ہے کہ وہ فرماتے تھے :

" اَلْخِلاٰ فَةُ مُحَرَّمَةٌ عَلٰى آلِ أَبِى سُفْيَانِ "

''اولاد ابوسفیان پر خلافت حرام ہے'' (لہوف/۲۴)

(۳) سید الشہداء کی اپنے بھائی محمد بن حنیفہ کو وصیت : بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ......مدینہ طیبہ سے میرا خروج تکبر، سرکشی، حق کو قبول کرنے سے انکار وفساد، اورلوگوں پر ظلم کے لئے (ہرگز) نہیں ۔ میں اپنے جد کی امت کی (خرابیوں کی) اصلاح کے لئے نکل رہا ہوں تا کہ معروف (اچھائی) کا حکم دوں اور منکر (برائی) سے منع کرسکوں ۔ اوراپنے ناناؐ (محمد مصطفیؐ)اور باپ علی مرتضیٰؑ کی سیرت پر عمل کروں ۔

جوکوئی مجھ کو حق پر سمجھے ،تو خدا حق کے لئے سزا وار تر ہے اور جوکوئی مجھے رد کرے تو میں صبر کروں گا تاوقتیکہ خدا میرے اوراس قوم کے درمیان فیصلہ فرمادے اوروہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے (بحارالانوار: ۴۴/۳۲۹)

(۴) . حضرت امام حسینؑ حر سے ملاقات کے بعد خطبہ پڑھنے کے لئے کھڑے ہوئے ، آپ اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بجالائے اوراپنے نانا کا نام لے کران پر درود بھیجا پھر فرمایا:

صورت حال یہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا کا چہرہ دگرگوں اورزشت ہوگیا ہے ۔نیکی نے اس سے منہ پھیر لیا ہے اور جلدی سے گزر رہی ہے اور درد جام (کاسہ کی تلچھٹ) کے علاوہ کچھ باقی نہیں بچا ۔ زندگی ایک چراگاہ کی طرح سخت ، ناہجار ، پست اورزبوں ہوگئی ہے ۔

"أَلاٰ تَرَوْنَ اِلَى الْحَقِّ لاٰ يُعْمَلُ بِهِ وَاِلَى الْبَاطِلِ لاٰ يُتَنَا هٰى عَنْهُ، لِيَرْغَبِ الْمُؤمِنُ فِى لِقَاءِ رَبِّهِ مُحِقٌّ، فَاِنِّى لاٰ أَرَى الْمَوْتَ اِلاّ سَعَادَةً وَالْحَيَاةَ مَعَ

الظّٰالِمِیْنَ اِلاّ بَرَمًا"

"کیا تم نہیں دیکھتے کہ حق پر عمل نہیں کیا جارہا اور باطل سے دوری اختیار نہیں کی جا رہی ! مومن پر واجب ہے کہ اپنے پروردگار کی ملاقات کے لئے جان و دل سے تیار رہے کہ تحقیق میری نظر میں موت خوش بختی اور سعادت ہے اور ظالموں کے ساتھ زندہ رہنا سوائے دل تنگی کے کچھ نہیں۔

(لہوف/۷۹۱، مثیر الاحزان/۴۴، مقتل خوارزمی: ۲/۵، تاریخ طبری: ۵/۴۰۴، و تاریخ دمشق جلد امام حسین/۲۱۴)

تحف العقول میں اس حدیث کے آخر میں اس طرح ہے۔

" اِنَّ النّٰاسَ عَبِیْدُ الدُّنیٰا وَالدِّیْنُ لَعِقُ عَلیٰ اَلْسِنَتِهِمْ یَحُوطُونَهُ مٰادَرَّتْ مَعٰایِشُهُمْ فَاِذٰا مُحِّصُوا بِالْبَلاٰءِ قُلَّ الدَّیّٰانُوْنَ "

تحقیق لوگ سراسر دنیا پرست ہیں اور دین صرف ان کی زبانوں تک ہے اور جب تک یہ ان کے لئے وسیلہ زندگی ہے وہ اسے استعمال میں لاتے ہیں۔ اور جب انہیں کسی مصیبت سے آزمایا جاتا ہے تو دیندار بہت کم رہ جاتے ہیں۔

(تحف العقول/۱۷۶)

(۵) عمائدین کوفہ کے نام امام حسینؑ کا خط:

" مَنْ رَاٰیٰ سُلْطٰانًا جٰائِراً مُسْتَحِلاًّ لِحُرُمِ اللّٰهِ نٰاکِثًا لِعَهْدِ اللّٰهِ مُخٰالِفًا لِسُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ، یَعْمَلُ فِی عِبٰادِاللّٰهِ بِالْاِ ثْمِ وَالْعُدْوٰانِ ، ثُمَّ لَمْ یُغَیِّر بِقَوْلٍ وَلاٰ فِعْلٍ کٰانَ حَقِیْقًا عَلیٰ اللّٰهِ اَنْ یُدْخِلَهُ مَدْ خَلَه "

"جو کوئی کسی ظالم بادشاہ کو دیکھے کہ وہ خدا کے حرام کردہ کو حلال جانتا ہے اور عہد خدا کو توڑتا ہے اور رسول کی سنت کی مخالفت کرتا ہے اور بندگان خدا کے درمیان ناحق اور ظالمانہ رویہ اختیار کرتا ہے، تو جو شخص اسے اپنے قول و فعل سے تبدیل نہیں کرتا خدا پر لازم ہے کہ اسے بھی اس (ظالم بادشاہ) کا ساتھی شمار کرے۔

آگاہ ہو جاؤ کہ یہ حکمران شیطان کے فرماں بردار ہیں اور خداوند متعال کی

اطاعت سے منہ موڑ چکے ہیں۔ فساد کو رواج دیا جا رہا ہے اور حدود خدا کو توڑا جا رہا ہے۔ اور میں اس امر (ان کے خلاف قیام) کا رسول خداؐ کی قرابت اور نزدیکی کے سبب سب سے زیادہ مستحق ہوں"

(بحارالانوار: ۴۴/ ۳۸۱، تاریخ التواریخ: ۲/ ۱۷۱، کامل ابن اثیر: ۴/ ۴۸)

(۶) جب دشمن اس مظلوم و بے کس امامؑ کے چاروں طرف جمع ہو گئے اور آپؑ کو انگوٹھی کے نگینے کی طرح جکڑ لیا تو آپؑ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر دشمن کے مقابلے میں آ کھڑے ہوئے اور فرمایا:

" اَلاَ وَاِنَّ الدَّعِیَّ ابْنَ الدَّعِی قَدْ رَکَزَبَیْنَ اثْنَتَیْنِ: بَیْنَ السِّلَّةِ وَالذِّلَّةِ وَهَیْهَاتَ مِنَّا الذِّلَّةِ یَاْبَی اللّٰهُ ذٰلِکَ وَرَسُوْلُهُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَحُجُوْرٌ طَابَتْ وَطَهُرَتْ وَاُنُوْفٌ حَمِیَّةٌ وَنُفُوْسٌ اَبِیَّةٌ مِنْ أَنْ نُؤْثِرَ طَاعَةَ اللِّئَامِ عَلٰی مَصَارِعِ الْکِرَامِ، وَاِنِّی زَاحِفٌ بِهٰذِهِ الْاُسْرَةِ مَعَ قِلَّةِ الْعَدَدِ وَخِذْلَةِ النَّاصِرِ "

"آگاہ ہو جاؤ کہ اس حرام زادے کے حرام زادے نے ہمیں ایک دوراہے پر لا کھڑا کیا ہے۔ ایک راستہ موت کی طرف جاتا ہے اور دوسرا راستہ ذلت کی طرف لیکن یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ ہم موت کے مقابلے میں ذلت کو اختیار کریں۔ خدا اس کے رسولؐ اہل ایمان، ہمیں پالنے والے پاک و پاکیزہ دامن نیز باحمیت اور اپنے آپ کو ظلم کے زیر بار اور ذلت کے سپرد نہ کرنے والے افراد ہمیں اجازت نہیں دیتے کہ ہم ظالموں کی فرماں برداری کو شرافت کی موت پر ترجیح دیں۔

جان لو کہ میں اپنے ان اقرباء کے ساتھ، اگرچہ وہ تھوڑے ہیں اور کوئی دوسرا مددگار نہیں رکھتے، اس گروہ سے جنگ کرنے کا خواہاں ہوں۔

(لہوف/ ۹۷، بحارالانوار: ۴۵/ ۹ و ۸۳، تحف العقول/ ۴/ ۷ امقتل خوارزمی: ۲/ ۷)

آپؑ نے فرزدق کے جواب میں فرمایا:

"اِنْ نَزَلَ الْقَضٰاءُ بِمٰا نُحِبُّ وَنَرْضٰی ، فَنَحْمَدُ اللّٰهَ عَلٰی نَعْمٰائِهٖ، وَهُوَ الْمُسْتَعٰانُ عَلٰی اَدٰاءِ الشُّكْرِ، وَاِنْ حٰالَ الْقَضٰاءَ دُوْنَ الرَّجٰاءِ ، فَلَمْ يَبْعُدْ مَنْ كٰانَ الْحَقُّ نِيَّتَهُ وَالتَّقْوٰی سَرِيْرَتَهُ"

"اگر ہمارے میل ورغبت کے مطابق حالات پیش آئیں تو ہم برابر خدا کی نعمتوں کا شکر ادا کرتے رہتے ہیں کہ وہ اس سپاس اور شکر گزاری میں ہمارا مددگار ہے۔ اور اگر کام امیدوں کے مطابق نہ بھی ہوں تو وہ لوگ جنکی نیت صادق ہوتی ہے اور دلوں پر تقویٰ کی حکومت ہوتی ہے حق' سے دور نہیں ہٹتے"

(۸) آپؑ اپنے رجز میں اس طرح فرماتے ہیں:

اَلْقَتْلُ اَوْلٰی مِنْ رُكُوْبِ الْعٰارِ
وَالْعٰارُ اَوْلٰی مِنْ دُخُوْلِ النّٰارِ

"شرم ساری کی زندگی سے قتل ہو جانا بہتر ہے، لیکن آتش جہنم میں داخل ہونے سے شرم ساری بھی بہتر ہے" (لہوف/۱۱۹، بحارالانوار: ۴۵/۵۰، مثیر الاحزان/۷۲)

(۹) امام مظلوم کی زیارت اربعین میں کہ جس کے صادر کرنے کا شرف امام جعفر صادقؑ کو حاصل ہوا ہم پڑھتے ہیں:

اَللّٰهُمَّ اِنِّی اَشْهَدُ اَنَّهٗ وَلِيُّكَ......وَبَذَلَ مُهْجَتَهٗ فِيْكَ لِيَسْتَنْقِذَ عِبٰادَكَ مِنَ الْجَهٰالَةِ وَحَيْرَةِ الضَّلاٰلَةِ ، وَقَدْ تَوٰازَرَ عَلَيْهِ مَنْ غَرَّتْهُ الدُّنْيٰا وَبٰاعَ حَظَّهٗ بِالْاَرْزَلِ الْاَدْنٰی ...... فَجٰاهَدَ هُمْ فِيْكَ صٰابِرًا مُحْتَسِبًا حَتّٰی سُفِكَ فِی طٰاعَتِكَ دَمُهٗ وَاسْتُبِيْحَ حَرِيْمُهٗ ......

"خدایا! میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ (امام حسینؑ) تیرے ولی ہیں ......اور انہوں نے تیرے راستے میں اپنی جان قربان کی تا کہ تیرے بندوں کو نادانی اور سر گردانی سے نجات دلا سکیں وہ لوگ کہ جن کو دنیا دھوکہ دے دیتی ہے اور وہ اس کے لئے خود کو ادنیٰ اور پست قیمت پر فروخت کر دیتے ہیں۔ اور وہ اس کام کے

لیے ایک دوسرے کے رفیق کار ہیں۔

.........پس انہوں نے صبر اور خیر خواہی سے تیرے راستے میں جہاد کیا۔حتیٰ کہ تیری اطاعت میں اپنا خون بہا دیا اور اپنا حرم مباح سمجھ لیا۔

امام ہادیؑ سے صادر ہونے والی زیارت جامعہ کبیرہ میں آتا ہے:

"وَبَذَلْتُمْ أَنْفُسَكُمْ فِيْ مَرْضَاتِهِ ، وَصَبَرْتُمْ عَلٰى مَا أَصَابَكُمْ فِي جَنْبِهِ (حُبِّهِ) وَأَقَمْتُمُ الصَّلاةَ وَآتَيْتُمُ الزَّكَاةَ ، وَأَمَرْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ، وَنَهَيْتُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ ، وَجَاهَدْتُمْ فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهِ حَتّٰى أَعْلَنْتُمْ دَعْوَتَهُ ، وَبَيَّنْتُمْ فَرَائِضَهُ ، وَأَقَمْتُمْ حُدُوْدَهُ ، وَنَشَرْتُمْ شَرَايِعَ أَحْكَامِهِ وَسَنَنْتُمْ سُنَّتَهُ ، وَصِرْتُمْ فِي ذٰلِكَ مِنْهُ اِلَى الرِّضَا، وَسَلَّمْتُمْ لَهُ الْقَضَاءَ وَصَدَّقْتُمْ مِنْ رُسُلِهِ مَنْ مَضٰى"

"اور اپنی جان تیری رضا کے حصول کے لئے قربان کردی اور اس ضمن میں جو کچھ تیری طرف سے درپیش آیا اس پر صبر کیا۔نماز کو قائم کیا اور زکوٰۃ ادا کی اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کیا اور اللہ کے دین کے راستے میں جہاد کا حق ادا کردیا۔اس دین کی دعوت کا اعلان کیا۔اس کے واجبات کو بیان کیا اور اس کی حدود کو قائم کیا اور اس کے احکام کو پھیلایا، اور اس کی سنت پر عمل کیا اور اس ضمن میں اس کی رضا کو حاصل کیا اور اس کی قضا سے اپنی جان دے کر گزشتہ پیغمبروں کی تصدیق کی"

(تہذیب:۶/۹۷،عیون الاخبار:۲/۲۷۸،بحارالانوار:۱۰۲/۱۲۹،فرائد المسلمین:۲/۱۷۹)

گزشتہ مطالب کی تدقیق، (ہر) زمانے کے حاکم حسینؑ کے اوضاع و شرائط کے مطالعہ اور تحقیق، یزید پلید کے اعمال و کردار سے واقفیت اور مسلمان معاشرے کی اسلام کے اہداف عالیہ سے دوری نیز معاویہ کی زہرناک تبلیغات کے اثر سے امام حسین کے قیام اور شہادت کے بارے میں خدشہ و اشکال کی مجال باقی نہیں رہتی۔خصوصاً شیعہ نقطہ نظر سے کہ جو اس ہستی کی عصمت کے

قائل ہیں اس قیام اور شہادت کی صحت اور لزوم میں تردید کا وجود تک باقی نہیں رہتا۔ درعین حال، اس قیام کی علت وجہ کے بارے میں مختلف نقطہ ہائے نظر موجود ہیں۔

اکثر بزرگ آنحضرتؑ کے اس بارے میں منقول کلمات میں غور وخوص سے، آپؑ کے قیام کی علت امر بالمعروف نہی عن المنکر، نماز اور شرع مقدسہ کے تمام واجبات کے قیام اور بالجملہ احیائے دین کو سمجھتے ہیں۔

لیکن یہ امر مدنگاہ رہے کہ اس بیان سے حق مطلب ادانہیں ہوتا۔ کیونکہ امام عالی مقامؑ کا مسئلہ قیام اس مطلب سے کہیں بالاتر تھا۔ جو کچھ آپ کے فرمودات میں آتا ہے وہ اس تحریک کے اہداف کا ایک گوشہ بلکہ اس کے آثار وثمرات کا ایک شمہ ہے۔

چونکہ آپ کے قیام کی ابعاد نہایت وسیع ہیں جن کے ادراک کی میزان متفرق کڑیاں ہیں۔ اور لوگ درک حقائق کی صلاحیت رکھتے۔ لہٰذا اپنے خروج کی علت اور عراق کی طرف روانگی کے بارے میں امام حسینؑ کے کلمات سننے والوں کے ادراک اور استعداد کے متفاوت اور متناسب ہوتے ہیں امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور تمام واجبات حتیٰ کہ نماز ہر چند شارع مقدس کی تاکید اور توجہ کے بہت اہم موارد ہیں۔ لیکن امام کے وجود مقدس کے ساتھ مقابلہ میں فرع محسوب ہوتے ہیں اور جو اصل ہے وہ سید الشہداء کا ملکوتی وجود ہے۔

یہ کس طرح ممکن ہے کہ اصل فرع پر قربان ہو جائے؟ امام نماز کی ردح ہیں کیا روح نماز، نماز کے لئے قتل ہو جائے گی؟! اور کیا اصل فرع پر قربان ہوگی؟ ہاں! یہ ہیں اس حقیقت کے آثار اور کرنیں کہ جس کے لئے امام نے فی الواقع قیام فرمایا۔ لہٰذا کہا جا سکتا ہے کہ جس طرح خود آپؑ کی پہچان ناممکن ہے اور کسی میں یہ طاقت نہیں کہ اس بے پایاں سمندر کی تہہ تک پہنچے اور آپ کی حقیقی معرفت تک دسترس حاصل کرے۔ آپ کے قیام کی حقیقت جو کہ آپ کی زندگی کا حساس ترین مقام ہے پہچاننا ناممکن ہے۔ لیکن ہر شخص اپنی معلومات کی حد اور معرفت کی سطح تک آپ کی تحریک کے آثار وثمرات سے جزوی طور پر واقفیت حاصل کر سکتا ہے۔

رسول اکرمؐ فرماتے ہیں:

يا عَلِيُّ ، ماعَرَفَ اللّٰهِ اِلاَّ أنَا وَأنْتَ وَما عَرَفَنِيُ اِلَّا اللّٰهِ وَأنْتَ وَما عَرَفَکَ اِلاَّ اللّٰهُ وَأنَا .

"اے علیؑ خدا کو میرے اور تمہارے سوا کوئی نہیں پہچانتا اور مجھے اللہ کے اور تمہارے سوا کوئی نہیں پہچانتا اور تمہیں خدا کے اور میرے سوا کوئی نہیں پہچانتا"

ہم اسی بنیاد پرعرض کرتے ہیں: امام حسینؑ ان دو راستوں میں سے ایک راستہ اختیار کرنے پر مجبور تھے۔ یزید پلید، کثیف، فاسق کہ جو اپنے سے پہلے حاکموں کے برخلاف بہت سے کبائر کا علانیہ مرتکب ہوتا تھا، اور اس کے برے کام سب پرعیاں تھے، کی بیعت کرنا ولایت، شریعت، حقیقت کو مسخ کرنے کی معنوں میں خود کو ذلت میں ڈالنا تھا۔

اور یا عزت والی سرخ موت جینا کہ جو اپنی حقیقت کے دفاع کی مظہر تھی اور جو اپنی، اپنے والد گرامی حضرت علیؑ اور ان کے فرزندان طاہرینؑ کی ولایت مطلقہ کی حفاظت پر مشتمل تھی۔ اور بالمآل شریعت مقدسہ بھی محفوظ رہتی تھی، امام نے دوسرے راستے کو چنا۔

پس آپؑ کا قیام اپنی، اپنے والد گرامی اور ان کے فرزندوں کی ولایت مطلقہ کی حفاظت کے لیے تھا کہ جس کے ضمن میں شریعت کی حفاظت بھی آ جاتی ہے اور جس کے پرتو میں آپؑ کے جد بزرگوا کے دین کا احیاء بھی ہو جاتا ہے، اور شاید رسول خداؐ کے کلام "حُسَیْنُ مِنِّیُ وَاَنَا مِنْ حُسَیْنَ" کا دوسرا حصہ انہی معنوں کا آئینہ دار ہو"

(القطرۃ:۱/۱۴۰اب۲ح ۱۴۳، تاویل الآیات الظاہرۃ/۱۴۵، مناقب ابن شہرآشوب:۳/۲۶۷)

امام حسینؑ علم امامت کے علاوہ عرف و معمول کے طریقہ سے بھی ان لوگوں کو بخوبی پہنچانتے تھے اور اپنے والد بزرگوارؑ اور برادر مظلومؑ کے درد جگر اور سوز دل سے بھی آشنا تھے، اور مسلسل اس انتظار میں تھے کہ ان دنیا پرست اور گمراہ لوگوں کے تیرہ و تاریک دلوں سے جہل و ضلالت کے پردے ہٹا کر انہیں دین کی حقیقت سے، جو فی الواقع آئمہ معصومینؑ کی ولایت کی حقانیت ہے، سے آگاہ فرمائیں۔ لہٰذا جب آپ کے برادر بزرگوار امام حسن مجتبیؑ کی شہادت کو سات سال گزر گئے تو آپ سن ۵۷ ہجری میں خانہ خدا کی زیارت کے لئے عازم مکہ مکرمہ ہوئے۔

عبداللہ ابن جعفر، ابن عباس، بنی ہاشم کے متعدد لوگ اور آپ کے دوستوں اور شیعوں کی ایک جماعت آپ کے ہمراہ تھی۔ ایک دن آپ نے منیٰ میں ایک ہزار سے زائد افراد پر مشتمل ایک گروہ کو جو بنی ہاشم، صحابہ، تابعین، انصار اور ایسے اشخاص کا تھا اپنی نیکی اور رائے میں معروف تھے، طلب فرمایا۔ جب وہ لوگ جمع ہوگئے تو آپ نے کھڑے ہوکر خطبہ شروع کیا اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا نیز رسول اکرمؐ پر درود کے بعد فرمایا:

معاویہ نے ظلم و جنایت میں ہمارے اور ہمارے شیعوں کے ساتھ جو چاہا کیا: تم لوگ موجود تھے، اسے دیکھ رہے تھے اور تم تک اس کی خبر پہنچتی رہی۔ اب میں چاہتا ہوں کہ تم لوگوں سے ایک بات کا سوال کروں، اگر میں سچ کہوں تو تم میری تصدیق کرنا ورنہ مجھے جھٹلا دینا۔ میں جو کچھ کہوں اسے سنو اور میرے کلمات کو محفوظ رکھنا اور جب اپنے اپنے شہروں اور اپنے اپنے قبیلوں میں واپس جاؤ تو ان میں سے وثوق واعتماد کی حامل جماعت کو بلانا اور ان کے سامنے بیان کرنا، کیونکہ مجھے خوف ہے کہ کہیں دین خدا ملیامیٹ ہوجائے اور کلمہ حق مجہول رہ جائے اور اس حال میں خدا اپنے نور کو بکھیر دے اور کافروں کے جگر بندوں کو آتش جہنم میں پھینک دے۔

جب یہ سفارش اختتام کو پہنچی تو آپ نے آغاز سخن فرمایا اور امیر المومنین کے فضائل کو ایک ایک کر کے بیان کیا نیز آپ کی شان میں نازل ہونے والی قرآنی آیات بیان فرمائیں اور تمام لوگوں نے ان کی تصدیق کی۔

پھر فرمایا: یقیناً تم نے سنا ہوگا کہ رسول خداؐ نے فرمایا: جو شخص خود کو میرا دوست خیال کرے اور علیؑ کو دشمن رکھے تو وہ جھوٹ بولتا ہے۔ علیؑ کا دشمن میرا دوست نہیں ہوسکتا۔

ایک شخص نے کہا: یارسول اللہ! یہ کیسے ہوسکتا ہے، آپ سے محبت رکھنے اور علیؑ کو دشمن رکھنے میں کیا نقصان ہے؟ آپ نے فرمایا: یہ اس اعتبار سے ہے کہ میں اور علیؑ ایک جسم ہیں۔ علیؑ میں (محمدؐ) ہے اور میں (محمدؐ) علیؑ ہوں۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ کسی ایک جسم کو کوئی شخص دوست بھی رکھے اور دشمن بھی؟

لاریب جو شخص علیؑ کو دوست رکھتا ہے وہ مجھے دوست رکھتا ہے اور جو علیؑ سے دشمنی کرتا

ہے وہ میرا دشمن ہے اور جو میرا دشمن ہے اس نے خدا سے دشمنی کی ہے۔

وہاں موجود تمام لوگوں نے اس کی تصدیق کی۔ صحابہ کہنے لگے: آپؑ نے ایسے ہی فرمایا تھا۔ ہم آپ کی خدمت میں حاضر تھے اور ہم نے (خود) یہ سنا۔ تابعین کہنے لگے: ہم نے بھی، جنہوں نے ہم سے روایت بیان کی ہے اور جن کے قول پر ہم اعتماد رکھتے ہیں، سے یہ سنا ہے۔

آخر میں آپؑ نے فرمایا: تمہیں خدا کی قسم جب اپنے اپنے شہروں کو لوٹو تو جو میں نے کہا ہے، اسے ہر اس شخص سے کہ جو تم پر اعتماد رکھتا ہے بیان کر دینا۔ (منتہی الآمال: ۱/۲۳۹)

حجت الٰہی اور امام برحق نے سات سال سکوت اور برد باری کے بعد باوجود اس کے کہ اس کے عظیم اور شدید مصائب نے ہر پاکیزہ دل کو چیر ڈالا، اس ایک استثنائی فرصت میں، اپنے پیغام کو، جو دنیائے اسلام کا بنیادی ترین اور اہم ترین مسئلہ ہے، قابل اعتماد اور مشہور و معروف لوگوں کے ایک گروہ کے ذریعے پوری دنیا کے مسلمان تک پہنچا دیا۔

مسئلہ یہ ہے کہ خود امامؑ کے فرمان کے مطابق: کیونکہ لوگ اس سے آگاہ نہیں ہوں گے تو خوف اس بات کا ہے کہ خدا کا دین ملیامیٹ ہو جائے گا۔ یہ مسئلہ نہ نماز کا ہے نہ روزے کا، نہ حج کا، نہ امر بالمعروف کا اور نہ ہی جہاد کا۔ بلکہ بات یہ ہے کہ دین خدا تمام احکام الٰہی کے باوجود اس کے بغیر معلوم اور حق مجہول ہے اور یہی وہ چیز ہے کہ جس کے لیے امامؑ نے اپنی، اپنے بیٹوں، بھائیوں اور ساتھیوں کی شہادتوں کو قبول کیا۔ اور مدینہ سے روانگی سے لے کر کربلا تک مختلف مقامات پر آپ کے فرمودات کی گونا گوں تعبیروں کے ساتھ کہ جو مخاطبین کے اختلاف نظر اور استعداد و ادراک کی بنیاد پر تھیں فی الحقیقت اسی اہم اور بنیادی امر کو دوہرایا جاتا رہا۔

کہ یزید کی بیعت کرنا دین کی تباہی، حق کی نابودی اور ولایت کی پامالی ہے۔ یزید جیسی مصیبت کی وجہ سے اسلام سے وداع بھی انہی معنوں میں ہے۔ اصلاح اور امر بالمعروف کے لئے خروج بھی اس کے سوا کچھ نہیں۔ اور ظالموں کے ساتھ زندہ رہنے سے نفرت بھی اسی لحاظ سے اہم ہے۔ اور آل سفیان پر خلافت کے حرام ہونے کا تذکرہ بھی اسلام کے اساسی رکن یعنی ولایت کی یاد آوری ہے۔ اور وہ گمراہی اور جہالت کہ جس کی طرف زیارت اربعین میں اشارہ کیا گیا ہے

آئمہ اطہارؑ کی ولایت سے انحراف کے علاوہ کوئی دوسری شے نہیں ہے۔ (البتہ ولایت کے عام معنی امت کی سرپرستی سنبھالنا، ملک میں حکومت کا نفاذ اور دین میں ملکوت وتفویض وغیرہ ہے اور بہت سی روایات سے یہ معنی مستفاد ہیں)

امامؑ خوب جانتے تھے کہ بنی امیہ خصوصاً معاویہ کے لوگوں کے ساتھ برتاؤ کے سبب اکثر لوگ انہیں دوست رکھتے ہیں اور انہیں حق پر سمجھتے ہیں (اس بارے میں ''تجارب السلف'' نامی کتاب کا ایک اقتباس نقل کیا جاچکا) جب کہ حضرت علیؑ ان کی اولاد اور ان کے شیعوں کو باطل پر سمجھتے ہیں۔ آنحضرتؑ پر سب وشتم انہوں نے اپنا شعار بنا رکھا ہے، بلکہ اسے نماز جمعہ کا حصہ قرار دیا جاچکا ہے اور اس قدر تاکید تھی کہ اگر کوئی شخص ایسا کرنا بھول جائے تو (معاذ اللہ) نماز کے بعد آپؑ پر لعنت کرے اور اگر سفر میں اس کی یاد آجائے تو وہیں اس کی قضا ادا کرے۔ اس جگہ کو معبد بنالے اور اسے مسجد سمجھے۔

بہت سے لوگ گمان رکھتے ہیں کہ کوئی شخص بنی امیہ کا مخالف نہیں ہے، اور یہی رسول خدا کے خلفائے برحق ہیں۔ لیکن جب امام حسینؑ نے ان کے ساتھ جنگ کی اور انہوں نے آپ سے اس طرح (ظالمانہ) سلوک کیا اور پیغمبرؐ کی اولاد کے ساتھ ایسی حرکات کیں تو لوگ آگاہ ہوگئے اور سمجھ گئے کہ یہ ظالم سلاطین ہیں نہ کہ رسول خداؐ کے خلفاء۔ امام شہادت اور ذلت کے دوراہے پر کھڑے تھے۔ البتہ آپ نے ذلت کو کہ جو دین کے خاتمے، حق کی نابودی اور امیر المومنینؑ اور آئمہؑ اطہارؑ کی ولایت کی پامالی کے معنوں میں تھی، ہرگز قبول نہ کیا۔

امام حسینؑ نے باطنی ذمہ داری اور ظاہری فریضہ دونوں کے لحاظ سے شہادت کے انتخاب پر عمل کیا۔ کیونکہ آپ کے باطنی لحاظ سے مکلف ہونے کو ہم نہیں سمجھتے اور ہماری عقل اس کے ادراک سے قاصر ہے۔ یہ ہر معصومؑ کے لیے خود سے مخصوص فریضہ الٰہی تھا اور وہ پروردگار کی طرف سے اسے انجام دینے پر مامور تھے، اس پر عمل کرتے تھے اور امر الٰہی کے آگے سرخم تھے۔

امامؑ کی تکلیف ظاہری بھی اس طرح عمل پذیر ہوئی کہ آپ نے مدینہ سے مکہ کی طرف اور مکہ سے عراق کی طرف سفر کیا اور اگر قتل ہونا ہی مقصود تھا تو وہیں قتل ہو جاتے، کیونکہ آپ جہاں

کہیں بھی چلے جاتے وہ لوگ آپکو پکڑ کر قتل کر دیتے۔ یزید نے اپنے حاکم مدینہ کو حکم دیا کہ حسینؑ کو قتل کر دیا جائے۔ (بحارالانوار: ۳۴/۳۱۲و۳۲۴، امالی صدوق/۱۵۲م۳۰ضمن ح۱،لہوف/۲۲)

اس طرح ہم آپؑ سے بیعت طلبی کا واقعہ بھی قبل ازیں تحریر کر چکے ہیں کہ وہ آپؑ کو یزید کا مطیع ومنقاد بنانے کا ارادہ رکھتے تھے۔لیکن آپؑ نے یہ بات تسلیم نہ کی اور مکہ تشریف لے گئے اوراس دوران میں آپ یہ آیت تلاوت فرمارہے تھے:

"فَخَرَجَ مِنْهَا خَائِفًا يَتَرَقَّبُ ......" (سورہ قصص،آیہ۲۱)

"اورخوف زدہ حالت میں بچتے بچاتے مدینہ سے نکلے"

(بحارالانوار: ۴۴/۳۳۲،ارشاد:۲/۳۳)

امامؑ نے خدا کے حرم امن میں پناہ لی کہ جسے خداوندمتعال نے جانوروں ، پرندوں اور چرندوں کے لئے بھی جائے امن قرار دیا ہے۔وہاں بھی یزید نے آپ کو گرفتار کرنے اور قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ (بحارالانوار: ۴۴/۳۶۴و۳۶۵،وج۴۵/۹۹،ارشاد۲/ ۶۸،جلاالعیون/۳۶۹)

تو آپؑ نے حج کو عمرہ میں تبدیل کیا اوراحرام توڑ ڈالے۔

(ارشاد: ۲/ ۶۸،جلاالعیون/ ۳۶۹،بحارالانوار: ۴۴/۳۶۳)

اہل کوفہ نے بھی آپؑ کو بہت سے خطوط لکھے ،جن کی تعداد بارہ ہزار تک پہنچ گئی ، کہ آپ (کوفہ) تشریف لے آئیں ہم سب آپ کے مطیع اور فرماں بردار ہیں۔

(بحارالانوار: ۴۴/۳۳۳و۳۳۴،ارشاد: ۲/ ۳۴تا۳۶)

حضرت مسلم نے بھی لکھا کہ لوگ آپ کی بیعت کر رہے ہیں۔ (بحارالانوار: ۴۴/۳۳۶)

پس آپ کے لئے کوئی حجت باقی نہ رہی اور جب آپ ان کی طرف آئے اورانہوں نے بیعت توڑ دی تو آپ کے لئے واپس جانا ممکن نہ رہا۔اوراگرآپ واپس بھی جاتے تو کہاں جاتے! آپؑ کے لئے کوئی جائے امن نہ تھی۔حتیٰ کہ اگر بیعت بھی کر لیتے تو پھر بھی آپ کو ذلت کے ساتھ قتل کر دیا جاتا۔ان امور کی شہادت یہ ہے کہ جب آپ کے بھائی محمد حنفیہ نے آپؑ کی خدمت میں عرض کیا: آپؑ یمن چلے جائیں ، یا صحرا اور پہاڑوں کی طرف جا کر گوشہ نشین ہو جائیں

تو آپ نے جواباً فرمایا:

"وَاللّٰه ،یاأخِی ،لَوْ کُنْتُ فِی جُحْرِ هامَّةٍ مِنْ هَوامِّ الْاَرْضِ لاَ سْتَخْرَ جُونِی مِنْهُ حَتّٰی یَقْتُلُوْنِی".

''اے بھائی! خدا کی قسم اگر میں کسی جانور کے سوراخ میں بھی گھس جاؤں تو مجھے اس سے نکال کر قتل کردیا جائے گا'' (بحارالانوار: ۴۵/۹۹)

جب فرزدق نے کہا: اے فرزند رسولؐ! آپ نے حج کو پایہ تکمیل کو کیوں نہیں پہنچایا؟ تو آپ نے فرمایا: اگر میں یہاں رہوں تو وہ مجھے گرفتار کرلیں گے۔ (بحارالانوار: ۴۴/۳۶۵، ارشاد،/۶۸)

اور جب امام علیہ السلام منزل ثعلبیہ میں اترے تو ایک شخص جس کی کنیت ابوہرہ (ازدی تھی اور کوفہ سے آرہا تھا آپؑ کی خدمت میں پہنچا، اور سلام کرنے کے بعد کہنے لگا: اے فرزند رسول! آپ حرم خدا اور اپنے نانا کے حرم سے کس لئے نکل آئے؟ امام نے فرمایا: اے ابوہرہ! بنو امیہ نے میرے اموال کو غصب کیا میں نے صبر کیا: مجھے گالیاں دیں اور ہماری عزت کو پامال کیا تو پھر بھی میں نے تحمل کیا اب وہ میرا خون بہانا چاہتے ہیں لہٰذا میں وہاں سے نکل آیا ہوں۔ خدا کی قسم یہ ظالم جماعت ہمیں قتل کرنا چاہتی ہے اور خداوند متعال انہیں ذلت کا لباس پہنائے گا کہ جوان کے سراپوں کو ڈھانپ لے گا...... (لہوف/۷۰، بحارالانوار: ۴۴/۳۶۷)

بنی عکرمہ کے ایک بوڑھے نے کہ جس کا نام عمرو بن لوذان تھا، بطن عقبہ میں آپؑ کی زیارت کی اور آپ کی خدمت میں عرض کیا: آپ کہاں جارہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: کوفہ کی طرف۔ اس نے عرض کیا: میں آپ کو خدا کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ آپ واپس چلے جائیں کیونکہ خدا کی قسم آپ کا وہاں جانا نیزوں کی انیوں اور کاٹ ڈالنے والی تلواروں کی طرف جانے کے سوا کچھ نہیں آپ نے فرمایا: اے بندۂ خدا! جو تو جانتا ہے وہ مجھ سے پوشیدہ نہیں ہے۔ اور خداوند متعال اپنے کام میں مغلوب نہیں ہوتا (لیکن سوا اس کے کہ جو ارادہ خدا میں ہے، کچھ نہیں ہوتا) پھر فرمایا:

"وَاللّٰهِ لاٰ یَدَ عُونِی حَتّٰی یَسْتَخْرِ جُوا هٰذِهِ الْعُلْقَةَ مِنْ جَوْفِی"

''خدا کی قسم! وہ مجھ سے ہاتھ نہیں اٹھائیں گے تاوقتیکہ وہ میرے خون شدہ دل کو

میرے سینے سے نکال لیں۔ (ارشاد:۲/۷۷، بحارالانوار:۴۴/۳۷۵، تاریخ دمشق/۲۱۱)

امامؑ کا یہ کلام کہ خدا کا حکم جاری ہو کر رہے گا، آپ کی تکلیف باطنی کی طرف اشارہ ہے کہ جسے ہم نہیں سمجھ سکتے اور جو آپ نے فرمایا: یہ مجھ سے ہاتھ نہیں اٹھائیں گے، یہ آپؑ کی تکلیف ظاہری کی طرف اشارہ ہے اور جو آپ نے فرمایا: اس خون شدہ دل کو میرے سینے سے باہر نکال لیں گے، اس زمین پر آپ کی شدت مصیبت کی طرف اشارہ ہے۔

گویا یہ (فرمودات) اس پر شاہد ہیں کہ اگر آپ یزید کی بیعت کر بھی لیتے تو پھر بھی آپ کو قتل کیا جاتا۔ ابن زیاد ملعون نے لکھا: میرے حکم اور یزید کے حکم کے سامنے گردن جھکا دیں یا بیعت کر لیں۔ (بحارالانوار:۴۴/۳۸۳، مقتل خوارزمی:۱/۲۳۹)

اور شمر ملعون نے ابن زیاد سے کہا: اگر حسینؑ اور ان کے ساتھی بیعت کر لیں تو تم ان کا خاتمہ کر دو، تو جان لے کہ یہ زیادہ سزاوار تر ہے۔ (بحارالانوار:۴۴/۳۹۰، ارشاد:۲/۹۰)

اگر وہ قتل کا ارادہ نہ رکھتے تو اس طرح نہ کہتے۔ اور آپ ان کی غرض کو سمجھتے تھے۔ اسی لئے فرمایا: نہیں خدا کی قسم میں تمہارے ہاتھ میں ہاتھ دینے کی ذلت نہیں اٹھا سکتا اور غلاموں کی طرح فرار نہیں کروں گا۔ (ارشاد:۲/۱۰۲، مثیر الاحزان/۵۱، بحارالانوار ۴۵/۷)

پھر فرمایا:

"أَلَا وَإِنَّ الدَّعِيَّ ابْنَ الدَّعِيِّ قَدْ رَكَزَنِيْ بَيْنَ اثْنَتَيْنِ : بَيْنَ السِّلَّةِ وَالذِّلَّةِ وَهَيْهَاتَ مِنَّا الذِّلَّةِ يَأْبَى اللّٰهُ ذٰلِكَ وَرَسُوْلُهُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَحُجُوْرٌ طَابَتْ وَطَهُرَتْ وَأُنُوْفٌ حَمِيَّةٌ وَنُفُوْسٌ اَبِيَّةٌ مِنْ أَنْ نُؤْثِرَ طَاعَةَ اللِّئَامِ عَلٰى مَصَارِعِ الْكِرَامِ"

"آگاہ ہو جاؤ کہ اس زنا زادہ پسر زنا زادہ نے ہمیں ایک دوراہے پر لا کھڑا کیا ہے۔ جہاں سے ایک راستہ موت کی طرف اور ایک راستہ ذلت کی طرف جاتا ہے۔ لیکن یہ ہرگز نہیں ہوسکتا کہ ہم موت کے مقابلے میں ذلت کو اختیار کریں۔ خدا، اس کے رسول اور ہمیں پالنے والے پاک و پاکیزہ دامن، نیز باحمیت اور

اپنے آپ کو ظلم کے زیر بار اور ذلت کے سپرد نہ کرنے والے (عظیم) افراد ہمیں اجازت نہیں دیتے کہ ہم ظالموں کی فرمانبرداری کو عزت کی موت پر ترجیح دیں۔
(لہوف/۹۷، بحار الانوار: ۴۵/۹و۸۳، مثیر الاحزان/۵۵، تحف العقول)

اگر آپ تقیہ کی رو سے راضی بھی ہو جاتے تو وہ آپ (پر ظلم) سے دستبردار نہ ہوتے اور ذلت و خواری کے ساتھ بغیر کسی احتجاج کے آپ کو شہید کر دیتے۔

عزیزو! کیا سید الشہداء گوشہ نشین ہو جاتے اور چھپ ہو جاتے کہ کسی کو خبر نہ ہوتی اور یا آپ کا فرض تھا کہ مدینہ سے نکل کر اسلام کے عظیم ترین شہر مکہ میں پہنچیں چند ماہ وہاں ٹھہریں اور صبر کریں تا وقت کہ حج کے موسم میں اطراف عالم سے لوگ وہاں جمع ہو جائیں۔ اور آٹھ ذوالحجہ کو آپ حج کو عمرہ میں تبدیل کر دیں تا کہ تمام کے تمام لوگ آپؑ اور آپ کے کار خیر سے باخبر ہو جائیں؟

پھر تو یہ کہ آپ نے مکہ میں آواز بلند کی لیکن کسے خبر تھی کہ آپ حج کو پایہ تکمیل تک نہیں پہنچا سکیں گے۔

اس وقت آپ عراق کی طرف روانہ ہوئے۔ پھر ہر جگہ اور ہر کسی کو خبر ہو گئی کہ آپ کربلا میں اپنی تمام تر مظلومیت کے ساتھ شہید ہو گئے ہیں۔ اور اس کے بعد حضرت زینبؑ اور دیگر تمام قیدیوں کو شام میں ٹھہرایا گیا، کہ جو یزیدی حکومت کے جور و فساد کا مرکز ہے تمام کے تمام مسائل کو سمجھتے ہوئے خاندان نبوت کو نہایت مظلومیت کی حالت میں لایا گیا حتیٰ کہ نصرانی بھی باخبر ہو گئے

تعجب تو یہ ہے کہ ابن عباسؓ کہتے ہیں: آقا آپ فرار کر جائیں اور عراق کی طرف نہ جائیں!

کیا اس سے شہید ہونا بہتر نہیں تھا؟ ہاں سید الشہداء تو کلام رسول " حُسَیْنٌ مِنِّی وَاَنَا مِنْ حُسَیْنٍ " کے جاری کرنے والے تھے۔ اور آپ نے اپنی شہادت سے ان کی رسالت کو ثمر بار بنا دیا۔ دین پیغمبر اکرم، حضرت علی اور ولایت وغیرہ کو زندہ کر دیا۔

اس طرح راہ خدا میں عزت کی شہادت پائی اور خود کو غالب کیا اور احکام الٰہی کا قیام کر کے لوگوں کو گمراہی و جہالت سے نجات دلائی اور اپنے آپ کو ذلت و خواری کے سپرد نہ کیا۔

سید الشہدا ؑ کا بیعت یزید سے انکار

شیخ صدوقؒ (ایک سلسلہ سند سے) امام جعفر صادق سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: میرے والد گرامی نے اپنے والد گرامی سے اور انہوں نے امام سجاد علیہ السلام سے نقل فرمایا کہ جب معاویہ کی موت نزدیک آ پہنچی تو اس نے اپنے بیٹے یزید لعنۃ اللہ کو طلب کیا اور اپنے نزدیک بٹھا کر کہا: میرے بیٹے! میں نے سرکشوں کو تمہارے لئے رام کرلیا ہے اور تمہارے لئے شہروں کو (حکومت کے لئے) آمادہ کردیا ہے۔ اور سلطنت تمہارے لئے حاضر ہے۔ لیکن تین اشخاص جو ہر حال میں تمہاری مخالفت کریں گے، ان پر نظر رکھنا، وہ عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر اور حسینؑ بن علیؑ ہوں گے۔

عبداللہ بن عمر اندر سے تمہارے ساتھ ہے اس کے ساتھ دوستی کا برتاؤ کرنا۔ عبداللہ بن زبیر تو اگر وہ ہاتھ لگ جائے تو اسے ٹکڑے ٹکڑے کردینا کیونکہ وہ ایک شیر کی طرح اپنے شکار کی خاطر تم پر حملہ کرنے کی کوشش کرے گا اور لومڑی کی طرح کہ جو کتے سے بھاگتی ہے (مکر و حیلہ کے لئے) تم سے پوشیدہ رہے گا۔

البتہ حسینؑ ابن علیؑ کے بارے میں جان لو کہ وہ رسول خداؐ سے نسبت رکھتا ہے اور ان کا گوشت پوست اور خون ہے۔ میں جانتا ہوں کہ عراق کے لوگ اسے تمہارے خلاف بغاوت پر اکسائیں گے۔ پس اس سے ہاتھ اٹھائے رکھنا اور وضعداری سے کام لینا، اگر وہ ہاتھ آجائیں تو ان کا حق پہچاننا اور رسول خدا کی نسبت سے ان کے مقام کی وجہ سے رعایت برتنا اور ان کا مواخذہ نہ کرنا، ہماری ان سے دوستی اور قرابت داری ہے۔ مبادا کہ تم ان کے ساتھ برا سلوک کرو اور تم سے

کوئی نا گوار کام انجام پا جائے۔

جب معاویہ مرگیا اور یزید اس کے بعد امور سلطنت کا متصدی بن گیا تو اس نے اپنے چچا (کے بیٹے ولید بن عتبہ بن ابی سفیان [1]) کو مدینہ کا حاکم بنا دیا۔ (ابن) عتبہ مدینہ آیا اور مروان بن حکم جو معاویہ کی طرف سے حاکم مدینہ تھا کی جگہ کو سنبھال لیا۔تا کہ یزید کے حکم کا نفاذ کر سکے۔ مروان بھاگ گیا اور اس پر ہاتھ نہ آیا (ظاہراً یہاں عبداللہ بن زبیر ہونا چاہیے تھا کہ جو مدینہ سے فرار ہوگیا۔ یہاں عبارت کا کچھ حصہ حذف ہوگیا ہے یا پھر عبارت میں تصحیف در آئی ہے۔ کیونکہ وہاں موجود تھا جب امام حسین پسر عتبہ کے پاس تشریف لے گئے تو مروان بن حکم اس وقت اور اس نے ولید کو امام حسین کو قتل کردینے کی تحریک دی۔

(پسر) عتبہ نے امام حسینؑ بن علیؑ کو بلا بھیجا اور کہا: یزید نے حکم دیا ہے کہ آپ اس کی بیعت کریں۔ امام حسینؑ نے فرمایا: اے (پسر) عتبہ تو جانتا ہے کہ ہم اہل بیتؑ کرامت اور معدن رسالت ہیں۔ خداوند متعال نے حق کی علامات ہمارے دلوں میں ودیعت کر رکھی ہیں اور ہماری زبان ان کے مطابق گویا ہوتی ہے۔ پس ہم اللہ عزوجل کے حکم سے بات کرتے ہیں اور میں نے اپنے نانا رسول خدا سے سنا ہے کہ آپ فرماتے تھے۔ ابوسفیان کی اولاد پر خلافت حرام ہے۔ میں کیسے اس خاندان کی بیعت کروں کہ جس کے بارے میں رسول خدا نے منع فرمایا ہے:

جب (پسر) عتبہ نے آپ کا یہ جواب سنا تو اپنے کاتب کو حکم دیا کہ یزید کے نام خط میں لکھو کہ حسین بن علی کسی طرح بھی تمہارے حق خلافت و بیعت کے معتقد نہیں ہیں۔ ان کے بارے میں جو چاہو کرو۔

جب یہ خط یزید لعنۃ اللہ کو پہنچا تو اس نے (پسر) عتبہ کو اس کا جواب لکھا کہ جونہی یہ خط تمہیں ملے فوراً اس کا جواب دینا اور اس میں تفصیل سے لکھنا کہ کون کون میرا مطیع اور کون کون مخالف، اور حسینؑ بن علیؑ کا سر اس خط کے ہمراہ ہونا چاہیے۔

---

(1) ظاہراً یہ ہونا چاہیے اس کا چچا کا بیٹا ولید بن عتبہ اور پسر اور ولید بن حذف ہوگیا ہے۔

جب یہ خبر امام حسینؑ تک پہنچی تو آپ نے عراق کی طرف روانگی کا ارادہ کرلیا۔ جب رات ہوگئی تو آپ مسجد نبوی میں تشریف لائے تا کہ رسول خدا کا مرقد مطہر سے وداع کرسکیں۔ جب آپ قبر رسول پر پہنچے تو قبر مطہر سے ایک نور اٹھا اور پھر اپنی جگہ پر واپس چلا گیا۔

جب آپ دوسری رات وداع کے لئے آئے تو نماز کے لئے کھڑے ہوگئے اور نماز کو طول دے دیا۔ حالت سجدہ میں ایک لحظہ کے لیے آپ پر نیند طاری ہوگئی۔ آپ نے خواب میں رسول خداؐ کو دیکھا۔ انہوں نے آپ کو گلے لگایا اور سینے سے چمٹایا اور آپؑ کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دے کر فرمایا:۔

" بِأَبِي أَنْتَ ،كَأَنِّي أَرَاكَ مُرَمَّلاً بِدَمِكَ بَيْنَ عِصَابَةٍ مِنْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ ،يَرْجُوْنَ شَفَاعَتِي ،مَالَهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ خَلَاقٍ يابُنَيَّ ،اِنَّكَ قادِمٌ عَلٰى أَبِيكَ وَأُمِّكَ وَأَخِيكَ وَهُمْ مُشْتَاقُوْنَ اِلَيْكَ وَاِنَّ لَكَ فِي الْجَنَّةِ دَرَجاتٍ لاَ تَنالُها اِلاَّ بِالشَّهادَةِ "

" میرا باپ تم پر قربان، گویا میں تمہیں اس امت کے ایک ہجوم کے درمیان کہ جو میری شفاعت کی امید رکھتی ہے، خون میں غلطان دیکھ رہا ہوں۔ خدا کے نزدیک ان کے لیے خیر کا کچھ حصہ نہیں ہے۔ میرے بیٹے! تم اپنے باپ، ماں اور بھائی کے پاس پہنچنے والے ہو، وہ سب تمہارے مشتاق ہیں۔ اور بے شک تمہارے لئے جنت میں (بلند) درجات ہیں کہ تم شہید ہوئے بغیر ان تک نہیں پہنچ سکتے۔

(۱) بحارالانوار اور دیگر منابع میں اس جگہ اضافہ ہے (کہ گویا امالی کی طباعت میں کچھ عبارت رہ گئی ہے): تمہارا جسم خون میں لت پت ہے اور زمین کربلا پر میری امت کا ایک گروہ تمہیں ذبح کررہا ہے، اور تم اس حالت میں پیاسے ہو اور وہ تمہیں اس حالت میں پانی تک نہیں پلاتے اور تمہیں سیراب نہیں کرتے۔

(بحارالانوار: ۴۴/ ۳۲۸، مثیر الاحزان/۲۳، مقتل خوارزمی ۱/ ۱۸۷، مقتل عوالم/۵۴)

(۲) بحارالانوار اور دیگر یادشدہ منابع میں اضافہ ہے: پس اس حالت میں آپؑ نے اپنے

جد بزرگوار کی طرف نظر اٹھا کر فرمایا:

"یَاجَدَّاهُ ،لاحَاجَةَ لِی فِی الرُّجُوعِ اِلَی الدُّنیَا فَخُذنِی اِلَیکَ وَاَدخِلنِی مَعَکَ فِی قَبرِکَ"

"اے جد بزرگوار! مجھے اس دنیا میں پلٹنے کی کوئی ضرورت نہیں، مجھے پکڑ کر اپنے ساتھ قبر میں لے جایئے (اور دنیا کے رنج وغم سے نجات دلا دیجئے)

رسول خدا نے فرمایا: تمہارے لئے دنیا میں واپس جانے کے سوا کوئی چارہ نہیں تا کہ تم جام شہادت نوش کرو اور عظیم ثواب کو حاصل کرو جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے مقدر میں لکھ رکھا ہے۔

امام حسینؑ روتے ہوئے خواب سے بیدار ہوئے اور اپنے اہل بیتؑ کے پاس پہنچ کر ان کے سامنے اپنا خواب بیان فرمایا۔ ان سے وداع کیا اور اپنی بہنوں، بیٹیوں اور بھائی کے بیٹے قاسم کو محملوں میں سوار کرایا اور اپنے اکیس اصحاب اور اہل بیتؑ کے ہمراہ سفر پر روانہ ہوئے۔ جن میں ابوبکر بن علی، محمد بن علی، عثمان بن علی، عباس بن علی، عبداللہ بن مسلم بن عقیل، علی بن الحسین الاکبر اور علی بن الحسین لاصغر وغیرہ شامل تھے۔

(امالی صدوق/۱۵۰م۳۰ح۱، بحارالانوار: ۴۴/۳۱۰ح۱)

شیخ مفید نقل فرماتے ہیں کہ جب امام حسنؑ نے اس دنیا سے کوچ فرمایا تو عراق کے شیعہ حرکت میں آگئے اور انہوں نے امام حسین کو لکھا کہ ہم معاویہ کو خلافت سے ہٹا کر آپ کی بیعت کرتے ہیں۔

امام نے اجتناب کیا اور انہیں یاد دہانی کرائی کہ ابھی میرے اور معاویہ کے درمیان عہد و پیمان ہے، جسے توڑنا جائز نہیں۔ جب معاویہ کا عہد حکومت اختتام کو پہنچا اور وہ مر گیا تو تو میں اس کے بارے میں سوچوں گا۔ معاویہ ۱۵ رجب سال ۶۰ ہجری میں مرا اس کے بیٹے یزید ملعون نے ولید بن عتبہ بن ابی سفیان کو، جو معاویہ کی طرف سے مدینہ کا حکمران تھا، ایک خط بھیجا جس میں حسین علیہ السلام سے بغیر کسی رو رعایت کے بیعت لینے اور کسی بھی وجہ سے انہیں مہلت نہ دینے

کے بارے میں لکھا۔

ولید نے رات کے وقت ایک آدمی آپؑ کے پاس بھیج کر آپ کو بلایا۔ امامؑ سارا ماجرا سمجھ گئے آپ نے اپنے عزیزوں کے ایک گروہ کو بلا بھیجا اور انہیں حکم دیا کہ اپنے اپنے ہتھیار ساتھ لیتے آئیں اور ان سے فرمایا: ولید نے جس وقت مجھے بلایا ہے مجھے خدشہ ہے کہ وہ مجھے کسی ایسے کام کے کرنے پر مجبور کرے کہ جسے میں قبول کرنے کے لئے تیار نہ ہوں اور نہ ہی مجھے اس سے امن کی توقع ہے۔ پس تم میرے ساتھ چلو۔ جب میں اس کے پاس جاؤں تو تم دارالامارہ کے دروازے پر بیٹھے رہنا، اگر میری (اونچا بولنے) کی آواز سنو تو اندر چلے آنا تا کہ میری حفاظت کر سکو۔

امام حسینؑ ولید کے پاس آئے تو مروان بن حکم کو اس کے پاس دیکھا، ولید نے آپ کو معاویہ کی موت کی خبر دی۔ اس کے بعد یزید کا خط اور اس میں آپ سے بیعت کا حکم آپ کو پڑھ کر سنایا۔

امامؑ نے فرمایا: میں نہیں سمجھتا کہ تم اس بات پر قناعت کرو کہ میں خفیہ طور پر یزید کی بیعت کرلوں تاوقتیکہ میں اعلانیہ طور پر بیعت کروں کہ جس سے لوگ سمجھیں میں بیعت کر رہا ہوں؟ ولید نے کہ کہا: ہاں اسی طرح ہے۔

امامؑ نے فرمایا: پس صبح تک مجھے مہلت دو تا کہ میں اس کے بارے میں سوچ سکوں۔ ولید نے کہا: خدا کے نام پر ابھی آپ واپس چلے جائیں اور (صبح) لوگوں کی ایک جماعت کے ساتھ (بیعت کے لئے) ہمارے پاس چلے آنا۔

مروان نے ولید سے کہا: خدا کی قسم! اگر حسینؑ یہاں سے چلے گئے اور بیعت نہ کی تو دوبارہ ہرگز تمہارے ہاتھ نہیں آئیں گے۔ جب تک کہ تمہارے اور ان کے درمیان سخت قتل و غارت نہ ہو۔ انہیں بیعت پر مجبور کرو یا ان کا سر قلم کردو۔

امام حسینؑ اپنی جگہ سے اٹھے اور اس سے مخاطب ہو کر فرمایا: اے زرقا (نیلی آنکھوں والی کے بیٹے تو مجھے مروانا چاہتا ہے یا اسے؟! خدا کی قسم تو نے جھوٹ بولا ہے اور خطا کی ہے اور دارالامارہ سے باہر نکلے اور اپنے عزیزوں کے ہمراہ چلتے ہوئے اپنے گھر پہنچ گئے۔

مرحوم سید بن طاؤس اور دوسروں کے یہاں ایک عبارت کا اضافہ ہے: اس کے بعد آپ نے ولید کی طرف منہ کر کے فرمایا: اے امیر! ہم خاندان نبوت اور رسالت کی کان ہیں۔ ہمارا آستانہ ملائکہ کے آنے جانے کی جگہ ہے۔ دفتر وجود ہمارے نام سے کھلتا ہے اور ختم ہو جاتا ہے۔ جبکہ یزید ایک فاسق، شراب خور اور آدم کش شخص ہے کہ جو علانیہ فسق و فجور کرتا ہے۔ میرے جیسا شخص اس جیسے کی بیعت نہیں کر سکتا۔ ہم اور تم صبح تک اچھی طرح سوچ لیتے ہیں کہ ہم میں سے کون خلافت اور بیعت کے زیادہ لائق ہے۔

(لہوف/۲۳، بحار الانوار: ۴۴/ ۳۲۵، مقتل خوارزمی: ۱/ ۱۸۴، مثیر الاحزان/ ۲۴)

مروان نے ولید سے کہا: تم نے میری بات کی طرف توجہ نہیں دی، خدا کی قسم اب تم دوبارہ کبھی اس پر ہاتھ نہیں ڈال سکو گے۔ ولید نے کہا: اے مروان دوسروں کے حال پر افسوس کہ جو مجھے ایسی تجویز پیش کرتے ہیں کہ جس میں میرے دین کی بربادی ہے۔ خدا کی قسم! میں یہ نہیں چاہتا کہ مال دنیا کی ہر وہ چیز کہ جس پر سورج چمکتا ہے اور غروب کرتا ہے، میری ہو جائے اور میں پھر بھی حسینؑ کو قتل کروں۔ سبحان اللہ! حسینؑ نے یہی کہا ہے: میں بیعت نہیں کرتا، تو میں حسینؑ کو قتل کر دوں؟ خدا کی قسم میں نہیں سمجھتا کہ جو شخص قیامت کے دن خون حسینؑ کے ساتھ اٹھے اس کی عاقبت بخیر ہو۔

مروان نے کہا: اگر یہ اس خاطر ہے تو نے بجا کیا ہے، اگرچہ اس کا دل اس کام پر خوش نہ تھا۔ امام حسینؑ اس رات کہ جو ستائیس رجب سن ۶۰ ہجری کی رات تھی اپنے گھر ہی میں رہے۔

ولید بھی اس رات ابن زبیر سے بیعت لینے میں مصروف ہو گیا اور اس نے بھی بیعت سے انکار کے لئے اسی رات مدینہ چھوڑ کر مکہ کا رخ کیا۔ جب صبح ہو گئی تو ولید نے بنی امیہ کے ایک شخص کو اسی (۸۰) سواروں کے ہمراہ اس کے پیچھے بھیجا لیکن وہ اسے نہ پکڑ سکے اور نامراد واپس لوٹ آئے۔

جب ہفتہ کے روز عصر کا وقت ہوا تو ولید نے ایک گروہ کو امام حسینؑ کے پاس بھیجا کہ بیعت کے لئے حاضر ہوں۔ آپؑ نے فرمایا: کل صبح تک صبر کیجئے تا کہ ہم دونوں اس بارے میں سوچ سکیں۔ اس رات بھی آپ سے ہاتھ اٹھا لیا گیا۔

آپؑ اسی رات کہ جو ۲۸ رجب اتوار کی رات تھی مدینہ سے مکہ روانہ ہوگئے۔ آپ کے بیٹے بھتیجے، بھائی اور خاندان کے بیشتر افراد سوائے آپ کے بھائی محمد بن حنفیہ کے آپ کے ہمراہ تھے۔

(ارشاد مفید: ۲/۲۹)

مرحوم سید بن طاؤس اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد مختصراً لکھتے ہیں:

جب صبح ہوئی تو امام حسینؑ اپنے گھر سے باہر آئے تاکہ حالات سے آگاہ ہوسکیں۔ آپ نے مروان کو دیکھا۔ اس نے آپؑ سے کہا: اے ابا عبداللہ! میں آپ کا خیر خواہ ہوں۔ آپ میری اطاعت کریں تاکہ آپ کو نجات حاصل ہو!

امام حسینؑ نے فرمایا: تمہاری خیر خواہی کیا ہے؟ بیان کرو تاکہ میں سن لوں۔

مروان نے کہا: میں آپ کو یہی مشورہ دیتا ہوں کہ یزید کی بیعت کرلیں کہ یہی آپ کے دین کے لئے نفع بخش اور دنیا کے لئے سودمند ہے۔ آپؑ نے فرمایا:

"اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ، وَعَلَى الْاِسْلاٰمِ السَّلاٰمُ اِذْ قَدْ بُلِيَتِ الْاُمَّةُ بِرَاعٍ مِثْلِ يَزِيْدِ وَلَقَدْ سَمِعْتُ جَدِّی رَسُوْلَ اللّٰهِ يَقُوْلُ الْخِلاٰفَةُ مُحَرَّمَةٌ عَلٰى آلِ اَبِی سُفْيَانَ"

"اس سے زیادہ مصیبت کیا ہوگی کہ امت مسلمہ یزید جیسے شخص کی رعایا بن چکی ہے۔ پس اسے اسلام کو الوداع کہہ دینا چاہیے میں نے اپنے نانا رسول خداؐ سے سنا کہ آپ فرماتے تھے: ابوسفیان کی اولاد پر خلافت حرام ہے"

(لہوف/۲۴ اور اسی کے مثل مثیر الاحزان/۲۴ میں)

امام حسینؑ کی مکہ کی طرف روانگی

جب امام عالی مقام روانگی کے لئے تیار ہوئے تو رات کے وقت اپنی والدہ گرامی حضرت فاطمہ زہراؑ اور بھائی امام حسنؑ کی تربتوں پر گئے۔ ان سے وداع کیا اور صبح کے وقت گھر پہنچے تاکہ سفر پر روانہ ہوسکیں۔

ابن قولویہ نے سند معتبر سے امام محمد باقرؑ سے روایت کی ہے کہ جب امام حسینؑ نے مدینہ سے نکلنے کا ارادہ کیا تو بنی ہاشم کی عورتیں اکٹھی ہوگئیں اور نوحہ وزاری کی صدائیں بلند ہوئیں امام مظلومؑ نے ان کی بے قراری اور نالہ زاری کو دیکھا تو فرمایا: میں تمہیں خدا کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ صبر کرو اور جزع فزع اور بے تابی سے گریز کرو۔

انہوں نے کہا: اے ہمارے سید و سردار! ہم کس طرح خود کو گریہ و زاری سے روکیں حالانکہ آپ جیسی بزرگوار ہستی ہم بے کسوں کو تنہا چھوڑ کر ہمارے درمیان سے جا رہی ہے۔ اور ہم نہیں جانتے کہ یہ منافقین آپ کو کس حال تک پہنچاتے ہیں۔ پس نوحہ و سوگواری کو کس دن کے لئے اٹھا رکھیں۔ خدا کی قسم! یہ دن ہمارے لئے ایسے ہی ہے کہ جیسے رسول خدا اس دنیا سے رخصت ہوگئے ہوں۔ اور اس دن کی طرح ہے جس دن حضرت فاطمہؑ شہید ہوئیں اور اس دن کی طرح ہے جس دن امیرالمومنینؑ نے شہادت پائی۔ اے مومن دلوں کے محبوب اور اے بزرگوار کی یادگار!! بارگاہ خدا میں ہماری جانیں آپ پر نثار............ (جلا العیون/۳۵۳)

امام رات کے درمیانی عرصے میں اپنی والدہ گرامی کی قبر پر وداع کے لئے گئے اور بعض کتب میں مذکور ہے کہ اپنی والدہ کو سلام کیا" السلام علیکم یا اماہ "اے مادر گرامی آپ پر

میرا سلام ہو۔ آپ کا حسینؑ آپ سے وداع کے لئے حاضر ہے اور یہ اس کی آخری زیارت ہے۔ اچانک جناب فاطمہؑ کی قبر مبارک سے آواز آئی "عَلَیْکَ السَّلامُ یامَظْلُومَ الْأُمِّ وَیاشَهِیْدَ الْأُمِّ وَیاغَرِیْبَ الْأُمِّ" اے ماں کے مظلومؑ (بیٹے) اے ماں کے شہید (بیٹے) اور اے ماں کے غریب (بیٹے) میرا بھی آپؑ پر سلام ہو۔ پھر امامؑ پر حالت گریہ طاری ہوگئی کہ دوبارہ کلام کرنے کی طاقت نہ رہی۔ (مہیج الاحزان/۲۴۴م۱)

شیخ مفیدؒ اپنی سند سے امام جعفر صادقؑ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؑ نے فرمایا:

جس وقت امام حسینؑ رات کے وقت مدینہ سے روانہ ہوئے' ملائکہ کا ایک گروہ، صفیں باندھے، جنگی ہتھیار سجائے، بہشتی گھوڑوں پر سوار آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور وہ آپ کو سلام کرنے کے بعد کہنے لگے:

"اے اپنے جد، باپ اور بھائی کے بعد مخلوق خدا پر حجت خدا، خداوند متعال نے کئی مواقع پر ہمارے وسیلہ سے آپؑ کے جد نامدار کی حمایت فرمائی، اور اب بھی ہمیں آپ کی امداد کے لئے بھیجا ہے۔ آپ نے فرمایا میری اور تمہاری وعدہ گاہ وہ جگہ ہے جسے خداوند متعال نے میری شہادت اور دفن کا مقام قرار دیا ہے، جو کربلا ہے۔ جب میں اس جگہ پہنچوں تو تم میرے پاس آنا۔

ملائکہ نے عرض کیا: اے حجت خدا! آپ جو چاہتے ہیں حکم فرمائیں کہ ہم آپ کی اطاعت پر مامور ہیں اور آپ دشمن سے خوف زدہ ہیں تو ہم آپ کے ہمراہ چلتے ہیں۔

آپؑ نے فرمایا: دشمن سے مجھے اس وقت تک نقصان نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ میں اپنی شہادت گاہ تک نہ پہنچ جاؤں۔

مومن جنات کے گروہ بھی امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: آقا! ہم آپ کے شیعہ اور دوست ہیں۔ آپ جو چاہیں ہمیں حکم دیں۔ اگر آپ حکم دیں تو ہم آپ کے تمام دشمنوں کو اسی گھڑی ہلاک کردیں اور اس سے پہلے کہ آپ روانہ ہوں ہم آپ کے حکم کو بجالائیں۔

امامؑ نے فرمایا: خدا تمہیں نیک صلہ عطا کرے، کیا تم نے میرے نانا پر نازل ہونے والے قرآن مجید میں نہیں پڑھا کہ ارشاد ہوتا ہے:

"أَيْنَ مَا تَكُونُوا يُدْرِكْكُمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِي بُرُوجٍ مُشَيَّدَةٍ"

(سورہ نساء آیہ ۷۸)

"تم جہاں بھی ہوگے اگرچہ مضبوط محلوں میں بھی ہو تو موت تم تک آ پہنچے گی (یعنی موت سے رہائی کے لئے کوئی چارہ کار نہیں)"

نیز خداوند متعال فرماتا ہے:۔

"قُلْ لَوْ كُنْتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِينَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ إِلَى مَضَاجِعِهِمْ"

(سورہ آل عمران، آیہ ۱۵۴)

"کہہ دو (اے محمدؐ) اگر تم اپنے گھروں میں بھی ہو تو پھر بھی مقدر میں قتل ہونا ہے۔ (اس کے علاوہ) اگر میں اپنے شہر اور وطن میں رہوں تو ان بدبختوں کا امتحان کس وسیلہ سے لیا جائے گا"

جنات نے کہا: اے حبیب خدا اور حبیب خدا کے بیٹے! خدا کی قسم اگر آپ کے حکم کی اطاعت ہم پر واجب نہ ہوتی اور اس کی مخالفت ناجائز نہ ہوتی تو ہم آپ کے تمام دشمنوں کو اس سے پہلے کہ وہ آپ تک دسترس حاصل کریں، قتل کر دیتے۔

امامؑ نے فرمایا: خدا کی قسم! اس کام پر مجھے تم سے زیادہ قدرت حاصل ہے (لیکن یہ تو ایک مرحلہ امتحان ہے)

"لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ"

(سورہ انفال، آیہ ۴۲)

"تاکہ جس نے ہلاک ہونا ہے وہ تمام حجت کے بعد ہلاک ہو جائے اور جو کوئی حیات ابدی کے لائق ہے وہ اتمام حجت کے ساتھ ہمیشہ کی زندگی پالے"

(بحارالانوار: ۴۴/۳۳۰، لہوف/۶۶، جلاء العیون/۳۵۴)

جب امام حسینؑ عازم سفر ہوئے تو آپؑ کے بھائی محمد حنفیہ آپ کے پاس آئے اور عرض کیا: اے بھائی! آپ میرے نزدیک تمام مخلوق سے محبوب ترین اور بزرگوار ترین ہیں۔ میں کسی

شخص کو بھی نصیحت کرنے سے دریغ نہیں کرتا اور آپ اس کے لیے ہر شخص سے زیادہ شائستہ تر ہیں ۔ کیونکہ آپ مجھ سے ہیں اور میری جان، روح اور آنکھیں ہیں اور خاندان کا بزرگ ہونے کی وجہ سے آپ کی اطاعت مجھ پر واجب ہے ۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپؑ کو مجھ پر فضیلت دی ہے اور آپ کو بہشت کے سرداروں میں سے قرار دیا ہے ۔

آپ مکہ چلے جائیں، اگر وہاں آرام رہے تو بہت بہتر اور اگر کوئی دوسری صورت پیش آئے تو یمن کے شہروں کی طرف نکل جایئے گا کہ وہاں کے لوگ آپؑ کے ناناؐ اور باپؑ کے دوست ہیں ۔

"هُمْ أَرْأَفُ النَّاسِ وَأَرَقُّهُمْ قُلُوبًا وَأَوْسَعُ النَّاسِ بِلَادًا"

"وہ لوگ مہربان نیک دل اور بڑے شہروں کے رہنے والے ہیں ۔ اگر آپؑ وہاں آسودگی محسوس کریں تو وہیں ٹھہرنا ورنہ بیابانوں، دروں اور پہاڑوں کی طرف چلے جانا اور ایک شہر سے دوسرے شہر نکل جانا تاکہ یہ دیکھ لو کہ (ان) لوگوں کا معاملہ کیسے انجام پاتا ہے اور خدا ہمارے اور فاسقوں کے درمیان فیصلہ کردے"

امام حسینؑ نے فرمایا: اے بھائی! خدا کی قسم اگر دنیا میں میرے لئے کوئی بھی پناہ گاہ اور ملجا و مامن نہ ہو تو میں پھر بھی یزید کی بیعت نہیں کروں گا ۔ پس محمد حنفیہ خاموش ہوگئے اور گریہ کرنے لگے ۔ آپؑ بھی کچھ دیر روتے رہے' پھر فرمایا:

اے بھائی! خدا آپ کو جزائے خیر عطا کرے ۔ آپ نے میری خیر خواہی کی اور درست مشورہ دیا ۔ ابھی میں مکہ کی طرف روانہ ہونے کا ارادہ رکھتا ہوں، میں' میرے بھائی بھتیجے اور شیعہ کہ جن کا امر میرا امر ہے اور جن کی رائے میری رائے ہے' میرے ساتھ اس سفر کے لئے تیار ہیں آپؑ اگر چاہتے ہیں تو مدینہ میں رہیں اور ہمارے دیدہ بان بن جائیں اور دشمنوں کے امور میں سے کوئی بات ہم سے پوشیدہ نہ رکھیں ۔

پھر آپ نے کاغذ اور قلم دوات منگوا کر ان کے لئے یہ سفارش نامہ تحریر فرمایا:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

''هٰذٰا مٰا أَوْصٰى بِهِ الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ بْنِ اَبِى طَالِبْ اِلٰى أَخِيْهِ مُحَمَّدِ الْمَعْرُوْفِ بِابْنِ الْحَنَفِيَّةِ اِنَّ الْحُسَيْنَ يَشْهَدُ أَنْ لاٰ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ وَحْدَهُ لاٰ شَرِيْکَ لَهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ جَاءَ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِ الْحَقِّ ، وَاَنَّ الْجَنَّةَ وَالنّٰارَ حَقٌّ وَاَنَّ السّٰاعَةَ آتِيَهُ لاٰرَيْبَ فِيْهٰا وَأَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُورِ ، وَاَنِى لَمْ اَخْرُجْ أَشَرًا وَلاٰبَطَرًا وَلاٰ مُفْسِدًا وَلاٰ ظَالِمًا وَاِنَّمٰا خَرَجْتُ لِطَلَبِ الْاِصْلاٰحِ فِى اُمَّةِ جَدِّىْ اُرِيْدُ اَنْ آمُرَ بِالْمَعْرُوْفِ وَأَنْهٰى عَنِ الْمُنْكَرِ وَأَسِيْرَ بِسِيْرَةِ جَدِّى وَأَبِى عَلِى ابْنِ اَبِى طَالِبِ عَليهِ السَّلاٰم فَمَنْ قَبِلَنِى بِقَبُوْلِ الْحَقِّ فَاللّٰهُ أَوْلٰى بِالْحَقِّ وَمَنْ رَدَّ عَلَيَّ هٰذٰا ،أَصْبِرُ حَتّٰى يَقْضِىَ اللّٰهُ بَيْنِى وَبَيْنَ الْقَوْمِ بِالْحَقِّ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰاكِمِيْنَ وَهٰذِهِ وَصِيَّتِى يٰااَخِى اِلَيْکَ وَمٰا تَوفِيْقِى اِلاّٰ بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبِ ''

آپؑ نے واحدنیت خدا کی شہادت !رسالت محمد اور بہشت اور دوزخ کے اقرار کے بعد رقم فرمایا:

''میں تکبر ،سرکشی ،حق کو قبول نہ کرنے ،فساد پھیلانے اور ظلم کرنے کے اراوے سے نہیں نکلا ہوں۔ بلکہ اپنے جد کی امت کی (خرابیوں) کی اصلاح کے لئے نکلا ہوں۔ میرا مقصد لوگوں کو اچھے اور پسندیدہ کاموں کی طرف دعوت دینا اور انہیں برائیوں سے روکنا اور اپنے جد رسول خداؐ اور والد حضرت علیؑ) کی سیرتوں کی پیروی کا حکم دیتا ہے۔ جو کوئی مجھے حق پر تسلیم کرے تو خدا حق کے لئے زیادہ سزا وار ہے اور جو کوئی میری تردید کرے تو میں صبر کروں گا۔تا وقتیکہ خدا میرے اور اس قوم کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ فرما دے اور خدا سب سے بہترین فیصلہ

کرنے والا ہے۔اے بھائی! یہ ہے میری آپ کے لئے وصیت، اور میں (ہر کام میں) خدا سے توفیق طلب کرتا ہوں اور اس پر توکل کرتا ہوں اور میری باز گشت اسی کی طرف ہے''

امامؑ نے اس تحریر پر اپنی مہر لگائی اور اسے اپنے بھائی محمد کے سپرد کیا، ان سے وداع کیا اور آدھی رات کے وقت (مدینہ سے) روانہ ہو گئے'' (بحارالانوار:۴۴/۳۲۹)

جب امام حسینؑ مدینہ سے روانہ ہونے لگے تو جناب ام سلمہؓ نے عرض کیا: میرے بیٹے! عراق کی جانب اپنے سفر سے مجھے محزون نہ کرو کیونکہ میں نے آپ کے ناناؐ سے سن رکھا ہے کہ وہ فرماتے تھے: میرے بیٹے حسینؑ کو عراق کے ایک مقام پر کہ جسے کربلا کہتے ہیں شہید کر دیا جائے گا۔

امامؑ نے فرمایا: اماں جان! خدا کی قسم میں اسے بہت اچھی طرح جانتا ہوں لیکن ناچار قتل کیا جاؤں گا اور اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔بخدا میں وہ دن بھی جانتا ہوں ہوں کہ جس دن میں قتل کیا جاؤں گا اور اپنے قاتل کو بھی پہنچانتا ہوں اور مجھے وہ جگہ بھی معلوم ہے کہ جس میں دفن کیا جاؤں گا اور ان لوگوں کو بھی جانتاہوں جو میرے خاندان، عزیزوں اور شیعوں میں سے قتل کئے جائیں گے۔اور اگر آپ چاہیں تو میں آپ کو اپنی قبر کی نشان دہی کر دوں۔

اس کے بعد آپؑ نے کربلا کی طرف اشارہ کیا۔زمین پست ہوگئی اور ام سلمہؓ نے لشکر گاہ امامؑ کے پڑاؤ کی جگہ، مقام شہادت اور آرام گاہ کو دیکھا۔بی بی نے یہ دیکھ کر سخت گریہ کیا اور آپؑ کے معاملے کو سپرد خدا کر دیا۔

امامؑ نے فرمایا:

اے اماں جان!

"قَدْ شٰاءَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ اَنْ یَرانِی مَقْتُولاً مَذْبُوحًا ظُلْمًا وَعُدْوَانًا ، وَقَدْ شٰاءَ اَنْ یَریٰ حَرَمِی وَرَهْطِی وَنِسٰائِی مُشَرَّدِیْنَ وَاَطْفٰالِی مَذْ بُوحِیْنَ مَظْلُوْمِیْنَ مَاسُورِیْنَ مُقَیَّدِیْنَ وَهُمْ یَسْتَغِیْثُونَ فَلاٰیَجِدُوْنَ نٰاصِرًا وَلاٰ مُعِیْنًا"

''خداوند متعال چاہتا ہے کہ مجھے ظلم وستم سے قتل ہوتا دیکھے، اور میرے اہل وعیال

،اہل خاندان اور مخدرات کو در بدر پھرتا ہوا پائے۔ اور میرے بچوں (میں سے بعض) کو سر بریدہ اور مظلوم اور (بعض کو) اسیر اور زنجیر د بند میں قید دیکھے۔ اس حال میں کہ وہ استغاثہ کریں تو کسی کو مددگار اور فریادرس نہ پائیں"

(بحارالانوار: ۴۴/۳۳۱، معالی السبطین: ۱/۱۳۳)

پھر امام حسینؑ مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوگئے۔ اس وقت آپ یہ آیہ مبارکہ تلاوت کر رہے تھے:

"فَخَرَجَ مِنْهَا خَائِفاً يَتَرَقَّبُ قَالَ رَبِّ نَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ"

(سورۂ قصص آیہ ۲۱)

"(حضرت موسیٰ شہر مصر سے) خوف زدہ ہو کر نکلے اور پلٹ پلٹ کر راستے کی طرف دیکھتے ہوئے (شہر مدین کی طرف) روانہ ہوگئے اور آپ کہتے تھے: بار الہا! مجھے اس ظالم قوم کے شر سے نجات دے"

ریاض القدس: ۱/۱۷۹ میں اضافہ ہے کہ جناب سکینہؑ فرماتی ہیں:

"مَا كَانَ مِنْ أَهْلِ بَيْتٍ أَشَدُّ خَوفًا مِنَّا حِيْنَ خَرَجْنَا مِنَ الْمَدِيْنَةِ"

"تو کوئی اہل بیتؑ ہماری طرح خوف زدہ نہ تھے، جس وقت ہم مدینہ سے روانہ ہوئے"

ہم نے معروف اور بڑے راستے کو اپنایا۔ امامؑ کے اہل خاندان نے فرمایا: ہمارے لئے ابن زبیر کی طرح بے راہ (غیر معروف راستے) پر چلنا بہتر ہے تاکہ پیچھا کرنے والے آپؑ تک نہ پہنچ سکیں۔ آپؑ نے فرمایا: نہیں خدا کی قسم! میں سیدھے راستے سے نہیں ہٹوں گا تاوقتیکہ خدا جو چاہے ہمارے درمیان فیصلہ فرما دے۔

امام حسینؑ جمعہ کی رات تین شعبان کو مکہ میں داخل ہوئے اور مکہ میں داخل ہوتے وقت آپؑ یہ آیت پڑھ رہے تھے (کہ جو گزشتہ آیت کے بعد میں ہے)

"وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَاءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسَى رَبِّي أَنْ يَهْدِيَنِي سَوَاءَ السَّبِيلِ"

''اور جب مدین کی طرف رخ کیا تو کہا: امید ہے کہ میرا پروردگار، سیدھے
راستے کی طرف میری رہنمائی فرمائے گا''

اس کے بعد آپ نے مکہ میں قیام کیا اور مکہ کے لوگ آپ کی زیارت کے لئے آپؑ کے گھر آنے جانے لگے۔ اور بزرگوں اور مختلف شہروں کے لوگوں میں سے جو کوئی وہاں تھا، وہ آپ کے پاس آیا۔ (ارشاد:۲/۳۳)

ادھر جب معاویہ کی موت کی خبر لوگوں تک پہنچی تو وہ یزید کے بارے میں جستجو کرنے لگے اور امام حسینؑ کے بیعت نہ کرنے' نیز ابن زبیر کے بھی بیعت سے انکار' اور ان دونوں کے مکہ چلے آنے کی خبر ان کے کانوں تک پہنچی۔ کوفہ کے شیعہ سلیمان بن صرد خزاعی کے گھر جمع ہو گئے۔ اور معاویہ کی ہلاکت کی خبر ان سب کے کانوں تک پہنچ گئی۔ پس وہ خداوند متعال کی حمد وثنا بجالائے۔

سلیمان بن صرد نے ان سے کہا: اب جب کہ معاویہ ہلاک ہو گیا ہے اور امام حسینؑ نے بنی امیہ کی بیعت سے انکار کر دیا ہے اور تم ان کے اور ان کے والد گرامی کے شیعہ ہو۔ پس اگر تم ان کی حمایت کرو اور ان کے دشمنوں سے جنگ کرو اور ان کے راستے میں جان دینے سے دریغ نہ کرو تو آنحضرتؑ کو خط لکھو اور ان کے ساتھ اپنے تعاون کا اعلان کرو اور اگر اپنے انتشار اور کاہلی کے سبب ان کی حمایت سے خوف زدہ ہو تو انہیں دھوکہ نہ دینا

انہوں نے جواباً کہا: نہیں، ہم انکے دشمن کے ساتھ جنگ کرنا چاہتے ہیں اور ان کے راستے میں جانثاری کرنے کے خواہاں ہیں۔

(سلیمان بن صرد نے) کہا: پس انہیں بلانے کے لئے ان کی خدمت میں خط لکھو۔
(ارشاد:۲/۳۴)

کوفہ کے لوگوں کی طرف سے امامؑ کی خدمت میں بے شمار خط لکھے گئے کہ ایک دن میں چھ سو تک خطوط موصول ہوئے اور آپ نے کسی خط کا جواب نہ دیا۔ (یہاں تک کہ) ان خطوط کی تعداد بارہ ہزار تک پہنچ گئی۔ (لہوف/۳۵، مثیر الاحزان/۲۶)

جب کوفہ کے لوگوں کی طرف سے بھیجے گئے آخری قاصد ہانی بن ہانی اور سعید بن عبداللہ

آپ کی خدمت میں خط لے کر آئے اس وقت امام نے ان کے جواب میں اس مضمون کا (جوابی) خط تحریر فرمایا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ خط حسینؑ بن علیؑ کی طرف سے مومنوں اور مسلمانوں کی جماعت کے نام ہے، امابعد۔ ہانی اور سعید نے تمہارے خط مجھے پہنچائے اور یہ دونوں تمہارے آخری قاصد تھے۔ اور جو کچھ تم نے انہیں کہا اور ذکر کیا میں وہ سب جانتا ہوں۔ تم میں سے زیادہ تر کا کہنا یہ ہے کہ ہمارا کوئی امام اور پیشوا نہیں ہے۔ (چنانچہ) آپ ہماری طرف چلے آیئے۔ شاید خدا ہمیں آپ کے وسیلہ سے حق و ہدایت کے محور کے گرد جمع کر دے۔

"وَاِنّي باعِثٌ اِلَيْكُمْ أَخِيْ وَابْنَ عَمِّي وثِقَتِي مِنْ أَهْلِ بَيْتِي مُسْلِمَ بْنَ عَقِيْلٍ فَلَعَمْرِيْ مَالْإِ مامُ اِلَّا الْحاكِمُ بِالْكِتابِ، اَلْقائِمُ بِالْقِسْطِ ،الدَّائِنُ بِدِيْنِ الْحَقِ ،اَلْحابِسُ نَفْسَهُ عَلٰى ذٰلِكَ لِلّٰهِ (ذٰاتِ اللّٰهِ) وَالسَّلامُ"

"میں فی الحال اپنے چچا زاد بھائی! اور وہ شخص کہ جو میرے خاندان میں میرے لئے اطمینان اور وثوق کا مورد ہے (یعنی) مسلم بن عقیل کو تمہاری طرف بھیج رہا ہوں۔ اگر اس نے مجھے لکھا کہ تمہاری اور تمہارے اہل خرد کی رائے اور سوچ تمہارے بھیجے ہوئے نمائندوں اور خطوں کے مطابق ہے تو میں ان شاء اللہ جلد ہی تمہارے پاس چلا آؤں گا۔ مجھے اپنی جان کی قسم کوئی امام اور پیشوا نہیں ہے مگر وہ شخص کہ جو لوگوں کے درمیان اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کرے اور انصاف قائم کرے اور دین حق کا پیرو ہو اور اپنے آپ کو اس حقیقت پر محکم رکھے

والسلام

(ارشاد:۲/۳٦)

حضرت مسلم کی کوفہ میں آمد

امام حسین علیہ السلام نے مسلم بن عقیل کو بلایا اور قیس بن مسہر صیداوی، عمارہ بن عبداللہ، عبداللہ اور عبدالرحمٰن بن شداد کے ساتھ کوفہ بھیجا۔ اور جناب مسلم کو پرہیز گاری، اپنے کام کو خفیہ رکھنے اور لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا۔ اور کہا کہ اگر لوگ آپ کے گرد جمع ہو جائیں اور تعاون کے لئے تیار ہوں تو مجھے جلد اطلاع دینا۔

(مسلم ۱۵ رمضان کو مکہ سے روانہ ہوئے مروج الذہب: ۳/۵۶)

حضرت مسلم جب مدینہ پہنچے تو مسجد نبوی میں نماز پڑھی اور اپنے خاندان کے ساتھ وداع کیا۔ پھر دو راہنما اپنے ساتھ لئے اور کوفہ کی جانب روانہ ہو گئے۔

دونوں رہنما آپ کو غیر معروف راستوں پر لے کر چلے اور راستے سے بھٹک گئے۔ سخت پیاس نے ان پر غلبہ پالیا، راستہ تلاش کرنے کے بعد ان میں بات کرنے اور چلنے تک کی طاقت نہ رہی۔ اشارے سے انہوں نے حضرت مسلم کو راستے کی نشان دہی کی اور پیاس کے اثر سے جان دے دی۔

حضرت مسلمؑ جب مقام مضیق پر پہنچے تو امام حسینؑ کے لئے ایک خط لکھا اور قیس کے ہاتھ آپ کو ارسال کیا۔ اس میں تحریر تھا: وہ دونوں راہنما راستے سے ہٹ گئے اور راستہ گم کر بیٹھے۔ پیاس نے ان پر غلبہ پالیا اور انہوں نے کچھ ہی دیر میں جان دے دی۔ میں ان واقعات کو بری فال خیال کرتا ہوں۔ پس اگر ممکن ہو تو مجھے کوفہ جانے سے معاف کر دیں اور کسی اور کو وہاں بھیجیں۔

امامؑ نے جواب میں لکھا: جو چیز تمہیں مستعفی ہونے پر مجبور کر رہی ہے وہ خوف ہے۔ پس جس

راستہ پر میں نے تمہیں بھیجا ہے چلتے رہو۔ حضرت مسلم نے اپنا سفر جاری رکھا اور کوفہ پہنچ گئے۔

(ارشاد:۲/۳۷)

مسعودی کے قول کے مطابق حضرت مسلم کا کوفہ میں ورود پانچ (۵) شوال کو ہوا اور آپ مختار بن ابی عبیدہ کے گھر ٹھہرے (شیخ مفید، سید بن طاؤس اور طبری: ۵/۳۵۵ کے مطابق)

لیکن مسعودی نے لکھا ہے کہ آپ خفیہ طریقے سے عوسجہ نامی شخص کے گھر پہنچے جو شاید مسلم بن عوسجہ کے بیٹوں میں سے تھا۔ شیعہ آپ کے پاس آنے جانے لگے۔ اور جب ایک کثیر تعداد آپ کے گرد اکٹھی ہوگئی تو انہیں امام حسینؑ کا خط پڑھ کر سنایا اور وہ سن کر گریہ کرنے لگے۔

عابس بن شبیب، حبیب بن مظاہر اور کچھ دوسروں نے دوران گفتگو کہا: ہم آپ کی حمایت کے لئے تیار ہیں اگر چہ کوفہ کے دوسرے لوگوں کی وفاداری کا کچھ علم نہیں۔

(نفس المہموم/۸۳)

کوفہ کے اٹھارہ ہزار افراد نے حضرت مسلم کے ہاتھ پر بیعت کرلی حضرت مسلم نے امام حسینؑ کو خط لکھا' جس میں ان لوگوں کی بیعت کا تذکرہ کیا اور لکھا کہ آپؑ کوفہ تشریف لے آئیں۔

یہ خط حضرت مسلم کی شہادت سے ستائیس (۲۷) دن پہلے لکھا گیا۔

جس جگہ مسلم ٹھہرے ہوئے تھے وہاں شیعوں کی اس قدر آمد و رفت شروع ہوگئی کہ یہ راز فاش ہوگیا اور نعمان بن بشیر جو معاویہ کی طرف سے اور اس کے بعد یزید کی طرف سے کوفہ کا حاکم تھا' کو اس واقعہ کی خبر ہوگئی۔ (نفس المہموم/۸۴، ارشاد:۲/۳۸)

بہت سے کوفیوں نے کہ جن میں عمر سعد بھی شامل تھا' یزید کو خط لکھے اور حضرت مسلم کی کوفہ آمد اور لوگوں کے ان کی بیعت کرنے سے آگاہ کیا۔ یزید نے عبیداللہ ابن زیاد کو کہ جو ان دنوں بصرہ کا حاکم تھا، کوفہ بھیجا اور اسے کوفہ کا حاکم بنادیا۔ اور اس کے لئے لکھا:

"وَاحْتَلْ فِي قَتْلِ الْحُسَيْنِ وَجَمِيعِ مَنْ مَعَهُ لِأَنَّهُ قَادِمٌ اِلَيْهِمْ وَافْعَلْ مَاشِئْتَ، فَاِنَّکَ وَلِيُّ الْاَمْرِ دُوْنِي عَلٰى جَمِيعِ الْبِلادِ وَكُلِّ ما فَعَلْتَهُ رَضِيْنابِهِ"

"حسینؑ اور ان کے ساتھیوں کے قتل کی تدبیر کرو وہ بہت جلد کوفہ پہنچنے والے ہیں تم

جو چاہو کرو کہ میری رضا اسی میں ہے اور تم میری طرف سے تمام شہروں پر ولی امر ہو

''وَالْحَذَرَثُمَّ الْحَذَرَاَنْ تَتَهَاوَنَ فِي قَتْلِ الْحُسَيْنِ وَاَصْحَابِهِ :''

''لیکن حسینؑ اور اصحاب حسینؑ کو قتل کرنے میں کوتاہی کے مرتکب نہ ہونا''

(تذکرۃ الشہداء/۲/۷۲)

ابن زیادہ بہت چالاک شخص تھا چنانچہ اس نے انتظار کیا اور جب رات ہوگئی تو سر پر سیاہ عمامہ باندھے اور اپنے چہرے کو چھپائے ہوئے (امام حسینؑ کی ہیبت میں) شہر میں داخل ہوا۔ کوفہ کے لوگ جو امام حسینؑ کے قدوم مبارک کے منتظر تھے، وہ سمجھے کہ آپؑ تشریف لے آئے ہیں۔ انہوں نے خوشی کا اظہار کیا اور وہ اسے سلام کر رہے تھے۔ (سیاست دان اپنے مقاصد کے حصول کے لئے کسی قسم کے مکروفریب سے دریغ نہیں کرتے۔ ابن زیاد کوفہ کی حکومت کے حصول کے لئے مقدس ترین افراد یعنی امام حسینؑ کی صورت میں روانہ ہوا۔ دنیا میں اب بھی اسی روش کی پیروی کی جاتی ہے۔ تمام گناہ پاکیزہ ترین بھیس بدل کر اور مقدس ترین طریقوں کو اپنا کر انجام دیئے جاتے ہیں)۔

ابن زیاد جب کوفہ میں داخل ہوا تو دارالامارہ پہنچا۔ علی الصبح مسجد میں آیا اور دوران گفتگو میں لوگوں کو انتباہ کیا۔ اس نے عمائدین، معززین شہر اور عوامی نمائندوں کا سخت مواخذہ کیا اور حکم سنایا کہ جو کوئی میری مخالفت کرے گا اسے سولی پر چڑھا دیا جائے گا، اس کے اموال کو ضبط کر لیا جائے گا اور بیت المال سے اس کا حصہ روک لیا جائے گا۔

کوفہ کے حالات اس لحاظ سے یکسر بگڑ گئے، لوگ ڈر گئے۔ جب حضرت مسلم کو ابن زیاد کی آمد اور اس کے لوگوں کو ڈرانے دھمکانے کی خبر پہنچی تو مختار کے گھر سے نکلے اور ہانی بن عردہ کے گھر پہنچ کر وہاں ٹھہرنا چاہا۔

ہانی راضی نہ ہوئے۔ حضرت مسلم نے ان سے فرمایا: میں نے تمہاری پناہ لی ہے اور تمہارا مہمان ہوں، ہانی نے جواب دیا: آپ نے مجھے سخت مصیبت میں ڈال دیا ہے البتہ انہیں جگہ دے دی۔

شیعہ نہایت راز داری اور ابن زیاد سے نہایت احتیاط کے ساتھ ہانی کے گھر آتے

جاتے تھے اور حضرت مسلم کی بیعت کرتے تھے۔ ابن شہر آشوب کی روایت کے مطابق جب ان کی تعداد پچیس (۲۵) ہزار تک پہنچ گئی تو انہوں نے بغاوت کا ارادہ کیا۔ ہانی نے کہا: جلدی مت کرو۔ دوسری طرف ابن زیاد نے اپنے ایک غلام کو بلا بھیجا جس کا نام معقل تھا اور اسے تین ہزار درہم دے کر کہا: مسلم اور ان کے ساتھیوں کا سراغ لگاؤ اور ان کے ساتھ موانست پیدا کرو اور یہ رقم انہیں دے کر، خود کو ان پر ظاہر کیے بغیر اطلاعات حاصل کرو۔

وہ مسجد میں پہنچا تو سنا کہ مسلم بن عوسجہ امام حسینؑ کے لئے بیعت لے رہے ہیں۔ اس نے امامؑ کے محبّ کے طور پر اپنا تعارف کروایا اور کہا: یہ نقدی لو اور مجھے اپنے آقا کے پاس لے چلو تاکہ میں ان کی بیعت کروں۔

انہی ایام میں شریک بن اعور' جو کہ کٹر شیعہ تھا اور عمار کے ساتھ جنگ صفین میں شرکت کر چکا تھا، بصرہ سے آیا اور کوفہ میں ہانی کے گھر پہنچا اور وہاں بیمار پڑ گیا۔

ابن زیاد نے اس کو دیکھنے کے لئے ملاقات کی درخواست کی۔ شریک نے حضرت مسلم سے کہا: جس وقت وہ گھر میں داخل ہو اور میں پانی طلب کروں تو آپ باہر نکل کر اسے قتل کر دیجیے گا۔ لیکن ہانی نہ مانے کہ ابن زیاد ان کے گھر میں قتل ہو۔

جب ابن زیاد وہاں پہنچا تو شریک نے پانی مانگا' لیکن حضرت مسلم باہر نہ نکلے۔ یوں ابن زیاد واپس چلا گیا۔ شریک نے کہا: آپؑ نے اسے قتل کیوں نہیں کیا؟ جناب مسلم نے فرمایا: اس کی دو وجوہات ہیں

اول: یہ کہ ہانیؒ راضی نہ تھے کہ ابن زیاد ان کے گھر میں قتل ہو۔ (ابن زیاد نے یوں نقل کیا ہے: جب ابن زیاد چلا گیا تو حضرت مسلم تلوار ہاتھ میں لیے برآمد ہوئے۔ شریک نے کہا: کس بات نے آپؑ کو اس کام سے روکا؟ حضرت مسلم نے فرمایا: میں باہر آنا چاہتا تھا لیکن ہانی کی بیوی نے مجھے روک لیا اور کہا: خدا کے لئے آپ ابن زیاد کو ہمارے گھر میں قتل نہ کریں اور وہ میرے سامنے رونے لگی۔ پس میں نے تلوار رکھ دی اور بیٹھ گیا۔

ہانی نے کہا: وائے ہو اس پر۔ مجھے اور خود کو مروا ڈالا اور ہم جس بات سے بچ رہے تھے اسی میں پھنس گئے۔ (مثیر الاحزان/۳۱)

یہ مفہوم بعد ازاں ہانی سے منقول ایک عبارت سے سازگار تر ہے۔

دوم: یہ کہ رسول خداؐ سے ایک روایت منقول ہے:

"اِنَّ الاِیْمَانَ قَیْدُ الْفَتْکِ فَلاَ یَفْتُکُ مُؤمِنُ "

''ایمان دھوکے سے روکتا ہے اور مومن دھوکہ نہیں کرتا''

(اس حدیث کو اکثر (محدثین) نے نقل کیا ہے۔ منجملہ: مقاتل الطالبین/۱۷، مسند احمد: ۱/۱۶۶، حاشیہ منتخب کنز العمال: ۱/۵۷، مستدرک حاکم: ۴/۳۵۲، مقتل خوارزمی: ۱/۲۰۲ ف ۱۰، تاریخ طبری: ۵/۳۶۳، کامل: ۴/۲۷ وغیرہ)

بحار الانوار میں ہے کہ جناب ہانی نے فرمایا:

"أَمَا وَاللّٰہِ لَو قَتَلَہُ لَقَتَلْتَ فاسِقًا فاجِرًا کَافِرًا "

''خدا کی قسم اگر اسے قتل کر دیا جاتا تو ایک فاسق و فاجر شخص قتل ہوتا''

شریک اس کے تین دن بعد انتقال کر گئے۔

۔ شریک کی وفات کے بعد ابن زیاد کے غلام معقل نے مسلم ابن عوسجہ سے میل جول بڑھایا تاکہ حضرت مسلم تک پہنچ سکے۔ اور ظاہراً ان کی بیعت کر کے شیعوں کے درمیان آمد و رفت کر سکے اور ان کی خبریں اور راز ابن زیاد تک پہنچا سکے۔

ہانی خود بھی بیمار ہو گئے۔ ابن زیاد نے ان کے بارے میں پوچھا تو اسے بتایا گیا کہ وہ بیمار ہیں۔ کہنے لگا: مجھے معلوم ہوا ہے کہ اب وہ بہتر ہو گئے ہیں اور گھر کے دروازے پر بیٹھتے ہیں۔ انہیں کہو کہ میرے پاس آئیں بہر طور اس کام کے مامورین نے جناب ہانی کو ابن زیاد کے پاس جانے کے لئے راضی کر لیا۔

جب ابن زیاد کی نظر ہانی پر پڑی تو اس نے کہا: تم اپنے پاؤں پر چل کر موت کی طرف آئے ہو! اور پھر کہنے لگا: تمہارے گھر میں کیا فتنہ پاؤں جما رہا ہے! تم نے مسلم کو لا کر اپنے گھر میں جگہ دی ہے۔ اور ان کے لئے جنگی ساز و سامان مہیا کر رہے ہو۔ تمہارے خیال میں یہ سب مجھ سے

پوشیدہ ہے۔؟

ہانی نے انکار کر دیا۔ ابن زیاد نے معقل کو بلایا اور ہانی سے کہا: اسے جانتے ہو؟ ہانی سمجھ گئے کہ یہ ابن زیاد کی طرف سے جاسوسی کرتا رہا ہے۔

ہانی نے کہا: میں نے مسلم کو بلایا تو نہ تھا، وہ خود ہی میرے گھر آئے اور ٹھہر گئے۔ مجھے ان سے شرم آتی ہے لیکن ان کی حمایت مجھ پر لازم ہے ابن زیاد نے کہا: انہیں پیش کردو۔

ہانی نے کہا: خدا کی قسم میں انہیں پیش نہیں کروں گا۔

ابن نما کی روایت کے مطابق: ابن زیاد اور جناب ہانی کے درمیان کافی جھگڑا ہوا اور بہت سی باتیں ہوئیں۔

مسعودی لکھتا ہے: ہانی نے ابن زیاد سے کہا: تمہارے باپ زیاد کا مجھ پر حق احسان ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تمہیں اس کا صلہ دوں اور تمہارے سامنے بھلائی کی تجویز رکھوں۔ ابن زیاد نے پوچھا: وہ کیا ہے؟

ہانی کہنے لگے: تم اور تمہارے خاندان والے سلامتی کے ساتھ شام چلے جاؤ اور جو مال و دولت تمہارے پاس ہے اپنے ہمراہ لے جاؤ۔ کیونکہ جو شخص آیا ہے وہ تم اور تمہارے آقا (یزید) سے بہتر ہے۔
(مروج الذھب: ۶۹/۳)

ہانیؓ حضرت مسلمؑ کو ابن زیاد کی تحویل میں دینے کے لئے تیار نہ ہوئے اور فرمایا: خدا کی قسم! اگر مسلم میری امان میں ہوں بھی تو میں تمہارا اجر قبول نہیں کروں گا اور انہیں پیش نہیں کروں گا۔

ابن زیاد نے کہا: تمہیں چاہیے کہ مسلم کو حاضر کردو ورنہ مارے جاؤ گے۔

ہانی نے کہا: خدا کی قسم! تمہارے گھر کو بے شمار کاٹ ڈالنے والی تلواریں گھیر لیں گی، کیونکہ وہ یقین رکھتے تھے کہ ان کا خاندان ان کی حمایت کرے گا۔

ابن زیاد نے کہا: یہ مجھے کاٹ دار تلواروں سے ڈراتا ہے؟ اسے میرے نزدیک لاؤ۔

جناب ہانی کو اس کے سامنے لے جایا گیا۔ اس لعین نے اپنے ہاتھ میں پکڑی ہوئی چوب ان کے چہرے پر مارنا شروع کی۔ جس سے ان کی ناک کی ہڈی ٹوٹ گئی، ابرو زخمی ہو گئے

خون بہنے لگا اور ان کے چہرے کا گوشت لٹکنے لگا۔حتیٰ کہ وہ چوب ٹوٹ گئی۔

ابن اثیر کہتا ہے: ہانی نے ابن زیاد کے سپاہیوں میں سے ایک کے قبضہ تلوار کی طرف ہاتھ بڑھایا اور اس سے تلوار چھیننا چاہی، لیکن وہ مانع ہوئے۔ابن زیاد نے کہا: تم نے بغاوت کی اور اپنا خون ہم پر مباح کردیا اور تمہیں قتل کرنا ہم پر جائز ہے۔ بنابرنقل ''ارشاد'' ابن زیاد نے حکم دیا: اسے زمین پر گھسیٹتے ہوئے لے جاؤ۔ سپاہی انہیں گھسیٹتے ہوئے لے گئے اور محل کے ایک کمرے میں بند کردیا۔ دروازے پر تالا لگا دیا گیا اور اس کے آگے سپاہیوں کا ایک دستہ مقرر کردیا گیا۔

''مقتل ابی مخنف'' میں اس طرح ہے کہ جب ابن زیاد جذباتی ہوگیا اور اپنی چوب سے ہانی علیہ الرحمہ کو مارنا شروع کیا تو ہانی نے ابن زیاد کی تلوار پکڑ لی اور اس کی طرف چلائی۔ابن زیاد نے سر پر خز کی ٹوپی کے نیچے خود پہن رکھی تھی۔تلوار نے اس کو کاٹ ڈالا اور اس کے سر کو سخت زخمی کردیا۔ معقل نے ابن زیاد کا دفاع کرنا چاہا۔ جناب ہانی نے اس کے چہرے کو تلوار سے دو ٹکڑے کردیا۔

ابن زیاد نے آواز دی: اسے گرفتار کرلو۔ جناب ہانی ان سپاہیوں کے درمیان دائیں بائیں حملہ کرتے جاتے تھے اور کہتے تھے: وائے ہو تم پر اگر آل رسولؐ کا ایک بچہ بھی میری امان میں ہوتا تو میں اس پر اپنی جان نثار کردیتا۔لیکن اسے تمہارے سپرد نہ کرتا۔

جناب ہانی نے ان ملعونوں میں سے پچیس (۲۵) افراد کو تہ تیغ کردیا۔دشمن کی کثیر تعداد نے ان پر حملہ کردیا اور انہیں گرفتار کرکے ابن زیاد کے سامنے لے گئے۔ابن زیاد نے اپنے ہاتھ میں پکڑا ہوا آہنی عمود حضرت ہانی کے مغز پر مارا اور انہیں قید کردیا۔ (مقتل ابی مخنف/۴۷)

جب جناب ہانی کی شہادت کی خبر عمرو بن حجاج کو پہنچی تو اس نے قبیلہ مذحج کے ساتھ زیاد کے محل کا محاصرہ کرلیا۔ابن زیاد نے قاضی شریح کو بھیجا کہ لوگوں سے جا کر کہو کہ ہانی ابھی زندہ ہے۔

شیخ مفیدؒ اور دیگر مؤلفین نے عبداللہ بن حازم سے نقل کیا ہے: میں جناب مسلم کی طرف سے محل کی طرف گیا تاکہ معلوم کرسکوں کہ جناب ہانی پر کیا گزری۔ جب انہیں پیٹنے کے بعد زندان میں ڈال دیا گیا تو میں نے گھوڑے پر سوار ہوکر دوسرے لوگوں سے پہلے ان کے ساتھ گزرنے والی صورت حال کی اطلاع حضرت مسلم کو دی۔

جناب مسلم نے حکم دیا کہ میرے ساتھیوں کو آواز دو۔ چار ہزار افراد اطراف منزل میں واقع ایک گھر میں جمع ہو چکے تھے۔ میں نے آواز دی: "یَامَنْصُوْرَ اُمِّت" (یہ ان لوگوں کا صدا دینے کا طریقہ تھا) اور یہ آواز دہن بہ دہن پورے کوفہ میں پھیل گئی اور تمام ساتھی آپ کے پاس جمع ہو گئے۔ یہاں سے دارالامارہ کی طرف روانہ ہوئے۔ جب ابن زیاد کو اس لشکر کی آمد کی خبر ہوئی تو وہ اپنے محل میں محصور ہو گیا اور محل کے دروازے بند کر دیئے گئے۔

جناب مسلم نے قصر الامارہ کا محاصرہ کر لیا۔ مسجد اور بازار لوگوں سے پر ہو گئے اور رات ہونے تک یہ ہجوم اور زیادہ ہو گیا اور سوائے تیس پاسبانوں، بیس اشراف کوفہ اور اپنے خاندان اور غلاموں کے کوئی شخص ابن زیاد کے پاس نہ رہا۔

ابن زیاد نے کثیر بن شہاب حارثی کو بلا بھیجا اور اسے حکم دیا کہ قبیلہ مذحج کے جو لوگ اس کے ساتھ ہیں باہر چلے جائیں اور شہر میں گھوم پھر کر لوگوں کو خوف زدہ کریں اور انہیں حضرت مسلم کے پاس سے منتشر کر دیں۔

اس نے محمد بن اشعث کو بھی حکم دیا کہ اپنے پیروؤں کے ہمراہ پرچم اماں نصب کرو کہ جو کوئی اس کے پاس چلا آئے وہ امان پائے۔ اور قعقاع بن شور، شبث بن ربعی، حجار اور شمر کو بھی یہی حکم دیا اور عمائدین شہر کو اپنے پاس رکھا تا کہ ان کے ساتھ انس و محبت بڑھائے۔

وہ چند افراد باہر گئے اور لوگوں کو جناب مسلم کے اطراف سے منتشر کرنے لگے۔ ادھر عمائدین شہر بھی ابن زیاد کے حکم سے محل کی چھت پر چڑھ گئے اور لوگوں سے مخاطب ہو کر ہر شخص کو عبداللہ ابن زیادہ کا حکم ماننے کو کہا' اور اس کے وعدوں سے مطلع کیا اور لوگوں کو ڈرایا اور یہ بھی انتباہ کیا کہ بیت المال سے تمہارے وظیفے بند کر دیئے جائیں گے۔ لوگوں نے جب اپنے اشراف اور عمائدین کی باتیں سنیں تو منتشر ہو گئے یہاں تک کہ شیخ مفیدؒ کے قول کے مطابق عورتیں آئیں اور اپنے اپنے بیٹوں اور بھائیوں کے ہاتھ پکڑ کر انہیں لے گئیں۔ لوگ پے در پے کھسکتے گئے۔ نماز مغرب تک مسجد میں جناب مسلم کے ساتھ صرف تیس (۳۰) افراد رہ گئے جنہوں نے آپ کے ساتھ نماز پڑھی۔ جب آپ نے یہ صورت حال دیکھی تو محلّہ کندہ کی طرف چل دیئے اور جب کندہ

کے دروازے تک پہنچے تو آپ کے ہمراہ صرف دس افراد تھے، اور جب آپ (دروازہ سے) باہر نکلے تو تنہا رہ گئے تھے۔

جناب مسلم متوجہ ہوئے تو کوئی بھی نظر نہ آیا کہ جو آپ کی رہنمائی کرے یا آپ کو اپنے گھر لے جائے یا دشمن کے مقابلے میں ان پر فدا کاری کرے۔ لہٰذا آپ کوفہ کے گلی کوچوں میں حیران و پریشان تھے۔ آپ گھوڑے سے اتر آئے اور گلی کوچوں میں سرگرداں تھے اور نہیں جانتے تھے کہ کہاں جائیں۔

ایک گھر کے دروازے پر آپ کی ملاقات ایک عورت سے ہوئی وہ اشعث بن قیس کی آزاد کردہ کنیز تھی اور اسید بن حضرمی کے نکاح میں تھی، جس سے اس کا بلال نامی ایک بیٹا تھا۔ وہ لوگوں کے ساتھ باہر گیا ہوا تھا اور یہ اس کے انتظار میں تھی۔ حضرت مسلم نے اسے سلام کیا تو اس نے جواب سلام دیا۔

حضرت مسلم نے اس سے کہا: اے کنیز خدا مجھے پانی پلا دو۔ اس نے آپ کو پانی دیا۔ آپ نے پیا اور بیٹھ گئے۔ وہ عورت پانی والا برتن اپنے گھر لے گئی۔ واپس چلی تو کہنے لگی: اب تم اپنے گھر جاؤ۔ جناب مسلم خاموش ہوگئے۔ عورت نے اپنی بات دہرائی تو حضرت مسلم پھر بھی خاموش رہے۔ اس نے تیسری بار کہا: سبحان اللہ! اے بندۂ خدا! خدا تمہیں اپنی عافیت میں رکھے اٹھ بیٹھو۔ اپنے اہل و عیال کے پاس چلے جاؤ۔ یہ مناسب نہیں ہے کہ تم میرے گھر کے دروازے پر بیٹھے رہو۔ میں تمہیں اس بات کی اجازت نہیں دیتی۔

جناب مسلم اٹھ بیٹھے اور کہا: اس شہر میں میرا کوئی گھر اور قبیلہ نہیں ہے۔ تم مجھ پر ثواب و احسان کرنے کی اہل ہو۔ اور شاید میں تمہیں اس کے بعد اس کا صلہ دوں۔ طوعہ نے کہا: اے بندہ خدا! میں کیا کروں؟ مسلم کہنے لگے: میں مسلم بن عقیل ہوں۔ ان لوگوں نے میرے ساتھ جھوٹ بولا اور مجھے اپنے ہمراہ خروج کرنے کا دھوکہ دیا۔

عورت کہنے لگی: مسلم آپ ہیں! فرمایا: ہاں۔

طوعہ نے کہا: میرے گھر میں داخل ہو جاؤ۔ اس نے آپ کو ایک ایسے کمرے میں بٹھایا

جہاں کوئی اور نہیں تھا۔ اس نے آپ کے لئے فرش بچھادیا اور کھانا لے آئی۔ جناب مسلم نے کھانا نہ کھایا۔ زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ اس کا بیٹا واپس آ گیا۔ اس نے دیکھا کہ ماں اس جگہ بہت آ جارہی ہے۔ اس نے ماں سے پوچھا تو اس نے کچھ نہ بتایا۔ بیٹے نے اصرار کیا تو ماں نے راز کی حفاظت کا عہد و پیان لیتے ہوئے اسے بتایا: مسلم ہمارے گھر میں ہیں، وہ خاموش ہوگیا اور سو گیا۔

ابن زیاد کے محل میں جب دوبارہ کوئی صدائے احتجاج سنائی نہ دی تو اس نے اپنے دوستوں سے کہا: دیکھو کوئی رہ تو نہیں گیا؟ انہوں نے محل کے اوپر سے سر نکال کر دیکھا تو کسی کو نہ پایا: کوئی بھی باقی نہیں رہ گیا تھا۔

ابن زیاد نماز عشاء کے وقت سے پہلے مسجد میں آیا اور اپنے ساتھیوں کو منبر کے ارد گرد بٹھایا اور حکم دیا کہ اعلان کردو: فوجی دستوں کے پاسبانوں اور سالاروں اور فوجیوں میں سے جو شخص نماز عشاء میں حاضر نہ ہوگا' اس کا خون مباح ہے۔

مسجد لوگوں سے بھر گئی۔ (ابن زیاد نے) لوگوں کو نماز عشاء پڑھائی۔ پھر اٹھا اور تقریر کی اور اپنی تقریر میں کہا: جو شخص مسلم کو اپنے گھر میں پناہ دے اس کا خون حلال ہے۔ اور جو کوئی اسے میرے پاس لائے اسے دیت کی رقم کے برابر (یعنی ایک ہزار دینار) انعام دیا جائے گا۔ اور پولس کے سربراہ حصین بن نمیر کو حکم دیا کہ گلی کوچوں کی ناکہ بندی کردو اور گھروں کی تلاشی لو۔

طوعہ کا بیٹا بلال صبح اٹھا تو عبدالرحمٰن ابن محمد ابن اشعث کے پاس گیا اور اسے مسلم کے چھپنے کی جگہ کی خبر دی۔ وہ اس کے باپ کے پاس بھی گیا اور اس کے کان میں کچھ کہا۔

ابن زیاد نے پوچھا: کیا کہتا ہے؟ اس نے کہا: یہ خبر لایا ہے کہ مسلم ہمارے گھروں میں سے ایک گھر میں ہے۔

ابن زیاد نے کہا: فوراً اٹھو اور انہیں گرفتار کرکے لے آؤ اور کچھ لوگوں کو اس کے ساتھ بھیجا کہ مسلم کو پکڑ کر لائیں۔

جب جناب مسلم نے گھوڑوں کے ہنہنانے کی آوازیں سنیں تو جو دعا آپ پڑھ رہے تھے اسے جلدی جلدی مکمل کیا جنگی لباس پہنا اور طوعہ سے کہا: تو نے اپنی نیکی اور احسان کو پایۂ تکمیل تک

پہنچایا اور رسول خداؐ کی شفاعت کی مستحق ہے' اور میں نے کل رات اپنے عم گرامی امیر المومنین علی علیہ السلام کوخواب میں دیکھا کہ فرماتے تھے: تم کل ہمارے پاس ہوگے۔ پھر آپ کمرے سے نکلے اور تلوار نکالی، دشمن مکان کے صحن میں جمع تھے۔ آپ نے ان پر سخت حملہ فرمایا اور انہیں مکان سے نکال باہر کیا۔

بعض کتب مقاتل میں ہے کہ جب سپیدہ سحر نمودار ہوا تو طوعہ مسلم کے وضو کرنے کے لئے پانی لائی اور کہنے لگی: میرے آقا! رات آپ سوئے نہیں؟ فرمایا: تھوڑی دیر آنکھ لگی تھی کہ اپنے عم گرامی امیر المومنینؑ کوخواب میں دیکھا۔ آپ فرماتے تھے: جلدی جلدی اور میرا گمان ہے کہ آج میری زندگی کا آخری دن ہوگا۔

لشکر نے دوبارہ (جناب مسلم کے گرد) ہجوم کیا۔ آپ ان پرحملہ آور ہوئے اور مکان سے باہر نکل آئے۔ لشکریوں نے جب یہ صورت حال دیکھی تو چھتوں پر چڑھ گئے اور آپ پر سنگ باری کرنے لگے۔

مسلمؑ نے اپنے آپ سے کہا: یہ سب عقیل کے بیٹے کوقتل کرنے کے حربے ہیں۔ اے نفس! موت کے لئے کہ جس سے بچنے کا چارہ کار نہیں' باہر نکل۔ آپ تلوار کھینچے باہر نکلے اور کوفہ کے گلی کوچوں میں ان ملعونوں سے جنگ کرتے رہے۔ جب ملعونوں میں جناب مسلم سے جنگ کی طاقت نہ رہی تو آپ کو پکار پکار کر کہنے لگے: ہم آپ کو امان دیتے ہیں۔ لیکن آپ نے ان کی پیش کش قبول نہ کی اور فرمایا: مجھے تمہاری امان پر اعتماد نہیں ہے۔

آپ نے ان سے جنگ کرتے ہوئے بے شمار زخم اٹھائے۔ ایک شخص نے پس پشت سے آپ کو نیزہ مارا، مظلوم مسلم زمین پر آئے اور قیدی بنالئے گئے۔

بعض لکھتے ہیں کہ آپ پر تیروں اور پتھروں کی بارش کی گئی جس سے آپ خستہ حال ہوگئے۔ آپ نے ایک دیوار کا سہارا لیا۔ محمد بن اشعث نے کہا: آپ میری امان میں ہیں۔ آپ نے فرمایا: میں امان میں ہوں؟ اس نے کہا: ہاں آپ میری امان میں ہیں۔ ایک خچر منگوایا گیا جس پر آپ کو سوار کیا گیا۔ وہ آپ کو چاروں جانب سے گھیر کر تلواریں مارنے لگے۔ جناب مسلم زندگی

سے ناامید ہوگئے اور سمجھ گئے کہ اب یہ مجھے قتل کر کے چھوڑیں گے آپ گریہ فرمانے لگے۔

عبیداللہ بن عباس سلمی نے آپ سے کہا: آپ رو کیوں رہے ہیں؟ اس حالت میں رونا مناسب نہیں ہے۔

جناب مسلم نے فرمایا: خدا کی قسم! میں اپنے لئے نہیں رو رہا اور نہ ہی موت سے خائف ہوں بلکہ اپنے خاندان اور حسینؑ و آل حسینؑ کے لئے رو رہا ہوں کہ جو (کوفہ) آ رہے ہیں۔

(ارشاد: ۲/ ۴۱ تا ۵۹، لہوف/ ۴۴ تا ۵۴، بحار الانوار: ۴۴/ ۳۴۰ تا ۳۵۴ اور نفس المہموم/ ۹۳ تا ۱۱۰ وغیرہ سے رجوع کریں)

حضرات مسلم و ہانی کی شہادتیں

محمد بن اشعث جناب مسلم کو عبداللہ کے محل میں لے گیا اور ان سے تعاون اور امان کا جو وعدہ کر چکا تھا اس سے ابن زیاد کو آ گاہ کیا۔ ابن زیاد نے کہا: میں نے تمہیں مسلم کو امان دینے کے لئے نہیں بھیجا تھا۔

جب حضرت مسلم محل کے دروازے پر بیٹھے تھے تو آپ نے وہاں ٹھنڈے پانی کا کوزہ دیکھا اور کہا: مجھے بھی اس سے پانی پلا دو۔ ایک شخص نے آپ کو برا بھلا کہا۔ عمرو بن حریث نے اپنے غلام کو بھیجا، اس نے پیالے میں پانی ڈال کر آپ کو دیا کہ پی لو۔ آپ نے پانی پکڑا (اور ہونٹوں سے لگایا) تو جام خون سے بھر گیا اور پینے کے قابل نہ رہا۔ اس طرح تیسری دفعہ آپ کے سامنے کے دانت برتن میں گر گئے۔ فرمایا: الحمد للہ! اگر قسمت میں ہوتا تو پی لیا ہوتا۔

آپ کو ابن زیاد کے پاس لے جایا گیا تو آپ نے اسے سلام نہ کیا۔ ابن زیاد کے محافظ نے کہا: آپ نے امیر کو سلام کیوں نہیں کیا؟ آپ نے فرمایا: جو مجھے قتل کرنا چاہتا ہے اسے کیا سلام کروں! اگر یہ مجھے قتل نہیں کرتا تو بسیار سلام کرنے کے لئے تیار ہوں۔

ابن زیاد نے کہا: میں تمہیں اپنے ہاتھ سے قتل کروں گا آپ نے فرمایا: ایسا ہے؟ اس نے کہا: ہاں۔ آپ نے فرمایا: مجھے اپنے کسی قرابت دار کو وصیت کر لینے دو۔ جناب مسلم نے عمر سعد کی طرف منہ کر کے فرمایا: میرے اور تمہارے درمیان رشتہ داری ہے، اور میں تم سے راز کی ایک بات کرنا چاہتا ہوں۔ اس نے قبول نہ کیا۔ ابن زیاد نے کہا: سن لو۔

دونوں ایک کونے میں چلے گئے۔ جناب مسلم نے کہا: کوفہ میں مجھ پر سات سو درہم

کا قرض ہے۔ میری تلوار اور زرہ بیچ کر میرا قرض ادا کر دینا۔ دوم: جب مجھے قتل کر دیا جائے تو میرا بدن دفن کر دینا۔ سوم: یہ کہ امام حسینؑ کو خط لکھ دینا کہ کوفہ نہ آئیں کیونکہ میں انہیں لکھ چکا ہوں کہ کوفہ کے لوگ آپ کے ساتھ ہیں۔

عمر سعد نے جناب مسلم کی تمام وصیتیں ابن زیاد کے سامنے بیان کر دیں۔ اس نے جواب میں کہا: عمر تم نے خیانت کر دی۔

ابن زیاد اور جناب مسلم کے درمیان جب کافی باتیں ہو چکیں تو ابن زیاد نے حکم دیا کہ اسے محل کے اوپر لے جاؤ اور اس کی گردن کاٹ دو۔ (ارشاد: ۲/ ۵۹ تا ۶۳)

آپ کو محل کی چھت پر لے جایا گیا۔ آپ کی زبان پر ذکر خدا جاری تھا اور آپ خداوند قدوس سے مناجات کرتے ہوئے عرض کر رہے تھے: بارالٰہا: میرے اور اس گروہ کے درمیان فیصلہ کر کہ انہوں نے ہم سے دھوکہ کیا اور جھوٹ بولا اور ہماری مدد سے دستبردار ہو گئے۔

ایک حرام زادہ آپ کو محل کی چھت کے ایک مقام پر لے گیا اور سر مبارک تن سے جدا کر زمین پر گرا دیا۔ اور سر کے بعد بدن اطہر (بھی) کو چھت سے نیچے گرا دیا اور خود ڈرتا اور لرزتا ہوا ابن زیاد کے پاس آ کھڑا ہوا۔

اس نے پوچھا (تمہارے خوف زدہ ہونے کا) کیا سبب ہے؟ کہنے لگا: مسلم کو قتل کرتے وقت میں نے ایک سیاہ رنگ کے ہیبت ناک انسان کو دیکھا کہ جو میرے برابر آ کھڑا ہوا اور دانتوں سے اپنی انگلی کاٹنے لگا، اور مجھ پر اس قدر خوف اور ہیبت طاری ہوئی کہ پہلے کبھی اس قدر خوف زدہ نہ ہوا تھا۔

اس ملعون نے کہا: کیونکہ تو نے خلاف عادت کام کرنا چاہا اس لئے تجھ پر دہشت طاری ہو گئی اور تمہاری نظروں کے سامنے وہ خیال آ گیا۔

(لہوف/ ۵۸، نفس المہموم/ ۱۱۷، بحار الانوار: ۴۴/ ۳۵۷ وغیرہ سے رجوع کریں)

دوسری روایت کے مطابق: (جناب مسلم کے) قتل سے پہلے اس نے یہ حالت مشاہدہ کی اور اس کا ہاتھ خشک ہو گیا۔ جب ابن زیاد کو اس بات کی خبر ہوئی تو اسے بلایا اور اپنی طرف سے وضاحت اور

جواب کے بعد (جو پہلے نقل کیا جا چکا ہے) ایک اور شخص کو محل کی چھت پر بھیجا۔ جب اس نے بھی جناب مسلم کے قتل کا ارادہ کیا تو جناب رسول خدا کو دیکھا اور خوف سے ہلاک ہوگیا۔ پس ابن زیاد ملعون نے ایک تیسرے شخص کو بھیجا تو اس لعنتی نے حضرت مسلم کو شہید کر دیا۔ (جلاء العیون/۳۶۸)

اب ابن زیاد نے ہانی کو قتل کرنے کے لئے طلب کیا اور ہر چند محمد بن اشعث اور دوسروں نے اس کی سفارش کی لیکن کچھ فائدہ نہ ہوا۔ اس لعین نے حکم دیا کہ اسے بازار قصاباں میں لے جاؤ اور اس کی گردن اڑا دو۔

جناب ہانی کی مشکیں باندھ کر محل سے باہر لایا گیا۔ ان کی داد و فریاد پر کسی نے ان کی مدد نہ کی۔ پس انہوں نے اپنے ہی زور سے بند توڑ کر خود کو رہا کیا اور فرمایا: کوئی لاٹھی، چھری، پتھر یا ہڈی نہیں ہے کہ ایک مرد اپنا دفاع کر سکے۔؟

ابن زیاد کے دوستوں نے انہیں چاروں طرف سے گھیر لیا اور مضبوطی سے باندھ کر کہنے لگے: اس کی گردن کاٹ دو۔ ہانی فرمانے لگے: اتنا سخی نہیں ہوں کہ اپنے قتل میں مددگار بنوں (یعنی بغیر مزاحمت کے قتل کر دیا جاؤں)

پس ابن زیاد کے ایک غلام نے جس کا نام رشید ترکی تھا، آپ پر (تلوار سے) ضرب لگائی جو بے اثر ثابت ہوئی۔ جناب ہانی نے فرمایا:

"اِلَی اللّٰهِ الْمَعَادُ اَللّٰهُمَّ اِلٰی رَحْمَتِکَ وَرِضْوَانِکَ"

"سب کی بازگشت خدا کی طرف ہے۔ خدایا! مجھے اپنی رحمت و رضوان کی طرف لے چل"

پھر (اس غلام نے) دوسرا وار کیا اور آپ کو شہید کر دیا۔ (ارشاد: ۲/۶۴)

ابن زیاد نے حکم دیا کہ جناب مسلم اور جناب ہانی کی لاشوں کو کوچہ و بازار میں پھرایا جائے اور قصابوں کے محلے میں سولی پر لٹکا دیا جائے۔ (منتہی الآمال: ۱/۳۱۶ منتخب طریحی: ۲/۴۲۸م۹)

مسعودی کے بیان کے مطابق: ابن زیاد نے حکم دیا کہ مسلم کے بدن کو سولی پر لٹکا دیا جائے اور سر دمشق روانہ کر دیا جائے۔ یہ بنی ہاشم میں سے پہلا جسد تھا کہ جسے سولی پر لٹکایا گیا اور

پہلا سر تھا جو دمشق روانہ کیا گیا۔ (مروج الذہب: ۳/۷۲)

شیخ مفید رقم طراز ہیں: حضرت نے بروز منگل آٹھ ذوالحجہ سن ساٹھ (۶۰) ہجری میں خروج کیا اور اسی دن امام حسینؑ مکہ سے کوفہ عازم سفر ہوئے۔ اور جناب مسلم اسی سال بروز بدھ (چہارشنبہ) 9 ذی الحجہ (روز عرفہ) شہید ہوئے۔ (ارشاد: ۲/۶۷)

جب جناب مسلم اور جناب ہانی قتل ہوگئے تو ابن زیاد نے حکم دیا کہ شجاعان کوفہ میں سے عبدالاعلی کلبی نامی ایک بہادر اور عمارہ بن صلحت ازدی کو حضرت مسلم کی حمایت اور امداد کرنے کے جرم میں گرفتار کر کے قتل کر دیا جائے۔ جبکہ مسلم و ہانی کے سر ایک خط کے ہمراہ یزید کو بھیج دیئے۔ اس خط میں ان کی سرگزشت بھی لکھی گئی تھی۔ یزید ملعون نے جواب میں اس کا شکریہ ادا کر بھیجا۔

شیخ مفیدؒ کے بیان کے مطابق یزید نے لکھا کہ مجھے اطلاع دی گئی ہے کہ حسینؑ عراق کی طرف آ رہے ہیں۔ پس لوگوں پر نگران اور مسلح افراد مقرر کر دو اور مستعد ہو جاؤ۔

"وَاحۡتَرِسۡ وَاحۡبَسۡ عَلَى الظِّنَّةِ وَاقۡتُلۡ عَلَى التُّهۡمَةِ"

"اور جس شخص کو بھی اپنا مخالف خیال کرو اسے زندان میں ڈال دو اور جس کسی پر ہماری مخالفت کا الزام ہو اگرچہ وہ از روئے تہمت ہی کیوں نہ ہو اسے قتل کر دو"

اور اس کے بعد جو صورت حال ہو مجھے اس کے بارے میں لکھنا۔ (ارشاد: ۲/۶۷)

بزرگ علماء نے جناب مسلم کے واقعہ کو تفصیلاً نقل کیا ہے۔ اس سلسلے میں نفس المہموم اور بحار/۴۴ وغیرہ کی طرف رجوع کریں۔

حضرت ہانی کی عظمت

ہانیؓ بن عروہ اشراف کوفہ اور شیعہ عمائدین میں سے تھے۔ ''حبیب السیر'' کے مؤلف ان کی بہادری کے واقعات کا ذکر کرنے کے بعد تحریر کرتے ہیں: ابن زیاد نے اس پیر عزیز پر کہ جو ۸۹ سال عمر بسر کر چکے تھے اور رسولخداؐ کی صحبت سے مشرف رہے تھے، بہت زیادہ تشدد کیا تا کہ وہ جناب مسلم کو اس کے سپرد کر دیں۔ لیکن جناب ہانیؓ نے اس کی بات نہ مانی۔ (حبیب السیر: ۲/۴۳)

مسعودی کا بیان ہے کہ ان کا تشخص اور عظمت اس قدر تھے کہ ان کے ہمراہ چار ہزار زرہ پوش سوار اور آٹھ ہزار پیادے ان کے فرماں بردار ہوتے تھے اور جب وہ مختلف قبائل سے اپنے حامیوں اور حلیفوں کو بلاتے تو تیس ہزار زرہ پوش ان کی آواز پر لبیک کہتے تھے۔

(مروج الذہب: ۳/۷۱)

امام مظلومؑ کی شہادت کے باب میں آئے گا کہ جب امامؑ نے چاروں طرف نگاہ دوڑائی تو تمام اصحاب کو مقتول پایا...... فرمایا: یا مسلم بن عقیل یا ہانی بن عروہ یا حبیب بن مظاہر۔

محمد بن مشہدی کے ''مزار''، ''مصباح الزائر'' اور شیخ مفیدؒ کے مزار میں مسجد کوفہ کے اعمال کے باب میں آتا ہے:

جناب ہانی کی قبر کے پاس جا کر رسول خداؐ پر سلام بھیجو اور کہو:

" سَلاَمُ اللّٰهِ الْعَظِيمِ وَصَلَوا تُهُ عَلَيْکَ يَاهَانِيَ بْنَ عُرْوَةِ، اَلسَّلاَمُ عَلَيْکَ اَيُّهَا الْعَبْدُ الصَّالِحُ ،اَلنَّاصِحُ لِلّٰهِ وَلِرَسُولِهِ وَلاَ مِيرِ الْمُؤْمِنِينَ وَالْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ عَلَيْهِمُ السَّلاَمُ اَشْهَدُ اَنَّکَ قُتِلْتَ مَظْلُوْمًا ،فَلَعَنَ

اللّٰہُ مَنْ قَتَلَکَ وَاسْتَحَلَّ دَمَکَ ....

(بحارالانوار: ۱۰۰/۴۶۹، نفس المہموم/۱۲۱، بہ نقل از مصباح الزائر/۵۴، المزار الکبیر/۵۳، مزار شہید/۸۸)

جناب ہانی جنگ جمل میں امیر المومنینؑ کے ساتھ تھے اور ابن شہر آشوب سے منقول ہے کہ آپ یہ رجز پڑھتے تھے۔

یالَکِ حَرْبٌ حَثَّها جِمالُها

قَائِدَةٌ یَنْقُصُها ضَلالُها

هٰذَا عَلِیٌّ حَوْلَهٗ أَقْیالُها

ان اشعار میں عائشہؓ کے اونٹ کی طرف اشارہ ہے کہتے ہیں:

اے جنگ تم پر افسوس کہ اونٹوں نے ایک عورت کی قیادت میں کہ گمراہی جس کا نقص ہے، تیری اصلاح وتدبیر کی ہے۔لیکن اس جانب علیؑ ہیں کہ جن کے اردگرد آزمودہ کار جنگی سردار ہیں۔

(مناقب ابن شہر آشوب: ۳/۱۶۰)

اسی طرح ابن زیاد سے ان کا کلام بھی ان کی عظمت کا آئینہ دار ہے فرمایا:

"وَاللّٰهِ لَوْ اَنَّهٗ تَحْتَ قَدَمَیَّ مَارَفَعْتُهُمَا وَلَاأجِیْئُکَ بِهٖ"

"خدا کی قسم اگر مسلم میرے قبضہ میں بھی ہوں تو میں انہیں تمہارے سپرد نہیں کروں گا"

درحقیقت وہ انہی (عظیم) کلمات کے سبب اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے۔

جناب مسلم کی عظمت وشجاعت

شیخ مفیدؒ سے منقول ہے کہ کوفہ کے راستے کے درمیان عبداللہ بن سلیمان اور منذر بن مشمعل نے بکر بن فلاں سے سنا کہ وہ کہہ رہا تھا: میں ابھی کوفہ سے روانہ نہ ہوا تھا کہ مسلم بن عقیل اور ہانی بن عروہ شہید ہو گئے، اور میں نے دیکھا کہ لوگ انہیں پاؤں سے پکڑ کر بازار میں پھرا رہے تھے۔ جب یہ خبر امام حسینؑ تک پہنچائی گئی تو آپؑ نے فرمایا: "اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ" ان پر خدا کی رحمت ہو اور یہ کلام بار بار دہرایا۔

ہم نے ان سے عرض کیا ہم آپ کو خدا کی قسم دے کر کہتے ہیں کہ آپ یہیں سے واپس ہو جائیں کیونکہ کوفہ میں آپ کا کوئی شیعہ اور مددگار نہیں ہے۔

امامؑ نے جواب میں فرمایا:

"لَا خَيْرَ فِي الْعَيْشِ بَعْدَ هٰؤُلَاءِ"

"اس کے بعد زندگی کا مزا نہیں ہے" (ارشاد ۲/۷۶)

"مضمون کلام بہت بلند ہے اور حضرات مسلمؑ و ہانیؒ کے بلند مقام کا پتا دیتا ہے"

اہل کوفہ کے نام امامؑ کے خط میں بھی اس طرح کا تذکرہ ہو چکا ہے: میں اپنے بھائی اور چچا کے بیٹے اور اس شخص کو جو میرے خاندان کے درمیان میرے لئے اطمینان و وثوق کا مورد ہے (یعنی مسلم بن عقیل) کو تمہاری طرف بھیج رہا ہوں۔ (ارشاد: ۲/۳۶)

آپ کی شجاعت کے بارے میں یہی کافی ہے کہ: جس وقت محمد بن اشعث نے (۷۰) جنگی جانبازوں کے ساتھ طوعہ کے گھر کا محاصرہ کیا۔ جناب مسلم باہر نکلے اور ان پر حملہ کر دیا

۔اورتن تنہا ان میں سے اکتالیس افراد کو ہلاک کردیا۔ابن زیاد نے محمد بن اشعث کو ملامت کی کہ تم نے ان سب کو کیسے مروا ڈالا! اس نے جواب میں کہا: تم نے مجھے مخلوق میں سے بہترین خاندان کے ایک ایسے نامی گرامی پہلوان کی طرف بھیجا تھا جس کے ہاتھ میں کاٹ دینے والی تلوار تھی اور وہ بپھرا ہوا شیر تھا۔(مناقب ابن شہر آشوب:۹۳/۴)

علامہ مجلسیؒ محمد بن ابی طالب سے نقل کرتے ہیں کہ جب مسلم نے دشمن کی کثیر تعداد کو قتل کرڈالا اور یہ خبر ابن زیاد کو پہنچی تو اس ملعون نے محمد بن اشعث کو پیغام بھیجا: میں نے تجھے ایک شخص کے ساتھ لڑنے کے لئے بھیجا ہے کہ اسے پکڑ لاؤ، نہ کہ اس لئے بھیجا ہے، کہ اپنے تمام لشکری مروا آؤ اور ان کے درمیان ایک شدید خلا پیدا کردو اگر میں نے تجھے کسی دوسری جنگ کے لئے بھیجا تو کیا کرو گے؟

(محمد بن اشعث نے) اس کے جواب میں پیغام بھیجا: اے امیر! کیا تم گمان کرتے ہو کہ تم نے مجھے کوفہ کے سبزی فروشوں میں سے کسی سبزی فروش یا حیرہ کے عجمیوں میں سے کسی عجمی کے پیچھے بھیجا ہے؟ کیا تم نہیں جانتے کہ تم نے مجھے ایک بپھرے ہوئے شیر اور مخلوق میں سے بہترین خاندان کے ایک نامی گرامی پہلوان کی طرف بھیجا ہے جس کے ہاتھ میں کاٹ دار تلوار ہے۔

ابن زیاد نے اسے پیغام بھیجا کہ انہیں امان دے دو، کیونکہ اس کے بغیر تم انہیں گرفتار نہیں کرسکو گے۔

یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ جناب مسلم ایک شیر کی طرح تھے اور اس قدر قوت اور طاقت کے حامل تھے کہ ان میں سے کسی شخص کا ہاتھ پکڑتے اور اسے اٹھا کر پشت بام پر دے مارتے۔

(بحارالانوار:۳۵۴/۴۴)

حضرت مسلم سے رسول خداؐ کی محبت

شیخ صدوق علیہ رحمہ نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ حضرت علیؑ نے رسول خدا سے کہا: آپ عقیل کو بہت دوست رکھتے ہیں؟

حضورؐ نے فرمایا:

"اِیْ وَاللّٰہِ اِنِّی لَاُحِبُّہٗ حُبَّیْنِ ،حُبًّالَہٗ وَحُبًّالِحُبِّ اَبِیْ طَالِبٍ لَہٗ "

" ہاں ! خدا کی قسم میں دو وجہ سے اسے دوست رکھتا ہوں ایک اپنی وجہ ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ چچا ابوطالبؑ اسے دوست رکھتے تھے"

تحقیق اس کا بیٹا آپؐ کے بیٹے کی راہ محبت میں مارا جائے گا' مومنوں کی آنکھیں اس پر آنسو بہائیں گی اور مقرب فرشتے اس پر صلوات بھیجیں گے۔

پھر رسول خداؐ رونے لگے یہاں تک کہ آپ کے آنسو سینہ مبارک پر جاری ہوگئے۔

پھر فرمایا:

"اِلَی اللّٰہِ أَشْکُو مَا تَلْقٰی عِتْرَاتِی مِنْ بَعْدِیْ "

" میرے بعد جو کچھ میری عترت کے ساتھ ہوگا میں خدا سے اس کی شکایت کرتا ہوں" (امالی صدوق/۱۲۸م ۲۷ح ۳ اور اسی کی مثل قاموس الرجال: ۷/ ۲۳۰)

جناب مسلم کی زیارت کے فقرات

" سَلَامُ اللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ وَسَلَامُ مَلَائِکَتِہِ الْمُقَرَّبِیْنَ وَأَنْبِیَائِہِ الْمُرْسَلِیْنَ وَأَئِمَّتِہِ الْمُنْتَجَبِیْنَ ، وَعِبَادِہِ الصَّالِحِیْنَ ،وَجَمِیْعِ الشُّھَدَاءِ وَالصِّدِّیْقِیْنَ ، وَالزَّاکِیَاتِ الطَّیِّبَاتِ، فِیمَا تَغْتَدِی وَتَرُوْحُ عَلَیْکَ یَا مُسْلِمَ بْنَ عَقِیْلِ بْنِ أَبِی طَالِب وَ رَحْمَةُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہُ ، أَشْھَدُ أَنَّکَ قَدْ أَقَمْتَ الصَّلَاةَ وَآتَیْتَ الزَّکَاةَ وَأَمَرْتَ بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَیْتَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَجَاھَدْتَ فِی اللّٰہِ حَقَّ جِھَادِہِ وَقُتِلْتَ عَلٰی مِنْھَاجِ الْمُجَاھِدِیْنَ فِی سَبِیْلِہِ حَتّٰی لَقِیْتَ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ وَھُوَ عَنْکَ رَاضٍ، وَأَشْھَدُأَنَّکَ وَفَیْتَ بِعَھْدِ اللّٰہِ وَبَذَلْتَ نَفْسَکَ فِی نُصْرَةِ حُجَّتِہِ وَابْنَ حُجَّتِہِ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ أَیُّھَا الْعَبْدُ الصَّالِحُ ، الْمُطِیْعُ لِلّٰہِ وَلِرَسُوْلِہِ وَلِأَمِیْرِالْمُؤْمِنِیْنَ وَالْحَسَنِ وَالْحُسَیْنِ عَلَیْھِمُ السَّلَامُ ...."

(بحارالانوار: ۱۰۰/ ۴۲۶ تا ۴۲۸)

عمرِ مبارک:

جناب عقیلؓ نے اس دنیا سے رحلت فرمائی تو اس وقت جناب مسلم کی عمر اٹھارہ سال تھی۔
ابن ابی الحدید نے جناب عقیل کی وفات کا سال پچاس (۵۰) ہجری لکھا ہے۔ اس بنا پر حضرت مسلم اپنی شہادت کے وقت جو کہ ساٹھ (۶۰) ہجری میں ہوئی، اٹھائیس سال کے تھے۔
(قمقام زخار: ۱/۲۸۰، منتخب التواریخ/ ۲۸۷)

فرزندانِ مسلم کی شہادت

چونکہ جناب مسلم کی شہادت کا بیان ہو چکا ہے لہٰذا ان کے بیٹوں کی شہادتوں کا تذکرہ بھی (ساتھ ہی) مناسب رہے گا۔ اگرچہ ان کی شہادتیں جناب مسلم کی شہادت کے ایک سال بعد واقع ہوئیں۔

شیخ صدوقؒ اپنی سند کے ساتھ کوفہ کے شیوخ میں سے ایک شیخ سے روایت کرتے ہیں کہ اس نے کہا: جب امام حسینؑ شہید ہو گئے تو جناب مسلم کے دو چھوٹے بچے آپ کی لشکر گاہ سے قیدی بنا لئے گئے۔ انہیں ابن زیاد کے پاس لایا گیا۔ اس ملعون نے ان بچوں کو قید خانے میں ڈلوا دیا اور داروغۂ زندان سے کہا کہ انہیں اچھی خوراک اور ٹھنڈا پانی مت دینا اور ان سے سختی سے پیش آنا۔

یہ بچے سارا دن روزے سے رہتے اور جب رات ہوتی تو داروغۂ زندان ان کے لئے جو کی دو روٹیاں اور پانی کا ایک کوزہ لے آتا اسی حالت میں ایک سال قید میں گزر گیا۔

ایک دن ایک بھائی نے دوسرے سے کہا: ہماری قید بہت لمبی ہو گئی ہے (اس طرح تو) ہماری عمر تباہ ہو جائے گی اور ہمارے جسم سوکھ کر کانٹا بن جائیں گے۔ پس جب زندان کا بوڑھا داروغہ آئے، ہم اس سے اپنا حال بیان کرتے ہیں اور اسے رسول خداؐ سے اپنی نسبت کا بتاتے ہیں، شاید وہ ہمارے حال پر ترس کھا جائے۔

جب رات ہو گئی اور بوڑھا آب و نان لے کر آیا تو چھوٹے بھائی نے کہا: اے شیخ! کیا تم محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو جانتے ہو؟ کہنے لگا: کیسے نہیں جانتا وہ میرے نبیؐ ہیں۔

کہا: جعفر ابن ابی طالبؑ کو جانتے ہو؟ کہنے لگا: کیسے نہیں جانتا وہ میرے نبیؐ کے چچا

زاد بھائی ہیں۔

اس مظلومؑ بچے نے کہا: ہم تمہارے نبی کی عترت ہیں ہم دونوں مسلم بن عقیل کے بیٹے ہیں۔ہم تمہارے قیدی ہیں' ہم پر اس قدر سختی نہ کرو۔

وہ شخص یہ باتیں سن کر ان کے پاؤں پر گر پڑا اور انہیں چوم کر کہنے لگا: میری جان تم پر قربان تم محمدؐ کی عترت ہو۔ زندان کا دروازہ تم پر کھلا ہے جہاں چاہو جاؤ۔

جب رات کی تاریکی بڑھ گئی تو اس بزرگ شخص نے جو کی دو روٹیاں اور پانی کا ایک کوزہ انہیں دیا اور انہیں راستہ سمجھاتے ہوئے کہا: رات کا سفر کرنا اور صبح پنہاں رہنا تاکہ خدا تم پر فضل فرمادے۔

دونوں بچے رات کی تاریکی میں چلتے چلتے ایک بوڑھی عورت کے مکان تک پہنچے جو گھر کے دروازے پر بیٹھی تھی۔ تھکن کی زیادتی کے سبب اس سے کہنے لگے: ہم غریب بچے ہیں، راستہ نہیں جانتے۔ اگر تم رات کی اس تاریکی میں ہمیں اپنے گھر میں پناہ دے دو تو صبح ہوتے ہی ہم یہاں سے چلے جائیں گے اور اپنی راہ پکڑیں گے؟

اس بوڑھی نے کہا: تم کون ہو' مجھے تم سے ایسی خوشبو آ رہی ہے جس سے بہتر خوشبو میں نے کبھی نہیں سونگھی؟

کہنے لگے: ہم تمہارے پیغمبرؐ کی عترت ہیں اور ابن زیاد کے زندان سے بھاگ کر آئے ہیں۔

وہ عورت کہنے لگی کہ میرا ایک داماد بہت خبیث اور فاسق شخص ہے۔ وہ واقعہ کربلا میں بھی موجود تھا۔ میں خائف ہوں کہ وہ کہیں آج رات میرے گھر آئے اور تمہیں یہاں دیکھ کر قتل کردے۔ بچے کہنے لگے: بس جب تک رات کی تاریکی ہے ہم یہاں ٹھہریں گے اور پو پھوٹتے ہی اپنی راہ پکڑیں گے۔ وہ عورت انہیں گھر لے گئی اور ان کو کھانا پیش کیا۔ جو انہوں نے کھایا اور سو گئے۔ (دوسری روایت کی بنا پر: کہنے لگے ہمیں جانماز دیجئے ہم نماز پڑھنا چاہتے ہیں پس کچھ رکعت نماز ادا کی اور سو گئے)

چھوٹے بچے نے بڑے بھائی سے کہا: اے بھائی! مجھے امید ہے کہ آج رات ہم امن سے رہیں گے۔ اس سے پہلے کہ موت ہم میں جدائی ڈال دے' آؤ ہم ایک دوسرے کے گلے میں

باہیں ڈال کر سوئیں اور ایک دوسرے کو چومیں۔

رات کا کچھ حصہ ہی گزرا تھا کہ اس ضعیفہ عورت کا فاسق و فاجر داماد آ دھمکا۔ضعیفہ نے پوچھا: کون؟ کہنے لگا: میں ہوں۔ وہ بولی: اتنے بے موقع کیوں آئے ہو؟ کہنے لگا۔ دروازہ کھولئے نزدیک ہے کہ میں تھکن سے مرجاؤں۔ضعیفہ نے پوچھا: تھکن کیسی؟ کہنے لگا: ابن زیاد کے زندان سے دو بچے بھاگ گئے ہیں اور اس نے اعلان کر رکھا ہے: جو کوئی ان میں سے ایک کا سر لائے گا اسے ہزار درہم اور جو شخص دونوں کے سر لائے گا اسے دو ہزار درہم انعام دیا جائے گا۔

میں نے ان کی بہت تلاش کی ہے اور پورے کوفہ میں پھرا ہوں لیکن تھکن کے علاوہ کچھ ہاتھ نہیں لگا۔

ضعیفہ کہنے لگی: اس بات سے ڈرو کہ قیامت کے دن محمدؐ تمہارے دشمن ہوں گے۔ اس فاسق نے کہا: وائے ہو تم پر، دنیا ہاتھ میں ہونی چاہیے۔عورت نے جواب دیا: بغیر آخرت کے دنیا کس کام کی؟ کہنے لگا: تم ان کی طرف داری کر رہی ہو، گویا ان کے بارے میں خبر رکھتی ہو۔ مجھے چاہیے کہ تمہیں امیر کے پاس لے چلوں!

عورت کہنے لگی: امیر کو مجھ ضعیفہ سے کہ جو بیابان میں گوشہ نشیں ہے، کیا مطلب؟ وہ کہنے لگا (کمرے کا) دروازہ بند کر دو تاکہ میں آرام کرلوں اور صبح ان کی تلاش میں نکل سکوں۔ضعیفہ نے دروازہ کھولا۔ اس بے ایمان نے رات کا کھانا کھایا اور بستر پر سو گیا۔

آدھی رات کو اس نے ان دو بچوں کی آواز سنی۔ وہ مست اونٹ کی طرح اپنی جگہ سے اٹھا اور بیل کی طرح چیخا اور گھر کی دیوار کے کنارے سے ہاتھ کھینچا اور چھوٹے بچے کے پہلو کو جا پکڑا۔ اس مظلوم نے کہا: کون ہے؟ کہنے لگا: میں گھر کا مالک ہوں، تم بتاؤ تم کون ہو؟ چھوٹے بچے نے اپنے بھائی کو جگایا اور فرمایا: بھائی اٹھئے کہ جس بات سے ہم ڈرتے تھے اسی مصیبت میں گرفتار ہو گئے۔

بچے کہنے لگے: اے شیخ اگر ہم سچ سچ بتا دیں تو تم ہمیں امان دو گے؟ کہنے لگا: ہاں۔ فرمایا: خدا اور رسول اکرمؐ کی امان؟ کہنے لگا ہاں۔ فرمانے لگے: خدا اور رسول کو گواہ سمجھ کر؟ کہنے لگا: ہاں! بچوں نے کہا: ہم تمہارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عترت ہیں۔ یہ ظالم بولا: موت سے بھاگے

ہواور موت ہی کے جال میں آ پھنسے ہو۔ الحمدُ للہ کہ میں تم تک پہنچ گیا۔ اس کے بعد دونوں کے بازو مضبوطی سے باندھ دیئے۔ بچوں نے (بقیہ) رات اسی حالت میں بسر کی۔

جب صبح ہوئی تو اس ظالم نے اپنے حبشی غلام فلیح کو حکم دیا کہ ان بچوں کو فرات کے کنارے لے جاؤ اور ان کی گردنیں کاٹ دو۔ غلام نے تلوار اٹھائی اور ان دونوں کو لے کر (نہر کی سمت) روانہ ہوا۔

بچوں میں سے ایک نے کہا: تمہیں رسول خداؐ کے مؤذن بلال کی سیاہ رنگت سے کس قدر مشابہت ہے۔ غلام نے کہا: تم کون ہو؟ کہنے لگے: ہم تمہارے پیغمبر کی عترت ہیں۔ ہم ابن زیاد کی قید سے بھاگ کر آئے تھے اور اس ضعیفہ کے مہمان ٹھہرے تھے۔ وہ غلام ان کے پاؤں میں گر پڑا اور پاؤں چوم کر کہنے لگا: اے عترت رسولؐ! میری جان آپ پر قربان اور میرا چہرہ آپ کی مصیبت کی ڈھال، خدا کی قسم میں ایسا کام نہیں کروں گا کہ جس کے سبب روز قیامت محمدؐ میرے دشمن ہوں۔ پس وہ دوڑا، تلوار فرات کے کنارے پھینکی اور فرات میں کود کر تیرتا ہوا دوسرے کنارے جا نکلا۔

اس ملعون نے آواز دی: اے غلام! تو نے میری نافرمانی کی ہے؟ غلام نے جواب دیا میں نے تمہارے حکم پر خدا کی نافرمانی نہ کرنے کو ترجیح دی۔ اور چونکہ تو نے فرمان خدا کی اطاعت نہیں کی۔ اس لئے میں دنیا و آخرت میں تم سے بیزار ہوں۔

اس ملعون نے اپنے بیٹے کو بلایا اور ان بچوں کو قتل کرنے کو کہا۔ وہ نوجوان جب ان بچوں کے احوال سے باخبر ہوا تو باپ کی مخالفت کی اور ان بچوں کے پاؤں میں گر کر انہیں چوما اور اس غلام کی بات کو دہرایا، شمشیر دور پھینکی اور خود فرات میں چھلانگ لگا دی۔

باپ نے آواز دی: تم نے میری نافرمانی کی ہے! بیٹے نے کہا: میں نے خدا کی اطاعت میں تمہاری نافرمانی کی ہے۔ میں تمہاری اطاعت سے خدا کی اطاعت کو زیادہ مقدم سمجھتا ہوں۔

اس ملعون نے کہا: میرے علاوہ انہیں کوئی نہیں مار سکتا۔ تلوار اٹھائی اور ان کے سامنے آن کھڑا ہوا۔ جب بچوں نے ننگی تلوار دیکھی تو ان کی آنکھیں بھر آئیں اور کہنے لگے: اے شیخ! ہمیں بازار لے جا کر فروخت کر دو اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو روز قیامت اپنا دشمن نہ بناؤ۔

کہنے لگا: (ہرگز) نہیں: میں تمہارے سر ابن زیاد کے پاس لے جاؤں گا اور اس سے انعام حاصل کروں گا۔

بچے کہنے لگے: تم رسول خداؐ سے ہماری رشتہ داری کا بھی خیال نہیں کرتے؟ کہنے لگا: تمہارا رسول خداؐ سے کچھ تعلق نہیں۔

بچے کہنے لگے: ہمیں زندہ حالت میں ابن زیاد کے پاس لے چلو تاکہ وہ خود ہمارے بارے میں فیصلہ دے۔ وہ کہنے لگا: میرے پاس اس کے علاوہ کوئی راستہ نہیں کہ تمہیں قتل کر کے اس کا تقرب حاصل کروں۔

بچے کہنے لگے: تمہیں ہمارے بچپن پر بھی رحم نہیں آتا؟

یہ ظالم بولا: خدا نے میرے دل میں رحم ڈالا ہی نہیں۔

بچوں نے کہا: پھر ہمیں چند رکعت نماز ہی پڑھ لینے دے۔

بولا: اگر نماز تمہیں کچھ فائدہ پہنچا سکتی ہے تو جتنی چاہو پڑھ لو۔

بچوں نے چار رکعت نماز ادا کی اور آسمان کی طرف نگاہ کر کے کہا:

"يا حَيُّ (ياقَيُّومُ) يا حَكِيْمُ (يا حَلِيْمُ) يا أَحْكَمَ الْحَاكِمِيْنَ اُحْكُمْ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُ بِالْحَقِّ"

پس وہ ملعون اٹھا اور بڑے بھائی کا سر تن سے جدا کر کے ایک توبرے میں ڈال دیا۔

چھوٹا بھائی بڑے بھائی کے خون میں غلطاں کہنے لگا: میں چاہتا ہوں کہ اپنے بھائی کے خون سے آلودہ حالت میں رسول خدا سے ملاقات کروں۔

ملعون بولا: تجھ پر پابندی نہیں، جلد ہی تمہیں بھی اس سے ملحق کئے دیتا ہوں۔ اسے بھی قتل کر دیا اور اس کے سر کو بھی توبرے میں ڈالا، اور دونوں کے جسم دریا میں پھینک کر سرہائے مطاہر ابن زیاد کے پاس لے گیا۔ ابن زیاد تخت پر بیٹھا تھا اور خیزران کی چھڑی اس کے ہاتھ میں تھی اس ظالم نے بچوں کے سر اس کے سامنے رکھ دیئے۔ جب اس کی نظر ان سروں پر پڑی تو وہ تین بار اٹھا اور بیٹھا اور کہنے لگا: تم پر لعنت ہو یہ بچے تمہیں کہاں سے ملے؟

کہنے لگا: یہ میرے خاندان کی ایک بوڑھی خاتون کے مہمان تھے۔

ابن زیاد نے کہا: تو نے ان کے حق مہمانی کا بھی خیال نہ رکھا۔

بولا: نہیں ابن زیاد نے کہا یہ بچے تم سے کیا کہتے تھے؟

اس ظالم نے ابن زیاد ملعون کے سامنے ان بچوں کی گفتگو اور خواہشات کو بیان کیا۔ پھر بولا: نماز کے بعد انہوں نے آسمان کی طرف نظر اٹھا کر کہا:

یا حَیُّ (یاقَیُّومُ) یا حَکِیْمُ یا اَحْکَمَ الْحاکِمِیْنَ، اُحْکُمْ بَیْنَنا وَبَیْنَهُ بِالْحَقِ

ابن زیاد نے کہا: خدا نے تمہارے اور ان کے درمیان حق پر فیصلہ کر دیا۔ کون ہے جو اس کا کام تمام کر دے؟ ایک شامی اپنی جگہ سے اٹھا اور کہنے لگا: میں۔

ابن زیاد نے کہا: اسے اسی جگہ لے جاؤ جہاں اس نے ان بچوں کو قتل کیا ہے اور اس کی گردن مار دو۔ اور خیال رکھنا کہ اس کا (پلید) خون ان بچوں کے (پاک) خون سے مخلوط نہ ہو جائے اور اس کا سر جلد میرے پاس لاؤ۔

اس شخص نے ایسا ہی کیا اور اس ملعون کا سر ایک نیزے پر چڑھائے ہوئے لایا۔ بچے اسے پتھر مار رہے تھے اور کہتے تھے: یہ رسول خدا کی ذریت کے قاتل کا سر ہے۔

(امالی صدوق/۸۳م۱۹ح۲، بحار الانوار: ۴۵/۱۰۰)

اس حدیث کی سند میں بہت سے بزرگ اصحاب رضوان اللہ علیہم کے نام شامل ہیں۔

ضمناً: یہی قصہ تھوڑے سے فرق کے ساتھ علامہ مجلسی مرحوم نے قدیم مناقب کی نقل کے ساتھ بحار الانوار: ۴۵/۱۰۵ پر درج کیا ہے۔ اور ان دو بچوں کے نام ابراہیم اور محمدؐ بتائے ہیں۔ لیکن انہیں حضرت جعفر طیار کی اولاد سے خیال کیا ہے۔ (بحار الانوار: ۴۵/۱۰۵)

حبیب السیر کے مؤلف کہتے ہیں: حضرت مسلم بن عقیل کے دو چھوٹے بچوں کے نام محمدؐ اور ابراہیمؑ ہیں۔ جو کوفہ میں قاضی شریح کے گھر میں چھپے ہوئے تھے اور جناب مسلم کی شہادت کے بعد ابن زیاد کے ملازموں میں سے حارث بن عروہ نامی ایک ملازم کے ہاتھوں شہید ہوئے۔

(حبیب السیر: ۲/۴۵)

امام حسینؑ کی مکہ سے کربلا روانگی

جناب سید الشہداءؑ تین شعبان سن ساٹھ (۶۰) ہجری میں مکہ پہنچے اور آٹھ ذوالحجہ تک اسی شہر میں رہے۔اور اس عرصے میں مختلف شہروں سے آئے ہوئے شیعہ آپ کے وجود مسعود سے فیض حاصل کرتے رہے۔

جب ذوالحجہ کا مہینہ شروع ہوا تو حضرت نے احرام حج باندھا اور چونکہ یزید نے اپنے ایک خفیہ گروہ کو حج کے بہانے بھیج رکھا تھا کہ آپؑ کو گرفتار کر کے لے آئیں۔آپ نے احرام حج کو عمرہ میں تبدیل کر دیا اور عمرہ کے اعمال انجام دینے کے بعد عراق کی طرف عازم سفر ہوئے۔

(ارشاد:۲/۶۷،بحار الانوار:۴۴/۳۶۳،نفس المھموم/۱۶۲)

امام جعفر صادقؑ سے منقول چند معتبر احادیث میں ہے کہ جب امامؑ نے سمجھا کہ یہ مجھے نہیں چھوڑیں گے تو آپؑ نے عمرۂ مفردہ کے احرام باندھے اور عمرہ ادا کیا (یعنی حج کو عمرہ میں تبدیل نہیں کیا) (جلاء العیون/۳۶۹)

مرحوم سید فرماتے ہیں: مروی ہے کہ امام حسینؑ مکہ سے روانہ ہوتے وقت خطبہ کے ارادے سے کھڑے ہوئے اور فرمایا:

”اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ،مَاشَاءَ اللّٰهُ وَلَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَصَلَّى اللّٰه عَلٰى رَسُوْلِهِ ،خُطَّ الْمَوْتُ عَلٰى وُلْدِ آدَمَ مَخَطَّ الْقِلَادَةِ عَلٰى جِيْدِ الْفَتَاةِ“

”تعریف اللہ کے لئے ہے اور جو خدا چاہے وہی ہوتا ہے۔طاقت اور قوت نہیں ہے مگر اللہ کی طرف سے، اللہ کا درود ہو اس کے پیغمبرؐ پر فرزند آدم کے گلے میں

موت ایسے ہے جیسے کسی دوشیزہ کے گلے میں گلو بند میں اپنے گزشتگان کی
زیارت کا اس قدر مشتاق ہوں، جس قدر یعقوبؑ یوسفؑ کے دیدار کے مشتاق
تھے۔ مجھے مقررہ مقتل تک پہنچنا ہے"

گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ نواویس کے مابین سرزمین کربلا پر بیابان کے بھیڑیئے میرے جسم کے جوڑ جوڑ کو علیحدہ کر رہے ہیں۔ وہ اپنے خالی پیٹوں کو مجھ سے بھر رہے ہیں۔ (نواویس کی وضاحت زمین کربلا کے باب میں بیان ہو چکی ہے)

انسان کے جو مقدر میں ہو وہ ہو کر رہتا ہے۔ ہم خاندان رسالت خدا کی رضا پر راضی ہیں اور اس کی طرف سے آنے والی مصیبت پر صبر کرتے ہیں۔ اور خدا ہمیں اس صبر کا بہترین صلہ عطا فرمائے گا۔ رسول خداؐ کے جسم کا ٹکڑا ان سے جدا نہیں ہوگا اور حظیرۃ القدس سب ان کے پاس ہوں گے۔ تا کہ ان کی آنکھیں ان سے روشن ہوں اور ان سے کیا گیا وعدہ الٰہی سچ ثابت ہو۔

" أَلاَ وَمَنْ كَانَ بَاذِلاً فِينَا مُهْجَتَهُ ،مُوَطِّنًا عَلَى لِقَاءِ اللّٰهِ نَفْسَهُ فَلْيَرْحَلْ
مَعَنَا، فَاِنَّنِي رَاحِلٌ مُصْبِحًا اِنْشَاءَ اللّٰهُ "

"اور جو لقائے حق کی طلب میں خود کو تیار کئے ہوئے ہے وہ ہمارے ساتھ روانہ
ہو صبح ان شاء اللہ ہم کوچ کر جائیں گے"

(لہوف/۶۰، بحارالانوار: ۴۴/۳۶۶، مثیر الاحزان/۴۱، کشف الغمہ: ۲/۲۹، الموسوعہ/۳۲۸)

امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: جس رات امام حسینؑ (آئندہ) صبح مکہ سے کوچ کرنے کا ارادہ رکھتے تھے محمد بن حنفیہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے بھائی! آپ خود (بہتر) جانتے ہیں کہ اہل کوفہ نے آپؑ کے باپ اور بھائی سے کیا مکروفریب کیا۔ مجھے ڈر لگتا ہے کہ وہ کہیں آپؑ کے ساتھ بھی ویسا ہی سلوک نہ کریں۔ اگر آپ کی رائے مکہ مکرمہ میں ٹھہرنے کی ہے کہ جو حرم خدا ہے تو یہ عزیز و مکرم اور کوئی معترض جنابت نہیں ہوگا۔

امامؑ نے فرمایا: اے بھائی! مجھے خدشہ ہے کہ کہیں یزید مجھے قتل نہ کردے اور میرے قتل و خون ریزی سے خانۂ خدا کا احترام ضائع نہ ہو جائے۔

محمد حنفیہ نے کہا: اگر ایسا ہے تو آپؑ یمن کی طرف یا پھر کسی صحرا کی طرف نکل جائیں تاکہ کوئی آپؑ تک دسترس نہ حاصل کر سکے۔ امامؑ نے فرمایا: میں اس بارے میں غور کروں گا:

صبح کے وقت امام عالی مقام نے مکہ سے کوچ فرمایا: جب یہ خبر محمد حنفیہ کو ملی تو انہوں نے آ کر امام عالی مقامؑ کے ناقہ کی مہار پکڑ لی اور عرض کیا: آپ اتنی جلدی کیوں روانہ ہو رہے ہیں؟

فرمایا: جس وقت ہم جدا ہوئے تھے رسول خداؐ میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا:

"یاحُسَیْن اُخْرُجْ فَاِنَّ اللّٰہَ شَاءَ اَنْ یَراکَ قَتِیْلاً"

"اے حسینؑ روانہ ہو جاؤ بے شک اللہ چاہتا ہے کہ تمہیں اپنے راستے میں شہید ہوتا دیکھے"

(یہ جملہ آنحضرتؐ کی تکلیف حقیقی کی طرف اشارہ ہے کہ پہلے بھی اس کی طرف اشارہ ہو چکا ہے۔

محمد (حنفیہ) نے کہا: "اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ" اگر آپ شہادت کے ارادے سے جا رہے ہیں تو ان عورتوں کو ساتھ کیوں لے جا رہے ہیں؟

فرمایا:

"اِنَّ اللّٰہَ قَدْ شَاءَ اَنْ یَرٰیھُنَّ سَبَایَا"

"خدا کی مرضی اسی میں ہے کہ ان کو اپنے راستے میں اسیر دیکھے"

آپ نے یہ فرماتے ہوئے محمد بن حنفیہ سے الوداع کیا اور روانہ ہو گئے۔

(لہوف/۲۳، بحارالانوار: ۴۴/۳۶۴، الموسوعہ/۳۲۸/)

معتبر روایات میں ہے کہ عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن زبیر اور عبداللہ بن عمر بھی آپ کے سامنے حاضر ہوئے اور ہر کسی نے اصرار کے ساتھ آپؑ کو عراق کی جانب روانہ ہونے سے منع کیا۔ آپؑ نے سب کو جواب دیا اور وداع کیا۔

ابن عباس نے اضافہ کیا: اگر آپ کی رائے میں سفر پر جانا ہی ہے تو بچوں اور خواتین کو چھوڑ جایئے اور انہیں ساتھ نہ لے جایئے...... کہیں آپ کو ان کے سامنے ہی شہید نہ کر دیا جائے اور یہ سب وہ

منظر ملاحظہ کریں۔ امامؑ نے (یہ مشورہ) قبول نہ کیا اور اپنے اہل بیتؑ کو (اپنے ہمراہ) کربلا لے گئے۔

منقول ہے کہ اپنی شہادت کے روز آپؑ نے بیبیوں اور اپنی بہنوں کی طرف نگاہ کی تو دیکھا کہ وہ حالت اضطراب میں روتی پیٹتی خیام سے باہر آ رہی ہیں اور مقتولین کو دیکھ کر بین کر رہی ہیں۔ اور خود امامؑ عالی مقامؑ کو بھی حالت مظلومیت میں دیکھ کر رو رہی ہیں۔ اس وقت امامؑ نے ابن عباسؓ کی بات کو یاد کیا اور فرمایا:

"لِلّٰهِ دَرُّ ابْنِ عَبَّاسَ فِيمَا أَشَارَ عَلَيَّ بِهِ" (منتہی الآمال:۱/۳۲۲)

دوسرے لوگوں نے بھی مثلاً فرزدق نامی شاعر نے آپ کو (کربلا) روانہ ہونے سے منع کیا تھا جو آپ نے قبول نہ فرمایا اور عراق کی طرف روانہ ہو گئے۔

اس سے پہلے ہم تفصیل کے ساتھ بیان کر چکے ہیں کہ آپ کی تکلیف واقعی اور تکلیف ظاہری کا یہ تقاضا تھا کہ آپ حرم خدا سے نکلیں اور عراق کی طرف عازم سفر ہوں۔ تعجب تو یہ ہے کہ ابن عباس جیسے افراد آپ کے ہمراہ روانہ ہوئے۔

امام حسینؑ کی مکہ سے روانگی کے بعد جناب زینبؑ کے شوہر عبداللہ بن جعفر طیار نے اپنے دو بیٹوں عونؑ اور محمدؑ کو ایک خط کے ہمراہ آپؑ کے پیچھے بھیجا۔ اس خط میں یہ تحریر تھا:

"میں آپ کو خدا کی قسم دیتا ہوں کہ آپ اس سفر سے باز آ جائیں کیونکہ جس راستے پر آپ چل رہے ہیں یہ آپ کے لئے خطرناک ہے۔ ڈر ہے کہ کہیں آپ کو شہید نہ کر دیا جائے اور آپ کے اہل بیت بھی متاثر ہوں۔ اگر آپ ہمارے درمیان سے چلے جائیں گے تو زمین کی روشنی ختم ہو جائے گی۔ کیوں کہ آپ رہنوردوں کے لئے روشن چراغ اور مومنوں کے لئے پشت و پناہ ہیں جس راستے پر آپ جا رہے ہیں، جلدی مت کریں۔ میں خود اس خط کے بعد آپ کی خدمت میں پہنچنے والا ہوں۔

یہ خط ارسال کرنے کے بعد جناب عبداللہ عمرو بن سعید یزید کی طرف سے حاکم مکہ کے پاس گئے اور اس سے کہا کہ آنحضرتؑ کے لئے ایک امان نامہ لکھ دو۔ اور امام حسینؑ سے کہو کہ اس سفر سے واپس لوٹ آئیں۔ عمرو نے امامؑ کے لئے امان نامہ تحریر کر دیا اور صلہ (صلہ رحمی، صلہ

مودت) احسان اور حسن جوار کا وعدہ کیا اور لکھا کہ آپ واپس آ جائیں اس نے یہ نامہ اپنے بھائی یحییٰ بن سعید کے ہاتھ روانہ کیا۔

جناب عبداللہ بن جعفر یحییٰ کے ہمراہ چلے اور یہ امان نامہ امام تک پہنچایا اور اس سفر سے مراجعت پر اصرار کیا۔ امام نے عمرو بن سعید کے نامہ کے جواب کے بعد فرمایا: میں نے رسول خداؐ کو خواب میں دیکھا ہے۔ انہوں نے مجھے حکم دیا ہے اور میں اس حکم کی تعمیل میں روانہ ہوا ہوں ۔ وہ کہنے لگے : خواب کیا تھا ؟ فرمایا میں نے یہ خواب کسی کو نہیں بتایا اور نہ ہی بعد میں بتاؤں گا ۔ تا اینکہ میں اپنے خدا سے ملاقات کر لوں۔

جب عبداللہ بن جعفر آپ کے جواب سے مایوس ہو گئے تو اپنے دو بیٹوں عونؑ و محمدؑ کو حکم دیا کہ آنحضرتؐ کے ملازم بن کر آپ کے ہمراہ روانہ ہو جاؤ اور آپ کے ہمراہ شمشیر زنی کرنا اور خود یحییٰ کے ساتھ واپس مکہ چلے گئے۔

(تذکرۃ الشہداء/۸۴ میں تحریر ہے کہ عبداللہ بن جعفر ضعیفی اور بیماری کے سبب امام حسینؑ کے ساتھ نہ جا سکے)

امام عالی مقامؑ تیزی کے ساتھ عراق روانہ ہو گئے اور منزل ذات عرق تک کہیں توقف نہ فرمایا:

(ارشاد: ۲/۷۰، بحار الانوار: ۴۴/۳۶۶ الموسوعۃ/۳۳۲ وغیرہ)

وہاں آپؑ نے بشیر بن غالب سے ملاقات کی جو عراق سے آیا ہوا تھا۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ اہل عراق کے کیا حالات ہیں ؟ وہ کہنے لگا : ان کے دل آپ کے ساتھ ہیں اور تلواریں بنی امیہ کے ساتھ۔

امامؑ نے فرمایا: برادر بنی اسد نے سچ کہا ہے۔ جو خدائے متعال کی مشیت میں ہو وہی انجام پاتا ہے اور جو وہ ارادہ فرماتا ہے اسی کا حکم دیتا ہے۔

(بحار الانوار: ۴۴/۳۶۷، لہوف/۶۹، مثیر الاحزان/۴۲)

جب ابن زیاد کو امام حسینؑ کی آمد کی خبر ملی تو اس نے حصین بن نمیر رئیس پولیس کو ایک کثیر لشکر کے ساتھ قادسیہ بھیجا (جو کوفہ سے پندرہ فرسخ کے فاصلے پر ہے) اور اس نے ایک طرف

سے قادسیہ سے خفان تک اور دوسری طرف سے قادسیہ تا قطقطانیہ کو اپنے لشکر سے بھر دیا۔ (اور اس نے تمام علاقے کو اپنے کنٹرول میں لے کر نگرانی شروع کردی) اور لوگوں سے کہا: حسینؑ عراق کی طرف بڑھ رہے ہیں (تیار ہو جاؤ)

امام عالی مقامؑ نے ذات عرق سے کوچ کیا اور جب مقام حاجز' جو بطن الرمہ کا ایک مقام ہے، پر پہنچے (ابھی جناب مسلم کی شہادت کی خبر آپ تک نہیں پہنچی تھی) تو قیس بن مسہر صیداوی اور ایک دوسرے قول کے مطابق: عبداللہ بن یقطر) کو ایک خط دے کر کوفہ بھیجا اور اس خط میں اہل کوفہ کو لکھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ حسین بن علی کا اپنے مومن اور مسلمان بھائیوں کے نام ایک خط ہے۔ سلام کے بعد حمد وثنائے پروردگار مسلم کا خط مجھے پہنچا' جس سے تم لوگوں کی نیک اندیشی، ہماری امداد پر اتفاق اور ہمارے حق سے وابستگی کی خبر ہوئی۔ میں خدائے متعال سے دعا گو ہوں کہ وہ ہمارے کام کو نیک فرمائے اور اس بارے میں تمہیں بہترین صلہ دے۔ میں منگل کے دن آٹھ ذوالحجہ یعنی روز ترویہ کو مکہ سے تمہاری طرف سفر پر روانہ ہوا ہوں۔ جب یہ قاصد تم تک پہنچے تو اپنے کام میں جلدی کرنا اور کوشش کرنا کیونکہ میں اسی روز تم تک پہنچنے والا ہوں۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ اس خط کے لکھنے کا سبب یہ تھا کہ جناب مسلم نے اپنی شہادت سے ستائیس (۲۷) دن پہلے آپ کو خط لکھا جس میں اہل کوفہ کی اطاعت اور تعاون کا اظہار کیا گیا تھا۔ نیز کے اہل کوفہ نے لکھا تھا کہ یہاں آپ کے لئے ایک لاکھ تلواریں آپ کی امداد کے لئے تیار ہیں۔ آپ انتظار نہ کریں اور جلد از جلد ہماری طرف چلے آئیں۔ جب قیس نامی قاصد یہ خط لے کر قادسیہ پہنچا تو حصین بن نمیر نے اسے پکڑ لیا اور جب اس نے تفتیش کرنا چاہی تو قیس نے خط نکالا اور پرزے پرزے کر دیا۔ حصین نے اس کو عبداللہ ابن زیاد کے پاس بھیج دیا۔

ابن زیاد نے پوچھا تو کون ہے؟ قیس نے کہا: میں امیر المومنینؑ اور ان کے بیٹے کے

شیعوں میں سے ہوں۔ ابن زیاد نے سوال کیا؟ تو نے خط کیوں پھاڑ دیا ہے؟ کہا: تا کہ تو اس کے مضمون سے آگاہ نہ ہو سکے۔ اس نے پوچھا: یہ کس کا خط تھا اور کس کے نام تھا؟ کہا: امام حسینؑ کا تمام اہل کوفہ کے نام، کہ جن کے نام میں نہیں جانتا۔

ابن زیاد غصے میں آ گیا اور کہنے لگا: میں تمہیں اس وقت تک نہیں چھوڑوں گا جب تک کہ تو ان افراد کے نام نہیں بتائے گا یا منبر پر چڑھ کر حسینؑ ابن علیؑ، ان کے باپؑ اور بھائیؑ کو برا بھلا نہیں کہے گا۔ قیس نے کہا: میں نہ تمہیں ان لوگوں کے نام بتاؤں گا اور نہ حسینؑ اور ان کے والد اور بھائی پر لعن طعن کے لئے تیار ہوں۔

قیس منبر پر گئے اور خدائے متعال کی حمد وثنا کے بعد کہا:

اے اہل کوفہ! حسینؑ بن علی خدا کے بہترین بندے، فرزند فاطمہؑ بنت رسول خداؐ ہیں (کہ جو تمہاری طرف آ رہے ہیں) میں ان کی طرف سے تمہاری طرف بھیجا گیا ہوں ان کا استقبال کرو پھر ابن زیاد اور اس کے باپ پر لعنت اور حسین ابن علیؑ پر خدا کی رحمت چاہی اور ان پر درود بھیجا۔

یہ ماجرا ابن زیاد کو بتایا گیا تو اس نے حکم دیا کہ اسے محل کے اوپر سے نیچے پھینک دیا جائے۔ جب وہ نیچے گرے تو ان کی ہڈیاں ٹوٹ گئیں اور روح پاک جوار الٰہی میں پہنچ گئی۔

بعض لوگوں کا کہنا ہے: انہیں دست بستہ زمین پر پھینک دیا گیا جس سے ان کی ہڈیاں ٹوٹ گئیں اور ابھی ان میں کچھ رمق تھی کہ عبدالملک بن عمیر نے انہیں شہید کر دیا۔

جب ان کی شہادت کی خبر امام حسینؑ نے سنی تو آپ کے آنسو جاری ہو گئے۔ آپ نے فرمایا: خداوندا! ہمارے اور ہمارے شیعوں کو نیک مقام عطا فرما۔ اور ہمیں اپنی رحمت کے درمیان جگہ دے کہ تو ہر چیز پر قادر ہے۔

(ارشاد: ۲/۷۱، لہوف/۷۵، بحارالانوار: ۴۴/۳۶۹، مثیر الاحزان/۴۲، الموسوعہ/۳۳۹)

قیس بن مسہر صیداوی نہایت شریف، بہادر اور اہل بیتؑ کی محبت سے سرشار انسان تھے جب ان کی شہادت کی خبر امام حسینؑ کو پہنچی تو بے اختیار آپؑ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور آپ نے فرمایا:

"فَمِنْهُمْ مَنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَنْ يَنْتَظِرُ "(سورۂ احزاب، آیہ۲۳)

"ان میں سے بعض مومن اس عہد (جنگ سے عدم فرار) پر ڈٹے رہے اور شہید ہو گئے، اور بعض منتظر رہے کہ وفا کریں"

جناب کمیت انہیں اپنی شاعری میں شیخ بنی صیدا کے نام سے تعبیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں

"وَشَيْخُ بَنِي الصَّيْدَا قَدْ فَاظَ بَيْنَهُمْ"

"بنی صیدا کا بزرگ ان کے درمیان دم توڑ گیا" (منتہی الآمال: ۱/۳۴۴)

دو نسلیں صیداوی کہلاتی ہیں ایک لبنان کے شہر صیدا سے منسوب جو صور کے پاس ہے اور دوسری "صیدا" نیای بنی الصیدا کہ ناجیہ بن حیان بن بشر صیداوی ہے قیس بن مسہر دومان بنی الصید اور خاندان ناجیہ صیداوی تھے۔ اس لئے کمیت نے انہیں بنی صیدا کے بزرگ سے تعبیر کیا ہے۔

(انساب سمعانی: ۸/۱۱۹)

اس بیابان میں پانی تک پہنچیں۔ وہاں عبداللہ بن مطیع عدوی کو دیکھا کہ پانی کے کنار چلا آرہا تھا۔ جب اس نے امام علیہ السلام کو دیکھا تو آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا: اے رسول خدا کے بیٹے! میرے ماں باپ آپ پر قربان۔ آپ کو کیا چیز اس سرزمین پر کھینچ لائی ہے اس نے امام کو پکڑ کر گھوڑے سے اتارا۔

امامؑ نے فرمایا: جیسا کہ تم جانتے ہو کہ معاویہ ہلاک ہو گیا ہے اور عراق کے لوگوں نے مجھے خط لکھ کر اپنی طرف بلایا ہے۔

عبداللہ بن مطیع نے عرض کیا: اے فرزند رسولؐ! میں آپ کو خدا کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ حریم اسلام (آپ کی شہادت) کے سبب پارہ پارہ ہو جائے گا۔ میں آپ کو حرمت قریش کے باب میں خدا کی قسم دے کر کہتا ہوں۔ میں آپ کو حرمت عرب کے باب میں خدا کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ (خلافت وحکومت) بنی امیہ کے ہاتھ میں ہے، وہ آپ کو قتل کر دیں گے۔ اور آپ کو شہید کرنے کے بعد کسی شخص کی پروا نہیں کریں گے اور انہیں کسی کا خوف نہیں رہے گا:

خدا کی قسم! حرمت اسلام، حرمت قریش اور حرمت عرب تباہ ہو جائے گی۔ پس آپ

کوفہ مت جائیں اور بنی امیہ کے مقابلے میں نہ اتریں۔ امامؑ نے اس کی بات نہ مانی اور یہ آیت تلاوت فرمائی:

"قُلْ لَنْ يُصِيبَنَا إِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا "(سورہ توبہ، آیہ ۵۱)

"کہو: سوائے اس کے کوئی چیز مجھ تک نہ پہنچے گی جو خدا نے میرے مقدر میں لکھ دی ہے۔ اور اپنے راستے پر چل دیئے۔

اس طرف ابن زیاد نے حکم دیا کہ تمام راستوں کو جن میں راہ واقصہ (مکہ کے راستے میں ایک جگہ کا نام) شام کا راستہ اور بصرہ کا راستہ ہے سب کو بند کر دو اور کسی کو ان راستوں سے باہر نکلنے یا اندر داخل نہ ہونے دو۔

امام حسینؑ اپنے راستے پر چلتے رہے آپ ظاہراً کوفہ کے حالات سے باخبر نہ ہوئے تھے۔ راستے میں آپ کو کچھ اعراب اور صحرا نشین ملے آپ نے ان سے پوچھا: کیا خبر ہے؟ وہ کہنے لگے: خدا کی قسم ہمیں اس کے علاوہ کچھ خبر نہیں ہے کہ ہمارے راستے بند کر دیئے گئے ہیں۔ ہم باہر نکل سکتے ہیں اور نہ اندر جا سکتے ہیں امام عالی مقامؑ نے اپنا سفر جاری رکھا۔

(ارشاد: ۲/۷۳، بحارالانوار: ۴۴/۳۷۰، الموسوعۃ/۳۳۰)

امامؑ سے زہیرؓ کی ملاقات

قبیلہ فزارہ اور قبیلہ بجلیہ سے منقول ہے کہ ہم زہیر بن قین کے ہمراہ مکہ سے اپنے وطن کی طرف واپس آ رہے تھے ۔ ہمارا قافلہ امام حسینؑ کے پیچھے پیچھے تھا ۔ اور جس جگہ آپؑ پڑاؤ کرتے ہم اس سے ذرا ہٹ کر کسی دوسری جگہ ٹھہر جاتے (کیونکہ ہم امام حسینؑ کے ساتھ چلنے سے کتراتے تھے)

ان منازل میں سے ایک منزل پر جہاں امام حسین ٹھہرے ہوئے تھے' ہمارے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ ہم بھی وہیں ٹھہریں ۔ ہم کھانا کھانے میں مصروف تھے کہ اچانک امامؑ کی طرف سے ایک فرستادہ ہماری طرف آیا ۔ اس نے سلام کیا اور کہنے لگا : اے زہیر بن قیس ! ابا عبداللہ حسینؑ نے مجھے آپ کو بلانے کے لئے بھیجا ہے ۔

جوں ہی یہ پیغام پہنچا' ہم پر ایک دہشت سی طاری ہوگئی، اور ہاتھوں سے لقمے گر گئے ۔ ہم ساکت و خاموش اور حیرت زدہ تھے ۔ گویا ہمارے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں ۔

زہیر کی بیوی دیلم (دلہم) بنت عمرو تھی ۔ وہ زہیر سے کہنے لگی : سبحان اللہ ! رسول خداؐ کے بیٹے نے تمہیں بلایا ہے اور تم ان کی دعوت قبول نہیں کرتے ؟

جاؤ اور ان کی بات سنو ۔

زہیر امام عالی مقامؑ کے پاس پہنچے اور تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ خوش و خرم اور نورانی چہرہ لیے واپس آ گئے ۔ آپ نے حکم دیا کہ خیمہ اکھاڑ دیا جائے اور سامان اٹھا کر امام عالی مقامؑ کے خیام کے نزدیک لے جا کر لگایا جائے ۔ پھر اپنی بیوی سے کہا : میں تمہیں طلاق دیتا ہوں ۔ تم اپنے میکے

چلی جاؤ کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ تم میری وجہ سے پریشان ہو اور تمہیں کوئی تکلیف پہنچے۔ میں امام حسینؑ کی ہمراہی کا ارادہ کر چکا ہوں' تا کہ میں ان پر جان قربان کر سکوں اور ان کے لئے ڈھال بن سکوں۔

اس کے بعد جو مال ان کی زوجہ کے متعلق تھا اسے دیا اور اسے اپنے کچھ چچازاد بھائیوں کے سپرد کر دیا۔ تا کہ وہ اسے اس کے خاندان تک پہنچا دیں۔ زہیر کی بیوی اپنی جگہ سے اٹھی اور روتے ہوئے زہیر سے الوداع کیا اور کہا: خدا آپ کا یار و مددگار ہو اور آپ کو ہر طرح کی خیر و برکت سے نوازے، میری خواہش ہے کہ آپ روز قیامت حسینؑ علیہ السلام کے ناناؐ کے پاس مجھے بھی یاد رکھنا۔

(تذکرۃ الخواص سبط ابن جوزی میں ہے کہ زہیر بن قین امام حسینؑ کے ساتھ شہید ہوئے اور ان کی بیوی نے اپنے غلام سے کہا: کفن لے جاؤ اور اپنے آقا کو پہناؤ۔ جب وہ میدان میں گیا اور امامؑ کو برہنہ دیکھا تو کہنے لگا: میں اپنے آقا کو تو کفن پہناؤں اور امام حسینؑ کو چھوڑ دوں! نہیں خدا کی قسم نہیں۔ اس نے وہ کفن امام حسینؑ کو پہنا دیا اور اس کے بعد اپنے آقا کو دوسرا کفن پہنایا۔ (بحوالہ نفس المہموم ۱۸۲)

اس وقت زہیر نے اپنے دوستوں سے کہا جو کوئی مجھے دوست رکھتا ہے وہ میرے ساتھ چلے وگرنہ یہ اس سے میری آخری ملاقات ہے۔

(لہوف/۷۱، بحار الانوار: ۴۴/۳۷۱، ارشاد/۲/۷۳)

امامؑ کو مسلم و ہانی کی شہادتوں کی خبر کا ملنا

سید بن طاؤس نے نقل کیا ہے: امام حسینؑ اس منزل سے روانہ ہو کر جب منزل زبالہ پر پہنچے تو آپ کو جناب مسلم کی شہادت کی خبر ملی۔ امامؑ نے اپنے پیچھے آنے والوں کو مسلم کی شہادت کی خبر دی۔ وہ لوگ جو آپ کے ساتھ دنیا کے لالچ میں آ رہے تھے اور جن کا یقین کامل نہیں تھا' یہ خبر سن کر امامؑ کا ساتھ چھوڑ گئے اور صرف آپ کے اہل خاندان اور بزرگ اصحاب باقی رہ گئے۔

راوی کہتا ہے: جب جناب مسلم کی شہادت کی خبر موصول ہوئی تو گریہ و شیون کی صداؤں سے بیابان گونج اٹھا اور اشکوں کا سیلاب جاری ہو گیا۔

اس کے بعد امام حسینؑ پھر اس مقصد کی طرف چل دیئے جس کی خدا نے ان کو دعوت دی تھی۔ فرزدق شاعر آپؑ کی خدمت میں آیا، آپ کو سلام کیا اور عرض پرداز ہوا: اے فرزند رسول خدا! آپ اہل کوفہ پر اعتماد کیونکر کر رہے ہیں۔ یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے آپ کے چچازاد بھائی مسلم بن عقیل اور ان کے ساتھیوں کو شہید کر دیا ہے۔ امامؑ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور آپ نے فرمایا: خدا مسلم پر اپنی رحمت نازل فرمائے۔

"فَلَقَدْ صارَ اِلٰی رَوْحِ اللّٰهِ وَرَیْحانِه وَجَنَّتِهِ وَرِضْوَانِهِ اَما اِنَّهُ قَدْ قَضٰی ما عَلَیْهِ وَبَقِیَ ما عَلَیْنا"

"وہ اللہ تعالیٰ کے روح و ریحان اور بہشت و رضوان کی طرف پلٹ گئے، انہوں نے اپنا فرض ادا کر دیا اور اب ہماری باری ہے کہ جو ہمارے ذمے ہے اسے انجام دیں"

اس کے بعد کچھ اشعار انشا فرمائے۔ (لہوف/۷۳)

شیخ مفیدؒ نے عبداللہ بن سلیمان اسدی اور منذر بن مشمعل سے روایت کی ہے کہ وہ کہتے ہیں: جب ہم اعمال حج سے فارغ ہوئے تو ہماری پوری کوشش تھی کہ راستے میں حسین علیہ السلام تک جا پہنچیں اور دیکھیں کہ آخر کار ان کا معاملہ کہاں تک پہنچتا ہے۔ ہم کوفہ کے راستے پر چل پڑے اور اپنے اونٹوں کو تیزی سے بھگا رہے تھے، تاکہ منزل زرود (جو ثعلبیہ کے نزدیک ہے) پر آپؑ تک جا پہنچیں۔ اہل کوفہ میں سے ایک شخص آتا ہوا دکھائی دیا۔ جب اس نے امامؑ کو دیکھا تو اپنا راستہ بدل لیا۔

امام کھڑے ہو گئے، گویا اس سے ملنا چاہتے تھے۔ لیکن جب اس کی طرف سے مایوس ہو گئے تو وہاں سے چل دیئے۔ ہم بھی آپ کے پیچھے پیچھے چلتے رہے۔

ہم میں سے ایک نے کہا: کیا ہی اچھا ہو کہ اگر ہم چل کر اس سے کوفہ کے حالات و واقعات دریافت کریں کہ وہ ان سے باخبر ہے۔ ہم اس کوفی شخص تک پہنچے۔ اسے سلام کیا اور پوچھا: تم کس قبیلے سے تعلق رکھتے ہو؟ کہنے لگا: بنی اسد سے، ہم نے کہا: ہم بھی اسی قبیلہ سے ہیں اور اپنا تعارف کروایا۔ پھر ہم نے اس سے اہل کوفہ کے بارے میں پوچھا: کہنے لگا کہ میں ابھی کوفہ ہی میں تھا کہ مسلم و ہانی قتل کر دیئے گئے، اور میں نے دیکھا کہ ان دونوں کو پاؤں سے پکڑ کر بازار میں پھرایا جا رہا تھا۔

ہم نے اس سے جدا ہو کر اپنا سفر جاری رکھا اور رات کو منزل ثعلبیہ پر جا پہنچے۔ اسی وقت امامؑ وہاں اترے، ہم نے ان کی خدمت میں پہنچ کر سلام کیا اور کہا: ہمارے پاس ایک خبر ہے، اگر آپ کہیں تو علانیہ کہہ دیں ورنہ تنہائی میں عرض کریں۔ امامؑ نے ہم پر اور اپنے اصحاب پر نظر دوڑائی اور فرمایا: میرے اور ان کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہے (یعنی میں ان سے کوئی راز پوشیدہ نہیں رکھتا)۔

پس ہم نے اس کوفی شخص سے اپنی ملاقات اور اس سے ملنے والی اطلاع کا ذکر آپؑ سے کیا۔ جب امامؑ نے ان دونوں کی شہادت کی خبر سنی تو فرمایا (اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ) ان پر خدا کی رحمت ہو اور اس بات کو چند بار دہرایا۔

ہم نے عرض کیا: ہم آپؑ کو خدا کی قسم دے کر کہتے ہیں کہ اپنے اہل بیتؑ کے ساتھ اسی جگہ سے پلٹ جائیں۔ کیونکہ کوفہ میں آپ کا کوئی شیعہ اور مددگار نہیں رہا۔ بلکہ ہم خائف ہیں کہ وہ سبھی آپ کے خلاف ہوں گے۔

امامؑ نے عقیل کے بیٹوں کی طرف نگاہ کی اور فرمایا: مسلم شہید ہوگئے ہیں۔ آپ کی کیا رائے ہے؟ وہ کہنے لگے: خدا کی قسم! ہم واپس نہیں جائیں گے' جب تک کہ اپنے خون کا انتقام نہ لے لیں یا جس (موت) کو انہوں نے چکھا ہم بھی اسے نہ چکھ لیں۔

امامؑ نے ہماری طرف منہ کر کے فرمایا: ان کے بعد زندگی کا کچھ مزا نہیں۔ ہم سمجھ گئے کہ آپ جانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ہم نے عرض کیا: خدا آپ کو خیر و سلامتی سے رکھے۔ فرمایا: خدا تم پر بھی رحمت کرے۔

آپؑ کے اصحاب نے عرض کیا: آپؑ مسلم بن عقیل کی مانند نہیں ہیں (یعنی امامؑ ہیں) اگر آپ کوفہ پہنچیں گے تو لوگ آپ کی طرف دوڑیں گے اور آپ کے مددگار ہوں گے۔ امام خاموش ہوگئے۔ (ارشاد:۲/۷۵، مقتل خوارزمی:۱/۲۲۸، الموسوعہ/۳۴۳)

بعض تواریخ سے منقول ہے کہ مسلم بن عقیل کی ایک تیرہ سالہ بیٹی تھی جو امام حسینؑ کی بیٹیوں کے ساتھ رہتی تھی اور شب و روز ان سے مصاحبت کرتی تھی۔

جب امامؑ نے جناب مسلمؑ کی شہادت کی خبر سنی تو آپ خیمے میں آئے اور مسلم کی بیٹی کو بلایا اور اس سے بہت محبت سے پیش آئے اور اس پر معمول سے زیادہ شفقت فرمائی (اس کے سر اور پیشانی پر اس طرح دست محبت پھیرا جس طرح یتیموں پر نوازش کی جاتی ہے)

دختر مسلم نے کہا: فرزند رسولؐ! آپ مجھ سے یتیموں کی سی ملاطفت اور عطوفت فرما رہے ہیں! کیا میرے بابا مسلم شہید کر دیئے گئے ہیں؟

امامؑ نے فرمایا: بیٹی! غم زدہ نہ ہوں، اگر مسلم نہیں رہے تو میں جو تمہارا باپ ہوں اور میری بہن تمہاری ماں اور میری بیٹیاں تمہاری بہنیں اور میرے بیٹے تمہارے بھائی۔ جناب مسلم کی بیٹی نے فریاد بلند کی اور زار و قطار رونا شروع کیا اور ان کے بیٹے سروں سے عمامے اتار کر بلند آواز میں

گریہ کرنے لگے۔ تمام اہل بیتؑ ان کی اس مصیبت میں ان کے ساتھ شامل تھے اور سبھی سوگوار تھے۔
امام حسینؑ جناب مسلم کی شہادت سے بہت رنجیدہ ہوئے۔ (منتہی الآمال:۱/۳۲۷)

سید بن طاؤسؒ کے بیان کے مطابق: امام حسینؑ نے سفر جاری رکھا اور ظہر کے وقت ثعلبیہ کے مقام پر جا پہنچے۔ آپ نے سر تکیے پر رکھا اور سو گئے۔ جب بیدار ہوئے تو فرمایا: میں نے دیکھا ہے کہ ایک ہاتف آواز دے رہا تھا:

"اَنْتُمْ تَسْرَعُوْنَ وَالْمَنَایَا تَسْرَعُ بِکُمْ اِلَی الْجَنَّةِ"

"تیز تیز چلو تاکہ موت تمہیں تیزی کے ساتھ بہشت کی طرف لے جائے"

آپؑ کے بیٹے علی اکبرؑ نے عرض کیا:

یا اَبَةِ، اَفَلَسْنَا عَلَی الْحَقِ؟ فَقَالَ: بَلٰی یابُنَیَّ وَاللّٰهِ الَّذِی اِلَیْهِ مَرْجَعُ الْعِبَادِ

"بابا جان! کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ فرمایا: ہاں میرے بیٹے، اس خدا کی قسم جس کی طرف بندوں کی بازگشت ہے ہم حق پر ہیں۔ علی اکبرؑ نے عرض کیا:

"یا اَبَةِ، اِذًا لاَ نُبَالِی بِالْمَوْتِ"

"بابا جان! اگر ایسا ہی ہے تو ہمیں موت کا خوف ہرگز نہیں ہے"

امام حسینؑ نے فرمایا: میرے بیٹے! جو ایک باپ بیٹے کو دے سکتا ہے خدا تمہیں اس میں سے بہتر صلہ عطا فرمائے۔ البتہ شیخ مفیدؒ اسی روایت کو اس صورت میں لائے ہیں کہ عقبہ بن سمعان لکھتا ہے۔ جب ہم قصر بنی مقاتل سے گزرے تو امام عالی مقامؑ گھوڑے پر سواری کے دوران ہی میں کچھ دیر سو گئے۔ جب بیدار ہوئے تو استرجاع فرمایا یعنی (انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا): آپ کے بیٹے علی اکبر نے اس کا سبب پوچھا تو آپؑ نے فرمایا: مجھے ایک سوار نظر آیا ہے جو کہہ رہا تھا: "اَلْقَوْمُ یَسِیْرُوْنَ وَالْمَنَایَا تَسِیْرُ اِلَیْهِمْ" یہ جماعت چل رہی ہے اور موت اس کے پیچھے پیچھے ہے" (ارشاد:۲/۸۳)

امام حسینؑ نے فرمایا: اے ابو ہرہ! بنی امیہ نے میرا مال چھین لیا میں نے صبر کیا، مجھے گالیاں دیں اور ہماری آبرو کو بٹہ لگایا میں نے پھر بھی تحمل کیا۔ اس کے بعد وہ میرا خون بہانے کے

درپے تھے لہٰذا میں وہاں سے نکل آیا:

"وَاَیْمُ اللّٰهِ لَیَقْتُلُنِی الْفِئَةُ الْبَاغِیَةُ"

"اور خدا کی قسم! آخرکار یہ ظالم گروہ مجھے قتل کرکے ہی رہے گا"

خدا انہیں ذلت کا لباس پہنائے گا جو ان کے سراپوں کو ڈھانپ لے گا۔ ان پر کاٹ دار تلوار کا عذاب اترے گا۔ اور آخرکار خدا ان پر کسی کو مسلط کردے گا کہ جو قوم سبا سے ہوگا۔ جس قوم کے افراد پر عورت حکومت کرتی تھی اور ان کے مال و اسباب پر اختیار رکھتی تھی۔ یہ ذلیل ہوں گے۔ اس کے بعد وہ یہاں سے چلا جائے گا۔ (لہوف/۷۰، بحارالانوار: ۴۴/ ۳۶۷، مقتل خوارزمی: ۱/ ۲۲۶)

کلینی مرحوم نے حکم بن عتیبہ سے روایت کی ہے کہ جس وقت امام حسینؑ کربلا کی طرف روانہ ہوئے ایک شخص نے ثعلبیہ میں ان سے ملاقات کی اور انہیں سلام کیا۔ امام حسینؑ نے اس سے فرمایا: تم کس شہر سے ہو؟ کہنے لگا: کوفہ سے۔

امام نے فرمایا: اگر تم مدینہ میں میرے پاس آتے تو میں اپنے گھر میں تمہیں وہ مقام دکھاتا جہاں جبرئیلؑ میرے جد پر وحی لے کر نازل ہوتے تھے۔ اے کوفی بھائی! اگر آب حیات اور علم کا سرچشمہ ہمارے گھر میں ہو اور لوگ ہم سے علم حاصل کریں، تو کیا وہ عالم ہو جائیں گے اور ہم جاہل؟ یہ ناممکن بات ہے۔ (اصول کافی: ۱/ ۳۲۸ باب ان مستقی العلم من بیت آل محمدؐ ح ۲)

شیخ مفیدؒ وغیرہ کی روایت کے مطابق: جب صبح ہوئی تو امامؑ نے اپنے جوانوں اور غلاموں سے فرمایا: بہت سا پانی (مشکیزوں میں) بھر لو۔ انہوں نے ایسا ہی کیا اور وہاں سے روانہ ہوگئے۔ جب منزل زبالہ پر پہنچے تو وہاں جناب عبداللہ بقطر کی شہادت کی خبر رسید ہوئی کہ جو بعض کے اقوال کے مطابق کوفہ کے لوگوں کی طرف آپ کے نامہ بردار تھے اور قبل ازیں ان کی طرف اشارہ ہو چکا ہے۔ جب آپ نے یہ جاں سوز خبر سنی تو اپنے اصحاب کو جمع فرمایا اور ایک خط نکالا اور انہیں پڑھ کر سنایا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

امابعد، تحقیق ایک دہشت انگیز خبر ہم تک پہنچی ہے اور یہ خبر حضرت مسلم بن عقیل، ہانی بن عروہ اور عبداللہ بن بقطر کی خبر ہے۔ ہمارے شیعہ ہماری حمایت سے دستبردار ہوگئے ہیں۔ پس جو

چاہے واپس چلا جائے اور ہم سے علیحدہ ہو جائے۔ اس پر کوئی عذر نہیں ہے اور نہ ہی کوئی عہد ہے۔

بہت سے لوگ جو مال (غنیمت) اور آسائش دنیا کے لالچ میں آپ کے ہمراہ آئے تھے یہ بات سن کر منتشر ہو گئے اور دائیں بائیں راہ بیاباں اختیار کی۔ اور صرف وہ لوگ جو مدینہ سے آپ کے ہمراہ آئے تھے جن میں آپ کے اہل بیتؑ، عزیز و اقارب اور کچھ ایسے لوگ شامل تھے جو آپ پر یقین و ایمان رکھتے ہوئے آپ کے ساتھ آئے تھے۔ اور بہت کم لوگ ایسے تھے جو راستے میں آپ سے آملے تھے۔

امام علیہ السلام نے یہ کام اس لئے کیا کہ کچھ اعرابیوں کا یہ خیال تھا کہ ہم جس شہر میں جائیں گے وہاں کے حالات بہترین ہوں گے اور لوگ آپ کی فرماں روائی میں آجائیں گے۔ امام نہیں چاہتے تھے کہ ایسے لوگ آپ کے ہمراہ ہوں مگر صرف وہی لوگ جو جانتے ہیں کہ کیا درپیش آنے والا ہے۔ (ارشاد: ۲/۷۶، تاریخ طبری: ۵/ ۳۹۸ الموسوعہ/ ۳۳۸)

شاید اسی وجہ سے آپ حضرت یحییٰؑ کو بہت یاد فرماتے تھے جو اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آپ ان کی مانند قتل کئے جائیں گے اور آپ کے سر کو (حاکم کے سامنے) پیش کیا جائے گا۔

امام سجادؑ سے روایت ہے کہ آپ فرماتے: ہم امام حسینؑ کے ساتھ مکہ سے نکلے تو آپ جہاں بھی قیام پذیر ہوئے اور جب بھی کوچ فرمایا حضرت یحییٰؑ بن زکریاؑ کو یاد فرماتے تھے۔

ایک دن فرمایا: خدا تعالیٰ کے نزدیک دنیا کی پستی میں سے ایک یہ بھی تھی کہ جناب یحییٰؑ کے سر کو بنی اسرائیل کے ایک حرام زادے کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کیا گیا۔

(بحار الانوار: ۴۵/ ۸۹ ب ۳۷ ح ۲۸، مناقب ابن شہر آشوب: ۴/ ۸۵)

جب صبح ہوگئی تو امامؑ نے اپنے ہمراہیوں کو حکم دیا کہ پانی کا ذخیرہ کرلیں۔ آپ وہاں سے روانہ ہو کر بطن عقبہ میں پہنچے اور وہاں قیام فرمایا۔

وہاں آپ کی بنی عکرمہ کے ایک بزرگ سے ملاقات ہوئی جس کا نام عمرو بن لوذان تھا۔ اس نے کہا: آپ کہاں جا رہے ہیں؟ امام نے فرمایا: کوفہ کی طرف۔ بوڑھے نے کہا: میں آپؑ کو خدا کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ آپ واپس چلے جائیں۔ کیونکہ خدا کی قسم تم نہیں جا رہے مگر نیزوں کی

انیوں اور کاٹ دینے والی تلواروں کی طرف۔ اور جن لوگوں نے آپ کی طرف قاصد بھیجے اور آپ کو اپنی طرف بلایا ہے۔ اگر وہ دشمن سے جنگ کرتے آپ کی حمایت کرتے، آپ کے ساتھ تعاون کے لئے تیار ہوتے اور آپ کی طرف نظریں جمائے ہوئے ہوتے تو آپ ان کی طرف چلے جاتے تو ٹھیک تھا۔ لیکن اس حالت میں میں آپ کو کوفہ جانے کا مشورہ نہیں دیتا۔

امامؑ نے فرمایا: اے بندۂ خدا! جو کچھ تو سوچ رہا ہے وہ مجھ سے پوشیدہ نہیں ہے۔

"وَاِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی لاَ یُغْلَبُ عَلٰی اَمْرِہٖ"

"اور خداوند متعال اپنے کام میں مغلوب نہیں ہوگا"

یعنی جو ارادہ خدا میں ہے، سوا اس کے کچھ نہیں ہوگا۔

اس کے بعد فرمایا: خدا کی قسم! وہ لوگ مجھے نہیں چھوڑیں گے جب تک کہ وہ میرے سینے سے یہ خون شدہ دل نکال نہ لیں اور میرا خون نہ بہا لیں اور جب وہ ایسا کر چکیں گے تو خدا ان پر کسی ایسے شخص کو مسلط کر دے گا، جو انہیں اس قدر ذلیل وخوار کرے گا کہ وہ پست ترین لوگوں میں سے ہو جائیں گے۔ (ارشاد: ۲/۷۷، بحار الانوار: ۴۴/۳۷۵)

ابن قولویہ نے امام صادقؑ سے روایت کی ہے کہ جب امام حسینؑ بطن عقبہ سے آگے بڑھے تو اپنے اصحاب سے فرمایا:

"مَا اَرَانِی اِلاَّ مَقْتُولاً"

"میں خود کو کشتہ حالت میں دیکھ رہا ہوں"

(یعنی میں اس سفر میں شہید کر دیا جاؤں گا)

اصحاب نے کہا: کیوں یا ابا عبداللہ؟ فرمایا: میں نے ایک خواب دیکھا ہے اصحاب نے پوچھا: کیسا خواب؟ فرمایا: میں نے دیکھا ہے کہ کتے مجھے نوچ رہے ہیں اور ایک ابلق رنگ کا کتا سب سے بدتر تھا۔ (کامل الزیارات/۷۵ ب۲۳ ح۱۴)

امامؑ کی حر بن یزید ریاحیؒ سے ملاقات

جب امام حسینؑ اور ان کے ساتھی منزل شراف پر پہنچے تو آپؑ نے صبح دم اپنے جوانوں کو حکم دیا: پانی ذخیرہ کرلو۔ دوپہر تک سفر جاری رہا۔ اچانک آپ کے ساتھیوں میں سے کسی نے کہا: ''اللہ اکبر'' امام نے فرمایا: تم نے تکبیر کیوں بلند کی ہے؟ عرض کرنے لگا: میں کھجور کے کچھ درخت دیکھ رہا ہوں۔ اصحاب کے ایک گروہ نے کہا: خدا کی قسم یہ وہ سرزمین ہے جس میں ہم نے کبھی کھجور کے درخت نہیں دیکھے۔

امامؑ نے فرمایا: پھر تمہیں کیا دکھائی دے رہا ہے؟ کہنے لگے: خدا کی قسم! گھوڑوں کے کان ہیں۔ آپ نے بھی اس بات کی تائید فرمائی اور جب علم ہوگیا کہ لشکر کی علامت ہے تو فرمایا: یہاں کوئی پناہ گاہ ہے کہ ہم اس کی پناہ لیں اسے اپنی پشت کے پیچھے رکھیں۔ اور ایک طرف سے اس لشکر کا سامنا کریں؟ عرض کیا گیا۔ یہاں کوہ ذوحسم ہے جو بائیں جانب واقع ہے، اگر ہم جلدی جلدی وہاں پہنچ جائیں تو مراد حاصل ہو جائے گی۔

امامؑ بائیں طرف روانہ ہوئے۔ کچھ دیر نہ گزری تھی کہ گھوڑوں کی گردنیں دکھائی دینے لگیں۔ گویا انہوں نے بھی اپنا رخ بدل لیا۔ امامؑ اور آپؑ کے ہمراہی ذوحسم کی طرف بڑھے اور اس جگہ پر قبضہ جمالیا۔

امامؑ کے حکم کے مطابق وہاں خیمے اور سراپردے نصب کردیئے گئے اور دشمن کا لشکر حر بن یزید تمیمی کی کمان میں دوپہر کی ہمت فرسا گرمی میں آیا اور آپ کے برابر کھڑا ہوگیا۔

امام حسینؑ نے اپنے اصحاب سمیت سروں پر عمامے باندھ رکھے تھے۔ اور تلواریں حمائل

کیے ہوئے تھے۔ جب آپ نے حر کے لشکر میں آثار تشنگی دیکھے تو اپنے جوانو کو حکم دیا کہ ان کو سیراب کرو۔اوران کے گھوڑوں کو بھی پانی دکھاؤ انہوں نے کاسے اور طشت پانی سے بھرے اوران کے گھوڑوں کے آگے رکھے۔اور جب وہ تین ،چار یا پانچ گھونٹ پی لیتے توایک سے ہٹا کر دوسرے کے آگے رکھ دیتے تا کہ سب سیراب ہو جائیں۔

علی بن طعان کا کہنا: میں آخری آدمی تھا کہ جو وہاں پہنچا:

جب امام حسینؑ نے میری اور میرے گھوڑے کی پیاس کو دیکھا تو فرمایا:

"أَنِخِ الرَّاوِيَةَ"

"راویہ کو بٹھا دو"

میں آپ کی مراد نہ سمجھ سکا کیونکہ ہماری زبان میں راویہ مشک کو کہتے ہیں اور حجاز کے لوگ (راویہ)اس اونٹ کو کہتے ہیں کہ جس پر پانی کی مشک رکھی ہوتی ہے۔میں اسے آگے لے گیا فرمایا: پانی پئیو : میں نے جس قدر چاہا پیا۔پانی مشکیزہ کے منہ سے بہہ رہا تھا۔فرمایا: مشک کا منہ باندھ دو۔ میں سمجھ نہ پایا کہ کیا کروں۔پس آپؑ خود اٹھے اور مشکیزے کا منہ باندھ دیا میں نے خود بھی پانی پیا اور گھوڑے کو بھی سیراب کرلیا۔

حر بن یزید قادسیہ سے آچکا تھا۔ابن زیاد نے حصین بن نمیر کو بھیجا اور اسے حکم دیا تھا کہ قادسیہ پہنچو اور حر بن یزید کو ہزار سواروں کے ہمراہ امام حسینؑ کی طرف بھیج دو۔

حر ابھی آپ کے مقابل ہی کھڑا تھا کہ نماز ظہر کا وقت ہوگیا۔امام نے حجاج بن مسروق کو حکم دیا کہ نماز کے لئے اذان کہو۔ جب نماز پڑھنے کا وقت ہوا تو امام ازار ،عبا اور نعلین پہنے نکلے ، دونوں لشکروں کے درمیان کھڑے ہوگئے اور خدا کی حمد وثنا بجالانے کے بعد فرمایا:

اے لوگو! میں تمہارے پاس خود نہیں آیا بلکہ جب تمہارے خط مجھے ملے اور تمہارے قاصد پہنچے کہ ہمارے پاس آؤ' ہمارا کوئی امام اور پیشوا نہیں ہے۔ اور امید رکھتے ہیں کہ آپؑ کے سبب خدا ہمیں حق پر جمع کردے گا۔پس اگر تم اپنے عہد و پیمان پر قائم ہوتو میں تمہارے پاس آچکا ہوں ،تم مجھ سے عہد و پیمان کرو(نئے سرے سے بیعت کرد) تا کہ میں تمہاری طرف سے آسودہ

خاطر ہو جاؤں۔اور اگر تم یہ کام نہیں کرتے اور میرے آنے سے خوش نہیں ہو تو میں یہیں سے واپس چلا جاتا ہوں اور اسی جگہ لوٹ جاتا ہوں، اس ہمیشہ خاموش رہوں گا اور وہاں کسی سے بات تک نہیں کروں گا۔

امامؑ نے موذن سے فرمایا: اقامت کہو: اور حر سے فرمایا: کیا تم اپنے ہمراہیوں کے ساتھ نماز پڑھو گے؟ کہنے لگا: نہیں میں آپ ہی کی اقتداء کروں گا۔

امام حسینؑ نے ان کے ساتھ نماز پڑھی اور اپنے خیمے میں چلے گئے۔آپ کے اصحاب آپ کے گرد جمع ہو گئے۔

حر بھی اپنی جگہ لوٹ گیا اور جو خیمہ اس کے لئے لگایا گیا تھا وہاں اس کے ہمراہیوں کا ایک گروہ اس کے پاس آیا، اور بقیہ اپنے لشکر کی صفوں میں واپس چلے گئے۔ان میں سے ہر سپاہی نے اپنے گھوڑے کی لگام پکڑی اور اس (گھوڑے) کے سائے میں بیٹھ گیا۔

جب عصر کا وقت ہوا تو امام حسینؑ نے حکم دیا: چلنے کے لیے تیار ہو جاؤ پھر اپنے منادی سے کہا کہ نماز عصر کے لئے اذان اور اقامت کہو۔آپ نے نماز عصر ادا کی اور جب سلام پھیرا تو منہ ان کی طرف کر کے خداوند متعال کی حمد وثنا بیان کرنے کے بعد فرمایا:

اے لوگو! اگر تم خدا سے ڈرتے ہو اور حق کو اس کے اہل کے لئے پہچانتے ہو تو تم میں سے بیشتر کے لئے یہ عمل خدا کی خوشنودی کا باعث ہوگا۔ہم محمدؐ کا خاندان ہیں اور امر خلافت و ولایت کے لئے ان دعویداروں سے زیادہ مستحق ہیں۔یہ (لوگ) اس مقام کا دعویٰ کرتے ہیں۔جو ان کے لئے نہیں ہے اور بزور ستم تم پر حکومت کر رہے ہیں۔

اگر حکومت ہمیں زیب نہیں دیتی اور تم ہمارا حق نہیں پہچانتے اور اب تمہاری رائے اس کے خلاف ہے جو تم نے ہمیں خطوط میں لکھا اور تمہارے فرستادوں نے بتایا تو ہم اب بھی یہاں سے واپس چلے جاتے ہیں۔

حر نے کہا: خدا کی قسم ان قاصدوں اور ان خطوط کے بارے میں جن کا آپ ذکر کر رہے ہیں، مجھے کچھ خبر نہیں۔امامؑ نے اپنے ایک ساتھی عقبہ بن سمعان سے فرمایا وہ خورجین کہ جس میں ان کے

خطوط ہیں نکال لاؤ۔ وہ خطوط سے بھری خورجین لایا اور امامؑ کے سامنے الٹ دی۔

حر نے کہا: ہم ان لوگوں میں سے نہیں ہیں کہ جنہوں نے یہ خطوط لکھے ہمیں تو حکم دیا گیا ہے کہ آپ سے تب تک جدا نہ ہوں جب تک آپؑ کو ابن زیاد کے پاس کوفہ نہ لے جائیں۔ امام حسینؑ نے فرمایا: تمہارے ساتھ موت اس آرزو سے نزدیک تر ہے۔

اس کے بعد اصحاب کی طرف رخ کرکے فرمایا: سوار ہو جاؤ۔ آپ کے ساتھی سوار ہو گئے اور بیبیوں کے سوار ہونے تک انتظار کیا۔ اس وقت آپؑ نے اپنے اصحاب سے فرمایا: (مدینہ کے راستے کی طرف) پلٹ جاؤ۔

جونہی انہوں نے واپس جانا چاہا تو اس لشکر نے انہیں واپس جانے سے روکا، امام حسین نے حر سے فرمایا:

"ثَكِلَتكَ اُمُّکَ ماتُرِیدُ؟"

''تیری ماں تیرے غم میں بیٹھے' کیا چاہتا ہے؟''

(خوارزمی لکھتا ہے کہ امامؑ نے ہاتھ تلوار میں ڈالا اور حر سے فرمایا:

"ثَكِلَتکَ اُمُّکَ یَابنَ یَزِیدِ مَا الَّذِی تُرِیْدُ اَنْ تَصْنَعَ ؟"

(مقتل خوارزمی: ۱/۲۳۲)

حر نے کہا: اگر کوئی اور عرب اس حالت میں یہ بات مجھ سے کہتا تو میں بھی اس کی ماں کے بارے میں یہی کہتا۔ لیکن خدا کی قسم میں آپ کی ماں کا نام بہترین وجہ کے سوا نہیں لے سکتا۔ امام حسین اور جناب فاطمہ زہراؑ کے بارے میں، اس کا یہی حسن ادب اس کے اندر کی سعادت کا عکاس ہے جو اس کی نجات کا باعث بن گیا)

امامؑ نے فرمایا: پھر تو کیا چاہتا ہے؟ کہنے لگا: میں چاہتا ہوں کہ آپ کو ابن زیاد کے پاس لے چلوں۔ فرمایا: بخدا میں تمہارے ساتھ نہیں جانے کا۔

حر نے کہا: میں بھی آپؑ کو نہیں چھوڑوں گا اور تین بار یہ الفاظ دہرائے اور جب کافی باتیں ہو چکیں تو حر نے کہا: مجھے آپ سے جنگ کرنے کا حکم نہیں دیا گیا، میں صرف اس کام پر معمور

ہوں کہ آپ سے جدا نہ ہوں تا کہ آپ کو کوفہ لے چلوں ۔اب اگر آپ کوفہ جانے سے اجتناب کر رہے ہیں تو میں نے آپؑ کا راستہ روک لیا ہے کہ آپؑ کوفہ جاسکیں نہ مدینہ اور یہی میرے اور آپ کے درمیان انصاف کا راستہ ہے جب تک کہ میں امیر کو خط لکھ کر اس صورت حال سے مطلع نہ کردوں ۔ شاید خدا کوئی ایسی صورت سامنے لائے کہ جس میں میرے دین کی سلامتی ہو اور میں آپ کے کام میں جتلا نہ ہوں۔

(مقتل خوارزمی میں ہے: امام حسینؑ نے فرمایا: آؤ ہم اپنے اصحاب سے علیحدہ ہو کر باہم لڑلیں اگر تم مجھے قتل کرلو تو میرا سر ابن زیاد کے پاس لے جانا اور اگر میں تمہیں قتل کردوں تو خلق کو تم سے نجات ملے گی ۔حر نے کہا: مجھے جنگ کا حکم نہیں ہے۔

اور بعض مقاتل میں کلمہ " فَذَرْ أَصْحَابِي وَاَصْحَابَكَ " بَرَزَ اَصْحَابِي وَاَصْحَابَكَ " آیا ہے اور اس کے معنی یہ ہیں میرے ساتھی تمہارے ساتھیوں سے لڑ لیتے ہیں اور ہم دونوں باہم مقاتلہ کر لیتے ہیں۔

(مقتل خوارزمی میں یہ اضافہ ہے: چونکہ میں جانتا ہوں کہ ہر شخص قیامت میں آپؑ کے جد کی امید شفاعت کے علاوہ کوئی اور امید شفاعت نہیں رکھتا ۔لہٰذا میں ڈرتا ہوں کہ آپ سے جنگ کر کے اپنی دنیا و آخرت تباہ نہ کرلوں)

امامؑ بائیں طرف سے قادسیہ کے راستے (کہ جو کوفہ کی طرف جاتا تھا) اور عذیب کے راستے (کہ جو مدینہ کا راستہ تھا) پر چل پڑے اور حر بھی اپنے سپاہیوں کے ہمراہ آپ کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔

امام زین العابدینؑ سے منقول ہے کہ جب اسے امام مظلومؑ کے نزدیک پہنچنے کی خبر ملی تو اس نے حر بن یزید کو ایک ہزار سواروں کے ساتھ آپ کے راستے کی طرف بھیج دیا۔

(ارشاد: ۲/ ۷۸ تا ۸۲، بحار الانوار: ۴۴/ ۳۷۵، الموسوعہ/ ۳۵۲ تا ۳۵۹، مقتل خوارزمی: ۱/ ۲۲۹ تا ۲۳۳)

حر نے کہا: جب میں گھر سے باہر نکلا تو میں نے ایک منادی کی آواز سنی جس نے مجھے تین بار ندا دی: "اے حر تمہیں بہشت کی بشارت ہو، میں نے خود سے کہا کہ حر کی ماں اس کے غم میں بیٹھے

،رسول خداؐ کے فرزند سے جنگ کے لئے جارہا ہے اور بشارت بہشت کی سن رہا ہے۔

(جلاء العیون/۳۷۷)

مورخین نے امام حسینؑ کے خطبات نقل کئے ہیں اور ان میں سے بعض شیخ مفیدؒ کی روایت سے نقل کرتے ہیں۔

ان جملہ خطبات میں سے ایک خطبہ میں سید بن طاؤسؒ اور ابن نما نقل کرتے ہیں۔ ہم یہ عبارت لہوف سے لے رہے ہیں: (ابن نما نے مثیر الاحزان/۴۴ اور طبری نے اپنی تاریخ میں ۵/۴۰۳ پر تحریر کیا ہے کہ امامؑ نے اس خطبہ کو ذی حسم کے مقام پر انشاء فرمایا۔

راوی کہتا ہے: امام حسینؑ خطبہ پڑھنے کے لئے کھڑے ہوئے، خدا کی حمد و ثناء بجالائے، اپنے ناناؐ کا نام لیا اور ان پر درود بھیجا۔ اس کے بعد فرمایا:

"اِنَّهُ قَدْ نَزَلَ مِنَ الْاَ مْرِ مَا قَدْ تَرَوْنَ ،وَاِنَّ الدُّنْيَا قَدْ تَغَيَّرَتْ وَتَنَكَّرَتْ وَاَدْبَرَ مَعْرُوْفُهَا وَاسْتَمَرَّتْ حَذّاءَ وَلَمْ تَبْقِ مِنْهَا اِلَّا صُبَابَةٌ كَصُبَابَةِ الْاِ نَاءِ ،وَخَسِيْسَ عَيْشٍ كَالْمَرْعَى الْوَبِيْلِ ،اَلاَ تَرَوْنَ اِلَى الْحَقِّ لَا يُعْمَلُ بِهِ وَاِلَى الْبَاطِلِ لَا يُتَنَهٰى عَنْهُ ،لِيَرْغَبِ الْمُؤْمِنُ فِى لِقَاءِ رَبِّهِ مُحِقًّا ،فَاِنِّى لَا اَرَى الْمَوْتَ اِلَّا سَعَادَةً وَالْحَيَاةَ مَعَ الظَّالِمِيْنَ اِلَّا بَرَمًا "

"ہمارا معاملہ ایسی صورت اختیار کر گیا ہے کہ تم دیکھتے رہے ہو۔ دنیا کا چہرہ دگرگوں اور زشت ہوگیا ہے اور نیکی نے اس سے منہ پھیر لیا ہے اور تیزی سے گزر رہی ہے اور اس میں سے درد جام (تلچھٹ) کے علاوہ کچھ نہیں بچا اور پست و زبوں زندگی ایک ناپسندیدہ چراگاہ کی طرح باقی رہ گئی ہے۔ تم نہیں دیکھ رہے کہ حق پر عمل نہیں کیا جارہا اور باطل سے اجتناب نہیں کیا جارہا۔ مومن کے لئے ضروری ہے کہ اپنے پروردگار کی ملاقات کے لئے جان و دل سے راغب ہو تحقیق میری نظر میں موت خوش بختی و سعادت اور ظالموں کے ساتھ زندہ رہنا دل تنگی کے سوا کچھ نہیں"

(تحف العقول/۱۷۶ اور بحار الانوار: ۱۱۶/۷۸ پر یہ اضافہ ہے کہ فرمایا:

"اِنَّ النَّاسَ عَبِيْدُ الدُّنْيَا وَالدِّيْنُ لَعِقٌ عَلٰى اَلْسِنَتِهِمْ، يَحُوطُونَهُ مَادَرَّتْ مَعَايِشُهُمْ فَاِذَا مُحِصُّو بِالْبَلَاءِ قَلَّ الدَّيَّانُوْنَ"

"تحقیق تمام لوگ دنیا پرست ہیں اور دین صرف ان کی زبانوں تک ہے یا پھر ان کے لئے وسیلہ زندگی ہے کہ جسے خرچ کرتے ہیں۔ لیکن جب انہیں مصیبت سے آزمایا جاتا ہے تو دیندار کم ہی نکلتے ہیں"

زہیر بن قین کھڑے ہوگئے اور عرض کیا: خدا آپؑ کا رہنما ہو۔ فرزند رسولؐ! میں نے آپ کا فرمان سنا۔ اگر دنیا ہمارے لئے بقا رکھتی ہو اور ہم اس زندگی میں ہمیشہ رہنے والے ہوں تو پھر بھی آپ کی حمایت میں پائیداری کو ہم دنیا کی ہمیشہ کی زندگی پر مقدم رکھتے ہیں' (حالانکہ ایسا ہے بھی نہیں اور دنیا بقا نہیں رکھتی۔ پس مناسب نہیں ہے کہ ہم آپؑ کو چھوڑ دیں)۔

طبری کی نقل کے مطابق: امام حسینؑ نے اس کے حق میں دعا کی اور اسے نیک جواب دیا (تاریخ طبری: ۴۰۴/۵)۔

راوی کہتا ہے: ہلال بن نافع بجلی اٹھے اور کہا: خدا کی قسم! ہم اپنے خدا سے ملاقات کرنے میں کراہت نہیں رکھتے اور اپنی نیتوں کو روشن نظری کے ساتھ پائیدار رکھتے ہیں۔ ہم آپ کے دوست کے دوست ہیں اور آپؑ کے دشمن کے دشمن۔

(الاخبار الطوال/۲۵۵، تاریخ طبری: ۴۱۲/۵، ۴۱۳، ۴۳۵، ۴۴۱)

پس بریر بن خضیر اٹھے اور کہا: خدا کی قسم اے فرزند رسول! یہ خدا کا ہم پر احسان ہے کہ ہم آپ کے ہم رکاب جنگ کریں اور آپ کی حمایت میں ہمارے اعضاء ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں۔ قیامت میں آپ کے نانا ہمارے شفیع ہوں گے۔ (لہوف/۷۹، الموسوعہ/۳۵۵)

دوسرا خطبہ طبری نے ابی مخنف سے نقل کیا ہے کہ امام حسینؑ نے مقام بیضہ پر اپنے اصحاب اور حر کے سپاہیوں کے سامنے خطبہ پڑھا:

خدا کی حمد و ثنا کی اور اس کے بعد فرمایا:

"اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ : مَنْ رَاٰى سُلْطَانًا جَائِرًا مُسْتَحِلًّا لِحُرُمِ اللّٰهِ ، نَاكِثًا لِعَهْدِ اللّٰهِ ،مُخَالِفًا لِسُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ،يَعْمَلُ فِیْ عِبَادِاللّٰهِ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ فَلَمْ يُعَيِّرْ (فَلَمْ يُغَيِّرْ) عَلَيْهِ بِفِعْلٍ وَلَا قَوْلٍ، كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ أَنْ يُدْخِلَهُ مَدْخَلَه .اَلَا وَاِنَّ هٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ قَدْلَزِمُوْا طَاعَةَ الشَّيْطَانِ وَتَرَكُوْا طَاعَةَ الرَّحْمٰنِ، وَاَظْهَرُو الْفَسَادَ وَعَطَّلُوْا الْحُدُوْدَ ،وَاسْتَاثَرُوْا بِالْفَيْیِٔ وَاَحَلُوْا اَحَرَمَ اللّٰهِ ،وَحَرَّمُوا حَلَالَهُ وَاَنَا اَحَقُّ مَنْ عَيَّرَ (غَيَّرَ) نَفْسِیْ مَعَ اَنْفُسِكُمْ وَاهْلِیْ مَعَ اَهْلِيْكُمْ ،فَلَكُمْ فِیَّ اُسْوَةٌ"

اے لوگو! رسول خدا نے فرمایا: جوکوئی کسی ظالم بادشاہ کو دیکھے کہ وہ خدا کے حرام کردہ کوحلال جانتا ہے، پیمان خدا کوتوڑتا ہے خدا کے بندوں کے درمیان ناحق اور ظلم کا رویہ اختیار کرتا ہے ۔تو جو شخص قول وعمل سے اس کا انکار نہ کرے اور اعتراض نہ اٹھائے (اور اسے تبدیل نہ کرے) تو خدا پر لازم ہے کہ اسے اسی (ظالم) کا ساتھی شمار کرے ۔آگاہ ہو جاؤ کہ یہ حکمران شیطان کے فرماں بردار ہیں اور خداوند متعال کی اطاعت سے منہ موڑ چکے ہیں ۔فساد کو رواج دیا جا رہا ہے اور حدود خدا کوتوڑا جا رہا ہے ۔حلال خدا کوحرام اور حرام خدا کوحلال قرار دیا جا رہا ہے۔ میں لوگوں کو روکنے اور باز رکھنے کا تم سے زیادہ حق دار ہوں ۔ تمہارے خطوط مجھے موصول ہوئے اور تمہارے فرستادوں نے مجھے خبر دی کہ تم میری بیعت کر چکے ہو اور عہد کر چکے ہو کہ مجھے دشمن کے حوالے نہیں کرو گے اور تنہا نہیں چھوڑو گے ۔اگر تم اپنے وعدے اور بیعت پر قائم ہو تو راہ ثواب یہی ہے میں علی مرتضیٰؑ اور رسول خداؐ کی بیٹی فاطمہ زہراؑ کا بیٹا ہوں ۔ میں خود تمہارے ساتھ ہوں اور تمہی میں سے ایک ہوں اور میرا خاندان تمہارے خاندان کے ساتھ ہے (یعنی ہم مل کر زندگی بسر کر رہے ہیں اور میں تمہارے لئے نمونہ عمل ہوں۔

اگر تم ایسا نہیں کرتے اور اپنے عہد پر قائم نہیں رہتے ،اسے توڑتے ہو اور میری بیعت

اپنی گردن سے اٹھاتے ہوتو مجھے اپنی جان کی قسم یہ تم سے غیر متوقع نہیں ۔چونکہ تم نے یہ کام میرے باپ، بھائی ،اور چچا زاد مسلم سے بھی کیا۔اور کوئی مغرور شخص ہی تم سے دھوکہ کھائے اور مغرور تم ہو ۔تم اپنے اقبال سے منہ پھیر چکے ہو اور اپنا حصہ ضائع کر چکے ہو اور جو شخص نقض بیعت کرے وہ پیمان شکنی سے اپنا نقصان کرتا ہے۔ (سورہ فتح،آیہ ۱۰)

اور خدا جلد ہی مجھے تم سے بے نیاز کرے گا۔ (والسلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ)

(نفس المہموم/۱۹۰،الکامل :۲/۵۵۲الموسوعۃ/۳۶۰،تاریخ طبری:۵/۴۰۳،لیکن بحارالانوار ۴۴/۳۸۱ میں نقل ہے کہ جب آپ کربلا پہنچے تو یہ کوفہ کے زعما کے لئے خط میں لکھا)

امام اپنے اصحاب کے ساتھ روانہ ہوئے تو حر ویسے ہی اپنے لشکر کے ہمراہ آپکے ساتھ ساتھ تھا۔جب آپ مقام عذیب پر پہنچے تو وہاں چار افراد دیکھے کہ جو کوفہ کی طرف سے آرہے تھے اوران کے رہنما طرماح بن عدی تھے۔وہ امامؑ سے آملے۔

حر نے کہا: یہ کوفہ کے لوگ ہیں ۔ میں انہیں واپس کراتا ہوں ۔ یا کوفہ واپس بھجواتا ہوں آپؑ نے فرمایا: یہ میرے انصار میں سے ہیں اور یہ ان لوگوں کی طرح ہیں جو میرے ساتھ آئے ہیں میں ان کی اسی طرح حمایت کروں گا جیسے کہ اپنی حفاظت کرتا ہوں ۔پس اگر تم اسی قرار پر باقی ہو تو ان سے ہاتھ اٹھالو وگرنہ میں تم سے جنگ کروں گا۔حر تعرض کرنے سے باز آ گیا۔

امامؑ نے ان سے کوفہ کے لوگوں کے حالات پوچھے ۔مجمع بن عبداللہ نے کہا: اہل کوفہ کے سرداروں کو بڑی بڑی رشوتیں دی گئی ہیں اوران کی آنکھوں کو مال سے بھر دیا گیا ہے وہ سب آپ کے خلاف ظلم وعداوت کے لیے متحد ہیں ۔البتہ عوام کے دل آپ کے ساتھ ہیں لیکن کل ان کی تلواریں آپ پر اٹھیں گی۔

امامؑ نے اپنے قاصد قیس بن مسہر صیداوی کے بارے میں پوچھا: انہوں نے اس کے قتل کا واقعہ (جیسے کہ رونما ہوا تھا) آپ کے سامنے نقل کیا۔

امامؑ نے یہ ناگوار خبر سن کر گریہ کیا اور یہ آیت تلاوت فرمائی۔

"فَمِنْهُمْ مَنْ قَضٰی نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَنْ يَنْتَظِرُ"

''ان میں سے کوئی اپنی منت پوری کر چکا ہے اور کوئی انتظار میں ہے''

(سورہ احزاب آیہ ۲۳)

پھر طرماح نے آپ سے استدعا کی کہ آپ اس سفر سے پلٹ جائیں اور دشمن کے لشکر کی زیادہ تعداد سے آگاہ کیا اور کہا: اگر آپ ہمارے پہاڑ 'اجا' تشریف لے چلیں تو میں اپنے قبیلہ سے بیس ہزار شمشیر زن آپ کے ہم رکاب لڑنے کے لئے حاضر کر سکتا ہوں۔

امامؑ نے فرمایا: خدا تمہیں اور تمہاری قوم کو جزائے خیر دے، اے طرماح! میرے اور اس قوم کے درمیان ایک وعدہ ہے کہ میں واپس نہیں جا سکتا۔

طرماح نے اپنے اہل وعیال کے ساتھ ملنے کے لئے امامؑ کو خدا حافظ کہا اور وعدہ کیا کہ میں آپ کی نصرت کے لئے واپس آؤں گا۔ اور اس نے ایسا ہی کیا۔ لیکن وہ ابھی مقام عذیب تک ہی پہنچا تھا کہ اسے امامؑ کی شہادت کی خبر ملی۔

(نفس المہموم/۱۹۲: الموسوعہ/۳۶۱)

امام حسینؑ کا کربلا میں ورود

صحیح ومشہور قول یہ ہے کہ سید الشہداءؑ کربلا میں بروز جمعرات ۲ محرم الحرام ۶۱ھ کو وارد ہوئے۔
(ارشاد: ۲/۸۶' بحار الانوار ۴۴/۳۸۱ منتہی الامال: ۱/۳۴۳)

جب امامؑ کربلا پہنچے تو فرمایا: اس زمین کا نام کیا ہے؟ عرض کیا گیا ''کربلا''
(مثیر الاحزان/۸۰م ۳، مقتل خوارزمی: ۱/۲۳۷، تاریخ طبری: ۵/۴۰۹)

آپ نے فرمایا:

''اَللّٰهُمَّ اِنِّی أَعُوذُ بِکَ مِنَ الْکَرْبِ وَالْبَلاءِ''

''بارالہا! میں اندوہ و بلا سے تیری پناہ چاہتا ہوں''

هٰذاآمَوْضِعُ کَرْبِ وَبَلاءٍ اِنْزِلُوا هٰهُنا مَحَطُّ رِحالِنا وَ مَسْفَکُ دِمائِنا وَهُنا مَحَلُّ قُبُورِنا' بِهٰذا حَدَّثَنِی جَدِی رَسُولُ اللّٰه

''یہ سرزمین اندوہ و بلا ہے۔ یہاں پر اپنا ساز و سامان اتار لو یہ ہماری قتل گاہ اور ہماری قبروں کی جگہ ہے۔ میرے نانا رسول خداؐ نے مجھے اس کی خبر دی تھی''

تمام اہل قافلہ نیچے اتر آئے اور دوسری جانب سے حر اور اس کے سپاہی بھی پیدل ہو گئے۔
(لہوف/۸۰)

جب مقام کربلا پر پہنچے تو امامؑ کے گھوڑے نے آگے بڑھنے سے انکار کر دیا: آپ نے فرمایا: دوسرا گھوڑا لایا جائے، مگر اس نے بھی حرکت نہ کی۔ اس طرح سات یا آٹھ گھوڑے بدلے گئے لیکن کوئی بھی ایک قدم آگے نہ بڑھا۔

آپ نے دریافت فرمایا: اس زمین کو کس نام سے پکارتے ہیں؟ جواب ملا: شط الفرات آپ نے فرمایا: کیا اس کا کوئی اور نام بھی ہے؟ انہوں نے عرض کیا: ''کربلا'' یہ سن کر آپ نے ایک آہ بھری (اور بہت روئے) پھر فرمایا:

اَرْضُ کَرْبٍ وَبَلاءٍ، ثُمَّ قَالَ قِفُوا وَلاَ تَرُ حَلُو مِنْھا، فَھٰہُنا وَاللّٰہِ مُناخُ رِکَابِنا وَھٰہُنا وَاللّٰہِ سَفْکُ دِمائِنا وَھٰہُنا وَاللّٰہِ ھَتْکُ حَرِیْمِنا ' وَھٰہُنا وَاللّٰہِ قَتْلُ رِجالِنا وَھٰہُنا وَاللّٰہِ ذِبْحُ اَطْفالِنا ' وَھٰہُنا وَاللّٰہِ تُزارُ قُبُورُنا (وَھٰہُنا وَاللّٰہِ مَحْشَرُ ناوَمَنْشَرُنا وَابِھٰذِہِ التُّرْبَةِ وَعَدَنِی جَدِّیْ رَسُولُ اللّٰہِ ؐ وَلاَ خُلْفَ لِقَولِہٖ "

''یہ زمین کرب و بلا ہے۔ پڑاؤ ڈال دو اور یہاں سے کوچ نہ کرنا۔ خدا کی قسم یہ ہمارے اونٹوں کی خوابگاہ ہے خدا کی قسم! یہیں ہمارا خون بہایا جائے گا۔ اور ہمارا پردہ حرمت تار تار کیا جائے گا (یہاں تک کہ اہل بیتؑ کو قیدی بنالیا جائے گا) خدا کی قسم! یہی ہمارے مردوں کی قتل گاہ ہے۔ اسی جگہ پر ہمارے بچوں کو ذبح کیا جائے اور بخدا اسی مقام پر شیعہ ہماری قبور کی زیارت کریں گے (اور روز محشر اسی جگہ سے محشور ہوں گے۔ یہ وہی مٹی ہے جس کی رسول خداؐ نے خبر دی تھی اور آنحضرتؐ کی خبر کے خلاف ہرگز نہیں ہوسکتا۔

تاریخ امام حسینؑ: ۳/ ۱۶۸: فوائد المشاہد/ ۱۹۴؛ الموسوعہ ۳۷۵)

امام عالی مقامؑ نے اپنے تمام بیٹوں اور بھائیوں کو جمع کیا۔ ان کی طرف دیکھا اور رو کر فرمایا:

"اَللّٰھُمَّ اِنَّا عِتْرَةُ نَبِیِّکَ مُحَمَّدٍ ؐ وَقَدْ اُخْرِجْنا وَ طُرِدْنا وَاُزْعِجْنا عَنْ حَرَمِ جَدِّنا وَتَعَدَّتْ بَنُو اُمَیَّةَ عَلَیْنا ' اَللّٰھُمَّ فَخُذْ لَنا بِحَقِّنا وَانْصُرْ نا عَلَی الْقَوْمِ الظَّالِمِیْنَ "

''خدایا! ہم تیرے نبی محمد مصطفیٰ ؐ کی عترت میں۔ ہمیں جلا وطن کردیا گیا اور ہم اپنے جدّ بزرگوار کے حرم سے دور ہوگئے۔ بنی امیہ نے ہم پر ظلم کیا۔ خدایا!

ہمارے حق کا تحفظ فرما اور ہمیں اس جفا کار قوم پر نصرت عطا فرما۔

پھر آپ نے اپنے اصحاب باوفا کی طرف منہ کر کے فرمایا:

"اَلنَّاسُ عَبِیْدُ الدُّنْیَا وَالدِّیْنُ لَعِقٌ عَلٰی اَلْسِنَتِھِمْ، یَحُوطُونَهُ مَادَرَّتْ مَعَایِشُھُمْ فَاذَا مُحِّصُوا بِالْبَلَاءِ قَلَّ الدَّیَّانُونَ"

'لوگ دنیا کے غلام ہیں اور دین صرف ان کی زبانوں تک ہے کیونکہ یہ ان کے لئے وسیلہ روزگار ہے اور جب ان کو مصیبت میں آزمایا جاتا ہے تو دین دار کم ہی نکلتے ہیں'

(بعض لوگ اسے منزل ذی چشم پر دیئے گئے خطبہ امامؑ کا حصہ قرار دیتے ہیں)

پھر فرمایا: کیا یہ مقام کربلا ہے؟ لوگوں نے کہا: ہاں فرزند رسولؐ فرمایا:

"ھٰذَا مَوضِعُ کَرْبٍ وَبَلَاءٍ ھٰھُنَا مُنَاخُ رِکَابِنَا وَمَقْتَلُ رِجَالِنَا وَمَسْفَکُ دِمَائِنَا" (بحارالانوار: ۴۴/۳۸۳ مقتل خوارزمی: ۱/۲۳۶ مہیج الاحزان/۶۴م۲)

"مرحوم شوستری فرماتے ہیں۔ کربلا میں ورود کے روز دوسرا اتفاق اس بات پر ہے کہ امامؑ نے فرمایا۔

خیمہ نصب کردو پھر اپنے تمام اہل بیتؑ کو اس خیمے میں جمع فرمایا۔ ان میں تقریباً چالیس مرد شامل تھے۔ کیونکہ تیس افراد اہل بیتؑ کربلا میں سے شہید ہوئے اور دس افراد سید الساجدینؑ کے ہمراہ اسیر ہوئے حضرت عباسؑ ان سب سے بڑے اور امام عالی مقامؑ کے طفل شیر خوار (حضرت علی اصغرؑ) سب سے کم سن تھے۔ آپ نے ان سب سے فرمایا: بیٹھ جاؤ"

ان میں عورتوں کی تعدا ساٹھ ۶۰ تھی۔ اولاد عقیلؑ میں سے تقریباً ایک سو بیس (۱۲۰) افراد مجموعا (زن و مرد اور بچے) بھی حضرتؑ کے ہمراہ شامل اہل بیت تھے۔

حضرت نے ان سب کی طرف دیکھا تو رونے لگے۔ آپ کو، وتا دیکھ کر مخدرات عصمت نے بھی رونا شروع کر دیا۔ ہر خورد و بزرگ رو رہا تھا آپ نے فرمایا:

"اَللّٰھُمَّ اِنَّا عِتْرَةُ نَبِیِّکَ مُحَمَّدٍ وَقَدْ اُخْرِجْنَا"

''ممکن ہے حضرت کے مردوں اور خواتین پر نگاہ ڈالنے کے اسباب یہ ہوں:

اولاً ان کی تسلی وتشفی کے لئے چونکہ ان کے دلوں پر رعب وخوف طاری ہو چکا تھا۔ وہ مکہ سے روانہ ہوئے تو سہمے سہمے سے تھے۔ راہ کوفہ میں سپاہ کفر کو دیکھا تو اور بھی خوف و رعب ان پر طاری ہوگیا۔ حضرت نے ان کی جانب نگاہ شفقت ڈالی تا کہ وہ شدائد ومصائب سے خوفزدہ نہ ہوں اور مطمئن رہیں۔

ثانیا: یاددہانی تھی کہ ان مظلوموں پر جور وستم کے کیا کیا پہاڑ ٹوٹیں گے؟ گرسنگی وتشنگی اور تذلیل برداشت کرنا پڑے گی اور آخر کار اپنے ہی خون میں غلطاں ہوں گے، اور پسماندگان کو قید و بند کی مصیبتیں برداشت کرنا ہوں گی۔

ثالثاً: حضرت نے اس اجتماع کو دیکھا تو چند دیگر اجتماعات آنکھوں کے سامنے آگئے۔ قاتلوں کا ہجوم۔ مجلس ابن زیاد اور پھر شام میں محفل یزید' آپ نے اس لئے نگاہ دوڑائی کہ کوئی جائے امان ایسی نہیں ہے جہاں پر یہ مظلوم پناہ حاصل کرسکیں۔

آپ کی نگاہ دور رس دیکھ رہی تھی کہ ان مظلوموں کو دفن تک نہیں کیا جائے گا اور کئی دیگر پہلو بھی آپ کے پیش نظر تھے۔

اتفاق سوم: اس روز عصر کے وقت آپ بیٹھے ہوئے تھے کہ کوفہ سے ابن زیاد (ملعون) کا قاصد آیا۔ آپؑ کو سلام کیا اور ابن زیاد کا (اس مضمون کا) خط دیا:

اے حسینؑ! امیر المومنین یزید نے لکھا ہے کہ میں آرام سے نہ بیٹھوں اور سیر ہو کر کھانا نہ کھاؤں جب تک کہ تمہیں خداوند لطیف وخبیر کی رحمت سے ملحق نہ کردوں یعنی تمہیں قتل نہ کردوں۔ یا پھر تم میرے حکم اور حکم یزید کو بجالاؤ اور انکار نہ کرو۔

اس ظالم ولعین کی تحریر پڑھ کر آپ کے دل میں درد اٹھا، اور جب قاصد نے آپ سے خط کا جواب مانگا تو فرمایا:

"مَالَهُ عِنْدِيْ جَوَابُ لِاَ نَّهُ قَدْ حَقَّتْ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ"

''میں اس کا کوئی جواب نہیں دوں گا کہ وہ مستحق عذاب ہے''

(فوائد المشاہد/۱۹۵: مجلس دوم محرم)

سبط (ابن جوزی) نے اپنے ''تذکرہ'' میں نقل کیا ہے کہ امام حسینؑ نے دریافت فرمایا اس جگہ کا نام کیا ہے؟ لوگوں نے کہا: کربلا' اور اسے نینوا بھی کہتے ہیں جو یہاں واقع ایک گاؤں کا نام ہے۔

آپ نے رو کر فرمایا: ''کرب و بلاء'' ام سلمہ نے مجھے خبر دی ہے کہ ایک روز جبریلؑ رسول خداؐ کے پاس آئے اس وقت آپ میری آغوش میں رو رہے تھے۔ رسولؐ خدا نے فرمایا: میرے بیٹے کو مجھے دے دو۔ میں نے آپ کو انہیں دیا تو حضورؐ نے آپ کو اپنی آغوش میں بٹھا لیا۔

جبرئیلؑ نے عرض کیا: کیا آپؐ اس کو دوست رکھتے ہیں؟

فرمایا ہاں! جبریلؑ نے عرض کیا آپ کی امت اسے قتل کر دے گی اور اگر آپ چاہتے ہیں تو میں آپ کو اس کی قتل گاہ دکھا دوں؟ حضور نے فرمایا: ہاں! جبرئیلؑ نے اپنے پروں کو زمین کربلا تک پھیلا دیا اور اس جگہ کی نشاندہی کی۔ امام حسینؑ نے جب سنا کہ یہ زمین کربلا ہے تو آپ نے اس کی مٹی کو سونگھا اور فرمایا: بخدا! یہی وہ خاک ہے جس کی جبرئیلؑ نے رسول خداؐ کو خبر دی تھی۔
(نفس المہموم/۲۰۵ الموسوعہ/۳۷۴ با اختلاف قلیل)

امام حسینؑ نے فرمایا: اونٹوں کو آرام کرنے دو۔ ان سے مال و اسباب کو اتار لو اور خیمے نصب کر دو۔ آپ گھوڑے سے اتر آئے اور جلدی سے اس جگہ پہنچے۔ جب آپ کے قدم خاک کربلا پر پڑے تو اس کا رنگ زرد ہو گیا۔ اور وہاں سے ایک غبار اٹھا جو امام کے گیسوئے مبارک میں جا پڑا۔

حضرت ام کلثومؑ نے فرمایا: بھیا! میں عجب حالت دیکھ رہی ہوں' اس صحرا کو دیکھ کر میرے دل پر شدید خوف طاری ہو گیا ہے۔ امام حسینؑ نے بہن کو تسلی دی۔ (روضۃ الشہداء/۲۵۹)

جب کربلا میں ورود ہوا تو حضرت ام کلثوم نے عرض کیا:

اے برادر! یہ کیسی ہولناک وادی ہے کہ اس سے میرے دل پر شدید خوف طاری ہو گیا ہے؟ امامؑ نے فرمایا: میں جانتا ہوں کہ جنگ صفین کے موقع پر جب میں اپنے والد گرامی (اور بھائی) کے ساتھ اس سرزمین پر پہنچا تو والد گرامی گھوڑے سے اتر آئے اور اپنا سر مبارک میرے

بھائی (حسنؑ) کی گود میں رکھ کر تھوڑی دیر کے لئے سو گئے جب کہ میں ان کے سرہانے بیٹھا ہوا تھا۔ اچانک پریشانی کے عالم میں بیدار ہوئے اور زار و قطار رونا شروع کر دیا۔ میرے بھائی نے اس (گریہ وزاری) کا سبب پوچھا تو فرمایا میں نے خواب میں دیکھا ہے۔ کہ یہ صحرا خون سے بھرا سمندر ہے۔ اور میرا حسین اس دریائے خون کے درمیان پڑا ہاتھ پاؤں مار رہا ہے جب کہ کوئی اس کی فریاد پر مدد کو نہیں پہنچتا۔

پھر میری جانب رخ کر کے فرمایا: یا ابا عبداللہ! اگر تمہیں اس سرزمین پر یہی واقعہ پیش آ گیا تو تم کیا کرو گے؟" میں نے جواب میں عرض کیا: صبر کروں گا کہ صبر کے بغیر چارہ نہیں"

(مہیج الاحزان/۶۵ م۲ وقائع الایام خیابانی/۱۵۴، معالی السبطین: ۱/۱۷۵ مجالس ومواعظ مرحوم شوستری/۲۵)

شیخ کشی مسیب بن نجبہ فزاری سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: ہم سلمان فارسیؓ کے استقبال کے لئے گئے۔ جب وہ مدینہ سے مدائن تشریف لاتے ہوئے کربلا پہنچے تو فرمایا: اس زمین کا نام کیا ہے؟ جواب ملا کربلا۔ فرمایا:

هٰذِهِ مَصَارِعُ اِخْوَانِي هٰذَا مَوْضِعُ رِحَالِهِمْ وَهٰذَا مُنَاخُ رِكَابِهِمْ وَهٰذَا مُهْرَاقُ دِمَائِهِمْ، يُقْتَلُ بِهَا خَيْرُ الْاَوَّلِيْنَ وَيُقْتَلُ بِهَا خَيْرُ الْآخِرِيْنَ.

"یہ زمین میرے بھائیوں کی شہادت گاہ ہے۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں وہ بار اتاریں گے۔ یہ مقام ان کے اونٹوں کی خوابگاہ ہے۔ اور یہی وہ مقام ہے جہاں ان کا خون بہایا جائے گا۔ اور یہاں پر (مخلوق خدا کی) اولین اور آخرین میں سے بہترین ہستیوں کو قتل کیا جائے گا۔ (رجال کشی: ۱/۲۷۳ ح۴۶)

نوٹ: خیر الاولین سے مراد شاید حضرت ہابیل اور خیر الآخرین سے مراد حضرت حسینؑ ہیں)

مترجم کی رائے میں شاید خیر الاولین بھی امام حسینؑ ہی ہوں اور خیر الآخرین بھی آپؑ ہیں۔ جیسا کہ ہم انوار خمسہ کے مخلوق اول ہونے پر ایمان رکھتے ہیں اور خیر الآخرین اس طرح کہ:

موت کے سیلاب میں ہر خشک و تر بہہ جائے گا
ہاں مگر نام حسینؑ ابن علیؑ رہ جائے گا

زمین کربلا

مرحوم بیرجندی کہتے ہیں: زمین کربلا کے بے شمار نام ہیں ان میں سے معروف ترین نام کربلا ہے۔ ''کربلا کربلہ'' سے مشتق ہے جس کے معنی سستی پا ہیں۔ جیسے:

''فُلانٌ یَمْشِی مُکَرْبِلاً کَأَنَّهُ یَمْشِی فِی الطِّیْنِ''

''جو کربلا میں پھنس گیا وہ کیچڑ میں دھنس گیا''

اس کا دوسرا مفہوم آب وگل میں دھنس جانا ہے۔ نیز اس کے معنی پاک ہونا اور گندم کو لادنا بھی ہیں۔ اس زمین کی نرمی اور کوہ وسنگ سے پاکی کے سبب بھی اسے کربلا کہتے ہیں۔

یا پھر کربل سے مشتق ہے، کربل وہ گھاس ہے جس پر سرخ رنگ کے پھول چمکتے ہیں۔ شاید وہ گھاس اس زمین پر زیادہ ہوتی ہے۔

یہ زمین قبل ازیں انبیاء و اولیاء کے تزلزل اور ابتلا کا محل بھی رہ چکی ہے، جیسا کہ ''منتخب طریحی'' کی مفصل حدیث سے ظاہر ہے اس اعتبار سے ممکن ہے کہ کرب و بلا کا مخفف رواج پا گیا ہو۔ (کبریت احمر ۴۶۵)

آخری احتمال صحیح تر ہے' کیونکہ احادیث سے استفادہ ہوتا ہے کہ یہ کرب و بلاہی کا مخفف ہے۔

امام کی بَیْنَ النَّوَا وَیْسِ وَ کَرْبَلاَ (مجمع البحرین: ۴/۱۲۰) سے مراد (جو کہ قبلاً آپؑ کے اپنے خطبے میں موجود ہے) قریہ د کربلا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کربلا ایک باقاعدہ گاؤں ہو۔ اور ممکن ہے کہ نواویس اس وقت کا کوئی معروف مقبرہ ہو۔ جس کے نزدیک کوفہ کے دیہات و قراء کے یہود و نصاری ساکن ہوں۔ کیونکہ حضرت امیر المومنینؑ نے ایک عرصہ کے لئے قاضی شریح کو کوفہ سے نکال

دیا تھا اور اسے وہاں بھیج دیا تھا تاکہ کوفہ سے نکال دیئے جانے والے یہود میں حکم وقضاوت کرے۔

شاید امام حسینؑ سمجھے ہوں کہ ابن سعد ملعون اپنے ساتھیوں کے اجساد خبیثہ کو یہاں دفن کرے گا کہ جو یہود ونصاریٰ اور مجوسیوں سے بھی بدتر ہیں۔ اس اعتبار سے اس مقام کو نواویس کہا ہو کہ جہنم کے ایک مقام کا نام ہے۔ چنانچہ کتاب 'فقیہ'' کے باب قضا میں شیخ صدوقؒ کی روایت میں آیا ہے کہ نواویس نے اپنی گرمی کی شدت کی خدا سے شکایت کی' جواب ملا خاموش ہو جاؤ کیونکہ ایسے قاضی جو بغیر صلاحیت ولیاقت کے قضاوت کرتے ہیں کا مقام تجھ سے بھی گرم تر ہے اور ان پر اس سے بھی سخت تر عذاب ہوگا۔ (کبریت احمر/۲۷۳)

فاضل کامل اور عالم خبیر سید عبدالحسین جو روضہ مبارک حضرت سید الشہداء کے کلید بردار ہیں فرماتے ہیں: نواویس سے مراد پل سفید ہوگا جو کہ قبرستان بابل تھا۔ اور اس جگہ مردوں کو گڑھے میں پھینک کر دفن کر دیا جاتا تھا۔ اور تا حال ان گڑھوں میں' جو وہاں پیدا ہو گئے ایک ایسی خاک ہے جس کو آگ پر ڈالا جائے تو اس سے بدبو اٹھتی ہے۔ اور کربلا نواویس اور دو دریاؤں علقمہ ونینویٰ کے مقابل ایک شہر تھا جہاں آج تک بھی دریائے علقمہ کے آثار موجود ہیں۔

(منتہی الآمال: ۱/۳۴۲' فصل واقعہ روز عاشورا)

امام حسینؑ خریدار زمین کربلا

امام عالی مقامؑ نے کربلا میں تشریف لاتے ہی اس زمین کو اپنے شیعوں اور موالیوں کے لئے خرید لیا۔

روایت میں ہے کہ امام حسینؑ نے اس زمین (جس میں آپ کا روضہ اطہر اور نواحی رقبہ شامل ہے) کو ساٹھ ہزار درہم کے عوض خرید فرمایا۔ پھر اس زمین کو انہی لوگوں (بائعان) کے سپرد کردیا اور شرط ٹھہرائی کہ زائرین کی میری قبر تک راہنمائی کرنا اور تین یوم تک انہیں بطور مہمان ٹھہرانا۔

(مستدرک: ۱۰/۳۲۱ باب ۵۰ از مزار ح ۷، مجمع البحرین: ۵/۴۶۱، مقتل مقرم/۲۳۵، وقائع الایام/۱۵۴)

امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں۔ حرم امام حسینؑ چار مربع میل ہے۔ آپؑ نے اسے خرید فرمایا۔ آپ کی اولاد اور ماننے والوں کے لئے یہ حلال ہے (کہ وہ اس سے فائدہ اٹھائیں اور یہاں ٹھہریں) جبکہ آپ کے مخالفوں پر حرام ہے اور برکت خدا حرم حسینؑ میں ہے

(مستدرک: ۱۰/۳۲۱ مقتل مقرم/۲۳۵ وقائع الایام: ۱۵۵)

صادق آل محمدؑ فرماتے ہیں: کربلا حرم امام حسینؑ ہے اور برکت خدا اسی میں ہے کہ جو آپؑ کی اولاد اور موالیوں پر حلال ہے۔ اور آپؑ کے غیر (یعنی مخالفوں اور دشمنوں) کے لئے حرام۔

(معالی السبطین: ۱/۱۷۵)

امام حسینؑ کے نام ابن زیاد کا خط

دومحرم الحرام کو کربلا میں امام عالی مقامؑ کو ابن زیاد کا خط ملا۔ جس میں تحریر تھا:

اے حسینؑ ! مجھے خبر ملی ہے کہ آپ کربلا میں پہنچ گئے ہیں۔ یزید نے مجھے لکھا ہے کہ اس وقت تک آرام سے نہ سوؤں اور پیٹ بھر کر غذا نہ کھاؤں، جب تک کہ تمہیں خداوند لطیف وخبیر تک نہ پہنچا لوں (یعنی قتل نہ کردوں)۔ یا پھر تم میرا اور یزید کا حکم تسلیم کرلو۔

جب یہ خط آنجنابؑ کو موصول ہوا، آپؑ نے اسے پڑھا تو دور پھینک دیا اور فرمایا: وہ لوگ کبھی نجات نہیں پائیں گے جو مخلوق کی رضا کو خالق کی ناراضگی کے عوض خریدتے ہیں۔

قاصد نے خط کا جواب مانگا تو حضرت نے فرمایا: وہ مستحق جواب نہیں بلکہ سزاوار عذاب ہے (کیونکہ امامؑ جب بھی کسی کو خط تحریر فرماتے تھے تو اس کی ہدایت کی امید رکھتے تھے)

قاصد واپس چلا گیا اور ابن زیاد کو خبر دی وہ دشمن خدا غضب ناک ہوا اور عمر سعد کی طرف رجوع کر کے اسے جناب حسینؑ سے جنگ پر مامور کردیا۔

اس فرمان سے پہلے حکومت رے عمر سعد کو مل چکی تھی۔ چنانچہ عمر سعد نے کہا: مجھے اس کام سے معذور سمجھو۔ ابن زیاد نے کہا: میں تمہیں حکومت رے دینے کا فرمان منسوخ کرتا ہوں۔ اس نے مہلت طلب کی اور ایک روز کے بعد حکومت رے کے چھن جانے کے خطرے کے پیش نظر امامؑ سے جنگ کے لئے جانے پر آمادہ ہوگیا۔ (بحارالانوار: ۴۴/۳۸۳ مقتل خوارزمی: ۱/۲۳۹)

مورخین لکھتے ہیں: عمر سعد نے ایک ماہ کی مہلت مانگی لیکن ابن زیاد نے اسے صرف ایک رات کی مہلت دی۔ اس نے وہ رات تشویش وتردد میں گزاری۔ لیکن آخر کار شقاوت قلبی

اس پر غالب آ گئی اور اس نے مملکت رے کی تمنا میں آنحضرتؑ سے جنگ قبول کر لی۔

منقول ہے کہ وہ اپنے مکان پر پہنچا اور اپنے دوستوں سے مشورہ کیا، کسی نے اسے اس بات کا مشورہ نہ دیا۔ ان جملہ اشخاص میں سے ایک کامل العقل اور خیر خواہ شخص جس کا نام (بھی) کامل تھا اور اس کے باپ کا ساتھی رہ چکا تھا، اس کے پاس گیا اور اسے مضطرب دیکھ کر پوچھا: تجھے کیا ہوا ہے۔

عمر سعد نے جواب دیا۔ سردار لشکر نے مجھے کہا ہے کہ حسینؑ ابن علیؑ سے جنگ اور حسین اور آپ کے اہل بیتؑ کا قتل میرے لئے لقمہ طعام کی مانند ہے کہ اس کے بعد ملک رے کا مالک بن جاؤں گا۔

کاملؒ نے کہا: اے عمر! تیرے اور تیرے دین پر لعنت کیا تو نے حق کو فراموش کر دیا ہے اور گمراہ ہو گیا ہے؟ کیا تو نہیں جانتا کہ تو کس ہستی کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے جا رہا ہے؟ ''انا للہ وانا الیہ راجعون'' خدا کی قسم! اگر وہ مجھے دنیا و مافیہا دے دیں اور کہیں کہ امت محمدؐ میں سے ایک شخص کو قتل کر دوں تو میں یہ کام (پھر بھی) نہیں کروں گا، اور تو چاہتا ہے کہ فرزند رسولؐ کو قتل کرے۔ کل روز قیامت تو رسول خدا کو کیا جواب دے گا' یہی کہ تو نے ان کے نور چشم اور میوہ دل فرزند فاطمہ زہراؑ سیدہ زنان عالم اور دلبند مرتضیٰ (بہترین اوصیاء کو قتل کر دیا) وہ جوانان جنت کے سردار اور اس زمانے کے امام و پیشوا ہیں، کیونکہ ان کے نانا مخلوق خدا کے پیشوا تھے اور ان کی اطاعت ہم پر واجب ہے۔

وہ (حسینؑ) اس ہستی کے بیٹے ہیں جسکے ہاتھ میں بہشت اور دوزخ ہیں۔ جو چاہو اختیار کرو میں گواہی دیتا ہوں کہ اگر تم نے ان سے جنگ کی یا انہیں شہید کیا۔ یا ان کے قتل میں شریک و مددگار ہوا تو تو تھوڑے وقت سے زیادہ زندہ نہیں رہے گا۔ پھر راہب اور اس کے باپ کی واستان اس کے لئے نقل کی۔ (بحار الانوار ۴۴/۳۰۶ ب ۳۶ ح ۱۹، مہیج الاحزان/۷۵م ۴)

اس کے چھوٹے بیٹے نے بھی اس کو منع کیا اور کہا:

یہ کیسا برا خیال تم سوچ رہے ہو اور کیا بے حاصل کام تمہارے دل میں سما گیا ہے۔ تم نہیں جانتے کہ کس سے جنگ لڑنے جا رہے ہو اور کس خاندان سے دشمنی کر رہے ہو؟ حضرت حسینؑ بن علیؑ جگر گوشہ مصطفیٰ نور چشم مرتضیٰ اور سرور سینہ فاطمہ زہراؑ ہیں، اللہ سے ڈرو اور قیامت کی فکر کرو۔

عمر سعد نے اس کی جانب سے رخ پھیر لیا اور اپنے بڑے بیٹے سے کہا: تمہارا کیا خیال ہے؟ اس نے کہا: جو کچھ میرے بھائی نے کہا ہے، اگر چہ یہ سچ ہے مگر ادھار ہے اور جو کچھ ابن زیاد سے مل رہا ہے وہ نقد۔ اور کوئی بھی عقل مند نقد کو ادھار کے بدلے نہیں چھوڑتا۔

عمر سعد نے کہا: میرے بیٹے! تو نے سچ کہا ہے' ہمیں حال دنیا کو اختیار کرنا چاہیے تا کہ آخرت بھی ویسی ہی ہو جائے۔

(۱) اس ضمن میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے کلام کا معجزہ ظاہر ہوا۔ اصبغ کہتا ہے ایک دن حضرت امیر المومنینؑ لوگوں کے سامنے خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ آپ نے فرمایا۔

"سَلُونِی قَبْلَ أَنْ تَفْقِدُ وَنِی فَوَاللّٰهِ لاَ تَسْئَلُونِی عَنْ شَیْءٍ مَضٰی وَلاَ شَیْءٍ یَکُونُ اِلَّا نَبَّأْتُکُمْ بِهِ"

مجھ سے سوال کرو اس سے قبل کہ میں تم میں سے چلا جاؤں۔ خدا کی قسم! تم ماضی اور مستقبل کی کوئی بات بھی ایسی نہیں پوچھو گے کہ جو میرے علم سے باہر ہو۔

سعد ابن ابی وقاص کھڑا ہو گیا اور اس نے کہا: یا امیر المومنینؑ! میرے سر اور ڈاڑھی کے بال کتنے ہیں؟ آپؑ نے فرمایا: خدا کی قسم! میرے بھائی رسول خدا نے مجھے تیرے سوال کی خبر دی تھی، اور تیرے سر اور داڑھی میں کوئی بال نہیں سوائے اس کے کہ یہ شیطانی گھونسلے ہیں۔ "وَاِنَّ فِی بَیْتِکَ لَسُخَلاً یَقْتُلُ الْحُسَیْنَ اِبْنِی:" اور تحقیق تمہارے گھر میں ایک گوسالہ ہے جو میرے بیٹے حسین کو قتل کرے گا۔

اس زمانے میں عمر سعد کم سن بچہ تھا اور ہاتھ اور پاؤں پر (کہنیوں کے بل) چلتا تھا۔

(امالی صدوق/۱۳۳ کامل الزیارات ۷۴' ارشاد: ۱/۳۳۰' بحار الانوار: ۴۴/۲۵۶و۲۵۸)

ایک دن امیر المومنینؑ نے عمر سعد کو دیکھا اور اسے فرمایا: وہ وقت کیسا ہوگا کہ جب تجھے جنت اور دوزخ میں اختیار ہوگا اور تو دوزخ کو اختیار کرے گا؟ میں خدا کی پناہ مانگتا ہوں کہ ایسا ہو: فرمایا: لاریب' بہت جلدی یہ واقعہ ہوگا۔

جب یہ بات پھیل گئی تو عمر سعد جب بھی مسجد میں آتا لوگ کہتے یہ قاتل حسین ہے حتی کہ

عمر سعد نے ایک دن امام حسینؑ سے کہا: اے ابا عبداللہ! میرے نزدیک وہ لوگ بے وقوف و بے عقل ہیں۔ جو خیال کرتے ہیں کہ میں آپ کو قتل کروں گا؟ آپؑ نے فرمایا: یہ بیوقوف نہیں بلکہ عقل مند ہیں۔

عمر سعد کا شمار جنگی حکمت عملی کے ماہروں میں ہرگز نہیں ہوتا تھا اور نہ ہی اس کی پہلوانی اور شمشیر زنی مشہور تھی۔ بلکہ ابن زیاد نے اسے اس خیال سے منتخب کیا تھا کہ اسکا باپ ایک مشہور اور بااثر شخص تھا۔ اور وہ خود ایک زاہد نما نیک نام شخص تھا۔ لہٰذا ابن زیاد عوام کے سامنے اس کی فریبانہ شہرت سے فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ سید الشہدا کے ساتھ جنگ مشکل امر ہے اور ہر کوئی یہ بوجھ اٹھانے کے لئے تیار نہیں تو اس نے اپنے لشکر کی کمان کیلئے شمشیر زنوں اور بہادروں سے صرف نظر کرتے ہوئے اسے امیر لشکر بنا دیا۔ تاکہ عوام کو دھوکا دیا جا سکے۔ پہلے تو اس نے قبول نہ کیا لیکن حکومت رے کے وعدے سے فریب کھا گیا، اور اس کام کے لئے آمادہ ہو گیا۔

انجام کار عمر حکومت رے پر متمکن بھی نہ ہو سکا اور امام عالی مقام کی بد دعا کا شکار ہو گیا۔

واقعہ کربلا کے بعد عمر سعد ابن زیاد کے دربار میں گیا اور انعام و اکرام کی درخواست کی۔

ابن زیاد نے کہا: جو فرمان اور عہد نامہ میں نے ملک رے اور قتل حسینؑ کے سلسلے میں تمہارے لئے لکھا تھا وہ دکھاؤ۔ اس نے کہا: میں اسے گم کر بیٹھا ہوں۔ ابن زیاد نے کہا: آج ہی یہ حکم نامہ پیش کرو ورنہ خود کو انعام و اکرام سے محروم سمجھو۔ کیا تم قتل حسینؑ سے شرم سار نہ تھے اور عجوزہ ہائے قریش سے خجالت محسوس کرتے ہوئے دوران جنگ میں فکر معذرت میں نہ تھے"۔

اس نے جواباً کہا: اے امیر! اس سلسلے میں میں نے حق خدمت ادا کر دیا ہے۔ اگر میرا باپ سعد بھی مجھے اس کام کا حکم دیتا تو میں نہ بجالاتا۔ میں نے اپنے باپ کا حق ادا نہیں کیا جبکہ تمہارا حق بجالایا ہوں۔ ابن زیاد نے اسے گالی دی اور کہا: تو جھوٹ بکتا ہے...... وہ غضب ناک ہوا اور رنجیدہ و غمگین حالت میں مجلس سے اٹھ گیا اور خود سے کہنے لگا: "ذَٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِينُ"

ابن سعد اور دیگر سرکردہ ظالموں پر خدا کی لعنت ہو کہ وہ گمراہ ہو گئے اور امام حسینؑ کے بجائے شراب خور اور زنا کار یزید کو اختیار کیا۔

(مہیج الاحزان/ ۷۷م۳، اور عبارت کے قلیل اختلاف کے ساتھ، مثیر الاحزان/ ۱۰۹، بحار الانوار: ۴۵/ ۱۱۸)

عمر سعد کی کربلا میں آمد

تین محرم کو عمر سعد چار ہزار سواروں کے ساتھ نینوا میں وارد ہوا اور عروہ بن قیس احمسی سے کہا: امام حسینؑ کے پاس جاؤ اور دریافت کرو کہ کس مقصد کیلئے اس سرزمین پر آئے ہو اور کیا چاہتے ہو؟ عروہ وہ شخص تھا کہ جس نے خود امام کو خط لکھ کر بلایا تھا۔ چنانچہ اس نے امامؑ کے پاس جانے سے شرم محسوس کی۔

عمر سعد نے ان تمام اشخاص کو' جنہوں نے حضرت کو خط لکھے تھے' یہ درخواست کی اور سبھی نے اس کی انجام دہی سے پس وپیش کی۔

کثیر بن عبداللہ شعبی نامی ایک بے باک (بے غیرت) بہادر نے اٹھ کر کہا: میں حسین کے پاس جاتا ہوں اور بخدا اگر تو چاہتا ہے۔ تو وہیں بوقت غفلت انہیں قتل کر آتا ہوں۔ ابن سعد نے کہا: میں قتل نہیں چاہتا البتہ تم ان کے پاس جاؤ اور پوچھو کہ یہاں کس لئے آئے ہو؟

کثیر امام علیہ السلام کے پاس پہنچا، جب حضرت ثمامہ صائدی نے اسے دیکھا تو آپ سے عرض کیا: اے ابا عبداللہ! زمانے کا بدترین انسان اور ان میں سے سب سے زیادہ بے باک اور سب سے زیادہ خون ریز شخص آپ کی جانب آ رہا ہے' پھر ثمامہ فوراً اس کے پاس پہنچے اور کہا: (اگر تم آنحضرتؑ کے پاس آنا چاہتے ہو تو) اپنی تلوار پھینک دو۔ اس نے کہا: خدا کی قسم! میں ایسے نہیں کروں گا۔ میں (عمر سعد کا) فرستادہ ہوں۔ اگر تم لوگ میری بات سنو گے تو جو پیغام لایا ہوں تمہیں پہنچاؤں گا ورنہ واپس چلا جاؤں گا۔

ابو ثمامہ نے کہا: جب تم بات کرو گے تو تمہاری تلوار کے قبضے پر میرا ہاتھ رہے گا۔ اس

نے کہا: نہیں خدا کی قسم! میں ایسا نہیں کرنے دوں گا۔

ثمامہ نے کہا: تو پھر پیغام مجھے دے دو تا کہ میں یہ پیغام (امامؑ کو) پہنچا دوں۔ ورنہ میں تمہیں امامؑ تک نہیں جانے دوں گا کیونکہ تو تباہی پسند انسان ہے۔ دونوں نے ایک دوسرے کو برا بھلا کہا کثیر سعد کی جانب واپس چلا گیا اور اس سے سارا ماجرا بیان کیا۔

پھر عمر بن سعد نے قرہ بن قیس حنظلی (۱) کو بلایا اور کہا: اے قرہ! وائے ہو تم پر تم حسینؑ سے ملاقات کرو اور پوچھو کہ یہاں کیوں آئے ہو اور کیا چاہتے ہو؟

قرہ آنحضرتؑ کے پاس آیا۔ جب امامؑ نے اسے دیکھا تو فرمایا: کیا تم اس شخص کو پہچانتے ہو؟ حبیب ابن مظاہر بولے: ہاں! یہ قبیلہ حنظلہ سے ہے اور میرا بھانجا ہے۔ لیکن میں تو اسے خوش عقیدہ سمجھتا تھا اور میرا خیال نہیں تھا کہ وہ اس جنگ میں شامل ہوگا۔

قرہ امامؑ کے قریب پہنچا اور آپ کو سلام کر کے عمر سعد کا پیغام پہنچایا۔ امام حسینؑ نے فرمایا: تمہارے شہر کے لوگوں نے مجھے خطوط لکھے ہیں، اس لئے یہاں پہنچا ہوں۔ اگر میرا یہاں آنا تم لوگوں کو اچھا نہیں لگا تو میں واپس چلا جاتا ہوں۔ حبیبؓ نے اس سے کہا: قرہ! وائے ہو تم پر تم کہاں ان ستم کاروں کے ساتھ مل گئے ہو؟ (ادھر چلے آؤ) اور امام کے مددگار بنو کہ ان کے باپ کے صدقے میں تمہیں ہدایت کی سعادت نصیب ہوئی تھی۔

---

(۱) لیکن تذکرۃ الشہداء کے صفحہ ۲۰۱ پر لکھا ہے کہ کثیر لعین کے واپس پلٹنے کے بعد عمر سعد نے خزیمہ کو آنحضرت کے پاس بھیجا۔ وہ لشکر حسینؑ کے پاس پہنچا اور آواز دی۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا بنَ رَسُوْلُ اللّٰہ حضرت نے اس کا جواب دیا اور اپنے اصحاب سے فرمایا: اس شخص کو پہچانتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا: یہ تو ایک اچھا انسان ہے لیکن دشمن کے لشکر کی طرف سے آ گیا ہے؟! اس نے آواز دی: میں امام حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتا ہوں۔ پھر اس نے اپنا اسلحہ اتار دیا اور امامؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر عمر سعد کا پیغام پہنچایا۔ حضرتؑ نے فرمایا: مجھے خطوط لکھے گئے تھے جس وجہ سے میں یہاں آیا ہوں۔ خزیمہ نے عرض کیا: خدا ان لوگوں پر لعنت کرے کہ انہوں نے آپ کو خطوط لکھ کر بلایا اور اب ابن زیاد کے لشکر میں شامل ہیں۔ حضرتؑ نے فرمایا: تم جاؤ اور عمر کو جوابی پیغام پہنچا دو۔ وہ حضرتؑ کے پاؤں میں گر پڑا اور کہنے لگا: میرے آقا! میں بہشت کو چھوڑ کر جہنم کی طرف کیسے جاؤں؟ چنانچہ لشکر امام میں شامل ہو گیا اور مقام شہادت پر فائز ہوا۔ جب وہ واپس نہ آیا تو قرہ بن قیس حنظلی کو بھیجا گیا۔

قرہ نے کہا: میں اپنے حاکم کے پاس واپس جا کر اسے اس پیغام کا جواب پہنچاتا ہوں البتہ میں آپ کی نصیحت پر غور کروں گا۔ پھر وہ عمر سعد کے پاس واپس چلا گیا اور امامؑ کا جواب اسے پہنچایا۔

عمر سعد نے کہا: مجھے امید ہے کہ خدا مجھے آپؑ سے جنگ کرنے سے بچائے گا، اور ابن زیاد کو یہ واقعہ لکھ بھیجا۔

ابن زیاد نے جب خط پڑھا تو کہا: ابھی وہ میری مٹھی میں ہے، وہ (جنگ سے) رہائی چاہتا ہے۔ لیکن اس کے لئے رہائی نہیں ہے۔

پھر ابن سعد کے جواب میں لکھا: تمہارا خط موصول ہوا اور میں نے اس کا نفس مضمون پڑھا۔ حسینؑ کی طرف پیش قدمی کرو تا کہ وہ اپنے ساتھیوں سمیت یزید کی بیعت کرے اور اگر وہ ایسا کرلیں تو بھی میں ان کے بارے میں متردد ہوں۔ (والسلام)

جب یہ خط ابن سعد کو ملا تو اس نے کہا: مجھے ڈر ہے کہ ابن سعد نے اسے سازش نہ سمجھ لیا ہو۔
(ارشاد:۲/۸۶)

محمد بن ابو طالب کہتا ہے: عمر سعد نے ابن زیاد کے خط کے متعلق حضرت امام حسینؑ کو نہ بتایا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ آپؑ یزید کی بیعت نہیں کریں گے۔

وہ مزید کہتا ہے: ابن زیاد نے کوفہ کے لوگوں کو جامع مسجد کوفہ میں جمع کیا اور منبر پر چڑھ کر کہا: اے لوگو! تم آل ابوسفیان کو آزماتے ہو اور تم سمجھتے ہو کہ وہ وہی کچھ کریں گے جو تم چاہتے ہو۔ حالانکہ یزید ایک نیک سیرت اور پسندیدہ روش انسان ہے اور اپنی رعیت کے ساتھ حسن سلوک کرتا ہے اور ان کے حقوق پورے کرتا ہے۔ اور اس کے دور حکومت میں راستے پرامن ہیں جیسا کہ معاویہ کے عہد میں تھے۔

اس (معاویہ) کا بیٹا یزید بھی اپنے باپ کے بعد تمہیں عزیز رکھتا ہے۔ تم پر مال نچھاور کرتا ہے اور تمہارا احترام کرتا ہے۔ نیز وہ کاملتاً تمہارے حقوق پورے کرتا ہے۔ اور اس نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تم پر مزید عنایات کروں اور تمہیں اس کے دشمن حسینؑ کے ساتھ جنگ کے لئے بھیجوں۔ اس کا حکم سنو اور اطاعت بجالاؤ۔

وہ منبر سے نیچے اترا اور لوگوں کو فراوانی سے مال عطا کیا اور انہیں عمر سعد کی امداد کے لئے جنگ پر روانہ کیا جو شخص سب سے پہلے (عمر سعد کی مدد کے لئے) نکلا وہ شمر لعین تھا جس کے ہمراہ چار ہزار سپاہی تھے۔ اس کے بعد یزید بن رکاب قلبی دو ہزار سپاہ کے ساتھ اور حصین بن نمیر چار ہزار سپاہیوں کے ہمراہ پہنچا۔ اس طرح (چھٹے محرم تک) عمر سعد کے پاس بیس ہزار کا لشکر جمع ہوگیا۔
(بحار الانوار:۴۴/۳۸۵، مقتل خوارزمی:/۲۴۲)

ملا محمد حسینؒ تہرانی ''وسیلتہ النجاۃ'' میں تحریر کرتے ہیں: ابن زیاد ملعون نے چار محرم کو لوگوں کو جامع مسجد کوفہ میں جمع کیا؟ اور ملاحظہ کیجئے کہ لوگوں کو کس طرح دھوکا دیا گیا اور انہیں کن کن وعدوں اور حیلوں سے اپنے ہی پیغمبرؐ کے فرزندؑ سے جنگ پر آمادہ کیا گیا۔

پانچ محرم الحرام

ابن زیاد نے شبث بن ربعی کو بلا بھیجا تا کہ اسے امام حسینؑ سے جنگ کے لئے روانہ کر سکے شبث نے بیماری کا بہانہ بنایا کہ شاید اس سے درگزر کر جائے۔

ابن زیاد نے اسے پیغام بھیجا کہ میرا قاصد خبر لایا ہے کہ تو نے بیماری کا بہانہ بنایا ہے۔ میں ڈرتا ہوں کہ تم ان لوگوں میں سے نہ ہو جاؤ جن کے بارے میں اللہ نے قرآن میں فرمایا ہے:

وَاِذالَقُوالَّذِیْنَ آمَنُو قَالُوا آمَنّاوَ اِذاخَلَوْا اِلٰی شَیاطِیْنِهِمْ قَالُوا اِنّا مَعَکُمْ اِنَّما نَحْنُ مُسْتَهْزِؤُنَ (سورہ بقرہ: آیۃ ۱۴۰)

"جب مومنوں کو دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں: ہم ایمان لائے اور جب اپنے شیاطین کے ساتھ خلوت میں ہوتے ہیں تو کہتے ہیں ہم باطنا تمہارے ساتھ ہیں اور مومنوں کا تو ہم مذاق اڑاتے ہیں۔ اگر میرے حکم کو مانتے ہو تو فوراً میرے پاس پہنچو"

شبث نماز عشا کے بعد اس کے پاس پہنچا تا کہ اس کے منہ سے یہ ظاہر نہ ہو کہ بیمار نہیں تھا۔ جب وہ ابن زیاد کے پاس پہنچا تو اس نے اس کو خوش آمدید کہا اور اپنے نزدیک بٹھایا۔ پھر کہا میں چاہتا ہوں کہ تم اس شخص (حسینؑ) سے جنگ کے لئے نکلو اور عمر سعد کی کمک کو پہنچو۔

اس نے کہا: اے امیر! میں ایسا نہیں کروں گا اور پھر ہزار سواروں کے ساتھ کربلا کی جانب روانہ ہوا۔ (بحارالانوار: ۴۴/۳۸۶ مقتل خوارزمی: ۱/۲۴۲)

ملاحظہ فرمایئے! کہ شبعث بن ربعی جو ایک معروف شخص تھا لوگ اس پر دینی اعتماد رکھتے تھے۔ اور اسے صحابہ پیغمبر میں سے خیال کرتے تھے اور عمر سعد جیسوں میں شمار کیا جاتا تھا کو کس طرح

کی مثال دے کر ترغیب دلائی گئی اور فریب دیا گیا۔

باطل کس قدر جولانی پر تھا۔اس کی خواہش تھی کہ شبث کو فرزند مصطفیٰ ؐ کے ساتھ جنگ کے لئے روانہ کیا جائے۔اس کے لئے آیہ قرآنی کو حوالہ بنایا گیا۔اور کس طرح اس بیوقوف کو راضی کیا گیا کہ (اگر تم نواسہ رسولؐ سے جنگ پر نہ گئے تو) تم ہولناک گناہ کے مرتکب ہو جاؤ گے (یا اللہ ہمیں اپنی پناہ میں رکھ)

حالانکہ اسی شبث نے امام علیہ السلام کو لکھا تھا کہ میرے سرسبز باغات اوران کے میوہ جات آپ حضور کی آمد کے منتظر ہیں ۔ اوراب وہ کربلا میں پہنچا اور پیادہ لشکر کا سالار بن کر آنحضرت سے جنگ کی ان پر تیر برسائے اور پانی بند کیا۔

حتیٰ کہ اس شخص نے سانحہ کربلا کے بعد قتل حسینؑ کی خوشی میں کوفہ میں مسجد بنوائی۔
(مجمع البحرین ۲/ ۲۵۶)

مورخین تحریر کرتے ہیں کہ کوفہ کے لوگ سید الشہداءؑ سے جنگ پر راضی نہ تھے۔ابن زیاد نے ہر کسی کو کسی نہ کسی بہانے (جنگ پر) آمادہ کیا۔کچھ کو ریاست اور مال و دولت کا لالچ دیا گیا اور جھوٹے وعدے کیے گئے اور اکثر کو تہدید اور رعب و دحشت سے کربلا کی جانب روانہ کیا گیا۔

مثلاً مورخین لکھتے ہیں : ابن زیاد نے عبداللہ سعد بن عبدالرحمٰن کو حکم دیا: خیال رکھو کہ جو کوئی بھی حکم عدولی کرے اسے میرے پاس لے آؤ۔سعد ایک شامی کو جو کسی اہم کام کے سلسلے میں لشکر گاہ سے کوفہ آیا ہوا تھا، پکڑ کر ابن زیاد کے پاس لے گیا۔اس نے کہا: اس کی گردن اڑا دو تا کہ کوئی دوسرا مخالفت کی جرأت نہ کر سکے۔(نفس المہموم/۲۱۴)

چھٹے محرم کا دن

سید بن طاؤس اور ابن نما کی روایت کے مطابق' چھٹے محرم تک بیس (۲۰) ہزار سوار اس ملعون (عمر سعد) کے پاس جمع ہو چکے تھے۔ (لہوف/۸۵'مثیر الاحزان/۵۰)

ابن زیاد نے ابن سعد کے پاس پے در پے لشکر بھیجا۔ یہاں تک کہ اس کے پاس اسی (۸۰) ہزار سوار اور پیادے جمع ہو گئے ۔ ابن زیاد نے عمر سعد کو لکھا: میں نے لشکر کے لحاظ سے تمہارے لئے کوئی عذر نہیں چھوڑا۔ (بحارالانوار:۴۴/۳۸۶'نفس المہموم/۲۱۵)

سات محرم الحرام

ابن زیاد کا پانی بند کرنے کا حکم

مرحوم شیخ مفیدؒ تحریر کرتے ہیں ۔ ابن زیاد کی جانب سے عمر سعد کو ایک خط کے بعد دوسرا خط موصول ہوا کہ حسینؑ واصحاب حسینؑ اور پانی کے درمیان حائل ہو جاؤ ۔ تا کہ وہ پانی کا ایک قطرہ بھی نہ چکھ سکیں جیسا کہ عثمان کے ساتھ کیا گیا۔[1]

عمر سعد نے اسی وقت عمر بن حجاج کو پانچ سو سواروں کے ہمراہ بھیجا تا کہ جلد از جلد دریا کے کنارے پہنچ کر ان ہستیوں اور پانی کے درمیان حائل ہو جائیں اور وہ یہاں سے پانی نہ لے سکیں ۔ یہ شہادت حسین علیہ السلام سے تین یوم قبل کا واقعہ ہے ۔

عبداللہ بن حصین نے بلند آواز کے ساتھ آواز دی :اے حسینؑ ! کیا تو اس پانی کو نہیں دیکھ رہا۔ ہے جو صفا اور زلال میں ہم رنگ آسمان ہے ۔خدا کی قسم !تم اس میں سے ایک قطرہ بھی نہ چکھ سکو گے حتیٰ کہ پیاس سے مرجاؤ گے ۔امام حسینؑ نے فرمایا:

"اَللّٰهُمَّ اقْتُلْهُ عَطَشًا وَلاَ تَغْفِرْ لَهُ أَبَدًا"

"بارالہا! اس کو تشنہ مارنا اور ہرگز نہ بخشنا"

---

(۱) مصریوں نے مدینہ میں اس کا محاصرہ کر لیا اور اس پر پانی بند کر دیا گیا۔ جب یہ خبر امیر المومنین علی علیہ السلام تک پہنچی تو آپ بہت ناراض ہوئے اور اس کے لئے پانی بھیجا۔ ابن زیاد نے اس قضیہ کو اپنی دست آویز قرار دیا اور لوگوں کے سامنے یہ ظاہر کیا کہ عثمان کو حالت تشنگی میں قتل کر دیا گیا کہ اس طرح شاید تلافی ہو سکے۔ اور لوگوں سے یہ جھوٹ بھی بولا گیا کہ یہ بغاوت اور بندش آپ حضرت علی علیہ السلام کے حکم سے تھی اور اس سلسلے میں کتنے فتنے برپا ہوئے اور کس قدر خون ریزیاں ہوئیں یہاں تک کہ بات کربلا تک پہنچی اور ابن زیاد ملعون پہلا حاکم نہیں تھا کہ جس نے پانی بند کیا ہو۔

حمید ابن مسلم کہتا ہے : واقعۂ کربلا کے بعد وہ بیمار ہوا تو میں اس کی عیادت کے لئے گیا ۔خدا کی قسم کہ جس کے بغیر کوئی عبادت کے لائق نہیں، میں نے اس کو دیکھا کہ وہ پیٹ بھر کر پانی پیتا تھا، اسکے بعد پھر پانی مانگتا تھا اور فریاد کرتا تھا: میں پیاسا ہوں ۔ میں پیاسا ہوں۔ پھر دوبارہ پانی پیتا تھا تو اس کا پیٹ اوپر کو ابھر آتا اور وہ قے کرنے لگتا تھا۔ وہ پیاس سے سوکھتا چلا گیا یہاں تک کہ اس کی جان نکل گئی۔ (ارشاد:۲/۸۸)

تواریخ میں ملتا ہے کہ کئی دفعہ نہایت زحمت کے ساتھ پانی حاصل کرنے کی کوشش کی گئی 'مثلاً زمین کو کھود کر' چشمہ نکال کر یا پھر حضرت عباسؑ کو دریا پر بھیج کر' لیکن دشمن کی جانب سے ممانعت بھی شدید تر ہوگئی۔ حتی کہ روز عاشور کو دوبارہ خیموں میں پانی نہیں تھا اور پیاس زوروں پر تھی۔

مثلاً علامہ مجلسی اور دوسرے (علماء) لکھتے ہیں۔ پیاس نے آنحضرتؑ کے اصحاب پر غلبہ پالیا۔ وہ امام مظلومؑ کی خدمت میں آئے اور پیاس کی شکایت کی۔ حضرت نے تبر یا کلنگ اٹھائی اور خیموں کے عقب میں پہنچ کر خیام کی پشت سے قبلہ کی جانب چلے اور کلنگ کو زمین پر مارا۔ آپؑ کے اعجاز سے میٹھے پانی کا چشمہ نکل آیا۔ آپؑ نے اپنے اصحاب کے ہمراہ یہاں سے پانی پیا اور مشکیزے بھر لیے۔ پھر وہ چشمہ غائب ہوگیا اور کسی نے اس کے آثار تک نہ دیکھے۔

جب یہ خبر ابن زیاد کو پہنچی تو اس نے ابن سعد کو لکھا کہ میں نے سنا ہے حسینؑ نے کنواں کھود لیا ہے اور وہاں سے پانی نکالا جا رہا ہے۔ جونہی یہ خط تمہیں ملے تو ان پر سختی کرو یہاں تک کہ وہ پانی کا ایک قطرہ تک نہ پی سکیں اور پیاس سے مر جائیں۔ جیسے کہ انہوں نے عثمان کو پیاسا شہید کیا تھا۔

جب یہ خط اسے ملا تو اس نے اہل بیتؑ پر پہلے سے بھی زیادہ سختی شروع کر دی۔ پیاس نے ان بزرگوان پر غلبہ پالیا۔ حتّٰی کہ امام عالی مقامؑ نے اپنے بھائی حضرت عباسؑ کو بلایا اور تیس (۳۰) سواروں' بیس پیادوں اور بیس (۲۰) مشکوں کے ساتھ بھیجا کہ فرات سے پانی لے آئیں۔ وہ رات کے وقت دریا کے کنارے پر پہنچے۔ عمر بن حجاج نے پوچھا کہ تم کون ہو؟ نافع بن ہلال جو امام کے صحابہ میں سے تھے، مخفی نہ رہے کہ ابن سعد کے لشکر میں بھی نافع بن ہلال نامی شخص تھا نے کہا: میں تمہارے چچا کا بیٹا ہوں اور پانی پینے کے لئے آیا ہوں۔ اس نے کہا: پی لیجئے تمہارا

پانی پینا مجھے گوارا ہے۔نافع نے کہا: تم پر افسوس ہے' میں تو پانی پی لوں اور حسینؑ ابن علیؑ اور ان کے ساتھی پیاس سے مرجائیں! عمر نے کہا: ہم یہاں مامور ہیں اور ہمیں حاکم کی اطاعت کرنا ہے۔

پھر نافع نے آواز دی ! جلدی پانی بھر لیجئے ۔ ادھرابن حجاج نے اپنے ساتھیوں کو آواز دی کہ جانے نہ پائیں ۔ جنگ شروع ہوگئی ۔ کچھ جنگ کرتے رہے اور کچھ نے مشکوں کو پر کرلیا امام کے اصحاب میں سے کوئی بھی شہید نہ ہوا اور سب خیر وسلامتی سے واپس پہنچ گئے۔

امام حسینؑ اور آپ کے ساتھیوں نے پانی پیا۔اسی لئے حضرت عباس کو سقاء کہا جاتا ہے۔
(بحارالانوار: ۴۴/ ۳۸۷، نفس المہموم/ ۲۱۷، مقتل خوارزمی: ۱/ ۲۴۴)

امام حسینؑ کی عمر سعد سے ملاقات

امام حسینؑ نے رات کو عمر سعد کو ملاقات کے لئے بلا بھیجا تاکہ دونوں لشکروں کے درمیان بات چیت ہوسکے۔اس ملعون نے (قبول کرلیا اور) بیس سپاہیوں کے ساتھ اپنے لشکر سے نکلا' امام نے بھی اپنے ہمراہ بیس افراد لئے ۔ جب ایک دوسرے سے ملاقات ہوئی تو آپؑ نے حکم دیا کہ اصحاب تھوڑا دور چلے جائیں اور صرف میرے بھائی عباسؑ اور بیٹے علی اکبرؑ یہاں رہیں ۔اس ملعون نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ تم بھی دور چلے جاؤ صرف میرا بیٹا حفص اور ایک غلام یہاں ٹھہریں۔

سید مظلومؑ نے فرمایا: تجھ پر افسوس ہے کہ جس خدا کی طرف لوٹ کر جانا ہے تو اس سے نہیں ڈرتا ؟ کیا تو مجھ سے جنگ کرے گا حالانکہ تو جانتا بھی ہے کہ میں کون ہوں اور کس کا بیٹا ہوں؟ اس گروہ کو چھوڑ دے اور میری جانب چلا آ کیونکہ اس سے تجھے قرب خدا میسر آئے گا (اور اپنے لئے سعادت ابدی حاصل کر کے خود کو آخرت کے عذاب ابدی سے نجات دے)

اس شقی نے کہا: مجھے ڈر ہے کہ وہ میرا گھر برباد کردیں گے حضرتؑ نے فرمایا: میں اپنے مال سے تجھے گھر بنادوں گا۔اس نے کہا: میں ڈرتا ہوں کہ وہ میری جائیداد پر قبضہ کرلیں گے حضرت نے فرمایا: میں حجاز میں تجھے اس سے بہتر املاک مہیا کردوں گا۔

اس نے کہا: میں اپنے اہل وعیال کی وجہ سے خوفزدہ ہوں حضرتؑ نے فرمایا: میں ان کے تحفظ وسلامتی کی ضمانت دیتا ہوں۔وہ خاموش ہوگیا اور پھر کچھ نہ بولا۔

امام نے جب دیکھا کہ اس پر نصیحت کا کچھ اثر نہیں ہوا تو چہرہ مبارک اس کی جانب سے

پھیر لیا اور فرمایا: تو کیا چاہتا ہے؟ اللہ تجھے بہت جلدی تیری خواب گاہ میں قتل کروا دے گا اور روز قیامت تجھے ہرگز نہیں بخشے گا۔ مجھے امید ہے کہ تو عراق کی گندم سے قلیل مقدار سے زیادہ نہ کھا سکے گا (اس کنایہ سے مراد یہ ہے کہ زیادہ دیر زندہ نہیں رہے گا اور خوشی سے دنیا سے نہیں جائے گا۔

اس ملعون نے استہزاً کہا: آپ ہماری شفاعت کر دیجئے گا۔ (بحارالانوار: ۴۴/ ۳۸۸)

خولی بن یزید اصبحی جو کہ امام سے دشمنی رکھتا تھا۔ جب اس نے اس ملاقات کو دیکھا تو ابن زیاد کو خط لکھا کہ ابن سعد ہر شب اپنی لشکر گاہ سے نکل کر فرات کے کنارے فرش بچھا کر بیٹھ جاتا ہے اور حسینؑ کو بلا کر اس سے باتیں کرتا ہے۔ یہاں تک کہ بہت رات گزر جاتی ہے اور میں حسینؑ کے لئے اس کے یہاں رحمت و رافت کے علاوہ کچھ نہیں دیکھتا۔ (لہٰذا حکم صادر کیجئے کہ وہ زمام کار میرے سپرد کر دے تا کہ میں حسینؑ کا کام تمام کر دوں۔

جب ابن زیاد نے خولی کا خط پڑھا تو ابن سعد سے ناراض ہوا اور اسے لکھا: میں نے سنا ہے کہ تم حسینؑ سے دوستی رکھتے ہو۔ اور رات کو اپنے لشکر سے نکل کر (فرات کے کنارے) فرش بچھا کر بیٹھ جاتے ہو اور حسینؑ کو بلا کر رات گئے تک اس سے باتیں کرتے رہتے ہو۔ تمہیں جونہی میرا خط ملے حسینؑ سے کہو کہ وہ میرے حکم کی اطاعت کرے اور اگر وہ ایسا نہ کرے تو اس پر پانی بند کر دو اور فرات اور اس کے درمیان مانع ہو جاؤ میں نے پانی کو یہود و نصاریٰ کے لئے حلال کر دیا ہے اور حسینؑ اور اس کے اہل بیتؑ پر حرام۔ پس حسینؑ و اصحاب حسینؑ اور پانی کے درمیان حائل ہو جاؤ تا کہ ان کو پینے کے لئے قطرہ آب تک نہ ملے جیسا کہ انہوں نے عثمان کے ساتھ کیا۔

جب ابن سعد نے خط کو پڑھا تو عمرو بن حجاج کو پانچ سو سواروں کے ساتھ دریائے فرات پر مقرر کر دیا اور حکم دیا کہ حسینؑ اور ان کے ساتھیوں کو پانی نہ لینے دو اور یہ واقعہ سات محرم بروز منگل کا ہے۔ (ناسخ التواریخ: ۲/۱۹۲)

ملاحظہ کیجئے کہ ابن زیاد کس قدر ظالم و بے حیا تھا۔ اس نے حکم کے ساتھ ساتھ فتویٰ دے دیا۔ یہ آئندہ نسلوں کے لئے درس عبرت ہے کہ ہوش کے ناخن لیں اور دوسروں کا حق نہ ماریں ظالم حکام طمع و خوف کے ساتھ ساتھ فتویٰ بھی دے دیتے ہیں۔

آٹھ محرم الحرام

شیخ مفیدؒ رقم طراز ہیں: جب حضرت امام حسینؑ نے عمر سعد کے لشکر کو نینوا میں پہنچتے ہوئے دیکھا اور جنگ کے لئے مستعد پایا تو عمر سعد کو پیغام بھیجا کہ میں تم سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں چنانچہ رات کو دونوں میں ملاقات ہوئی اور کافی دیر تک باہم گفتگو ہوتی رہی۔

اس کے بعد عمر سعد نے ابن زیاد کو ایک خط لکھا کہ اللہ نے (جنگ کی) آگ کو بھسم کردیا ہے پریشانی دور ہوگئی ہے اور اس امت کی مشکل حل ہوگئی ہے۔ حسینؑ نے مجھ سے پیان کرلیا ہے کہ ہم جہاں سے آئے ہیں وہیں واپس چلے جاتے ہیں یا کسی سرحد پر چلے جاتے ہیں اور دوسرے مسلمانوں کی طرح زندگی بسر کرتے ہوئے ان کے سود و زیاں میں برابر کے شریک ہوں گے اور یا پھر ہمیں یزید کے پاس جانے دو ہم اس کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیتے ہیں (۱) اور جو کچھ وہ خود چاہے انجام دے گا۔ اس پیان میں تمہاری خوشنودی اور امت کی بہتری ہے۔

جب ابن زیاد نے خط کو پڑھا تو کہا: یہ لوگوں کے ایک خیر خواہ اور دلگیر کا خط ہے۔ شمر بن ذی الجوشن لعنتی کھڑا ہوگیا اور کہنے لگا:

---

(۱) جہاں تک میری دانست کا تعلق ہے اور آنحضرت کے گزشتہ بیانات، روایات اور آپ کی شرح حال سے عیاں ہے کہ امام ہرگز یزید کی بیعت کے لئے نہ جاتے اور اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں نہ لیتے یا اس کے ہاتھ نہ دیتے۔ محدث قمی نے نفس المہموم (۲۲۱) میں طبری سے (۵/۴۱۳) ان کامل ابن اثیر اور دوسروں نے عقبہ بن سمعان سے نقل کیا ہے کہ وہ کہتا ہے: میں مدینے سے مکے تک اور مکے سے عراق تک امام حسینؑ کے ساتھ تھا اور ان سے جدا نہ ہوا۔ تاوقتیکہ آپؑ شہید ہوگئے اور میں نے آپ کی تمام گفتگو سنی آپ نے یہ کہیں بھی نہیں فرمایا: کہ میں یزید کے ہاتھ میں ہاتھ دینے کے لئے تیار ہوں، اور عمر سعد کی شمر کے ساتھ بات چیت میں آئے گا کہ وہ کہتا ہے: حسین کچھ تسلیم نہیں کرے گا۔ اس بنا پر عمر سعد نے اپنی جانب سے اس طرح لکھا کہ شاید بات جنگ اور خون ریزی تک نہ پہنچے۔

تم اس کی اس بات کوتسلیم کر رہے ہو کہ حسینؑ تمہاری اس سرزمین پر تمہارے پاس پہنچ جائے؟ خدا کی قسم اگر وہ اس سرزمین پر سلامت پہنچ گیا اور تمہاری بیعت نہ کی تو اور بھی طاقت ور ہو جائے گا جبکہ تم کمزور تر ہو جاؤ گے۔ اس کی تجویز کو مت قبول کرو، کیونکہ یہ کاہلی اور سستی ہے، بلکہ اسے کہو کہ اپنے پیروؤں سمیت تمہارے سامنے جھک جائے اور اگر تم نے انہیں انجام کو پہنچا دیا تو یہ تمہیں سزاوار تر ہے، اور اگر عفو کیا تو وہ تمہارے اختیار میں ہیں۔

ابن زیاد نے کہا: تو نے خوب تجویز دی ہے۔ اور جو بات تو نے کہی ہے نہایت مدبرانہ ہے۔ میں خط تحریر کرتا ہوں تو اسے عمر سعد کے پاس لے جا تا کہ حسینؑ اور اصحاب حسینؑ کو تجویز پیش کرے کہ وہ خود کو ہمارے سپرد کر دیں۔ اگر وہ ایسا ہی کریں تو انہیں زندہ میرے پاس بھیج دے اور اگر انکار کریں تو ان سے جنگ کرے۔

اگر عمر سعد یہ کام انجام دے تو تم بھی اس کی فرمانبرداری کرنا اور اس کے حکم کی اطاعت کرنا اور اگر اس کام سے سرگردانی کرے تو تم امیر لشکر اور فرمانروا بن جانا، عمر کی گردن مار دینا اور اس کا سر مجھے روانہ کر دینا۔

اور خط میں عمر سعد کو لکھا: میں نے تمہیں حسینؑ کی طرف اس لئے نہیں بھیجا تھا کہ اس سے حسن سلوک کرو اور اس کی سلامتی و زندگی کی آرزو رکھو۔ یا اس کے بارے میں عذر خواہی کرو اور میرے سامنے اس کے لئے وسیلہ بنو۔ یاد رکھو! اگر حسینؑ اور اس کے اصحاب میرے حکم کے مطابق گرفتاری دے دیں تو ان کو زندہ سلامت میرے پاس بھیج دو۔ اور اگر وہ انکار کریں تو ان سے جنگ کرو اور انہیں قتل کر کے ان کا مثلہ کرو۔ کیونکہ وہ اسی سلوک کے مستحق ہیں اور جب حسینؑ قتل ہو جائے تو اس کے سینے اور پشت پر گھوڑے دوڑاؤ کہ وہ گنہگار و ستمکار ہے (یہ لکھنے کی جسارت پر میں خدا کی پناہ مانگتا ہوں مؤلف)۔ اور میں نہیں سمجھتا کہ یہ کام مرنے کے بعد نقصان پہنچائے گا۔ میں نے خود بھی یہ عہد کر رکھا ہے کہ اگر میں اسے قتل کروں گا تو اس کے ساتھ یہی کچھ کروں گا' (جگر خوار) ہند اور ابوسفیان وغیرہ کی پیروی میں کہ جو ایسے ظلم کرتے رہے)

اگر تم نے اس حکم پر عمل کیا تو کل کو ہم تمہیں اس اطاعت کا صلہ دیں گے اور اگر تم ایسا

نہیں کرنا چاہتے تو ہمارے امور اور ہمارے لشکر سے ہاتھ اٹھالو (یعنی الگ ہوجا)، اور لشکر شمر کے حوالے کردو۔ کیونکہ ہم نے اسے ان امور کی انجام دہی کے لئے امیر مقرر کیا ہے۔

شمر ابن زیاد کا خط عمر سعد کے پاس لایا۔ جب اس نے یہ خط پڑھا تو کہا: تجھے کیا ہوگیا ہے؟ وائے ہو تجھ پر، خدا تجھے سمجھے، یہ میرے لئے کیا لایا ہے؟ خدا کی قسم مجھے گمان ہے کہ تو نے ابن زیاد کو میری تجویز قبول کرنے سے روکا ہے اور جس امر سے میں اصلاح کی امید رکھتا تھا' تو نے اسے میرے لئے تباہ کن بنادیا ہے۔ خدا کی قسم حسینؑ سر تسلیم خم نہیں کریں گے کہ ان کے سینے میں ان کے باپ علی کا دل ہے (اور وہ ایسے شخص نہیں ہیں کہ جو ذلت و خواری سے گرفتاری پیش کردیں)

شمر نے کہا: اب بتا تو کیا کرنا چاہتا ہے؟ آیا امیر کے فرمان کی انجام دہی میں اس کے دشمن سے جنگ یا لشکر سے کنارہ کشی، اور (سپہ سالاری کی) مجھے سپردگی؟ عمر سعد نے کہا: نہیں میں ایسا نہیں کروں گا کہ امارت لشکر تمہارے سپرد کردوں۔ میں یہ کام خود انجام دوں گا۔ تو پیادہ فوج کا سالار بن جا۔

چنانچہ عمر سعد نو محرم بروز جمعرات امام حسینؑ سے جنگ کرنے کے لئے تیار ہوگیا۔
(ارشاد:۲/۸۹)

بدبختی کے دو عوامل ....حب دنیا اور حب ریاست

عمر بن سعد کی شقاوت قلبی اور بدبختی کا سبب دو عوامل بنے۔ ایک دنیا کی محبت اور دوسرا ریاست کی محبت۔ تمام کوفی اور خصوصاً عمر سعد اس بات کو سمجھتے تھے کہ ان دو عوامل کے سبب وہ کس قدر گھناؤنے گناہ کے مرتکب ہورہے ہیں اور دنیا و آخرت میں خود کو روسیاہ کررہے ہیں۔

ہم خداوند کریم سے دعا گو ہیں کہ ہمیں طمع و لالچ اور شیاطین کے شر سے محفوظ رکھ اور گمراہ کن فتنوں سے بچا۔

نومحرم الحرام

شمر ملعون ابن زیاد کا خط لے کر ۹ محرم کو عمر سعد کے پاس پہنچا۔ جب اس نے دیکھا کہ عمر سعد جنگ کے لئے تیار ہے تو وہ امام حسینؑ کے لشکر کے قریب آیا اور صدا دی: میری بہن کے بیٹے عبداللہ جعفر' عباس اور عثمان کہاں ہیں؟ ان چاروں بھائیوں کی ماں حضرت ام البنین قبیلہ بنی کلاب میں سے تھیں اور شمر ملعون بھی اسی قبیلہ میں سے تھا۔ کسی نے اس کی جانب توجہ نہ کی۔ امام حسینؑ نے فرمایا: اگر چہ یہ فاسق ہے لیکن تمہارے ساتھ قرابت رکھتا ہے، اس کو جواب دیجئے۔

ان بزرگوان نے اس فاسق سے فرمایا: تجھے ہم سے کیا کام ہے؟ کہنے لگا: میری بہن کے بیٹو! تمہارے لئے امان ہے۔ اپنے آپ کو اپنے بھائی (حسینؑ) کی خاطر موت کے منہ میں نہ جھونکو۔ اس سے کنارہ کشی کرو اور یزید کی اطاعت کرلو۔

راوی کہتا ہے: حضرت عباسؑ بن علیؑ نے فرمایا۔ تجھ پر ہلاکت اور لعنت ہو اور اس امان پر بھی لعنت جس کی تو ہمیں پیش کش کر رہا ہے۔ اے دشمن خدا! تو ہمیں یہ کہہ رہا ہے کہ ہم اپنے بھائی اور سردار حسینؑ فرزند فاطمہؑ سے علیحدہ ہو جائیں اور ملعونوں اور ملعون زادوں کے سامنے سر تسلیم خم کرلیں؟ (اور شیخ مفیدؒ کے مطابق) کیا تو ہمیں امان دیتا ہے اور فرزند رسول کے لئے امان نہیں ہے؟

(لہوف/۸۸/ارشاد:۲/۹۱مقتل خوارزمی ۱/۲۴۶)

ابن سعد نے اپنے لشکریوں کو آواز دی:

"یا خَیلَ اللّٰہِ اِرْکَبِیْ وَبِالْجَنَّۃِ أَبْشِرِیْ"

"اے لشکر خدا سوار ہو جا اور بہشت میں شادمانی منا"

وقت عصر کے بعد یہ لشکر سوار ہو کر امام عالی مقامؑ اور ان کے اصحاب کے خیام کے نزدیک آیا۔ اس وقت امامؑ اپنے خیمے کے پاس ہی تشریف فرما تھے۔ آپ نے اپنی تلوار پر ٹیک لگا رکھی تھی، سر زانو پر رکھا ہوا تھا اور حالت خواب میں تھے۔ جب حضرت زینبؑ نے لشکر کا شور سنا تو اپنے بھائی کے پاس آئیں اور کہا: بھائی! آپ لشکر کی آواز نہیں سن رہے کہ جو ہمارے نزدیک پہنچ چکا ہے۔

آنحضرتؑ نے زانوئے مبارک سے سر اٹھا کر فرمایا: میں نے ابھی ابھی رسول خداؐ کو خواب میں دیکھا ہے وہ مجھ سے فرما رہے تھے تم جلد ہی ہمارے پاس پہنچ جاؤ گے۔ جب حضرت زینبؑ نے یہ وحشت ناک خبر سنی تو اپنا چہرہ پیٹ لیا اور فریاد و واویلا شروع کر دیا۔ امام حسینؑ نے ان سے فرمایا: میری بہن! تم تباہ نہیں ہوگی۔ خاموش ہو جاؤ اللہ تم پر رحمت فرمائے گا۔

حضرت عباسؑ آگے بڑھے اور عرض کیا: بھائی جان! لشکر یزید آپ کے نزدیک پہنچ چکا ہے۔ امامؑ نے فرمایا۔

"یاعَبّاسُ اِرْکَبْ بِنَفْسِی اَنْتَ یا اَخِی، حَتّٰی تَلْقَاهُمْ"

میرے بھیا عباسؑ! میری جان تم پر قربان، سوار ہو جاؤ اور ان کے پاس جا کر پوچھو: کیا ہوا ہے اور کس لئے آئے ہو؟ حضرت ابوالفضل عباسؑ بیس سواروں کے ایک دستے کے ساتھ، جس میں زہیر بن قین اور حبیب ابن مظاہر بھی شامل تھے اس لشکر کے پاس پہنچے اور ان سے فرمایا: تم کیا چاہتے ہو اور تمہارا مقصد کیا ہے؟ انہوں نے کہا: ہمیں امیر (ابن زیاد) کا فرمان پہنچا ہے کہ ہم تمہیں تجویز پیش کریں کہ یا تو اس کے حکم کو تسلیم کرتے ہوئے گرفتاری دے دو یا پھر ہم تم سے جنگ کریں گے۔

عباسؑ نے فرمایا: جلدی مت کرو میں امام علیہ السلام کے پاس جا کر تمہارا پیغام پہنچاتا ہوں۔

جناب زہیر، جناب حبیب اور دوسرے ساتھی وہیں کھڑے ہو کر لشکر سعد سے گفتگو کرتے رہے اور انہیں وعظ و نصیحت کرتے رہے کہ امام حسین علیہ السلام سے جنگ سے باز رہو۔

حضرت عباسؑ امام عالی مقامؑ کے پاس پہنچے اور انہیں لشکریوں کا پیغام پہنچایا۔ امامؑ نے

فرمایا: ان کے پاس واپس جاؤ اور اگر ہو سکے تو ان سے کل تک کے لئے مہلت طلب کرو۔ اور آج کی رات انہیں واپس چلے جانے کا کہو تا کہ ہم اپنے پروردگار کی عبادت کر سکیں۔ اسے پکار سکیں اور اس سے استغفار کر سکیں۔ اللہ جانتا ہے کہ میں نماز و تلاوت قرآن اور دعا و استغفار سے محبت رکھتا ہوں۔

حضرت ابوالفضل عباسؑ لشکر سعد کے پاس پہنچے اور اس سے ایک رات کی مہلت مانگی جو قبول کر لی گئی۔ اور دونوں لشکر اپنی اپنی جگہوں پر واپس چلے گئے۔

(ارشاد: ۲/۹۲ بحار الانوار: ۴۴/۳۹۱ تاریخ طبری: ۵/۴۱۶ الموسوعۃ/۳۹۰)

مرحوم کلینی نے حضرت صادقؑ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا روز تاسوعا (۹ محرم وہ دن ہے جب امام حسینؑ اور اصحاب حسینؑ کا کربلا میں محاصرہ کر لیا گیا۔ اور لشکر شام آنحضرتؑ سے جنگ کے لئے جمع ہو گیا ابن مرجانہ (ابن زیاد) اور عمر سعد اپنے لشکر کی کثرت تعداد پر خوش تھے اور حضرت حسین اور ان کے ساتھیوں کو کمزور خیال کر رہے تھے۔ انہیں یہ بھی یقین تھا کہ آنحضرتؑ کہیں سے کمک حاصل نہ کر سکیں گے اور اہل عراق ان کی مدد نہیں کریں گے۔

پھر فرمایا: اس ضعیف و غریب پر میرا باپ قربان۔

(بحار الانوار: ۴۵/۹۵ باب ۳۷ ح ۴۰: کافی: ۴/۱۴۷ باب صوم روز عرفہ و عاشورا ح ۷)

شب عاشور

جب دسویں کی رات آ پہنچی تو سیدالشہداء نے اپنے اصحاب کو جمع فرمایا۔ امام سجادؑ فرماتے ہیں میں بحالت بیماری ان نزدیک پہنچا تا کہ دیکھوں کہ میرے بابا انہیں کیا کہتے ہیں ۔میں نے سنا کہ خدا کی حمد وثنا کے بعد آپؑ نے رخ اپنے اصحاب کی جانب کر کے فرمایا:

"فَاِنِّی لاٰأَعْلَمُ اَصْحَابًااَوْفٰی وَلاٰخَیْرًا مِنْ أَصْحَابِی،وَلاٰ اَهْلَ بَیْتٍ أَبَرَّوَلاٰ أَوْصَلَ (أَفْضَلَ)مِنْ أَهْلِ بَیْتِی، فَجَزَاکُمُ اللّٰهُ عَنِّی خَیْرًا"

"تحقیق میں نے تم سے وفادار اور بہتر اصحاب نہیں دیکھے اور اپنے خاندان سے زیادہ نیکو کار اور مہربان کسی خاندان کو نہیں پاتا۔ اللہ تعالیٰ تمہیں نیک جزا عطا فرمائے"

آگاہ رہو کہ میں ان لوگوں سے بھلائی کی کوئی توقع نہیں رکھتا اور تم سب کو اجازت دیتا ہوں کہ تم آزادانہ رہو۔ میں اپنی بیعت تمہاری گردنوں سے اٹھاتا ہوں۔رات کی اس تاریکی کو اپنی سواری قرار دو،اس سے فائدہ اٹھاؤ اور جہاں چاہو چلے جاؤ۔

اور سید بن طاؤسؒ سے منقول ہے:اور تم میں سے ہر ایک میرے اہل خاندان میں سے ایک کا ہاتھ پکڑ و اور رات کی تاریکی میں پھیل (نکل) جاؤ، اور مجھے ان کے سامنے چھوڑ دو کہ یہ میرے سوا کسی سے سروکار نہیں رکھتے۔

آپ کے بھائیوں،بیٹوں، بھتیجوں اور عبداللہ بن جعفر کے بیٹوں (آپ کے بھانجوں) نے بہ یک آواز کہا: ہم ایسے کس طرح کریں؟ خدا نہ کرے کہ ہم آپ کے بعد زندہ رہیں (وہ دن اللہ ہمیں نہ

دکھائے) پہلے شخص جنہوں نے یہ فرمایا۔وہ عباسؑ بن علیؑ تھے اور دوسروں نے بھی ان کے بعد یہی بات دہرائی۔

پھر امام حسینؑ نے فرزندان عقیل کی جانب رخ کر کے فرمایا: تمہارے خاندان سے مسلم کی شہادت کافی ہے، میں اجازت دیتا ہوں کہ تم چلے جاؤ۔

انہوں نے کہا: سبحان اللہ لوگ ہمیں کیا کہیں گے؟ یہی نا کہ ہم نے اپنے آقا، بزرگ اور چچازاد کو (تنہا) چھوڑ دیا اوران کے ہمراہ تیر اندازی کی نہ نیزہ بازی و شمشیر زنی۔اوران پر جو گزری ہم اس سے بے خبر رہے۔خدا کی قسم ہم ایسا ہرگز نہیں کریں گے بلکہ ہم اپنے جان و مال اوراہل و عیال کو آپ کے راستے میں قربان کردیں گے اور آپ کے ہمرکاب لڑیں گے۔ تا آنکہ آپ کے برابر میں قتل ہو جائیں اورآپ ہی کی سرگزشت سے دوچار ہوں۔ہم خدا سے آپ کے بعد زندگی مانگنے کو بے کار سمجھتے ہیں (مرحوم سید کی نقل کے مطابق آپ کے بھائیوں اور تمام اہل خاندان نے اسی طرح کہا)

اس کے بعد مسلم بن عوسجہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا: کیا ہم آپ سے اس عالم میں کہ دشمن نے آپ کو گھیر رکھا ہے، دستبردار ہو جائیں۔پھر ہم بارگاہ خداوندی میں آپ کے حق کے بارے میں کیا عذر کریں گے۔نہیں خدا کی قسم! خدا ہمیں کبھی ایسا کرنا نصیب نہ کرے۔

آگاہ رہیں! بخدا ہم آپ سے کبھی دستبردار نہیں ہوں گے۔یہاں تک کہ ہمارے نیزے آپؑ کے دشمنوں کے سینوں میں ہوں گے اور جب تک قبضہ ہائے شمشیر ہمارے ہاتھوں میں ہیں ہم اپنی شمشیریں انہیں ماریں گے۔اور جب اسلحہ نہیں رہے گا تو ہم پتھروں کے ساتھ ان سے جنگ کریں گے۔

(سید بن طاؤسؒ کی نقل کے مطابق (اس وقت سعید بن عبداللہ حنفی اٹھے اورعرض کیا)

بخدا ہم آپ سے دستبردار نہیں ہوں گے۔ہم آپ کے بارے میں پیغمبر علیہ السلام کی سفارش کی رعایت کریں گے۔خدا کی قسم اگر مجھے یقین ہو کہ آپ کے راستے میں شہید ہو جاؤں گا اور پھر زندہ کیا جاؤں گا اور پھر مجھے جلا دیا جائے گا اور دوبارہ زندہ کیا جائے گا اور پھر مار دیا جاؤں گا۔ یہاں تک کہ سات بار ایسا کیا جائے گا تو پھر بھی میں آپ سے جدا نہ ہوں گا،تا آنکہ آپ کے ہم رکاب شہید ہو جاؤں۔

میں ایسا کیونکر نہ کروں کیونکہ اس طرح ایک دفعہ قتل ہونا زیادہ نہیں ہے۔اور اس کے

بعد ایسی عزت و کرامت ہے کہ جس تک (کسی اور ذریعے سے) ہرگز نہیں پہنچا جا سکتا۔

پھر زہیر بن قین اٹھے اور کہا: خدا کی قسم میری خواہش ہے کہ قتل ہو جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں اور دوبارہ قتل کیا جاؤں حتیٰ کہ ہزار بار یہ عمل دہرایا جائے اور خدائے عزوجل آپؑ اور آپؑ کے خاندان کے جوانوں کو قتل ہونے سے بچالے۔

آنحضرتؑ کے جانثاروں کے ایک گروہ نے اسی طرح فداکاری اور پائیداری پر مبنی اظہار خیال کیا۔ امام عالی مقامؑ نے ان تمام کا شکریہ ادا کیا اور ان کے لئے جزائے خیر کی خواہش کی اور پھر اپنے خیمے میں واپس چلے گئے۔

(ارشاد: ۲/۹۳ لہوف/۹۰ مثیر الاحزان ۵۴ الموسوعة ۳۹۵، ح ۳۸۳ و ص ۴۰۹، بحار الانوار/۴۴/۳۹۲)

علامہ مجلسیؒ نے اس کے آخر میں یہ اضافہ فرمایا ہے: ایک دوسری روایت کے مطابق حضرت نے اس وقت بہشت میں ان کو ان کے (بلند) مقام دکھائے۔ انہوں نے حوروں' محلوں اور وافر نعمتوں کا بچشم خود مشاہدہ کیا۔ تو ان کا یقین اور بھی زیادہ مستحکم ہو گیا۔ اور اسی سبب نیزے اور تلواریں انہیں محسوس ہی نہیں ہوتے تھے اور وہ شربت شہادت نوش کرنے کے لئے بے چین تھے

حضرت امام حسن عسکریؑ سے منقول ہے کہ جب دشمن کے لشکر نے سید الشہداءؑ کا گھیراؤ کر لیا تو حضرت نے اپنے اصحاب کو اکٹھا کر کے فرمایا: میں اپنی بیعت کا عہد تم سے اٹھاتا ہوں' تم اگر چاہو تو اپنے اپنے قبیلے اور خاندان سے جا ملو' اور اپنے اہل بیت اور اقرباء سے بھی فرمایا: میں تم کو بھی اجازت رخصت دیتا ہوں تم اس ان گنت لشکر کے مقابلہ کی طاقت نہیں رکھتے۔

تمام منافقین اور ضعیف الایمان لوگوں نے سعادت ابدی کے بجائے آنحضرتؑ سے علیحدگی کو اختیار کیا اور اہل بیتؑ اقرباء اور آنحضرت کے خاص اصحاب نے جو کہ قوت ایمان و ایقان سے ممتاز تھے کہا: ہم آپ سے ہرگز جدا نہیں ہوں گے اور ہر حزن و اندوہ اور مصیبت و بلا میں آپ کے ساتھ شریک ہوں گے۔ اور قرب خدا کو آپ کی خدمت سے مشروط سمجھتے ہیں۔

امام عالی مقامؑ نے فرمایا:

خدائے قدوس یونہی منازل شریفہ اور درجات رفیعہ نہیں بخش دیتا بلکہ ان کے حصول کے

لئے اس کی راہ میں پیش آنے والے مصائب اور مشکلات کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔ جان لو کہ دنیا کے تلخ و شیریں کو بقاء نہیں ہے اور یہ اس طرح ہے کہ جیسے کوئی خواب دیکھتا ہے اور پھر بیدار ہو جاتا ہے۔ کامیاب و کامران وہی ہے جو آخرت میں کامیاب ہے۔ جو آخرت کی نعمت دوام سے محروم ہو جائے وہ شقی اور بد بخت ہے۔ (جلاء العیون/۳۸۵، بحار الانوار: ۲۲/۲۹۸و۲۹۷)

اس رات محمد بن بشیر حضرمی کو اطلاع ملی کہ تمہارا بیٹا رے کی سرحد پر قیدی بنا لیا گیا ہے اس نے کہا: اللہ کے معاملے میں، میں اس کی اور اپنی گرفتاری کو منظور کرتا ہوں۔ ورنہ یہ نہ چاہتا کہ میں زندہ ہوں اور وہ قید کیا جائے۔

امام حسینؑ نے اس بات کو سنا تو فرمایا: تم پر اللہ کی رحمت تمہیں میری بیعت کی قید سے رہائی ہے۔ جاؤ اور اپنے بیٹے کی رہائی کے لئے اقدام کرو۔ محمد بن بشیر نے عرض کیا: اگر میں آپ سے جدا ہوں تو درندے مجھ کو زندہ حالت میں کھائیں۔

حضرت نے فرمایا: کتانی لباس اپنے بیٹے کو دے دو تا کہ وہ انہیں اپنے (اسیر) بھائی کی رہائی کے لئے بطور فدیہ دے اور اسے رہا کرائے۔ پھر اسے پانچ لباس' جن کی قیمت ایک ہزار دینار تھی عطا کئے۔ (لہوف/۹۳' الموسوعہ ۴۰۳، ص ۳۸۷)

سعد بحرانی نے ابوحمزہ ثمالی سے روایت کی ہے کہ امام سجادؑ فرماتے ہیں: جس رات میرے والد گرامی شہید ہوئے اس رات انہوں نے اپنے عزیزوں اور اصحاب کو جمع فرمایا۔ اور ان سے فرمایا: اس رات کو اپنا مرکب قرار دو اور خود کو نجات دو یعنی سامان مغفرت کرو قاسم بن حسن نے عرض کیا: میں بھی شہیدوں میں شامل ہوں؟ حضرت نے رقت آمیز لہجے میں فرمایا: میرے بیٹے! تمہارے نزدیک موت کیسی ہے؟ قاسم نے کہا:

"یا عَمِّ اَحلٰی مِنَ الْعَسَلَ"

"اے چچا جان! شہد سے بھی میٹھی!

آنحضرت نے فرمایا:

"اِیْ وَاللّٰہِ، فِداکَ عَمُّکَ"

تم ان اشخاص میں سے ہو جو میرے ہمراہ شہید ہوں گے اور تم سخت مصیبت سے گزر و گے۔ نیز میرا چھوٹا بیٹا عبداللہ بھی شہید ہوگا۔ (مدینہ المعاجز:۴/۲۱۴، نفس المھموم/۲۳۰)

حضرت سکینہ بنت امام حسینؑ نے فرمایا: ایک چاندرات میں اپنے خیمے میں بیٹھی ہوئی تھی(۱) اوردریائے غم میں ڈوبی ہوئی تھی) اچانک خیمے کے عقب سے میرے کانوں میں گریہ و نالہ کی آواز پڑی۔ میں اپنا رونا بھول گئی تا کہ اہل حرم کو اطلاع نہ ہو جائے اور افسردگی کے عالم میں خیمے سے باہر آئی۔ میرے دل نے گواہی دی کہ خیر نہیں ہے۔ میں نے اس گریہ زاری کا پیچھا کیا اور اس حالت اضطراب میں میرا پاؤں دامن میں الجھ گیا۔ میں اٹھتی اور پھر گر جاتی۔ اس طرح میں اٹھتی گرتی اس جگہ جا پہنچی جہاں میرے والد بزرگوار بیٹھے ہوئے تھے۔ اور ان کے گرد ان کے اصحاب حلقہ باندھے تھے۔ میرے بابا رو رہے تھے اور میں نے سنا کہ وہ فرماتے تھے۔

يَا قَوْمَ اِعْلَمُوا اَنَّكُمْ خَرَجْتُمْ مَعِي لِعِلْمِكُمْ اَنِّي أَقْدَمُ عَلٰى قَوْمٍ بايَعُونِي بِاَلْسِنَتِهِمْ وَقُلُوبِهِمْ، وَقَدِ انعَكَسَ الْأَمْرُ لِأَنَّهُ اسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ فَانْسٰيهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ وَالْاٰنَ لَيْسَ لَهُمْ قَصْدٌ سِوٰى قَتْلِي وَقَتْلِ مَنْ يُجَاهِدُ بَيْنَ يَدَيَّ، وَسَبْيِ حَرِيْمِي بَعْدَ سَلْبِهِمْ.

وَأَخْشٰى أَنَّكُمْ مَا تَعْلَمُونَ أَوْتَعْلَمُونَ وَتَسْتَحْيُونَ، وَالْخَدْعُ عِنْدَنَا أَهْلَ الْبَيْتِ مُحَرَّمٌ فَمَنْ كَرِهَ مِنْكُمْ ذٰلِكَ فَلْيَنْصَرِفْ فَاِنَّ اللَّيْلَ سَتِيْرٌ، وَالسَّبِيْلَ غَيْرُ خَطِيْرٍ وَالْوَقْتَ لَيْسَ بِهَجِيْرٍ وَمَنْ وَاسَانَا بِنَفْسِهِ كَانَ مَعَنَا غَدًا فِيْ الْجِنَانِ نَجِيًّا مِنْ غَضَبِ الرَّحْمٰنِ.

---

(۲) بعض مورخین اس بات سے اختلاف کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ شب عاشورہ امام حسینؑ کے سبھی اصحاب نے جانے سے انکار کر دیا تھا وہ حضرت سکینہؑ کی اس روایت کو منزل زبالہ سے نسبت دیتے ہیں۔ لیکن وہ اس عبارت پر غور نہیں کرتے کہ ایک چاندرات میں اپنے خیمہ میں بیٹھی ہوئی تھی اور یہ شب عاشور کے بارے ہی میں مناسب ہے نہ کہ منزل زبالہ کے بارے میں۔ کہ جو حجاز اور عراق کی سرحد پر واقع ہے اگر توجہ کی جائے تو کربلا میں امام کا منزل زبالہ پر نزول حتما آخر ماہ میں تھا اور یہ چاندرات نہ تھی۔

وَقَدْ قَالَ جَدِّی رَسُولُ اللّٰہِ: وَلَدِیْ حُسَیْنٌ یُقْتَلُ بِطَفِّ کَرْبَلاَ، غَرِیْبًا وَحِیْدًا عَطْشَانًا فَرِیْدًا . فَمَنْ نَصَرَہٗ فَقَدْ نَصَرَنِی وَنَصَرَ وَلَدَہُ الْحُجَّۃَ عَجَّلِ اللّٰہِ تَعَالیٰ فَرَجَہُ الشَّرِیْفُ .

وَلَوْ نَصَرَنَا بِلِسَانِہٖ فَھُوَفِی حِذْبِنَا یَوْمَ الْقِیَامَۃِ"

"اے میرے اصحاب! جان لو کہ تم میرے ہمراہ اس لئے آئے تھے کہ میں ایک جماعت کی طرف جارہاہوں کہ جنہوں نے دل و زبان سے میری بیعت کرلی ہے۔ لیکن معاملہ اس کے الٹ ہے کیونکہ شیطان ان پر غالب آ گیا ہے اور یاد خدا ان سے چھن گئی ہے اور ان میں سے ہر کوئی میرے اور میرے ساتھیوں کے قتل پر تلا ہوا ہے۔ میرے بعد میرے اہل حرم کو لوٹ کر قیدی بنا لیا جائے گا ۔میں ڈرتاہوں کہ تم یہ نہیں جانتے اور اگر جانتے ہو تو حیا کر رہے ہو (اور یہاں سے جانے میں شرم محسوس کرتے ہو) مکروفریب ہم اہل بیتؑ کے نزدیک حرام ہے۔ جو کوئی ہماری مدد کے لئے خوش نہ ہو وہ واپس چلا جائے کہ رات کا پردہ چھایا ہوا ہے اور اس کی تاریکی میں کسی کو کسی کی خبر تک نہ ہوگی (اپنا راستہ لو اور یہاں سے چلے جاؤ) اور جو کوئی دل و جان سے ہماری مدد کرنا چاہتا ہے اور ہم سے خطرات کو دور کرنا چاہتا ہے وہ کل بہشت میں ہمارے ساتھ ہوگا۔اور قہر خدا سے محفوظ رہے گا۔ ہمارے جد امجد رسول خداؐ نے فرمایا: میرا بیٹا حسینؑ کربلا میں غریب و تنہا' پیاسا اور بے یارو مددگار (بے کس) مارا جائے گا۔ جو کوئی اس کی مدد کرے گا اس نے گویا میری مدد کی اور میرے بیٹے حضرت مہدی عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کی مدد کی اور جس کسی نے اپنی زبان سے ہماری مدد کی ۔تو وہ روز قیامت ہمارے گروہ میں سے ہوگا۔

حضرت سکینہؑ فرماتی ہیں: ابھی میرے بابا کی بات مکمل نہ ہوئی تھی کہ لوگ تتر بتر ہونا شروع ہوگئے ۔ دس دس بیس بیس لوگ جارہے تھے ۔اور وہ میرے بابا کے ساتھ نہ

رہے۔ مگر میں نے ستر (۷۰) سے کچھ زائد افراد کو اپنے بابا جان کے پاس دیکھا اور میرے بابا نے سر جھکا رکھا تھا(تا کہ جانے والے شرمندگی محسوس نہ کریں)۔

پس میں گلو گیر ہوگئی، مگر میں نے خود پر قابو رکھا اور سر آسمان کی جانب اٹھا کر عرض کیا: پروردگار! انہوں نے ہماری مدد نہیں کی تو ان کو چھوڑ دے اور ان کی دعاؤں کو قبول نہ فرما، روئے زمین پر انکا کوئی مسکن و مامن (ٹھکانہ) قرار نہ دے اور ان پر فقر مسلط کر دے اور ان لوگوں کو ہمارے جد بزرگوار نبی اکرمؐ کی شفاعت سے محروم کر دے۔ اس کے بعد میں اپنے خیمے میں واپس چلی گئی لیکن میری آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ جب میری پھوپھی ام کلثومؑ نے مجھے اس حالت میں دیکھا تو فرمایا: میری بیٹی! تجھے کیا ہوا ہے؟ میں نے تمام حکایت ان سے کہہ دی۔ جب انہوں نے یہ بات سنی تو نالہ بلند فرمایا:

وَاجدّاہُ ،وَاعَلِیّاہُ ،وَاَحَسناہُ، وَاحُسَیْناہُ وَاقِلَّۃَ ناصِراہُ أَیْنَ الْخَلاصُ مِنَ الْأَعْدَاءِ" (معالی السبطین :۱/ ۲۰۸، مہیج الاحزان/ ۹۸ و مقائع الایام خیابانی ۲۸۴)

مرحوم سید بن طاؤس سے منقول ہے کہ اس رات (شب عاشور) امام حسینؑ اوران کے اصحاب صبح ہونے تک روتے رہے اور اللہ سے دعا و مناجات کرتے رہے۔

"وَلَھُمْ دَوِیٌّ کَدَوِیِّ النَّحْلِ ، مَابَیْنَ رَاکِعٍ وَساجِدٍ وَقَائِمٍ وَقَاعِدٍ"

''اور ان کی نالہ زاری شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی مانند سنائی دے رہی تھی ۔ان میں سے کچھ حالت رکوع میں تھے اور کچھ حالت سجدہ میں کچھ قیام کی حالت میں اور کچھ بیٹھے ہوئے مشغول عبادت تھے۔

اس رات عمر سعد کے سپاہیوں میں سے بتیس (۳۲) سپاہیوں کا گزر امام حسینؑ کے خیموں کے پاس سے ہوا۔ اور جب انہوں نے انہیں اس عالم میں دیکھا تو آنحضرتؑ سے آ کر مل گئے۔ جب کہ امام حسینؑ کی حالت یہ تھی کہ کثرت سے نماز ادا کر رہے تھے اور صفات کاملہ کے حامل دکھائی دے رہے تھے۔ (لہوف/۹۴)

علامہ شیخ جواہری کی کتاب مثیر الاحزان میں ہے کہ:

امام حسینؑ کی بیٹی حضرت فاطمہؑ نے فرمایا: میری پھوپھی جان حضرت زینبؑ شب عاشور کومحراب اور جائے نماز پر نماز ادا کر رہی تھیں اور اللہ رب العزت سے مدد مانگ رہی تھیں ۔ (ان کی آہ وزاری کے سبب) میری آنکھ کھل گئی اور ہمارے گریہ کی آواز رک نہیں رہی تھی ۔ (خاتون دوسرا/۱۸۲)۔

اس رات جو لوگ ضعیف العقیدہ اور طالب دنیا تھے وہ سالار شہیداں سے علیحدہ ہو گئے اور اصحاب باوفا کہ جن کے نام آپ کے ساتھ روز ازل سے نوشتہ تھے اور جنہیں اللہ رب العزت نے چن لیا تھا ۔ وہ دلبند فاطمہ پر اپنی جان قربان کرنے کے لئے تیار تھے ۔ اور وہ اس انتظار میں تھے کہ رات (جلد) صبح میں تبدیل ہو اور پروردگار سے ان کے وصل وملاقات کا دن آئے ۔ وہ سبھی خوش وخرم تھے ۔ حتیٰ کہ ایسے بزرگ جنہوں نے عمر بھر کبھی شوخی نہ کی تھی وہ بھی اس شب خوشی خوشی باہم مزاح کر رہے تھے ۔ بالخصوص اس وقت جب انہوں نے اپنی اپنی جگہ خاندان نبوت کے ساتھ بہشت میں ملاحظہ کی ۔

حضرت بریر نے حضرت عبدالرحمان سے مزاح کیا۔ عبدالرحمٰن نے کہا: اے بریر! یہ شوخی کا وقت نہیں ہے ۔ میری قوم جانتی ہے (اور خدا بھی جانتا ہے) کہ میں نے جوانی اور بڑھاپے میں کبھی شوخی نہیں کی ۔ لیکن اس وقت اس لئے اظہار مسرت وشادمانی کر رہا ہوں کہ مجھے معلوم ہے کہ کل میں شہید ہو جاؤں گا اور میرے اور حوران بہشتی میں کچھ فاصلہ نہیں رہے گا ۔

(جلاء العیون/۳۸۶ مقتل مقرم/۲۶۲ تاریخ طبری ۵/۴۲۳)

کشی نے روایت کی ہے کہ حبیب ابن مظاہر (جو کہ حافظ قرآن اور خواص امیر المومنینؑ میں سے تھے) جب خیمے سے باہر نکلے تو خوشی سے ہنس رہے تھے ۔ یزید بن حضیر ہمدانی جو کہ سید القراء تھے نے حبیب سے کہا: اے برادر! یہ ہنسنے کا وقت نہیں ہے ۔ حبیب نے کہا: خوشی اور شادمانی کے لئے ہمارا کون سا وقت اس وقت سے بہتر ہے! خدا کی قسم ہمارے اور حورالعین میں ملاقات میں صرف اور صرف اتنی سی دیر ہے کہ یہ کافر ہم پر حملہ آور ہوں ۔ (رجال کشی: ۱/۲۹۳، بحارالانوار/۴۵/۹۳)

لیکن مخدرات عصمت اور بچوں کے لئے یہ رات بہت سخت تھی ۔ تمام جہان کے دکھوں نے ان پر حملہ کر رکھا تھا ۔ چونکہ انہیں معلوم تھا کہ کل ہمارے عزیز شہید ہو جائیں گے اور ہم اسیری

میں ہوں گے ۔لہٰذا وہ رات وداع، غم واندوہ اور فرقت کی رات تھی۔

ہر ایک گھڑی گویا قیامت کی گھڑی تھی

یہ رات بہت آل محمدؐ پہ کڑی تھی

حضرت زینبؑ جنہیں بہ خاطر عروسی حضرت حسینؑ کی چند یوم کی فرقت و دوری گوارا نہ تھی وہ انہیں قتل ہوتا کیسے دیکھ سکتی تھیں۔

حضرت زینبؑ جب کبھی روضہ رسولؐ کی زیارت کے لئے جانا چاہتیں تھیں تو حضرت علیؑ آگے آگے ہوتے اور حسنؑ و حسینؑ دائیں بائیں ہوتے ۔اور جب آپ حرم میں داخل ہوتیں تو حضرت علیؑ روضہ منورہ کے چراغوں کو بجھا دیتے تاکہ کسی کی نظر زینبؑ پر نہ پڑے۔

حضرت زینبؑ کس حال میں قید ہوئی ہوں گی۔یہاں تک کہ اس ناموس خدا کو نا محرموں کے مجموں میں شہر بہ شہر اور قریہ بہ قریہ پھیرایا گیا۔

شیخ مفیدؒ وغیرہ حضرت علی بن الحسین علیہ السلام (امام سجادؑ) سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: اس رات میں حالت بیماری میں بیٹھا ہوا تھا۔اور میری پھوپھی جان حضرت زینبؑ میری خبر گیری کر رہی تھیں ۔ میرے بابا اپنے خیمے میں گئے ۔حضرت ابو ذر کا آزاد کردہ غلام جون(۱) آپ کے پاس تھا اور آپ کی تلوار کو صاف کر رہا تھا۔میرے بابا نے یہ اشعار پڑھے۔

يا دَهْرُ أُفٍ لَكَ مِنْ خَلِيْلٍ

كَمْ لَكَ بِالْإِ شْرَاقِ وَالْأَصِيْلِ

مِنْ صَاحِبٍ أَوْطَالِبٍ قَتِيْلٍ

وَالدَّ هْرُلَا يَقْنَعُ بِالْبَدِيْلِ

وَإِنَّمَا الْأَ مْرُإِلَى الْجَلِيْلِ

وَكُلُّ حَيٍّ سَالِكُ سَبِيْلِي

(۱) زیارت ناحیہ میں" جون بن حوی منقول ہے، صاحب اصابہ نے جون بن جوی لکھا ہے اور بعض نے جوین اور حوی لکھا ہے۔

جب آپؑ نے ان اشعار کا دو یا تین مرتبہ تکرار فرمایا تو میں سمجھ گیا کہ آنحضرتؑ جام شہادت نوش فرمانے والے ہیں۔ لہٰذا میں گلوگیر ہوگیا' لیکن اپنے آپ پر قابو رکھا البتہ جب پھوپھی زینبؑ نے یہ اشعار سنے تو چونکہ عورتیں نرم دل ہوتی ہیں ،لہٰذا وہ خود پر قابو نہ رکھ سکیں اور ان پر رقت طاری ہوگئی ۔ وہ اٹھیں اور جلدی جلدی چلتی ہوئی میرے بابا کے خیمے میں پہنچیں ۔ وہ نالہ وفریاد فرما رہی تھیں :

"وَاثُكْلاهُ 'لَيتَ الْمَوْتَ أَعْدَمَنِي الْحَياةَاَلْيَومُ مَاتَتْ اُمِّي فاطِمَة وَاَبِى عَلِيٌّ وَاَخِي الْحَسَنُ يَاخَلِيْفَةَ الْماضِينَ وَثِمالَ الْباقِيْنَ "

"کاش موت نے مجھے نابود کر دیا ہوتا۔ آج (درحقیقت) میری ماں فاطمہؑ بابا علیؑ اور بھائی حسن اس دنیا سے رخصت ہوئے ہیں۔ اے گزشتگان کے جانشین اور اے پسماندگان کے دادرس !"

حضرتؑ نے ان پر نگاہ فرمائی اور انہیں حوصلہ دیتے ہوئے فرمایا: میری بہن ! شیطان آپ کے حوصلے کو نہ چھینے ۔اور اس وقت خود آپؑ کی آنکھوں سے بھی آنسو جاری تھے ۔ پھر عربی کی یہ ضرب المثل دہرائی

"لَو تُرِکَ الْقَطَالَنَامَ"

"اگر قطا نامی پرندے کو (اس کے آشیانے میں)اس کے حال پر آسودہ چھوڑ دیا جائے تو وہ سو جاتا ہے"

حضرت زینبؑ نے فرمایا: ہائے افسوس مجھ پر کہ آپؑ مجبور حالت میں قتل ہو رہے ہیں ۔ آپ سے بچھڑنا میرے لئے بہت دشوار اور جاں سوز امر ہے ۔ پھر اپنے چہرے پر دو ہتڑ مارا اور اپنے ہاتھ سے اپنا گریبان چاک کر لیا۔ اس حالت میں آپ زمین پر گر پڑیں اور آپ کو غش آ گیا۔

آنحضرتؑ اٹھے اور بہن کے منہ پر پانی چھڑکا تا کہ وہ ہوش میں آ سکیں ۔ آپ نے فرمایا: اے بہن ! خدا کے لئے صبر وشکیبائی سے کام لو ۔ جان لو کہ تمام اہل زمین کو موت آ جائے گی اور نہ ہی اہل آسمان باقی بچیں گے اور ذات خداوندی کے علاوہ ہر شے ہلاک ہو جائے گی کہ جس

نے اپنی قدرت کاملہ سے تمام مخلوقات کو خلق فرمایا ہے اور (خدا) بعد از موت سب کو زندہ کرے گا اور وہی یگانہ و یکتا اور بے مثال ہے۔

میرے ناناؐ' بابا' ماں اور بھائی' جو مجھ سے بہتر تھے، وہ بھی اس دنیا سے چلے گئے۔ مجھے اور دیگر مسلمانوں کو چاہیے کہ رسول خداؐ کی تاسی کریں۔ اور انہیں اپنا رہبر قرار دیں۔ اس طرح آپ نے بہن کو تسلی دی۔ پھر فرمایا:

اے بہن! میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں اور تمہیں چاہیے کہ اس قسم پر عمل کرنا' جب میں مر جاؤں تو اپنا گریباں چاک نہ کرنا اور اپنے چہرے کو نہ نوچنا اور میری شہادت پر فریاد و واویلا نہ کرنا۔

حضرت سجادؑ فرماتے تھے: میرے بابا نے پھوپھی زینب کو میرے پاس لا کر بٹھا دیا اور خود اپنے اقرباء واصحاب کے پاس چلے گئے اور انہیں حکم دیا کہ اپنے خیمے ایک دوسرے کے قریب کرلو۔ اور ان کی طنابیں ایک دوسرے سے باندھ دو۔ اور انہیں اس طرح نصب کرو کہ خود ان میں ٹھہرو تو دشمنوں سے ایک ہی طرف سے سامنا ہو۔

پھر آنحضرتؑ اپنی جگہ واپس لوٹ آئے اور تمام رات نماز و دعا اور تضرع اور استغفار میں مصروف رہے۔ آپؑ کے اصحاب بھی آپ کے ہمراہ بکثرت نماز و دعا اور استغفار میں مشغول رہے۔

مرحوم سید نے اس واقعہ کو آنحضرتؑ کی کربلا میں آمد کے بعد نقل کیا ہے اور اس میں اضافہ کرتے ہیں:

جب خواتین نے ان اشعار کو سنا تو سب کی سب رونے اور اپنے چہروں کو پیٹنے لگیں اور انہوں نے اپنے گریبان چاک کر لیے۔

ام کلثومؑ نے فریاد کی:

"وَامُحَمَّدَاهُ! وَاعَلِیَّاهُ! وَاُمَّاهُ! وَاَخَاهُ! وَاحُسَیْنَاهُ! وَاضَیْعَتَنَا بَعْدَکَ یَا اَبَا عَبْدِاللّٰہِ"

راوی کہتا ہے: امام حسینؑ نے بہن کو تسلی دی اور فرمایا: میری بہن! اللہ تعالیٰ کے وعدوں سے مطمئن رہو کہ سبھی ساکنان فلک فنا ہو جائیں گے اور تمام اہل زمین مر جائیں گے اور اس جہان

ہستی کے سبھی موجودات نیست و نابود ہو جائیں گے۔ پھر فرمایا:

"یا اُخْتاهُ یا اُمَّ کَلْثُوم وَاَنْتِ یا زَیْنَبُ وَاَنْتِ یا فاطِمَةُ وَاَنْتِ یارُبابُ [1] اُنْظُرْنَ

اِذا اَنَا قُتِلْتُ فَلا تَشُقَقْنَ عَلَیَّ جَیْبًا وَلا تَخْمَشْنَ عَلَیَّ وَجْهًا وَلا تَقُلْنَ هُجْرًا"

"اے میری بہن ام کلثومؑ اور اے زینبؑ تم، اور اے فاطمہؑ تم، اور اے رباب تم! توجہ کیجئے کہ جب میں قتل کردیا جاؤں تو اپنے گریبان مت چاک کرنا اور اپنے چہروں کو نہ نوچنا اور پریشانی کے کلمات زبان پر نہ لانا" (لہوف/۸۲)

شیخ صدوقؒ حضرت صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرتؑ نے اپنے لشکر کے گرد خندق جیسی کھائی کھودنے کا حکم دیا اور اسے لکڑیوں سے بھردیا (تاکہ دشمن پشت کی جانب سے خیموں میں داخل نہ ہوسکیں) اور اپنے بیٹے علی اکبرؑ کو تیس سواروں اور بیس پیادوں کے ساتھ پانی لانے کے لئے بھیجا۔ وہ خوف و ہراس اور مشکل میں تھے۔ اور امام حسینؑ نے ان کے لئے یہ اشعار پڑھے۔

"یادَهْرُ اُفٍّ لَکَ مِنْ خَلِیْلٍ"

پھر اپنے ساتھیوں سے فرمایا: یہ پانی پی لو کہ یہ دنیا کا تمہارے لئے آخری توشہ ہے۔ وضو کرو اور نہا کر کپڑے بدل لو کہ یہ تمہارا کفن ثابت ہوں گے اور اس کے بعد ان کے ہمراہ نماز فجر ادا فرمائی۔

(امالی صدوق ۱۵۶م۳۰ ح ا بحار الانوار ۴۴/۳۱۶)

بہبہانی مرحوم نے "الدمعة الساکبة" میں شیخ مفیدؒ سے ایک روایت نقل کی ہے جس کا مضمون حسب ذیل ہے:

نافع بن ہلال جو کہ آپ کے اصحاب خاص اور ہمرازوں میں سے تھے نے کہا: ایک رات سید الشہداءؑ تن تنہا خیمہ سے باہر نکلے اور دور تک چلتے گئے۔ میں تلوار حمائل کرکے ہر ممکن تیزی سے آپؑ

(۱) کتاب لہوف مطبوعہ دارالاسوہ میں آقای شیخ فارس کی تحقیق کے مطابق صفحہ نمبر ۱۴۱ پر "وَاَنْتِ یا رُقَیَّة" کا اضافہ ہے۔ احتمال ہے کہ یہی صحیح ہو اور محولہ بالا عبارت میں رہ گیا ہو۔ کیونکہ مقتل ابی مخنف میں بھی جو کہ المکتبۃ الحیدریہ کی طبع شدہ ہے صفحہ ۱۳۱ پر تحریر ہے "ثم نادی یا ام کلثوم ویا زینب ویا سکینہ ویا رقیۃ" اور یہی عبارت قندوزی حنفی نے ینابیع المودۃ (ص ۳۴۶ ب ۶۱) پر نقل کی ہے۔

تک پہنچا۔ میں نے دیکھا کہ آپ خیام کے اردگرد واقع کھائیوں اور ٹیلوں کا جائزہ لے رہے تھے۔

آپؑ نے مجھ سے فرمایا: تم باہر کیوں آئے ہو؟ میں نے عرض کیا: جب میں نے دیکھا کہ آپ رات کے وقت لشکر گاہ کی جانب تنہا جا رہے ہیں تو میں باہر چلا آیا' تاکہ آپ کی حفاظت کر سکوں۔

آپ نے فرمایا: میں اس لئے باہر آیا ہوں کہ اس وادی کا جائزہ لے لوں کہ دشمن نے کہیں کمین گاہ نہ بنا رکھی ہو اور جنگ کے وقت ہمارے خیام پر حملہ نہ کر دے۔

امام واپس پلٹے اور فرمایا: خدا کی قسم یہ وعدۂ خداوندی ہے جس کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ پھر فرمایا: اے نافع! تم اس رات کے اندھیرے میں ان دو پہاڑوں کے درمیان کیوں نہیں چلے جاتے کہ اپنے آپ کو اس ہلاکت سے نجات دے سکو؟

نافع نے جب یہ بات سنی تو اپنا چہرہ حضرتؑ کے قدموں پر رکھ دیا اور رو کر عرض کیا: اگر میں ایسا کروں تو میری ماں میرے غم میں بیٹھے۔ میں نے اس تلوار کو ہزار درہم اور اس گھوڑے کو بھی ہزار درہم کے عوض خریدا ہے۔ مجھے اس خدا کی قسم جس نے مجھے آپ کی معرفت عطا کی ہے۔ میں آپؑ سے اس وقت تک جدا نہیں ہوں گا جب تک کہ میری تلوار مجھ سے چھن جائے اور میرا گھوڑا دوڑنے سے انکار کر دے۔

پھر آپؑ اپنی بہن زینبؑ کے خیمے میں داخل ہو گئے اور میں خیمے کے پیچھے منتظر تھا۔ اس دوران میں میں نے سنا کہ حضرت زینبؑ فرما رہی تھیں:

هَلِ اسْتَعْمَلْتَ مِنْ اَصْحَابِکَ نِیَّاتُهُمْ فَاِنِّی اُخْشٰی اَنْ یُسَلِّمُوکَ عِنْدَ الْوَثْبَةِ.

''کیا آپ نے اپنے اصحاب کا امتحان لے لیا ہے؟ مجھے ڈر ہے کہ کہیں وقت مصیبت اور ہنگام جنگ وہ آپ کو تنہا نہ چھوڑ دیں''

حضرتؑ نے فرمایا: ہاں! میں نے انہیں آزما لیا ہے اور ان سب کو دلیر اور سر بلند پایا ہے وہ اس قدر جانباز اور اپنی جان سے بے نیاز ہیں کہ موت کے اس سے بھی زیادہ خواہش مند ہیں جتنا کہ ایک شیر خوار بچہ ماں کے پستان خواہش مند ہوتا ہے۔

نافع کہتے ہیں: میں یہ گفتگو سن کر غمگین ہو گیا اور رونے لگا۔ پھر حبیب ابن مظاہرؓ کے

پاس پہنچا اور انہیں حضرت زینبؑ کی گفتار سے آگاہ کیا؟

حبیبؓ نے کہا: خدا کی قسم اگر میں آنحضرتؑ کی اجازت کا منتظر نہ ہوتا تو آج رات ہی اپنی تلوار سے جنگ کے لئے پیش قدمی کر دیتا۔

میں نے کہا: کیا یہ نہیں ہوسکتا کہ ہم اپنے ساتھیوں کو جمع کر کے اہل حرم کو اپنی وفاداری کا یقین دلائیں؟ مجھے گمان ہے کہ دیگر خواتین بھی حضرت زینبؑ کی طرح مضطرب ہوں گی۔

حبیبؓ اٹھے اور (تمام) اصحاب کو آواز دی۔ وہ ستاروں کی طرح خیموں کے افق سے نمودار ہوئے۔ اور بنی ہاشم سے فرمایا:

خدا آپ کو اپنی حفاظت میں رکھے۔ آپ اپنے خیموں میں تشریف رکھیئے۔ پھر حبیبؓ نے جو کچھ مجھ سے سنا تھا اس سے اصحاب کو آگاہ کیا۔ ان سب نے یک زبان ہو کر کہا:

اس خدائے متعال کی قسم جس نے ہمیں اس مقام تک پہنچایا اگر حضرتؑ کے حکم کا انتظار نہ ہوتا تو ہم ابھی اپنی تلواروں سے ان (دشمنوں) پر حملہ کر دیتے۔

حبیب نے کہا: میرے ساتھ آؤ۔ حبیب آگے آگے تھے اور (دیگر) اصحاب ان کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے یہاں تک کہ خیموں تک پہنچ گئے۔

حبیبؓ نے بہ آواز بلند فرمایا: اے خاندان عصمت کی خواتین! آپ کے غلام حاضر ہیں اور ہم نے عہد کر رکھا ہے اپنی تلواروں کو غلافوں میں نہیں رکھیں گے بلکہ ان سے آپ کے دشمنوں کی گردنیں کاٹیں گے۔ اور ہم آپ کے غلاموں نے قسم کھا رکھی ہے کہ اپنے نیزوں کو اور کسی کام میں نہیں لائیں گے سوائے اس کے کہ ان خیموں کی حرمت کی ہتک کرنے والوں کے سینوں میں اتار دیں۔

خواتین خیام سے باہر آ گئیں۔ اور گریہ نالہ کی فریاد بلند کرتے ہوئے فرمایا: اے پاک سرشتو! رسول خداؐ کی بیٹیوں اور امیر المومنینؑ کی ناموس کی حفاظت کرو۔

اس وقت اس بیابان میں اس قدر گریہ زاری ہوئی کہ زمین کربلا لرزہ براندام ہوگئی

(مقتل: مقرم/۲۶۵، الموسوعہ/۴۰۶ ح ۳۹۱، وقائع الایام خیابانی ۳۱۲)

امام حسینؑ کے لشکر کی تعداد

تمام مشہور مورخین نے سید الشہداء کے لشکر کی تعداد بہتر (۷۲) افراد نقل کی ہے، جن میں سے بتیس (۳۲) سوار اور چالیس (۴۰) پیادہ تھے۔

(ارشاد۲/۹۸، ناسخ التواریخ ۲/۲۲۹منتخب التواریخ /۲۴۷ب ۶۵مقتل مقرم/ ۲۷۵ارشاد مفید، اعلام الوریٰ، روضۃ الواعظین، تاریخ ابن جریر کامل ابن اثیر اخبار الاول اور اخبار الطوال کی نقل کے مطابق)

لیکن علامہ مجلسیؒ اور محدث قمی اس مشہور قول کو نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں۔ اور دوسری روایت کے مطابق بہتر (۷۲) افراد پیادہ تھے۔ اور امام محمد باقرؑ سے کی گئی ایک روایت کے مطابق پینتالیس (۴۵) افراد سوار اور ایک سو پیادہ تھے۔

(بحار الانوار:۴۵/۴، جلا العیون/۳۸۸منتہی الآمال ۱/۳۴۲)

• اس آخری روایت کو مرحوم سید بن طاؤس اور ابن نما نے بھی اختیار کیا ہے۔

(لہوف/۱۰۰، مثیر الحزان/۵۴)

مرحوم شوستری فرماتے ہیں: امام عالی مقام کے جسد کے علاوہ کم از کم ایک سو دو دیگر اجساد روئے زمین پر موجود تھے۔ جن میں سے تیس (۳۰) افراد اہل بیتؑ میں سے اور بہتر (۷۲) اصحاب میں سے شہید ہوئے۔ (مجالس المواعظ/۱۰۲م۱۱)

پھر فرماتے ہیں کہ حدیث صحیح میں منقول ہے کہ امامؑ فرماتے ہیں روز عاشور کو جب جنگ کا غبار چھٹا تو تقریباً مغرب کا وقت ہونے والا تھا (یعنی جھٹپٹے کے وقت تھا)۔ اور اہل بیتؑ کے تیس افراد کے لاشے زمین پر پڑے تھے۔

لَوْ کَانَ رَسُولُ اللّٰهِ حَیًّا لَکَانَ هُوَ الْمُعَزّٰی اِلَیْهِ (مجالس المواعظ/۳۸م۵)

یہ امر ناگفتہ نہ رہ جاے ء کہ کچھ بزرگوں مثلاً مؤلفین الابصار العین ' انصار الحسین " ' اورفرسان الھیجا نے امام کے ساتھیوں کی تعداد اس سے بھی زیادہ لکھی ہے۔لیکن سب سے زیادہ تعداد مسعودی نے اپنی کتاب ''مروج الذھب'' میں تحریر کی ہے کہ حضرت کے لشکریوں کی تعداد ایک ہزار (۱۰۰۰) سوار اور سو (۱۰۰) پیادہ افراد پر مشتمل تھی۔

مؤلف، کا کہنا ہے کہ روز عاشور سے پہلے حضرت کے لشکر کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ تھی ۔لیکن جب یہ واضح ہوگیا کہ آنحضرتؑ اورآپ کے ساتھیوں کو قتل کردیا جائے گا،توسب چلے گئے اور صرف بہتر (۷۲)افراد باقی رہ گئے ۔ پس جو لوگ اس سے زیادہ نقل کرتے ہیں ان کا مدعا روز عاشور سے قبل کی تعداد لشکر بتانا ہے۔

دشمنان چون ریگ صحرا لاتعد
دوستان او بہ یزدان ہم عدد

(علامہ اقبالؒ کا یہ شعر مترجم کی طرف سے اضافہ ہے)

بنی امیہ کے لشکر کی تعداد

ابن سعد ملعون کے لشکر کی تعداد میں بہت زیادہ اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض نے یہ تعداد بائیس (۲۲) ہزار نقل کی ہے اور بعض روایات سے تیس (۳۰) ہزار کا پتہ چلتا ہے۔ مرحوم مقرم نے ''تذکرۃ الخواص'' کے حاشیے سے ایک لاکھ اور ''تحفہ الازھار'' سے اسی (۸۰) ہزار نقل کی ہے۔

علامہ مجلسیؒ فرماتے ہیں۔ ابی مخنف کے مطابق لشکر سعد کی تعداد ایک لاکھ بائیس (۲۲) ہزار لشکری تھی، جو کہ یکے بعد دیگر بھیجے گئے ان میں اسی (۸۰) ہزار سوار اور بیالیس (۴۲) ہزار پیادے شامل تھے۔ انہوں نے اس کے ہر گروہ اور ہر دستے کو اس کے امیر کے نام سے نقل کیا ہے۔ (تذکرۃ الائمۃ/۸۷)

پیش نظر رہے کہ ایک لاکھ بیس ہزار کی تعداد واقعہ کے نزدیک ہوگئی ہوگی۔ چنانچہ ہمیں روایات کا مفہوم اس طرح لینا چاہیے کہ اس نقل سے منافات نہ ہو۔

اس بات پر غور کرنے سے کہ یہ لشکر مختلف دستوں اور گروہوں کی صورت میں مقررہ کمانڈروں کی کمان میں کربلا میں داخل ہوا۔ ممکن ہے کہ مختلف مورخین نے ان میں سے ایک یا چند گروہوں کی تعداد نقل کی ہو۔

ظاہراً اس بیان سے تعداد لشکر کے بارے میں مختلف اقوال کے درمیان اختلاف کا مسئلہ حل ہو جاتا ہے۔

دیگر روایات:

امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے کہ امام حسنؑ نے اپنے بھائی سے فرمایا:

''وَلٰكِنْ لَا يَوْمَ كَيَوْمِكَ يَا أَبَا عَبْدِ اللّٰهِ يَزْدَلِفُ اِلَيْكَ ثَلَاثُوْنَ اَلْفَ

رَجُلٍ يَدَّعُونَ اَنَّهُمْ مِنْ اُمَّةِ جَدِّنَا مُحَمَّدٍ"

"لیکن اے ابا عبداللہ! کوئی دن تمہارے دن (روز عاشور) کی طرح کا نہ ہوگا کہ تیس ہزار لشکری جو کہ ہمارے نانا کے امتی ہونے کا دعویٰ بھی کرتے ہوں گے تمہارا محاصرہ کرلیں گے اور تم پر یلغار کردیں گے"

(امالی صدوق/۱۱۵ام۲۴ح۳؛ بحارالانوار/۴۵/۲۱۸ح۴۴)

نیز ثابت بن ابی صفیہ سے روایت ہے کہ امام زین العابدینؑ نے عبیداللہ بن عباس پر نظر کی اور روتے ہوئے فرمایا: رسول خداؐ پر روز احد سے سخت دن نہیں گزرا کہ جس میں آپ کے چچا زاد جعفر ابن ابو طالب نے شہادت پائی۔ پھر فرمایا:

"وَلاَ يَوْمَ لَيَومِ الْحُسَيْنِ اِزْدَ لَفَ عَلَيْهِ ثَلاثُونَ اَلْفِ رَجُل يَزْعَمُونَ اَنَّهُمْ مِنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ كُلٌّ يَتَقَرَّبُ اِلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ بِدَمِهِ"

"کوئی دن یوم حسینؑ کی طرح کا نہیں تھا، کہ تیس ہزار افراد جو خود کو اس امت میں سے خیال کرتے تھے، نے آپؑ کا محاصرہ کرلیا اور وہ سب آپؑ کا خون بہا کر قربت خدا کی تلاش میں تھے" (امالی صدوق/۶۲۲م۷۰ح۱۰بحارالانوار:۴۴/۲۹۸)

ان دو روایات میں "از دلاف" کا لفظ اجتماع کرنے اور گرفتار کرنے کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ یعنی تیس ہزار افراد نے آنحضرتؑ پر ہجوم کیا لیکن روایات میں یہ تصریح نہیں ہے کہ کوفیوں کے لشکر کی تعداد یہ تھی۔

شاید یہاں ان بزرگواران کی مراد وہ تعداد لشکر ہو جس نے آنحضرتؑ کا محاصرہ کیا۔ اور جو بات صریحاً کہی گئی ہے وہ یہ ہے کہ کوفہ سے سید الشہداء سے جنگ کے لئے لشکر آتے رہے اور چھٹے محرم یا نو محرم کو ان کی تعداد تیس ہزار افراد ہوگئی اور انہوں نے حضرت کا محاصرہ کرلیا۔ لیکن اس بارے میں خاموشی ہے کہ اس کے بعد دیگر لشکر نہیں آئے۔ اور ظاہراً ان لشکروں کی آمد روز عاشور تک جاری رہی۔

اہل تاریخ اور اہل مقاتل نے اس عبارت کی تائید کی ہے مثلاً ابن طاؤسؒ اپنی کتاب

''لہوف'' میں رقم طراز ہیں۔

''وَخَرَجَ اِبْنُ سَعْدٍ لِقِتَالِ الْحُسَيْنِ عَلَيْهِ السَّلاَمُ فِي اَرْبَعَةِ آلاَفِ فَارِسٍ وَاَتْبَعَهُ بْنُ زِيَادٍ بِالْعَسَاكِرِ حَتّٰى تَكَمَّلَتْ عِنْدَهُ اِلٰى سِتِّ لَيَالٍ خَلَوْنَ مِنْ مُحَرَّمْ عِشْرُوْنَ اَلْفُ فَارِسْ''

یعنی چھے محرم الحرام کو بیس ہزار سوار مکمل ہو گئے۔

اور آیت اللہ ملا حبیب اللہ کاشانی لکھتے ہیں: ابی خلیق نے مختار کے جواب میں کہا: بائیس ہزار جنگ لڑ رہے تھے اور تیر اور نیزے مار رہے تھے اور چھے ہزار تین جگہوں پر فرات پر مقرر تھے اور باقی لشکر پے در پے کوفہ سے کربلا پہنچ رہا تھا۔

اور ایک روایت کے مطابق قسطنطنیہ سے قادسیہ تک لشکر ہی لشکر تھا۔ (تذکرۃ الشہداء ۹۷)

یا بحار الانوار کی مذکورہ قبل عبارت کے مطابق: ابن زیاد نے بتدریج لشکر بھیجا۔ حتیٰ کہ اس (عمر سعد) کے پاس تیس ہزار سپاہی جمع ہو گئے۔ اور عمر سعد کو لکھا: میں نے لشکر کے حوالے سے تمہارے لئے کوئی عذر باقی نہیں چھوڑا۔ ابھی عاشورہ میں چند دن باقی تھے اور اس لشکر میں بتدریج اضافہ ہوتا رہا۔

اس بنا پر ممکن ہے ان روایات سے وہ تعداد مراد ہو جو چھ محرم تک کربلا میں جمع ہو کر سید الشہداء کا محاصرہ کئے ہوئے تھی اور آپ کو کمزور سمجھتے ہوئے آپ کے کسی دوسری جگہ جانے یا کسی جگہ سے آپؑ کے لئے کمک آنے میں مانع تھی۔

ہمیں معصومینؑ کے فرمودات کو ہر حال میں تسلیم ہیں اور جو مراد ان کی ہے اسی پر ہم ایمان رکھتے ہیں اور انہیں بسر و چشم قبول کرتے ہیں۔

آئمہ اور روز عاشور

شیخ صدوق ؒ نے امام رضا علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ آپؑ نے فرمایا: محرم وہ مہینہ تھا کہ جس میں زمانہ جاہلیت کے لوگ بھی جنگ کو حرام خیال کرتے تھے۔

"فَاسْتُحِلَّتْ فِيهِ دِمَاءُ نَا ، وَهُتِكَتْ فِيهِ حُرْمَتُنَا وَسُبِيَ فِيهِ ذَرَارِ يِنَاوَنِسَاؤُ نَاوَاُضْرِمَتِ النِّيْرَانُ فِيْ مَضَارِ بِنَا وَانْتُهِبَ مَافِيْهَا مِنْ ثَقْلِنَا وَلَمْ تُرْعَ لِرَسُولِ اللّٰهِ حُرْمَةٌ فِيْ اَمْرِنَا"

"(لیکن بنی امیہ نے) ہمارے خون کو اس (ماہ) میں حلال جانا اور ہماری حرمت کی توہین کی، ہمارے بچوں اور عورتوں کو قیدی بنایا گیا۔ ہمارے خیموں کو آگ لگادی گئی اور جو کچھ ان میں تھا وہ لوٹ لیا گیا، اور ہمارے بارے میں حرمت رسول خداؐ تک میں رعایت نہ کی گئی"

امام حسینؑ کی شہادت کے دن ہماری آنکھوں کو زخمی کردیا گیا۔ ہمارے آنسو رواں ہوگئے ہمارے عزیز (محترم) کو زمین کربلا پر خوار کیا گیا اور ہمیں قیامت تک مصیبت و بلا میں مبتلا کردیا گیا۔

فَعَلٰى مِثْلِ الْحُسَيْنِ فَلْيَبْكِ الْبَاكُونَ ، فَاِنَّ الْبُكَاءَ عَلَيْهِ يَحُطُّ الذُّنُوبَ الْعِظَامَ

"حضرت امام حسین علیہ السلام پر گریہ کرنا چاہیے کیونکہ ان پر گریہ بڑے بڑے گناہوں کو دھو دیتا ہے"

پھر فرمایا: میرے والد محترم کا شیوہ تھا کہ جب محرم شروع ہوتا تو کوئی انہیں ہنستا نہ دیکھتا

اور دس محرم تک رنج وغم ان پر غالب آجاتا۔ اور روز دہم ان کے لئے مصیبت وحزن و ملال کا دن ہوتا تھا۔ نیز فرماتے تھے اس دن حضرت امام حسینؑ کو قتل کردیا گیا

(امالی صدوق ۱۲۸م۲۷ح ۲' بحارالانوار:۴۴/۲۸۳ح ۱۸)

"مَنْ تَرَکَ السَّعْیَ فِیْ حَوائِجِهِ یَوْمَ عاشُورا قَضَی اللّٰهُ لَهُ حَوائِجَ الدُّنیا وَالآخِرَةِ"

"کوئی شخص روز عاشور کو اپنی حوائج وضروریات کے پیچھے نہ بھاگے (اور اپنے امور کو معطل کردے) خدائے متعال اس کی دنیا و آخرت کی حاجات کو پورا کردے گا"

اور جس شخص کا روز عاشور روز مصیبت وحزن وگریہ ہوگا خدائے عزوجل روز قیامت کو اس کے لئے فرحت وشادمانی کا دن بنادے گا اور جنت میں اس کو ہماری زیارت نصیب ہوگی۔

اور جس شخص نے روز عاشور کو روز برکت جانا اور اپنے گھر کے لئے کچھ ذخیرہ کیا تو اس ذخیرہ میں ذرا برکت نہ ہوگی اور روز قیامت وہ یزید' عبداللہ ابن زیا اور عمر سعد کے ساتھ درک اسفل (دوزخ کی بدترین جگہ) میں محشور ہوگا۔

(امالی صدوق/۱۲۹ح ۴' بحارالانوار:۴۴/۲۸۴ح ۸۸ وسائل:۱۴/۵۰۴'۶۶ح ۷)

شیخ طوسی عقبہ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت باقر علیہ السلام نے فرمایا۔ جس شخص نے دس محرم کو حضرت حسینؑ بن علی علیہم السلام کی زیارت کی اور آپ کی قبر مطہر کے نزدیک گریہ کیا تو روز قیامت جب خدا سے ملاقات کرے گا' اسے دوہزار حج دوہزار عمرہ اور دو ہزار جہاد کا ثواب ملے گا اور وہ حج وعمرہ و جہاد بھی ایسے باثواب ہوں گے کہ جیسے رسول خدا اور آئمہ طاہرین کے ساتھ ادا کئے گئے ہوں۔

راوی نے عرض کیا: میں آپ کے قربان جاؤں' جو شخص کربلا سے دور کسی شہر میں مقیم ہو اور اس کے لئے آنحضرت کی قبر مطہر پر جانا ممکن نہ ہو تو وہ کیا کرے؟

فرمایا: زوال آفتاب کے قریب کسی صحرا میں یا گھر کی چھت پر چلا جائے اور آنحضرت کی

جانب سلام کے ساتھ اشارہ کرے (زیارت پڑھے) اور آپؑ کے قاتلوں پر لعن وتفرین کرے۔ پھر دو رکعت نماز پڑھ کر آنحضرت پر گریہ وندبہ کرے۔ اور جو لوگ اپنے گھروں میں ہوں اگر وہ حالت تقیہ میں نہ ہوں تو وہ آنحضرت پر گریہ کرنے کے لئے اپنے گھر میں مجلس عزا منعقد کریں اور ایک دوسرے سے تعزیت کریں۔ میں ان سب کے لئے اس سارے ثواب (مذکورہ قبل) کا ضامن ہوں۔

میں نے (حیرانگی سے) عرض کیا: میں آپؑ پر قربان' آپؑ اس ثواب کی ضمانت دیتے ہیں اور کفالت کرتے ہیں؟

فرمایا! ہاں! میں اس شخص کے لئے ضامن وکفیل ہوں جو یہ عمل بجالائے۔ میں نے کہا: ایک دوسرے سے تعزیت کس طرح کریں۔ فرمایا:

أَعْظَمَ اللّٰهُ أُجُورَنَا وَأُجُورَكُمْ بِمُصَابِنَا بِالْحُسَيْنَ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَجَعَلْنَا وَإِيَّاكُمْ مِنَ الطَّالِبِيْنَ بِثَارِهِ مَعَ وَلِيِّهِ الْإِمَامِ الْمَهْدِيِّ عَجَّلِ اللّٰهِ تَعَالىٰ فَرَجَهُ الشَّرِيْفُ مِنْ آلِ مُحَمَّدٍ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ"

"اور اگر ممکن ہو تو اس دن اپنے کاموں میں تعطیل کرو۔ کیونکہ یہ دن نحس ہے اور اس دن مومن کی حاجت پوری نہیں ہوتی۔ اور اگر پوری ہو بھی جائے تو باعث برکت نہیں ہوگی اور اس میں خیر نہیں ہے اور اس دن اپنے گھر کے لئے کوئی چیز ذخیرہ نہ کرو کیونکہ وہ اہل خانہ کے لئے باعث برکت ومبارک نہ ہوگی"

جو کچھ میں نے کہا ہے اگر اسے انجام دیں تو خدائے متعال ان کے لئے ہزار حج' ہزار عمرہ اور ہزار جہاد' جو رسول خدا کی معیت میں انجام دیئے گئے ہوں۔ کا ثواب لکھے گا۔ اور اس کے لئے ابتدائے آفرینش سے قیامت تک آنے والے ہر پیغمبر' رسول وصی صدیق اور شہید کی مصیبت جتنا ثواب ہوگا۔

علقمہ نے آنحضرتؑ سے عرض کیا: مجھے اس دن کے لئے کوئی دعا تعلیم فرمایئے تاکہ میں دور یا نزدیک سے جب سید الشہداء کی زیارت کروں تو اس کو پڑھوں۔

فرمایا: دو رکعت نماز بجالاؤ اس کے بعد سلام میں اشارہ کر کے تکبیر کہہ کر یہ زیارت (

زیارت عاشورا) پڑھو۔ کہ اس طرح زوار کے ساتھ ملائکہ بھی دعا گو ہوتے ہیں، خداوندمتعال تمہارے لئے سوملین درجے لکھے گااورتم اس شخص کی مانند ہوگے جوامام حسینؑ کے ساتھ شہید ہوا ہو۔ یہاں تک کہ ان کے درجات میں شریک ہو جاؤ گے اوران سب کے ساتھ پہچانے جاؤ گے۔اورتمہارے لئے ہر پیغمبر ورسول اور ہروہ شخص جس نے روز شہادت سے آج تک حضرت امام حسینؑ کی زیارت کی ہوگا ثواب لکھا جائے گا۔ (مصباح شیخ طوسیؒ/۷۱۳ مفاتیح الجنان/روز عاشورآنحضرت کی زیارت)

(اس کے بعد آپ نے معروف زیارت عاشورا بیان فرمائی)

حضرت باقر فرماتے ہیں: امام حسینؑ کی شہادت کے روز میرے بابا (حضرت امام سجادؑ دردِدل کے سبب خیمہ ہی میں تھے اور میں دیکھ رہا تھا۔ ہمارے دوست اورموالی امام حسینؑ کے پاس آجارہے تھے اور پانی طلب کررہے تھے۔اور آنجنابؑ کبھی میمنہ پر،کبھی میسرہ پراور کبھی قلب لشکر پرحملہ کررہے تھے۔

اورآپؑ کواس طریقے سے قتل کیا گیا کہ جس سے رسول خدا نے منع فرمایا تھا کہ کسی بھی جاندارکواس طرح ذبح نہ کرو۔

"لَقَدْ قُتِلَ بِالسَّيْفِ وَالسِّنَانِ وَبِالْحِجَارَةِ وَبِالْخَشَبِ وَبِالْعَصَا وَالْقَدْ أَوْطَأَهُ الْخَيْلَ بَعْدَذَلِكَ"

"آپؑ کوتلواروں' نیزوں' پتھروں لکڑیوں اور لاٹھیوں سے شہید کیا گیا اوراس کے بعدآپ کے بدن اطہر پرگھوڑے دوڑائے گئے۔

(بحارالانوار:۴۵/۹۱ب ۳۷ح ۳۰)

(۵) عبداللہ بن سنان نے روایت کی ہے کہ میں روز عاشور حضرت صادقؑ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے آپؑ کو پریشان اور رنجیدہ خاطر پایا، آپ کی آنکھوں سے موتیوں کی طرح آنسو بہہ رہے تھے۔ میں نے عرض کیا: یابن رسول اللہؐ! اللہ آپؑ کی آنکھوں کوکبھی نہ رلائے آپ کس وجہ سے گریہ فرمارہے ہیں؟

آپ نے فرمایا:

أَوَفِي غَفْلَةٍ أَنْتَ ؟ أَمَاعَلِمْتَ أَنَّ الْحُسَيْنَ بْنَ عَلِيٍّ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ أُصِيبَ فِي مِثْلِ هٰذَا الْيَوْمِ ؟

"کیا تو غافل ہے اور نہیں جانتا کہ ایسے ہی ایک دن حسینؑ ابن علیؑ شہید کر دیئے گئے

میں نے عرض کیا: میرے آقاؑ! اس دن کے روزے کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ آپ نے جواب دیا: بغیر نیت کے روزہ رکھو اور بغیر دعائے افطار پڑھے افطار کرو اور اس روزے کو پورا روزہ قرار نہ دو بلکہ نماز عصر کے بعد پانی سے افطار کرو۔ کیونکہ اس وقت۔

"تَجَلَّتِ الْهَيْجَاءُ عَنْ آلِ الرَّسُولِ وَانْكَشَفَتِ الْمَلْحَمَةُ عَنْهُمْ "

"آل رسولؐ سے جنگ برطرف ہوئی اور یہ فتنہ عظیم فرو ہوگیا"

(یہاں روزے سے مراد فاقہ کشی ہے: مترجم)

بنی ہاشم کے تیس افراد اپنے انصار کے ساتھ میدان کارزار میں شہید ہوئے اور ان کے لاشے خاک پر پڑے تھے۔ یہ منظر رسولؐ خدا کے لئے سخت دشوار تھا اور اگر آنحضورؐ زندہ ہوتے (تو آپ خود ان کا غم مناتے) تو آپؐ کو تعزیت پیش کی جاتی۔

روای کہتا ہے: (یہ کہتے ہوئے) امام صادقؑ اس قدر روئے کہ آپ کی ریش مبارک آنسوؤں سے تر ہوگئی۔ (مصباح شیخ طوسی/۷۲۴، بحار الانوار: ۴۵/۶۳ح ۳)

عبدالمالک کہتا ہے۔ میں نے امام صادق علیہ السلام سے نو اور دس محرم کے روزوں کا پوچھا تو آپ نے فرمایا: تاسوعا (۹ محرم) وہ دن ہے جب امام حسینؑ اور ان کے یار و انصار کا کربلا میں محاصرہ کرلیا گیا۔ اور اہل شام کا لشکر آپؐ سے جنگ کرنے کے لئے جمع ہونے لگا۔ ابن مرجانہ اور عمر سعد اپنے لشکر کی کثرت کے سبب شاداں و فرحاں تھے۔ جب کہ وہ حضرت حسینؑ اور آپ کے اصحاب کو کمزور خیال کرتے ہوئے مطمئن تھے کہ ان کے لئے کہیں سے کمک نہیں پہنچے گی۔ اور اہل عراق ان کی مدد نہیں کریں گے۔ میرا باپ اس ضعیف و غریب پر قربان۔ پھر فرمایا: عاشور کے دن۔

"فَيَوْمٌ أُصِيبَ فِيهِ الْحُسَيْنُ عَلَيْهِ السَّلَامُ صَرِيْعًا بَيْنَ أَصْحَابِهِ وَأَصْحَابُهُ حَوْلَهُ صَرْعَىٰ عُرَاةٌ"

''امام نے یارو انصار سمیت شہادت پائی اور ان کے اصحاب یارو انصار ان کے گرد عریاں بدن زمین پر پڑے تھے۔

کیا ایسے دن روزہ رکھا جاتا ہے؟ خدائے کعبہ کی قسم ایسا نہیں ہے۔ یہ دن روزے کا دن نہیں ہے بلکہ حزن و مصیبت کا دن ہے کہ جو اہل آسمان و زمین اور تمام مومنین پر نازل ہوئے۔

یہ دن ابن مرجانہ اور آل زیاد نیز اہل شام کے لئے فرحت و شادمانی کا دن تھا کہ خدا نے ان پر اور ان کے ذرار پر غضب نازل فرمایا ہے۔ یہ وہ دن ہے کہ جب سوائے زمین شام کے تمام بقعہ ہائے زمین (سید الشہداءؑ پر) روئے۔

جو کوئی اس دن روزہ رکھے یا اس دن تلاش برکت کرے خدا اس کے دل کو مسخ کر کے آل زیاد کے ساتھ محشور کرے گا اور اس پر اپنا غضب نازل فرمائے گا۔

اور جو کوئی اس دن اپنے گھر میں کوئی شے ذخیرہ کرے گا تو اس کے دل میں قیامت تک کے لئے نفاق پیدا ہو جائے گا، اس کے خاندان و اولاد سے برکت اٹھالی جائے گی۔ اور ان کاموں میں شیطان اس کا شریک و ہم سفر ہوگا (یعنی وہ شیطان کے حکم پر چلے گا)

(کافی: ۱۴/۱۴۷ باب روز عرفہ و عاشورا ح ۷ بحار الانوار ۴۵/۹۵ ح ۹۰)

اس بنا پر اس دن یہ امور اہم ہیں کہ سید الشہداء کی یاد میں مجالس عزا برپا کی جائیں اور ان مجالس میں شرکت کر کے آنحضرتؑ کے مصائب میں رویا جائے ماتمی حلقوں کے ساتھ ماتم کیا جائے اور زیارت عاشورہ پڑھی جائے۔ نیز اہل خانہ اور دوستوں کو ان امور کی تشویق دلائی جائے۔

رونے اور رلانے کی فضیلت میں روایات قبل ازیں ذکر کی جا چکی ہیں۔

صبح عاشور

نمازِ صبح کے بعد (۱) امام حسینؑ نے اپنے یار و انصار کی جنگ کے لئے صف بندی فرمادی زہیر بن قین کو داہنی جانب (میمنہ) اور حبیب ابن مظاہر کو بائیں جانب (میسرہ) کا سالار مقرر کیا اور پرچم اپنے بھائی عباس کے سپرد فرمایا (۲) خیام کو اپنے عقب میں رکھا نیز ان کے گرد جو خندق کھودی گئی تھی اسے لکڑیوں سے پر کرکے آگ لگادی گئی۔ تاکہ دشمن پیچھے کی طرف سے حملہ آور نہ ہو سکے۔

دوسری طرف سے عمر سعد نے اپنے لشکر کو آراستہ کیا۔ عمرو بن حجاج کو داہنی طرف اور شمر بن الجوشن کو بائیں طرف مقرر کیا۔ عروہ بن قیس کو سواروں کا فرماندار! شبث بن ربعی کو پیادوں کا امیر بنایا اور پرچم اپنے غلام درید کے ہاتھ میں دیا۔

حضرت علی بن الحسینؑ سے حدیث مروی ہے کہ جب روزِ عاشور کی صبح ہوئی تو دشمن کے لشکر نے امام حسین علیہ السلام کی طرف رخ کیا آپ نے اپنے ہاتھ دعا کے لئے بلند کئے اور عرض کیا:

"اَللّٰهُمَّ أَنْتَ ثِقَتِي فِي كُلِّ كَرْبٍ ،وَأَنْتَ رَجائِي فِيْ كُلِّ شِدَّةٍ وَأَنْتَ لِي فِيْ كُلِّ أَمْرٍ نَزَلَ بِي ثِقَةٌ وَعُدَّةٌ كَمْ مِنْ هَمٍّ يَضْعُفُ فِيْهِ الْفُؤادُ وَتَقِلُّ فِيْهِ الْحِيْلَةُ وَيَخْذُلُ فِيْهِ الصَّدِيْقُ ....

---

(۱) مرحوم شوستری فرماتے ہیں: امام حسینؑ کے موذن حجاج بن مسروق تھے جو کہ کربلا میں شہید بھی ہوئے۔ لیکن صبح عاشور کو امام نے شہزادہ علی اکبر کو حکم دیا کہ اذان دو اور امام نے اپنے اصحاب کے ساتھ نماز فجر ادا کی۔ اس وقت آپ نے اپنے اہل بیت اور اصحاب سے فرمایا میں گواہی دیتا ہوں کہ سوائے علی (امام سجاد) کے ہم سب شہید کردیے جائیں گے۔ اصحاب یہ خبر سن کر شاد و مسر گئے۔

(۲) بعض روایات کے مطابق اپنے اصحاب میں سے (۲۰) افراد داہنی طرف حضرت زہیر کے ساتھ اور (۲۰) بیس افراد بائیں جانب حضرت حبیبؓ کے ساتھ تھے اور خود آنحضرت قلب لشکر میں تھے۔ (منتہی الآمال)

وَيَشْمَتُ فِيْهِ لُعَدُوُّ اَنْزَلْتُهُ بُكَ وَشَكَوتُهُ اِلَيْکَ رَغْبَةً مِنِّی اِلَيْکَ عَمَّنْ سِواکَ فَضَرَّجْتَهُ وَكَشَّفْتَهُ فَأَنْتَ وَلِیَّ كُلِّ نِعْمَةٍ وَصَاحِبُ كُلِّ حَسَنَةٍ وَمُنْتَهٰی كُلِّ رَغْبَةٍ“

اس دوران میں دشمن کے لشکر سے اپنے گھوڑوں کو دوڑاتا ہوا ایک گروہ آپؑ کے خیموں کی جانب بڑھا۔ انہوں نے خیموں کے عقب میں کھودی گئی خندق اور اس میں جلتی ہوئی آگ کو دیکھا تو شمر نے بلند آواز سے کہا: اے حسینؑ! تم نے قیامت سے قبل ہی آگ کی طرف جلدی کی ہے!

امام حسینؑ نے فرمایا: یہ کون ہے لگتا ہے شمر ہے۔ جواب ملا ہاں۔

حضرت نے فرمایا: اے بکریاں چرانے والی کے بیٹے (۱)! آگ میں جلنے کا تو سزوار ہے۔

مسلم بن عوسجہ نے چاہا کہ اسے تیر ماریں لیکن امامؑ نے انہیں روکا اور فرمایا: میں نہیں چاہتا جنگ کا آغاز میری طرف سے ہو۔ (ارشاد:۲/۹۸' تاریخ طبری:۵/۴۲۳)

شیخ مفیدؒ اور دوسروں کی روایت کے مطابق امام نے اپنا اونٹ طلب فرمایا اور اس پر سوار ہو کر تا کہ تمام لوگ سن لیں بہ آواز بلند فرمایا:

اے لوگو! میری بات سنو! اور جلدی میں مت پڑو تا کہ میں خود پر عائد پند و نصیحت کا حق ادا کر لوں اور اپنے یہاں آنے کا عذر تم پر واضح کر سکوں۔ اگر تم نے میرا عذر قبول کیا۔ میری بات پر یقین کیا اور انصاف سے کام لیا تو تم سعادت مند ہو گے اور مجھ سے تعرض نہیں کرو گے اور اگر قبول نہ کیا تو نا انصافی کے مرتکب ہو گے۔

فَأَجْمِعُوا أَمْرَكُمْ وَشُرَكَاءَكُمْ ....

”پھر تم اور تمہارے ساتھی ہر مکر و تدبیر کرنا۔ جب تم پر یہ امر پوشیدہ نہ رہے گا تو اس وقت میرا خیال نہ رکھنا اور مجھے مہلت نہ دینا“

---

(۱) شمر کی ماں زنا کاری، بدفطرتی اور خباثت میں مشہور تھی۔ ذخیرۃ الدارمن میں ہشام کلبی سے روایت ہے کہ ذی الجوشن کی بیوی کہیں جا رہی تھی۔ راستے میں اسے پیاس لگی تو اس نے ایک چرواہے سے پانی مانگا، اس چرواہے نے کہا: میں تمہیں پانی نہیں دوں گا جب تک کہ تم میری خواہش پوری نہیں کرتی۔ وہ مان گئی اور شمر سے حاملہ ہوئی۔

"اِنَّ وَلِیِّ اَللّٰہُ "(سورہ اعراف آیہ۱۹۶)

بے شک ہمارا ولی خدا ہے کہ جس نے قرآن کو نازل فرمایا اور نیکو کاروں کا یار و مددگار ہے

جب آپؑ کی بہنوں اور بیٹیوں نے یہ جملات سنے تو وہ فریاد کرنے لگیں اور با آواز بلند گریہ وشیون شروع کر دیا۔

آپ نے اپنے بھائی عباسؑ اور بیٹے علی اکبرؑ کو بھیجا تا کہ انہیں خاموش کرائیں اور فرمایا میرے بعد انہیں بہت رونا ہے۔

جب خواتین خاموش ہوگئیں۔آنحضرتؑ نے حمد و ثنائے خداوندی بیان کر کے پیغمبر اسلامؐ فرشتوں اور تمام نبیوں پر درود بھیجنے کا حق اس طرح ادا کیا کہ قبل ازیں کسی سخنور نے ایسا کیا ہوگا اور نہ آپ کے بعد کسی منطقی کو اس قدر بلیغ گفتگو کرتے سنا گیا ہے۔

پھر آپ نے فرمایا: میرے نسب کو یاد کرو اور دیکھو کہ میں کون ہوں۔ ہوش کے ناخن لو خود کو سرزنش کرو اور سوچو کہ کیا تمہارے لئے میرا قتل کرنا اور میری حرمت کی ہتک کرنا روا ہے؟ کیا میں تمہارے پیغمبر کی بیٹی کا دلبند اور ان کے وصی اور چچا زاد کا فرزند نہیں ہوں۔ وہ شخص کہ جو سب سے پہلے ایمان لائے اور خدا کی جانب سے رسول خدا پر جو کچھ نازل ہوا اس کی تصدیق کی' آیا سید الشہداء حضرت حمزہ میرے چچا نہیں ہیں؟ کیا جعفر ابن ابو طالب کہ جو دو پروں کے ساتھ بہشت میں محو پرواز ہیں میرے چچا نہیں ہیں؟ کیا تم تک وہ حدیث نہیں پہنچی جو رسول خداؐ نے میرے اور میرے بھائی کے بارے میں بیان فرمائی کہ یہ دونوں جوانان جنت کے سردار ہیں۔

اگر تم میری بات پر یقین رکھتے ہو (تو میرے قتل سے ہاتھ اٹھا لو اور جان لو) کہ میں سچ بولتا ہوں۔ خدا کی قسم جب سے مجھے یہ علم ہوا ہے کہ خداوند متعال جھوٹ کو دشمن رکھتا ہے میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔

اور اگر تمہیں میری بات پر یقین نہیں ہے تو تمہارے درمیان کئی اشخاص ہیں ان سے پوچھ لو وہ تمہیں خبر دیں گے۔ جابر بن عبداللہ انصاریؓ ابو سعید خدری' سہل بن سعد ساعدی' زید بن ارقم اور انس بن مالک سے پوچھو۔ وہ تمہیں بتائیں گے کہ انہوں نے یہ کلام میرے اور میرے بھائی

کے بارے میں رسول خدا سے سنا ہے۔

کیا رسول خدا کا یہ فرمان تمہیں میرا خون بہانے سے منع نہیں کرتا؟ شمر نے کہا: خدا کی ایک حرف سے عبادت کروں اگر مجھے یہ علم ہو کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں تو میں (یعنی بغیر راسخ عقیدے سے خدا کی عبادت کروں)

حبیب ابن مظاہر نے کہا: خدا کی قسم مجھے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ تم سات حرفوں پر خدا کی عبادت کرتے ہو (یعنی سات گنا شک اور تزلزل میں مبتلا ہو) اور میں گواہی دیتا ہوں کہ تم سچ کہہ رہے ہو اور تم نہیں جانتے کہ حضرت کیا فرما رہے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے دل پر مہر ثبت کردی ہے۔

امام حسینؑ نے گفتگو جاری رکھتے ہوئے فرمایا: کیا تم میری ان باتوں کی تردید کرتے ہو اور تمہیں میرے پیغمبر کی بیٹی کا بیٹا ہونے میں شک ہے؟ خدا کی قسم مشرق و مغرب کے درمیان سوا میرے کوئی بھی دختر پیغمبرؐ کا بیٹا نہیں ہے۔ نہ تمہارے درمیان اور نہ تمہارے علاوہ کہیں۔ وائے ہو تم پر کیا میں نے تم سے کسی کو قتل کیا ہے کہ مجھ سے اس کے خون کا بدلہ لینا چاہتے ہو یا میں نے تمہارا مال چھینا ہے۔ یا پھر میں نے کسی کو زخمی کیا ہے کہ اس کا قصاص لینا چاہتے ہو؟

وہ خاموش تھے اور کچھ نہ بول سکے۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: اے شبث بن ربعی! اے حجار بن ابجر! اے قیس بن اشعث اور اے یزید بن حارث! کیا تم نے مجھے نہیں لکھا تھا کہ ہمارے پھلدار اور سرسبز و شاداب باغ آپ کے منتظر ہیں۔ اور اگر آپ آئیں گے تو مسلح افواج آپ کے زیر فرمان ہوں گی۔ ہمارے ہاں چلے آیئے؟

قیس بن اشعث نے کہا: ہمیں نہیں معلوم کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں البتہ آپ اپنے چچا کے بیٹے یزید اور ابن زیادہ کا حکم مان لیں تو پھر جو انہیں منظور ہوگا وہ کریں گے۔

امام حسینؑ نے فرمایا:

"لَا وَاللّٰهِ لَا أُعْطِيْكُمْ بِيَدِى اِعْطَاءَ الذَّلِيْلِ وَلَا أُقِرُّ مِنْكُمْ فِرَارَ الْعَبِيْدِ"

"نہیں خدا کی قسم میں تمہاری جانب ہرگز دست ذلت نہیں بڑھاؤں گا۔ اور بند

گان فرار بھٹکے ہوئے انسانوں) کی طرح ہرگز نہیں کروں گا"

پھر فرمایا:

"یَا عِبَادَاللّٰہِ اِنِّی عُذْتُ بِرَبِّی وَرَبِّکُمْ اَنْ تَرْحَمُوْنَ "

(سورہ دخان آیہ ۲۰ وسرہ غافر آیہ ۲۷)

"اے بندگان خدا! میں تمہارے اور اپنے رب کی پناہ مانگتا ہوں۔ اس آزار سے جو تم مجھے پہنچانا چاہتے ہو۔ اور اپنے اور تمہارے رب کی پناہ مانگتا ہوں ہر اس سرکش سے جو روز جزا پر ایمان نہیں رکھتا۔ پھر آپ نے اپنا اونٹ خوابانید اور عقبہ بن سمعان کو حکم دیا کہ اسے عقال کند

(ارشاد: ۲/۱۰۰، وتاریخ طبری: ۵/۴۲۴ کامل ابن اثیر: ۴/۶۱)

سید بن طاؤس اور دوسروں سے مروی ہے:

عمر سعد کے لشکری (ان پر اللہ کی لعنت ہو) سوار ہو گئے۔ حضرت حسین علیہ السلام نے بریر کو بھیجا تا کہ انہیں نصیحت کریں لیکن انہوں نے بریر کی بات نہ سنی جب بات دہرائی گئی تو بھی بے سود رہی۔ لہٰذا امام حسینؑ نے بذات خود گھوڑے پر سوار ہوئے اور انہیں خاموش ہونے کو کہا۔ وہ خاموش ہو گئے تو آپ نے مقام کے شایان شان حمد وثنائے خالق بیان کی اور حضرت محمدؐ فرشتگان اور پیغمبران الٰہی پر درود وسلام کے بعد فرمایا: اے لوگو تم پر مرگ اور پریشانی نازل ہو کہ تم حیران و سرگرداں تھے اور تم نے ہمیں اپنی ہدایت کے لئے بلایا۔ ہم جلد از جلد تمہاری ہدایت کے لئے پہنچے۔ تو وہ تلواریں جنہوں نے تمہاری اٹھائی ہوئی قسموں کے مطابق ہماری حمایت میں اٹھنا تھا اور ہمارے دشمنوں پر چلنا تھا وہ ہم پر پڑنے کو تیار ہو گئیں۔ اور وہ آگ جو ہمارے دشمنوں کے لئے بھڑکائی گئی تھی ہمارے ہی دامن کو جلانے لگی۔

آج تم اپنے دشمنوں کے فائدے اور دوستوں کے نقصان پر تلے ہوئے ہو کیونکہ تمہارے دشمنوں نے تمہارے درمیان نہ رسم عدالت چھوڑی ہے اور نہ امید تازہ۔

وائے ہو تم پر اس سے پہلے کہ تم ہماری مدد کے لئے تلواریں نیاموں سے نکالتے تم نے

یں چھوڑ دیا۔

لیکن تم نے مور و ملخ کی طرح اس کام میں جلدی کی اور پروانوں کی طرح اس کام کے لیے ہجوم کیا قرآن کو چھوڑنے والو اور احکام الٰہی کو تبدیل کرنے والو تم پر موت۔ اے سراپا گناہ اعت ! شیطان کے ہم کارو اور پیغمبر کے چراغ ہائے ہدایت کو بجھانے والو تم ان کی نصرت کر ہے ہو اور ہماری ذلت؟

ہاں خدا کی قسم یہ نیرنگیٔ تم میں ایک زمانے سے پائی جاتی ہے۔تمہارے شاخ و برگ اس ی پیداوار ہیں اور تم اس درخت کے ناپاک پھل ہو کہ جو باغبان کے گلے میں ہڈی کی طرح پھنس اتا ہے لیکن غاصب کے لیے لقمہ گوارا ہے۔

أَلاَ وَاِنَّ الدَّعِيَّ بْنَ الدَّعِيِّ قَدْرَ كَزَ بَيْنَ اثْنَتَيْنِ بَيْنَ السِّلَّةِ وَالذِّلَّةِ، وَهَيْهَاتَ مِنَّا الذِّلَّةِ، يَابَى اَللّٰهُ ذٰلِكَ لَنَا وَرَسُولُهُ وَالْمُوْمِنُونَ وَحُجُورُ طَابَتْ وَطَهُرَتْ وَاُنُوفُ حَمِيَّةٌ وَنُفُوسُ أَبِيَّةٌ مِنْ أَنْ نُوْ ثِرَ طَاعَةَ اللِّئَامِ عَلٰى مَصَارِعِ الْكِرَامِ(۱) أَلاَ وَاِنِّي زَاحِفٌ بِهٰذِهِ لاُ سْرَةِ مَعَ قِلَّةِ الْعَدَدِ وَخِذْلَةِ النَّاصِرِ"

''آگاہ رہو کہ اس حرام زادہ پسر حرام زادہ نے مجھے موت اور ذلت کے دوراہے پر لا کھڑا کیا ہے لیکن یہ مت سمجھو کہ میں ذلت کو موت پر ترجیح دوں گا۔ اللہ اس کا رسولؐ مومنین اور وہ پاک و پاکیزہ ہستیاں جنہوں نے میری پرورش فرمائی نیز صاحبان غیرت وحمیت اور وہ لوگ جنہوں نے بارستم کو برداشت نہ کیا اور ذلت میں نہ پڑے وہ سب کے سب مجھے اجازت نہیں دیتے کہ میں ان لعینوں کی فرمانبرداری کو شرافت وعزت کی موت پر ترجیح دوں۔ آگاہ ہو جاؤ کہ باوجود اس کے کہ میں تنہا رہ گیا ہوں اپنے خاندان کے ان تھوڑے سے افراد کے ہمراہ تمہارے ساتھ جنگ کروں گا۔

(پھر ان پر نفرین فرمائی) بارالہا! ان پر آسمان سے رحمت کی بارش روک لے اور ان

پر زمانہ یوسف کی سی قحط سالی فرما' اور ثقفی جوان (مختار) کو ان پر مسلط فرما تا کہ موت کے تلخ ناگوار ساغر ان کے منہ میں انڈیلے (یعنی اپنے دست انتقام سے ان میں سے کسی کو زندہ نہ چھوڑے اور قاتل کو قتل کی سزا اور ضارب کو ضرب کی سزا دے اور میرا اور میرے اصحاب و وابستگان اور پیروؤں کا بدلہ لے) انہوں نے مجھے دھوکہ دیا' جھوٹ بولا اور میری مدد سے ہاتھ کھینچ لیا۔ تو ہی میرا پروردگار ہے میرا توکل اور بھروسہ صرف تجھ پر ہے۔ ہم تیری جانب رجوع کرتے ہیں اور تیری ہی طرف ہماری بازگشت ہے۔(۱)

پھر آپ گھوڑے سے نیچے اترے اور رسول خداؐ کی سواری کا ''مرتجز'' نامی گھوڑا طلب فرمایا اور اس پر سوار ہو کر جنگ کے لئے اپنے اصحاب کی صف آرائی فرمائی۔

(لہوف/۹۶' الموسوعہ/۴۲۱ح ۴۰۲ اور عبارت میں قلیل سے اختلاف کے ساتھ)

مرحوم مقرم نے اس خطبہ شریف کو نقل کرنے سے پہلے لکھا ہے۔ حضرت امام حسینؑ اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے۔ قرآن لیا اور اپنے سر پر رکھا اور اس قوم (جفا کار) کے سامنے آ کر فرمایا۔ اے قوم (جفا کار) کتاب خدا اور میرے جد رسول خداؐ کی سنت ہمارے درمیان (حکم) ہے۔ پھر اپنے بارے میں اور جو کچھ آپ کے پاس تھا یعنی رسول خدا کی شمشیر زرہ اور عمامہ کے بارے میں ان سے گواہی طلب کی (کہ یہ اشیاء رسول خداؐ ہی کی ہیں) اور اس جماعت (اشرار) نے ان کی تصدیق کی۔

اس وقت آپ نے ان سے پوچھا: پھر تم کس لئے میرے قتل کا اقدام کر رہے ہو؟

انہوں نے جواب دیا: اپنے امیر عبید اللہ ابن زیاد کی اطاعت کے لئے لہذا آنحضرتؑ نے یہ خطبہ ان کے سامنے بیان فرمایا۔ (مقتل مقرم ۲۸۶)

---

(۱) ''ابن ابی الحدید نے اس خطبہ شریف کو نقل کرنے سے پہلے لکھا ہے: عظیم سرفرازی جو انسانوں کو سکھائی گئی، وہ یہ ہے کہ سایہ شمشیر میں شرافت کی موت اس پست دنیا کی زندگی پر برتری رکھتی ہے۔ ابا عبداللہ حسینؑ بن علی کے لئے کہیں امان نہیں تھی، لیکن انہوں نے ذلت کو پھر بھی قبول نہ کیا۔ اور اس خطبہ کے بعد تحریر کرتا ہے: میں نے ابو زید علوی نقیب بصری سے سنا کہ وہ کہتا تھا: جو اشعار ابی تمام نے محمد بن حمید طاقی کے لئے پڑھے ہیں وہ امام حسینؑ کے لئے موزوں ہیں

(شرح نہج البلاغہ: ۳/۲۴۹ ب ۵۱)

علامہ مجلسیؒ نے مناقب سے روایت کی ہے کہ جب عمر سعد نے اپنے لشکر کو امام حسینؑ
سے جنگ کے لئے تیار کیا۔ تو آپؑ لشکر کے نزدیک تشریف لائے اور انہیں دعوت سکوت دی
انہوں نے قبول نہ کی حضرت فرمانے لگے:

تم پر وائے ہو' اس میں کیا نقصان ہے کہ اگر تم میری طرف توجہ دو اور میری بات سنو۔

"اِنَّمَا اَدْعُوْكُمْ اِلٰى سَبِيْلِ الرَّشَادِ ' فَمَنْ اَطَاعَنِي كَانَ مِنَ الْمُرْشَدِيْنَ
وَمَنْ عَصَانِي كَانَ مِنَ الْمُهْلِكِيْنَ وَكُلُّكُمْ عَاصٍ لِاَمْرِي غَيْرُ مُسْتَمِعٍ
قَوْلِي فَقَدْ مُلِئَتْ بُطُوْنُكُمْ مِنَ الْحَرَامِ ' وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ، وَيْلَكُمْ
اَلَاتَنْصِتُوْنَ ؟ اَلَا تَنْصِفُوْنَ؟ اَلَا تَسْمَعُوْنَ ؟"

"میں تمہیں ہدایت وسعادت کے راستے کی جانب بلا رہا ہوں۔ جو کوئی میری اطاعت کرے گا وہ ہدایت یافتہ ہے اور جو کوئی نافرمانی کرے اس کی ہلاکت یقینی ہے۔ لیکن تم میرے حکم سے سرکشی کر رہے ہو اور میری بات پر کان نہیں دھر رہے کیونکہ تمہارے پیٹ حرام سے بھرے ہوئے ہیں اور تمہارے دلوں پر مہریں ثبت ہو چکی ہیں تم پر وائے ہو کیا تم خاموش نہیں ہو گے؟ (انصاف نہیں کرو گے) کیا تم میری بات نہیں سنو گے؟"

لشکر عمر سعد نے ایک دوسرے کو ملامت شروع کر دی کہ توجہ دو۔

امام حسینؑ کھڑے ہو گئے اور وہی خطبہ جو لہوف سے نقل کیا گیا ہے بیان فرمایا۔ پھر
عمر سعد کہاں ہے؟ اس کو میرے نزدیک بھیجو۔

عمر کو بلایا گیا' پہلے تو وہ ملاقات پر راضی نہ ہوا پھر قبول کر لیا۔

آنحضرت نے فرمایا: اے عمر تو اس حرام زادہ پسر حرام زادہ کے حکومت رے اور گرگان کے
لئے مجھے قتل کرنا چاہتا ہے۔ اللہ کی قسم یہ حکومت تمہارے لئے ناگوار ہوگی اور تو اپنے مقصد کو حاصل نہ
کرے گا۔ یہ وہ وعدہ ہے جو مجھ تک پہنچا ہے۔ تو جو چاہتا ہے کر لیکن میرے بعد تو دنیا میں خوش رہے گا نہ
آخرت میں۔

گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہارا سر کوفہ کے دروازے پر نیزے پر نصب کر دیا گیا ہے اور بچے اسے نشانہ بنا کر پتھر مار رہے ہیں۔

عمر ناراض ہوا اور اپنا چہرہ (امام کی جانب سے) پھیر لیا۔ اور اپنی فوج کو آواز دی۔ کیا انتظار کر رہے ہو۔ سب یکبار حملہ کرو کہ یہ ایک لقمے سے زیادہ نہیں ہیں۔ (بحارالانوار ۴۵/۸ نفس المہموم ۲۲۵)

طبری نے سعد بن عبیدہ سے روایت کی ہے کہ کوفہ کے بوڑھے ایک ٹیلے پر کھڑے تھے اور سید الشہداء کے لئے رو رو کر کہہ رہے تھے۔

"اَللّٰهُمَّ أَنْزِلْ نَصْرَکَ"

"خدایا اس (حسینؑ) کو نصرت عطا فرما"

میں نے کہا! اے دشمنان خدا تم آگے بڑھ کر اس کی مدد کیوں نہیں کرتے؟ سعید نے کہا میں نے دیکھا کہ سید الشہداء لوگوں کو وعظ و نصیحت فرما رہے تھے۔

(تاریخ طبری: ۳۹۲/۵، منتہی الآمال: ۱/۳۴۷)

اولین حملہ

راوی کہتا ہے: عمر سعد آگے بڑھا اور امامؑ کے مجاہد کی طرف تیر چلا کر بولا: امیر عبداللہ (ابن زیاد) کے سامنے گواہی دینا کہ جس شخص نے حسین کی جانب پہلا تیرا چلایا وہ میں تھا۔ اس تیر کے بعد بارش کے قطروں کی طرح تیر برسنے لگے۔

حضرت نے اپنے یار و انصار سے فرمایا: تم پر خدا کی رحمت ہو کمر ہمت باندھ لو اور موت کے لئے جس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں تیار ہو جاؤ۔ کیونکہ دشمن کے یہ تیر تمہاری جانب موت کے قاصد ہیں۔

پس دونوں لشکروں میں سے ایک ایک گروہ باہم برسر پیکار ہوا اور ایک کے بعد دوسرا حملہ ہوا اس طرح چند حملوں میں امامؑ کے انصار میں سے کچھ نے جام شہادت نوش فرمایا۔

(محمد بن ابو طالب کی روایت کے مطابق اس لڑائی میں آنحضرت کے اصحاب میں سے پچاس (۵۰) نفر شہید ہو گئے۔ جن کے نام ابن شہر آشوب نے اپنی کتاب "مناقب" میں درج کئے ہیں)

راوی کہتا ہے: اس وقت امامؑ نے اپنا ہاتھ ریش مبارک پر پھیرا اور فرمایا: یہود پر خدا کا غضب اس وقت سخت ہوا جب انہوں نے خدا کے لئے بیٹا قرار دیا۔ اور نصاری پر اس وقت عذاب الٰہی سنگین ہوا جب انہوں نے عقیدہ تثلیث کے ذریعے تین خداؤں کا اقرار کیا اور مجوس پر اس وقت عذاب الٰہی ہوا جب انہوں نے خدا کے بجائے سورج اور چاند کی پوجا شروع کر دی۔

اور خداوند متعال اس گروہ پر اس وقت سخت غضب ناک ہے جب کہ وہ اس کے پیغمبر کی بیٹی کے فرزند کو شہید کرنے کے لئے یک زبان ہیں۔

خدا کی قسم! ان کی خواہشات میں سے کوئی خواہش پوری نہ ہوگی بلکہ وہ اپنے اپنے خون میں رنگین ہوں گے اور اسی حالت میں خداوند متعال سے ملاقات کریں گے۔

(لہوف/۱۰۰، مثیر الاحزان/۵۶، ۵۸)

مرحوم شیخ مفید تحریر فرماتے ہیں: عمر سعد نے آواز دی۔ اے درید! پرچم نزدیک لاؤ درید پرچم نزدیک لے آیا۔ عمر سعد نے تیر حلہ کمان میں رکھا اور آنحضرتؑ کے لشکر کی جانب یہ تیر چلا کر بولا گواہ رہنا کہ میں پہلا شخص ہوں کہ جس نے (فوج حسین کی جانب) تیر چلایا۔

اس کے بعد اس کے لشکر نے تیر پر تیر چلانا شروع کر دیئے اور میدان میں اتر کر مبارزہ کیا۔

(ارشاد: ۲/۱۰۴)

علامہ شوستریؒ فرماتے ہیں: حدیث صحیح میں ہے کہ اس تیر اندازی (اول) میں سید الشہداء کا نصف لشکر شہید ہوگیا۔ (مجالس المواعظ/۵۹م۶)

حسین علیہ السلام کا کربلا میں گریہ

مرحوم شوستریؒ بیان کرتے ہیں: چند مواقع پر آنحضرتؑ نے گریہ فرمایا اور شاید اس گریہ کی چند وجوہات تھیں۔ ایک تو یہ کہ مصائب اہل بیتؑ پر رونا بجائے خود ایک عظیم عبادت ہے۔ اور دوسری وجہ دین خدا کی بے کسی و بیچارگی تھی۔ اور تیسری وجہ یہ ہے کہ آئمہ علیہم السلام لوازم بشریہ سے خالی نہ تھے۔ کیونکہ ان کے لئے بھوک پیاس اور خستہ حالی تھی اور ان مصائب و مشکلات پر ناچار ان کا دل پر سوز ہو جاتا تھا۔ جیسا کہ رسول اکرمؐ اپنے بیٹے ابراہیمؑ کی وفات پر رونے لگے۔ اور آپؐ نے فرمایا: میرا دل غم زدہ ہو جاتا ہے۔ اور (آنکھوں سے) آنسو بہنے لگتے ہیں لیکن پھر بھی میں (زبان سے) کچھ نہیں کہتا کہ یہ غضب الٰہی کا موجب ہوگا (بحار الانوار ۲۲/۱۵۷) اور امام حسینؑ نے بھی اپنے جد بزرگوار کی تاسی فرمائی۔

کیا کسی انسان کے لئے یہ ممکن ہے کہ اپنے بھائیوں بیٹوں اور دوستوں کی شہادت کے بعد جب کہ وہ خود کو بے یارومددگار اور مظلوم و بے کس پائے دشمنوں نے اس کو گھیر رکھا ہو۔ زمین اس پر تنگ ہو اور خواتین اور بچے اس کے قریب غم زدہ بے ہوش اور قریب الرگ ہوں اور وہ شہادت کے لئے جلدی نہ کرے اور اپنے پسماندگان کو نصیحت فرمائے کہ قید و بند کے لئے تیار رہنا صبر کرنا اور صیحہ و جزع نہ کرنا؟

(۱) جب آپ (شہادت کے لئے روانہ ہونے لگے تو آپ کی چھوٹی بیٹی (سکینہؑ) آپ سے لپٹ گئی اور عرض کرنے لگی: تھوڑی دیر ٹھہر جائیے تا کہ میں آپ سے اس وداع آخر کا توشہ لے سکوں۔ وہ آپؑ کے ہاتھ اور پاؤں چومنے لگی۔ امامؑ نے اسے آغوش

میں لیا اور اپنی اشک آلود آنکھوں کو آستین سے صاف کرتے ہوئے فرمایا:

سَيَطُولُ بَعْدِی یَا سَکِینَةَ فَاعْلَمِي
مِنکِ الْبُکَاءُ اِذَا لَحِمَامُ دَهَانِي

اے سکینہؑ! آگاہ ہو جاؤ کہ میرے بعد تمہیں طویل گریہ کرنا ہے
(مناقب ابن شہر آشوب: ۴/۱۰۹، نفس المہموم/۳۴۶)

(۲) جب آپؑ اپنے بھائی عباسؑ کی لاش پر پہنچے تو دیکھا کہ وہ خاک پر پڑے ہیں۔ تیروں سے چھلنی مشک ایک طرف پڑی۔ اور کٹے ہوئے ہاتھ ایک ادھر دوسرا ادھر پڑا ہے آپ نے یہ منظر دیکھا تو بہت روئے۔ (مثیر الاحزان/۷۱)

(۳) جب شہزادہ قاسمؑ نے جنگ کا ارادہ کیا تو آپ ان سے بغل گیر ہو کر اس قدر روئے کہ غش کھا گئے۔ (بحارالانوار: ۴۵/۳۴)

(۴) جب قاسمؑ کی لاش پر پہنچے تو گریہ فرمایا۔

(۵) جب آپؑ کے بیٹے علی اکبرؑ میدان جنگ میں جانے کے لئے روانہ ہوئے تو آپ کے آنسو جاری ہو گئے۔ آپ نے ان کی محاسن مبارک کو ہاتھوں میں لے کر، آسمان کی طرف سر اٹھایا اور مناجات کیں۔

(۶) جب اپنی بہن زینبؑ کو گریہ زاری سے تسلی دی تو اس وقت خود آپ پر بھی حالت گریہ طاری ہو گئی اور آنسو آپ کی آنکھوں سے جاری ہو گئے۔ (بحارالانوار: ۴۵/۶)

میں نے ان حالات مذکورہ پر غور و خوض کیا تو اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ یہ بات فطرتاً اور عادتاً ناممکن ہے کہ کسی بھی رؤف و مہربان صاحب دل پر یہ حالات گزریں تو وہ گریہ کئے بغیر رہ سکے۔
(اشک رواں برامیر کارواں/۱۲۹، الخصائص الحسینیہ/۴۰)

نیز علامہ شوستریؒ فرماتے ہیں:

سید الشہداءؑ نے کربلا میں کئی دفعہ گریہ فرمایا۔ کئی دفعہ گھنٹہ گھنٹہ بھر روتے رہے۔ چنانچہ جب آپ کربلا پہنچے تو اپنے تمام اہل بیتؑ کو ایک خیمے میں جمع فرمایا اور ان پر نظر ڈالتے ہی ایک

ساعت گریہ فرمایا (قبل ازیں کربلا میں ورود" میں اس کا تذکرہ کیا جاچکا ہے)

جب آپ کے جوان جنگ کے لئے روانہ ہوتے تھے تو آپ گریہ فرماتے تھے۔ جب قاسمؑ میدان میں گئے تو آپ نے گریہ کیا۔ جب علی اکبرؑ گھوڑے پر سوار ہوئے تو آپؑ نے گریہ فرمایا اور جب ان کے لئے لباس لایا گیا تو آپ رو پڑے۔لیکن ایک گریہ آپؑ نے آخری وقت میں فرمایاوراس آخری لحظہ میں آپ نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا:

"أَبْكِي اِلَيْکَ مَكْرُوبًاوَ اَسْتَعِيْنُ بِکَ ضَعِيْفًا وَاَ تَوَكَّلُ عَلَيْکَ كَافِيًا اُحْكُمْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَومِنَا بِالْحَقِ، فَاِنَّهُمْ غَرُّوْنَا وَخَدَ عُوْنَا وَغَدَرُوْبِنَا وَقَتَلُوْ نَاوَنَحْنُ عِتْرَةُ نَبِيِّکَ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ"

میں پردرد دل کے ساتھ گریہ کناں ہوں۔ مجھے نہیں معلوم کہ اس گریہ کا سبب کیا ہے۔ یہ تیروں اور نیزوں کے زخموں کے سبب نہیں اس کا سبب اس کے علاوہ کچھ اور ہی ہے۔ (فوائد الشاہد ۳۶۳)

آنحضرت کے گریہ کرنے کا سبب بہت سے امور تھے۔ جو آپ کو اپنے قتل اور اپنے اصحاب اور خاندان کے قتل کے وقت درپیش آئے۔

وہ مواقع جہاں امام حسینؑ نے روز عاشور خجالت محسوس کی

مرحوم آیت اللہ جزائری لکھتے ہیں: آنحضرت نے بعض مواقع پر خجالت محسوس کی اس لئے کہ آپؑ کے دوست اور متوسلین قیامت کے روز دوسروں سے خجالت نہ اٹھائیں۔ جن میں سے چند کا تذکرہ حسب ذیل ہے۔

(۱) جب علی اکبرؑ نے آپؑ سے پانی مانگا۔

(۲) جب شہزادہ قاسمؑ نے آپ سے پانی طلب فرمایا۔

(۳) حضرت قاسمؑ سے جب انہوں نے اپنے چچا کو پکارا اور باوجود آنحضرتؑ کی سعی تلاش کے انہیں کچھ فائدہ نہ ہوا۔

(۴) کئی مقامات پر شہزادی سکینہؑ سے۔

(۵) حضرت علی اصغرؑ سے جب آپؑ کے پانی طلب کرنے پر حرملہ نے شہزادے کو سہ شعبہ تیر مارا

(۶) جناب رباب (مادر علی اصغر) سے جس وقت آپ شہزادہ علی اصغر کو ان کے پاس لے کر آئے۔

(۷) حضرت لیلیٰ مادر علی اکبرؑ سے جب انہیں ان کے فرزند کی شہادت کی خبر دی۔

(۸) تمام اہل بیت عظام سے کہ آپ ان کی کچھ مدد ہی فرما سکے اور نہ انہیں خطرات سے نجات دلا سکے

(۹) اپنی بہن حضرت زینبؑ سے دائمی خجالت محسوس کی۔ چنانچہ حضرت سکینہؑ روایت کرتی ہیں عالم رویا میں حضرت فاطمہؑ نے حضرت سید الشہداءؑ سے فرمایا: تم اپنی بہن کی جانب کیوں نظر نہیں کرتے، آپؑ نے فرمایا: مجھے اس سے شرم محسوس ہوتی ہے۔

(خصائص الزینبیہ / ۵۸ خصیصہ ۱۹)

عاشور کے شب و روز میں اہل بیتؑ کی پیاس

جب ساتویں محرم کو (لشکر سعد کو) حکم ملا کہ پانی پر پہرہ لگا دو تو خیموں میں پانی کم ہوگیا لیکن جس طرح پہلے کہا جا چکا ہے کہ جب آنحضرتؑ کے اصحاب پر پیاس نے غلبہ پالیا تو بڑی مشکل سے تھوڑا سا پانی مہیا ہوا۔ جب عمر سعد کو اسکا علم ہوا تو اس نے مزید سختی کر دی، لہٰذا خیموں میں ذرا پانی نہ رہا۔ پیاس بڑھتی گئی بالخصوص روز عاشور کو:

(۱) خیموں میں پانی نہیں تھا۔

(۲) سورج سر پر تھا اور درخت وغیرہ کی طرح کی کوئی شے نہ تھی کہ جو دھوپ کو روک سکے۔

(۳) سورج کی کرنوں سے زمین کربلا جل رہی تھی۔

(۴) بعض اصحاب نے جنگی لباس اور اسلحہ زیب تن کر رکھا تھا۔

(۵) عزیزوں کے جسموں پر متعدد زخم تھے اور ان زخموں سے خون بہہ رہا تھا۔

(۶) چھوٹے بچے پیاس کی تاب نہیں رکھتے تھے۔

(۷) کھانے کو بھی کچھ نہ تھا جس کے سبب پیاس کی شدت سے کمزوری نے آپ کو جکڑ رکھا تھا۔

(۹) اس سال عاشورہ محرم (موسم گرما) کے آواخر میں آیا تھا اس صورت حال کے تحت ان پر کیا گزری ہوگی۔ اسی لئے امام حسینؑ نے اپنے شیعوں کو تشنگی کا پیغام دیا ہے۔ کفعمی حضرت سکینہؑ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا۔

جب میرے بابا شہید ہوگئے تو میں نے ان کے بدن نازنین کو آغوش میں لیا۔ انہوں

نے عالم بے ہوشی میں منہ میری جانب کر دیا۔ اس حالت میں میں نے سنا کہ میرے بابا فرما رہے تھے:

شِيْعَتِي مَاإِنْ شَرِبْتُم رَيَّ عَذْبٍ فَاذْكُرُوْنِي
أَوْ سَمِعْتُمْ بِغَرِيْبٍ أَوْثَ يَدٍ فَانْدُ بُوْنِي

"اے میرے شیعوں تم جب بھی ٹھنڈا پانی پینا۔ میری تشنہ لبی کو یاد رکھنا، اور جس دور میں بھی کسی غریب (پردیسی) یا شہید کا نام سنو، مجھ پر گریہ کرنا" (مصباح کفعمی/۷۴۱)

"وَلَدُكَ هٰذَا يُصَابُ بِمُصِيْبَةٍ تَصْغُرُ عِنْدَ هَا الْمُصَائِبُ فَقَالَ ' يَا أَخِي وَمَاهِيَ ؟ قَالَ يُقْتَلُ عَطْشَانًا غَرِيْبًا وَحِيْدًا ' فَرِيْدًا لَيْسَ لَهُ نَاصِرُو لَا مُعِيْنُ ' وَلَوْ تَرَاهُ يَا آدَمَ وَهُوَ يَقُوْلُ : وَاعَطْشَاهُ وَاقِلَّةِ نَاصِرَاهُ حَتّٰى يَحُوْلَ الْعَطَشُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ السَّمَاءِ كَالدُّ خَانِ "

"آپؑ کے اس بیٹے پر ایسی مصیبت آئے گی جس کے سامنے مصیبتیں ہیچ ہوں گی آپؑ نے فرمایا: اے بھائی! وہ کیا مصیبت ہے؟ (جبرئیلؑ نے) کہا۔ پیاس، غربت اور بے کسی کی حالت میں شہید کر دیا جائے گا۔ اور کوئی اس کا یار و مددگار نہ ہوگا۔ اے آدم! کاش تم اسے یہ کہتے ہوئے دیکھتے کے درمیان دھوئیں کی مانند حائل ہو جائے گی۔

نیز روایت موسیٰ گزر چکی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"يَا مُوْسٰى صَغِيْرُهُمْ يُمِيْتُهُ الْعَطَشُ كَبِيْرُهُمْ جِلْدُهُ مُنْكَمِشُ "

"اے موسیٰ ان کے چھوٹے چھوٹے بچے پیاس سے ہلاک ہو جائیں گے اور ان کے بزرگوں کی جلدیں (پیاس سے) سوکھ جائیں گی۔

(بحار الانوار: ۴۴/ ۳۰۸ ب ۳۶ ح ۱۹۔ منکمش چروکیدہ لباس کو کہتے ہیں)

اور حضرت ابولفضل علیہ السلام کی گفتگو میں آیا ہے کہ انہوں نے لشکر (سعد) سے فرمایا: میرے بھائی کی خواتین اور بچے پیاسے ہیں۔ ان کو پانی دیجئے کہ ان کے دل پیاس کی گرفت میں

ہیں۔سید الشہداء نے خود بھی کئی مواقع پر فرمایا:

"اُسْقُونِی شَرْبَةً مِنَ الْمَاءِ فَقَدْ نَشَفَتْ كَبِدِی مِنْ شِدَّةِ الظَّمَاءِ"

"مجھے ایک گھونٹ پانی دے دو کہ پیاس کی شدت سے میرا دل کباب ہو رہا ہے"

مرحوم واعظ قزوینی فرماتے ہیں۔"نشفت" لغت میں اس تشنگی کو کہتے ہیں کہ جو تابش آفتاب کی شدت اور وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ ریزہ ریزہ کردینے والی ہو۔ (ریاض القدس ۲/۱۴۲)

بعض کتب مقاتل میں حضرت سکینہؑ سے روایت ہے کہ نو محرم کی رات (یا دن) کو خیموں میں پانی نایاب ہو گیا اور پانی رکھنے کے ظروف (برتن) خالی ہو گئے۔ پیاس سے لب خشک تھے اور ہم ایک گھونٹ پانی کے انتظار میں تھے لیکن وہ بھی میسر نہ تھا۔

فرماتی ہیں۔ میں اپنی پھوپھی زینب کے خیمے میں گئی کہ شاید وہاں ہمارے لئے کچھ پانی موجود ہو۔جب میں اپنی پھوپھی کے خیمے کے دروازے تک پہنچی تو میں نے دیکھا کہ وہ مخدرہ بیٹھی ہوئی تھیں اور میرا شیر خوار بھائی علی اصغرؑ ان کی آغوش میں تھا۔

"وَهُوَ يَلُوكُ بِلِسَانِهِ مِنْ شِدَّةِ الْعَطَشِ"

"یہ بچہ اس قدر پیاسا تھا کہ پیاس کی شدت سے اس کی زبان اس کے منہ میں گردش کر رہی تھی"

اور میری پھوپھی کبھی کھڑی ہو جاتی تھیں اور کبھی بیٹھ جاتی تھیں میں نے اپنے بھائی پر نظر کی، تو دیکھا کہ وہ پیاس کی شدت سے اس طرح بے چین و مضطرب ہے جیسے مچھلی کو پانی سے باہر پھینک دیا جائے۔اور پھوپھی جان اسے تسلی دیتے ہوئے فرما رہی تھیں:

"صَبْرًا صَبْرًا يَابْنَ أَخِي"

"اے میرے بھائی کے بیٹے! آرام آرام"

اس تشنگی میں زندہ رہنا مشکل تھا۔

حضرت سکینہؑ کہتی ہیں: جس وقت میں نے یہ حالت دیکھی تو گریہ مجھے گلوگیر ہو گیا۔لیکن میں خاموش رہی تاکہ پھوپھی جان متوجہ نہ ہوں اور ان کے حزن و ملال کی زیادتی کا سبب نہ بنے۔

لیکن وہ ملاقت ہوئیں اور فرماتے لگیں: سکینہ ہو؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں (پھوپھی جان) فرماتے لگیں: رو کیوں رہی ہو؟ میں نے کہا۔ میں اپنے شیر خوار بھائی کی حالت دیکھ کر رو رہی ہوں۔

بعد ازاں میں نے ان سے عرض کیا۔ پھوپھی جان! آؤ ہم چچاؤں اور چچازادوں کے خیموں میں چلیں شاید ان کے پاس پانی موجود ہو۔

حضرت زینبؑ نے فرمایا: میرا خیال نہیں کہ ان کے پاس پانی موجود ہو اس عالم میں ہم ان کی طرف گئیں۔ ہم ہر خیمے میں پھریں مگر پانی نہ مل سکا۔ پھوپھی جان اپنے خیمے میں چلی گئیں۔ اور میرے پیچھے تقریباً بیس بچے بچیاں تھے کہ شاید ہمیں پانی مل جائے اور انہیں بھی دیں۔ العطش العطش کی فریاد بلند ہو رہی تھی۔ اور پیاس کی شدت سے وہ پر کٹے پرندوں کی طرح پھڑ پھڑا رہے تھے۔

(معالی السبطین: ۱/۱۹۶ اریاض القدس ۱/۲۷۰)

ملا محمد حسن یزدی مرحوم (آنحضرتؑ کی حر اور اس کے لشکر کے ساتھ ملاقات کے واقعہ کے بعد رقم طراز ہیں۔

آہ! حسین بن علیؑ نے انہیں پانی دیا لیکن انہوں نے پانی کے بدلے میں تیز دھار تلوار یں کے بدن پر ماریں اور انہیں تشنہ لب شہید کر دیا۔

(حسینؑ نے) ان کے گھوڑوں کو سیراب کیا اور انہوں نے آپؑ کے شیر خوار بچے تک کو پانی نہ دیا۔ بلکہ پانی کے بدلے میں تیروں کی نوکیں اس کے حلقوم میں گاڑ دیں۔

آپ نے بغیر مانگے انہیں پانی سے سیراب کیا اور آپؑ نے اگر چہ ہائے پیاس ہائے پیاس کا نالہ بلند کیا اور فرمایا

"اَسْقُونِی شَرْبَةً مِنَ الْمَاءِ فَقَدْ تَفَتَّتَتْ كَبِدِیُ مِنَ الظَّمَاءِ"

"مجھے ایک گھونٹ پانی پلا دو کہ میرا جگر پیاس سے کباب ہو رہا ہے لیکن انہوں نے تیر وسناں سے اس سوال کا جواب دیا"

مرحوم شوستری کی گفتگو کا خلاصہ

خداوند قدوس نے آسمان و زمین کی تخلیق سے قبل پانی کو خلق فرمایا:

"وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ"

''اور وہی پانی آسمان اور زمین کی خلقت کا سبب بنا''

پانی کی تخلیق حضرت امام حسینؑ کے لئے کی گئی یعنی امام حسینؑ کی برکت اور امام حسین کے صدقے میں پانی خلق ہوا۔ کیونکہ تمام موجودات عالم پیغمبر اکرمؐ کے وجود کے صدقے میں تخلیق ہوئیں۔

''حدیث قدسی کے الفاظ میں''

لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْأَفْلَاکَ.

''اے حبیب اگر تجھے پیدا نہ کرتا تو کائنات کو پیدا نہ کرتا''

اور پیغمبر اکرمؐ نے امام حسین کے بارے میں فرمایا:

"حُسَيْنٌ مِنِّي وَأَنَا مِنْ حُسَيْنٍ"

''حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں''

گویا سب کچھ حسینؑ کے صدقے میں خلق ہوا ہے:

اس بنیاد پر تکوین آب میں حسب ذیل احکام شرعیہ کا حصہ ہے۔

(۱) قیامت کے روز جو پہلا اجر دیا جائے گا وہ پانی پلانے کا اجر ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس میں کوئی خصوصیت ہے۔

(۲) پانی کے دریاؤں پر سب (مخلوق) کا حق ہے۔ اگرچہ وہ کسی کی ملکیت ہوں۔

(۳) پانی پلانے کے خصوصی احکام میں سے ایک یہ بھی ہے کہ پیاسے کو سیراب کیا جائے تو اس کا اجر ہے اگرچہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو، اور اگر کسی کافر کو کھانا کھلایا جائے تو اس کا ثواب نہیں ہے۔

راوی کہتا ہے۔: میں مکہ کے راستے میں حضرت صادقؑ کا ہم محمل تھا۔ میں نے دیکھا کہ کیکر سائے کے نیچے ایک شخص پڑا تھا حضرت نے فرمایا: جلدی چلو شاید یہ پیاس کی وجہ سے گرا پڑا ہو۔

وہ کہتا ہے: میں محمل سے اتر کر پہنچا اور (اسے دیکھ کہ) عرض کیا: فرزند رسولؐ یہ نصرانی ہے۔ آپؑ نے فرمایا: اسے پانی پلاؤ۔

"لِكُلِّ كَبِدٍ حَرَّاءَ أَجْرٌ"

"ہر جگر سوختہ تشنہ کام کو سیراب کرنے کا اجر ہے"

اگر مسلمان کسی مسلمان کو پانی پلائے تو اس کا اجر ہے اور مسلمان کسی کافر کو کافر کسی مسلمان کو یا کافر کسی کافر کو پانی پلائے تو اس کا بھی صلہ ہے اور اس سے اس (پلانے والے) کے گناہوں کے عذاب میں تخفیف ہوگی۔

(۴) پیغمبر اکرمؐ وضو کرنے میں مشغول تھے۔ راستے سے گزرتی ہوئی ایک بلی نے پانی کی طرف نگاہ کی۔ حضور فرمانے لگے: محسوس ہوتا ہے یہ بلی پیاسی ہے۔ آپ نے وضو کرنا چھوڑا اور پانی بلی کے آگے رکھ دیا۔ بلی نے پانی پیا اور بقیہ پانی سے آپؐ نے وضو فرمایا۔

(۵) پانی کے متعلق جملہ مسائل میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اگر کوئی سفر میں ہو اور کوئی حیوان اس کے ہمراہ ہو۔ اب اگر اسے ڈر ہو کہ وضو کرے گا تو (پانی کی کمی کے سبب) وہ حیوان پیاسا رہ جائے گا تو اسے چاہیے کہ وہ پانی اس حیوان کو پلا دے اور خود (وضو کی بجائے) تیمم کر لے۔

اب جب کہ ہمیں پانی پلانے کی فضیلت معلوم ہوگئی۔ تو ہم کہنے پر مجبور ہیں:

کربلا کے پیاسوں میں تین امام بھی تھے۔ حضرت امام حسینؑ، حضرت امام سجادؑ، حضرت امام محمد باقرؑ اور باقی لوگوں میں امام زادے' ان کے اصحاب، علماء و فضلاء اصحاب اسرار' زہاد و عباد' بچے اور خواتین شامل تھے۔ پیاسوں کو پانی کی ضرورت تھی چنانچہ خداوند قدوس نے ان پیاسوں کے لئے چار سقے مقرر فرمائے۔

سقائے اول:

پہلے سقا خاتم الانبیاء ہیں کہ جام ہاتھ میں لئے میدان کربلا میں کھڑے تھے۔ اور شہید ہونے کے بعد ہر شہید کو پانی پلا رہے تھے۔ مگر علی اکبر علیہ السلام کو پیغمبر اکرمؐ نے احتمالاً اسی دنیا میں پانی پلایا تھا۔

سقائے دوم:

حضرت امام حسینؑ ساتویں یا آٹھویں کی رات کو خیمہ کے عقب میں قبلہ کی جانب انیس قدم چلے۔ وہاں سے مٹی اٹھائی تو پانی کا چشمہ نمودار ہو گیا۔ اس چشمے سے سب نے پیاس بجھائی اور بعد ازاں وہ چشمہ غائب ہو گیا۔

اس لحاظ سے خواہش کرنا سید الشہداء کے لئے دشوار تھا لیکن وہ اپنی پوری ہمت کے ساتھ پیاسوں کو پانی مہیا کرنے میں مصروف تھے۔

اور صرف خواہش کرنا ہی آپ جنابؑ پر دشوار نہ تھا بلکہ کسی دوسرے نے بھی ان (ظالموں سے درخواست کی تو آنحضرتؑ کو یہ ناگوار گزرا۔ ایک شخص خط لے کر آیا تو آپ نے فرمایا: تمہاری خواہش پوری ہوگئی ہے۔ اگر میں خط کو پڑھوں تو اس کی ساری آبرو جاتی رہے گی اور وہ ذلیل و خوار ہوگا۔

آپ اسامہ کی جان کنی کے وقت اس کے سرہانے پہنچے تو اس نے کہا: ہائے افسوس! آپ نے فرمایا۔ کیوں اظہار غم کر رہے ہو؟ کہنے لگا: ساٹھ ہزار درہم کا مقروض ہوں۔ آپؑ نے فرمایا: تمہارے قرض کی ادائیگی میرے ذمے ہے۔ اس لئے کہ اس نے آپ سے اس کی خواہش نہ کی تھی۔

اس لئے آنحضرتؑ نے تمام حجت کے لئے پانی کی درخواست کی۔

امام حسینؑ نے اہل کوفہ کو تین مرتبہ پانی دیا۔ ایک دفعہ کوفہ میں ان کے لئے خدا سے بارش مانگی۔ دوسری دفعہ جنگ صفین میں جب معاویہ کے لشکریوں نے پانی پر قبضہ کر لیا تو آپ نے ان کا محاصرہ ہٹایا اور کوفی پانی سے مستفید ہوئے، اور تیسری بار جب لشکر حر سے ملاقات ہوئی تو حر اور اس کا سارا لشکر تشنہ تھا۔ آپ نے ان تمام کو ان کے گھوڑوں سمیت سیراب فرمایا (یہ واقعہ قبل ازیں ذکر کیا جا چکا ہے)

وہ ہستی کہ جس پر خواہش کا اظہار اس قدر دشوار تھا، پہلے بریر کو بھیجا لیکن وہ نامراد لوٹے۔ پھر جناب حر گئے لیکن پذیرائی نہ ہوئی۔ حضرت عباس کو بھیجا گیا تو وہ بھی بغیر کسی جواب کے لوٹ آئے۔ تو ناچار آپؑ بذات خود ان کے سامنے گئے۔ فرمایا: میری خواہش ہے کہ ہم سب کو پانی دو۔

لیکن وہ نہ مانے تو فرمایا: کم از کم ان عورتوں کو پانی دے دو۔

آپ اور نیچے آئے اور فرمایا: چھوٹے بچوں کو پانی پلا دو۔ انہوں نے نہ مانا تو امام اور نیچے آئے اور فرمایا میں شیر خوار بچے کو لایا ہوں کہ تم خود اسے پانی پلا دو۔

"أَمَاتَرَوْنَهُ كَيْفَ يَتَلَظّىٰ عَطَشًا"

اس معصومؑ کے واقعہ میں دو باتیں سب سے زیادہ دل کو تڑپانی ہیں ایک یہ کہ امام نے فرمایا: تم خود اسے پانی پلا دو دوسری یہ کہ اس (معصومؑ) کو بلند کر کے فرمایا۔ دیکھو! اس کا رنگ کس قدر پیلا پڑ چکا ہے۔ اور پانی نہ ملنے کے سبب ہاتھ پاؤں مار رہا ہے۔

سقائے سوم:

تیسرے سقا حضرت ابو الفضل العباس ہیں کہ جس سرکار کے القاب میں سے ایک لقب (بھی) سقا ہے۔ اور امام حسینؑ انہیں اس قدر عزیز رکھتے تھے کہ فرمایا کرتے تھے۔" بنفسی انت "میری جان تم پر قربان۔

جب ابو الفضلؑ نے بچوں کی پیاس کی شدت کو ملاحظہ کیا تو فرمایا: پیاس کے سبب ان کی جان نکل رہی ہے۔ چنانچہ آپ میدان جنگ میں جانے کے لئے تیار ہوئے اور نہر کا رخ کیا تا کہ پانی لا سکیں۔ جب نہر میں داخل ہوئے تو بھائی اور ان کے بچوں کی پیاس یاد آ گئی آپ نے پانی نہ پیا اور مشک بھر کر باہر آ گئے۔ ہم پر یہ امر واضح نہیں ہو سکا کہ جب حضرت ابو الفضل علیہ السلام اس عالم میں گئے اور ان کئے پانی لائے تو پانی پیا یا نہیں پیا!

سقائے چہارم:

ان پیاسوں کا چوتھا سقا ان کے دوستوں کی آنکھیں ہیں۔

(مجالس المواعظ یا چہاردہ مجلس ۱۷ ۸)

اصحاب سید الشہداؑ کے فضائل

اس میں کچھ شک نہیں کہ اصحاب سید الشہدا ا کے فضائل ان گنت اور بے شمار ہیں اور ہم عاجز وحقیر ہرگز طاقت نہیں رکھتے کہ ان کی حقیقت تک رسائی حاصل کر سکیں ۔البتہ ان کے فضائل وکمالات کا ایک منتخب گوشہ یہاں بیان کیا جاتا ہے۔

معمولاً بزرگوں نے ان میں سے ہر ایک کے نام کا جداگانہ تذکرہ کر کے ان کے فضائل گنوائے ہیں ۔مثلاً فرسان الھیجا کے مؤلف اور دیگر علماء نے اپنی تاریخی اور سوانحی کتب میں یہ طریقہ اپنایا ہے ۔لیکن ہم یہاں پر باعتبار نمونہ فضائل ان تذکرہ کررہے ہیں ۔

(۱) وہ تمام انبیاء کے اصحاب اوراوصیاء سے بالاتر تھے۔

امام حسین علیہ السلام نے شب عاشور کو اپنے اصحاب سے فرمایا:

"فَاِنِّی لاَ اَعْلَمُ اَصْحَابًا اَوْفٰی وَلاَ خَیْرًا مِنْ اَصْحَابِی وَلاَ اَھْلَ بَیْتٍ اَبَرَّ وَلاَ اَوْصَلَ (اَفْضَلَ) مِنْ اَھْلِ بَیْتِی "

''تحقیق میرے علم میں میرے اصحاب باوفا اور دوستوں سے بہتر کوئی نہیں ہے۔
اور میں اپنے خاندان سے نیکوکار اور مہربان کسی اور خاندان کو نہیں پاتا'

(ارشاد:۲/۹۳'مثیر الاحزان/۵۴'الموسوعۃ/۳۹۵)

(۲) شہادت سے قبل اپنے مقامات کا مشاہدہ کر چکے تھے امام حسینؑ نے اپنے اصحاب سے فرمایا: اپنے سروں کو اٹھاؤ اور دیکھو پس انہوں نے بہشت میں اپنے اپنے مقامات کا مشاہدہ فرمایا، لہٰذا وہ خود کو بہشت میں لے جانے کے لئے اپنے سینے اور چہرے تیروں

اور نیزوں کے روبرو لے گئے۔ (بحارالانوار:۴۴/۲۹۸ب ۳۵ذیل ح ۴)

(امام زمانہؑ) زیارت ناحیہ مقدسہ میں شہداء کے نام لینے کے بعد فرماتے ہیں:

"اَشْهَدُ لَقَدْ كَشَفَ اَللّٰهُ لَكُمُ الْغِطَاءَ وَمَهَّدَلَكُمُ الْوِطَاءَ 'وَأَجْزَلَ لَكُمُ الْعَطَاءَ"

"میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا نے تمہاری آنکھوں کے سامنے سے پردہ اٹھا دیا ہے تمہارے لئے بستر لگا دیئے اور تمہیں اپنی عطا سے سرشار کردیا ہے"

(۳) اگر چہ ان کی تعداد کم تھی اور وہ دشمن سے جنگ کی طاقت نہ رکھتے تھے اور اس جنگ سے بچ نکلنے کا احتمال نہ تھا۔ اور شہید ہو جانے کا یقین تھا۔ لیکن اصحاب انبیاء اور اوصیاء کی تعداد اس قدر کم نہ تھی اور وہ فتح ونصرت کے احتمال کو غنیمت جانتے تھے۔

(۴) اولین میں سے کوئی شخص ان پر سبقت نہیں رکھتے اور متاخرین میں سے کوئی ان کے مقام تک نہیں پہنچ سکے گا۔

حضرت صادق سے روایت ہے کہ حضرت امیر المومنین (علیؑ) کئی دفعہ کربلا سے گزرے اور آپ نے یہ شعر پڑھا:

مُنَاخُ رِكَابٍ وَمَصَارِعُ الشُّهَدَاءِ لاَ يَسْبِقُهُمْ
مَنْ كَانَ قَبْلَهُمْ وَلاَ يَلْحَقُهُمْ مَنْ أَتىٰ بَعْدَهُمْ

(کامل الزیارات/۲۷۰ب ۸۸ح ۱۲وسائل۱۴/۵۱۶)

اور حضرت باقرؑ سے روایت ہے کہ فرمایا:

مُنَاخُ رِكَابٍ وَمَصَارِعُ عُشَّاقٍ شُهَدَاءَ لاَ يَسْبِقُهُمْ
مَنْ كَانَ قَبْلَهُمْ وَلاَ يَلْحَقُهُمْ مَنْ بَعْدِ هُمْ

(بحارالانوار:۴۱/۲۹۵)

(۵) شوق شہادت کی شدت سے وہ شمشیروں نیزوں اور تلواروں کے خوف سے بے نیاز تھے حضرت امام باقرؑ فرماتے ہیں: حضرت امام حسینؑ نے قبل از شہادت اپنے اصحاب سے

فرمایا: رسول خداؐ نے مجھ سے فرمایا ہے: تمہارے تمام اصحاب شہید ہوجائیں گے کیونکہ انہیں تلواروں اور نیزوں کی ضربوں سے درد تک محسوس نہیں ہوگا اور پھر یہ آیہ مبارکہ تلاوت فرمائی:

قُلْنَا یَانَارُ کُونِی بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ (سورہ انبیاء آیہ۶۹)

"اے آگ! ابراہیمؑ پر سرد ہو جا اور انہیں سلامت رکھ"

(۶) شجاعت میں بے نظیر تھے

جیسا کہ بزرگوں نے اپنے مقاتل میں جداگانہ طور پر اس طرف اشارہ کیا ہے:

کربلا میں لشکر ابن سعد میں شامل ہونے والے ایک شخص سے پوچھا گیا: وائے ہو تجھ پر تو ذریت پیغمبر کے قتل میں شامل ہوا! اس نے کہا: تمہارے منہ میں پتھر اگر تو بھی وہ کچھ دیکھتا جو ہم نے دیکھا ہے تو تو بھی یہی کچھ کرتا۔ وہ ایک ایسی جماعت تھے کہ جن کے ہاتھوں میں تلواریں تھیں اور وہ بپھرے ہوئے شیروں کی طرح دائیں بائیں سے خود کو موت کے منہ میں ڈال رہے تھے۔ وہ امان قبول نہ کرتے تھے اور مال دنیا سے قطعاً رغبت نہ رکھتے تھے اور کوئی شے ان کے اور موت کے درمیان حائل نہ تھی۔ وہ نصرت چاہتے تھے یا موت۔ اگر ہم ان سے جنگ نہ کرتے تو وہ ہم سب کو ہلاک کر دیتے۔ (منتخب التواریخ/۶۵۵ب۵ف۶)

(۷) جنگ اور شہادت سے بے خوف و ہراس تھے

حضرت جواد نے اپنے آباؤ اجداد سلسلہ سند سے حضرت سجادؑ سے روایت کی ہے کہ جب امام حسینؑ اور ان کے اصحاب سخت مصیبت میں تھے تو انہوں نے اپنے برخلاف ابن سعد کے لشکریوں کو دیکھا کہ وہ کس قدر مشکل میں ہیں؟ ان کے رنگ دگرگوں تھے، جسم لرز رہے تھے اور دل خوف زدہ تھے۔ لیکن حضرت امام حسینؑ اور ان کے مخصوص اصحاب کے چہرے مطمئن تھے۔ اور وہ آسودہ خاطر تھے۔ ان کے دشمن ایک دوسرے سے کہہ رہے تھے: دیکھو یہ موت کا خوف تک نہیں رکھتے

حضرت امام حسینؑ نے اپنے یار و انصار سے فرمایا: اے کریم زادو! صبر کرو موت کو ایک پل نہ گزرے گا کہ تم اس سختی و تنگی سے نجات حاصل کر کے بہشت میں پہنچ جاؤ گے اور نعمت ہائے

جادواں سے مستفید ہوگے۔تم میں سے ہرکوئی (یقیناً) خوش ہی ہوگا اگر وہ ایک قید خانے سے ایک محل میں پہنچ جائے؟ جب کہ تمہارے دشمنوں کو محل سے زندان میں پہنچنا اور قید ہونا ہے۔

تحقیق میرے والد محترم نے رسول خداؐ سے ہمارے لیے حدیث روایت کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

"اِنَّ الدُّنیا سِجْنُ الْمُومِنِ وَجَنَّةُ الْکافِرِ، وَالْمَوْتُ جِسْرُ هٰؤُلاءِ اِلٰی جِنٰا نِهِمْ وَجِسْرُ هٰؤُلاءِ اِلٰی جَحِیْمِهِمْ"

"یقیناً دنیا مومن کے لئے زندان اور کافر کے لئے بہشت ہے اور موت ایک پل ہے کہ جس سے گزر مومن اپنی جنت میں ہوں گے اور وہ کافر اپنے دوزخ میں"

نہ میں جھوٹا ہوں اور نہ میں نے جھوٹ بولا ہے۔

(معانی الاخبار/۴/۲۷، بحارالانوار: ۴۴/۲۹۷ ب ۳۵ ح ۲)

(۸) ان کی ارواح کو خود خدا نے قبض فرمایا

حدیث ام ایمن میں جبرئیلؑ نے پیغمبر اکرمؐ سے کہا:

فَاِذَابَرَزَتْ تِلْکَ الْعِصٰابَةُ اِلٰی مَضٰا جِعِهٰا تَوَلّٰی اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ قَبْضَ أَرْوَاحِهٰا بِیَدِهِ وَهَبَطَ اِلٰی الْأَرْضِ مَلاٰئِکَةُ مِنَ السَّمٰاءِ السّٰابِعَةِ،مَعَهُمْ آنِیَةُ مِنُ الْیاقُوتِ وَ الزُّمُرُّدِمَمْلُوَّةُ مِنْ مٰاءِ الْحَیاة، وَحُلَلُ مِنُ حُلَلِ الْجَنَّةِ وَطِیْبُ مِنُ طِیبِ الْجَنَّةِ،فَغَسَّلُو جُثَثَهُمْ بِذٰلِکَ الْمٰاءِ وَ اَلْبَسُوهٰا الْحُلَلَ وَحَنَّطُوهٰا بِذٰلِکَ الطِّیْبِ، وَصَلَّتِ الْمَلاٰئِکَةُ صَفًّا صَفًّا عَلَیْهِمْ"

"جب یہ سب اپنی اپنی آرام گاہوں پر گر پڑیں گے تو خداوند متعال خود اپنے ہاتھوں سے ان کی جان نکالے گا، اور ساتویں آسمان سے فرشتے نزول کریں گے جن کے ہاتھوں میں آب حیات سے بھرے یاقوت وزمرد کے ظروف اور جنت کے پاکیزہ لباس ہوں گے، وہ اس پانی سے ان کے اجساد مبارک کو غسل دیں گے اور یہ لباس انہیں پہنا کر جنت کے عطر سے حنوط کریں گے۔اور پھر گروہ در گروہ

ان پر نماز (جنازہ) پڑھیں گے'' (نفس المہموم/۳۹۱فصل دفن شہداء کامل الزیارات)

(۹) ملائکہ نے انہیں دفن کیا اور ان کے جنازے پڑھے۔ جیسا کہ حدیث مذکورہ بالا میں ہے۔

(۱۰) ان کی قبریں رسول خداؐ نے کھودیں۔

حضرت صادقؑ اپنے والد گرامی سے نقل فرماتے ہیں کہ ایک صبح ام کلثوم نے گریہ شروع کردیا۔ان سے کہا گیا: آپ کو کیا ہوا ہے؟ انہوں نے جواب دیا: میرا بیٹا حسینؑ قتل کردیا گیا۔ جب سے رسول خداؐ اس دنیا سے رحلت فرماگئے ہیں تب سے آج رات تک میں نے انہیں نہیں دیکھا، آج رات میں نے انہیں پریشان حال اور غمزدہ دیکھا ہے میں نے کہا: میں آپ کو اس حالت میں کیوں دیکھ رہی ہوں؟ انہوں نے فرمایا: اول شب سے لے کر اب تک مسلسل حضرت حسینؑ اور آپؑ کے اصحاب کی قبریں کھودتا رہا ہوں۔

(امالی صدوق/۱۳۹م ۲۹: ح۱ امالی طوسی ۱/۸۹ بحار الانوار:۴۵/۲۳۰)

(۱۱) ان کا خون تحویل خدا میں دے دیا گیا۔

ابن عباس کہتے ہیں: جس رات حسین علیہ السلام شہید ہوئے، میں نے خواب میں دیکھا کہ رسول خداؐ ایک شیشی ہاتھ میں لئے ہوئے ہیں اور ان (شہداء) کے خون اس میں جمع فرما رہے ہیں۔ میں نے پوچھا: اے رسول خداؐ یہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: یہ حسینؑ اور اصحاب حسینؑ کا خون ہے جسے میں عالم بالا میں اللہ کے پاس لے جا رہا ہوں۔

جب صبح ہوئی تو ابن عباس نے امام حسینؑ کی شہادت اور اپنا خواب لوگوں سے بیان کیا۔ بعدازاں معلوم ہوا کہ وہ اسی روز شہید ہوئے ہیں۔ (نفس المہموم/۳۹۱)

(۱۲) خداوند متعال ان سے خوش ہے۔

حضرت صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: واجب نمازوں اور اپنی نافلہ نمازوں میں سورہ والفجر پڑھا کرو اور اس کو مرغوب جانو کہ یہ حضرت حسینؑ کا سورہ ہے۔

ابو اسامہ اس مجلس میں موجود تھا اس نے سوال کیا: یہ سورہ' سورہ حسینؑ کس طرح ہے؟ آپؑ نے فرمایا: کیا تو نے نہیں سنا کہ اس سورہ کے آخر میں فرمان ہوا ہے:

"يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَرْضِيَّةً

(سورہ فجر آیہ ۲۷و۲۸)

"نفس مطمئنہ نفس راضیہ اور نفس مرضیہ سے مراد امام حسینؑ ہیں اور روز قیامت آل محمدؐ میں سے آپ کے انصار خدا سے خوش ہوں گے اور خدا تعالیٰ ان سے خوش۔

یہ سورہ فقط امام حسینؑ آپ کے ساتھیوں اور شیعان آل محمدؐ کے بارے میں ہے اور جو کوئی باقاعدگی کے ساتھ اس سورہ کی تلاوت کرے گا وہ درجات بہشت میں حضرت حسینؑ کے ساتھ ہوگا۔ یقیناً اللہ عزیز و حکیم ہے۔ (بحارالانوار:۴۴/ ۲۱۸ ب ۲۸ ح ۸)

(۱۳) ان کے درجات سب شہدا سے بالاتر ہیں۔

جبلہ مکیہ کا کہنا ہے: میں نے میثم تمار سے سنا کہ وہ فرماتے تھے:

اے جبلہ! جان لو کہ روز قیامت حضرت امام حسینؑ شہیدوں کے سید و سردار ہیں اور آپ کے اصحاب کا درجہ بھی دیگر شہدا سے بلند تر ہے۔ (امالی صدوق ۱۲۷م ۲۷ ح ۱)

اور رسول خدا ایک طویل حدیث میں فرماتے ہیں:

"تَنْصُرُهُ عِصَابَةٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ، أُولٰئِكَ مِنْ سَادَةِ شُهَدَاءِ أُمَّتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ"

"مسلمانوں کا ایک گروہ اس (حسینؑ) کی مدد کرے گا، یہ روز قیامت شہیدوں کے سردار ہوں گے۔ (امالی صدوق ۱۱۵م ۲۴ ح ۲)

ان (شہداء) کی زیارت میں مذکور ہے۔

أَنْتُمْ سَادَاتُ الشُّهَدَاءِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَنْتُمُ السَّابِقُونَ وَالْمُهَاجِرُونَ وَالْأَنْصَارُ"

"آپ دنیا و آخرت میں شہدا کے سردار اور مہاجرین و انصار میں سب سے پہلے ایمان لانے والے ہیں۔

(۱۴) وہ عبارات جو ان حضرات کی زیارت میں منقول ہیں۔ دوسرے اصحاب کے لئے منقول نہیں ہیں۔ مثلاً:

أَوْلِيَاءُ اللّٰهِ، أَصْفِيَاءُ اللّٰهِ، أَبْرَارُ اللّٰهِ الطَّاهِرُوْنَ، الْمَهْدِيُّوْنَ شِيْعَةُ اللّٰهِ وَ

(مفاتیح الجنان کے باب زیارت شہدائے کربلا کی طرف رجوع کریں)

(۱۵) زہد وتقویٰ وعبادت وغیرہ میں سر بلند تھے۔

مثلاً حبیب ابن مظاہر کے بارے میں لکھتے ہیں کہ آپ حافظ قرآن تھے۔ اور ہر رات نماز عشاء کے بعد سے طلوع فجر تک ایک قرآن ختم فرماتے تھے۔

(۱۶) ان کی شہادتوں کے سبب دین خدا، حق، ولایت، نماز روزہ، جہاد، سب زندہ ہیں اور اگر یہ شہید نہ ہوتے تو دین کا نام تک باقی نہ رہتا۔

(امام حسینؑ کے قیام کے اسباب والے حصے کی طرف رجوع فرمائیں)

بہت سے بزرگوں نے ان احادیث کو دیکھنے کے بعد جن میں سے کچھ انہیں یاد ہوگئی تھیں فرمایا ہے:

شہدائے کربلا اور اصحاب حسینؑ تمام انبیاء اوصیاء اور آئمہ معصومینؑ کے اصحاب سے بالا تر ہیں۔ اور بعض نے کہا ہے کہ حضرت مہدی عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کے اصحاب کے علاوہ تمام اصحاب سے بلند تر ہیں (یعنی ان ۳۱۳ افراد سے)

بہر حال ان عوامل کی یاد آوری کا مقصد یہ ہے کہ بعض نادان لوگ خود کو یا دوسروں کو اصحاب حسینؑ کی ردیف قرار دیتے ہیں۔ یہ بہت بڑا گناہ ہے جو نا قابل بخشش ہے۔ خداوند قہار کے قہر اور غیرت حق تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے اور اس مفہوم کو کم تر نہیں سمجھنا چاہیے نیز ان (اصحاب باوفا) کے مقام رضیع کو گرانا نہیں چاہیے۔

کون ہے جو اس مقام پر پہنچنے کی طاقت رکھتا ہے کہ اس کی روح خود خدا قبض فرمائے اور اس کے خون کو پیغمبر اکرمؐ جمع فرمائیں اور عرش وکرسی سب سے گزر کر اس کو سپرد خدا کریں۔ اس جملہ کا مفہوم ہماری سمجھ سے ماورا ہے۔ اور اسی طرح رسول اکرمؐ کا ان کے لئے قبر کھودنا اور دوسرے فضائل بھی (ہوش ربا ہیں)

مقتل اصحاب سید الشہداءؑ

علماء اور بزرگوں نے نہایت تفصیل کے ساتھ حضرت کے اصحاب کی شہادتوں پر لکھا ہے البتہ ان کے کلمات میں ترتیب شہادت اور شمار رجز میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ہم ان میں سے صرف چند معروف (مصنفین کی آراء) کا تذکرہ کرتے ہیں:

وداع اصحاب حسینؑ

صاحبان مقاتل رقم طراز ہیں: امام حسین علیہ السلام کے اصحاب کے درمیان یہ رسم تھی کہ ان میں سے ہر ایک میدان جنگ کا ارادہ کرتا اور آنحضرت کی خدمت میں پہنچ کر عرض کرتا:

"اَلسَّلامُ عَلَیکَ یا بنَ رَسُولِ اللّٰہِ وَعَلَیکَ اَلسَّلامُ وَنَحنُ خَلفَکَ"

"آپؑ سلام کا جواب دیتے اور فرماتے: ہم بھی جلد تمہارے ساتھ ملنے والے ہیں"

بعد ازاں یہ آیہ مبارکہ تلاوت فرماتے:

"فَمِنہُم مَن قَضٰی نَحبَہُ وَمِنہُم مَن یَنتَظِرُ وَمابَدَّلُوا تَبدِیلاً"

"یہاں تک کہ وہ سب شہید ہو گئے اور امام کے اہل بیتؑ کے سوا کوئی باقی نہ رہا۔

(بحارالانوار: ۴۵/۳۱ مقتل خوارزمی: ۲/۲۵ منتہی الآمال: ۱/۳۷۳)

امام حسین علیہ السلام کے اصحاب میں سے دو افراد عاشور کے بعد زخموں کے اثر سے شہید ہوئے ایک سوار بن منعم نہمی جنہیں قیدی بنالیا گیا تھا اور وہ چھ ماہ بعد فوت ہوئے اور دوسرے موقع بن ثمامہ صیداوی کہ قید کے بعد کوفہ کے زارہ نامی ایک محلے میں رہائش پذیر ہوئے وہ اور قصہ عاشور کے ایک سال بعد فوت ہوئے۔

(ابصار العین فی انصار الحسین علیہ السلام/۱۲۹)

جناب حر کی توبہ اور امام علیہ السلام سے ملنا

شیخ مفیدؒ اور دوسروں نے روایت کی ہے کہ جب حر نے دیکھا کہ یہ لوگ آنحضرت کے ساتھ جنگ پر تلے ہوئے ہیں ۔تو وہ عمر سعد کے نزدیک آیا اور کہنے لگا: کیا تو اس شخص سے (ضرور جنگ کرے گا۔ اس نے جواب دیا۔ ہاں ! خدا کی قسم میں جنگ کروں گا کہ اس سے ان کے سر گرانا اور ہاتھ کاٹنا آسان ترین ہوگا۔

حر نے کہا: انہوں نے تمہیں جو تجویز پیش کی ہے تم اس پر رضا مند نہیں ہوئے ؟ (یعنی واپس نہیں جانے دیا) عمر نے کہا: اگر معاملہ میرے ہاتھ میں ہوتا تو میں راضی ہو جاتا ،لیکن تمہارا امیر عبیداللہ (ابن زیاد) راضی نہیں ہوا۔

حر واپس پلٹے اور لوگوں سے دور ایک کنارے پر کھڑے ہوگئے، آپ ؒ کے قبیلہ کا ایک شخص قرہ بن قیس آپ کے ہمراہ تھا، آپ نے اس سے کہا: کیا تو نے آج اپنے گھوڑے کو پانی پلایا ہے؟ قرۃ نے کہا: نہیں حر نے کہا: کیا تو اسے پانی نہیں پلائے گا؟

قرہ نے کہا: اللہ کی قسم وہ جنگ سے کنارہ کرنا چاہتا ہے اور وہ خوش نہیں کہ میں اسے اس حال میں دیکھوں ۔میں نے اس سے کہا: چلو تمہیں پانی پلاؤں ۔وہ جہاں کھڑا تھا وہاں سے اور بھی دور جا کھڑا ہوا۔ اور خدا کی قسم اگر اس نے مجھے اپنے کام سے آگاہ کیا ہوتا تو میں بھی اس پر بیٹھ کر چلا گیا ہوتا اور امام سے مل گیا ہوتا۔

حر آہستہ آہستہ چلتے ہوئے امام حسینؑ کے نزدیک آنے لگے ۔مہاجر بن اوس نے ان سے کہا: حر تمہارا کیا ارادہ ہے؟ کیا تم حملہ کرنا چاہتے ہو؟ آپؒ نے کچھ جواب نہ دیا۔آپ کے

جسم پر لرزہ طاری تھا۔ مہاجر نے کہا: میں تمہارے کام سے سخت حیران ہوں ۔ خدا کی قسم میں نے کسی جنگ میں بھی تمہیں اس حالت میں نہیں دیکھا۔ اور اگر مجھ سے پوچھا جائے کہ کوفہ کا دلیر ترین شخص کون ہے تو میں تمہارے علاوہ کسی کا نام نہیں لوں گا۔ لیکن یہ کیا حالت ہے جس میں میں تمہیں دیکھ رہا ہوں؟

حر نے کہا: خدا کی قسم میں خود کو دوزخ اور بہشت کے درمیان کھڑا پا رہا ہوں اور خدا کی قسم بہشت کی جگہ میں کسی شے کو اختیار نہیں کر سکتا اگر چہ مجھے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے اور جلا دیا جائے۔

اس لمحے آپ نے گھوڑا دوڑایا اور امام حسینؑ سے جا ملے ۔ آپؓ کی حالت یہ تھی کہ ہاتھ سر پر رکھے ہوئے تھے اور کہہ رہے تھے!

"اَللّٰهُمَّ اِلَيْکَ اَنَبْتُ فَتُبْ عَلَيَّ فَقَدْ اَرْعَبْتُ قُلُوْبَ اَوْلِيَاءِ کَ وَاَلْاَدِ بِنْتِ نَبِيِّکَ"

"بارالہا! میں تیری طرف لوٹتا ہوں ۔ مجھے معاف فرما اور میری توبہ قبول کر اور اپنے دوستوں اور اپنے نبی کی بیٹی کی اولاد کے دل میں (میرے لئے) رحم پیدا فرما"

جب نزدیک پہنچے تو اپنی سپر کھول دی تا کہ وہ سمجھیں کہ طالب امان ہیں خدمت امامؑ میں پہنچے سلام کیا۔ اور عرض کیا:

فرزند رسولؐ! میں آپ کے قربان! میں ہی وہ شخص ہوں کہ جس نے آپ کی واپسی کے راستے کو بند کیا اور آپ کے ساتھ ساتھ چل کر آپ کو گھیرے رکھا۔ لیکن مجھے گمان نہیں تھا کہ یہ قوم آپ کی تجویز کو قبول نہیں کرے گی اور معاملہ یہاں تک پہنچ جائے گا۔

خدا کی قسم! مجھے یہ معلوم ہوتا تو میں ہرگز ایسا کام نہ کرتا اور جو کچھ میں نے کیا ہے اس پر خدا سے توبہ طلب کرتا ہوں کیا میری توبہ قبول ہے؟

امام حسینؑ نے فرمایا: ہاں! خدا نے تمہاری توبہ قبول کر لی ہے اب گھوڑے سے نیچے اتر آؤ حر نے عرض کیا: میرے لئے گھوڑے پر سوار رہنا پیادہ ہونے سے بہتر ہے۔ میں اپنے گھوڑے پر سوار رہ کر آپ کی نصرت کے لئے جنگ کرنا چاہتا ہوں۔ آخر کار میں پیادہ ہی ہو جاؤں گا۔

حضرت نے فرمایا: خدا تم پر رحم کرے جو چاہو انجام دو۔

جب اجازت مل گئی تو خدمت امام سے ابن سعد کے لشکر کے پاس پہنچے اور فرمایا: اے کوفہ والو تمہاری مائیں تمہارے غم میں بیٹھے اور گریہ کریں۔تم نے اس بندہ صالح کو اپنی طرف بلایا اور جب وہ پہنچے تو انہیں چھوڑ دیا۔تم نے جو کہا تھا کہ آپؑ کے دشمنوں کے ساتھ جنگ کریں گے،اس سے دستبردار ہوگئے اور الٹا آپؑ پر تلوار اٹھالی اور چاہتے ہو کہ آپ کو قتل کردو۔تم نے آپؑ پر نظر رکھی آپؑ پر سانس تک لینا دوبھر کردیا،اور ہر طرف جانے میں آپ کے سامنے مانع ہوگئے۔آپؑ ایک قیدی کی طرح تمہارے ہاتھوں گرفتار ہوگئے۔اور اپنے فائدہ ونقصان پر قدرت نہیں رکھتے۔فرات کا پانی کہ جسے یہود ونصاریٰ مجوسی اور حیوانات تک پی رہے ہیں۔وہ آپؑ پر اور آپ کے اہل وعیال پر بند ہے۔یہاں تک کہ پیاس نے انہیں بے ہوش کردیا ہے۔

تم نے حضرت محمدؐ کی ذریت کے بارے میں حرمت محمدؐ کا خیال بھی نہ رکھا۔خدا پیاس کے دن (روز محشر) تمہیں ہرگز سیراب نہیں کرے گا۔

تیر اندازوں نے (حر پر) حملہ کردیا حر آگے بڑھے اور حفاظت حسینؑ کے لئے ڈٹ گئے۔

(ارشاد ۲/۱۰۲ نفس المہموم/۲۵۴ مقتل خوارزمی: ۲/۹)

شہادت حر

صاحبان مقاتل نے لکھا ہے: حر خدمت امام حسینؑ میں آئے اور عرض کیا: چونکہ میں پہلا شخص ہوں، جس نے آپؑ کا راستہ روکا، (لہٰذا) اجازت مرحمت فرمایئے کہ میں آپ کے راستے میں پہلی قربانی دے سکوں اور کل قیامت کو پہلا شخص ہوں جو آپؑ کے جد رسول اللہ سے مصافحہ کرے۔

حرؒ کی خواہش تھی کہ میں میدان جنگ میں جانے والا پہلا شخص بنوں۔ چنانچہ آپؑ نے مبارزہ کیا اور شہید ہوئے وگرنہ جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے کہ اس سے پہلے حملہ اول میں کئی افراد شہید ہو چکے تھے۔

(البتہ) حر پہلے شخص تھے کہ جنہوں نے پیش قدمی کی اور میدان میں پہنچ کر لشکر سعد کے سامنے کھڑے ہو کر رجز پڑھا اور ان سے جنگ کی۔ تا آنکہ ان میں سے چالیس افراد کو واصل جہنم کیا اور جب آپ کے گھوڑے کو پے کر دیا گیا تو آپ پیادہ پا جنگ کرنے لگے۔

سید الشہداء کے اصحاب آپؒ کو خدمت امام میں لے آئے، ابھی آپؒ میں جان کی رمق باقی تھی اور آپ کی رگوں سے خون بہہ رہا تھا۔

امام علیہ السلام نے آپؒ کے چہرے پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا:

اَنْتَ الْحُرُّ کَمَا سَمَّتْکَ اُمُّکَ وَاَنْتَ الْحُرُّ فِی الدُّنْیَا وَاَنْتَ الْحُرُّ فِی الْآخِرَۃِ

"تم (واقعی) حر ہو، جیسا کہ کہ تمہاری ماں نے تمہارا نام حر رکھا۔ تم دنیا میں بھی حر ہو اور آخرت میں بھی حر ہو گے"۔ (بحار الانوار: ۴۵/۱۴، مقتل خوارزمی: ۲/۱۰)

جناب حرؓ نے جناب زہیرؓ کی ہمراہی میں جنگ کی اور جب ان میں سے ایک حملہ کرتا تھا اور (دشمنوں میں) گھر جاتا تھا تو دوسرا حملہ آور ہو کر اس کو چھڑا لیتا تھا۔ جب وہ اکٹھے لڑ رہے تھے تو پیادوں نے ان پر ہر طرف سے حملہ کر دیا اور آپؓ کو قتل کر دیا۔ (نفس المہموم ۲۷۳، تاریخ طبری: ۵/۴۴۱)

شیخ صدوقؒ نے امام صادق علیہ السلام سے (ایک لمبی حدیث میں) روایت کی ہے کہ حر نے کہا: جب میں اپنے خیمے (گھر) سے امام حسینؑ کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے باہر نکلا تو میں نے تین بار یہ آواز سنی: اے حر تمہیں جنت کی بشارت ہو۔ جب میں نے مڑ کر دیکھا تو کسی کو نہ پایا۔ میں نے کہا: حر تیری ماں تیرے غم میں بیٹھے میں تو پیغمبرزادے سے جنگ کے لئے جا رہا ہوں۔ تجھے بہشت کی بشارت کیسی؟ (امالی صدوق ۱۵۶/م ۳۰)

جب حر میدان میں پہنچے اور رجز پڑھا تو دشمن کے اٹھارہ افراد کو قتل کیا، اور جب شہید ہو گئے تو امام حسینؑ آپ کے سرہانے پہنچے۔ خون ابھی آپ کے جسم اطہر سے بہہ رہا تھا۔ امامؑ نے فرمایا:

"بَخٍ بَخٍ یا حُرُّ، اَنْتَ حُرٌّ کَما سُمِّیتَ فِی الدُّنیا وَالْآخِرَةِ"

"مبارک مبارک اے حر! تمہارا نام دنیا میں بھی حر ہے اور آخرت میں بھی حر۔

اس کے بعد اس کے سرہانے دو شعر انشاء فرماتے ہیں:

لَنِعْمَ الْحُرُّ حُرُّ بَنِی رِیاحٍ
وَنِعْمَ الْحُرُّ عِنْدَ مُخْتَلَفِ الرِّماحِ
وَنِعْمَ الْحُرُّ اِذْ نادیٰ حُسَیْناً
فَجادَ بِنَفْسِهِ عِنْدَ الصَّباحِ

قبیلہ بنی ریاح سے حر کیا آزاد مرد ہے۔ اور نیزوں کی جنگ میں بھی وہ کیا آزاد مرد ہے۔ وہ آزاد مرد جس نے حسینؑ کو آواز دی۔

(امالی صدوق/ ۱۵۹ م ۳۰ روضۃ الواعظین از مرحوم فتال: نیشاپوری/ ۱۸۶)

ابن نما نقل فرماتے ہیں کہ جناب حرؓ نے حضرت امام حسینؑ سے عرض کیا: جب ابن زیاد نے مجھے آپؑ کی جانب بھیجا تھا تو میں نے اس کے محل سے باہر نکلتے ہوئے پیچھے سے یہ صدا سنی

"أَبْشِرْ يَاحُرُّ بِخَيْرٍ"

"اے حر! تجھے خیر کی بشارت ہو"

جب میں نے پلٹ کر دیکھا تو کسی کو موجود نہ پایا۔ میں نے اپنے آپ سے کہا۔

خدا کی قسم کوئی (ایسی) بشارت (نہیں ہوسکتی کہ میں حسین علیہ السلام کی طرف جا رہا ہوں۔ ودر خاطرم انگزشت کہ از شما تبعیت خواہم کرد۔

امام حسینؑ نے فرمایا:

"لَقَدْ أَصَبْتَ أَجْرًا وَخَيْرًا"

"یقیناً تو نے ثواب اور نیکی کو پالیا"

چند دیگر (مورخین) نے بھی نقل کیا ہے کہ حر نے امام حسینؑ سے عرض کیا: کل رات میں نے اپنے باپ کو خواب میں دیکھا کہ وہ مجھ سے کہہ رہے ہیں: اے بیٹے ان دنوں تو کہاں جارہا ہے؟

میں نے کہا: میں امام حسینؑ کو سر راہ پکڑنے (محاصرہ کرنے) کے لئے جارہا ہوں میرے باپ نے فریاد بلند کی اور کہا: اے بیٹے وائے ہو تم پر تمہیں رسول خدا کے فرزند سے کیا کام! اگر تم جہنم کے عذاب میں ہمیشہ رہنا چاہتے ہو تو ان سے جنگ کرو اور اگر شفاعت رسول خداؐ رضائے خدا اور بہشت جاوداں کے طالب ہو تو ان کی مدد کرو اور ان کے دشمنوں سے جہاد کرو۔ اب میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھے اجازت مرحمت فرمائیں کہ میں میدان جنگ کی طرف جاؤں۔

امام حسینؑ نے فرمایا: تم میرے مہمان ہو۔

(روضۃ الشہداء/۲۷۸ امعالی السبطین: ۱/۲۲۴ مہیج الاحزان/۱۳۳م۶)

مرحوم کاشفی کہتے ہیں: حر نے دشمن کے لشکر سے جنگ کی۔ جب آپ کا نیزہ ٹوٹ گیا تو تلوار نکال لی اور جس کسی کے سر پر ماری سینے تک سرایت کر گئی اور جس کسی کی کمر پر ماری اسے دو ٹکڑے کردیا۔

حر کبھی دشمن لشکر کے میمنہ پر حملہ آور ہوتے تھے۔ اور کبھی میسرہ پر۔ آپ نے ان کی

جمعیت کو درہم برہم کردیا اور اس طرح لڑائی کی کہ عمر سعد کے لشکر کے علمدار تک پہنچ گئے ۔اور نزدیک تھا کہ آپ اس کے علم سمیت دوٹکڑے کردیتے کہ شمر نے لشکر کو آواز دی :اسے چاروں جانب سے گھیر لو اور اپنے گھیرے سے باہر نہ جانے دو ۔لشکر نے اچانک حملہ کیا اور ہر طرف سے آپ کو زخمی کیا جانے لگا حر اس لشکر کے درمیان نہایت جوش وخروش کے ساتھ مصروف کارزار تھے کہ ناگاہ قسورۃ بن کنانہ نے اپنا نیزہ آپؓ کے سینے پر مارا جو آپ کے سینے میں ہی ٹوٹ گیا۔

حر نے بھی اپنی تلوار قسورۃ کے سر پر ماری جو اس کے سینے تک کو چیر گئی اور وہ گھوڑے سے گر پڑا۔حر خود بھی زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے زین سے زمین پر آئے اور آواز دی:

"یَابْنَ رَسُولِ اللّٰهِ أَدْرِکْنِی "

"اے فرزند رسولؐ! میری مدد فرمایئے ۔امام حسینؑ میدان میں پہنچے' حر کو اٹھایا اور اپنے لشکر کے پاس لے گئے ۔آپؑ نے حر کے سر کو اپنے زانوئے مبارک پر رکھا اور اپنی آستین سے اس کے رخساروں سے مٹی صاف کی۔

ابھی حر میں جان کی ایک رمق باقی تھی ۔آنکھ کھولی تو اپنے سر کو زانوے امامؑ پر پایا مسکرائے اور کہا: فرزند رسولؐ آپ مجھ سے خوش ہیں؟ امامؑ نے فرمایا! میں تم سے خوش ہوں ۔ خدا تم سے راضی ہو۔حر بہ دل شاد اس دنیا سے رخصت فرما گئے ۔

امامؑ نے اپنے اصحاب کے ہمراہ حر پر گریہ فرمایا (روضۃ الشہدا ا/۲۸۰)

مرحوم سید نعمت اللہ جزائری رقم طراز ہیں: ثقہ لوگوں (علماء) کی جماعت نے نقل کیا ہے کہ جب شاہ اسماعیل صفوی نے بغداد کو فتح کرلیا تو وہ امام حسین علیہ السلام کی زیارت کے ارادے سے کربلا آیا۔اس نے سنا کہ کچھ لوگ حر کو طعنہ دیتے ہیں اور برا بھلا کہتے ہیں۔

وہ قبر حر پر پہنچا اور حکم دیا کہ قبر کو کھودا جائے ۔لوگوں نے دیکھا کہ آپؓ ایک سونے والے کی طرح قبر میں آرام فرما ہیں ۔اور آپ کے جسم پر اسی طرح تازہ خون ہے جس طرح آپ شہید ہوئے تھے۔آپ کے سر پر ایک رومال بندھا ہوا تھا۔شاہ اسماعیل نے وہ رومال لینا چاہا جو مورخین کے مطابق امام حسینؑ نے آپ کے سر پر باندھا تھا (تمام شہدا کے سروں کو جسم سے جدا کردیا گیا

سوائے حر بن یزید ریاحی کے کیونکہ بنی تمیم ایسا کرنے میں مانع ہوئے تھے) جونہی اس رومال کو کھولا گیا خون رواں ہو گیا اور قبر خون سے پر ہونے لگی۔ پھر جب اس رومال کو باندھ دیا گیا تو خون بند ہو گیا۔ دوبارہ کھولا گیا تو پھر خون بہنے لگا۔ ہر چند کوشش کی گئی کہ کسی دوسرے رومال سے خون بہنا رک جائے لیکن ایسا نہ ہو سکا۔ لہذا وہی رومال آپ کے سر پر باندھ دیا گیا۔ اور آپ کا مقام لوگوں پر واضح ہو گیا۔ پس (شاہ اسماعیل) نے حکم دیا کہ آپ کا روضہ بنایا جائے اور ایک خادم مقرر کیا جائے۔

حر کے بھائی اور بیٹے کی شہادت

جب حر کے بھائی مصعب نے دیکھا کہ حر نے (امام پر) اپنی جان نثار کردی ہے تو وہ بھی امامؑ سے اجازت لے کر ان کافروں سے جنگ کے لئے روانہ ہوا اور مردانہ وار لڑتے ہوئے کئی دشمنوں کو قتل کر کے شربت شہادت نوش کیا۔

لشکر کوفہ میں حر کا ایک بیٹا بھی تھا، جس کا نام علی تھا۔ جب اس نے اپنے باپ اور چچا کو قتل ہوتے دیکھا تو خود پر قابو نہ رکھ سکا اور اپنے غلام سے کہنے لگا: آؤ اپنے گھوڑے کو پانی پلا لائیں پس علی ابن حر نے اپنے غلام کے ہمراہ گھوڑے کو مہمیز لگائی اور خدمت سید الشہداءؑ میں پہنچا۔ علی گھوڑے سے اترا اور امام کے ہاتھوں کا بوسہ لیا۔ اپنے باپ کی لاش پر آیا اور اپنا چہرہ باپ کے چہرے پر ملا۔

حضرت نے پوچھا یہ جوان کون ہے؟ جواب ملا: حر کا بیٹا ہوگا۔ شاید یہ بھی اپنے باپ کی طرح آپ پر جان قربان کرنا چاہتا ہو۔ امام علیہ السلام نے اس کے لئے دعا فرمائی۔ اور امامؑ کی اجازت سے وہ میدان جنگ میں پہنچا اور اس کے مقابلے میں جو مبارز بھی آتا علی اسے بتاتا:

ریاحی نژادم نہ من بندہ ام
بسی سرکشان را سر افکندہ ام
من از والد خویش شرمندہ ام
چو او کشتہ شد من چرا زندہ ام

میں ریاحی النسل ہوں، کوئی غلام نہیں ہوں۔ میں نے کئی سرکشوں کے سر جھکائے ہیں۔ میں اپنے باپ سے شرمندہ ہوں کہ جب وہ قتل ہوگیا تو میں کیونکر زندہ ہوں۔ لشکر اعداء نے آپ کو گھیرے میں لے کر شہید کر دیا۔ اس کے بعد آپ کا غلام امامؑ سے اجازت لے کر میدان میں اترا اور کئی (لعینوں) کو ہلاک کر کے جام شہادت نوش کیا۔ (ریاض الشہادۃ: ۲/۱۲۲م۶)

بریر بن خضیر ہمدانیؒ کی شہادت

بریرایک عابد و زاہد شخص تھے۔ آپ کو عظیم قاریوں میں شمار کیا جاتا تھا۔ آپ اشراف کوفہ و ہمدان میں سے تھے اور ابواسحاق عمرو بن عبداللہ سبیعی کوفی تابعی کے دائی تھے۔ آپؒ کے بارے میں کہا جاتا ہے: چالیس سال تک آپ نے نماز فجر نماز عشاء کے وضو کے ساتھ پڑھی۔ اور ہر رات میں ایک قرآن ختم فرمایا۔ آپ کے عہد میں خاصہ و عامہ میں آپ سے زیادہ عبادت گزاراور واثق (ثقہ) کوئی شخص نہ تھا۔ آپ علی بن الحسین علیہ السلام کے ثقات میں سے تھے۔
(منتہی الآمال:۱/۳۵۶)

بریر حضرت سید الشہداء کے اجل اصحاب میں سے ہیں۔ آپ شیوخ تابعین میں سے ہیں اور زھاد کے قافلہ کے سرخیل اور عباد و ناسکین کے سردار ہیں۔ آپ کو سید القراء کہا جاتا ہے اور آپ کا شمار امیر المومنینؑ حضرت علیؑ کے حواریوں اور اشراف کوفہ میں ہوتا ہے۔ آپ کی کتاب ''قضایا واحکام'' ہے جو کہ آپ نے امیر المومنینؑ حضرت علی اور امام حسین علیہ السلام سے نقل فرمائی اور اصول معتبرہ میں سے ہے۔

جب آپ نے حضرت امام حسینؑ کی مکہ سے سوئے عراق حرکت کی خبر سنی تو آپ کوفہ سے مکہ پہنچے۔ اور آنحضرت کے ملازم رکاب اور شامل سپاہ ہو گئے۔ (فرسان الھیجاء:۱/۳۹)

سپاہ حر سے آپؒ کی گفتگو اور شب عاشور آپ کی شوخی طبع کا ذکر قبل ازیں کیا جا چکا ہے۔

بریر حضرت حر کی شہادت کے بعد میدان میں اترے۔ آپؒ خدائے متعال کے نیک بندوں، عابدوں، زاہدوں اور اپنے زمانے کے بزرگ قاریوں میں سے تھے۔ آپ نے رجز پڑھا'

اپنا نسب بیان فرمایا اور لشکر سعد پر حملہ آوار ہو کر فرمایا:

"اِقْتَرِ بُو امِنّی یاقَتَلَةَ الْمُو مِنِیْنَ "

"اے مومنوں کے قاتلو! میرے نزدیک آؤ"

"اِقْتَرِبُو مِنّی یا قَتَلَةَ أوْلادِ الْبَدْرِيّيْنَ"

اے مجاہدین بدر کے بیٹوں کے قاتلو! میرے سامنے آؤ۔

"اِقْتَر بُو مِنّی یاقَتَلَةَ اَوْلا دِرَسُولِ رَبِّ الْعالَمِیْنَ وَذُرِّیَتِهِ الْباقِیْنَ "

اے رب العالمین کے رسولؐ کی اولاد اور ذریت باقیہ کے قاتلو میرے نزدیک آؤ۔

دشمن کی جانب سے تین افراد کو آپؓ کے مقابلے کے لئے بھیجا گیا۔ ایک شخص جس کا نام یزید بن مقعل تھا آپؓ کے مقابل آیا اور کہنے لگا: میں گواہی دیتا ہوں کہ تم گمراہوں میں سے ہو۔ بریر نے کہا: آؤ مباہلہ کرلیں' ہم میں سے جو کوئی بھی جھوٹا ہوگا وہ دوسرے کی تلوار سے مارا جائے گا۔

پس یزید نے بریر پر وار کیا تو وار خالی گیا پھر بریر نے اس لعین کے سر پر وار کیا جو اس کی کلاہ کو چیرتا ہوا مغز سر تک پہنچ گیا اور وہ لعین زمین پر آ گرا۔

پھر ابن زیاد کے اصحاب میں سے بجیر بن اوس نے بریرؓ پر حملہ کیا اور آپ کو شہید کر دیا۔ اس ملعون نے اپنا گھوڑا میدان میں دوڑایا اور فخراً بریر کو قتل کرنے پر چند شعر پڑھے۔ اسے کہا گیا :کیا تو اس شخص کے قتل پر فخر کر رہا ہے جو صالحین اور نیکوکاروں میں سے تھا؟ اس شقی کے چچا زاد بھائی نے اس سے کہا: اے بجیر! وائے ہو تم پر' تم نے بریر بن خضیر کو قتل کر دیا۔ روز قیامت اپنے خدا سے کس منہ سے ملاقات کرو گے؟ وہ شقی پشیمان ہوا لیکن اس پشیمانی کا کچھ فائدہ نہ تھا۔

(بحارالانوار ۴۵/۱۵ مقتل خوارزمی:۲/۱۱)

بعض (مورخین) نے اس طرح نقل کیا ہے کہ

جب بریر نے یزید بن معقل کے ساتھ مباہلہ کیا اور اسے قتل کیا تو اس کے بعد رضی بن منقذ عبدی نے آپؓ پر حملہ کیا اور کچھ دیر باہم لڑائی جاری رہی۔ بالآخر بریر نے اسے زمین پر گرالیا

اوراس کے سینے پر سوار ہو گئے ۔رضی نے چونکہ اپنے آپ کو شیر کے پنجے میں دیکھا لہذا فریاد بلند کی اور لشکر کوفہ سے حمایت طلب کی کہ اسے چھڑایا جائے۔

کعب بن جابر نیزہ ہاتھ میں لئے حملے کے لئے بڑھا۔

راوی کہتا ہے: میں نے اسے کہا: یہ بریر بن خضیر قاری قرآن ہیں کہ جنہوں نے مسجد میں ہمیں قرآن پڑھایا ہے۔لیکن اس نے توجہ نہ کی اور نیزہ آپ کی پشت مبارک پر مارا۔جب بریر کو نیزہ لگنے کا احساس ہوا تو رضی پر گر پڑے اوراس کے چہرے کو دانتوں میں لے کر اس کی ناک کو کاٹ ڈالا۔لیکن کعب بن جابر نے نیزے پر ایسا زور ڈالا کہ وہ بریر کی پشت سے پار ہو گیا اور بریر رضی کے اوپر سے ایک طرف گر گئے ۔ پھر فوراً آپ پر تلوار سے وار کیا جس سے آپ شہید ہو گئے۔

راوی کہتا ہے :رضی خاک سے اٹھا اور اپنا لباس جھاڑتے ہوئے کہنے لگا: اے بھائی ! تو نے مجھ پر ایسا انعام کیا ہے کہ جب تک زندہ رہوں گا بھلا نہ پاؤں گا۔

جب کعب بن جابر گھر واپس پہنچا تو اس کی بیوی اور بہن نے اس سے کہا: تو نے فاطمہ کے بیٹے کے دشمن کی مدد کی ہے اور سید القراء کو قتل کیا ہے! تو گناہ کا مرتکب ہوا ہے۔ بخدا ہم تم سے کبھی کلام نہیں کریں گی ۔(نفس المہموم /۲۶۱ تاریخ طبری:۵/۴۳۲)

وہب بن عبداللہ کی شہادت

بعض عبارات میں وہب بن وہب مذکور ہے۔ دو وہب تھے یا (ایک)، خدا ہی (بہتر) جانتا ہے۔ احتمالاً ایک اور وہب نہیں تھا۔ جو عبارات ان دو حضرات کے مقاتل میں نقل کی گئی ہیں وہ ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہیں اور "ناسخ التواریخ" میں مرقوم ہیں۔ جو تحقیق میں نے کی ہے اس کے مطابق مجھے ایک وہب کے علاوہ کوئی نہیں ملا۔

بہر حال وہب بن عبداللہ اپنی ماں اور بیوی کی معیت میں سید الشہداءؑ کے لشکر میں شامل تھا۔ ماں نے اسے جہاد کی ترغیب دی کہ اے بیٹے! اٹھو اور فرزند رسولؐ کی مدد کرو۔ وہب نے کہا: میں اس کام میں کوتاہی نہیں کروں گا۔ وہ میدان جنگ میں پہنچا اور رجز پڑھا۔ حملہ آور ہوا اور متعدد لعینوں کو کیفر کردار تک پہنچایا۔

اسی دوران میں وہ اپنی ماں اور بیوی کے پاس پلٹا اور کہنے لگا: اے ماں! کیا تو مجھ سے راضی ہے؟ اس بہادر عورت نے کہا: میں تجھ سے اس وقت راضی ہوں گی جب تو راہ حسینؑ میں شہید ہو جائے۔ اس کی بیوی نے اس کا دامن تھام کر کہا: مجھے داغ مفارقت نہ دو۔

ماں نے کہا: اے بیٹے! اس کی بات میں نہ آؤ۔ جاؤ اور فرزند رسول کے راستے میں جنگ کرو، تاکہ روز قیامت وہ خدا سے تمہاری شفاعت کریں۔

وہب دوبارہ میدان میں پہنچے۔ رجز پڑھا اور پے در پے جنگ کرتے ہوئے دشمن کے انیس (۱۹) سوار اور بارہ (۱۲) پیادے قتل کیے۔ دشمنوں نے آپؒ کے دونوں ہاتھ کاٹ دیئے۔ آپ کی مادر گرامی نے خیمے کی چوب کو اٹھایا اور میدان جنگ میں پہنچ کر کہا: میرے ماں باپ تم پر

قربان! حرم رسول خدا کی حفاظت کے لئے جنگ کرد۔ بیٹے نے چاہا کہ اسے واپس بھیج دے۔ ماں نے بیٹے کا دامن تھام لیا اور کہا: میں ہرگز واپس نہیں جاؤں گی اور تمہارے ساتھ قتل ہوں گی۔

امام حسینؑ نے فرمایا: خدا تمہیں اہل بیتؑ رسول خداؐ سے جزائے خیر عنایت فرمائے۔ خیمے میں چلی جاؤ اور عورتوں میں رہو۔ خدا تجھ پر رحمت کرے۔ اس خاتون نے فرمان امام کی طرف رجوع کیا۔

وہب لڑتے لڑتے شہید ہوگئے۔ آپ کی زوجہ آپ کے سرہانے آئی اور آپ کے چہرے سے خون صاف کیا۔ شمر ملعون نے اپنے غلام کو بھیجا۔ اس کے ہاتھ میں ایک چوب تھی جو اس نے اس (خاتون) کے سر پر دے ماری اور اسے شہید کر دیا۔ وہ پہلی عورت تھیں جو لشکر امامؑ کی جانب سے قتل ہوئیں۔ (بحارالانوار: ۴۵/۱۶ انفس المھوم/۲۸۵)

امام صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ وہب بن وہب میدان کی طرف چلے، وہ نصرانی تھے اور امام حسینؑ کے دست مبارک پر اسلام قبول کیا تھا۔ اور اپنی ماں کے ہمراہ کربلا میں آئے تھے۔

آپ گھوڑے پر سوار ہوئے' خیمے کی چوب ہاتھ میں پکڑی اور جنگ کرتے کرتے سات یا آٹھ افراد کو قتل کیا اور پھر گرفتار کر لئے گئے۔ آپ کو عمر سعد کے پاس لے جایا گیا۔ اس ملعون نے حکم دیا کہ آپ کا سر کاٹ کر لشکر گاہ حسینی کی طرف پھینک دیا جائے۔

آپ کی ماں نے آپ کی تلوار اٹھائی اور میدان جنگ کی طرف بڑھی۔ امام حسینؑ نے فرمایا:

"یَا اُمَّ وَھْبِ اِجْلِسِیْ فَقَدْ وَضَعَ اللّٰہُ الْجِھَادَ عَنِ النِّسَاءِ اِنَّکِ وَابْنَکِ مَعَ جَدِّی مُحَمَّدٍ فِی الْجَنَّۃِ"۔

"اے وہب کی ماں! بیٹھ جاؤ' خدا نے عورتوں سے جہاد ساکت فرمایا ہے۔ تم اور تمہارا بیٹا میرے جد محمدؐ کے ساتھ بہشت میں ہوگے"

(امالی صدوق/۱۶۱م۳۰ روضہ الواعظین ۱۸۷)

لیکن علامہ مجلسیؒ قدس سرہ اس روایت کو مبارزات وہب بن عبداللہ کے ذیل میں لائے ہیں اور فرماتے ہیں: میں نے ایک حدیث میں پڑھا ہے کہ یہ وہب (وہب بن عبداللہ) نصرانی تھے، اور اپنی ماں کے ہمراہ امام حسین کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے اور جنگ کے دوران میں انہوں نے چوبیس پیادوں اور بارہ سواروں کو قتل کیا۔ دشمنوں نے آپ کو گرفتار کرلیا اور عمر سعد کے پاس لے گئے۔

اس ملعون نے کہا:

"ماأشَدَ صَوْلَتَکَ"

"تو عجب شجاعت کا حامل ہے"

اور حکم دیا کہ اس کا سر کاٹ کر لشکر گاہ حسینی کی طرف پھینک دیا جائے۔ آپ کی ماں نے آپ کا سر اٹھایا اور چوم کر دوبارہ ابن سعد کے لشکر کی جانب پھینک دیا۔ یہ سر ایک شخص کو لگا اور وہ مر ہو گیا۔

اسی دوران میں اس بی بی نے خیمے کی چوب سے حملہ کیا۔ اور دو اور اشخاص کو ہلاک کر دیا۔

امام حسین علیہ السلام نے اس سے فرمایا:

اِرْجِعِی یااُمُّ وَهبِ اَنْتِ وَابْنَکِ مَعَ رَسُولِ اللّٰہ فَاِنَّ الْجِهادَ مَرْفُوعٌ عَنِ النِّساءِ

"اے مادر وہب! لوٹ جاؤ، تم اور تمہارا بیٹا رسول خداؐ کے ساتھ ہو، یقیناً جہاد خواتین سے ساکت کر دیا گیا ہے۔

وہ واپس لوٹ آئیں اور کہنے لگیں: خدایا! مجھے ناامید نہ کرنا امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: خدا تمہیں ناامید (ہرگز) نہیں کرے گا۔ (بحارالانوار: ۴۵/۱۷)

بعض نے تحریر کیا ہے شب زفاف سے روز عاشورہ تک زوجہ وہب کو سترہ (۱۷) روز سے زیادہ نہ گزرے تھے۔ شوہر سے مفارقت اس کے لئے دشوار تھی۔ وہ کہنے لگی: اے وہب مجھے معلوم

ہے کہ جب آپ فرزند رسولؐ کے راستے میں شہید ہو جائیں گے۔ تو بہشت میں جائیں گے۔ حورالعین سے ہم آغوش ہوں گے اور مجھے فراموش کردیں گے۔ آپ پر لازم ہے کہ امامؑ کے سامنے میرے ساتھ عہد کرو کہ کل روز قیامت مجھ سے جدا نہیں ہوں گے۔

وہ دونوں خدمت امام میں پہنچے۔ وہب کی بیوی نے عرض کیا: اے فرزند رسولؐ! میری دو حاجتیں ہیں، پہلی یہ کہ جب یہ جوان شہید ہو جائے اور میں تنہا رہ جاؤں تو مجھے اپنے اہل بیتؑ کے سپرد کر دینا۔ دوسری یہ کہ وہب آپ کو گواہ بنا کر کہے کہ کل روز قیامت مجھے فراموش نہیں کرے گا۔

امام حسین علیہ السلام یہ کلمات سنکر رونے لگے اور فرمایا: تمہاری حاجات پوری ہوں گی اور اس کو مطمئن فرما دیا۔ (ناسخ التواریخ ۲/۱۷۰ فرسان الهیجاء ۲/۱۳۷ مہیج الاحزان/۱۳۵ م ۶)

حضرت مسلم بن عوسجہ کی شہادت

زیارت ناحیہ(۱) میں ہے:

اَلسَّلامُ عَلٰی مُسْلِمِ بْنِ عَوْسَجَةَ الْأَسَدِیِّ ،اَلْقائِلِ لِلْحُسَیْنِ وَقَدْ أُذِنَ لَهُ فِی الْاِنْصِرافِ :أَنَحْنُ نُخَلِّی عَنْکَ وَبِمَ نَعْتَذِرُ عِنْدَاللّٰهِ مِنْ أَداءِ حَقِّکَ؟ لا وَاللّٰهِ حَتّٰی اَکْسِرَ فِی صُدُورِهِمْ رُمْحِی هٰذا ،وَأَضْرِبَهُمْ بِسَیْفِی ما ثَبَتَ قائِمُهُ فِی یَدِی وَلا أُفارِقُکَ وَلَوْ لَمْ یَکُنْ مَعِی سِلاحٌ أُقاتِلُهُمْ بِهِ لَقَذَفْتُهُمْ بِالْحِجارَةِ وَلَمْ أُفارِقْکَ حَتّٰی أَمُوتَ مَعَکَ.

وَکُنْتَ أَوَّلَ مَنْ شَرىٰ نَفْسَهُ ،وَأَوَّلَ شَهِیدٍ شَهِدَ لِلّٰهِ وَقَضٰی نَحْبَهُ، فَفُزْتَ وَرَبِّ الْکَعْبَةِ.شَکَرَ اللّٰهُ اسْتِقْدامَکَ وَ مُواساتَکَ إِمامَکَ، إِذْمَشٰی إِلَیْکَ وَأَنْتَ صَرِیعٌ ،فَقالَ :یَرْحَمُکَ اللّٰهُ یا مُسْلِمَ بْنَ عَوْسَجَةَ وَقَرَأَ (فَمِنْهُمْ مَنْ قَضٰی نَحْبَهُ وَمِنْهُمْ مَنْ یَنْتَظِرُ وَما بَدَّلُوا تَبْدِیلاً) لَعَنَ اللّٰهُ الْمُشْتَرِکِینَ فِی قَتْلِکَ ،عَبْدَاللّٰهِ الضِّبابِی ،وَعَبْدَاللّٰهِ بْنَ خُشْکارَةَ الْبَجَلِی ،وَمُسْلِمُ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ الضِّبابِی)

(۱) اس زیارت کو علامہ مجلسی مرحوم نے سید بن طاؤس قدس سرہ سے کتاب ''اقبال'' میں نقل فرمایا ہے کہ: سال ۲۵۲ میں شیخ محمد بن غالب اصفہانی کے ہاتھوں ناحیہ مقدسہ سے خارج ہوئی۔

(۲) بعض نے اس سال کی طرف توجہ نہیں کی اور اس کو امام زمانہ عجل اللہ تعالی فرجہ کی جانب منسوب کرتے ہیں لیکن لیکن اس امر پر غور کرنے سے کہ امام علی النقی کی شہادت سن ۲۵۴ میں ہوئی لہذا ظاہراً زیارت کو امام ہادی ہی سے شرف صدور حاصل ہوا۔

"سلام و درود ہو مسلم بن عوسجہ اسدی پر کہ جس وقت امام حسین علیہ السلام نے (کربلا سے) چلے جانے کی تجویز پیش کی تو مسلمؓ نے فرمایا: اگر ہم آپؑ سے دستبردار ہو جائیں تو آپؑ کے حق کی ادائیگی میں اللہ تعالیٰ کو کیا جواب دیں گے اور کیا عذر پیش کریں گے۔ نہیں! خدا کی قسم نہیں! میں اپنے نیزے کے ساتھ جنگ کروں گا یہاں تک وہ دشمن کے سینے میں ٹوٹ جائے پھر میں تلوار ہاتھ میں لوں گا اور جب تک قبضہ تلوار میرے ہاتھ میں ہوگا میں اس قوم سے جہاد کروں گا اور آپؑ سے جدا نہیں ہوں گا۔ اگر اسلحہ میرے پاس نہیں رہے گا تو میں دشمنوں کے سروں پر پتھر ماروں گا اور آپؑ سے جدا نہیں ہوں گا یہاں تک کہ اپنی جان آپ پر قربان کردوں۔

آپؓ پہلے شخص تھے جس نے (کربلا میں) اپنی جان اللہ کے ہاتھ فروخت کردی اور پہلے شہید تھے کہ حضور خدا پیش ہوئے اور اپنے عہد کو وفا کر دکھایا اور شہید ہوئے رب کعبہ کی قسم آپ کامیاب ہوئے۔ خدا آپ کو امامت کو مقدم رکھنے اور مدد کرنے کا صلہ عطا فرمائے گا۔ جس وقت آپؓ زمین پر گرے تو امام (حسینؑ) آپ کی طرف آئے اور فرمایا: اے مسلم! خدا تجھ پر اپنی رحمت کرے اور یہ آیہ مبارکہ تلاوت فرمائی:

"مومنین میں سے کچھ اپنا عہد وفا کر کے اس دنیا سے جاچکے ہیں اور کچھ اپنا عہد وفا کرنے کے منتظر ہیں اور اپنے عہد سے کسی وجہ سے بھی نہیں پھرتے۔

خدا ان لوگوں پر لعنت فرمائے جو آپ کے قتل میں شریک ہوئے۔ عبداللہ بن ضبابی عبداللہ بن خشکارہ بجلی اور مسلم بن عبداللہ ضبابی پر" (بحارالانوار:۴۵/۶۹)

"استیعاب" "اصابہ" "اسد الغابہ" "طبقات ابن سعد" اور دیگر شیعہ و سنی کتب رجال متفق ہیں کہ مسلم بن عوسجہ رسول خداؐ کے اصحاب میں سے تھے اور شریف النفس انسان شب زندہ دار (عابد) قاری قرآن اور کفار سے جنگ کرنے والے شیر افگن بہادر تھے۔ آپ کا نام کتب

''سلام و درود ہو مسلم بن عوسجہ اسدی پر کہ جس وقت امام حسین علیہ السلام نے (کربلا سے) چلے جانے کی تجویز پیش کی تو مسلمؓ نے فرمایا: اگر ہم آپؑ سے دستبردار ہوجائیں تو آپؑ کے حق کی ادائیگی میں اللہ تعالیٰ کو کیا جواب دیں گے اور کیا عذر پیش کریں گے۔ نہیں! خدا کی قسم نہیں! میں اپنے نیزے کے ساتھ جنگ کروں گا یہاں تک وہ دشمن کے سینے میں ٹوٹ جائے پھر میں تلوار ہاتھ میں لوں گا اور جب تک قبضہ تلوار میرے ہاتھ میں ہوگا میں اس قوم سے جہاد کروں گا اور آپؑ سے جدا نہیں ہوں گا۔ اگر اسلحہ میرے پاس نہیں رہے گا تو میں دشمنوں کے سروں پر پتھر ماروں گا اور آپؑ سے جدا نہیں ہوں گا یہاں تک کہ اپنی جان آپ پر قربان کردوں۔

آپؓ پہلے شخص تھے جس نے (کربلا میں) اپنی جان اللہ کے ہاتھ فروخت کردی اور پہلے شہید تھے کہ حضور خدا پیش ہوئے اور اپنے عہد کو وفا کر دکھایا اور شہید ہوئے رب کعبہ کی قسم آپ کامیاب ہوئے۔ خدا آپ کو امامت کو مقدم رکھنے اور مدد کرنے کا صلہ عطا فرمائے گا۔ جس وقت آپؓ زمین پر گرے تو امام (حسینؑ) آپ کی طرف آئے اور فرمایا: اے مسلم! خدا تجھ پر اپنی رحمت کرے اور یہ آیہ مبارکہ تلاوت فرمائی:

''مومنین میں سے کچھ اپنا عہد وفا کر کے اس دنیا سے جاچکے ہیں اور کچھ اپنا عہد وفا کرنے کے منتظر ہیں اور اپنے عہد سے کسی وجہ سے بھی نہیں پھرتے۔

خدا ان لوگوں پر لعنت فرمائے جو آپ کے قتل میں شریک ہوئے۔ عبداللہ بن ضبابی عبداللہ بن خشکارہ بجلی اور مسلم بن عبداللہ ضبابی پر'' (بحارالانوار:۴۵/۶۹)

''استیعاب'' ''اصابہ'' ''اسد الغابہ'' ''طبقات ابن سعد'' اور دیگر شیعہ و سنی کتب رجال متفق ہیں کہ مسلم بن عوسجہ رسول خداؐ کے اصحاب میں سے تھے اور شریف النفس انسان، شب زندہ دار (عابد) قاری قرآن اور کفار سے جنگ کرنے والے شیر افگن بہادر تھے۔ آپ کا نام کتب

تاریخ واخبار میں فتوحات کی زینت ہے۔

آپؒ امیر المومنین علی علیہ السلام کے خواص میں شامل تھے اور جنگ جمل اور جنگ نہروان وصفین میں حضرت امیرؑ کے ملازم رکاب تھے۔ اور مہیج الاحزان (۱۳۸) کی روایت کے مطابق جناب امیرؑ نے آپ کو اپنا بھائی کہا تھا۔ اور آپ سے کئی مرتبہ قرآن کو پڑھوایا تھا۔

اور جس وقت مسلم بن عقیل کوفہ پہنچے، مسلم بن عوسجہ قبض اموال' اسلحہ خریدنے اور بیعت لینے میں ان کے وکیل تھے۔ آپ اپنے عہد کے عابدوں میں سے تھے اور مسجد کوفہ کے ستون کے ساتھ عبادت ونماز میں مصروف رہتے تھے۔

شب عاشور کو آپ کے (منہ سے نکلے ہوئے) کلمات آپ کے بلند مقام کے آئینہ دار ہیں۔ اور زیارت رجبیہ وناحیہ مقدسہ میں امام علیہ السلام نے آپ پر سلام بھیجا ہے۔

مامقانی اپنی ''رجال'' میں اس کا ترجمہ فرماتے ہیں: مسلم کی جلالت قدر عدالت' قوت ایمان اور شدت تقویٰ کو قلم حیطہ تحریر میں لانے اور زبان بیان کرنے سے عاجز ہے (پھر جو کلمات آپ نے شب عاشور کو امام حسینؑ سے کہے تھے اور جو زیارت ناحیہ میں موجود ہیں' نقل کئے ہیں)
(فرسان الھیجاء: ۲/۱۱۶)

شیخ محمد سماوی لکھتے ہیں: مسلم بن عوسجہ مرد شریف و بزرگوار' عابد و زاہد اور بہادر و شجاع تھے۔ آپ کا اسم گرامی اسلامی جنگوں اور فتوحات میں مذکور ہے۔ اور آپ اصحاب پیغمبر جنہوں نے حضورؐ کی زیارت کا شرف حاصل کیا' میں سے تھے۔

آپ ان لوگوں میں سے تھے کہ جنہوں نے امام حسینؑ کو خط لکھا اور اپنا عہد وفا کر دیا۔ اور مسلم بن عقیل کے کوفہ پہنچنے کے بعد لوگوں سے (امامؑ کے لئے) بیعت لی۔

حضرات مسلم و ہانی رضوان اللہ علیہم کی شہادت کے بعد مسلم بن عوسجہ ایک عرصہ تک پوشیدہ رہے۔ پھر اپنے اہل خانہ کے ساتھ کربلا پہنچے اور اپنی جان کو فرزند رسول پر قربان کر دیا۔
(وقائع الایام خیابانی تتمہ محرم/۷/۳۱۷ ابصار العین/۶۱ و ۶۲)

فاضل بسطامی ''تحفہ الحسینیہ'' میں کہتے ہیں: جب امام حسین علیہ السلام کے کربلا میں و

رود کی خبر اہل کوفہ کو ملی اور لوگ آپ سے جنگ کے لئے آمادہ ہو گئے، تو حبیب ابن مظاہر اپنے گھر سے باہر نکلے آپ کا گزر ایک عطار کی دکان سے ہوا تو مسلم بن عوسجہ کو وہاں کھڑے پایا۔ حال احوال پوچھا تو مسلم نے کہا: میں کچھ مہندی خریدنا چاہتا ہوں اور حمام جانا چاہتا ہوں۔ حبیب نے کہا: لیکن تمہیں معلوم نہیں کہ ہمارے آقا امام حسین علیہ السلام کربلا میں پہنچ چکے ہیں۔ جلدی کیجئے تاکہ ہم ان کے پاس پہنچیں اور ان کی مدد کریں۔ (فرسان الهیجاء:۲/۱۱۹ وقائع الایام خیابانی/۳۶۲)

عمرو بن حجاج نے جب سید الشہداء علیہ السلام کے اصحاب کی بہادری دیکھی تو اس نے اپنے لشکر کو آواز دے کر کہا: اے بیوقوفو! کیا تم نہیں جانتے ہو کہ کن لوگوں سے جنگ لڑ رہے ہو؟ تم کوفہ کے سواروں اور دلاوروں سے لڑ رہے ہو۔ یہ شجاعان عرب ہیں کہ جنہوں نے جانیں ہتھیلی پر رکھی ہوئی ہیں اور جسم موت کو سونپ رکھے ہیں (جب تک ان میں سے ہر ایک ہماری کثیر تعداد کو قتل نہیں کرے گا خود قتل نہیں ہوگا) کوئی بھی ان سے تنہا لڑنے کے لئے نہ جائے کہ وہ مارا جائے گا۔

پس عمرو بن حجاج نے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ فرات کی طرف سے اصحاب حسینؑ پر حملہ کیا: اور جب دونوں لشکر باہم برسر پیکار تھے۔ اسی دار و گیر میں مسلم بن عوسجہ زخموں کی زیادتی کے سبب زمین پر گر پڑے۔

عمر سعد کے لشکر نے جب حملہ سے ہاتھ روکا اور اپنی لشکر گاہ میں پہنچا اور غبار جنگ چھٹا تو دیکھا گیا کہ مسلم زمین پر گرے پڑے ہیں۔ (ارشاد:۲/۱۰۷ بحارالانوار:۴۵/۱۹)

بعض کتبؒ مقاتل میں تحریر ہے: جب لشکر نے حملہ کیا تو مسلم نے رجز پڑھا اور برق خاطف کی طرح دشمن پر حملہ آور ہوئے اور پچاس جنگ جوؤں کو مار گرایا۔ لیکن کفار کے ہجوم کے سبب آپ کے بدن مبارک پر بہت سے زخم آ گئے (اور جب آپ میں لڑنے کی سکت نہ رہی تو) زمین پر گر پڑے۔ (فرسان الهیجاء:۲/۱۱۸، ریاض الشہادۃ:۲/۱۳۹ام)

ابھی آپ کے جسم میں کچھ رمق باقی تھی کہ سید الشہداء علیہ السلام آپ کے سر پر پہنچے اور فرمایا: اے مسلم! خدا تم پر رحمت فرمائے اور پھر یہ آیہ مبارک تلاوت کی:

"فَمِنْهُمْ مَنْ قَضٰى نَحْبَهُ وَمِنْهُمْ مَنْ يَنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا"

''مومنین میں سے کچھ نے اپنا عہد وفا کر دیا اور کچھ اپنا عہد وفا کرنے کے منتظر ہیں''

(القرآن)

(مسلم نے آنکھ کھولی اور جب چہرہ امام پر نظر پڑی تو مسکرا پڑے) حبیبؓ بن مظاہرؓ آپ کے سرہانے پہنچے اور کہا: اے مسلمؓ! آپ کو خاک وخون میں دیکھنا میرے لئے بہت دشوار ہے۔ البتہ آپ کو بہشت کی بشارت ہو مسلمؓ نے نحیف سی آواز سے کہا: خدائے متعال آپ کو بھی خیر وسعادت کی بشارت دے۔

حبیب نے کہا: اے مسلم! اگر میں فوراً تمہارے پیچھے نہ چلا آیا اور خود کو تم تک نہ پہنچا دیا تو میری خواہش ہے کہ تم مجھے کوئی وصیت کرو تاکہ اس کی بجا آواری کر سکوں۔

مسلم نے کہا: میں تمہیں وصیت کرتا کہ جب تک جان تمہارے بدن میں رہے، اس آقا (امام حسینؑ کی طرف اشارہ کیا) کی مدد کرنا۔

حبیبؓ نے کہا: پروردگار کعبہ کی قسم میں ایسا ہی کروں گا اور تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ مسلم اس دنیا سے رخصت فرما گئے۔

مسلم کی ایک کنیز تھی جب اس نے اپنے آقا کو شہید پایا تو آپ کے سرہانے پہنچ کر فریاد کی۔ ''یا سَیِّداہُ یابْنَ عوسَجتاہُ'' اے میرے سردار' اے عوسجہ کے بیٹے! کوفیوں کو اس صدائے غم سے معلوم ہو گیا کہ مسلم شہید ہو گئے ہیں تو انہوں نے آپ کی شہادت پر اظہار مسرت کیا۔

شبث بن ربعی ملعون (جو کہ لشکر کوفہ میں پیادوں کا سردار تھا) نے جب لشکر میں اس اظہار مسرت کو دیکھا تو کہا: تمہاری مائیں تمہارے غم میں بیٹھیں۔ تم نے خودی کو چھوڑ دیا اور اپنے عزیز کو دوسروں کی خاطر ذلیل کیا! تم اس کے قتل ہو جانے پر اظہار مسرت کر رہے ہو۔ خدا کی قسم مسلم مسلمانوں کے درمیان منیع ورفیع مقام کے حامل تھے۔ میں نے آپ کو جنگ آذربائیجان میں دیکھا کہ اس سے پہلے کہ مسلمان سوار آتے اور اپنی صفیں آراستہ کرتے آپؓ نے مشرکینکے چھے افراد کو قتل کر دیا۔ (بحار الانوار: ۴۵/۴۰ نفس المہموم ۲۶۵ ریاض الشہادۃ ۲/۱۴۰)

بیں ہجری کو فتح نہاوند کے بعد آذربائیجان فتح ہوا اور سلق کی ہموار سرزمین پر عربوں

کا چالیس ہزار کا لشکر موجود تھا مسلم بن عوسجہ اور شبث بن ربعی لعین نے حذیفہ یمانی کی کمان میں اس جنگ میں شرکت کی تھی۔(وقائع الایام خیابانی تتمہ محرم/۳۱۸)

بیٹے کو دودھ نہیں بخشوں گی

مسلم بن عوسجہ کے بیٹے کی عمر بارہ سال تھی، وہ میدان میں پہنچا تو امامؑ نے فرمایا: تم یتیم ہو اگر تم قتل ہو گئے تو تمہاری (بیوہ) ماں تم سے محروم ہو جائے گی۔

بیٹا پلٹنا ہی چاہتا تھا کہ اس کی ماں نے آواز دی: اے بیٹے! اگر تم جنگ سے واپس آ گئے تو میں تم سے راضی نہیں ہوں گی اور تمہیں اپنا دودھ نہیں بخشوں گی۔

بیٹا میدان جنگ کی طرف چلا اور ماں اس کے پیچھے پیچھے روانہ ہوئی اور جب اس نے بیس افراد کو قتل کر لیا تو گر پڑا۔ (ظالموں نے) اس کا سر کاٹ ڈالا اور اس کی ماں کی طرف پھینک دیا۔

ماں نے بیٹے کا سر اٹھایا اور فخر و شاباش کے انداز میں اس کے چہرے پر نگاہ ڈالی۔ جس کسی نے بھی اسے دیکھا وہ اس کے مشاہدۂ حال سے گریہ کرنے لگا۔

(ریاض الشہادۃ ۲/۱۴۰ اور اسی طرح کی عبارت تذکرۃ الشہداء ص ۱۳۱ پر مذکور ہے)

روز عاشور سید الشہداؑ کی نماز ظہر

ابو ثمامہ صیداوی (صائدی) کی جن کا نام عمرو بن عبداللہ تھا، نے جب دیکھا کہ زوال کا وقت ہو گیا ہے تو خدمت امام میں آئے اور عرض کیا: اے ابا عبداللہ! میری جان آپ پر نثار' میں دیکھ رہا ہوں کہ یہ (دشمن کا) لشکر آپ کے قریب آتا جا رہا ہے۔ لیکن خدا کی قسم جب تک کہ میں قتل نہ ہو جاؤں یہ آپؑ کو شہید نہیں کر سکیں گے۔ میری خواہش ہے کہ یہ نماز ظہر آپؑ کی اقتداء میں پڑھوں اور پھر خدا سے جا ملوں۔

حضرت نے آسمان کی جانب سر اٹھا کر فرمایا: تو نے مجھے نماز کی یاد دلائی' اللہ تجھے نماز گزاروں اور ذکر کرنے والوں میں گردانے۔ ہاں یہی نماز (ظہر) کا اول وقت ہے۔

پھر فرمایا: اس قوم سے خواہاں ہوں کہ جنگ کو روک دیں تا کہ ہم نماز پڑھ سکیں۔

جب یہ بات حصین بن نمیر نے سنی تو اس نے آواز دی کہ تمہاری نماز تو قبول ہی نہیں ہو گی۔

حبیب بن مظاہر نے فرمایا: اے خیانت کار! رسول اکرمؐ کے بیٹے کی نماز قبول نہیں ہو گی تو کیا تمہاری نماز قبول ہو گی؟ (بحار الانوار: ۴۵/۲۱ نفس المہموم/۲۷۰)

---

(۱) وہ گستاخ ترین شخص کہ جس نے روز عاشور امام حسینؑ سے زبان درازی کی حصین بن نمیر ہی تھا۔ جیسا کہ علامہ مجلسی ابن اثیر اور دیگر مورخوں اور محدثوں نے تحریر کیا ہے محدث قمی نے "نفس المہموم" میں اشتباہاً اسے حصین بن تمیم تعبیر کیا ہے جو کہ قطعاً اشتباہ ہے۔ کیونکہ حصین بن تمیم امیر المومنین علی علیہ السلام کے اصحاب باوفا میں سے تھے اور آنحضرتؑ کی قیادت میں جنگ صفین میں شہید ہوئے۔ (واقعہ صفین/۵۵۷' مستدرکات علم الرجال: ۳/۲۱۷)

لیکن حصین بن نمیر جنگ صفین میں معاویہ کی جانب سے افسر تھا اور واقعہ حرہ میں یزید کی طرف سے معین شدہ سرکردہ لوگوں میں سے تھا اور ابن زبیر کے محاصرے کے دوران موجود تھا اس نے منجنیق کے ذریعے کعبہ معظمہ کی طرف آتش گیر مواد پھینکا اور خانہ خدا کو آگ لگا دی۔ (تہذیب التہذیب: ۱/۵۵۴) وہ معرکہ کربلا میں بھی سرگرم ستم رہا۔

روایت میں ہے کہ حضرت سید الشہداء علیہ السلام نے زہیر بن قین اور سعد بن عبداللہ سے فرمایا: تم میرے سامنے کھڑے ہو جاؤ تا کہ میں نماز ظہر ادا کرسکوں۔

وہ سامنے کھڑے ہوگئے اور دشمن کے تیر اپنے جسموں پر لینے لگے۔ حضرت نے آدھے اصحاب کے ساتھ نماز خوف ادا کی (جب کہ دوسرے نصف اصحاب دشمن کو ہٹانے میں مشغول تھے)

روایت ہے کہ سعد بن عبداللہ آپ کے سامنے کھڑے ہوگئے اور تیر اپنے جسم پر برداشت کرتے رہے۔ جو تیر بھی داہنی یا بائیں سمت سے آتا وہ اپنا جسم اس کے آگے کردیتے۔ اپنے جسم پر پیوستہ تیروں سمیت وہ زمین پر گرے اور فرمایا: خدایا! اس قوم پر عاد وثمود کی طرح لعنت فرما خدایا! میرا سلام اور ان زخموں کی تکلیف کا ہدیہ اپنے پیغمبرؐ تک پہنچا اور انہیں بتا کہ میں آپؐ کی ذریت کی مدد اور نصرت میں مصروف تھا۔

یہ کہہ کر جان جان آفریں کے سپرد کردی۔ ان کے بدن میں تلواروں اور نیزوں کے زخموں کے علاوہ تیرہ تیروں کے زخم تھے۔ (بحارالانوار: ۴۵/۲۱ نفس المہموم/۲۷۵)

ابن نما رحمۃ اللہ کہتے ہیں: بعض (مورخین) کا قول ہے کہ آپ نے اور آپ کے اصحاب نے یہ نماز فرادیٰ فرادیٰ (بغیر جماعت کے اور اشاروں کے ساتھ ادا کی۔ (مثیر الاحزان/۶۵)

جب حضرت امام حسینؑ نماز سے فارغ ہوئے تو اپنے باقی ماندہ اصحاب سے فرمایا۔

(یَاکِرَامُ (یَا اَصْحَابِی) هٰذِهِ الْجَنَّةُ قَدْ فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَاتَّصَلَتْ اَنْهَارُهَا وَاَيْنَعَتْ ثِمَارُهَا ، وَهٰذَا رَسُولُ اللّٰهِ وَ الشُّهَدَاءُ الَّذِيْنَ قُتِلُوافِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (وَاَبِی وَاُمِّی) يَتَوَقَّعُونَ قُدُوْمَكُمْ وَيَتَبَاشَرُوْنَ بِكُمْ ، (وَهُمْ مُشْتَاقُوْنَ اِلَيْكُمْ) فَحَامُوا عَنْ دِيْنِ اللّٰهِ وَدِيْنِ نَبِيِّهٖ وَذُبُّوا عَنْ حَرَمِ الرَّسُوْلِ فَقَالُوا نُفُوْسُنَا لِنَفْسِكَ الْفِدَاءُ وَدِمَاءُنَا لِدَمِكَ الْفِدَاءُ فَوَاللّٰهِ

حبیبؓ کے قتل میں شریک ہوا اور جس وقت امام حسینؑ دریائے فرات کی طرف بڑھے اس نے آپؑ پر تیر چلایا (الکامل ۴/۷۶) آخر کار ۶۶ ہجری میں ابراہیم بن مالک اشتر کے ہاتھوں قتل ہوا۔ اس کے نحس جسم کو آگ میں جلا دیا گیا اور سر مختار کے پاس بھیج دیا گیا (مختصر تاریخ دمشق: ۷/۱۹۴)

لاَ یَصِلُ اِلَیْکَ وَاِلٰی حُرَمِکَ سُوْءٌ وَ فِیْنَا عِرْقٌ یَضْرِبُ)

''اے بزرگوران (اے میرے دوستو) !یہ ہے جنت کہ جس کے دروازے تمہاری جانب کھلے ہوئے ہیں ۔ اور اس کی نہریں بہہ رہی ہیں اور پھل پکے ہوئے ہیں ۔ اور یہ رسول اللہ ؐ اور راہ خدامیں قربان ہونے والے شہید ہیں ،اورمیرے ماں باپ تمہارے انتظار میں تمہارے قدموں کے منتظر اور تمہارے دیدار کے آرزومند اورمشتاق ہیں ۔پس اللہ کے دین اور اس کے پیغمبرؐ کے دین کی حمایت کرو اور حرم رسولؐ سے دشمنوں کا دفعیہ کرو ۔ اصحاب نے عرض کیا : ہماری جانیں آپ کی جان پر قربان اور ہمارے خون آپ کے خون کا فدیہ، خدا کی قسم جب تک ہماری رگوں میں خون باقی ہے ہم آپؑ کو اور آپؑ کے اہل بیتؑ کو کوئی نقصان نہیں پہنچنے دیں گے۔

(مقتل مقرم/۳۰۴/الموسوعہ/۴۴۵ح ۴۲۳)

ابن نما رحمۃ اللہ کی روایت کے مطابق عمر سعد نے اپنے تیر اندازوں کو عمرو بن سعید کی کمان میں بھیجا۔ انہوں نے حسین علیہ السلام کے باقی ماندہ اصحاب اور ان کے گھوڑوں کو تیروں سے پے کر دیا۔ اور آنحضرتؑ کے لیے ایک سواری بھی باقی نہ رہی۔

(مثیر الاحزان/۶۶)

شہادت حبیب ابن مظاہرؓ

کہا جاتا ہے کہ جب نماز (ظہر) کا وقت ہوا تو حضرت سید الشہداء نے فرمایا: میری اس قوم سے خواہش ہے کہ جنگ سے رک جائے تاکہ ہم نماز ادا کرسکیں۔ اور جب حصین نے جسارت (بے ادبی و گستاخی) کی تو حبیب ابن مظاہرؓ نے اس کے جواب میں کہا: اے گدھے! فرزند رسول کی نماز قبول نہیں ہوگی تو کیا تمہاری نماز قبول ہوگی؟

حصین لعین نے حبیب پر حملہ کردیا۔ حبیب شیر کی مانند اس پر جھپٹے اور اس پر تلوار سے وار کیا جو اس لعین کے گھوڑے کے چہرے پر لگا۔ حصین گھوڑے سے زمین پر آ رہا۔

اس ملعون کے ساتھی اسے حبیب کے چنگل سے نکال کر لے گئے۔ حبیب نے رجز پڑھا اور سخت جنگ کی کہ ایک روایت کے مطابق باسٹھ (۶۲) افراد کو قتل کیا۔ بنی تمیم کے ایک شخص بدیل بن صریم نے آپؓ پر حملہ کیا اور تلوار آپ کے سر مبارک پر ماری پھر بنی تمیم ہی کے ایک اور شخص نے آپ کو نیزہ مارا جس سے آپ زمین پر گر پڑے۔

حبیب اٹھنا ہی چاہتے تھے کہ حصین بن نمیر نے آپ کے سر پر تلوار ماری اور وہ تمیمی جلدی سے آیا اور آپ کا سر مبارک کاٹ کر بدن سے جدا کردیا۔ حصین نے کہا: میں قتل حبیب میں تمہارا شریک تھا۔ اس کا سر مجھے دے دو تاکہ میں اپنے گھوڑے کی گردن میں لٹکا کر میدان میں چکر لگاؤں، اور لوگوں کو علم ہوجائے کہ میں بھی اس کے قتل میں شریک تھا۔

جب لشکر کوفہ پہنچا تو اس تمیمی شخص نے حضرت حبیب کے سر کو اپنے گھوڑے کی گردن میں لٹکا رکھا تھا اور ابن زیاد کے محل کی طرف جا رہا تھا۔ حبیبؓ کے بیٹے قاسم نے جو اس وقت بلوغ

کی عمر کو پہنچنے والا تھا اپنے باپ کا سر دیکھا تو اس کے پیچھے لگ گیا اور اس سے جدا نہ ہوا۔ جب وہ محل میں داخل ہوا تو وہ قاسم بھی محل میں داخل ہوگیا اور جب وہ باہر نکلا تو قاسم بھی باہر آ گیا۔

اس سوار نے کہا: تمہیں کیا ہے کہ میرے پیچھے پڑ گئے ہو اور مجھ سے جدا ہی نہیں ہو رہے ؟ اس نے جوابدیا یہ میرے بابا کا سر ہے کیا تم اسے مجھے دے سکتے ہو کہ اس سے مٹی صاف کر دوں ؟ اس نے کہا: امیر راضی نہیں ہوگا اور میں چاہتا ہوں کہ خوب انعام حاصل کروں۔ قاسم نے کہا: لیکن خدا تمہیں بدترین عذاب کے علاوہ کچھ جزا نہیں دے گا۔ خدا کی قسم تو نے جس کو قتل کیا ہے وہ تجھ سے بہتر تھا۔ یہ کہہ کر وہ رونے لگا اور انتقام لینے کا ارادہ کر لیا اور مصعب بن زبیر کے عہد تک اپنے باپ کے قاتل کو قتل کر دیا۔ ابی مخنف نقل کرتے ہیں کہ جب حبیب شہید ہو گئے تو۔

"بانَ الاِ نِکسارُفِی وَجهِ الحُسَینِ وقالَ لِلّٰهِ دَرّکَ یاحَبِیبُ لَقَدْ کُنتَ فاضِلاً تَختِمُ القُرآنَ فِی لَیلَةٍ وَاحِدَةٍ"

"امام حسینؑ کے چہرے پر کمزوری کے آثار نمایاں ہو گئے اور فرمایا: اے حبیب! خدا تمہیں جزائے خیر دے، تم وہ صاحب فضیلت انسان تھے کہ ایک رات میں پورا قرآن ختم کرتے تھے۔ (مقتل ابی مخنف/۱۰۴)

اور پھر فرمایا:

"عِندَ اللّٰهِ أَحتَسِبُ نَفسِی وَحُماةَ أَصحابِی"

"میں اپنا اور اپنے اصحاب باوفا کا اجر اللہ سے طلب کرتا ہوں"

(بحار الانوار: ۴۵/۲۶ نفس المہموم/۲۷۰ منتہی الآمال: ۱/۳۶۱ فرسان الہیجاء/۹۷)

حبیب ابن مظاہر کی کوفہ سے کربلا آمد

جب امام حسین علیہ السلام زمین کربلا پر پہنچے تو محمد بن حنفیہ کو ایک خط لکھا اور اہل کوفہ بالخصوص حبیب ابن مظاہر اسدی کو اس مضمون پر مبنی ایک خط لکھا۔ "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" یہ خط حسینؑ بن علیؑ کی جانب سے مرد فقیہ حبیب بن مظاہر کے نام ہے۔ ہم کربلا پہنچ چکے ہیں اور تم رسول خداؐ سے میری قرابت سے باخبر ہو۔ اگر ہماری نصرت کا ارادہ رکھتے ہو تو جلد از جلد ہمارے

پاس پہنچو۔

حبیب عبیداللہ (ابن زیاد) کے خوف سے اپنے قبیلے میں چھپے ہوئے تھے جب خط موصول ہوا تو آپؓ کے قبیلے کے لوگ اس خط کے مضمون سے مطلع ہوگئے اور آپ کے گرد اکٹھے ہوگئے کہ آیا آپ امام حسینؑ کی مدد کے لئے جاتے ہیں یا نہیں؟ حبیب نے کہا: میں بوڑھا آدمی ہوں مجھ سے کیا بن پڑے گا۔ میں نہیں جاؤں گا۔ آپ کا قبیلہ مطمئن ہو کر متفرق ہوگیا۔

آپ کی بیوی نے کہا: اے حبیبؓ! فرزند رسولؐ نے تمہیں اپنی امداد کے لئے بلایا ہے اور تم جانے میں کوتاہی کر رہے ہو۔ کل روز قیامت رسول خداؐ کو کیا جواب دو گے؟

حبیب نے اپنی بیوی سے بھی تقیہ کیا اور فرمایا: اگر میں کربلا جاتا ہوں تو ابن زیاد میرا گھر برباد کر دے گا، مال و متاع لوٹ لیا جائے گا اور تجھے قیدی بنالیا جائے گا۔

اس بہادر خاتون نے کہا: اے حبیب! اللہ سے ڈرو! تم فرزند رسول کی مدد کے لئے جاؤ اور اس بات کو چھوڑو کہ وہ میرا گھر برباد کرتے ہیں' اموال غارت کرتے ہیں یا مجھے قیدی بناتے ہیں۔

حبیب نے کہا: بیگم! تو دیکھتی نہیں کہ میں بوڑھا آدمی ہوں اور تلوار چلانے کی طاقت ہی نہیں رکھتا۔

اس بی بی کی زبان پر غضب و غصہ کی آگ لپکنے لگی' وہ گریہ و شیون کرتے ہوئے اٹھی اپنا برقعہ سر سے اتارا اور حبیب کے سر پر کھڑی ہو کر کہنے لگی۔ اگر تم نہیں جاتے تو عورتوں کی طرح گھر بیٹھو اور دل پر درد کے ساتھ نالہ بلند کرتے ہوئے کہنے لگی۔ یا اباعبداللہ کاش میں مرد ہوتی تو آپ کی نصرت کے لئے اپنی جان قربان کر دیتی۔

حبیب نے جب یہ منظر دیکھا اور اپنی بیوی کے اخلاص سے واقف ہوا تو فرمایا: بیگم! بیٹھ جاؤ میں تمہاری آنکھوں کو روشن کروں گا (تمہیں خوش کروں گا) اور اس سفید داڑھی کو حسین کی مدد کرتے ہوئے اپنے خون گلو سے رنگین کروں گا۔

پس آپ گھر سے باہر نکلے تاکہ کوفہ سے راہ فرار حاصل کر سکیں۔ دیکھا کہ آہنگروں کے بازار میں بہت چہل پہل ہے۔ ابن زیاد کے لشکری اپنے نیزوں کو تیز کروا رہے ہیں، اپنے تیروں

کو زہر میں بجھوا رہے ہیں اور اپنی تلواروں کو صیقل کروا رہے ہیں۔ وہاں آپ کو مسلم بن عوسجہ مہندی خریدتے ہوئے ملے۔ آپ نے انہیں امامؑ کے کربلا پہنچنے کی خبر دی اور دونوں کوفہ سے فرار کے لئے تیار ہو گئے۔

حبیب نے اپنے غلام کو بلایا اور اسے اپنا گھوڑا دیتے ہوئے کہا: اس تلوار کو اپنے لباس کے نیچے چھپا لو اور فلاں راستے سے گزرتے ہوئے فلاں جگہ پر میرا انتظار کرو۔ اگر کوئی تم سے کچھ پوچھے تو کہنا: میں فلاں کھیت میں جا رہا ہوں۔ غلام چلا گیا اور حبیب چھپتے چھپاتے غیر معروف راستوں سے غلام تک پہنچے۔ آپ نے سنا کہ آپ کا غلام گھوڑے سے کہہ رہا تھا۔ اے گھوڑے! اگر میرا آقا نہیں پہنچا تو میں خود تیری پشت پر سوار ہو کر حسین علیہ السلام کی مدد کے لئے کربلا پہنچوں گا۔ یہ بات سن کر حبیب کا دل لرز گیا۔ آپ نے روتے ہوئے کہا: اے ابا عبداللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں کہ غلام آپ سے شرم محسوس کر رہے ہیں۔ وائے ہو ان آزادوں پر جو آپ کی مدد سے دستبردار ہو گئے

حبیبؓ اپنے گھوڑے پر بیٹھے اور غلام سے کہنے لگے! میں نے تمہیں راہ خدا میں آزاد کر دیا ہے۔ جہاں تمہارا دل چاہے چلے جاؤ۔

غلام نے اپنا چہرہ حبیب کے پاؤں پر رکھ دیا اور عرض کرنے لگا۔ اے میرے سردار مجھے اس فیض سے محروم نہ کرو اور مجھے بھی اپنے ساتھ لیتے چلو تا کہ خود کو حسین علیہ السلام پر نثار کر سکوں۔

حبیب نے غلام کو اپنے ہمراہ سوار کر لیا اور کربلا کی سمت روانہ ہو گئے۔

جب کربلا پہنچے تو اصحاب آپ کے استقبال کے لئے اٹھے حضرت زینبؑ نے فرمایا: کیا خبر ہے۔ عرض کیا گیا: حبیب ابن مظاہر آپ کی امداد کے لئے آئے ہیں۔ فرمایا: حبیب کو میرا سلام پہنچا دو۔ جب اس مخدرہ عصمت کا سلام پہنچا تو حبیب نے خاک کی مٹھی بھری اور اپنے سر میں ڈالتے ہوئے کہا: میں کون ہوتا ہوں کہ امیر عرب کی عظیم بیٹی مجھے سلام کہے۔

(فرسان الھیجاء: ۱/۹۰ معالی السبطین: ۱/۲۲۸)

حبیب بن مظاہر کی شخصیت وعظمت

شیخ جلیل کشی رقم طراز ہیں: حبیب ان ستر افراد میں سے تھے جنہوں نے آہنی پہاڑوں سے ٹکر لی (یعنی دشمن کا لشکر جو آہن وفولاد میں غرق تھا اور تیروں اور تلواروں کا اپنے سینے اور چہرے پر استقبال کیا دشمن نے انہیں امان کی پیش کش کی اور مال ودولت کا لالچ دیا لیکن انہوں نے امان قبول کی اور نہ مال ودولت کے لالچ میں آئے۔ انہوں نے کہا: ہم اللہ اور اس کے رسولؐ کے حضور کیا عذر پیش کریں گے کہ ہم نے امام حسین علیہ السلام کو تنہا چھوڑ دیا کہ وہ قتل ہو جائیں اور ہم زندہ رہیں۔ خدا کی قسم جب تک ہماری آنکھوں کی پلکیں حرکت کرتی رہیں گی ہم ان کی نصرت سے دستبردار نہیں ہوں گے۔ پس جہاد کیا اور سب شہید ہو گئے۔ (رجال کشی: ۱/۲۹۳ ذیل حدیث ۱۳۳)

فضل بن زبیر سے منقول ہے کہ ایک دن میثم تمار اپنے گھوڑے پر سوار راستے سے گز رہے تھے۔ حبیب بن مظاہر بھی گھوڑے پر سوار تھے۔ جب دونوں ایک دوسرے کے نزدیک پہنچے اور دونوں کے گھوڑوں کی گردنیں آپس میں مل گئیں تو حبیب نے اپنا رخ میثم کی طرف کر کے فرمایا۔ میں ایک شخص کو دیکھ رہا ہوں کہ جس کا پیٹ موٹا ہے۔ اور اپنے سر کے سامنے والے حصے پر بال نہیں رکھتا اور خربوزے اور خرمے فروخت کرتا ہے۔ اسے اہل بیت پیغمبرؐ کی محبت میں دار الزرق کے نزدیک سولی پر لٹکا دیا گیا ہے اور اس کے پیٹ کو پھاڑ دیا گیا ہے۔ (یعنی اے میثم تمہارے ساتھ ایسا کیا جائے گا)

میثم نے فرمایا: میں بھی ایک شخص کو دیکھ رہا ہوں کہ جس کا چہرہ سرخ وسفید ہے اور اس پر دو گیسو لٹک رہے ہیں۔ وہ دختر رسولؐ کے بیٹے کی نصرت کے لئے باہر نکلا ہے۔ اس کو قتل کیا جا رہا ہے اور اس کا سر کوفہ میں پھرایا جا رہا ہے۔ پھر وہ ایک دوسرے سے جدا ہو گئے جن لوگوں نے ان کی باتوں کو سنا تھا وہ ان کی تکذیب کرنے لگے۔ ابھی وہ لوگ متفرق نہ ہوئے تھے کہ رشید ہجری وہاں پہنچ گئے۔ اور ان کا پوچھا۔ لوگوں نے کہا: وہ دونوں یہاں پر تھے اور اس طرح کی گفتگو کر رہے تھے۔

رشید نے کہا۔ خدا میرے بھائی میثم پر رحمت فرمائے کہ آپؑ نے حدیث کا آخری حصہ بیان نہیں کیا۔ اور وہ اس طرح ہے کہ حبیب کے سر کو لانے والے کو دوسروں سے سو درہم زیادہ دیئے جائیں گے۔

رشید چلے گئے تو وہ لوگ کہنے لگے ۔ یہ شخص ان دونوں سے بھی زیادہ دروغ گو ہے۔

راوی کہتا ہے۔ خدا کی قسم زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ ہم نے دیکھا کہ میثم کو سولی پر لٹکا دیا گیا اور حبیبؒ کے سر کو کوفہ میں پھرایا گیا اور جو خبر انہوں نے دی تھی وہ ساری کی ساری وقوع پذیر ہوئی۔

اس واقعہ سے استفادہ ہوتا ہے کہ وہ بزرگوران علم منایا و بلایا کے حامل تھے ۔ حبیب رسول خداؐ کی خدمت میں شرف باریابی حاصل کر چکے تھے۔ اور آنحضورؐ سے احادیث بھی اخذ کیں اور حضرت امیر المومنین علیہ السلام کو نہایت عزیز و محترم تھے۔ (روضۃ الشہدا ا/۳۰۴)

محدث قمی رحمۃ اللہ لکھتے ہیں ۔ حبیب علوم اہل بیتؑ کے حاملوں اور امیر المومنینؑ کے خاص اصحاب میں شمار ہوتے تھے۔

بعض کا کہنا ہے کہ حبیب ابن مظاہر، مسلم ابن عوسجہ، ہانی ابن عروہ اور عبداللہ ابن یقطر رسول خدا کے اصحاب میں سے تھے۔ (منتہی الآمال:/۳۶۲)

علم رجال کے دانشوروں کا اتفاق ہے کہ یہ بزرگوار امیر المومنینؑ امام حسن مجتبیٰ اور امام حسین شہید کربلاؑ کے خاص اصحاب میں شامل رہے اور بعض انہیں اصحاب رسولؐ میں سے سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں ۔ شہدائے کربلا میں سے پانچ افراد رسول خداؐ کے اصحاب میں سے تھے ۔ انس بن حارث کاہلی حبیب ابن مظاہر، مسلم بن عوسجہ ہانی بن عروہ اور عبداللہ بن یقطر ۔

(زندگانی حبیب بن مظاہر مصنفہ مرحوم نمازی/۳)

صاحب اعیان الشیعہ حضرت حبیب کے بارے میں لکھتے ہیں ۔ آپ کی کنیت ابوالقاسم مشہور تھی اور شہادت کے وقت آپ کی عمر ۷۵ سال تھی ۔ آپ نے پورا قرآن ختم کر رکھا تھا۔ اور ہر رات عشاء کی نماز کے بعد سے طلوع فجر تک ایک قرآن ختم فرماتے تھے۔

آپ کی رہائش کوفہ میں تھی ۔ آپ نے امیر المومنین علیہ السلام کے ہمراہ تینوں جنگوں

(جمل، صفین، نہروان) میں شرکت کی۔ آپ ان کے خواص میں سے تھے اور علوم شاہ ولایت کے امین تھے۔

(اعیان الشیعہ :۴/۵۵۴ ج ۲۰/۳۹)

اور علی بن حکیم کی روایت کے مطابق حبیب! امیر المومنین علیہ السلام کے اصفیاء میں سے تھے۔ وہ (اصفیاء) یہ ہیں: عمر بن حمق، محمد بن ابی بکر میثم بن یحییٰ تمار، رشید ہجری اور حبیب ابن مظاہر۔

(فرسان الھیجاء :۱/۸۹)

ابن حجر عسقلانی نے ''الاصابہ'' میں تحریر کیا ہے: حبیب رسول خداؐ کے اصحاب میں سے تھے اور اپنے چچا زاد بھائی ربیعہ بن خوط کے ہمراہ کہ جو خود اصحابی رسول تھے، کربلا میں امام حسین علیہ السلام کے ساتھ شہید ہوئے۔

مورخین رقم طراز ہیں: حبیب کی رہائش کوفہ میں تھی۔ آپ خدمت امیرؑ میں رہے اور تمام جنگوں (جمل، صفین، نہروان) میں آنحضرتؑ کے ہم رکاب رہے آپ جناب امیرؑ کے صحابی خاص حامل علوم اور کاشف اسرار تھے۔

آپ ان اشخاص میں سے تھے جنہوں نے امام حسینؑ کو خط لکھے اور اپنے عہد کو وفا کرتے ہوئے شہید ہوگئے۔

جب مسلم بن عقیل کوفہ پہنچے تو انہوں نے مسلم بن عوسجہ کے ہمراہ اہل کوفہ سے امام حسینؑ کے لئے بیعت لی۔ اور ابن زیاد کے کوفہ آجانے کے بعد جب مسلم کے حامی درہم برہم ہوگئے۔ تو حبیب اور مسلم بن عوسجہ کے رشتہ داروں نے دونوں کو چھپا دیا اور جب انہوں نے امام حسینؑ کے کربلا پہنچنے کی خبر سنی تو دونوں چھپتے چھپاتے کوفہ سے باہر نکلے۔ رات کو سفر کرتے اور صبح کو پوشیدہ رہتے ہوئے سات یا آٹھ محرم کی رات آنحضرتؑ کی خدمت میں کربلا پہنچے۔

آپ کے جسم اطہر کی تدفین کے بارے میں کہتے ہیں کہ قبیلہ اسد نے آپ کے پاس حرمت اور شان و مقام یعنی سردار قبیلہ ہونے کے سبب آپ کو امام حسین علیہ السلام کے سر مطہر کے پاس دفن کردیا۔

(وقائع الایام خیابانی تتمہ محترم/۳۲۶)

منقول ہے کہ جب حبیب نے اجازت چاہی تو امام نے فرمایا۔ آپ میرے نانا اور باپ کی یادگار

ہیں۔اور اس قدر بوڑھے ہو چکے ہیں۔ میں آپ کو میدان میں جانے کی اجازت بھلا کس طرح دوں۔

حبیب رو پڑے اور عرض کیا: میں چاہتا ہوں کہ آپ کے ناناؐ کے حضور سرخرو ہوسکوں۔ اور آپ کے بابا اور بھائی مجھے اپنے مددگاروں میں شمار فرمائیں۔ (مھیج الاحزان/۱۴۲م۱۴۱م۶)

امام حسین علیہ السلام کے اصحاب میں حبیب کی وقعت (قدر) کسی سے پوشیدہ نہیں۔ بزرگوں نے کوفہ میں آپ کی شرح حال، آنحضرت کو خط لکھنا' آپ کا دوسرے لوگوں کے ساتھ سلیمان بن صرد خزاعی کے گھر جمع ہونا اور کربلا میں آپ کا زیادہ مواقع پر حاضر رہنا مثلاً آپ کا نومحرم کی عصر کو حضرت ابوالفضلؑ کے ساتھ ہونا عاشور کی نماز ظہر کے وقت حصین بن نمیر کے ساتھ گفتگو' امام کے ہمراہ آپ کی مسلم بن عوسجہ کے سرہانے آمد روز عاشور لشکر کوفہ کے ساتھ آپ کی گفتگو اور آپ کا انصار حسین کی قلت کو دیکھ کر عرض کرنا: اے فرزند رسولؐ! نزدیک کے ایک قریہ میں میرے ہم قبیلہ رہتے ہیں۔ مجھے اجازت عطا فرمایئے کہ میں وہاں جا کر انہیں آپ کی نصرت کے لئے دعوت دوں: اور آپ کے شب عاشور کے کلمات ذکر کیا ہے۔ نیز لکھتے ہیں کہ ہم نے اس شہید فداکار کے بہت سے کم کلمات اور خدمات کو نقل کیا ہے:

روایت میں ہے کہ رسول خداؐ اپنے اصحاب کے ہمراہ گزر رہے تھے کہ کچھ بچوں کو کھیلتے ہوئے دیکھا۔ پیغمبر اکرمؐ ان میں سے ایک کے پاس بیٹھ گئے، اور اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان (پیشانی پر) بوسہ دیا اور اس سے محبت کرتے ہوئے اسے اپنی گود میں بٹھا لیا اور مزید چومنے لگے۔

جب اس کا سبب دریافت کیا گیا تو فرمایا: ایک دن یہ بچہ میرے حسینؑ کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ یہ حسینؑ کے پاؤں کے نیچے سے مٹی اٹھا کر اپنے چہرے اور آنکھوں پر مل رہا تھا۔ میں اس کی حسینؑ سے محبت کے سبب اس سے محبت کرتا ہوں۔

"وَلَقَدْ أَخْبَرَنِي جَبْرَئِيلُ اَنَّهُ يَكُونُ مِنْ أَنْصَارِهِ فِي وَقْعَةِ كَرْبَلَا"

''اور جبرئیل نے مجھے خبر دی ہے کہ یہ بچہ کربلا میں انصار حسینؑ میں سے ہوگا

(بحار الانوار:۴۴/۲۴۲ب۳۰ح۳۶)

بزرگوں میں اکثر کی نقل کے ساتھ مثلاً: صاحب ریاض الشہادۃ، صاحب مخزن البکا اور صاحب تحفۃ الحسینہ کی ثقہ روایات کے مطابق یہ بچہ حبیب ابن مظاہر تھا۔ لیکن اس بات پر غور کرنے سے کہ سید الشہداءؑ کی ولادت چار ہجری کو ہوئی تھی ۔ اور صاحب ریاض اور دوسروں کے قول کے مطابق بوقت شہادت حضرت حبیبؓ کی عمر ۷۵ سال تھی صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ کیونکہ اس طرح وفات پیغمبر کے وقت آپ ۲۵ سال کے ہوں گے ۔ اور اس عمر کے حامل کو کودک (لڑکا) نہیں کہا جاتا۔ اس کے علاوہ کچھ نے حبیب کی عمر ۹۰ سال بھی لکھی ہے لیکن مرحوم شوستری سے منقول ہے انہوں نے فرمایا وہ بچہ زہیر تھا۔ (مجالس المواعظ/۲۹م۳)

نوری مرحوم: شیخ جعفر شوستری سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: جب میں نجف اشرف سے علم دین کی تحصیل سے فارغ ہوا اور پہلے پہل منبر پر گیا تو مجھے اپنے فن میں مہارت حاصل نہیں تھی ۔ لہذا میں تفسیر صافی اور روضۃ الشہداء سے پڑھتا تھا۔ لیکن جس طرح میری خواہش تھی اس طرح مطالب و مفاہیم بیان نہیں کر پاتا تھا۔

ایک سال گزر گیا اور ماہ محرم نزدیک آ گیا۔ ایک رات میں تنگ آ گیا: اور کہنے لگا۔ میں کب تک اوپر سے پڑھوں گا اور ہمت پیدا نہیں کروں گا۔ میں نے اس حال میں خود میں کمزوری محسوس کی اور اسی عالم میں سو گیا۔ اچانک میں نے خود کو زمین کربلا پر دیکھا کہ روز عاشور کا مشاہدہ کر رہا ہوں ۔ ایک طرف خیام حسینی ہیں اور دوسری طرف دشمن ۔ میں امام حسینؑ کے خیمے میں داخل ہو گیا۔ آپ کو سلام عرض کیا تو آپ نے مجھے اپنے قریب بٹھا کر مجھ پر شفقت فرمائی ۔

پھر حبیب ابن مظاہر سے فرمایا: اے حبیب! شیخ جعفر ہمارا مہمان ہے اور ہمارے پاس پانی نہیں ہے لیکن ہمارے پاس آٹا اور گھی تو ہے اٹھ کر کھانا تیار کیجئے ۔ اور مہمان کے لئے لایئے حبیب نے کھانا بنایا اور ایک پلیٹ میرے سامنے رکھی اور میں نے اس سے چند لقمے لے کر کھائے اور پھر بیدار ہو گیا ۔ اس کھانے کی برکت سے میں بہت سی احادیث' مصائب' لطائف اور اشاروں کنایوں سے آشنا ہو گیا اور کوئی مجھ پر سبقت نہیں لے جا سکتا تھا۔ اس ہنر میں ہر روز اضافہ ہوتا گیا ۔ یہاں تک کہ میں نے اپنے مطلوب کو پالیا۔ (دارلسلام مرحوم نوری: ۲/۳۱۴)

اور بعض کتب مرثیہ سے منقول ہے کہ نادر شاہ نے قبر حبیب کو کھودنے کا حکم دیا۔ اس کا مقصد امتحان لینا تھا۔ جب ایسے کیا گیا اور آپ کا جسد پاکیزہ ظاہر ہوا تو سخت تیز آندھی چلنے لگی کہ لوگ ڈر گئے اور نادر بے ہوش ہوگیا۔ جب ہوش میں آیا تو بہت رویا اور معذرت و توبہ کی اور حکم دیا کہ آپ کی قبر کو بند کر کے عمارت (روضہ) بنوائی جائے۔

(زندگانی حبیب بن مظاہر/ ۵۷ وقائع الایام از بیر جندی/ ۳۸)

زہیر بن قین کی شخصیت وشہادت

زیارت ناحیہ مقدسہ میں اس طرح آیا ہے۔

"اَلسَّلامُ عَلٰی زُهَيْرِ بْنِ الْقَيْنِ الْبَجَلِی 'اَلْقَائِلِ لِلْحُسَيْنِ وَقَدْ أَذِنَ لَهُ فِي الْإِ نْصِرَافِ لاَ وَاللّٰهِ لاَ يَكُونُ ذٰلِكَ أَبَدًاأَتْرُكُ اِبْنَ رَسُولِ اللّٰهِ أَسِيْرًافِي يَدِ الْأَعْدَاءِ وَأَنْجُو لاَ أَرَانِيَ اللّٰهِ ذٰلِكَ الْيَوْمَ"

"زہیر بن قین بجلی پر سلام کہ جب امام حسین علیہ السلام نے اسے واپس لوٹ جانے کا حکم دیا تو عرض کرنے لگا۔نہیں خدا کی قسم میں ہرگز آپ سے جدا نہیں ہوں گا۔کیا میں رسول خدا کے بیٹے کو دشمنوں میں گھرا ہوا چھوڑ دوں۔اور خود چلا جاؤں؟ ایسا دن کبھی نہیں آئے گا"۔ (بحارالانوار:۴۵/۷۱)

صاحب ذخیرہ کا کہنا ہے۔ زہیر کوفہ کے رہنے والے تھے اور اپنی قوم میں نہایت احترام کے حامل تھے۔آپ کی شجاعت ورشادت کئی مواقع پر ظاہر ہوئی اور زبان زدعوام ہوگئی تو حج پر گئے۔راستے میں امام حسین علیہ السلام سے ملاقات ہوگئی آپ نے ان کے ہاتھوں ہدایت پائی اوران کے دستوں (سپاہیوں) میں شامل ہوگئے (یہ واقعہ قبل ازیں نقل کیا جا چکا ہے)

ذہن میں رہے کہ زہیر مشہور زمانہ اشخاص' شیر افگن بہادروں عالی قدر خطیبوں اوروفادار دوستوں میں سے تھے۔امام حسینؑ کے لشکر کا میمنہ آپ ہی کے زیر کمان تھا۔اور آپ صاحب الرائے نیز اہل شوریٰ ہونے کے ساتھ ساتھ سرداری' دلیری جنگ جوئی معرفت بمقضیات مقام کے ضمن میں کمال درجے کی مہارت رکھتے تھے۔آپ کسی بڑے سے بڑے حادثے سے بھی نہیں

گھبراتے تھے اور قولاً فعلاً دلیری کا مظاہر فرماتے تھے۔ آپ کے بیانات اس کے گواہ ہیں۔ (فرسان الھیجاء :۱/۱۴۲)

امام حسین علیہ السلام کی زہیر کے ساتھ ملاقات اور راہ کربلا میں آپ کے امام کے ساتھ کچھ کلمات' نیز شب و روز عاشور میں آپ کی گفتگو کو ہم نے نقل کیا ہے اور ہماری رائے کے مطابق امامؑ نے اپنے لشکر کا میمنہ (دایاں حصہ) زہیر کے سپرد فرمایا۔ ابی مخنف کی روایت کے مطابق زہیر کی شہادت حبیب ابن مظاہر کی شہادت کے بعد ہوئی۔ اور جب حبیب شہید ہو گئے تو۔

"بانَ الْاِ نْكِسارُفِي وَجْهِ الْحُسَيْنِ"

"حسین علیہ السلام کے چہرے پر کمزوری کے آثار نمایاں ہو گئے"

زہیر نے امامؑ کی یہ حالت دیکھی تو امام کے سامنے آ کر عرض کیا: فرزند رسول خدا! میرے ماں باپ آپ پر قربان' میں آپ پر یہ کیسی کمزوری دیکھ رہا ہوں۔ کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ امامؑ نے فرمایا: ہاں خدا کی قسم! میں علم یقین کے ساتھ سمجھتا ہوں کہ ہم تم حق و ہدایت پر ہیں۔ زہیر نے عرض کیا: اس صورت میں ہمیں کوئی خوف نہیں رکھنا چاہیے کہ ہم جنت اور اس کی نعمتوں کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ پھر زہیر نے حضرت کی دلداری کی اور آپ کو الوداع کہہ کر میدان جنگ کی طرف گئے۔

راوی کہتا ہے: زہیر نے سخت جنگ کی' آپ رجز پڑھتے اور آتش بار صاعقہ کی طرح خود کو لشکر اشرار پر گراتے تھے۔ محمد بن ابی طالب کی روایت کے مطابق آپ نے ان منافقوں کے ایک سو بیس افراد کو واصل جہنم کیا۔ آخر کثیر بن عبداللہ شعبی اور مہاجر بن اوس تمیمی نے آپؓ پر حملہ کیا اور آپ نے جام شہادت نوش فرمایا۔ جب آپ زمین پر گرے تو امام حسین علیہ السلام نے فرمایا:

لاَ يَبْعُدَكَ اللّٰهُ يازُهَيرُ ' وَلَعَنَ اللّٰهُ قاتِلَكَ لَعْنَ الَّذِينَ مُسِخُوا قِرَدَةً وَخنازِيرَ

"خدا تمہیں اپنی رحمت سے دور نہ کرے اور تمہارے قاتلوں پر لعنت فرمائے اور ان کی صورتوں کو میمون و خوک (بندر اور سئور) کی طرح مسخ فرما دے۔"

عابس بن (ابی) شبیب شاکری ہمدانی

عابس بن شبیب نامور شجاعوں' بہترین جنگجوؤں اور عالی قدر شیعوں میں سے ایک تھے۔ آپ عابد و تہجد گزار اور شب زندہ دار تھے۔ اور حضرت علیؑ کی ولا و محبت کے طراز اول افراد میں شمار ہوتے تھے۔ حدائق الوردیہ میں منقول ہے:

"اِنَّ عابِسَ کَانَ مِنْ رِجالِ الشِیعَۃِ وَکَانَ رَئِیسًا شُجاعاً خَطِیْبًا ناسِکًا مُتَہَجِّدًا"

"آپ بنی شاکر میں سے تھے جن کے بارے میں نصر بن مزاحم کی کتاب صفین کی نقل کے مطابق حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا: اگر فرزندان شاکر (یعنی قبیلہ شاکر) کی تعداد ہزار افراد تک پہنچ جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح ہوگی جس طرح ہونی چاہیے۔

عابس شجاعان عرب میں سے تھے۔ اور آپ کو "فتیان الصباح" کا لقب ملا تھا۔ طبری کے مطابق: جب کوفہ کے لوگوں نے جناب مسلم کی بیعت کی اور جناب مسلم نے بیعت کرنے کے لئے ایک ہجوم (اپنے آس پاس) پایا تو امام حسین علیہ السلام کو خط لکھا کہ کوفہ آنے میں جلدی فرمایئے۔ اور یہ خط عابس بن شبیب کو دیا۔ عابس نے یہ خط لیا اور شوذب مولیٰ شاکر کے ہمراہ مکہ کی جانب روانہ ہوئے۔ اور آنحضرتؑ کے پاس زمین کربلا پر پہنچے یہاں تک کہ روز عاشور آ پہنچا۔

(فرسان الھیجاء:۱/۱۸۰)

شوذب اور عابس کی شہادت

عابس جب عازم شہادت ہوئے تو شوذب مولٰی شاکر کے پاس آئے اور فرمایا۔ اے شوذب آج تمہاری کیا خواہش ہے؟ اس نے کہا: وہی کہوں گا جو دل میں ہوگا، میرا ارادہ ہے کہ تمہارے ساتھ فرزند رسولؐ کی نصرت کے لئے جنگ کروں۔

عابس نے کہا: مجھے بھی تم سے یہی توقع تھی۔ ابھی خدمت امام میں پہنچو تاکہ وہ تمہیں بھی دوسروں کی طرح اپنے مددگاروں میں شمار کرلیں اور آگاہ رہو کہ آج وہ دن ہے کہ جس قدر ہوسکے ثواب حاصل کرلیا جائے کیونکہ کل روز عمل نہیں بلکہ روز حساب ہے۔

پس شوذب خدمت امام میں پہنچے۔ وداع ہوئے اور میدان میں پہنچ کر جنگ کی اور آخر کار شہید ہوکر رضائے الٰہی حاصل کرلی۔ اس کے بعد عابس امام حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سلام کے بعد عرض کیا:

"يَاأَبَا عَبْدِاللّٰهِ ، أَمَا وَاللّٰهِ مَاأَمْسٰى عَلٰى وَجْهِ الْاَرْضِ قَرِيْبٌ وَلاَ بَعِيْدٌ.أَعَزَّعَلَيَّ وَلاَ أَحَبَّ اِلَيَّ مِنْکَ وَلَوْ قَدَرْتُ عَلٰى أَنْ اَدْفَعَ عَنْکَ الضَّمَ وَالْقَتْلَ بِشَيْءٍ اَعَزَّ عَلَيَّ مِنْ نَفْسِي وَدَمِيْ لَفَعَلْتُ "

شوذب متقدمین شیعوں میں سے تھے۔ قرآن پاک کے حافظ، حامل حدیث (محدث) اور مقام رفیع پر فائز ہستی تھے۔ منقول ہے کہ آپ صاحب مجلس تھے اور شیعہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر احادیث اخذ کرتے تھے۔ اور مولیٰ اس شخص کو کہتے ہیں کہ جو دراصل عرب نہ ہو بلکہ عرب کے کسی قبیلے سے منسوب ہو۔ شوذب مولیٰ شاکر سے مراد یہ ہے کہ شوذب اصلاً (ونسلاً) عرب نہیں تھے۔ بلکہ قبیلہ شاکر سے میل ملاپ رکھتے تھے اور انہی سے منسوب ہوگئے۔ اور یہ وابستگی ان دو عوامل میں سے کسی ایک کے سبب ہوتی ہے

(۱) کسی جنگ میں قیدی ہوئے ہوں گے اور غلامی کے بعد ان کے آقا نے انہیں آزاد کردیا ہوگا۔

(۲) غیر عربوں میں سے طائفہ بنی شاکر میں داخل ہوئے ہوں گے، اور ان میں سے کسی سے عہد کیا ہوگا کہ اس طائفہ پر ان کی حفاظت لازم ہے۔ اور اگر وہ کوئی جنایت کرتے ہیں، تو اہل طائفہ ان کی دیت ادا کریں گے اور ان سے وراثت پائیں گے اور شوذب دوسری قسم میں سے تھے۔

”اے ابا عبداللہ! خدا کی قسم روئے زمین پر دور یا نزدیک اور اپنوں یا بیگانوں میں
سے کوئی شخص نہیں جو میرے نزدیک آپ سے محبوب تر ہو۔ اگر میں سمجھوں کہ اپنی
جان اور خون سے بھی زیادہ عزیز اور محبوب کسی چیز کے ذریعے آپ پر سے ظلم اور
قتل کو دفع کر سکوں تو میں اس میں سستی نہیں کروں گا اور یہ فعل انجام دوں گا“

پھر آنحضرتؑ سے وداع کیا اور کہا: گواہ رہنا کہ میں آپ کی اور آپ کے پدر بزرگوار کی ہدایت اور دین پر ہوں۔ اس کے بعد تلوار نکال کر دشمنوں پر حملہ آور ہوئے اور پیشانی مبارک پر زخم لگا۔

ربیع بن تمیم جو لشکر ابن سعد میں شامل تھا' کا کہنا ہے: جب میں نے عابس کو میدان جنگ کی طرف آتے ہوئے دیکھا تو اسے پہچان لیا۔ کیونکہ میں نے اسے کئی جنگوں میں دیکھا تھا اور جانتا تھا کہ یہ دلاور ترین شخص ہے۔

میں نے کہا: اے لوگو!

هٰذَا اَسَدُ الْاُسُودِ هٰذَا ابْنُ اَبِی شَبِیْبٍ

”یہ شیروں کا شیر ہے۔ یہ ابی شبیب کا بیٹا ہے“

مبادا کوئی اس کے مبارزہ کو قبول کرتا کوئی شخص اس کے مقابلے میں میدان میں نہ اترا۔

اس نے آواز دی:

”اَلاَ رَجُل اِلاَ رَجُل“ (کیا کوئی مرد نہیں کہ پاؤں میدان میں رکھے۔)

تذکرۃ الشہداء/۲۴۰ پر اس طرح مرقوم ہے کہ ربیع بن تمیم کا کہنا ہے: جب میں نے عابس کو لشکر کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا تو عمر سعد کی طرف منہ کر کے کہا: وہ شخص تمہارے لشکر کے مقابلے میں آ رہا ہے کہ جو بڑے بڑے پہلوانوں کو پچھاڑ چکا ہے، لشکر میں اعلان کر دو کہ ایک ایک کر کے اس کے مقابلے میں نہ جائیں۔

عابس نزدیک آئے اور کہا: ”رجل برجل“ ایک کے مقابلے میں ایک' کوئی آگے نہ بڑھا، عابس نے کہا دو دو کر کے آجاؤ' کسی نے مقابلہ کی جرأت نہ کی تو کہا: تین تین۔ پھر بھی کوئی نہ آیا تو فرمایا: دس دس آجاؤ لیکن ابن سعد کے لشکری ڈر کر دور دور بھاگ رہے تھے۔ عمر سعد نے پکار کر کہا: یکبار حملہ کر دو۔ عابس نے جب یہ صورت حال دیکھی تو اپنے جسم سے زرہ اور سر سے خود اتار دی اور برہنہ تن برہنہ لشکر کے سامنے آگئے جب کہ ان کا غلام ان کے پیچھے پیچھے تھا راوی کہتا ہے خدا کی قسم میں نے دیکھا کہ لشکر آپ کے آگے بھیڑ بکریوں کی طرح بھاگ رہا تھا جیسے وہ بھیڑیے کو دیکھ کر بھاگتی ہیں' اور آپ شیر ببر کی طرح دائیں بائیں حملہ فرما رہے تھے' حتیٰ کہ آپ نے نو سو (۹۰۰) افراد کو قتل کیا۔

یہ بات عمر سعد پر گراں گزری۔ اس نے آواز دی۔ اس پر سنگ باری کرو۔ ہر طرف سے لشکر اس پر پتھر پھینکنے لگا۔ جب عابس نے یہ دیکھا تو زرہ تن سے اتار کر پھینک دی اور برہنہ بدن ان روباہ صفتوں پر حملہ کر دیا۔

وقت آن آمد کہ عریان شوم
جسم بگزارم سراسر جان شوم
آنچہ غیر از شورش و دیوانگی است
اندرین رہ روی در دیوانگی است
آز مودم مرگ من در زندگی است
چون رہم زین زندگی پایندگی است

جس وقت وہ عریاں بدن کے ساتھ (میدان میں آیا تو اس کا جسم سراسر جان محسوس ہو رہا تھا جو کوئی شورش و دیوانگی کے بغیر ہے۔ اس راستے میں وہ دیوانہ ہے۔ میں نے آزمایا ہے کہ میری موت زندگی میں ہے۔ جس طرح میرا راستہ اس زندگی سے پایندگی کی طرف ہے۔

ربیع نے کہا: خدا کی قسم میں نے دیکھا کہ عابس ہر طرف حملہ کر رہے ہیں بائیس سے زیادہ لاشیں ان کے سامنے پڑی ہیں اور لشکری ایک دوسرے کے اوپر گر رہے ہیں۔ آپ نے اس طرح جنگ کی پھر لشکر نے ہر طرف سے آپ کو گھیر لیا اور آپ پتھروں، تلواروں اور نیزوں کے زخموں سے زمین پر گر پڑے اور سر مبارک کاٹ لیا گیا۔

ربیع کہتا ہے: میں نے ان کے سر کو کئی لوگوں کے ہاتھوں میں دیکھا کہ ان میں سے ہر کوئی کہتا تھا: میں نے اسے قتل کیا ہے۔ عمر سعد نے کہا جھگڑا نہ کرو عابس کو ایک شخص نے قتل نہیں کیا بلکہ تمام لشکری اس کے قتل میں شریک تھے۔ (بحارالانوار:۴۵/ ۲۸نفس المہموم)

ربیع نے کہا: میں ان سے آشنائی رکھتا تھا۔ میں نے کہا: اے عابس! میرا خیال نہیں تھا کہ تم برہنہ سر اور برہنہ تن اس طرح دریائے خون میں کود پڑو گے؟ انہوں نے جواب دیا: دوست کے راستے میں آدمی جہاں بھی جانا چاہے آسان ہے۔ (مہیج الاحزان/۱۴۵م۶، ریاض الشہادۃ ۲/ ۱۵۷م۸)

جون بن ابی مالک کی شہادت

جون نوبہ کے ایک سیاہ فام غلام تھے ، اور فضل بن عباس بن عبدالمطلب آپ کے مولیٰ تھے۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے انہیں ۱۵۰ دینار میں خرید کر حضرت ابو ذرغفاریؓ کی خدمت کے لئے بخش دیا تھا۔ جب عثمان نے حضرت ابوذرؓ کو ربذہ جلا وطن کیا تو وہ حضرت ابو ذر کے پاس تھے اور ان کے ہمراہ ربذہ چلے گئے۔ اور جس وقت ابوذر اس دنیا سے رحلت فرمائے گئے ۳۱ یا ۳۲ ہجری کو) تو آپ مدینہ واپس آ گئے اور خدمت امیر المومنین علیہ السلام میں رہنے لگے۔

امیر المومنینؑ کی شہادت کے بعد امام حسن علیہ السلام کی خدمت میں اور ان کی شہادت کے بعد امام حسین علیہ السلام کے حضور میں رہے۔ پھر حضرت امام زین العابدینؑ کے گھر خدمت انجام دیتے رہے۔ جب آنحضرتؑ مدینہ سے مکہ اور مکہ سے کربلا آئے تو جون ان کے ہمراہ تھے۔

تاریخ طبری کامل ابن اثیر اور مقاتل الطالبیین میں ہے کہ جون اسلحہ شناس اور آلات حرب کی اصلاح ومرمت میں تجربہ رکھتے تھے۔ لہٰذا شب عاشور آپ امام حسینؑ کے خیمے میں تلوار کی اصلاح میں مصروف تھے۔ (فرسان الھیجاء: ۱/ ۸۷ وقائع الایام خیابانی تتمہ محرم ۳۳۱)

اس سعادت مند غلام نے شہادت کی آرزو کی اور امامؑ سے جنگ کی اجازت مانگی۔ آپ نے فرمایا۔ میں تمہیں اجازت دیتا ہوں کہ مجھ سے کہیں دور چلے جاؤ۔ تم خوشی و عافیت کے لئے ہمارے پیچھے آئے تھے نہ کہ ہمارے راستے میں گرفتار ہونے کے لئے۔

جون نے عرض کیا: اے فرزند رسول! میں خوشی کے وقت تو آپ کے خاندان کا کاسہ لیس رہوں اور مشکل کے وقت آپ کی مدد سے دستبردار ہو جاؤں؟

خدا کی قسم میں اپنی حیثیت سے واقف ہوں کہ مجھ سے بدبو آتی ہے اور میرا حسب پست ہے اور میرا رنگ سیاہ ہے۔ لیکن کیا بعید ہے کہ آپ نظر کرم فرمادیں اور مجھ سے بہشت کا دریغ نہ کریں تاکہ میری بدبو خوشبو میں بدل جائے۔ میرا حسب محترم ہوجائے اور میری صورت سفید ہوجائے۔

نہیں خدا کی قسم نہیں، میں آپ سے جدا نہیں ہوں گا' یہاں تک کہ میرا یہ سیاہ خون آپ کے خون میں مل جائے گا۔ آپ نے یہ کہہ کر رخصت مانگی اور میدان میں پہنچ کر رجز پڑھا، حملہ کیا اور پچیس (۲۵) افراد کو قتل کرنے کے بعد جام شہادت نوش کیا۔ امام حسین علیہ السلام آپ کے سرہانے پہنچے تو دعا فرمائی:

"اَللّٰهُمَّ بَيِّضْ وَجْهَهُ وَطَيِّبْ رِيْحَهُ وَاحْشُرهُ مَعَ الْاَ بْرَارِ، وَعَرِّفْ بَيْنَهُ وَبَيْنَ مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ"

"خدایا! اس کے چہرے کو سفید اور اس کی بو کو طیب فرمادے اور اس کو ابرار کے ساتھ محشور فرمانا اور محمدؐ و آل محمدؐ سے آشنا گردانا۔

امام باقر علیہ السلام نے علی بن حسین علیہما السلام سے روایت فرمائی ہے کہ جب لوگ شہیدوں کو دفن کرنے کے لئے آئے تو جون کی لاش دس دن بعد دستیاب ہوئی، جس سے مشک کی خوشبو آرہی تھی۔ (بحارالانوار ۴۵/۲۲، نفس المہموم/۲۹۰، مہیج الاحزان/۱۴۰، م ۶)

امام حسینؑ نے روز عاشور دس شہیدوں کی لاشوں پر مرثیہ پڑھا اور دعا فرمائی۔

(۱) علیؑ بن الحسینؑ علی اکبر جب شہید ہوگئے تو آپ نے ان کے پاس کھڑے ہوکر فرمایا:

"قَتَلَ اللّٰهُ قَوماً قَتَلُوکَ، مَااَجْرَاُهُمْ عَلَى الرَّحْمٰنِ وَعَلٰى انْتِهَاکِ حُرْمَةِ الرَّسُولِؐ عَلَى الدُّنْيَا بَعْدَکَ الْعَفٰى"

(۲) ابوالفضل العباسؑ کی لاش پر فرمایا:

"اَلْآنَ نَكَسَرَ ظَهْرِي وَقَلَّتْ حِيْلَتِي"

(۳) قاسم بن الحسنؑ کی لاش پر فرمایا:

"يَعِزُّ وَاللّٰهِ عَلٰى عَمِّکَ أَنْ تَدْعُوهُ فَلاٰ يُجِيْبُکَ أَوْ يُجِيْبُکَ فَلاٰ يُعِيْنُکَ أَوْيُعِيْنُکَ فَلاٰ يُغْنِي عَنْکَ بُعْدًا لِقَوْمٍ قَتَلُوکَ"

(۴) عبداللہ بن الحسنؑ جب شہید ہوئے تو امامؑ نے ان کو سینے سے لگا لیا اور فرمایا:

"يَابْنَ أَخِيْ اِصْبِر عَلٰى مَانَزَلَ بِکَ وَحْتَسِبْ فِي ذَلِکَ الخَيْرَ"

(۵) جب عبداللہ بن الحسینؑ (علی اصغرؑ) شہید ہوئے تو ان کا خون آسمان کی طرف پھینکا اور فرمایا:

"اَللّٰهُمَّ لاٰ يَکُنْ اَهْوَنَ عَلَيْکَ مِنْ دَمِ فَصِيْلٍ"

(۶) جب مسلم بن عوسجہؓ شہید ہوئے تو امامؑ نے فرمایا:

رَحِمَکَ اللّٰهُ يَامُسْلِمْ، اور يه آيت تلاوت فرمود: فَمِنْهُمْ مَنْ قَضٰى نَحْبَهُ وَمِنْهُمْ مَنْ يَنْتَظِرُ وَمَا بَدَّ لُو اتَبْدِيْلاً"

(۷) حبیب بن مظاہر کی لاش پر فرمایا۔

"عِندَ اللّٰهِ أَحْتَسِبُ نَفْسِي وَ حُمَاةَ أَصْحَابِي"

(۸) حر بن یزید کی لاش پر فرمایا:

"أَنْتَ کَمَا سَمَّتْکَ أُمُّکَ حُرٌّ فِي الدُّنيا ،وَسَعِيدٌ فِي الآخِرَةِ"

(۹) زہیر بن قین کی لاش پر فرمایا:

"لاٰ يَبْعُدُکَ اللّٰه يا زُهَيْر، وَلَعَنَ اللّٰهُ قَاتِلَکَ لَعْنَ الَّذِينَ مُسِخُو الْقِرَدَةَ وَخَنَازِيرَ"

(۱۰) جون کی لاش پر مرثیہ پڑھا کہ جس کا متن (ماقبل) میں ذکر کیا جا چکا ہے۔

(ابصار العین فی انصار الحسین علیہ السلام)/۱۳۱)

ترک غلام کی شہادت

سید الشہداءؑ کا ایک ترکی غلام تھا جو کہ بہت سے اوصاف کا حامل اور قاری قرآن تھا۔ وہ غلام باوفا امام سے رخصت ہو کر (دشمن کے) لشکر کے سامنے آیا۔ اس نے رجز پڑھ کر حملہ کیا اور ان نامردوں میں سے بہت سوں کو قتل کیا۔

ان سیاہ روؤں میں سے ستر افراد کو واصل جہنم کیا۔ اور پھر شہادت پائی۔ امام حسینؑ اس کے سر پر پہنچے۔ آپ نے اس پر گریہ فرمایا اور اپنا چہرہ اس کے خوش نصیب چہرے پر رکھ دیا۔ اس غلام نے آنکھیں کھول دیں۔ جب اس کی نگاہ آنحضرتؑ پر پڑی تو اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اور روح جانب بہشت پرواز کر گئی۔ (مناقب: ۴/۱۰۴، نفس المہموم/۲۹۴)

منقول ہے کہ جب اس نے اجازت مانگی تو امامؑ نے فرمایا: میں نے تمہیں اپنے بیٹے زین العابدینؑ کو بخش دیا تھا ان سے اجازت مانگو غلام ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور ماجرا بیان کیا۔

امام سجاد علیہ السلام نے فرمایا: میں نے تمہیں آزاد کر دیا۔ تو صاحب اختیار ہے۔

غلام حضرت امام حسینؑ کی خدمت میں واپس آیا اور کیفیت حال بیان کر کے رخصت لی اور خیام حرم کے پاس آیا اور کہا کہ اگر مجھ سے کوئی تقصیر ہوئی ہو تو معاف فرمانا پھر الوداع کہہ کر میدان کی طرف چل دیا۔ (مہیج الاحزان/۴۶ام۶ ریاض الشہادۃ: ۲/۱۵۸ام۸)

اس واقعہ کی جون بن ابی مالک سے زیادہ مناسبت ہے۔ احتمالاً اشتباہ کی صورت پیدا ہوئی ہوگی جیسا کہ بتایا گیا ہے کہ جون امام زین العابدین کی خدمت کرتا تھا۔ نسب ہے کہ وہ انہی کا غلام ہوگا۔ (واللہ اعلم)

بنی ہاشم کے جوانوں کی شہادتیں

جب امام حسینؑ کے اصحاب میں سے کوئی بھی باقی نہ رہا اور سب کی شہادتیں ہوگئیں تو بنی ہاشم کے جوانوں کی باری آئی۔ پس امیر المومنین علیؑ کے بیٹے، جعفر و عقیل کی اولادیں، اور امام حسنؑ و امام حسینؑ کے فرزند جنگ کے لئے تیار ہوگئے۔ انہوں نے ایک دوسرے سے وداع کیا اور عزم جہاد کے ساتھ مردانہ وار پیش قدمی کی۔

آئید تا بگریم چون ابر در بہاران
کزسنگ نالہ خیزد روز وداع یاران
باساربان بگوئید احوال اشک چشم
تابر شتر نبندد محمل بہ روز باران

ذیل میں ہم بنی ہاشم کے نوجوانوں کے ناموں کی فہرست درج کرتے ہیں۔

حضرت علیؑ کے بیٹے:

(۱) حضرت ابوالفضل العباسؑ

(۲) جعفر بن علیؑ

(۳) عبداللہ بن علیؑ

(۴) عثمان بن علیؑ

(۵) ابوبکر بن علیؑ کہ جن کا نام محمد تھا

امام حسن مجتبیٰؑ کے بیٹے:

(۱) ابوبکر بن الحسنؑ

(۲) عبداللہ بن الحسنؑ

(۳) قاسم بن حسنؑ

امام حسینؑ کے بیٹے:

(۱) حضرت علی اکبرؑ

(۲) حضرت عبداللہ رضیع (علی اصغرؑ)

عبداللہ بن جعفر اور حضرت زینب سلام اللہ علیہا کے فرزند

(۱) عون بن عبداللہ

(۲) محمد بن عبداللہ

اولادِ عقیل:

(۱) جعفر بن عقیل

(۲) عبدالرحمٰن بن عقیل

(۳) عبداللہ الاکبر بن عقیل

(۴) عبداللہ بن مسلم بن عقیل

(۵) محمد بن مسلم بن عقیل (زیارت ناحیہ میں ابی عبیداللہ بن مسلم بن عقیل کہا گیا ہے)

(۶) محمد بن ابی سعید بن عقیل

(زیارت ناحیہ مقدسہ، نفس المہموم ۳۰۵ مابعد منتہی الآمال: ۱/۲/۳۷۲ مابعد مقتل مرحوم مقرم: ۳۱۸ ومابعد)

حضرت علی اکبرؑ

ولادت با سعادت اور عمر مبارک:

مرحوم مقرم تحریر فرماتے ہیں:

علی اکبرؑ ۱۱ شعبان ۳۳ ہجری میں قتل عثمان کے دو سال پہلے اس دنیا میں تشریف لائے (انیس الشیعہ مصنفہ سید محمد عبدالحسین ہندی کربلائی الحدائق الوردیہ) اور یہ ابن ادریسؒ رحمۃ اللہ کے قول کے موافق ہے۔ وہ اپنی کتاب سرائر میں فرماتے ہیں: حضرت علی اکبرؑ نے عثمان کی خلافت کے دوران دنیا میں آنکھ کھولی۔

پس روز عاشور آپ کی عمر ستائیس (۲۷) سال تھی اور مورخین اور علم نسب کے علماء کے اتفاق کے مطابق حضرت علی اکبرؑ امام سجادؑ سے بڑے تھے، اور امام سجادؑ کی عمر عاشور کے دن تیئیس (۲۳) سال تھی۔ اور جن لوگوں نے آپ کی عمر سترہ اٹھارہ یا انیس سال نقل کی ہے وہ اس اتفاق کے خلاف ہے۔ اس پر مستزاد وہ اپنے قول کے حق میں کوئی شہادت نہیں رکھتے۔

(علی اکبرؑ مصنفہ مرحوم مقرم ۱۲۱)

ابن شہر آشوب رقم طراز ہیں:

علی اکبرؑ کی عمر (کچھ کے مطابق) اٹھارہ سال تھی اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ پچیس سال تھی۔

(مناقب: ۱۰۹/۶)

محدث قمیؒ کا کہنا ہے۔

حضرت علی اکبرؑ کی عمر میں بہت زیادہ اختلاف پایا جاتا ہے۔ ابن شہر آشوب اور محمد بن ابی طالب

کے مطابق آپ اٹھارہ سال کے تھے، اور شیخ مفیدؒ نے آپ کی عمر انیس سال خیال کی۔ (ارشاد ۲/۱۰۶)

اس بناء پر آپ امام زین العابدینؑ سے چھوٹے تھے۔

بعض کا کہنا ہے کہ آپ کی عمر پچیس سال تھی اور کچھ نے اس کے برعکس بھی لکھا ہے پس علی اکبرؑ اپنے بھائی امام سجادؑ سے بڑے تھے اور یہی صحیح اور مشہور قول ہے۔

شیخ اجل ابن ادریس اپنی کتاب حج کے اختتام پر نقل کرتے ہیں کہ حضرت علی اکبرؑ (امام سجادؑ سے) بڑے تھے اور آپ خلافت عثمان کے زمانے میں پیدا ہوئے۔ اور آپ کے دادا امیر المومنین علیؑ سے آپ کے بارے میں روایت کی گئی شعراء نے اپنے مدحیہ اشعار میں بھی اس کا تذکرہ کیا۔

چنانچہ ابن ادریس ان لوگوں کی تردید میں، جن کا کہنا ہے کہ علی اکبرؑ (امام سجادؑ سے) چھوٹے تھے، تحریر کرتے ہیں: انہیں چاہیے کہ اس باب میں علماء نسب مثلاً زبیر بن بکار اور ان کی تاریخ وحدیث سے رجوع کریں تاکہ انہیں معلوم ہو کہ سبھی نے حضرت علی اکبرؑ کو (امام سجادؑ سے) بڑا جانا ہے اور یہ متفق علیہ قول ہے۔

محدث قمیؒ تحریر فرماتے ہیں: اس کے بارے میں ابن ادریس کا قول اور ان کی پیروی (ہی) کافی ہے۔ کیونکہ وہ اس میدان کے شہسوار تھے۔ اور انہوں نے اس بات کی خوب وضاحت فرمائی۔ ان اشعار کا نفس مضمون جو آپ کی مدح میں لکھے گئے۔ نیز معاویہ کی آپ کے حق میں گفتگو (جس کا ذکر آئندہ آئے گا) اس کی تائید کرتے ہیں۔ (نفس المہموم ۱/۳۱۳)

مرحوم ملا ہاشم لکھتے ہیں۔ شہید نے (دروس میں نیز کفعمی نے فرمایا ہے: آپ کی عمر پچیس سال تھی یعنی آپ حضرت زین العابدینؑ سے دو سال بڑے تھے اور احتمالاً یہی قول اقویٰ ہے۔

اولاً اس لحاظ سے کہ سبھی محدثین اور مورخین نے شہید علی کو علی اکبرؑ لکھا اور حضرت زین العابدین کو علی اصغرؑ لکھا۔ اور ثانیاً مقاتل میں منقول ہے کہ امام زین العابدین نے ابن زیاد کی مجلس میں (اس بات کے جواب میں کہ جب اس نے کہا: مگر علیؑ قتل نہیں ہو گئے) فرمایا:

كَانَ لِيْ أَخٌ أَكْبَرُ مِنِّي يُسَمّٰى عَلِيًّا فَقَتَلْتُمُوْهُ.

''جن کو انہوں نے قتل کیا وہ میرے بڑے بھائی علیؑ تھے''

اور ثالثاً سرائر میں شہزادہ علی اکبر کے حالات زندگی اور مقتل میں مرقوم ہے:

آپ خلافت عثمانیہ میں اس دنیا میں تشریف لائے، اور اس کی روایت آپ کے دادا امیر المومنین علیؑ نے کی ہے۔اور کفعمی نیز شہید اول نے اپنی کتاب ''دروس'' میں اسی کو اختیار کیا ہے۔ (منتخب التواریخ/۲۶۹)

مرحوم عماد زادہ نے بھی اس قول کو اختیار کیا ہے اور بہت سے مورخین نے نقل کیا ہے کہ وہ حضرت علی اکبرؑ کو امام سجادؑ سے بڑا سمجھتے ہیں۔ (زندگانی قمر بنی ہاشم وعلی اکبر/۳۵۶)

مرحوم مقرم نے اٹھائیس سے زیادہ شیعہ سنی علماء اور مورخین سے نقل کیا ہے کہ آپ اپنے بھائی امام سجادؑ سے بڑے تھے۔وہ دانشوروں کے اقوال کا ذکر کرنے کے بعد اختتام پر تحریر کرتے ہیں:

بعض لوگوں مثلاً شیخ مفیدؒ نے ''ارشاد'' اور طبرسیؒ نے اعلام الوری میں ان سب سے اختلاف کیا ہے اور کہتے ہیں: امام سجادؑ بڑے تھے۔(علی اکبر مصنفہ مرحوم مقرم/۱۶ تا ۲۰)

بعض مثلاً ابن شہر آشوب نے اپنی کتاب مناقب، ابن طلحہ شافعی (مطالب السول) اور ابن صباغ نے ''فصول المہمہ'' وغیرہ میں وضاحت کی ہے کہ امام حسینؑ کے تین بیٹے تھے ۔علی اکبرؑ علی اوسط (کہ جنہیں حضرت سجادؑ کہتے ہیں) اور علی اصغرؑ اور یہ قول اوپر درج کئے گئے بیان کے خلاف نہیں ہے بلکہ ان میں سے بعض نے وضاحت کی ہے کہ علی اکبر کربلا میں شہید ہو گئے اور علی اصغرؑ جو دودھ پیتے بچے تھے اور جن کا دوسرا نام عبداللہ تھا وہ بھی کربلا میں شہید ہو گئے۔

ممکن ہے یہ بات اشکال کا باعث بن جائے کہ آپ کے والد بزرگوار نے آپ کے میدان جنگ میں جانے کے وقت فرمایا تھا:

اَللّٰهُمَّ اَشْهَدْ عَلٰى هٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ فَقَدْ بَرَزَ اِلَيْهِمْ غُلَامٌ

یہاں بیان کردہ لفظ غلام کا اطلاق پچیس یا ستائیس سالہ شخص کے لئے نہیں ہوتا لیکن لغت کی تحقیق اس کے خلاف ہے۔

اولاً سید وسردار کے بیٹے کو غلام کہتے ہیں۔

ثانیاً ''لسان العرب'' میں منقول ہے کہ ولادت سے لے کر بڑھاپے تک بھی کسی کو غلام کہا جا سکتا ہے اور ازہری کا قول بھی اس کی تائید میں ہے کہ وہ کہتے ہیں میں نے عربوں سے سنا ہے کہ جب بچہ دنیا میں آتا ہے تو اسے غلام کہتے ہیں۔ پھر یہ بھی سنا ہے کہ بوڑھے لوگوں کو بھی غلام کہتے ہیں اور ابو العباس کے قول سے نقل کرتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں فلاں شخص لوگوں کا غلام ہے اگر چہ وہ بوڑھا ہو جائے۔

ثالثاً کتاب مصباح المنیر میں (جوکہ لغت کی اہم کتاب ہے) مرقوم ہے۔ بوڑھے آدمی پر بھی مجازاً غلام کا اطلاق ہوسکتا ہے۔ کیونکہ وہ پہلے غلام ہی ہوتا ہے۔

(لسان العرب:۱۱۱/۱۰ مجمع البحرین:۱۲۷/۶ مصباح/۶۱۹)

حضرت علی اکبرؑ کی شادی

اگر ہم کہیں کہ آپ جناب کی عمر شہادت کے وقت پچیس سال یا اس سے زیادہ تھی تو یقیناً آپ کی شادی ہو چکی تھی۔ کیونکہ آپ اس عظیم سنت کے تارک ہرگز نہیں ہو سکتے۔

حدیث بزنطی اور آپ کی زیارت بعض عبارات سے استفادہ ہوتا ہے کہ آپ نے شادی کر رکھی تھی اور آپ کی اولاد بھی تھی۔ (اس سلسلے میں ''اصول کافی'' تہذیب اور قرب الاسناد کے حوالے سے بزنطی کی امام رضاؑ سے کی گئی روایت بھی دال ہے کہ آپ نے ام ولد نامی کنیز سے شادی کی تھی۔

حضرت علی اکبرؑ کی زیارت میں جسے ابوحمزہ نے امام جعفر صادقؑ سے روایت کیا ہے آتا ہے۔

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْکَ وَعَلٰى عِتْرَتِکَ وَأَهْلِ بَيْتِکَ وَآبَائِکَ وَأَبْنَائِکَ وَاُمَّهَاتِکَ الْاَخْيَارِ الْاَبْرَارِ الَّذِيْنَ أَذْهَبَ اللّٰهُ عَنْهُمُ الرِّجْسَ وَطَهَّرَهُمْ تَطْهِيْرًا اَلسَّلَامُ عَلَيْکَ يَا بْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَابْنَ أَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَابْنَ الْحُسَيْنِ ابْنِ عَلِيٍّ وَارَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ ثُمَّ ضَعْ خَدَّکَ عَلَى الْقَبْرِ وَقُلْ :صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْکَ يَا أَبَا الْحَسَنِ ثَلَاثًا.

آپ پر' آپ کی عترت پر' آپ کے اہل بیتؑ پر' آپ کے آباؤ اجداد پر' آپ کی اولاد پر اور آپ کی نیک اور پاکیزہ ماؤں پر اللہ کا درود ہو۔ جن سے اللہ نے رجس کو دور کر دیا اور انہیں پاکیزہ قرار دے دیا۔ اے رسولؐ خدا کے بیٹے امیر المومنین حضرت علیؑ اور حسینؑ بن علیؑ کے فرزند آپ پر سلام ہو۔ پھر تھوڑی دیر قبر مبارک پر ٹھہرو اور تین بار کہو: اے ابوالحسن آپ پر خدا کا درود و سلام ہو۔

(کامل الزیارات ۲۳۹/ ب ۷۹ زیارت ۱۸)

اس زیارت میں آپ کی کنیت ابوالحسن بتائی گئی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی اولاد چند عدد تھی کیونکہ لفظ ''ابناء'' جمع کا صیغہ ہے۔

آپ کی والدہ گرامی:

آپ کی والدہ ماجدہ لیلیٰ بنت ابی مرہ بن عروہ بن مسعود ثقفی ہیں، اور عروہ بن مسعود اسلام میں سادات اربعہ میں سے ایک ہیں۔ ان کا شمار ان بزرگوں میں ہوتا ہے کہ جنہیں رسول خدا نے مثل صاحب یاسین (جو اپنی قوم کو خدا کی طرف دعوت دے اور وہ اسے قتل کریں) اور لوگوں میں سے حضرت عیسیٰؑ بن مریم کے ہم شکل ترین قرار دیا۔

فضائل حضرت علی اکبرؑ

پیغمبر اکرمؐ سے مشابہت:۔

حضرت علی اکبرؑ طلاقت زبان' خوبصورتی' سیرت و کردار اور خلقت میں رسولؐ خدا سے بہت مشابہ تھے۔ آپ تمام کمالات عالیہ' صفات حسنہ اور اخلاق پاکیزہ کے حامل تھے۔

اللہ کی نعمتیں بے شمار ہیں:

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَاتُحْصُوْهَا (سورۂ ابراہیم آیہ ۳۴)

''اور اگر اللہ کی نعمتوں کا شمار کیا جائے تو وہ شمار میں نہیں لائی جاسکتیں''

اس کے ساتھ ساتھ قرآن نے دنیوی نعمتوں کو ہیچ خیال کیا'

قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ (سورہ نساء آیہ ۷۷)

کہہ دو اس دنیا کی نعمتیں بہت قلیل ہیں۔

لیکن اخلاق پیغمبرؐ کے سلسلے میں ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے۔

اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ (سورہ قلم' آیہ ۴)

بے شک آپ کے اخلاق عظیم ہیں۔

حضرت علی اکبرؑ جمیع اخلاق وصفات میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مثل تھے۔ آپ کے والد بزرگوار آپؑ کے بارے میں فرماتے ہیں:

اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ فَقَدْ بَرَزَاِلَیْھِمْ غُلَامٌ أَشْبَهُ النَّاسِ خَلْقًا وَخُلُقًا وَمَنْطِقًا بِرَسُولِکَ وَکُنَّاءِ ذَا اشْتَقْنَااِلٰی نَبِیِّکَ نَظَرْنَا اِلَیْهِ.

خدایا گواہ رہنا! وہ جوان جو شکل وصورت اور سیرت و گفتار میں تیرے پیغمبرؐ سے سب سے زیادہ مشابہ ہے' وہ ان لوگوں سے جنگ کے لئے جارہا ہے۔ ہم جب بھی زیارت پیغمبرؐ کے مشتاق ہوتے تھے اس جوان کو دیکھ لیا کرتے تھے۔

(لہوف ۱۳۱/۱ مثیر الاحزان ۶۸/۱' بحارالانوار: ۴۲/۴۵/۴۲ مقتل خوارزمی: ۳۰/۲)

البتہ منقول ہے کہ جناب فاطمہ زہراؑ چلنے میں اپنے والد گرامی سے شباہت رکھتی تھیں۔ ابن شہر آشوب مناقب (ج ۳، ص ۳۵۷) میں رقم طراز ہیں: قال جابر الانصاری : ما رایت فاطمة تمشی الا ذکرت رسول الله تمیل علی جانبها الایمن مرة ، و علی جانبها الایسر مرة " جابر انصاری کہتے ہیں: میں نے فاطمہ زہراؑ کو چلتے ہوئے نہیں دیکھا مگر یہ کہ میں رسول خدا کی یاد میں کھو جاتا تھا۔ آپ چلتے ہوئے ایک مرتبہ داہنی جانب اور دوسری مرتبہ بائیں جانب جھکاؤ کرتی تھیں۔

بشارۃ المصطفیٰ (ص ۲۵۲ جز ۹ حدیث ۱) میں آیا ہے کہ وہ مظلومہ اپنے والد کرام ہی کی طرح صحبت کرتی تھیں۔ "لمن عائشة انها قالت : مارایت احدا کان اشبه کلاما وحدیثا من فاطمة برسول الله و کانت اذا دخلت علیه رحب بها ، وقام الیها ، فاخذ بیدها و قبل یدها، واجلسها فی مجلسه: حضرت عائشہ

کہتی ہیں: میں نے کسی کو فاطمہ سے زیادہ گفتگو کرنے میں رسول خداؐ سے مشابہ نہیں دیکھا، جب فاطمہ رسول خداؐ کے پاس تشریف لائیں تو رسول خداؐ انہیں خوش آمدید کہتے اور ان کے استقبال کے لیے کھڑے ہو جاتے، ان کے ہاتھ کو پکڑ کر چومتے اور اپنی جگہ پر بٹھاتے تھے۔

شیخ مفیدؒ (ارشاد: ۲/۳) میں نقل کرتے ہیں کہ: امام حسنؑ جلالت و بزرگی میں اور امام حسینؑ سخاوت و شجاعت میں اپنے نانا سے مشابہ تھے۔

ابن شہر آشوب نے (مناقب ۴/۲ میں) آیہ شریفہ: فی ای صورة ماشار کبک کی تفسیر میں حسنؑ بن علیؑ سے نقل کرتے ہیں کہ خدا نے علی بن ابی طالب کو باپ کے صلب میں محمدﷺ کی شبیہ میں رکھا۔ پس وہ رسول کریمؐ سے مشابہ ترین تھے اور امام حسینؑ جناب فاطمہ سے مشابہ ترین تھے اور میں جناب خدیجہ سے مشابہ ترین ہوں۔

شیخ مفیدؒ (ارشاد: ۲/۳) میں نقل فرماتے ہیں: "کان الحسین اشبه الناس برسول الله خلقا وهد یا و سوددا" امام حسینؑ عادات چال ڈھال اور سیادت میں رسول خدا سے تمام مخلوق سے زیادہ مشابہ تھے۔

شیخ صدوق (کمال الدین: ۱/۴۰۳ ب ۲۶ ح ۱ اور بحار الانوار: ۵۱/۲) میں و کنیته کنیتی، اشبه الناس بی خلقا و خلقا، تکون له غیبة و حیرة تضل فیها الامم ثم یقبل کالشهاب الثاقب فیملاها عدل وقسطا کما ملئت جورا و ظلما" مہدی میری اولاد میں سے ہے، اس کا نام میرا نام اور اس کی کنیت میری کنیت ہے، اور تخلیق و عادات میں تمام مخلوق سے زیادہ مجھ سے مشابہ ہے۔ اس کے لیے غیبت و حیرت ہے کہ جس کے بارے میں امت گمراہ ہو جائے گی۔ وہ شہاب ثاقب کی طرح طلوع ہوگا اور زمین کو عدل و انصاف سے بھر دے گا، جیسے کہ وہ ظلم و ستم سے پر ہوگی"

نیز (بحار الانوار: ۵۱/۱۶۱) باب ماورد عن العسکر بینؑ ح ۹ میں) احمد بن اسحاق امام حسن عسکریؑ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؑ نے فرمایا: الحمد لله الذی لم یخرجنی من الدنیا حتی ارانی الخلف من بعدی ، اشبه الناس برسول اللهؐ خلقا و خلقا. یحفظه الله تبارک و تعالیٰ فی غیبته . ثم یظهره فیملا الارض عدلا و مسطا کما ملئت جورا ظلما" میں اس خدا کا سپاس گزار ہوں کہ جس نے میری موت سے پہلے مجھے اپنے جانشین سے آگاہ فرمایا کہ جو پوری مخلوق میں رسول خدا سے مشابہ ترین ہے، خدا اس کے زمانہ غیبت میں اس کی حفاظت فرمائے گا۔ پھر وہ ظاہر ہوگا اور زمین کو عدل و انصاف سے بھر دے گا۔ جیسے کہ وہ (پہلے) ظلم و ستم سے بھری ہوئی ہوگی۔

عصمت علی اکبرؑ

عدالت کی طرح عصمت کے بھی مختلف درجات ہیں اور کوئی شخص عصمت میں چہاردہ معصومینؑ تک نہیں پہنچ سکتا لیکن خداوند قدوس نے شہزادہ علی اکبرؑ کو بھی مقام عصمت عطا فرمایا۔

اس سلسلے میں زیارت کے اس جملے سے استدلال کیا جا سکتا ہے کہ امام جعفر صادقؑ نے اس بزرگوار سے یوں خطاب فرمایا:

صَلَّ اللّٰهُ عَلَيْكَ وَعَلٰى عِتْرَتِكَ وَأَهْلِ بَيْتِكَ وَآبائِكَ وَأَبْنائِكَ وَاُمَّهاتِكَ الْأَخْيَارِ الْأَبْرارِ الَّذِيْنَ أَذْهَبَ اللّٰهُ عَنْهُمُ الرِّجْسَ وَطَهَّرَ هُمْ تَطْهِيْرًا (کامل الزیارات ۱/۲۳۹ ب ۷۹ زیارت ۱۸)

کہ رجس اور پلیدی سے دوری بھی عصمت ہے۔ یہ بات بھی اس مفہوم کی دلیل ہے کہ امام حسینؑ کی زیارت رجبیہ، جس کو محدث قمی نے مفاتیح الجنان میں نقل کیا ہے، کے مطابق جس وقت علی بن الحسینؑ کی قبر پر پہنچو تو آپ کی قبر کے نزدیک جا کر کہو:

"اَلسَّلامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا الصِّدِّيْقُ الطَّيِّبُ الزَّكِيُّ الْحَبِيْبُ الْمُقَرَّبُ وَابْنُ رَيْحَانَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ...... وَجَعَلَكَ مِنْ اَهْلِ الْبَيْتِ الَّذِيْنَ اَذْهَبَ اللّٰهُ عَنْهُمُ الرِّجْسَ وَطَهَّرَ هُمْ تَطْهِيْرًا"

اے خدا! اس بزرگوار کو اہل بیتؑ عصمت میں سے قرار دے۔ طیب اور ذکی کے الفاظ بھی شہزادہ علی اکبرؑ کی عصمت کی تائید کرتے ہیں۔

ج: صفات علی اکبرؑ

شہزادہ علی اکبرؑ نیک صفات، جلال و جمال اور ملکوتی حسن کے حامل تھے۔ آپ عالم ملکوت سے منسلک تھے۔ مرحوم سید بن طاؤسؒ اور شیخ مفیدؒ نے دو احادیث نقل فرمائی ہیں۔

کہ آپ نے اپنے والد بزرگوار سے کہا:

أَفَلَسْنَا عَلَى الْحَقِّ.

کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟

امامؑ نے جواب دیا: ہاں

شہزادہ علی اکبرؑ نے کہا:

إِذًا لَا نُبَالِيْ بِالْمَوْتِ.

اگر یہ بات ہے تو ہمیں موت کا کوئی خوف نہیں ہے۔

د: شجاعت علی اکبرؑ

حضرت علی اکبرؑ کو شجاعت اور بہادری اپنے دادا علی مرتضیٰؑ سے ورثہ میں ملی تھی۔ علامہ مجلسیؒ نقل فرماتے ہیں:

آپ جس طرف رخ فرماتے تھے لوگوں کو خاک ہلاکت میں ملاتے جاتے تھے۔

فَلَمْ يَزَلْ يُقَاتِلُ حَتّٰى ضَجَّ النَّاسُ مِنْ كَثْرَةِ مَنْ قَتَلَ مِنْهُمْ وَرُوِيَ اَنَّهُ قَتَلَ عَلٰى عَطَشِهِ مِأَةً وَعِشْرِيْنَ رَجُلًا ثُمَّ رَجَعَ اِلٰى أَبِيْهِ فَلَمْ يَزَلْ يُقَاتِلُ حَتّٰى قَتَلَ تَمَامَ الْمِائَتَيْنِ ....

آپ نے اس قدر قتل عام کیا کہ مقتولین کی کثرت پر لوگ گریہ وشیون کرنے لگے اور روایت میں ہے کہ علی اکبرؑ نے پیاس کی شدت کے باوجود ایک سو بیس (۱۲۰) افراد کو تہ تیغ کیا، اور پھر اپنے والد گرامی کی طرف گئے پھر دوبارہ میدان میں اترے اور اس قدر جنگ کی کہ مرنے والوں کی تعداد دو پست افراد تک پہنچ گئی

(بحارالانوار ۴۵/ ۴۳و۴۴)

ھ: تربیت و پرورش

شہزادہ علی اکبرؑ نے اپنے تایا جان حضرت حسن مجتبیٰؑ اور اپنے والد گرامی سید الشہداءؑ کی آغوش تربیت میں پرورش پائی۔ ''کافی''، ''فقیہ'' اور ''تہذیب'' میں امام صادقؑ سے ایک زیارت

میں روایت منقول ہے کہ آنحضرتؑ کے فرزند ارجمند علیؑ بن الحسینؑ کی قبر کے نزدیک جاؤ اور پڑھو(آپ اپنے بابا کے قدموں میں مدفون ہیں):

اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَابْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ، اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَابْنَ اَمِیْرِالْمُؤْمِنِیْنَ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَابْنَ الْحَسَنِ وَالْحُسَیْنِ .

''اے فرزند رسولؐ آپ پر سلام' اے فرزند امیر المومنینؑ آپ پر سلام' اے امام حسنؑ اور امام حسینؑ کے بیٹے آپ پر سلام''

(مفاتیح الجنان امام حسینؑ کی پہلی زیارت مطلقہ)

شیخ صدوقؒ اس زیارت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

میرے نزدیک یہ زیارت صحیح ترین ہے اور جو یہ کہا گیا ہے کہ آپ امام حسنؑ کے فرزند تھے۔یہ اس لئے ہے کہ امام حسنؑ حضرت علی اکبرؑ کے معلم و مربی تھے اور حدیث مبارکہ ہے:

اِنَّمَا الْاٰ بَاءُ ثَلَاثَةٌ مَنْ وَلَّدَکَ وَمَنْ عَلَّمَکَ وَمَنْ زَوَّجَکَ

''باپ تین طرح کے ہوتے ہیں ایک وہ کہ جو تمہیں دنیا میں لانے کا سبب بنتا ہے دوسرا وہ جو تمہیں تعلیم دیتا ہے اور تیسرا تمہاری بیوی کا والد''

محدث قمی رقم طراز ہیں:

جب تک آپؑ حیات رہے آپ کی عمر مبارک زہد و عبادت' مساکین کو کھانا کھلانے مسافروں سے حسن سلوک کرنے' اخلاق عالیہ کی ترویج اور لوگوں کے رزق میں اضافے کرنے میں گزری یہاں تک کہ آپ کی مدح میں کہا گیا ہے۔

لیکن قرآن میں چچا پر باپ کا اطلاق ہوا اور چچا کے مقام کو اس قدر اہمیت دی گئی۔

الف: اِذْقَالَ اِبْرَاهِیْمَ لِاَبِیْهِ اٰذَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً (سورہ انعام ۷۴)

احادیث میں آیا ہے کہ آذر حضرت ابراہیمؑ کا چچا تھا اور باپ کا اطلاق اسی پر ہوا۔

ب: اِذَا حَضَرَ یَعْقُوْبَ الْمَوْتُ اِذْ قَالَ لِبَنِیْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ بَعْدِی قَالُو نَعْبُدُ اِلٰهَکَ وَاِلٰهَ اٰبَائِکَ اِبْرَاهِیْمَ وَاِسْمَاعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ اِلٰهًا وَاحِدًا وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ

(سورہ بقرہ آیہ ۱۳۳)

لَمْ تَرَعَيْنٌ نَظَرَتْ مِثْلَهُ

مِنْ مُحْتَفٍ يَمْشِيْ وَلاَ نَاعِلٍ (تاآخرابیات)

کسی آنکھ نے اس جیسا شخص نہیں دیکھا ہوگا' اور آپ کی زیارت میں پڑھا جاتا ہے: نہ کسی پابرہنہ چلنے والے نے اور نہ کسی جوتا پہننے والے نے"

اَلسَّلاَمُ عَلَیْکَ اَیُّھَا الصِّدِیْقُ وَالشَّھِیْدُ الْمُکَرَّمُ وَالسَّیِّدُ الْمُقَدَّمُ اِلَّذِیْ عَاشَ سَعِیْدًا وَمَاتَ شَھِیْدًا، وَذَھَبَ فَقِیْدًا، فَلَمْ تَتَمَتَّعْ مِنَ الدُّنْیَا اِلَّا بِالْعَمَلِ الصَّالِحِ وَلَمْ تَتَشَا غَلْ اِلَّا بِالْمَتْجَرِ الرَّابِحِ.

اس طرح کیوں نہ ہو وہ جوان جو رسول کریمؐ سے تمام جوانوں سے زیادہ مشابہت رکھتا ہو اور جس نے جنت کے دوسرداروں حسنؑ و حسینؑ سے آداب زندگی سیکھے ہوں۔ وہ اس طرح کا کیوں کر نہیں ہوگا۔

جب حضرت یعقوبؑ قریب المرگ تھے تو انہوں نے اپنے بیٹوں سے فرمایا: میری موت کے بعد تم کس کی عبادت کرو گے؟

کہنے لگے: آپ کے خدا کی اور آپ کے آباؤ اجداد ابراہیم' اسماعیل' اور اسحٰق کے خدا کی کہ جو معبود یگانہ ہے، اور ہم اس کے مسلمان ہیں۔

حضرت یعقوبؑ حضرت اسحٰقؑ کے بیٹے اور حضرت ابراہیمؑ کے پوتے تھے لیکن وہ حضرت اسماعیلؑ کے بیٹے نہ تھے بلکہ اسماعیلؑ حضرت اسحٰقؑ کے بیٹوں کے چچا تھے۔ جب کہ قرآن کہہ رہا ہے:

تمہارا باپ ابراہیمؑ اسماعیلؑ اور اسحٰق...... حضرت امام حسینؑ نے شہزادہ قاسمؑ سے فرمایا تھا۔

یاوَلَدِیْ اَتَمْشِیْ بِرِجْلِکَ اِلَی الْمَوْتِ ؟(بقیہ حاشیہ صفحہ123)

اے میرے بیٹے! تم اپنے پاؤں پر چل کر موت کی طرف جا رہے ہو (مہیج الاحزان ۱۶۴/۱م ۷)

لیکن موارد استعمال میں ہر چچا پر باپ کا اطلاق نہیں ہوتا بلکہ جب باپ فوت ہوجاتا ہے تو چچا باپ کی جگہ لیتا ہے یا پھر بیٹا چچا کے زیرتربیت ہو تو اس موقعہ پر چچا پر باپ کا اطلاق ہوتا ہے۔ پس ہمیں ماننا پڑے گا کہ حضرت علی اکبر اپنے چچا محترم امام حسنؑ کے زیرتربیت رہے جیسا کہ زیارت میں آیا ہے:

اے حسن و حسین علیہم السلام کے بیٹے

چنانچہ آپ کی زیارت کی عبارت میں مروی

اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا بْنَ الْحَسَنِ وَالْحُسَیْنِ

اس مفہوم پر دلالت کرتا ہے۔(منتہی الآمال:۱/۳۷۵)

حضرت امیر علیہ السلام آپؑ کو بہت عزیز رکھتے تھے حتیٰ کہ انہوں نے آپ کی مدح میں شعر بھی کہے جن کا ذکر ابن ادریس نے اپنی کتاب ''سرائر'' میں کیا ہے۔ امیر علیہ السلام فرماتے ہیں:

لَمْ تَرَ عَیْنٌ نَظَرَتْ مِثْلَهُ
مِنْ مُحْتَفٍ یَمْشِیْ وَلَا نَاعِلٍ

(مہیج الاحزان/۲۱۲م۹)

ابو الفرج اصفہانی اپنی کتاب ''مقاتل الطالبیین'' میں مغیرہ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک روز معاویہ نے کہا:

آج خلافت کے لئے سزاوار ترین شخص کون ہے؟

لوگوں نے کہا: آپ!

معاویہ نے کہا: ایسا نہیں بلکہ اس کے لئے بہترین اور شائستہ ترین شخص علی بن الحسین (علی اکبرؑ) ہیں۔ کیونکہ آپؑ کے جد امجد رسول خداؐ ہیں اور آپؑ بنی ہاشم کی شجاعت' بنو امیہ کی سخاوت اور بنو ثقیف کے جمال و بزرگی کے حامل ہیں۔ (نفس المہموم/۳۱۴)

کچھ عجیب نہیں کہ معاویہ نے حضرت علی اکبرؑ کی عظمت کا ان الفاظ میں اعتراف کیا ہو لیکن بنی امیہ اس ارادے سے سخاوت کرتے تھے کہ لوگ ان کی طرف رجحان کریں۔ حالانکہ وہ حقیقت میں سخی نہیں تھے بلکہ سخاوت بھی شجاعت کی طرح بنو ہاشم ہی کا امتیاز تھی۔

معاویہ کا دادا عبدالشمس تھا جو حضرت ہاشم کے ٹکڑوں پر پلا' اور حضرت ہاشم کا اصل نام عمرو تھا لیکن کثرت کے ساتھ اونٹ اور گوسفند ذبح کرکے لوگوں کے لئے طعام میسر کرنے کے سبب

آپ ہاشم کے لقب سے مشہور ہوئے۔

امیہ نے بیس سال تک حضرت عبدالمطلب کے گھر پر زندگی گزاری اور ابوسفیان اس قدر کنجوس تھا کہ اپنے اہل وعیال تک کو نان ونفقہ مہیا نہیں کرتا تھا۔ یہاں تک کہ اس کی بیوی ہند کو اس کی چوری کرنا پڑتی تھی۔ نہ جانے یہ کہاں کی سخاوت ہے جس پر معاویہ مفتخر تھا؟

اہل بیتؑ کے پہلے شہید

جب امام عالی مقامؑ کے اصحاب باوفا درجہ شہادت پر فائز ہو چکے تو آپ کے خاندان کی باری آئی، علی اکبرؑ ان میں سے پہلی ہستی تھے جو میدان جنگ میں گئے۔

مرحوم سید ابن طاؤس اور ابن نما نقل فرماتے ہیں: جب مظلوم کربلاؑ کے خاندان کے علاوہ کوئی بھی باقی نہ بچا تو علیؑ بن الحسینؑ جو سارے زمانے سے زیادہ خوبصورت اور خوب سیرت تھے، باہر نکلے اور اپنے والد بزرگوار سے جنگ کی اجازت مانگی۔ حضرت نے انہیں اجازت مرحمت فرمائی۔ (لہوف/۱۱۲)

شیخ مفیدؒ تحریر فرماتے ہے: سید الشہداءؑ کے اصحاب میں سے ایک ایک کر کے آگے بڑھتے رہے اور شہید ہوتے رہے یہاں تک کہ امام حسینؑ کے ساتھیوں میں آپؑ کے خاندان کے علاوہ کوئی نہ بچا۔ پس آپؑ کے بیٹے علیؑ بن الحسینؑ سامنے آئے۔ (ارشاد:۱۰۹!)

ابن ادریس رقم طراز ہیں:

وَهُوَ اَوَّلُ قَتِيْلٍ فِيْ الْوَاقِعَةِ يَوْمَ الطَّفِّ مِنْ آلِ أَبِيْ طَالِبٍ

علی اکبرؑ روز کربلا آل ابی طالب کے پہلے مقتول تھے۔ (سرائر/۱۵۳)

زیارت ناحیہ مقدسہ سے اس طرح استفادہ ہوتا ہے کہ شہزادہ علی اکبرؑ اہل بیتؑ میں سے پہلے شہید تھے۔ امام فرماتے ہیں:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا أَوَّلَ قَتِيْلٍ مِنْ نَسْلِ خَيْرِ سَلِيْلٍ مِنْ سُلَالَةِ اِبْرَاهِيْمَ الْخَلِيْلِ

دودمان ابراہیم خلیل اللہ کے چشم و چراغ آپ پر سلام ہو۔ (بحارالانوار:۴۵/۶۵)

اہل سنت کے تمام مورخین مثلاً طبری (تاریخ طبری:۵/۴۴۶) ابن اثیر اور ابوالفرج وغیرہ نے بھی

یہی روایت اختیار کی ہے۔لیکن احتمال ظاہر کرتے ہیں کہ یہ اولیت شان اور رتبہ میں ہے۔جیسا کہ کہا جاتا ہے: فلاں شخص پہلا عالم یا پہلا تاجر ہے۔اور ان کا کہنا ہے کہ عبداللہ بن مسلم بن عقیل اہل بیت میں سے پہلے شہید تھے۔لیکن زیارت سید ناحیہ بن طاؤس شیخ مفیدؒ اور ابن ادریس کی عبارات سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔

شہزادہ علی اکبرؑ کی شہادت

جب شہزادہ علی اکبرؑ نے میدان جنگ میں جانے کا ارادہ کیا تو اپنے والد بزرگوار سے جہاد کی اجازت طلب فرمائی آنحضرتؑ نے انہیں اذن جہاد دیا۔

(تمام معتبر مقاتل میں تحریر ہے کہ امام عالی مقام نے اپنے فرزند ارجمند کو فوراً ہی اجازت عطا فرمادی اس کی وجہ کیا تھی؟ممکن ہے یہ ہو کہ اپنا بیٹا ہے اس لئے بغیر کسی مہلت کے بارگاہ خداوندی میں فدیہ کردیں۔اور شاید اس حالت میں اپنے فرزند کو دیکھنے کی سکت نہ تھی)

جب علی اکبرؑ میدان جنگ کی طرف روانہ ہوئے تو امام عالی مقامؑ نے (اپنے بیٹے پر مایوسانہ نگاہ ڈالی) اور انگشت شہادت آسمان کی طرف بلند فرمائی یا پھر ریش مبارک کو اپنے ہاتھ میں پکڑا اور گریہ کرتے ہوئے فرمایا:

اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ عَلٰى هٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ، فَقَدْبَرَزَ اِلَيْهِمْ غُلَامٌ أَشْبَهُ النَّاسِ خَلْقًا وَخُلُقًا وَمَنْطِقًا بِرَسُوْلِکَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمْ كُنَّا اِذَا اشْتَقْنَا اِلٰى نَبِيِّکَ نَظَرْنَا اِلٰى وَجْهِهٖ.

''خدایا گواہ رہنا' وہ جوان جو صورت و سیرت اور گفتار میں تیرے پیغمبرؐ سے تمام مخلوق سے زیادہ مشابہ ہے' میدان جنگ میں جارہا ہے۔میں جب تیرے پیغمبرؐ کی زیارت کا مشتاق ہوتا تھا تو میں اس جوان کی زیارت کرلیا کرتا تھا۔

خدایا ان لوگوں سے زمین کی برکتیں دور رکھ، انہیں پراگندہ خاطر فرما اور ان کے درمیان جدائی فرمادے۔انہیں متفرق و منتشر کردے اور ان کے والیوں کو ان سے ہرگز راضی نہ رکھ' کیونکہ اس جماعت نے ہماری امداد کے وعدے پر ہمیں بلایا اور پھر ہمارے ہی خلاف تلواریں نکال لیں۔

پس آنحضرت نے عمر سعد ملعون کو آواز دی کہ تو ہم سے کیا چاہتا ہے۔ خدا تجھے قطع رحمی کا مرتکب کرے گا اور تمہارے کسی کام کو مبارک نہ جانے گا، اور ہمارے بعد کسی کو تم پر مسلط فرمادے گا جو تمہارا کام تمام کردے گا۔ جیسا کہ تو نے ہمارے ساتھ قطع رحمی کی اور ہماری رسول خداؐ کے ساتھ قرابت تک کا خیال نہ رکھا۔

پھر بلند آواز کے ساتھ یہ آیہ مبارکہ تلاوت فرمائی:

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰی آدَمَ وَ نُوْحًا وَآلَ اِبْرٰهِیْمَ وَآلَ عِمْرٰانَ عَلَی الْعٰالَمِیْنَ ذُرِّیَّةً بَعْضُهٰا مِنْ بَعْضٍ وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ (سورہ آل عمران آیہ ۳۳و۳۴)

بے شک خداوند بزرگوار نے آدمؑ اور نوحؑ اور آل ابراہیمؑ اور آل عمرانؑ کو عالمین میں سے چن لیا اور ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت عطا فرمائی۔ بے شک اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے"

(نفس المہموم/۳۰۸، بحارالانوار: ۴۵/۴۲، مقتل خوارزمی: ۲/۳۰و)

بہت سی کتب میں منقول ہے کہ جب شہزادہ علی اکبرؑ میدان جنگ کی طرف روانہ ہوئے تو امام عالی مقامؑ نے آپؑ سے فرمایا: اپنی ماں، بھائی اور پھوپھی سے الوداع کرلو۔ پس شہزادہ علی اکبرؑ خیام حرم میں آئے اور با آواز بلند فرمایا:

اَلسَّلاٰمُ عَلَیْکَ یٰا اُخٰاهُ ،وَعَلَیْکُنَّ یٰا اَهْلَ بَیْتٰاهُ هٰذٰا آخِرُ السَّلاٰمِ وَآخِرُ الْکَلاٰمِ وَاللِّقٰاءُ فِی الْجَنَّةِ.

جب علی اکبرؑ کی صدائے جان فزا پردہ نشینوں کے کانوں تک پہنچی تو انہوں نے شہزادے کے گرد حلقہ ماتم باندھ لیا، انہیں گلے لگایا اور اس قدر گریہ فرمایا کہ بے ہوش ہوگئیں۔

امام سجادؑ فرماتے ہیں: روز عاشور میں شدید بیماری میں گرفتار تھا، اس حالت میں میں نے دیکھا کہ کوئی آہستہ آہستہ میرے ہاتھوں اور پاؤں کو چوم رہا ہے۔ میں نے آنکھ کھولی تو دیکھا کہ میرے بھائی علی اکبرؑ ہیں کہ کمال ادب سے میرے پاؤں پر گرے ہوئے ہیں اور اپنا چہرہ

میرے پاؤں کے تلوؤں پر مل رہے ہیں۔ میں نے کہا: اے بھیا کیا بات ہے کہ آپ کی حالت دگرگوں ہے اور اشک رواں ہیں؟ انہوں نے جواد یا: میرے بابا تنہا رہ گئے ہیں، ان کے اصحاب قتل کر دیئے گئے ہیں، اب میرا ارادہ ہے کہ میں بھی اپنی جان ان پر نثار کر دوں۔

شہزادہ علی اکبرؑ نے اپنی ماں' بھائی اور پھوپھی سے وداع کیا اور والد بزرگوار کی خدمت میں پہنچے۔ مظلوموں کے بادشاہ نے اپنے ہاتھ سے انہیں مسلح کیا اور ایک روایت کے مطابق رسول معظمؐ کا عمامہ ان کے سر پر باندھا.....اور انہیں میدان جنگ کی طرف روانہ فرمایا (تذکرۃ الشہداء/۱۹۷)

کتاب مستطاب ''روضہ الاحباب'' میں منقول ہے کہ امام مظلومؑ نے اپنے ہاتھوں سے علی اکبرؑ کو اسلحہ سے لیس کیا اور اپنی آہنی کلاہ ان کے سر پر رکھی اور چمڑے کا وہ کمر بند جو شیر خدا علی المرتضیٰؑ کی یادگار تھا' ان کی کمر مبارک پر باندھا (اور اس کے میان میں مصری تلوار حمائل کی) عقاب نامی گھوڑا سواری کے لئے دیا اور اس طرح انہیں میدان جنگ کی طرف روانہ فرمایا:

(ناسخ التواریخ: ۲/۳۵ اور یہی مضمون ریاض القدس میں ہے: ۲/۷)

حمید کہتا ہے۔ میں نے دیکھا کہ حسینؑ شدت غم سے کبھی بیٹھ جاتے ہیں اور کبھی کھڑے ہو جاتے ہیں۔ آپ نے اپنا سر آسمان کی طرف بلند کیا اور فرمایا: خدایا گواہ رہنا کہ میں نے علیؑ کو اپنے نانا کی امت پر قربان کر دیا۔

خدا بسوز دلم واقفی کہ جانم رفت
زجان عزیز ترم اکبرؑ جوانم رفت

(انوار الشہادۃ/۱۵۱ ف ۱۳)

شہزادہ علی اکبرؑ میدان جنگ میں پہنچے، دشمن کا لشکر ان کے نورانی حسن کو دیکھ کر ششدر رہ گیا۔ آپؑ میدان جنگ میں پہنچتے ہی اس ملعون سپاہ پر ٹوٹ پڑے اور شجاعت حیدری کی حامل قوت بازو سے داد شجاعت دی۔ اور یہ رجز پڑھا:

أَنَا عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيّ
نَحْنُ وَبَيْتِ اللّٰهِ أَوْلٰى بِالنَّبِيّ

میں علی کا پوتا' حسین کا بیٹا علی ہوں۔ خدا کی قسم میں ہر شخص سے زیادہ اولاد پیغمبر ہوں۔

پس حملہ فرمایا اوران نامرد ظالموں کو قتل کیا۔ آپ جس جانب رخ فرماتے اس گروہ کو خاک ہلاکت میں ملا دیتے۔ آپ نے اس قدر سپاہ دشمن کو قتل کیا کہ گریہ وشیون کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔ سند معتبر کے ساتھ روایت ہے کہ آپؑ نے اس پیاس کی حالت میں ایک سو بیس (۱۲۰) افراد کو واصل جہنم کیا اس دوران میں سورج کی حرارت، پیاس کا غلبہ زخموں کی کثرت اور اسلحہ کی سنگینی نے آپ کو مشکل میں ڈال دیا لہٰذا امام عالی مقامؑ کی کی خدمت میں پہنچے اور عرض کیا:

يا اَبَةِ، اَلْعَطَشُ قَدْقَتَلَنِيْ وَثِقْلُ الْحَدِيْدِ اَجْهَدَنِيْ، فَهَلْ اِلٰى شَرْبَةٍ مِنْ الْمَاءِ سَبِيْلٌ؟ اَتَقَوّٰى بِهَا عَلَى الْاَ عْدَاءِ.

"اے والد گرامی پیاس کی شدت نے مجھے مار ڈالا ہے، اور اسلحہ کی سنگینی اس قدر باعث زحمت ہے کہ اسے اٹھانے کی سکت نہیں رکھتا۔ کیا آپؑ پانی کے چند قطروں کی سبیل کر سکتے ہیں؟ تاکہ میں دشمن سے دفاع کے لئے قوت حاصل کرسکوں"۔

کثیر بن شاذان سے منقول ہے کہ اس نے کہا: ایک دن میں خدمت امامؑ میں حاضر تھا کہ آپؑ کے بیٹے علی اکبرؑ نے اپنے والد گرامی سے بغیر موسم کے انگوروں کی درخواست کی۔ امام حسینؑ نے بطریق اعجاز مسجد کے مینار سے انگور اور موز (کیلے) منگوائے اور علی اکبرؑ کو دیتے ہوئے فرمایا:

مَاعِنْدَ اللّٰهِ لِاَ وْلِيَائِهِ اَكْبَرُ.

(فرسان الھیجاء ۱/۲۹۹ مدینۃ المعاجز سے نقل کے ساتھ اور)

شاید اسی دلیل سے آپؑ نے اپنے والد بزرگوار سے پانی کا مطالبہ کیا تھا کہ آنحضرتؑ بطریق اعجاز آپؑ کو سیراب کریں گے اور آپؑ میدان جنگ میں پہنچ کر دشمنوں سے جہاد کریں گے۔

امام عالی مقامؑ نے گریہ فرمایا اور کہا:

يا بُنَيَّ يَعِزُّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ وَعَلَيَّ اَنْ تَدْعُوْ هُمْ فَلَا يُجِيْبُوْكَ وَتَسْتَغِيْثُ بِهِمْ فَلَا يُغِيْثُوْكَ.

"اے میرے بیٹے رسول خدا علی المرتضیٰ اور مجھ پر بہت دشوار ہے کہ تم بلاؤ تو تمہاری دعوت قبول نہ کریں اور تم استغاثہ کرو تو وہ تمہاری فریاد رسی کو نہ پہنچیں (سید بن طاؤس کی روایت کے مطابق) آپؑ نے فرمایا: میری جان! تھوڑی سی جنگ کرو جلد ہی تم اپنے جد سے ملاقات کرو گے، اور وہ پانی سے لبریز جام تمہیں دیں گے کہ اس کے بعد تم کبھی پیاس محسوس نہیں کرو گے۔

علی اکبرؑ واپس میدان کارزار میں پہنچے اور مزید اسی (۸۰) افراد کو واصل جہنم کیا۔اس طرح آپؑ کے ہاتھ سے قتل ہونے والوں کی تعداد دوسو افراد تک پہنچ گئی۔

کوفی شہزادہ علی اکبرؑ کے قتل سے احتراز کر رہے تھے، لیکن مرہ بن منقذ عبدی ملعون نے آپؑ پر نگاہ بد ڈالی اور کہا:

اگر یہ دوبارہ حملہ کرے تو میں اس کے باپ کے دل پر اس کا داغ مفارقت نہ لگاؤں تو عرب کا گناہ میری گردن پر ہو۔(جبکہ آپ بارہ حملے فرما چکے تھے)

(زیارت ناحیہ مقدسہ (بحارالانوار: ۶۵/۴۵) اور دیگر متعدد کتب میں مثلاً ارشاد شیخ مفیدؒ مقتل مقرم، مثیر الاحزان، کامل ابن اثیر، تاریخ طبری (۴۴۶/۵)

اخبار الطوال اور مقاتل الطالبین کے متن کے مطابق مرہ بن منقذ تحریر ہے لیکن مرحوم سید بن طاؤس کی لہوف مقتل عوالم اور بحارالانوار (۴۴/۵۴ میں منقذ بن مرہ مذکور ہے۔

چنانچہ اس بار جب آپؑ نے حملہ فرمایا تو اس ملعون نے سر راہ آپؑ پر نیزے سے حملہ کر دیا۔اور آپؑ کو خاک پر گرا دیا۔لشکر نے آپ کے گرد گھیرا باندھ لیا اور تلواروں سے آپؑ کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

بحارالانوار کی روایت کے مطابق مرہ بن منقذ نے آپ کے فرق مبارک پر ضرب لگائی جس سے آپؑ تاب و توانائی کھو بیٹھے۔لشکر نے آپؑ پر تلواروں سے حملہ کر دیا آپؑ نے اپنے گھوڑے کی گردن میں ہاتھ ڈال دیئے اور گھوڑا (جس کی آنکھ میں تیر لگ گیا تھا یا پھر شہزادے کا خون بہہ کر اس کی آنکھوں میں پڑ گیا

تھا) دشمن کے لشکر کے درمیان میں لے گیا۔

فَقَطَّعُوهُ بِسُيُوفِهِمْ اِرْبًا اِرْبًا .

"لشکر سعد نے اپنی تلواروں سے آپ کے جسم کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

جب جان آپ کے گلوئے اقدس میں آن اٹکی تو آپ نے فریاد کی:

يا أَبَتَاهُ هٰذَا جَدِّيْ (رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمْ قَدْ سَقَانِيْ بِكَاسِهِ الْاَوْفٰى شَرْبَةً لاَ أَظْمَأُ بَعْدَهَا أَبَدًا وَهُوَ يَقُوْلُ :اَلْعَجَل اَلْعَجَلَ فَاِنَّ لَکَ کَاسًا مَذْخُوْرَةً حَتّٰى تَشْرَبَهَا السَّاعَةَ .

"بابا جان! یہ میرے جد رسول خداؐ ہیں جو مجھے (کوثر کا) لبریز جام پلا رہے ہیں کہ میں دوبارہ کبھی پیاسا نہ ہوں، اور وہ فرماتے ہیں: جلدی کیجئے کہ تمہارے لئے جام شربت تیار ہے، اسے اسی وقت نوش کیجئے۔ سید ابن طاؤس کی روایت کے مطابق شہزادہ علی اکبرؑ نے آواز دی:

يااَبَتَاهُ، عَلَيْکَ اَلسَّلاَمُ ، هٰذَاجَدِّيْ (رَسُوْلُ اللّٰهِ) يُقْرِئُکَ اَلسَّلاَمُ وَيَقُوْلُ لَکَ :عَجِّلِ الْقُدُوْمَ عَلَيْنَا .

بابا جان خدا حافظ! یہ میرے جد رسول اللہ ہیں وہ آپؑ کو سلام کہتے ہیں اور مجھ سے فرماتے ہیں: جتنی جلدی ممکن ہو میرے پاس آجاؤ۔ پھر آپؑ نے فریاد بلند فرمائی اور آپکا طائر روح قفس عنصری سے پرواز کر گیا۔

امام حسینؑ آپ کی لاش پر پہنچے اور آپؑ کے سرہانے بیٹھ کر

وَوَضَعَ خَدَّهُ عَلٰى خَدِّهٖ وَقَالَ قَتَلَ اللّٰهُ قَوْمًا قَتَلُوْکَ مَا أَجْرَاهُمْ عَلَى اللّٰهِ وَعَلَى انْتِهَاکِ حُرْمَةِ الرَّسُوْلِ عَلَى الدُّنْيَا بَعْدَکَ الْعَفٰى .

اپنے چہرے کو علی اکبرؑ کے چہرے پر رکھا اور فرمایا خدا اس گروہ کو قتل کرے جس نے تمہیں قتل کیا۔ یہ لوگ خداوند قدوس اور اس کے پیغمبر کی حرمت کو توڑنے میں کس قدر بے باک ہیں۔ تمہارے بعد دنیا پر خاک "روضۃ الصفا" میں تحریر ہے

کہ امام حسینؑ اپنے جوان بیٹے کی لاش پر بلند آواز سے گریہ فرما رہے تھے، یہاں تک کہ کوئی بھی دشمن ایسا نہیں تھا جس نے آپ کے گریہ کی آواز نہ سنی ہو"۔

(بحارالانوار: ۴۵/۴۳، لہوف ۱/۱۳۱، مقتل خوارزمی: ۲/۳۰، نفس المہموم ۱/۳۰۸)

جب کہ ابومخنف رقم طراز ہیں: پس آپؑ نے اس قوم مارقین پر حملہ کر دیا اور ایک سو اسی افراد کو واصل جہنم کیا۔ ایک طرف ایک ملعون چھپا بیٹھا تھا، اس نے آپ کے سر مبارک پر آہنی عمود مارا آپؑ سر کے بل زمین پر آ گرے اور آپؑ نے آواز دی: بابا جان! خدا حافظ، یہ میرے جد رسول اللہ اور امیر المومنینؑ ہیں اور یہ میری جدہ فاطمۃ الزہراؑ اور خدیجۃ الکبریٰ ہیں کہ فرما رہے ہیں "اَلْعَجَلَ" ہم تمہارے دیدار کے مشتاق ہیں۔ (مقتل ابی مخنف ۱/۱۲۷، وقائع الایام خیابانی ۱/۳۹۸)

مرحوم واعظ قزوینی شیخ عاملی کے مقتل سے نقل فرماتے ہیں کہ جب حضرت امام حسینؑ علی اکبرؑ کی لاش سے چند قدم کے فاصلے پر تھے تو آپ نے خود کو گھوڑے سے گرا دیا۔ اور زانو بہ زانو چلتے ہوئے بیٹے کی لاش پر پہنچے آپ کی پہلی نگاہ علی اکبرؑ کی پارہ پارہ لاش پر پڑی آپؑ نے دیکھا کہ ظالموں نے علی اکبر کے کسی عضو بدن کو سالم نہیں چھوڑا، اور تیروں تلواروں، نیزوں اور خنجروں سے آپ کے جسم اطہر کو چھلنی کر دیا ہے اس کے بعد:

صَاحَ الْاِمَامُ سَبْعَ مَرَّاتٍ.

امامؑ نے سات مرتبہ فریاد بلند کی۔

آہ! وَاوَلَدَاہُ، آہ وَاعَلِیَّاوَ ثَمَرَۃَ فُؤَادَاہُ، وَلَدِیُ قَتَلُوْکَ

یَا کَوْکَبًا مَا کَانَ أَقْصَرَ عُمْرَہُ
وَکَذَا تَکُوْنُ کَوَاکِبُ الْاَسْحَارِ

ہائے میرے بیٹے، ہائے علی (اکبرؑ) ہائے میرے میوۂ دل اے میرے ستارے! کتنی جلدی! تمہاری عمر ختم ہوگئی صبح کے ستارے ایسے ہی ہوتے ہیں۔

علی اکبرؑ اپنے بابا سے بات کیجئے۔

فَجَعَلَ یَمْسَحُ الدَّمَ عَلٰی ثَنَایَاہُ الشَّرِیْفَۃِ.

مولا حسینؑ نے اپنے دست مبارک سے بیٹے کے دانتوں سے خون کو صاف کیا اور علی اکبرؑ کے دانتوں کو بوسے دینا شروع کئے۔ پھر فرمایا:

فَاِذَا نَطَقْتُ فَأَنْتَ مَنْطِقِیْ، وَاِذَاسَکَتُّ فَأَنْتَ فِیْ مِضْمَارِیْ وَلَدِیْ وَلَدِیْ وَلَدِیْ وَلَدِیْ فَوَضَعَ خَدَّهٗ عَلٰی خَدِّهٖ وَقَالَ: أَمَّا أَنْتَ فَقَدِ اسْتَرَحْتَ مِنْ هَمِّ الدُّنْیَا وَغَمِّهَا وَصِرْتَ اِلٰی رُوْحٍ وَرَاحَةٍ وَبَقِیَ أَبُوْکَ فَرِیْدًا وَحِیْدًاوَمَا أَسْرَعَ لُحُوْقِیْ بِکَ.

''جب میں بات کروں گا تو تو میرا ورد زبان ہوگا اور جب میں سکوت کروں گا تو تو میرا نقش دِل ہوگا۔ میرے بیٹے! میرے بیٹے! میرے بیٹے! میرے بیٹے! پھر چہرۂ مبارک کو علی اکبرؑ کے چہرے پر رکھا اور فرمایا: تمہیں دنیا کے رنج وغم سے راحت مل گئی اور تم رحمت خدا کی طرف اور بہشت کی جانب چل دیئے لیکن تمہارا باپ یکہ وتنہا ہے۔ جلد ہی میں بھی تمہارے پاس آنے والا ہوں۔ (ریاض القدس:۲/۲۲)

امام جعفر صادق علیہ السلام آپ کی زیارت میں فرماتے ہیں:

بِأَبِیْ أَنْتَ وَأُمِّیْ مِنْ مَذْبُوْحٍ وَمَقْتُوْلٍ مِنْ غَیْرِ جُرْمٍ، بِأَبِیْ اَنْتَ وَاُمِّیْ دَمُکَ الْمُرْتَقٰی بِهٖ اِلٰی حَبِیْبِ اللّٰهِ، بِأَبِیْ أَنْتَ وَأُمِّی مِنْ مُقَدَّمٍ بَیْنَ یَدَیْ أَبِیْکَ، یَحْتَسِبُکَ وَیَبْکِیْ عَلَیْکَ، مُحْتَرِقاً عَلَیْکَ قَلْبُهٗ، یَرْفَعُ دَمَکَ بِکَفِّهٖ اِلٰی أَعْنَانِ اَلسَّمَاءِ ،لاَ یَرْجِعُ مِنْهُ قَطْرَةٌ، وَلاَ تَسْکُنُ عَلَیْکَ مِنْ أَبِیْکَ زَفْرَةٌ''

''اے کٹے سر والے اور بے جرم مقتول میرے ماں باپ آپؑ پر قربان کہ آپؑ کا خون حبیب خدا تک بلندی پر پہنچ گیا۔ میرے ماں باپ آپؑ پر قربان کہ آپؑ اپنے باپ کے سامنے میدان جنگ میں گئے اور انہوں نے آپؑ کو راہ خدا میں فدیہ کیا۔ آپؑ پر گریہ فرمایا، دل سوزی کی اور آپؑ کے خون کو خود اپنے ہاتھ سے آسمان کے دل پر چھڑک دیا۔ جس سے ایک قطرہ بھی واپس نہیں آیا اور آپ کے

بابا کی آپؑ کے لئے نالہ زاری ختم نہیں ہوئی۔

(کامل الزیارات ۲۳۹/ ب ۷۹ اٹھارہویں زیارت سے اقتباس)

روایت میں ہے کہ جب علی بن الحسینؑ کربلا میں شہید ہوگئے تو امام حسینؑ جبہ پہنے اور دونوں طرف لٹکے ہوئے عمامے کے ساتھ ان کے سرہانے پہنچے اور فرمایا:

أَمَّا أَنْتَ یَا بُنَیَّ فَقَدِ اسْتَرَحْتَ مِنْ كَرْبِ الدُّنْیَا وَغَمِّهَا وَمَا أَسْرَعَ اللُّحُوقَ بِكَ.

"اے میرے بیٹے تجھے دنیا کے رنج وغم سے نجات مل گئی اور میں بھی جلد ہی تجھ سے ملنے والا ہوں۔ (منتخب طریحی: ۲/۳۱۵ م ۹)

چون علی اکبرؑ شہید کربلا
نور چشم انبیاء و اولیاء
دیدگان سلطان اقلیم وجود
خالق جان مالک غیب و شہود
ماندہ ہمچون ذات خود فرد و وحید
جملہ اصحابش ز تیغ کین شہید
شستہ دل یکجا ز نقش ماسویٰ
دل ندارد باکس غیر خدا

سید بن طاؤس تحریر کرتے ہیں۔ پس امام حسینؑ نے گھوڑا منگوایا اور تیزی کے ساتھ لشکر کی صفوں کو چیرتے، لوگوں کو ہٹاتے، علی اکبرؑ علی اکبرؑ کہتے، جب ان کے سرہانے پہنچے تو گھوڑے سے اتر آئے، بیٹے کو سینے سے چمٹا لیا اور اپنا چہرۂ مبارک ان کے چہرے پر رکھا۔ علی اکبرؑ نے آنکھ کھولی اور عرض کیا: پدر بزرگوار! میں دیکھ رہا ہوں کہ آسمان کے دروازے کھول دیئے گئے ہیں اور حوران جنت نازل ہو رہی ہیں، ان کے ہاتھوں میں شربت سے لبریز جام ہیں اور وہ مجھے اپنی طرف بلا رہی ہیں۔ اب جب کہ میں ان کی طرف عازم سفر ہوں، میں چاہتا ہوں کہ یہ بے یار و مددگار بیبیاں

میرے سوگ میں اپنے چہرے نہ نوچیں ۔ یہ کہا اور خاموش ہو گئے ۔ (ناسخ التواریخ:۲/۳۵۵)

امام عالی مقامؑ اس جواں مرگ کے سرہانے بیٹھ گئے ۔آپؑ اس داغ مفارقت سے خاک نشین اور دل سوز تھے اور آپ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے ۔آپؑ کا سینہ غم سے لبریز تھا، اعضاء جوارح شکستہ حال تھے اور استخوان لرزا براندام تھے ۔ دل دنیا سے بھر چکا تھا۔روز روشن آپؑ کی نظروں میں شب تار بن چکا تھا۔ آپؑ جان سے سیر اور زندگی سے دل برداشتہ ہو چکے تھے کبھی صدا بلند کرتے تھے کبھی کچھ پوچھتے تھے لیکن کچھ جواب نہ ملتا تھا۔کبھی علی اکبرؑ کے قاتل پر نفرین کرتے تھے، کبھی ان کے لب و دندان سے خون صاف کرتے تھے' کبھی اپنا چہرہ ان کے زخموں پر ملتے تھے ۔کبھی فرماتے تھے: تو نے بوڑھے باپ کو تنہا چھوڑ دیا، یا کہتے تھے: میں بھی بہت جلدی تم تک پہنچنے والا ہوں ۔ جوانان بنی ہاشم نے علی اکبرؑ کے گرد حلقہ ماتم باندھ لیا' انہوں نے گریبان چاک کر لئے اور اپنے سینوں کو زخمی کر لیا۔

حمید بن مسلم کہتا ہے: میں نے آفتاب کی طرح روشن چہرے والی ایک خاتون کو دیکھا۔ وہ نہایت بے تابی سے خیمہ سے دوڑتی ہوئی باہر نکلیں اور فریاد و واویلا کرتے ہوئے کہنے لگیں: اے اخیار کی آنکھوں کے نور اور میرے میوۂ دل اور نور چشم! پھر اس شہزادہ کے جسد مطہر پر گر گئیں۔

میں نے پوچھا: یہ خاتون کون ہیں؟ جواب ملا زینبؑ بنت علیؑ ہیں۔پس آنحضرتؑ نے بہن کا ہاتھ پکڑا اور انہیں خیمے کی طرف واپس لے کر چلے ۔اس وقت جوانوں پر نگاہ ڈالی اور فرمایا: "اِحْمِلُوْ اَخَاکُمْ" "اپنے بھائی کو سنبھالو۔شہزادہ علی اکبرؑ کی لاش کو قتل گاہ سے اٹھا کر ایک خیمے میں لایا گیا۔ (بحار الانوار: ۴۵/۴۴ جلاء العیون ۲۰۶/)

شیخ مفیدؒ نقل فرماتے ہیں کہ امام حسینؑ کی بہن زینبؑ خیمے سے دوڑتی ہوئی باہر آئیں اور فریاد بلند کی:

یا اُخَیَّاهُ وَابْنَ اُخَیَّاهُ .

"اے میرے بھائی اور اے میرے بھائی کے بیٹے!

بے تابی سے اپنے آپ کو لاش علی اکبرؑ پر گرا دیا۔

امام حسینؑ نے بہن کے سر کو اٹھایا اورانہیں واپس خیمہ کی طرف لے کر چلے، اور اپنے جوانوں کو حکم دیا کہ اپنے بھائی کو اٹھالاؤ۔ جوانان بنی ہاشم پہنچے، علی اکبرؑ کو اٹھایا اور جس خیمے کے نزدیک جنگ ہورہی تھی اس میں لاکر زمین پر لٹا دیا۔ (ارشاد:۲/۱۱۰)

عمارہ بن واقد کہتا ہے: میں نے اس حال میں ایک بی بی کو دیکھا جو خیام حسینی سے باہر آئی اور ندا کی۔

وَاوَلَدَاهُ ، وَمُهْجَةَ قَلْبَاهُ، يَالَيْتَنِيْ كُنْتُ قَبْلَ هٰذَا الْيَوْمِ عَمْيَاءَ، اَوْكُنْتُ وُسِدْتُ تَحْتَ أَطْبَاقِ الثَّرٰى.

''اے میری ماں کے پیارے! کاش میں اس سے پہلے اندھی ہو چکی ہوتی۔
یا مر چکی ہوتی اور آپ کی اس حالت کو نہ دیکھتی۔

جب وہ اس لاش کے نزدیک پہنچی تو خود کو اس کے اوپر گرادیا۔ سیدالشہداءؑ تشریف لائے اپنی عبائے مبارک اس کے سر پر ڈالی اور اس کا ہاتھ پکڑ کر خیمے کی طرف لے گئے (مہیج الاحزان/۲۱۵-۱۰۴)

بعض معتبر کتابوں میں شیخ مفیدؒ سے روایت ہے اورانہوں نے اپنی اسناد کے ساتھ جابر بن عبداللہ انصاری سے روایت کی ہے کہ جب علیؑ بن الحسینؑ شہید ہوگئے تو امامؑ گریہ و نالہ بلند کرتے ہوئے خیمے میں پہنچے۔ آپؑ پر مایوسی کی حالت چھائی ہوتی تھی کہ اتنے میں شہزادی سکینہؑ نے آکر عرض کیا:

مَالِيْ أَرَاكَ تَنْعِيْ نَفْسَكَ وَتُدِيْرُ طَرْفَكَ أَيْنَ أَخِيْ عَلِيٌّ .

آپؑ کو کیا ہوگیا ہے؟ مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ آپؑ کی روح پرواز کرنے والی ہے اور جان نکلنے والی ہے۔ پھر شہزادی نے ادھر ادھر دیکھا اور فرمایا: میرے بھائی علی اکبرؑ کہاں ہیں۔

امام عالی مقامؑ نے فرمایا: ان لعینوں نے انہیں قتل کر دیا۔ سکینہؑ یہ خبر سن کر فریاد کرنے لگیں: ''وَااَخَاهُ وَامُهْجَةَ قَلْبَاهُ'' یہ کہتے ہوئے شہزادی باہر نکلی اور چاہتی تھی کہ خیمے سے باہر چلی جائے لیکن امامؑ نے منع فرمایا اور کہا: اے سکینہ!

اِتَّقِيْ اللّٰهَ وَاسْتَعْمِلِيْ الصَّبْرَا.

''تقویٰ اختیار کرو اور صبر کرو''

شہزادی نے کہا:

يا أبَتاهُ كَيفَ تَصبِر مَنْ قُتِلَ أخُوها وَشُرِدَ أبُوها.

''بابا جان! وہ کس طرح صبر کرے، جس کے بھائی کو قتل کر دیا گیا ہو اور جس کا باپ بے حال ہو گیا ہو''

امامؑ نے فرمایا:

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ . (مہیج الاحزان ۲۱۶ وقائع الایام خیابانی ۳۲)

شیخ صدوقؒ حاجب ابن زیاد سے نقل فرماتے ہیں:

کہ جب سر حسینؑ کو ابن زیاد کے سامنے پیش کیا گیا تو اس نے حکم دیا کہ اسے طلائی طشت میں رکھ کر میرے پاس رکھو۔ پھر اس نے آپؑ کے دندان مبارک پر چھڑی مارتے ہوئے کہا:

''اے ابا عبداللہ آپ کتنی جلدی بوڑھے ہو گئے'' (امالی صدوق ۱۶۵/۱۶۵م۳۱ح۳)

اور کہا جاتا ہے کہ حضرت زینب کبریٰ نے اس کے جواب میں فرمایا: اے ابن زیاد! میرا بھائی بوڑھا نہ ہوتا لیکن علی اکبرؑ کے داغ مفارقت نے اسے بوڑھا کر دیا۔

قَالَ ابْنُ اَبِيْ لَيْلٰى لِلصَّادِقِ عَلَيْهِ السَّلاَمُ : اَيُّ شَيْئٍ اَحْلٰى مِمَّا خَلَقَ اَللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ ؟ فَقَالَ عَلَيْهِ السَّلاَمُ اَلْوَلَدُ الشَّابُ فَقَالَ اَيُّ شَيْءٍ اَمَرُّ مِمَّا خَلَقَ اللّٰهُ؟ فَقَالَ : فَقْدُهُ . فَقَالَ : اَشْهَدُ اَنَّكُمْ حُجَجُ اللّٰهِ عَلٰى خَلْقِهِ.

''ابن ابی لیلیٰ نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا: خدائے عزوجل کی مخلوقات میں سے کون سی شے سب سے میٹھی ہے؟ امام نے فرمایا: جوان بیٹا۔

اس نے عرض کیا:

خدا کی مخلوقات میں سے سب سے تلخ چیز کون سی ہے؟

امامؑ نے فرمایا: اس جوان کو کھو دینا۔ پس اس نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؑ لوگوں کے لئے حجت خدا ہیں۔ (من لا یحضرہ الفقیہ ۱۱۷۸/ح ۵۶۹:۱ /۵۶۹ا۸۸)

شیخ محمد مہدی مازندرانی نے شہزادہ علی اکبرؑ کی شہادت کے بارے میں بہت نفیس مطالب بیان فرمائے ہیں، ہم انہیں اختصار کے ساتھ نقل کرتے ہیں:

(۱) جب شہزادہ علی اکبرؑ میدان جنگ میں جانے لگے تو امام حسینؑ نے عمر سعد سے خطاب فرمایا:

قَطَعَ اللّٰہُ رَحِمَکَ ...... کَمٰا قَطَعَ رَحِمِی.

''خدا تیرے رحم کو قطع کرے جس طرح تو نے ہم سے قطع رحم کیا۔

کیونکہ عمر سعد علی اکبرؑ کی والدہ جناب لیلیٰ کی خالہ کا بیٹا تھا اور آپ سے رشتہ داری رکھتا تھا (عمر سعد نے کربلا سے واپسی پر یہی مفہوم ابن زیاد سے بیان کیا)

میں نے اپنے رحم کو قطع کیا اور اپنے دشمن سے مل کر اپنے پروردگار کی مخالفت کی۔

بعض اہل منبر کلام امام کا اس طرح ترجمہ کرتے ہیں: چونکہ تو نے میری نسل کو قطع کیا اس لئے تمہاری (ہی) نسل قطع ہوگی۔اس میں یہ اشارہ ہے کہ امام حسینؑ کی نسل تا ابد قطع نہ ہوگی اور آپؑ کی نسل سے انوار حسینی، سادات، کثرت کے ساتھ روئے زمین پر آباد ہوں گے۔جب کہ اس سے (حقیقی) مراد یہ ہے کہ تو نے مجھ سے قطع رحمی کی خدا تجھ سے قطع تعلق کرے۔

(۲) مقاتل میں مذکور ہے:

اِحۡتَمَلَہُ الۡفَرَسُ اِلیٰ مُعَسۡکَرِ الۡاَعۡدٰاءِ.

کلمہ ''احتمل'' چونکہ باب افتعال میں سے ہے جو اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ شہزادہ علی اکبرؑ تلوار کے زخموں کی کثرت کے سبب سکت نہ رکھتے تھے کہ گھوڑے کی پشت پر بیٹھ سکتے اور گھوڑے نے آپؑ کو بڑی مشکل سے اٹھا رکھا تھا۔جب آپ کی گردن سے بہنے والا خون گھوڑے کے چہرے اور آنکھوں میں گرا تو وہ آپؑ کو دشمن کے لشکر میں لے گیا، اور ان لعینوں نے اپنی تلواروں سے آپ کو پارہ پارہ کر دیا۔اب گھوڑے میں طاقت نہیں رہی تھی اور اس نے آپ کو زمین پر گرا دیا۔

(۳) اس مظلومؑ کی زیارت کی حسب ذیل عبارت ہے:

يَرْفَعُ دَمَكَ بِكَفِّهِ اِلَى عِنَانِ السَّمَاءِ.

یہ مفہوم سمجھ میں آتا ہے کہ امام عالی مقامؑ نے آپ کا خون آسمان کی طرف اچھال دیا۔

(۴) جس وقت عمر سعد نے اپنے لشکر کو شہزادہ علی اکبرؑ سے جنگ کا حکم دیا تو اہل کوفہ میں سے کچھ لوگوں نے اس ملعون کو سرزنش کی اور کہا: تو ہمیں اس شخص سے جنگ کا حکم دے رہا ہے جو ہم شکل رسولؐ ہے اور ان میں سے کچھ نے سید الشہداء کی اس بڑی مصیبت کے لئے آپؑ کے حال زار پر گریہ کیا۔

(۵) بعض تحریر کرتے ہیں کہ حضرت زینبؑ عالیہ شہزادہ علی اکبرؑ کے سرہانے اپنے بھائی کے پاس آئیں۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ اگر امام حسینؑ علی اکبرؑ کو اسی طرح دیکھتے رہے تو روح ان کے بدن سے پرواز کر جائے گی اور علی اکبرؑ کی شہادت کا داغ انہیں مار ڈالے گا لہٰذا حضرت زینبؑ چاہتی تھیں کہ اپنے بھائی کو اپنے ساتھ مشغول گفتگو کریں تا کہ وہ زندہ رہ سکیں۔

(۶) جب سکینہؑ نے دیکھا کہ اس کے بابا کی حالت جان نکلنے کے قریب ہے تو فرمایا: (اَیْنَ اَخِی عَلِی) میرے بھائی علی کہاں ہیں؟ ان کے کہنے کا مقصد یہ تھا کہ میرے ہم شکل رسولؐ بھائی کہاں ہیں جن پر نگاہ ڈالنے سے میرے بابا کے تمام رنج وغم زائل ہو جاتے ہیں۔ اب وہ کہاں ہیں کہ ان پر بابا کی نظر پڑے۔ حضرت نے جواب میں فرمایا: ذلیلوں نے انہیں قتل کر دیا ہے۔

(۷) شیخ جعفر شوشتریؒ کہتے ہیں کہ شہزادہ علی اکبرؑ کی شہادت کے وقت امام حسینؑ تین مرتبہ قریب المرگ ہوئے:

اول: جب شہزادہ علی اکبرؑ اپنے بابا کے سامنے آئے اور اجازت مانگی تو آنحضرت نے آپ کو اجازت دی اور جنگی لباس پہنایا اور مسلح کر کے عقاب نامی گھوڑے پر سوار کرایا۔ مخدرات عصمت خیموں سے باہر آگئیں اور شہزادے کے گرد جمع ہوگئیں۔ پھوپھیوں اور

بہنوں نے علی اکبرؑ کے گھوڑے کی لگاموں کو پکڑ لیا اور انہیں میدان جنگ میں جانے سے روکنے لگیں۔ (یہ منظر دیکھ کر) امام مظلومؑ کی حالت دگرگوں ہوگئی' نزدیک تھا کہ آپؑ کی جان نکل جائے۔آپؑ نے آواز بلند کی :اسے جانے دو:

فَإِنَّهُ مَمْسُوسٌ فِي اللّٰهِ وَمَقْتُولٌ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ

کہ وہ (عشق) خدا میں غرق ہے۔اور راہ خدا میں قتل ہوگا۔پس آپ نے شہزادے کے ہاتھ کو پکڑا اور انہیں خواتین کے درمیان سے باہر نکالا' پھر ان پر مایوسانہ نگاہ ڈالی۔

دوم: جس وقت شہزادہ علی اکبرؑ زخموں سے چور چور میدان جنگ سے لوٹے تو ان کی زرہ کے حلقوں میں سے خون جاری تھا اور گرمی اور پیاس سے برا حال تھا۔اس حال میں امامؑ کے پاس پہنچ کر کہا:

يَا أَبَةَ الْعَطَشُ قَدْقَتَلَنِي .

''اے بابا جان! پیاس نے مجھے قتل کر دیا۔

امام مظلومؑ نے اپنے جوان بیٹے کو سینے سے چمٹایا اور گریہ فرمانے لگے نزدیک تھا کہ رنج وغم کی شدت سے آپؑ کی روح پرواز کر جائے، کیونکہ آپ اپنے بیٹے کی پیاس نہ بجھا سکے تھے۔

سوم: جب شہزادہ علی اکبرؑ فرش زمین پر گرے اور فریاد بلند کی:

بابا جان! خدا حافظ جناب سکینہؑ فرماتی ہیں: جب میرے بابا نے ان کی آواز سنی تو قریب تھا کہ آپ مرجاتے۔قریب المرگ شخص کی طرح آپ کی آنکھوں کی پتلیاں پھر گئیں۔ آپ نے اطراف خیمہ پر نگاہ ڈالی اور نزدیک تھا کہ آپ کی روح جسد مبارک سے پرواز کر جائے۔خیموں میں آواز پہنچی: میرے بیٹے جنہوں نے تجھے قتل کیا خدا انہیں قتل کرے۔

جب حضرت زینبؑ نے یہ آواز سنی تو فریاد کی:

يَاحَبِيْبَ قَلْبَاهُ وَالثَّمَرَةَ فُؤَادَاهُ

کاش میں اس دن سے پہلے اندھی ہوگئی ہوتی۔تمام مستورات مل کر نالہ وفریاد

کرنے لگیں۔ امامؑ نے ان سے فرمایا:

خاموش ہو جاؤ، تمہیں ابھی بہت سے مقامات پر رونا ہے۔

(۸) ناسخ التواریخ میں مذکور ہے کہ امام حسینؑ نے گھوڑے کو دوڑایا۔ آپؑ دشمن کے لشکر کی صفوں کو چیرتے ہوئے اور لوگوں کو پراگندہ کرتے ہوئے مسلسل فریاد بلند کر رہے تھے:

"وَلَدِیْ عَلِی "اے میرے بیٹے علی اکبرؑ (اس کے بعد کی روایت قبل ازیں مذکور ہو چکی ہے)

(۹) مرحوم شیخ حسین بحرانی اپنی کتاب الفوادح الحسینیہ میں اس طرح رقم طراز ہیں: جب حضرت علی اکبرؑ نے مبارزہ طلبی فرمائی تو ایک شخص نے بھی ان سے جنگ کرنے کی جرات نہ کی ابن سعد ملعون نے طارق بن کثیر کو بلایا اور اس سے کہا:

ابن زیاد سے انعام وصول کرنے کے لئے اس جوان سے جنگ کرو اور اس کا سر اتار کر میرے پاس لاؤ۔

اس ملعون نے کہا: تو نے ابن زیاد سے "رے" کی سلطنت حاصل کی، میں اس جوان سے اس شرط پر جنگ کروں گا کہ تم اس سے میرے لئے موصل کی امارت طلب کرو۔ عمر سعد نے یہ بات قبول کی اور اپنی انگوٹھی اس کے پاس (بطور ضمانت) گروی رکھ دی۔ طارق آپؑ سے جنگ کے لئے نکلا، دونوں میں مقابلہ ہوا آپ نے اسے بھرپور وار کا نشانہ بنایا اور قتل کر دیا۔ پھر اس کا بھائی آپ سے جنگ کے لئے آیا شہزادہ علی اکبرؑ نے اس کی آنکھوں پر تلوار کا وار کیا اور اسے بھی قتل کر دیا۔ آپؑ کے مبارزہ پر کسی کو باہر آنے کی جرأت نہ تھی۔ یہاں تک کہ عمر سعد نے بآواز بلند کہا: کیا کوئی بھی نہیں جو اس سے جنگ کرے؟ بکر بن غانم آپؑ کی طرف بڑھا جب وہ ملعون آپؑ سے عازم جنگ ہوا تو امام عالی مقامؑ کے چہرے کا رنگ اتر گیا۔ علی اکبرؑ کی ماں لیلیٰ نے عرض کیا: کیا میرا بیٹا قتل کر دیا گیا۔ امامؑ نے فرمایا: نہیں۔ لیکن جو شخص علی اکبرؑ سے جنگ کے لئے آیا ہے میں اس سے ڈر رہا ہوں۔ جاؤ اپنے بیٹے کے لئے دعا کرو کیونکہ میں نے رسول خداؐ سے

سنا ہے کہ ماں کی دعا بیٹے کے حق میں مستجاب ہوتی ہے۔

لیلیٰ نے خیمے کے اندر اپنے سر سے چادر اتار دی اور اپنے جوان بیٹے کے لئے دعا کی اور بکر پر لعنت فرمائی حضرت علی اکبرؑ نے نگاہ دوڑائی تو دیکھا کہ بکر کی بغل کے نیچے زرہ میں سوراخ ہے۔ آپؑ نے اس جگہ پر تلوار کا ایسا وار کیا کہ اس کو دو ٹکڑے کر دیا اور وہ واصل جہنم ہوا:

ایک اور روایت میں ملتا ہے کہ جناب لیلیٰ نے اس طرح دعا کی۔

يَا رَادَّ يُوسُفَ عَلٰى يَعْقُوبَ مِنْ بَعْدِ الْفِرَاقِ، وَجَاعِلَهُ فِي الدَّهْرِ مَسْرُوْرًا، وَيَارَادَّ اِسْمَاعِيلَ اِلٰى هَاجَرَ، اِلٰهِي بِعَطَشِ اَبِيْ عَبْدِاللّٰهِ، اِلٰهِيْ بِغُرْبَةِ أَبِيْ عَبْدِاللّٰهِ، اُمْنُنْ عَلَيَّ بِرَدِّ اِبْنِيْ .

''اے وہ ہستی کہ جس نے یوسفؑ کو بعد از فراق یعقوبؑ سے ملا دیا اور ان کی زندگی مسرور ہوگئی' اور اے وہ ہستی کہ جس نے اسماعیلؑ کو ہاجرہ کو لوٹا دیا، پروردگار! اباعبداللہ الحسین کی غربت اور تشنگی کا واسطہ میرا بیٹا بحفاظت مجھے لوٹا دے۔

(۱۰) حجۃ الاسلام محمد اشرفی نقل کرتے ہیں کہ جب شہزادہ علی اکبرؑ شہید ہوگئے تو جناب لیلیٰ ننگے پاؤں خیمے سے نکلیں اور فریاد کی ''وَاوَلَدَاهُ'' ہائے میرا بیٹا۔

اس کی تائید میں بعض معتبر کتابوں میں ملتا ہے کہ جب شہزادہ علی اکبرؑ جنگ کرتے ہوئے شہید ہوگئے۔ تو آپ کی والدہ جناب لیلیٰ خیمے کی چوب کو پکڑے آپؑ کو دیکھ رہی تھیں۔

(۱۱) کچھ کتابوں میں ایک شخص سے حقائق مذکور ہیں' وہ کہتا ہے: میں اونٹ پر سوار مدینہ کے گلی کوچوں میں پھر رہا تھا' جب میں محلہ بنی ہاشم میں پہنچا تو میں نے ایک گھر سے جاں سوز گریہ و نالہ کی فریاد سنی میں سمجھ گیا کہ ایک عورت اس طرح فریاد کر رہی ہے' جیسے وہ اپنے بیٹے سے ہاتھ دھو بیٹھی ہو۔ نالہ و فریاد اس قدر تھے کہ انہیں سن کر میرا اونٹ بھی اپنی تاب و توانائی کھو بیٹھا۔

میں اونٹ سے اتر آیا اور کھڑا ہو کر انتظار کرنے لگا کہ کوئی گھر سے نکلے تو میں اس سے

سوال کروں۔ایک کنیز گھر سے باہر نکلی۔میں نے پوچھا کہ یہ کس کا گھر ہے؟اس نے کہا یہ امام حسینؑ کا گھر ہے' جو شہید ہو چکے ہیں۔

میں نے پوچھا: یہ رونے والی عورت کون ہے؟ اس نے جواب دیا: یہ علی اکبرؑ کی ماں لیلیٰ ہے جو صبح و شام اپنے بیٹے کے لئے گریہ کناں رہتی ہے۔(معالی السبطین: ۱/۲۵۳ تا ۲۵۶)

کیا علی اکبرؑ کی ماں لیلیٰ کربلا میں موجود تھیں؟

مرحوم محدث قمی تحریر کرتے ہیں: مادر علی اکبرؑ کربلا میں موجود تھیں یا نہیں تھیں، اس بارے میں کوئی معلومات نہیں ملتیں۔(نفس المہموم ۳۱۵)

یقیناً ان کی مراد یہ ہے کہ کوئی معتبر ثبوت نہیں ملتا۔اسی طرح کا تذکرہ منتہی الاعمال میں کیا گیا ہے۔لیکن بعض کتب مقاتل میں یہ وضاحت موجود ہے کہ جناب لیلیٰ کربلا میں موجود تھیں۔مجھ حقیر کی رائے میں جناب لیلیٰ کی کربلا میں موجودگی کے لئے دلیل کی ضرورت نہیں۔چونکہ امام حسینؑ پورے خاندان کو عورتوں اور بچوں کو اپنے ہمراہ مکہ اور وہاں سے کربلا لے گئے تھے' اس بنا پر اگر کہا جائے کہ امامؑ کی ایک بیوی کربلا میں نہیں تھیں تو اس کا ثبوت پیش کرنا ہوگا۔اور اگر لیلیٰ مدینہ یا مکہ میں رہ گئی تھیں تو پھر مورخین اس بات کا تذکرہ کرتے۔لیکن اگر کوئی کہتا ہے کہ لیلیٰ سانحہ کربلا سے پہلے فوت ہو چکی تھیں تو وہ قائل نہیں کر پاتا' اور اگر کسی نے ایسا کہا ہے تو یہ شاذ و نادر قول ہے۔ خطیب عالی قدر مرحوم سید مرتضیٰ جو کہ مقتل میں خصوصی تبحر رکھتے تھے۔اس بات کے معتقد تھے کہ جناب لیلیٰ کربلا میں موجود تھیں، اور انہوں نے اس ضمن میں پچیس معتبر منابع اور مآخذ سے ثبوت پیش کئے ہیں۔ابن شہر آشوب لکھتے ہیں: جب حضرت علی اکبرؑ خیمے میں واپس تشریف لے گئے تو ان کی والدہ نے انہیں دیکھا' لیکن ان کے پاس نہ بیٹھیں۔البتہ انہوں نے آپؑ کی ماں کا نام شہر بانو تحریر کیا۔ (مناقب: ۴/۱۰۹)

اور معالی السبطین میں منقول ہے کہ امام حسینؑ کے کہنے پر جناب لیلیٰ نے علی اکبرؑ کے لئے دعا فرمائی اور خداوند قدوس سے ان کی خیریت سے واپسی کے لئے التجا کی، اور اس مفہوم کی

تائید تمام مورخین اور مقتل نویسوں کے اس اتفاق سے ہوتی ہے کہ جناب علی اکبرؑ جنگ کو چھوڑ کر خیام میں واپس تشریف لائے تھے جبکہ یہ بات آپ کی شہادت کے شوق فراواں سے قطعاً مناسبت نہیں رکھتی۔ ناچار ہمیں کہنا پڑے گا کہ یہ ماں کی دعا ہی تھی جس کے سبب آپ خیام کی طرف لوٹے۔

اور اگر یہ عظیم خاتون کربلا میں موجود تھیں تو جب انہوں نے اپنے بیٹے کو خون میں غلطاں دیکھا ہوگا تو ان کے دل پر کیا گزری ہوگی!

ابو بصیر امام محمد باقر علیہ السلام اور امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

(جس طرح مشہور داستان ہے کہ حضرت ابراہیمؑ اپنے بیٹے کو ذبح کرنے پر مامور ہوئے اور آپ نے اپنے بیٹے کے گلے پر چھری رکھی، ابھی گلا کٹا نہیں تھا کہ آپ سے یہ ماموریت اٹھالی گئی)

جب ابراہیم نے سارہ کو اس واقع سے آگاہ کیا تو سارہ اٹھیں تو اور اپنے بیٹے کے زیر گلو چھری کے اثر کو ملاحظہ کیا۔

فَفَزِعَتْ وَاشْتَكَتْ وَكَانَ بَدْءُ مَرَضِهَاالَّذِىْ هَلَكَتْ فِيْهِ .

پس وہ ڈر گئیں اور مریض ہو گئیں۔ اور یہ اس بیماری کا آغاز تھا جس کے سبب آپ اس دنیا سے رحلت فرما گئیں۔ (کافی ۲۰۹/۴ باب حج' بحارالانوار: ۱۲۸/۱۲)

(اس روایت میں شاید ہاجرہ کے بجائے سارہ مذکور ہے۔ مترجم)

یہ بھی منقول ہے کہ جناب عبدالمطلب نے کعبہ کے نزدیک کھڑے ہوکر دعا مانگی کہ اگر خدا انہیں دس بیٹے عطا کرے گا تو وہ ان میں سے ایک کو حج کے موسم میں منیٰ کے مقام پر قربان کردیں گے جب انہیں اللہ نے دس بیٹے عطا کئے تو انہوں نے چاہا کہ ان میں سے ایک کو راہ خدا میں قربان کردیں۔ انہوں نے اپنے بیٹوں کو بلایا اور ان سے فرمایا: اپنی اپنی ماؤں کے پاس جاؤ اور انہیں آگاہ کرو کہ میں نے اس طرح کی منت مانی تھی اور ان سے کہو کہ تمہیں سجائیں سنواریں' تمہاری آنکھوں میں سرمہ ڈالیں اور تم ان سے وداع کرآؤ' ایسا وداع کہ جس کے بعد کوئی واپس نہیں لوٹتا۔

جب انہوں نے اپنی ماؤں کو اطلاع دی تو ان کے گھروں سے نالہ وشیون کی صدائیں بلند ہوئیں اور صبح ہونے تک گریہ ہوتا رہا۔ اور یہ رات عبدالمطلب کی بیویوں اور بیٹیوں پر بہت بھاری تھی خصوصاً جناب عبداللہ کی ماں نے سب سے زیادہ گریہ کیا۔ کیونکہ وہ اپنے بیٹے سے سب سے زیادہ محبت کرتی تھیں اور اس وقت جناب عبداللہ کی عمر گیارہ سال تھی ۔(لیکن اہل بیتؑ پیغمبرؐ پر شب عاشور اس رات سے بھی تلخ تھی۔ یعنی یہ رات بہت آل محمدؐ پہ کڑی تھی۔

جب صبح نمودار ہوئی تو جناب عبدالمطلب نے حضرت آدمؑ کی ردا زیب دوش کی۔ جناب شیثؑ کے نعلین پہنے اور حضرت سلمانؑ کی انگوٹھی انگلی میں پہن کر ایک تیز خنجر ہاتھ میں لیا اور اپنے بیٹوں کو طلب کیا۔ وہ تمام کے تمام فاخرہ لباس پہنے آپ کی خدمت میں پہنچے سوائے حضرت عبداللہ کے کہ جن کی ماں فاطمہ اس بات پر راضی نہیں ہوئی تھیں۔ کیونکہ وہ قربانی کے لئے شائستہ تر سمجھے گئے اور کہا گیا کہ ان کے نام کا قرعہ نکلا ہے۔ جناب عبدالمطلب فاطمہ کے گھر پہنچے اور دیکھا کہ عبداللہ نے اپنا سر اپنی ماں کے سینے پر رکھا ہوا ہے اور ماں نے انہیں سینے سے چمٹا رکھا ہے۔ جناب عبدالمطلب نے حضرت عبداللہ کا ہاتھ پکڑا اور انہیں گھر سے باہر لے آئے۔ ماں نے استغاثہ بلند کیا اور کہا: آپ کس طرح راضی ہوگئے ہیں کہ ایسے فرزند کو اپنے ہاتھ سے قتل کرنا چاہتے ہیں؟ عبداللہ نے اپنی ماں سے اجازت طلب کی اور باپ کی طرف بڑھتے ہوئے کہا: کاش میں اس سے پہلے مرگیا ہوتا اور یہ حالت نہ دیکھتا۔

جناب عبدالمطلب بے تاب ہوگئے اور زار و قطار گریہ کرنے لگے۔ عبداللہ نے کہا: اے والدہ گرامی! اگر خداوند کریم مجھے بطور قربانی قبول کرلیتا ہے تو زہے سعادت اور اگر کسی دوسرے کو ممتاز کرتا ہے تو آپ کو مجھ پر ہزار مرتبہ غم و تاسف کرنا چاہیے ۔ ناچار وہ مان گئیں، جب چند قدم چلے تو جناب فاطمہ نے صدا دی: اے میرے بیٹے چونکہ مجھے تمہارے لوٹنے کی کوئی امید نہیں ہے، لہٰذا میں چاہتی ہوں کہ ایک دفعہ پھر تمہیں گلے لگاؤں اور تمہیں وداع کروں۔

دوستو! علی اکبرؑ کے وداع کے وقت امام حسینؑ اور جناب لیلیٰ کا کیا حال ہوا ہوگا۔ جب علی اکبرؑ نے چاہا کہ میدان جنگ میں جائیں تو ماں نے ان کے گلے میں ہاتھ ڈال دیئے اوران

کے چہرے کو چوما۔ ان کی آنکھوں میں سرمہ لگایا' بالوں میں کنگا کیا اور پھر بے ہوش ہو کر گر گئیں۔

حمید بن مسلم کہتا ہے: جب جناب علی اکبرؑ میدان کی طرف جانے لگے تو امام حسینؑ حرم سے باہر نکلے۔ اپنے دونوں ہاتھ ان کی کمر میں ڈالے اور فرمایا: ہائے انصاف حسینؑ کی کمر ٹوٹ گئی۔ پھر آپؑ نے اپنے چہرے کو آسمان کی جانب بلند کیا، آپؑ کی آنکھوں سے آنسوں رواں تھے۔ آپؑ نے ایسی آہ غم بھری کہ زمین لرزہ براندام ہوگئی۔

حمید کہتا ہے: میں نے دیکھا کہ آنحضرتؑ غم کی شدت سے کبھی بیٹھ جاتے تھے اور کبھی کھڑے ہو جاتے تھے، اور اپنا سر آسمان کی طرف بلند کر کے فرماتے تھے: خدایا! گواہ رہنا کہ میں نے علیؑ کو اپنے ناناؐ کی امت پر قربان کر دیا۔

جناب عبداللہ اپنے باپ کے ساتھ کعبہ کی طرف روانہ ہوئے تو قریش کے تمام مرد اور عورتیں مسجد الحرام میں جمع ہو چکے تھے۔ عبدالمطلب نے اپنی اولاد کو کعبے میں جمع کیا اور فرمایا: اے خانہ کعبہ اور حرم کے پروردگار اور اے خداوند مقام و زم زم میں اپنے تمام بیٹوں کو تمہاری بارگاہ میں لے آیا ہوں، تو ان میں سے جس کو چاہے قبول فرمالے۔ ان میں سے ہر ایک کا نام ایک تیر پر لکھا اور خانہ کعبہ کے خادم کو دیا، پھر فرمایا: میرے بیٹوں کو خانہ کعبہ میں داخل کرو اور قرعہ اندازی کرو، جس کا نام نکلے اس کی گردن میں چادر ڈال کر باہر لے آنا۔

حاضرین نے صدائے گریہ وشیون بلند کی، جب خادم کعبہ عبداللہ کے گلے میں چادر ڈالے انہیں خانہ کعبہ سے باہر لایا تو عبداللہ کا رنگ زردی مائل ہوگیا تھا اور وہ وفور شوق سے لرز رہے تھے۔

عبدالمطلب یہ خبر سن کر بے ہوش ہوگئے اور حضرت عبداللہ کے بھائی بھی گریہ کرتے ہوئے خانہ کعبہ سے باہر نکلے۔ جناب ابو طالبؑ جو حضرت عبداللہ کے مادری بھائی تھے۔ سب سے زیادہ گریہ فرما رہے تھے۔

جب حضرت عبدالمطلب کو ہوش آیا تو ان کے کانوں میں قریش کے مردوں اور عورتوں کے گریہ کی آواز پہنچی۔ جناب عبداللہ کی ماں فاطمہ دونوں ہاتھوں سے اپنے سر میں خاک ڈال رہی

تھیں اوراپنے چہرے کونوچ رہی تھیں۔ جب عبدالمطلب نے عبداللہ کوقربان کرنا چاہا تو قریش کے بزرگوں نے انہیں ایسا نہ کرنے دیا۔ابو طالب نے عبداللہ کا دامن تھام لیا اور کہا: اے بابا جان میرے بھائی کو چھوڑ دیں اور مجھے ان کی جگہ ذبح کر دیں۔ پس بہت اصرار کے بعد عبدالمطلب مان گئے کہ دوبارہ قرعہ اندازی کی جائے، لیکن پھر بھی عبداللہ کا نام نکلا۔

عکرمہ بن عامر جو کہ بزرگوں میں سے تھا' نے تدبیر پیش کی کہ قرعہ عبداللہ اور اونٹوں کے نام ڈالا جائے۔دوسرے دن عبداللہ کو فاخرہ لباس پہنا کر طرح طرح کی زیب و زینت سے آراستہ کر کے کعبہ میں لایا گیا۔ سات مرتبہ طواف کعبہ کے بعد دس اونٹ حاضر کیے گئے اور قرعہ ڈالا گیا ۔(اس طرح بڑھتے بڑھتے) جب نوے اونٹ ہو گئے تو بھی قرعہ جناب عبداللہ کے نام نکلا۔

عبدالمطلب چاہتے تھے کہ عبداللہ کو ذبح کر دیں' لیکن مکہ کی عورتیں ننگے پاؤں' اپنے بال کھولے، شیر خوار بچوں کو اپنے ہاتھوں پر اٹھائے جناب عبدالمطلب کے پاس آئیں اور کہا: اے سردار قریش! اگر تم ہم پر رحم نہیں کرتے تو ہمارے ان چھوٹے چھوٹے بچوں پر رحم کھاؤ اور عبداللہ کے بدلے میں ہمارے ان بچوں کو ذبح کر دو۔ جب جناب عبدالمطلب نے ان بچوں کو دیکھا تو آپ نے دوسری مرتبہ عبداللہ اور سو اونٹوں کے نام قرعہ ڈالا (کثیر روایات کی بنا پر قرعہ اونٹوں کے نام نکل آیا اسی وجہ سے ہر مرد کی دیت سو اونٹ ہے)

جناب عبداللہ نے فرمایا: بابا جان میں کچھ وصیتیں کرتا ہوں۔

(۱) میرے دست و پا مضبوطی سے باندھ دینا کہ کہیں حرکت نہ کروں۔

(۲) میرے چہرے کو چھپائے رکھنا کہ کہیں آپ پر محبت پدری غالب نہ آ جائے اور آپ امر خدا کو بجا نہ لا سکیں۔

(۳) اپنے کپڑوں کو سمیٹ لینا کہ وہ خون آلودہ نہ ہوں تا کہ جس وقت آپ کی نظر ان پر پڑے، آپ کا داغ تازہ نہ ہو جائے۔

(۴) اے بابا جان! میری مصیبت پر صبر کرنا اور زیادہ رنجیدہ خاطر نہ ہونا۔ جناب عبدالمطلب نے کہا: اے میرے بیٹے! خدا کی قسم میں تمہارے ہاتھ اور پاؤں نہیں باندھوں گا کیونکہ

میں تمہیں اس حال میں دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ امام مظلومؑ نے شہزادہ علی اکبرؑ کے پارہ پارہ جسم کو جو شہد کی مکھیوں کے چھتے کی طرح سوراخ سوراخ ہوگیا تھا کس طرح دیکھا ہوگا، جیسا کہ حدیث میں آیا ہے جب جناب علی اکبرؑ آخری مرتبہ جہاد کے لئے گئے تو بنی امیہ نے انہیں چاروں جانب سے گھیر لیا۔

فَقَطَّعُوْهُ بِسُيُوْفِهِمْ اِرْبًا اِرْبًا

''تلواروں کے ساتھ ان کا جسم پارہ پارہ کردیا گیا''

ایک دیگر روایت کے مطابق: آپ کے جسم اطہر پر اس قدر زخم لگے کہ کوئی آپ کو پہچان نہیں پاتا تھا، چنانچہ جب آپ کو خیمہ میں لایا گیا تو جناب سکینہؑ نے عرض کیا: یہ کس کی لاش ہے؟ امامؑ نے فرمایا: یہ تمہارے بھائی علی اکبرؑ کی لاش ہے۔ پس وہ اپنے بھیا کی لاش پر گریں اور بے ہوش ہوگئیں۔

(۵) اے بابا جان! میری ماں کی حالت سے غافل نہ ہونا اور ان کی دلداری کرنا کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ وہ میرے بعد زیادہ زندہ نہیں رہ سکیں گی۔

(۶) اے بابا جان! میرے بھائیوں سے کہیں کہ جب بھی وہ دسترخوان پر بیٹھیں تو مجھے یاد رکھیں۔

(۷) اے بابا جان! میری ماں سے کہیں کہ وہ میری قبر پر آئیں اور میری غربت پر آنسو بہایا کریں۔

(خلاصہ از انوار الشہادہ ۱۴۵/ تا ۱۵۸ ف ۱۳ وحیات القلوب علامہ مجلسی: ۲۹/۲ طبع اسلامیہ)

شہزادہ قاسمؑ ابن حسنؑ

آپ کی والدۂ ماجدہ رملہ ام ولد تھیں جو کربلا میں موجود تھیں۔
(کربلا میں نو شہید ایسے ہیں کہ جن کی مائیں خیموں میں کھڑی ہو کر انہیں دیکھتی رہیں)

(۱) عبداللہ بن الحسینؑ یعنی علی اصغرؑ جن کی ماں رباب تھیں۔
(۲) عون بن عبداللہ بن جعفر جن کی ماں جناب زینب کبریٰؑ تھیں۔
(۳) قاسم بن الحسنؑ جن کی ماں رملہ انہیں دیکھتی رہیں۔
(۴) عبداللہ بن الحسن جن کی ماں شلیل بجلیہ کی بیٹی تھیں۔
(۵) عبداللہ بن مسلم جن کی ماں رقیہ بنت امیر المومنینؑ تھیں۔
(۶) محمد بن ابی سعید بن عقیل کہ جن کی ماں خیمہ کی چوب کا سہارا لے کر ان دیکھتی رہیں۔
(۷) عمر بن جنادہ کہ جن کی ماں نے انہیں جنگ کی اجازت دی اور میدان مبارزہ میں ان کو جنگ کرتے دیکھتی رہیں۔
(۸) عبداللہ کلبی کہ جن کی بیوی اور ماں انہیں دیکھتی رہیں۔
(۹) علی بن الحسینؑ کہ جن کی ماں خیمے میں ان کے لئے دعا کرتی رہیں۔ (ابصار العین ۱۳۰)

قاسم ابھی حد بلوغت تک نہ پہنچے تھے۔ (بحار الانوار: ۴۵/۳۴ مقتل خوارزمی ۲/۲۷)
اور ابو مخنف اپنے مقتل میں رقم طراز ہیں: آپ کی عمر چودہ سال تھی (مقتل ابی مخنف ۱۲۵)
مرحوم سید بن طاؤسؒ ابن نما، شیخ مفیدؒ اور علامہ مجلسیؒ تحریر فرماتے ہیں: آپ جوانی چڑھ رہے تھے اور آپ کا چہرہ چاند کے ٹکڑے کی مانند تھا۔

(لہوف/۱۱۵ا،مثیر الاحزان/۶۹،ارشاد:۱۱۲،بحارالانوار:۳۵/۴۵)

شب عاشور میں آپ کی اپنے چچا جان سے گفتگو گزر چکی ہے کہ آپ نے فرمایا تھا: موت مجھے شہد سے بھی زیادہ میٹھی محسوس ہوتی ہے۔

شہزادہ قاسم کی شہادت

زیارت ناحیہ میں مذکور ہے:

اَلسَّلاَمُ عَلَى اَلْقَاسِمِ بْنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِي، اَلْمَضْرُوْبِ هَامَتُهُ اَلْمَسْلُوْبِ لاَمَتُهُ حِيْنَ نَادَىٰ اَلْحُسَيْنَ عَمَّهُ فَجَلىٰ عَلَيْهِ عَمُّهُ، كَالصَّقْرِ وَهُوَ يَفْحَصُ بِرِجْلَيْهِ التُّرَابَ ....

لَعَنَ اللّٰهُ قَاتِلَكَ عَمْرَوْبْنَ سَعْدِ بْنِ نُفَيْلِ الْاَ زْدِيِّ، وَاَصْلاَهُ جَحِيْمًا أَعَدَّلَهُ وَعَذَابًا اَلِيْمًا.

جناب حسنؑ بن علیؑ کے بیٹے قاسم پر سلام کہ جن کا جسم اطہر زخموں سے چور چور تھا اور جنہیں جنگی سامان سے تاراج کر دیا گیا۔ جب انہوں نے اپنے چچا حسینؑ کو آواز دی تو ان کے چچا تیز پرواز عقاب کی طرح ان کی طرف گئے، لوگوں کو ان سے دور ہٹایا اور خود کو ان تک پہنچایا، اس حالت میں کہ قاسم زمین پر ایڑیاں رگڑ رہے تھے۔

خدا ان کے قاتل عمر بن سعد بن نفیل ازدی پر لعنت کرے اور اسے واصل جہنم کرے اور اسے دردناک عذاب سے دوچار کرے۔ (بحارالانوار ۶۷/۴۵)

قاسمؑ اپنے چچا جان کے پاس آئے اور جہاد کی اجازت مانگی۔ امامؑ نے جونہی قاسمؑ پر نگاہ ڈالی اپنے ہاتھ ان کے گلے میں ڈال دیئے اور انہیں آغوش میں لے لیا، اور چچا بھتیجا اس قدر روئے:

حَتّٰى غُشِيَ عَلَيْهِمَا .

کہ دونوں غش کر گئے۔

جب ہوش میں آئے تو قاسمؑ نے امامؑ سے جہاد کی اجازت مانگی لیکن انہوں نے اجازت نہ دی۔ شہزادہ قاسمؑ نے چچا کے ہاتھ اور پاؤں چومے تا کہ انہیں میدان جنگ میں جانے کی اجازت دے دیں۔

اور جب آپ میدان جنگ کی طرف چلے تو آپکے رخساروں پر آنسو رواں تھے اور آپ فرمارہے تھے:

اِنْ تَنْکِرُوْنِیْ فَاَنَا بْنُ الْحَسَنِ
سِبْطُ النَّبِیِّ الْمُصْطَفٰی الْمُؤْتَمَنِ
هٰذَا حُسَیْنُ کَالْاَ سِیْرِ الْمُرْتَهَنْ
بَیْنَ اُنَا سٍ لَا سُقُوْ صَوْبَ الْمُزَنِ

اگر تم مجھے نہیں پہچانتے تو پہچان لو کہ میں امام حسنؑ کا بیٹا ہوں اور محمد مصطفیٰؐ کی دختر کا فرزند ہوں اور یہ میرے چچا حسینؑ ہیں کہ جو قیدیوں کی طرح تمہارے ہاتھوں گرفتار ہیں اور تم لوگ کبھی رحمت الٰہی سے سیراب نہیں ہوگے۔ (بحارالانوار: ۴۵/۳۴ مقتل خوارزمی ۲/۲۷ وغیرہ)

بعض روایات میں ہے کہ آنحضرت نے فرمایا:

یَا وَلَدِیْ، اَتَمْشِیْ بِرِجْلِکَ اِلَی الْمَوْتِ۔

''اے میرے بیٹے تم اپنے پاؤں پر چل کر موت کی جانب جارہے ہو؟

شہزادے نے عرض کیا:

وَکَیْفَ یَا عَمِّ وَاَنْتَ بَیْنَ الْاَعْدَاءِ وَحِیْدًا غَرِیْبًا۔

اے چچا جان! میں کیسے نہ جاؤں جب کہ آپؑ کو تنہائی اور غربت کی حالت میں دشمنوں کے درمیان گھرا ہوا دیکھ رہا ہوں۔

آپ کا کوئی دوست ہے اور نہ کوئی یار و مددگار۔

رُوْحِیْ لِرُوْحِکَ الْفِدَاءُ، وَنَفْسِیْ لِنَفْسِکَ الْوَقَاءِ۔

۔ری روح آپ کی روح پر قربان''

آپ نے بہت اصرار کیا تا کہ اجازت حاصل کرسکیں ۔(مہیج الاحزان/۱۶۴م ۷)

یکی در یتیم از رشتہ عشق
برآمد تا کہ گردد کشتہ عشق
بچرخ دلبری بد اولین ماہ
بملک عشق بابش دومین شاہ
بہ عجز و لابہ و نیکو بیانی
یتیم آسا بہ صد شیرین زبانی
بخاک پای آں شہ سود رخسار
بگفت ای از تو پیدا عرش دادار
غم بی یاریت ای داور داد
مرا درد یتیمی بردہ از یاد

جب قاسمؑ اپنے چچا جان سے جہاد کی اجازت مانگتے تھے تو آپ انہیں اجازت نہیں دیتے تھے اور فرماتے تھے :تم میرے بھائی کی نشانی ہو،میری خواہش ہے کہ تم زندہ رہو تا کہ میں تمہارے وسیلے سے اپنے آپ کو تسلی دیتا رہوں ۔

قاسمؑ اپنے خیمے میں پہنچے سر اپنے زانوؤں پر رکھا اور غم زدہ حالت میں آنکھوں سے آنسو بہا رہے تھے ۔اس حزن و ملال کی حالت میں اچانک یاد آیا کہ میرے بابا نے میرے بازو پر ایک تعویز باندھا تھا اور فرمایا تھا کہ جب کبھی غم و آلام تم پر غالب آ جائیں تو اس تعویز کو کھول کر پڑھنا اور جو کچھ اس پر لکھا ہو اس پر عمل کرنا ۔قاسمؑ نے اپنے آپ سے کہا: میں آج تک اس قدر رنجیدہ خاطر نہیں ہوا، لہٰذا اپنے بازو سے تعویز کو کھولا تو اس میں لکھا تھا:

اے میرے بیٹے !میں تم سے سفارش کرتا ہوں کہ جب کربلا میں میرے بھائی اور تمہارے چچا حسینؑ دشمنوں کے درمیان گھر جائیں تو تم خدا کے دشمنوں سے جہاد اور مبارزہ ترک نہ کرنا اور جاں فشانی سے گریز نہ کرنا اور اگر وہ (حسینؑ) تمہیں جہاد سے روکیں تو تم اصرار کرنا

۔یہاں تک کہ تمہیں اجازت مل جائے اور تم (شہادت کی) سعادت حاصل کرسکو۔

قاسمؑ یہ تحریر لیے اپنے چچا کے پاس آئے۔ جب امام مظلومؑ نے اس تحریر کو دیکھا تو بہت روئے اور ان کے دل سے ایک سوزناک آہ اٹھی۔

(روضۃ الشہداء ۳۲۱/۱ معالی السبطین ۲۷۹/۱ مدینۃ المعاجز ۳۶۶/۳ باب معجزات الحسن ح ۹۳)

جب قاسم میدان جنگ کی طرف روانہ ہوئے تو امام مظلومؑ نے آپ کے گریبان کو پھاڑ دیا اور آپ کے عمامے کو آپ کے اوپر آدھا ادھر آدھا ادھر لٹکا دیا اور آپ کو کفن جیسا لباس پہنا دیا ۔اپنی تلوار آپ کی کمر سے باندھی اور آپ کو میدان کی طرف روانہ کیا۔

(مہیج الاحزان ۱۶۴ وقائع الایام خیابانی ۴۰۹/۱ ریاض القدس: ۴۵/۲)

قاسم نے خوب جنگ کی اور اس کم سنی کے باوجود پینتیس افراد کو واصل جہنم کیا

(بحار الانوار: ۳۵/۴۵ مقتل خوارزمی: ۲۷/۲)

شرح شافیہ میں منقول ہے :ایک ایسا جنگجو جس کو ہزار آدمیوں کے برابر سمجھا جاتا تھا، جناب قاسم نے بارشدید اور برق خاطف کی طرح اس پر حملہ کیا اور اس کو شمشیر کے ایک وار سے گھوڑے سے نیچے گرادیا۔پھر اپنے آپ کو دشمن کے لشکر کے انبوہ میں لے گئے اور کم سنی کے باوجود پینتیس (۳۵) افراد اور ایک اور روایت کے مطابق ستر (۷۰) افراد کو ان کی ستم گری کا مزہ چکھایا۔ (ناسخ التواریخ: ۳۲۷/۲)

حمید بن مسلم کہتا ہے: میں عمر سعد کے لشکر میں موجود تھا۔ میں نے ایک لڑکے کو دیکھا کہ جس کا چہرہ چاند کے ٹکڑے کی طرح تھا، جس کے ہاتھ میں تلوار تھی اور جو ایک پیراہن زائد پہنے ہوئے تھا۔ اس کے پاؤں میں جو جوتا تھا اس کا ایک بند ٹوٹا ہوا تھا اور مجھے یہ بات نہیں بھولتی کہ یہ بائیں پاؤں کے جوتے کا بند تھا۔

عمرو بن سعد ازدی نے کہا: خدا کی قسم! میں اس لڑکے پر حملہ کروں گا۔میں نے کہا سبحان اللہ یہ کیسا ارادہ ہے اور تم اس کی جان سے کیا چاہتے ہو؟) اسے اس کے حال پر چھوڑ دو، یہ گروہ جو اسے گھیرے ہوئے ہے اس کے لئے (یہی) کافی ہے۔اس نے کہا: اللہ کی قسم میں اس

پر حملہ کروں گا۔ پس اس نے حملہ کیا۔ ناگاہ اسکی تلوار اس شہزادے کے سر پر لگی اور اس نے فریاد کی
:اے چچا جان!

امام حسینؑ شکاری باز کی طرح لشکر کو چیرتے ہوئے آگے بڑھے اور غضب ناک شیر کی طرح ان لعینوں پر حملہ آور ہوئے۔ قاسمؑ کے قاتل پر تلوار سے حملہ کیا۔ اس ملعون نے اپنے ہاتھ کی سپر سے آپ کے وار کو روکا۔ آپ کی تلوار کے وار نے اس کے ہاتھ کو کہنی سے جدا کر دیا۔ اس ملعون نے فریاد کی' جو اس کے ساتھی سپاہیوں نے سنی۔ امامؑ اس کے نزدیک پہنچ گئے۔ کوفی سواروں نے ہجوم کر دیا کہ عمرو کو آپ سے نجات دلائیں۔ جونہی سواروں نے دھاوا بولا اس کا نحس بدن گھوڑوں کے پاؤں کے نیچے کچلا گیا اور وہ لقمۂ جہنم بن گیا۔

جب گرد و غبار بیٹھ گیا تو میں نے امام حسینؑ کو اس شہزادے کے سرہانے دیکھا' اس حال میں کہ قاسمؑ کی جان نکلنے والی تھی اور وہ اپنے پاؤں زمین پر رگڑ رہے تھے۔ امامؑ نے فرمایا:

يَعِزُّ وَاللّٰهِ عَلٰى عَمِّكَ أَنْ تَدْعُوَهُ فَلاَ يُجِيْبُكَ ،أَوْيُجِيْبُكَ فَلاَ يُعِيْنُكَ، أَوْيُعِيْنُكَ فَلاَ يُغْنِيْ عَنْكَ. بُعْدًا لِقَوْمٍ قَتَلُوْكَ.

''خدا کی قسم تمہارے چچا پر یہ بات بہت دشوار ہے کہ تو اسے بلائے اور وہ تجھ تک نہ پہنچے' لیکن جب تو نے اجابت کی ہے تو میں تمہاری کچھ مدد نہیں کر سکتا۔ اور اگر کچھ کروں بھی تو تمہیں اس سے کچھ فائدہ نہیں پہنچے گا۔ خدا اس قوم کو اپنی رحمت سے دور رکھے کہ جس نے تجھے قتل کیا۔

پھر آپ نے قاسمؑ کی لاش کو اٹھایا اور ان کے سینے کو اپنے سینے سے لگایا اور خیموں کی طرف لے کے چلے۔ میں دیکھ رہا تھا کہ اس لڑکے کے دونوں پاؤں زمین پر خط کھینچ رہے تھے۔ آپ اسے لائے تا کہ اپنے بیٹے علیؑ بن حسینؑ اور دیگر مقتولین اہل بیتؑ کے ساتھ زمین پر لٹائیں۔

روایت میں ہے کہ امام حسینؑ نے فرمایا:

اَللّٰهُمَّ اَحْصِهِمَ عَدَدًا ، وَاقْتُلْهُمْ بَدَدًا، وَالاَ تُغَادِرْ مِنْهُمْ أَحَدًا، وَلاَ تَغْفِرْ لَهُمْ أَبَدًاء.

''خداوندا اس گروہ کو نابود کردے اور انہیں ہلاک اور پراگندہ حال کردے۔ ان میں سے ایک کو بھی باقی نہ چھوڑ اور انہیں ہرگز نہ بخش۔

اس کے بعد فرمایا:

صَبْرًا یا بَنِی عُمُومَتِی، صَبْرًا یا اَهْلَ بَیْتِی، لاَ رَأَیْتُمْ هَوَانًا بَعْدَ هٰذَا الْیَوْمِ اَبَدًاء.

اے میرے چچا کے بیٹو! صبر کرو، اے میرے اہل بیت شکیبائی سے کام لو اور جان لو کہ اس دن کے بعد تم کبھی ذلت و خواری نہیں دیکھو گے۔

(بحار الانوار: ۴۵/۳۵ ارشاد: ۲/ مقاتل الطالبیین/ ۸۸ تاریخ طبری: ۵/۴۴۷))

جناب قاسمؑ کی مصیبت جاں سوز ہے اور ان کی شہادت کی چند خصوصیات حسب ذیل ہیں:

(۱) آپ کی کم سنی

(۲) آپ نے لباس جنگ نہیں پہن رکھا تھا۔

(۳) آپ نے قلب لشکر پر حملہ کیا اور چاہتے تھے کہ دشمن کے پرچم کو سرنگوں کردیں جیسا کہ بعض مقاتل میں مذکور ہے کہ آپ لشکر کوفہ کے علم دار تک پہنچ گئے۔

(۴) جب سید الشہداؑ آپ کے بالین پر پہنچے تو آپ لشکر سے جنگ فرمانے لگے اور شہزادہ قاسمؑ گھوڑوں کے ٹاپوں کے نیچے کچلے گئے۔

اسی لئے سید الشہداؑ نے شب عاشور کو جناب قاسمؑ کے جواب میں فرمایا تھا:

ہاں خدا کی قسم! تمہارا چچا تم پر قربان، تم ان مردوں میں سے ایک ہو جو میرے ساتھ قتل ہوں گے اور اس کے بعد تم سخت مصیبت میں گرفتار ہوگے۔

(مدینۃ المعاجز ۴/۲۱۴ باب معاجز الحسین شمارہ ۲۹۵ میں شب عاشورہ کی تمام احادیث نقل ہیں)

حضرت عباس علمدارؑ

ولادت باسعادت

حضرت ابوالفضل العباس چار شعبان ۲۶ھ کو اس دنیا میں تشریف لائے۔

(العباس' مقرم ۱۳۶' انیس الشیعہ سے منقول ہے)

مرحوم بیر جندی اپنی کتاب وقایع الشھو ر والا یام میں اپنے معاصرین سے نقل فرماتے ہیں کہ آپ چار شعبان کی رات کو اس دنیا میں تشریف لائے۔ (زندگانی قمر بنی ہاشم' عمادزادہ ۵۳/۱)

آپ کی عمر مبارک بیس سے انتالیس سال تک لکھی گئی ہے، جنگ صفین میں آپ کی عمر پندرہ سے سترہ سال کے درمیان تھی اور حضرت زینبؑ آپ سے بیس سال بڑی تھیں۔اس حساب سے تھوڑے بہت اختلاف کے ساتھ حضرت عباسؑ کی عمر پینتیس سال سے کم اور اڑتیس سال سے زیادہ نہ تھی اور آپ کی مادر گرامی کا حضرت علیؑ سے رشتہ ازدواج ۲۲ ہجری سے قبل قائم نہیں ہوا تھا۔

اس بنا پر والد گرامی کی شہادت کے وقت آپ اٹھارہ سال کے تھے اور کربلا میں سینتیس (۳۷) سال کے تھے۔روایت سے بھی ہماری اس تحقیق کی تائید ہوتی ہے۔ (قمر بنی ہاشم ۴۹/۱)

سید محسن عاملی اپنی کتاب مجالس السنیہ میں رقم طراز ہیں: حضرت عباس ۲۹ ہجری میں اس دنیا میں تشریف لائے۔بعض جنگوں میں بھی آپ موجود تھے لیکن آپ کے والد گرامی نے آپ کو جنگ کی اجازت نہ دی اور شہادت کے وقت آپ کی عمر چونتیس سال ہوگئی تھی۔ (فرسان الھیجا: ۸۷/۱)

بیر جندی مرحوم کہتے ہیں: اکثر روایات دلالت کرتی ہیں کہ شہادت کے وقت جناب ابو الفضل کی عمر پینتیس سال تھی اس حساب سے آپ کی ولادت ۲۵ ہجری میں ہوئی ہوگی۔

(کبریت احمر ۳۷۶/۱)

نام کنیت اور لقب

(۱) عباسؑ آپ کا مشہور نام ہے۔

آپ کا یہ نام شجاعت اور صولت کی شدت کے سبب صیغہ مبالغہ کی وجہ سے ہے۔عباس کے معنی شیر بیشہ اور چیر پھاڑ کرنے والے شیر کے ہیں۔آپ بہت بہادر تھے اور جنگ کے میدان میں غضب ناک شیر کی طرح حملہ آور ہوتے تھے،لہٰذا آپ کو عباس کہتے ہیں۔

(۲) ''ابو الفضل'' کا سبب یہ ہے کہ آپ کے بیٹے کا نام فضل تھا۔اس کنیت میں صوری و معنوی کمالات پوشیدہ ہیں۔

(۳) ''ابو القربہ:''یعنی ملازم مشک: آپ کا یہ نام اس وجہ سے مشہور ہوا کہ آپ نے کربلا کے میدان میں پانی کی مشک کی حفاظت کے لئے بہت کوشش کی تا کہ اسے پیاسوں تک پہنچا سکیں۔حتیٰ کہ اس کوشش میں آپ کے ہاتھ کٹ گئے اور جان تک فدا ہوگئی۔

(کبریت احمر/۳۹۵)

(۴) آپ کو قمر بنی ہاشم اس لئے کہا جاتا ہے کہ آپ کا چہرہ مبارک روشن چاند کی طرح خوبصورت تھا اور تاریک رات میں چاند کی طرح چمکتا تھا،اور اس لئے بھی کہ آپ کے جسمانی ونفسانی فضائل درخشاں چاند کی طرح تھے۔(زندگانی قمر بنی ہاشم/۵۴)

(۵) ''باب الحوائج''چونکہ اپنی اکثر کرامات کے مطابق آپ لوگوں کی حاجات کو بر لاتے ہیں لہٰذا شیعہ اور سنی حضرات میں باب الحوائج کے نام سے مشہور ہیں۔

(العباس از مقرم/۱۴۸)

بزرگ عالم شیخ مرتضٰی آشتیانی اپنے استاد میرزا خلیل تہرانی مرحوم سے اور وہ ایک شیخ جلیل سے کہ جس کے ساتھ وہ صاحب جواہر کے درس میں جایا کرتے تھے نقل کرتے ہیں: ایک تاجر جو کہ آل کبہ کا رئیس تھا اس کا ایک خوبصورت بیٹا تھا اور اسی پر اس کی نسل کا انحصار تھا،جس کی ماں علویہ تھی۔

یہ نوجوان مرض حصبہ (ٹائیفائیڈ) میں مبتلا ہوگیا اور اس کی حالت سخت خراب تھی۔وہ

قریب المرگ تھا اس کی آنکھیں اور پاؤں باندھ دیئے گئے۔اس کا باپ باہر دوڑا، وہ اپنے سر اور سینے کو پیٹ رہا تھا اور اس کی ماں حضرت عباسؑ کے حرم میں پہنچی اور کلید بردار سے درخواست کی کہ اسے رات حرم میں بسر کرنے دے۔ پہلے تو وہ نہ مانا لیکن جب اس عورت نے اپنا تعارف کروایا اور کہا کہ میرا بیٹا قریب المرگ ہے تو کلید بردار نے اس کی بات مان لی۔وہ عالم کہتا ہے: اس رات میں کربلا پہنچا اور مجھے اس بات کی کوئی خبر نہ تھی اور نہ ہی میں اس تاجر کو پہچانتا تھا۔میں نے خواب میں دیکھا کہ میں حضرت حبیب ابن مظاہر کی قبر کی طرف سے مزار سید الشہداء میں داخل ہوا ہوں۔

آپ کے سر مبارک کے اوپر کی فضا اور زمین ملائکہ سے پر تھی۔مسجد بالا سر میں رسول خدا اور حضرت علیؑ ایک تخت پر تشریف فرما تھے۔اسی اثناء میں ایک فرشتہ آیا اور بعد از سلام عرض کیا کہ حضرت عباس کہتے ہیں: یا رسول اللہ آل کبہ کے ایک حاجی کی بیوی اپنے بیٹے کے لئے شفا چاہتی ہے اللہ رب العزت سے اس کے لئے شفاء طلب فرمائیں۔رسول خدا نے دست دعا بلند فرمائے لیکن ایک لحظے کے بعد فرمایا: موت اس جوان کا مقدر ہو چکی ہے۔

ایک لحظے کے بعد ایک اور فرشتہ آیا اس نے سلام کیا اور وہی پیغام پہنچایا۔رسول خداؐ نے دوبارہ دعا کے لئے ہاتھ بلند فرمائے اور دعا کے بعد فرمایا: موت اس جوان کا مقدر ہو چکی ہے۔ فرشتہ واپس چلا گیا۔شیخ کہتا ہے: اچانک میں نے دیکھا کہ حرم میں موجود فرشتے حرکت میں آگئے اور ان کے درمیان شور و غوغا ہونے لگا۔میں نے کہا: کیا خبر ہے؟

دیکھا تو حضرت ابو الفضلؑ اس حال میں جس میں ان کی شہادت ہوئی تھی آئے اور رسول خداؐ کی خدمت میں عرض کیا: علویہ نے مجھ سے توسل کیا اور اپنے بیٹے کی شفاء چاہی ہے۔ آپ اللہ تعالیٰ سے التجاء کریں کہ اس جوان کو شفا مل جائے' یا پھر مجھے باب الحوائج نہ کہا جائے اور اس لقب کو مجھ سے اٹھا لیا جائے۔

جب رسول خداؐ نے یہ بات سنی تو آپ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔آپؐ نے حضرت علیؑ کی طرف رخ کر کے فرمایا: یا علیؑ آپ بھی اس دعا میں میرا ساتھ دیں۔دونوں ہستیوں نے دعا فرمائی تو آسمان سے ایک فرشتہ نازل ہوا اس نے آنحضرتؐ کو سلام کیا اور اللہ کا سلام

پہنچانے کے بعد کہا: اللہ فرماتا ہے کہ ہم عباس سے باب الحوائج کا لقب نہیں اٹھاتے اور اس (بیمار) جوان کو شفاعت بخشتے ہیں۔

شیخ کا کہنا ہے: میں خواب سے بیدار ہوا تو مجھے اس قضیہ کی کوئی خبر نہ تھی، لہٰذا بہت متعجب ہوا صبح ہونے میں ابھی ایک ساعت باقی تھی کہ میں وہاں سے چل دیا اور پوچھتے پوچھتے اس گھر میں پہنچا۔ جب میں اس گھر میں داخل ہوا تو میں نے اس جوان کے باپ کو دیکھا جو اپنے سر اور چہرے کو پیٹتا پھر رہا تھا اور اس جوان کو کمرے میں تنہا چھوڑ دیا گیا تھا۔

میں نے اس حاجی سے کہا: آرام کیجئے تمہارے بیٹے کو شفا مل چکی ہے۔ وہ بہت حیران ہوا اور مجھے اس جوان کے کمرے میں لے گیا۔ میں نے دیکھا کہ وہ جوان اٹھ کر بیٹھا ہوا ہے اور اس نے اپنے منہ کو کھول رکھا ہے۔ باپ اس سے بغل گیر ہوا تو جوان اس سے کہنے لگا: مجھے بھوک لگی ہے۔ پس علویہ کمرے میں آ پہنچی اور بولی: میں اپنے بیٹے کے لئے شفا لے آئی ہوں۔

(مقتل مقرم: ۹۱/۳، چہرہ درخشان قمر بنی ہاشم: ۳۰۲/۱، در کنار علقمہ/۲۹)

(۶) عبد صالح

آپ کی زیارت میں آتا ہے:

"اَلسَّلامُ عَلَیْکَ اَیُّهَا الْعَبْدُ الصّٰالِحُ الْمُطِیْعُ لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهٖ"

"ہم جانتے ہیں کہ انسان کے بزرگ ترین مراتب میں سے ایک یہ ہے کہ انسان اپنے پروردگار کا صالح بندہ بن جائے۔

(۷) سقا

کیونکہ حضرت عباسؑ نے اہل بیتؑ کی سقائی کی، اس لئے آپ کو سقا کا نام دے دیا گیا۔

قبل ازیں ذکر کیا جا چکا ہے کہ امام حسینؑ نے ساتویں محرم کو حضرت عباسؑ کو پچاس اصحاب کے ساتھ فرات سے پانی لینے کے لئے بھیجا۔

روز عاشور امام حسینؑ نے آپ سے یہ نہیں فرمایا تھا کہ دشمنوں سے جنگ کرو بلکہ یہ

فرمایا تھا کہ میرے بچوں کے لئے پانی لے آؤ، لہٰذا آپ سقا کہلائے۔

اور مرحوم مقرم نے بہت سے مورخین اور شیعہ سنی بزرگوں سے نقل کیا ہے کہ سقا آپ کا لقب ہے۔(العباس/۱۶۴)

(۸) علم دار

چونکہ سید الشہداءؑ نے روز عاشور کو اپنے بھائی عباسؑ کو پرچم سپرد فرمایا چنانچہ پرچم دینے کے لئے ہمیشہ شجاع ترین افراد کا انتخاب کیا جاتا ہے۔

ابجد کے حساب سے عباس کے عدد ایک سو تینتیس (۱۳۳) ہیں جو کہ باب الحسین کے مطابق ہیں اور مجرب ختموں میں سے ہے کہ اگر کسی کی کوئی حاجت ہو تو وہ اس حاجت براری کے لئے)ایک ہی نشست میں ۱۳۳ مرتبہ پڑھے:

یا کاشِفَ الْکَرْبِ عَنْ وَجْهِ الْحُسَیْنِ عَلَیْهِ السَّلامُ اِکْشِفْ کَرْبِیْ بِحَقِّ اَخِیْکَ الْحُسَیْنِ.

"اللہ رب العزت اس کی دعا کو قبول فرمائے گا۔

(منتخب التواریخ/۲۶۱ مرحوم آیۃ اللہ صدیقین نے مرحوم آیۃ اللہ کاشف الغطاء سے اسی ختم کو نقل کیا ہے سوا اس کہ کے "بِحَقِّ" کی جگہ "بِجَاهِ" نقل کیا ہے)

حضرت ابوالفضلؑ کی ماں ام البنینؓ:

•آپ کی ماں جناب فاطمہ بنت حزام کلابیہ خاندان سے تھیں جو کہ بعد میں ام البنین کے نام سے معروف ہوئیں۔

مورخین تحریر کرتے ہیں کہ جناب امیر المومنین علیہ السلام نے اپنے بھائی حضرت عقیل سے فرمایا: کہ آپ انساب عرب سے واقف ہیں، لہٰذا میرے لئے بہادر خاندان کی ایک عورت تلاش کریں تا کہ اس سے شجاع اور دلیر فرزند دنیا میں آئے (جو کہ حسینؑ کی کربلا میں مدد کر سکے)

حضرت عقیل نے آنحضرتؑ کے لئے جناب فاطمہ کلابیہ کا نام لیا جن کا خاندان شجاعت وشہامت کا نمونہ جانا جاتا تھا۔ آنحضرتؑ نے ان سے شادی کی اوران سے چار بیٹے پیدا

ہوئے۔ جن میں سے حضرت عباسؑ سب سے بڑے تھے اور بعد میں عبداللہ' جعفر اور عثمان پیدا ہوئے۔
(نفس المہموم/۳۳۲ عمدۃ الطالب/۳۲۳)

لہٰذا جب شمر ملعون کربلا میں آیا تو اس نے کہا: میری بہن کے بیٹے کہاں ہیں؟ (میں ان کے لئے امان نامہ لایا ہوں) آپ نے اس کو جواب نہ دیا۔

حضرت سید الشہداءؑ نے فرمایا: اسے جواب دو اگرچہ یہ فاسق ہے لیکن آپ کا رشتہ دار ہے۔ یہ واقعہ روز تاسوعا (نومحرم الحرام) میں نقل ہو چکا ہے۔

اُم البنینؓ جو کہ مضبوط ایمان اور نیک اعمال کی مالکہ تھیں اور اہل بیت کے بلند مقام سے آگاہ تھیں اور ان سے نہایت انس و محبت رکھتی تھیں' نے اپنے چار بیٹے امام حسینؑ کے دفاع کے لئے کربلا میں بھیجے اور ان کے مصائب کو فرزند زہراءؑ کے مقابلہ میں آسان جانتا۔

ان کی جلالت اور بزرگی کے بارے میں کہا گیا ہے:

جس وقت بشیر مدینہ پہنچا اور آپ کو چار بیٹوں میں سے ایک کی شہادت سے آگاہ کیا تو ام البنین نے فرمایا:

مَا مَعْنَاهُ ؟أَخْبِرْنِيْ عَنْ اَبِيْ عَبْدِ اللّٰهِ الْحُسَيْنِ عَلَيْهِ السَّلَامُ. فَلَمَّا نَعٰى اِلَيْهَا الْاَ رْبَعَةَ، قَالَتْ قَدْ قَطَعْتَ نِيَاطَ قَلْبِيْ. اَوْلَادِيْ وَمَنْ تَحْتَ الْخَضْرَاءِ كُلُّهُمْ فِدَاءٌ لِاَبِيْ عَبْدِاللّٰهِ الْحُسَيْنِ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَخْبِرْنِيْ عَنِ الْحُسَيْنِ عَلَيْهِ السَّلَامِ.

''یہ خبر سنانے کا کیا مقصد ہے؟ مجھے ابا عبداللہ الحسینؑ (کے حالات) سے آگاہ کرو۔ جب بشیر نے انہیں ان کے چار بیٹوں کی شہادت سے آگاہ کیا تو انہوں نے فرمایا، تو نے میری رگ دل کو پارہ پارہ کر دیا۔ اپنے بیٹے اور جو کچھ اس نیلے آسمان کے تلے موجود ہے' میں اسے امام حسینؑ پر فدا کرتی ہوں۔ مجھے امام حسینؑ کے حالات سے آگاہ کرو''۔ (خاتون دو سرا مرحوم فیض الاسلام/۸۹)

شمائل عباس علیہ السلام

حضرت عباسؑ اس قدر حسین اور خوبصورت تھے کہ آپؑ کو قمر بنی ہاشم کہا جاتا ہے۔ آپؑ کا قد و قامت اس قدر تھا کہ بڑے بڑے گھوڑوں پر بیٹھتے تو بھی آپؑ کے پائے مبارک زمین سے آ لگتے تھے۔

میرزا رضا قلی خاں نے اپنی کتاب مظاہر الانوار میں تحریر کیا ہے: حضرت عباسؑ کا قد لمبا اور بازو دراز تھے۔ فرماتے ہیں: جب آپ مضبوط گھوڑے پر بیٹھتے تھے اور پاؤں رکاب پر رکھتے تھے تو آپ کے زانوں گھوڑے کی گردن تک پہنچ جاتے۔ آپ کردگاد کے جلال و جبروت کے مظہر تھے۔ شجاعت و شہامت میں امام حسنؑ اور امام حسینؑ کے بعد امیر المومنینؑ کی اولاد میں سب سے بڑھ کر تھے۔ آپ مظلوم کربلاؑ کے سپہ سالار اور علمدار تھے۔ (وقائع الایام خیابانی ۴۲۲)

فضائل عباس علیہ السلام

حضرت عباس فضل و دانش، تقویٰ و یقین، اطاعت و عبادت اور دیگر آداب و اخلاق میں بلند مقام کے حامل تھے۔ آپ حضرت امام حسینؑ اور حضرت زینبؑ سے گہری عقیدت رکھتے تھے اور حسنین شریفین کے بعد حضرت علیؑ کے بیٹوں میں سے اشرف و اعظم تھے۔

حضرت عباسؑ کے بلند مقام کے بارے میں ہم کئی مثالیں بیان کر چکے ہیں۔ امام حسینؑ کے کربلا کے سفر کے دوران (مدینہ سے مکہ اور مکہ سے کربلا تک) امام عالی مقامؑ نے حضرت عباسؑ پر خصوصی توجہ فرمائی، جسے ہم قبل ازیں تحریر کر چکے ہیں' مثلاً

۹ محرم الحرام کی عصر کو جب امامؑ نے حضرت عباسؑ کو دشمن کے لشکر کے پاس بھیجا تو فرمایا:

یا عَبّاسَ اِرْکَبْ بِنَفْسِیْ اَنْتَ یا اَخِی حَتّٰی تَلْقَا هُمْ .

''اے عباسؑ میری جان تم پر قربان' میرے بھائی سوار ہو جاؤ اور جا کے ان سے ملاقات کرو'' (تاریخ طبری ۵/۴۱۶)

آپ کی عنایات سے توسل کے لئے آپ کے فضائل کے دریائے بے کراں میں سے

چند ایک کا تذکرہ حسب ذیل ہے۔

شیخ صدوقؒ اپنی اسناد کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ جب امام حسینؑ نے حضرت عباسؑ کے بیٹے عبداللہ پر نگاہ ڈالی تو آپ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور آپ نے فرمایا: رسول خداؐ پر روز احد سے زیادہ کوئی دن سخت نہ تھا کہ اس میں آپ کے چچا حضرت حمزہ شہید ہو گئے اور اس کے بعد جنگ موتہ میں آپ کے چچا زاد جعفر بن ابی طالب شہید ہوئے۔ پھر فرمایا:

وَلاَيَوْمَ كَيَوْمِ الْحُسَيْنِ عَلَيْهِ السَّلاَمُ .

''لیکن کوئی دن یوم حسینؑ کی طرح نہ تھا۔

امتیوں کے تیس ہزار کے لشکر نے آپ کو گھیرا ہوا تھا اور ان میں سے ہر کوئی آپ کے قتل سے اللہ کا تقرب حاصل کرنا چاہتا تھا اور جب آپؑ انہیں خدا کی یاد دلاتے تھے تو یہ لوگ نصیحت حاصل نہیں کرتے تھے بلکہ آپ کو ظلم وستم اور عدوان سے شہید کرتے تھے۔

پھر فرمایا:

رَحِمَ اللّٰهُ الْعَبَّاسَ، فَلَقَدْ آثَرَوَابْلٰى وَفَدّٰى أَخَاهُ بِنَفْسِهِ حَتّٰى قُطِعَتْ يَدَاهُ

''اللہ رب العزت حضرت عباس پر رحمت فرما کہ انہوں نے جان کی بازی لگا دی اور خوب امتحان دیا (یعنی اپنے بھائی کے راستے میں مصیبتوں کو برداشت کیا) اور خود کو اپنے بھائی پر قربان کر دیا۔ حتیٰ کہ آپ کے دونوں بازو قطع ہو گئے۔ اللہ نے انہیں ان کے بدلے میں دو پر عطا کر دیئے ہیں کہ جن کے ساتھ وہ فرشتوں کے ہمراہ جنت میں پرواز کرتے ہیں جیسا کہ جعفر بن ابی طالب کو پر عطا کئے گئے تھے''

وَاِنَّ لِلْعَبَّاسِ عِنْدَ اللّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى مَنْزِلَةً يَغْبِطُهُ بِهَا جَمِيْعُ الشُّهَدَاءِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ .

''حضرت عباس خدائے متعال کے نزدیک ایسا بلند مقام رکھتے ہیں کہ تمام شہداء (اولین و آخرین) قیامت کے روز آپ کا مقام حاصل کرنے کی تمنا کریں گے

(امالی صدوق ۳۶۲م ۷۰ ح ۱۰ خصائل !۱/۶۸ بحار: !۴۴/۲۹۸ ب ۳۵ خ ۴)

(شیخ صدوق خصائل جلد اول صفحہ ۶۸ باب الاثنین ح ۱۰۱ کے ذیل میں فرماتے ہیں)

وہ تمام حدیثیں جو کتاب ''مقتل الحسینؑ بن علیؑ'' میں سے لی گئی ہیں' معلوم ہوا کہ یہ تمام کی تمام مقتل کی حدیثیں ہیں اور وہ حدیثیں جن میں حضرت عباسؑ کے فضائل تھے وہ ہم تک نہیں پہنچ سکیں)

مفضل بن عمر روایت کرتے ہیں کہ امام جعفر صادق نے فرمایا۔

كَانَ عَمُّنَا الْعَبَّاسُ نَافِذَ الْبَصِيرَةِ، صُلْبَ الْإِيْمَانِ، جَاهَدَ مَعَ أَبِي عَبْدِاللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَأَبْلَى بَلَاءً حَسَنًا وَمَضَى شَهِيدًا

''میرے چچا عباسؑ گہری بصیرت اور مضبوط ایمان کے مالک تھے انہوں نے امام حسینؑ کے حضور میں جہاد کیا اور اس نیک راستے پر گامزن ہو کر شرف شہادت حاصل کیا۔

اور خون عباس قبیلہ بنی حنیفہ میں ہے، آپ شہادت کے وقت چونتیس سال کے تھے۔

(نفس المہموم/۳۳۲ عمدۃ الطالب/۳۲۳ اعیان الشیعہ ۴۳۰/۷)

شہید ثانی کے مجموعہ سے نقل کیا گیا ہے کہ ایک دن حضرت امیرالمومنینؑ نے اپنے بیٹے عباس سے فرمایا: کہو: ایک انہوں نے کہا: ایک' دوبارہ فرمایا: کہو: دو، حضرت عباسؑ نے حیا محسوس کی اور کہا: مجھے حیا محسوس ہوتی ہے کہ جس زبان سے میں نے ایک کہا ہے اسی سے دو کہوں (یعنی جس زبان کے ساتھ میں نے خدا کو یگانہ تسلیم کیا ہے اسی کے ساتھ دو کہوں، دوئی تو توحید کے خلاف ہے)

امیرالمومنینؑ نے آپ کی دونوں آنکھوں کے درمیان سے چوما۔

(مستدرک: ۲۱۵/۱۵ ب ۷۹ از احکام الاولاد ح ۶ مقتل خوارزمی: ۱۲۲/۱ ف ۶)

اور شہداء کی تدفین کے بیان میں آتا ہے کہ امام سجادؑ نے اپنے چچا کا جسم اطہر اپنے والد گرامی کے جسم اطہر کی طرح خود سپرد خاک کیا۔

اور اس پر غور کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آپ کا جسد مطہر معصومینؑ کے اجساد مقدسہ کی طرح اس کا سزاوار نہیں تھا کہ معصوم کے علاوہ کوئی شخص اس کو ہاتھ لگائے۔

ملاعلی تبریزی خیابانی مرحوم نقل کرتے ہیں: سید فاضلی نے علمائے عرب سے نقل کیا ہے کہ جب الحاج محمد رضا ازری اپنے قصیدہ میں اس مصرع پر پہنچے:

یَوْمٌ اَبُو الْفَضْلَ اِسْتَجَارَ بِهِ الْهُدٰی .

''روز عاشور وہ دن تھا کہ جس دن ہدایت نے (یعنی حضرت امام حسینؑ نے) حضرت عباسؑ کی پناہ لی۔

شعر مکمل نہ ہوا اور اسی حال میں رہ گیا۔ رات کو انہوں نے امام حسینؑ کو خواب میں دیکھا کہ امام تشریف لائے اور فرمایا: جو کچھ تم نے کہا۔،،وہ صحیح ہے کہ میں نے اپنے بھائی عباسؑ کی پناہ لی۔ اور دوسرے مصرے کو امامؑ نے خود انشاء فرمایا:

وَالشَّمْسُ مِنْ كَدَرِ الْعَجَاجِ لِثَامُهَا .

''یعنی میں نے اس وقت پناہ لی کہ جس وقت سورج نے معرکہ کربلا کی تیرگیٔ غبار کی نقاب اوڑھ رکھی تھی۔ (وقائع الایام خیابانی ۶۱۸)

حضرت عباسؑ کا علم

آیۃ اللہ بیر جندی مرحوم اپنی کتاب ''کبریت احمر'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت عباسؑ خاندان عصمت کے اہل فضل و بصیرت بزرگوں میں سے تھے۔ آپ عالم غیر معلم تھے اور آپ کے علم کا منبع فیض الٰہی تھا جب کہ ظاہراً آپ اپنے والد بزرگوار کے علوم سے بہرہ مند تھے۔

مرحوم مقرم تحریر کرتے ہیں: امیر المومنین علیہ السلام نے اپنے بعض اصحاب کی پرورش اس طرح فرمائی تھی کہ وہ عالم ہستی کہ اسرار رموز اور جملہ علم منایا والبلایا سے آگاہ تھے۔ مثلاً حضرت حبیب ابن مظاہر میثم تمارؒ اور حضرت رشید وغیرہ۔ کیا یہ بات عقل میں آتی ہے کہ باب العلم نے اپنے جگر گوشے کو اپنے علوم سے بے بہرہ رکھا ہو؟ جب کہ اس کی قابلیت اور استعداد ان اصحاب سے کہیں زیادہ تھی!

مختصراً حضرت عباس علمدارؑ اپنی بہن حضرت زینب کبریٰؑ کی مانند ہیں جو کہ حضرت

امام سجادؑ کی تصریح کے مطابق عالمہ غیر معلمہ تھیں ۔اس کے علاوہ آپ اپنے صفائے باطن پاکیزہ طینت اور شدید اخلاص کے سبب اس حدیث مبارکہ کے کامل مصداق تھے:

مَا أَخْلَصَ عَبْدُ لِلّٰهِ عَزَّوَجَلَّ اَرْبَعِيْنَ صَبَاحًا اِلَّا جَرَتْ يَنَابِعُ الْحِكْمَةِ مِنْ قَلْبِهِ عَلٰى لِسَانِهٖ.

جو شخص چالیس دن تک اللہ رب العزت کے لئے اپنے اعمال کو اخلاص کے ساتھ انجام دیتا ہے۔اس کے دل اور زبان سے حکمت کے چشمے جاری ہوجاتے ہیں۔

(عیون الاخبار :۲/۶۸ ب ۳۱ ح ۳۲۱)

اس صورت میں کہ اپنی عمر کے تمام اموراور مراحل خدا تعالیٰ کی رضا میں گزارے ہوں اور ہر رذالت سے مبرا اور ہر فضیلت سے آراستہ ہو،کیا اس کے بارے میں اس کے علاوہ کچھ اور تصور کیا جا سکتا ہے کہ اس کی ذات شریف معارف ربوبیت کے انوار سے متجلی ہو اور اس کا علم لدنی ہو؟

قمر بنی ہاشم کے علم کے وجدانی ہونے کے بارے میں دوسری دلیل معصومؑ کا یہ فرمان ہے

"اِنَّ الْعَبَّاسَ بْنَ عَلِيٍ زُقَّ الْعِلْمَ زَقًّا"

"بتحقیق عباسؑ بن علیؑ نے اپنے بچپن میں علم کو دودھ کے ساتھ پیا (اور شیر خوارگی کے دوران میں علم و کمال سے آراستہ تھے)

امام علیہ السلام کی یہ تشبیہ نہایت بدیع استعارہ ہے کیونکہ "زق" کے معنی پرندے کے بچے کا اپنی ماں کے توسط سے غذا حاصل کرنا ہے۔ اس وقت کہ جب وہ اپنے آپ تغذیہ پر قادر نہیں ہوتا۔ہم اس استعار کی طرف متوجہ ہوئے ہیں کہ ساقی کربلا اپنے زمانہ بچپن سے حتیٰ کہ شیر خوارگی کے زمانے سے علوم و معارف کے حصول کی طاقت رکھتے تھے۔ (العباس مرحوم مقرم/۱۶۹ خلاصہ نقل ہے)

مرحوم مقرم نے حضرت عباسؑ کی امام جعفر صادقؑ سے منقول زیارت میں چند کلمات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ہر فضیلت آپ کو زیبا ہے اور ہم اس کا خلاصہ نقل کرتے ہیں۔

(۱) حضرت عباسؑ کے روضے کے اذن دخول میں ہم پڑھتے ہیں:

"سَلَامُ اللّٰهِ وَسَلَامُ مَلَائِكَتِهِ الْمُقَرَّبِيْنَ وَأَنْبِيَائِهِ الْمُرْسَلِيْنَ وَعِبَادِهِ الصَّالِحِيْنَ وَجَمِيْعِ الشُّهَدَاءِ والصِّدِّيْقِيْنَ وَالزَّاكِيَاتُ الطَّيِّبَاتُ فِيْمَا تَغْتَدِيْ وَتَرُوْحُ عَلَيْكَ يَا بْنَ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ"

"اے فرزند امیر المومنینؑ! آپ پر خدا کا' اس کے مقرب فرشتوں کا' اس کے پیغمبروںؑ کا' اس کے نیک اور صالح بندوں کا' تمام شہداء کا، صدیقین کا' اور پاک اور طیب لوگوں کا صبح وشام سلام ہو۔

دوسری طرف امام جعفر صادقؑ امام مظلوم حسین علیہ السلام کی زیارت میں فرماتے ہیں:

"سَلَامُ اللّٰهِ وَسَلَامُ مَلَائِكَتِهِ فِيْمَا تَرُوْحُ وَتَغْدُوْ ' وَالزَّاكِيَاتُ الطاهرات لَكَ 'وَعَلَيْكَ سَلَامُ الْمَلَائِكَةِ الْمُقَرَّبِيْنَ"

"آپؑ پر اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں کا صبح وشام سلام ہو اور آپؑ پر پاکیزہ و مطاہر ہستیوں کا نیز ملائکہ مقربین کا سلام ہو"۔

ان دونوں زیارتوں کی مشابہت کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہم پر روشن ہو جاتا ہے کہ قمری بنی ہاشم کا مقام ومرتبہ امام عالی مقام سے مشابہ تھا کیونکہ ان دونوں ہستیوں کے لئے خدائے متعال اور ملائکہ مقربین کا صبح وشام سلام ہے۔ اور اس ضمن میں "اَلزَّاكِيَاتُ الطَّيِّبَاتُ" اور "اَلزَّاكِيَاتُ اَلطَّاهِرَاتُ" جیسی عبارات آئی ہیں۔

(۲) اس ہستی بزرگوار اللہ تعالیٰ کا سلام (کہ جس ذات کی رحمت بے پایاں اور عنایت بے انتہا ہے) اور مقرب فرشتوں کا سلام اور پیغمبروں کا سلام (جن کے تمام افعال واعمال حق تعالیٰ کی رضا کے لئے اور وحی الٰہی کے تابع ہوتے ہیں) اور شہداء وصدیقین کا سلام (جو کہ انبیاء اور اوصیاء کے سچے پیرو ہوتے ہیں) اور پاک ومطاہر سلام اس ہستی بزرگوار پر بھیجے گئے ہیں۔

(۴) سردار کربلا (حضرت عباس) کے روضہ مطاہر میں داخل ہونے کی اجازت میں آتا ہے۔

اَشْهَدُ لَکَ بِالتَّسْلِيمِ وَالتَّصْدِيقِ وَالْوَفَاءِ وَالنَّصِيْحَةِ لِخَلَفِ النَّبِيِّ الْمُرْسَلِ

"میں شہادت دیتا ہوں کہ آپؑ جانشین پیغمبر اکرمؐ (امام حسینؑ) سے مقام تسلیم میں نسبت رکھتے تھے۔ آپ نے آنحضرتؐ کی تصدیق کی، اپنا عہد وفا کیا اور امام کی خیر خواہی کی"

اس جگہ پر مقام تسلیم جو کہ سالکین اور محبوب کے کوچے کے راہیوں کے لئے بلند ترین مقامات میں سے ہے (اور رضا و توکل کے مرتبے سے بالاتر مقام ہے) یہ مقام آنحضرت کے لئے تسلیم کیا گیا ہے۔

امام عالی مقامؑ نے جملہ شہداء میں سے تنہا حضرت عباس علیہ السلام کو اس خطاب سے مخاطب فرمایا کہ:

لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ جَهِلَ حَقَّکَ، وَاسْتَخَفَّ بِحُرْمَتِکَ

"خدا اس شخص پر لعنت کرے جو تمہارا حق نہ پہچانے اور تمہاری حرمت کو کم تر خیال کرے"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام شہداء میں سے کسی اور کو یہ فضیلت میسر نہیں ہوئی، ہر کسی کے لئے جائز حق ثابت ہے۔

(۵) زیارت کا یہ فقرہ:

"وَرَفَعَ ذِكْرَكَ فِي الْعِلِّيِّيْنَ"

"خداوند قدوس نے آپ کے ذکر کو ملائے اعلیٰ میں بلند فرمایا"

آپ کے لئے عظیم درجہ اور بلند مقام بیان کرتا ہے اور اس مجلس میں اس بلند مقام تک قدسیوں کو بھی رسائی حاصل نہیں اور دوسری زیارت کی عبارت جس میں سردار کربلا (حضرت عباسؑ) کے مقامات عالیہ کو بیان کیا گیا ہے اور بھی دقت طلب ہے۔

(۶) امام جعفر صادق علیہ السلام ایک اور زیارت میں حضرت عباسؑ سے یوں خطاب فرماتے ہیں:

لَعَنَ اللّٰهُ اُمَّةً اسْتَحَلَّتْ مِنْکَ الْمَحَارِمَ وَانْتَهَکَتْ فِیْکَ حُرْمَةَ الْاِسْلَامِ

''خدا اس قوم پر لعنت کرے جس نے آپ کا خون بہایا اور آپ کے بارے میں حرام الٰہی کو حلال جانا اور آپ کو قتل کرکے حرمت اسلام کو برباد کیا''

حالانکہ تمام شہدائے کربلا بلند ترین مرتبہ فضیلت پر فائز ہیں کہ دیگر شہداء کے لئے وہ کچھ نہیں ہے جو ہم نیمہ رجب کی زیارت میں پڑھتے ہیں:

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا مَهْدِیُّونَ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَاطَاهِرُوْنَ مِنَ الدَّنَسِ

یا پھر یہ کہ۔

طِبْتُمْ وَطَابَتِ الْاَرْضُ الَّتِیْ فِیْهَا دُفِنْتُمْ

''آپ پاک اور طیب ہیں اور جس زمین پر آپ لوگوں کو دفن کیا گیا وہ بھی پاکیزہ ہوگئی''۔

لیکن یہ عبارت کہ'' تمہاری شہادت سے حرمت دین پامال ہوگئی۔

فقط سردار کربلا کے بارے میں مذکور ہے۔

(العباس مقرم/ ۲۰۹ اور اس کا ترجمہ سردار کربلا/۲۲۸)

ادب عباسؑ

جناب عباسؑ کے ادب میں صرف یہی کافی ہے کہ کوئی بھی شخص امام حسینؑ کے حکم کے بغیر ان کے پاس نہیں بیٹھ سکتا تھا اور وہ اپنے مولاؑ و آقا کے پاس ایک غلام بن کر حاضر رہتے تھے اور امام عالی مقام کے اوامر و نواہی کی اطاعت کرتے تھے آپ جب بھی امامؑ سے مخاطب ہوتے تھے تو انہیں ''یا اباعبداللہ'' ''یابن رسول اللہ'' ''یا سیدی'' کہہ کر پکارتے تھے۔

اور تمام عمر آپ نے امام حسین علیہ السلام کو بھائی نہ کہا' سوائے روز عاشور کے کہ جب آہنی گرز کی ضربت سے آپ گھوڑے سے زمین پر تشریف لائے۔ (معالی السبطین ۱/۲۷۱)

اور منقول ہے کہ اس کی وجہ یہ تھی کہ آپؑ نے اس گھڑی حضرت فاطمہ زہراؑ کو دیکھا جو فرما رہی تھیں۔ ''ولدی عباس'' میرے بیٹے عباس۔

شجاعت عباسؑ

حضرت عباسؑ نے اپنے والد بزرگوار امیرالمومنینؑ علی علیہ السلام سے ہاشمی شجاعت اور اپنی ماں کی طرف سے قلابی و عامری شجاعت ورثہ میں پائی تھیں اور آپ کی اس قدر تربیت ہوئی تھی کہ آپ قہرمان قرار پائے۔

قبل ازیں تذکرہ کیا جا چکا ہے کہ حضرت امیر المومنینؑ نے ایک بہادر خاتون کا انتخاب فرمایا تا کہ اس سے ایک دلیر بیٹا جنم لے، جس کا زور بازو حسین علیہ السلام کے کام آ سکے۔ جیسا کہ ہارونؑ اپنے بھائی موسیٰؑ کا اور خود آپؐ اپنے برادر محترم اور چچازاد رسول خداؐ کا زور بازو بنے۔

بعض کا کہنا ہے کہ حضرت عباسؑ نے اپنے والد گرامی کے ساتھ کئی جنگوں میں شرکت فرمائی اور شجاعان عرب کے ساتھ جنگیں لڑیں۔ آپؑ شیر غضب ناک کی طرح ان پر حملہ آور ہوتے تھے، اور انہیں خاک ہلاکت میں ملا دیتے تھے۔

بیر جندی مرحوم لکھتے ہیں: روز صفین آپؑ نے اپنے بھائی کی مدد کی اور امام حسینؑ کے دست و بازو بن کر لشکر معاویہ کو فرات سے دور کرنے میں معاونت کی اور نہر فرات کو دشمن کے قبضہ سے چھڑا کر امیر المومنینؑ کے تصرف میں لائے۔ (کبریت احمر/۳۸۵)

شب عاشور امام حسینؑ کے اصحاب میں سے اکثر مشغول عبادت تھے، بہت سے قیام میں اور کئی ایک رکوع و سجود میں تھے۔ لیکن مرحوم طریحی نقل کرتے ہیں کہ قمر بنی ہاشم اپنے گھوڑے پر سوار تھے اور تلوار حمائل کئے خیام کی اطراف میں گشت کرنے میں مصروف تھے اور خیام کی حفاظت فرما رہے تھے۔
(معالی السبطین: ۱/۲۷۰)

شاعر عرب عالم بزرگوار ازری امام حسین علیہ السلام کی زبان حال سے، اپنے بھائی (عباسؑ) کے سرہانے کہتے ہیں۔

اَلْیَوْمَ نَامَتْ اَعْیُنٌ بِکَ لَمْ تَنَمْ
وَتَسَھَّدَتْ اُخْرٰی فَعَزَّ مَنَا مُھَا

"آج وہ آنکھیں جو آپ کے خوف سے نہیں سوتی تھیں سو گئیں اور دوسری

آنکھیں بیدار ہوگئیں اور ان کے لئے نیند دشوار ہوگئی۔ (نفس المہموم ۱۳۲۵)

روز عاشور چار ہزار افراد اور ایک روایت کے مطابق دس ہزار افراد نہر فرات پر متعین تھے تاکہ کسی کو دریا تک نہ پہنچنے دیں اور پانی نہ لے جانے دیں۔ اور تمام شیعہ سنی مورخین لکھتے ہیں کہ حضرت عباسؑ تن تنہا نہر فرات پر جا پہنچے اور ہزاروں افراد پر مشتمل شجاعان عرب کے اس لشکر کو تتر بتر کر دیا یہاں تک کہ چھ مرتبہ اس لشکر نے ہجوم کیا تاکہ آپؑ کو دریا تک پہنچنے سے روک سکیں۔

اور اس وقت دشمن جان گئے کہ جب تک حضرت عباسؑ امام حسینؑ کے لشکر میں ہیں ہم ان پر غالب نہیں آ سکتے لہٰذا وہ لوگ آپ کے لئے امان نامہ لائے جسے قمر بنی ہاشمؑ نے رد کر دیا۔

اور کسی شخص کی جرات نہیں تھی کہ حضرت عباسؑ سے جنگ کے لئے باہر نکلے۔

نیز کسی کو احتمال نہیں تھا کہ آپؑ کو شہید کیا جا سکتا ہے، لہٰذا حیلوں بہانوں اور بزدلانہ طریقوں سے آپؑ کو شہید کیا گیا۔ دشمن نے کھجور کے درختوں کے پیچھے کمین گاہ بنائی اور چھپ کر پہلے آپؑ کے دائیں ہاتھ کو اور پھر بائیں ہاتھ کو قطع کیا، اور بعد میں آپ کے فرق مبارک پر آہنی گرز سے ضربت لگا کر شہید کر دیا۔

روز عاشور امام عالی مقامؑ نے حضرت عباسؑ کو جہاد کی اجازت مرحمت نہ فرمائی وگرنہ دشمن کے لشکر سے ایک شخص بھی باقی نہ بچتا یا پھر دشمن قتل ہو جاتے یا بھاگ جاتے اور واقعہ کچھ اور ہی ہوتا امامؑ نے اپنے بھائی سے صرف یہ فرمایا: میرے بچوں کے لئے پانی لے آیئے۔ آپؑ کی شجاعت و شہامت کا نمونہ ہم آپؑ کی شہادت کے باب میں ذکر کریں گے اور ان تمام باتوں سے ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ آپ حیدر کرار اسد اللہ الغالب کی شجاعت کا مظہر تھے اور باپ کی یہ صفت شجاعت آپ میں عیاں تھی۔

جنگ صفین میں ایک روز نقاب پہنے ہوئے ایک جوان حضرت علیؑ کے لشکر سے نکلا اور اپنے گھوڑے کو میدان جنگ میں دوڑاتے ہوئے مبارزہ طلب کیا۔ معاویہ کے ساتھی اس کے مبارزہ سے خوف زدہ تھے۔ معاویہ نے ابن شعثاء کو حکم دیا کہ اس جوان سے جنگ کرو ابن شعثاء نے کہا: اہل شام مجھے دس ہزار سوار کے برابر سمجھتے ہیں اور تم مجھے اس (ایک) نوجوان کے ساتھ جنگ میں بھیج

رہے ہو؟

میرے سات بیٹے ہیں میں ایک کو بھیجتا ہوں کہ اس کو قتل کر دے۔

اس نے اپنے بیٹوں میں سے ایک کو میدان جنگ میں بھیجا اور وہ قتل ہو گیا۔ پھر بالترتیب اس کے ساتوں بیٹے یکے بعد دیگرے میدان میں اترے اور اس نقاب والے ہاشمی جوان نے تمام کو واصل جہنم کر دیا۔

سات بیٹوں کے قتل نے ابن شعثا کو بوکھلا دیا اور وہ خود شیر غضب ناک کی طرح میدان جنگ میں اترا۔ (تمام لشکری چشم تماشا اس پر جمائے ہوئے تھے کہ) ہاشمی جوان نے اس پر حملہ کیا اور ایسا وار کیا کہ جس سے وہ دو ٹکڑے ہو گیا اور اپنے بیٹوں سے جاملا حاضرین نے اس کی شجاعت پر تعجب کیا اور لشکر معاویہ میں سے کسی کی جرأت نہ تھی کہ تنہا میدان میں اترے۔

امیر المومنین علیہ السلام کے اصحاب بھی اس کی شجاعت سے سخت حیران تھے اور ایک دوسرے سے پوچھ رہے تھے یہ نقاب والا جوان کون ہے؟

امیر المومنینؑ نے اس جوان کو آواز دی اور اپنے نزدیک بلایا (اور فرمایا: بیٹا مجھے خوف ہے کہ تمہیں نظر نہ لگے جائے) جب وہ واپس لوٹا تو اس کے چہرے سے نقاب اٹھائی (اور دو آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا)، اصحاب نے دیکھا کہ وہ حضرت عباسؑ ہیں۔

اس تاریخی واقعہ کے وقت آپ کا سن مبارک پندرہ (۱۵) سے سترہ (۱۷) سال تک تحریر کیا گیا ہے۔ (معالی السبطین: ۱/۲۶۷، کبریت احمر ۳۳۸۵ م ۳ زندگانی قمر بنی ہاشم ۱/۱۳۳)

کامل التواریخ کی روایت کے مطابق حضرت عباسؑ نے روز عاشور کی ابتداء میں دیکھا کہ خیموں کے اطراف انصار سے خالی ہو گئی ہیں۔ جب نگاہ دوڑائی تو معلوم ہوا کہ ان میں سے بیں افراد کو عمر سعد کے ساتھیوں نے گرفتار کر لیا ہے۔ آپ نے ان پر شیر کی طرح حملہ کیا اور ان بیں افراد کو آزاد کرا لیا۔ دوسری روایت میں منقول ہے کہ جناب زہیر عبداللہ بن جعفر بن عقیل کے پاس آئے اور کہا:

يا اَخِيْ نَاوِلْنِيْ اَلرَّايَةَ

''بھائی پرچم مجھے دے دیجئے۔''

عبداللہؓ نے کہا: کیا تم پرچم کے اٹھانے میں مجھے ضعیف و عاجز محسوس کر رہے ہو۔

زہیرؓ نے کہا: نہیں! لیکن مجھے ضرور پرچم لینا ہے۔ انہوں نے پرچم کو اٹھایا اور جناب عباسؑ کے نزدیک پہنچ کر عرض کیا: اے فرزند امیر المومنینؑ! میں چاہتا ہوں کہ آپ سے ایک حدیث نقل کروں۔

حضرت عباسؑ نے فرمایا:

آپ اپنی بات بیان کیجیے کہ وقت بہت کم ہے۔

زہیرؓ نے کہا: اے ابو الفضلؑ جب آپ کے باپ نے آپ کی ماں ام البنینؑ سے شادی کا ارادہ کیا تو اپنے بھائی عقیل کو بلا کر فرمایا: میرے لئے کسی بہادر قبیلے کی عورت کی خواستگاری کرو تاکہ خدا اس میں سے مجھے بہادر فرزند عطا فرمائے جو میرے بیٹے حسینؑ کا ناصر و مددگار ثابت ہو' اور کربلا میں اپنی جان دے کر اس کی حفاظت کرے۔ آپ کے باپ نے آپ کو اس دن کے لئے بچا کر رکھا ہے پس اپنے بھائی کے حرم اور بہنوں کی حفاظت میں کوتاہی نہ کرنا۔

یہ کلام سنکر حضرت عباسؑ کے بدن پر لرزہ طاری ہوگیا اور آپ نے رکاب میں اس طرح پاؤں رکھا کہ اس کا تسمہ ٹوٹ گیا اور فرمایا: اے زہیرؓ!

تُشَجِّعُنِیْ فِیْ مِثْلِ هٰذَا الْیَوْمِ وَاللّٰهِ لَاَ رِیَنَّکَ شَیْئًا مَا رَأَیْتَهُ قَطُّ .

''کیا تم ایسے دن کے لئے مجھے جوش شجاعت دلا رہے ہو؟ خدا کی قسم! میں تمہارے لئے نشان راہ چھوڑ جاؤں گا (اور اس قدر فداکاری کروں گا) کہ جسے تم نے ہرگز نہ دیکھا ہوگا۔ آپ نے یہ کہا اور اپنے گھوڑے کو لشکر اشقیاء کی طرف دوڑایا اور میدان کے وسط تک جا پہنچے۔ مقاتل کی بعض دوسری روایات کے مطابق آپ نے اپنی تلوار سے دس ہزار افراد پر مشتمل اس لشکر پر اس طرح حملہ کیا کہ گویا آپ کی تلوار آگ تھی، جو ان سے گزری رہی تھی آپ نے رجز پڑھا اور ان کے سورماؤں میں سے سو افراد کو قتل کر دیا۔ (کبریت احمر/۳۸۶)

ایک زیارت میں ابوحمزہ ثمالی نے امام جعفر صادقؑ سے روایت کی ہے کہ جس میں آپ کی شجاعت کا وصف یوں بیان کیا گیا ہے:

أَشْهَدُ أَنَّکَ قَدْ بالَغْتَ فِي النَّصِيحَةِ وَأَعْطَيْتَ غايَةَ الْمَجْهُودَ اَشْهَدُ اَنَّکَ لَمْ تَهِنْ وَلَمْ تَنْکُلْ وَاَنَّکَ مَضَيْتَ عَلٰى بَصِيرَةٍ مِنْ اَمْرِکَ مُقْتَدِيًا بِالصّالِحِينَ وَمُتَّبِعاً لِلنَّبِيِّينَ"

"میں گواہی دیتا ہوں (کہ اے ابوالفضل!) آپؑ نے خیر خواہی میں بہت کوشش کی اور اس راستے میں کمال کی تلاش اور اہتمام کیا۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے (دین کے دفاع میں) کسی قسم کی کوتاہی اور سستی نہیں کی۔ بصیرت و حجت کے ساتھ زندگی بسر کی اور اپنے اعمال میں ہمیشہ صالحین کی اقتدا کی اور خدا کے رسولوںؑ کی پیروی کی ....

(کامل الزیارات ۱/۲۵۷ ب ۸۵)

مواسات عباس

زیارت ناحیہ مقدسہ میں ہم پڑھتے ہیں:

اَلسَّلامُ عَلٰى اَبِي الْفَضْلِ الْعَبّاسِ بْنِ اَمِيرِالْمُؤْمِنِينَ، اَلْمُواسِيْ أَخاهُ بِنَفْسِهِ، اَلآخِذُلِغَدِهِ مِنْ اَمْسِهِ، اَلْفادِيْ لَهُ اَلْواقِي السّاعِي، اِلَيْهِ بِمائِهِ الْمَقْطُوعَةِ يَداهُ.

"فرزند امیر المومنین ابوالفضل العباسؑ پر سلام ہو کہ جنہوں نے اپنی جان راہ مواسات میں اپنے بھائی کے لئے قربان کردی اور دنیا سے آخرت کے لئے فائدہ اٹھایا جس نے اپنے بھائی پر جان نثار کر کے ان کے فرمان کی بجا آواری کرتے ہوئے پانی لانے کی کوشش کی اور اپنے ہاتھ تک کٹوا دیئے۔

(بحار الانوار: ۶۶/۴۵)

امام جعفر صادقؑ اس بزرگوار کی زیارت میں فرماتے ہیں:

اَشْهَدُ لَقَدْ نَصَحْتَ اللّٰهِ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلاَ خِیْکَ فَنِعْمَ الْاَخُ الْمُواسِی.

''میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے خدا و رسولؐ کے راستے میں اپنے بھائی حسینؑ کی خیر خواہی کی اور وفاداری میں کوتاہی نہ کی) پس آپ کس قدر اچھے اور ایثار کرنے والے بھائی تھے کہ حسینؑ کے ساتھ (مصائب وشدائد کے برداشت کرنے میں) مساوات' مواسات اور فداکاری کا مظاہر کیا۔

(مفاتیح الجنان' حضرت عباسؑ کی زیارت کا آخری حصہ)

آپ کے والد محترم امیر المومنینؑ نے خود کو رسول خداؐ پر قربان کردیا اور آنحضورؐ کو اپنے سے مقدم جانا اور حضرت عباسؑ نے اپنے باپ سے یہ صفت ورثہ میں حاصل کی اور اس خصلت کے مظہر تام بن کر سامنے آئے۔

آپ نے خود کو اپنے بھائی پر قربان کردیا اور اس عظیم ہستی کو خود پر مقدم رکھا۔ اور اس قدر مواسات کا مظاہرہ کیا کہ جب دریا کے کنارے پہنچ گئے تو بھی پانی نہ پیا اور اپنے نفس سے خطاب فرمایا:

عباس! تم پانی پیتے ہوئے جب کہ حسینؑ اور ان کے اہل بیتؑ پیاسے ہیں۔

یوں آپ تشنہ لب دریا سے باہر نکل آئے تاریخ عالم مواسات کی ایسی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

شفاعت و مقام عباسؑ

منقول ہے کہ قیامت کے دن رسول خداؐ حضرت علیؑ سے فرمائیں گے: فاطمہؑ سے پوچھو کہ امت کی شفاعت ونجات کے لئے اس سخت وقت میں آپ کے پاس کیا ہے؟

حضرت علیؑ یہ پیغام حضرت فاطمہؑ کو دیں گے اور جناب فاطمہؑ جواب میں فرمائیں گی

یااَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ کَفَانَا لِاَجْلِ هٰذَا الْمَقَامِ الْیَدَانِ الْمُقْطُوْعَتَانِ مِنِ ابْنِیْ الْعَبَّاسِ

''اے امیر المومنین ! ہمارے پاس (امت کی)شفاعت کے لیے میرے بیٹے عباسؑ کے دو کٹے ہوئے ہاتھ کافی ہیں'' (معالی السبطین :۱/۲۷۶)

معجزات عباسؑ

حضرت عباسؑ کے معجزات اس قدر زیادہ ہیں کہ ان کے بیان کے لئے ایک علیحدہ کتاب کی ضرورت ہے اور شاید ہی کوئی شیعہ ایسا ہو جسے قمر بنی ہاشم باب الحوائج حضرت عباس کا کوئی معجزہ یاد نہ ہو صرف کتاب "چہرہ درخشان قمر بنی ہاشم" کی جلد اول میں آپ جناب کے چوبیس (۲۴) معجزے درج ہیں۔ ہم بطور تبرک حضرت عباسؑ کی چند کرامات نقل کرتے ہیں تاکہ کتاب ان حقائق سے خالی نہ رہے۔

(۱) عالم جلیل القدر شیخ حسن جو کہ علامہ شیخ محسن کے فرزند ارجمند تھے، شیخ حسن کے نوادگان سے اور وہ الحاج منیشد بن سلمان سے اور وہ اہل فالحیہ سے، جو صاحب بصارت عارف اور لائق اعتماد شخص تھے، اور جنہوں نے خود اس کرامت کا مشاہدہ کیا، نقل کرتے ہیں:

خرم شہر میں طائفہ براجعہ کا ایک شخص، جس کا نام مخیلف تھا، پاؤں کے ایک مرض میں مبتلا ہو گیا۔ اس کے پاؤں یکسر ناکارہ ہو گئے اور وہ با آسانی حرکت نہیں کر سکتا تھا وہ تیس سال تک حالت میں رہا اور خرم شہر کے اکثر لوگوں نے اس کا مشاہدہ کیا کہ وہ بازار اور مجالس عزا میں اپنے دست و پا کے بل گھسٹتا ہوا لوگوں کی مدد سے آتا جاتا تھا۔ شیخ خزعل کعبی کی خرم شہر میں ایک امام بارگاہ تھی کہ جس میں محرم الحرام کے پہلے عشرہ میں عزاداری کی مجالس برپا ہوتی تھیں، جن میں کثیر تعداد میں لوگ شرکت کرتے تھے۔ یہاں تک کہ اوپر کی منزل میں خواتین بھی بیٹھی ہوتی تھیں۔ اس شہر میں رسم تھی کہ جب مدح خواں اپنے نوحے میں ذکر شہادت پر پہنچتا تھا تو اہل مجلس کھڑے ہو جاتے تھے۔ اور مختلف انداز سے اپنے سر اور سینے پیٹتے تھے۔ مخیلف بھی ان مجالس میں شریک ہوتا تھا اور چونکہ وہ اپنے پاؤں پر کھڑا نہیں ہو سکتا تھا لہٰذا منبر کے نیچے ہی بیٹھا رہتا تھا۔

سات محرم کا دن حضرت عباس کے مصائب کے لئے مخصوص تھا۔ جب خطیب نے قمر بنی ہاشم کے مصائب پڑھنا شروع کئے تو حاضرین میں سے مرد و زن کھڑے ہو گئے اور معمول کی گرم جوشی کے مطابق عزاداری کرنے لگے۔ اس حال میں اچانک مخیلف کو دیکھا گیا کہ وہ اپنے پاؤں پر

کھڑا ہے اور اپنے سر اور چہرے پر ماتم کرر ہا ہے۔ وہ اس طرح نوحہ خوانی کرر ہا ہے تھا:

اَنَا مَخِیْلُفْ قَیَّمَنِی الْعَبَّاسُ.

''میں مخیلف ہوں کہ جسے عباسؑ علمدارؑ نے پاؤں پر کھڑا کر دیا''

جب لوگوں نے حضرت عباس کا یہ معجزہ دیکھا تو مخیلف کے گرد اکٹھے ہو گئے ۔انہوں نے اسے آغوش میں لے لیا اور چومنے لگے ۔ یہاں تک کہ اس کے لباس کو بھی بطور تبرک حاصل کرنے کے لئے پارہ پارہ کر دیا گیا۔ جب شیخ خزعل نے یہ حالت دیکھی تو اپنے خدمت گاروں کو حکم دیا کہ اسے ان لوگوں کے ہجوم سے نکالو اور کسی کمرے میں لے جاؤ۔ اس روز خرم شہر روز عاشور کی طرح ہو گیا اور مردوں اور عورتوں کے گریہ وفریاد نے پورے شہر کولرزا دیا۔

علامہ شیخ حسن مذکور کہتے ہیں:

جب مخیلف سے ماجرہ دریافت کیا گیا تو اس نے کہا: جس وقت لوگ عزائے عباس میں اپنا سر پیٹ رہے تھے ۔ میں منبر کے نیچے نیم خوابیدہ حالت میں بیٹھا تھا۔ میں نے ایک بلند قامت نیکو کار مرد کو سفید رنگ کے مضبوط گھوڑے پر مجلس میں آتے ہوئے دیکھا ۔جس نے مجھ سے فرمایا :اے مخیلف! تم عزائے عباسؑ میں چہرہ اور سر کیوں نہیں پیٹ رہے ہو؟

میں نے عرض کیا: میرے آقا! اس حال میں مجھ میں سکت نہیں ہے۔

فرمایا: اٹھو! عرض کیا: میرے مولا! میں اٹھ نہیں سکتا! فرمایا: اٹھو! اور اپنے سر اور چہرے پر ماتم کرو میں نے کہا: میرے آقا! مجھے اپنے ہاتھ کا سہارا دے دیں تا کہ میں اٹھ سکوں۔

فرمایا: میرے ہاتھ نہیں ہیں ۔

میں نے کہا: تو پھر میں کیسے اٹھوں؟

فرمایا: میرے گھوڑے کی رکاب کو پکڑو اور اٹھ کر کھڑے ہو جاؤ۔

پس میں نے گھوڑے کی رکاب کو پکڑا۔ گھوڑے نے مجھے اٹھایا اور مجھے منبر کے نیچے سے باہر کھینچ کر غائب ہو گیا۔ میں نے دیکھا تو مجھے صحت وسلامتی مل چکی تھی۔

(العباس مرحوم مقرم ۲۵۸/ سردار کربلا ۲۶۲ ہاہت پنجم)

(۲) آیۃ اللہ عراقی مرحوم' جو کہ بزرگان نجف میں سے اور آیت اللہ شیخ مرتضٰی انصاری کے شاگردوں میں سے تھے' نقل کرتے ہیں کہ شیخ نبیل' فاضل جلیل عبدالرحیم وزفولی (شوشتری) جو کہ شیخ انصاری مرحوم ہی کے شاگرد تھے۔ ہمارے لئے نقل فرماتے ہیں:

میری دو حاجات ایسی تھیں کہ جن کے پورا ہونے کے لئے میں بہت بے چین تھا۔ میں ان کا ذکر کسی سے نہیں کرتا تھا۔ میں نے بار بار ان حاجات کے برلانے کے لئے امیرالمومنینؑ امام حسینؑ اور حضرت عباسؑ سے درخواست کی اور ان کو اپنا شفیع قرار دیا' لیکن اثر قبولیت ظاہر نہ ہوا۔

اس دوران میں میں ایک مخصوص زیارت کے اوقات میں نجف سے کربلا گیا۔ میں نے حرمین شریفین میں ددبارہ عرضِ حاجت کی لیکن وہ قبول ہوتی دکھائی نہ دی۔ ایک دن میں حضرت عباسؑ کے حرم میں گیا۔ میں نے بہت سے لوگوں کو دیکھا کہ روضہ مبارک میں جمع تھے۔ عورتوں کا شور برپا تھا اور لوگ آ جا رہے تھے۔ ان سب نے ایک شخص کو گھیر رکھا تھا۔ جب میں نے اس کا سبب پوچھا تو معلوم ہوا کہ صحرا کے بادیہ نشینوں کا ایک بچہ طویل عرصہ سے فالج زدہ تھا۔ اس کے اقرباء اسے حضرت عباسؑ کے حرم کے پاس لائے۔ وہ بچہ حضرت عباسؑ کی نظر کیمیا اثر کا متمنی ہوا اور شفا یاب ہو گیا۔ اب وہ صحیح وسلامت ہے۔

جب میں نے اسے دیکھا تو میری حالت منقلب ہو گئی۔ میں نے ایک سرد آہ بھری اور ضریح مطہر کے نزدیک پہنچ کر عرض کیا: یا ابوالفضلؑ! میری دو شرعی اور آسان سی حاجتیں ہیں۔ جنہیں میں بار بار آپ کے والد گرامی اور بھائیوں کی خدمت میں عرض کر چکا ہوں، لیکن انہوں نے ابھی تک نظر عنایت نہیں فرمائی جب کہ یہ صحرائی عرب بچہ محض داخل حرم ہونے سے شفایاب ہو گیا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ چالیس سالہ' زیارت و مجاورت اور علمی مشغولیت کے باوجود آپ کی نظر میں میری قدر ایک عرب بچے کے برابر بھی نہیں۔ میری ساری محنت و مشقت بے اثر رہی ہے سو میں اس کے بعد ان شہروں میں نہیں رہوں گا بلکہ ایران چلا جاؤں گا۔

میں نے یہ بات کہی اور حرم سے باہر نکل آیا۔ امام حسینؑ کے روضہ مبارک پر مختصر سا

سلام کیا۔ اور ایک قہر زدہ شخص کی طرح اپنی منزل کی طرف مراجعت کی۔ میں نجف اشرف کی طرف روانہ ہوگیا تا کہ شوشتر واپس جاسکوں۔

جب میں نجف اشرف میں داخل ہوا تو صحن مطہر کے راستے سے اپنے گھر گیا۔ وہاں میری ملاقات شیخ انصاری کے ملازم ملا رحمت اللہ سے ہوگئی۔ اس نے مصافحہ و معانقہ کے بعد مجھ سے کہا کہ شیخ مرتضیٰ آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔

میں نے کہا: شیخ کو کیسے علم ہوا' میں تو ابھی ابھی یہاں پہنچا ہوں؟ اس نے کہا: میں نہیں جانتا انہوں نے مجھے فرمایا ہے کہ جاؤ صحن میں شیخ عبدالرحیم کربلا سے واپس پہنچا ہے اسے میرے پاس لے آؤ۔

میں نے اپنے آپ سے کہا: شاید اس ملاحظہ کا سبب مجاوروں کی عادت ہو کہ روز زیارت سے ایک دن بعد باہر نکلتے ہوں اور غالباً میں بھی صحن کے راستے سے داخل ہوا ہوں۔

پس ہم شیخ انصاری کے گھر کی جانب چل دیئے۔ جب دروازے پر دستک دی تو شیخ نے پوچھا کون ہو؟ ملازم نے عرض کیا: شیخ عبدالرحیم کو لے کر آیا ہوں۔

شیخ مرتضیٰ باہر تشریف لائے اور ملا رحمت اللہ سے فرمایا کہ تم چلے جاؤ۔ جب وہ چلا گیا تو شیخ نے مجھ سے فرمایا: تمہاری حاجات یہ یہ ہیں!

میں نے عرض کیا: ہاں!

فرمایا تمہاری ایک حاجت تو میں پوری کروں گا۔ البتہ دوسری حاجت کے لئے استخارہ کرتا ہوں' اگر ہاں میں ہوا تو وہ بھی پوری کردوں گا۔ (پھر شیخ انصاری وہاں سے چلے گئے' واپس آئے تو) فرمایا! میں نے جا کر استخارہ کیا ہے۔ جو ہاں میں ہے۔ اس اعلان کے بعد وہ حاجت بھی پوری کردی (دارالسلام عراقی ۵۴۹/ف ۵)

اس داستان کو آیۃ اللہ بہجت نے بھی نقل کیا ہے' لیکن وہ فرماتے ہیں:

شیخ عبدالرحیم کی تین حاجات تھیں: مکان خریدنا' سفر حج کرنا اور شادی کرنا۔ اور جب وہ شیخ انصاری کی خدمت میں پہنچے تو انہوں نے فرمایا: یہ رقم لیں اور فلاں گھر خرید لیں، اور فلاں شخص

آپ کو حج کے لئے بھیج دے گا' اور میں فلاں شخص کی بیٹی کے لئے استخارہ کرتا ہوں اگر استخارہ منظور ہو تو اسے آپ سے رشتہ ازدواج میں باندھ دیا جائے گا۔ استخارہ قبول ہو اور اس طرح (شیخ عبدالرحیم کی) تینوں حاجات پوری ہو گئیں۔

(۴) آل کبہ کے تاجر کی داستان جس کا ذکر آپؑ کے لقب کے باب میں کیا جا چکا ہے۔

حضرت عباسؑ کی شہادت

حضرت عباسؑ نے جب دیکھا کہ اہل بیتؑ میں سے آپ کے متعدد بھائی شہید ہو چکے ہیں تو اپنی ماں ام البنین کے پیٹ سے امیرالمومنینؑ کے فرزندوں یعنی اپنے مادری بھائیوں عبداللہ' جعفر اور عثمان سے فرمایا:

اے میرے بھائیو! میں آپ پر قربان' آگے بڑھو اور اپنی جانیں اپنے سید و سردار کے سپرد کر دو۔ اور آنحضرتؑ کی حمایت میں استقامت کا مظاہر کرتے ہوئے ان کے سامنے شہید ہو جاؤ۔ حضرت کے بھائیوں نے آپ کی اطاعت کی اور امام حسین علیہ السلام کے سامنے جا کر کھڑے ہو گئے اور اپنی جانیں امام عالی مقامؑ پر قربان کر دیں۔ (منتہی الامال :۳۸۱/۱)

جب حضرت عباس نے امام حسینؑ کو تنہا دیکھا تو ان کی خدمت میں پہنچے اور عرض کیا:

مجھے رخصت عطا کیجئے کہ اپنی جان آپ پر قربان کر سکوں۔ آنحضرتؑ نے یہ بات سن کر شدید گریہ کیا۔ پھر فرمایا:

اے بھائی! آپ تو میرے علم بردار ہیں۔ اگر آپ شہید ہو گئے تو لشکر بکھر جائے گا۔

حضرت عباسؑ نے عرض کیا: اے بھائی (اے آقا! رنج والم برداشت کرتے کرتے) میرا سینہ تنگ ہو گیا ہے اور میں دنیا کی زندگی سے اکتا گیا ہوں۔ اور ان منافقوں سے جنگ کرنا چاہتا ہوں۔

امام حسین نے فرمایا: فی الحال ان بچوں کی زندگی کے لئے پانی طلب کیجئے۔ حضرت عباسؑ نے لشکر کی طرف حرکت کی اور انہیں وعظ اور نصیحت کی۔ لیکن ان سنگدلوں پر کچھ اثر نہ ہوا۔

(بعض روایات کے مطابق' بلند آواز میں فرمایا: اے عمر سعد! یہ رسول خداؐ کے بیٹے حسین ہیں کہ جن کے اصحاب اور اہل بیت کو قتل کیا گیا۔ اور یہ ان کے عیال واولاد ہیں کہ جو پیاسے ہیں انہیں پانی دیجئے کہ ان کے دل پیاس سے جل رہے ہیں۔ اور فرمایا: مجھے جانے دو کہ حجاز وعراق کو تمہارے لئے چھوڑ دوں۔

ان اشقیاء میں سے بعض کے دل پر کلام عباسؑ نے اثر کیا اور وہ گریہ کرنے لگے۔ لیکن شمر نے بہ آواز بلند کہا:

اے ابوتراب کے بیٹے! اگر تمام زمین پانی ہو جائے تو بھی ہم اس میں سے ایک قطرہ تمہیں نہیں دیں گے۔ جب تک کہ تم لوگ یزید کی بیعت نہ کرلو۔ (مقتل مقرم ۳۳۵)

ناچار آپ واپس اپنے بھائی کی خدمت میں پہنچے اور جو کچھ سنا تھا ان سے عرض کیا۔

آپ نے بھائی کے بچوں کی صدائے العطش کو سنا تو اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے، نیزہ ہاتھ میں لیا' مشکیزہ اٹھایا اور دریائے فرات کی طرف جانے کا ارادہ کیا (کہ شاید پانی لاسکیں) دشمن کے چار ہزار لشکری فرات پر متعین تھے، انہوں نے آپؑ کو گھیرے میں لے لیا اور آپؑ پر تیروں کی بارش کردی۔ آپ کے بدن مطہر پر اتنے تیر لگے کہ آپ کی زرہ خارپشت (سیہ) کی مانند دکھائی دینے لگی۔

بیشہ شجاعت کے اس شیر ببر نے دشمن پر حملہ کیا۔ آپؑ اس وقت رجز پڑھ رہے تھے اور اپنے اردگرد سے دشمنوں کو بھگا رہے تھے۔ ایک روایت کے مطابق آپ نے اسی (۸۰) افراد کو واصل جہنم کیا اور خود آب فرات تک پہنچے۔ (زحمت جنگ اور پیاس کی شدت سے آپؑ کا جگر کباب ہو رہا تھا) آپ نے چاہا کہ پانی پئیں۔ لیکن ایک چلو میں پانی لیا تو حسینؑ اور اہل بیت حسینؑ کی پیاس یاد آ گئی آپؑ نے فرمایا:

وَاللّٰهِ لَا أَذُوقُ الْمَاءَ وَسَيِّدِيَ الْحُسَيْنُ عَطْشَانَ.

''خدا کی قسم! میں اپنے ہونٹوں سے پانی کو نہیں چھوؤں گا جب تک کہ میرے آقا حسینؑ تشنہ کام ہیں''

آپ نے چلو سے پانی گرادیا مشکیزہ پانی سے بھرا اور دائیں کاندھے پر لٹکا کر نہر سے باہر نکلے۔ آپ کی توجہ خیموں کی طرف تھی۔

اشقیاء کے لشکر نے جب یہ صورتِ حال دیکھی تو آپ کا راستہ روک لیا اور چاروں طرف سے آپ کو گھیر لیا۔ آپ شیر خشمناک کی طرح ان پر حملہ آور ہوئے اور انہیں راستے سے ہٹاتے ہوئے آگے بڑھے۔ اچانک نوفل ارزق اور دوسری روایت کے مطابق زید بن ورقا جو کمین گاہ میں چھپا ہوا تھا، درخت کی اوٹ سے برآمد ہوا۔ حکیم بن طفیل نے اس کی کمک کی اور ایک ضربت سے آپ کے دائیں ہاتھ کو بدن سے جدا کر دیا۔

آپؑ نے بائیں شانے پر مشکیزہ اٹھایا اور بائیں ہاتھ ہی میں تلوار لئے دشمنوں پر حملہ آور ہوئے آپ اس وقت یہ رجز پڑھ رہے تھے:

وَاللّٰهِ اِنْ قَطَعْتُمْ يَمِيْنِي
اِنِّي اُحَامِيْ اَبَدًا عَنْ دِيْنِي
وَعَنْ اِمَامٍ صَادِقِ الْيَقِيْنِ
نَجْلِ النَّبِيِّ الطَّاهِرِ الْاَ مِيْنِ

"خدا کی قسم! اگر چہ تم نے میرا دایاں ہاتھ کاٹ دیا ہے، لیکن میں پھر بھی اپنے دین اور طاہر و امین پیغمبر کی بیٹی کے بیٹے اور اپنے سچے پیشوا (حسینؑ علیہ السلام) کی حمایت کروں گا"

چو دست راست جدا شد زپیکر عباسؑ
گریست عرش بہ حال بردار عباسؑ
شکست پشت رسولؐ از شکست بازویش
خمید قد علیؑ چون ہلال ابرویش
جہان بہ دیدۂ مظلوم کربلا شب شد
سپہر گفت: اسیری نصیب زینبؑ شد

''جب عباسؑ کا دایاں بازو بدن سے جدا ہوا تو عباسؑ وفادار کے بھائی (حسینؑ) کے حال زار پر عرش نے گریہ کیا۔ عباسؑ کا بازو کٹنے سے رسول معظمؐ کی کمر ٹوٹ گئی اور علی مرتضیٰؑ کا قد راست ہلال ابرو کی مانند خمیدہ ہوگیا۔ مظلوم کربلاؑ کی آنکھوں میں (پورا) جہان شب تاریک کی صورت اختیار کر گیا۔ آسمان نے ندا دی زینبؑ کو قیدی بنایا جائے گا۔

آپؑ جہاد کرتے ہوئے خیام کی طرف بڑھے۔ نوفل اور ایک اور روایت کے مطابق حکیم بن طفیل جو کہ کمین گاہ میں چھپا بیٹھا تھا، نے آپ کے بائیں ہاتھ کو بھی بدن سے جدا کر دیا۔ دریں اثناء آپؑ نے یہ رجز پڑھا۔

يَا نَفْسُ لَا تَخْشَىٰ مِنَ الْكُفَّارِ
وَابْشِرِي بِرَحْمَةِ الْجَبَّارِ
مَعَ النَّبِيِّ السَّيِّدِ الْمُخْتَارِ
مَعَ جُمْلَةِ السَّادَاتِ وَالْاَطْهَارِ
قَدْ قَطَعُوْا بِبَغْيِهِمْ يَسَارِيْ
فَاَصْلِهِمْ يَارَبِّ حَرَّ النَّارِ

اے نفس! کفار کے اس ہجوم اور حملے سے نہ ڈر کہ تو خداوند جبار کی رحمت سے شاد و خرسند ہوگا۔ اور پیغمبر بزرگوار، سید ابرار احمد مختارؐ اور جملہ سادات و (آئمہؑ) اطہارؑ کے جوار میں جگہ پائے گا۔

پروردگار! ان اشرار نے میرا بایاں ہاتھ بھی کاٹ دیا ہے۔ تو انہیں جہنم کی دہکتی ہوئی آگ میں ڈال۔

آپ نے مشک کو اپنے دندان مبارک میں لیا تا کہ پیاسوں تک پانی پہنچا سکیں کہ اچانک ایک تیر مشک کو آ کر لگا۔ جس سے پانی زمین پر بہہ گیا۔ دوسرا تیر آپؑ کے سینہ مبارک پر لگا۔ آپ گھوڑے سے زمین پر گرے اور یہ فریاد بلند کی: بھائی اپنے بھائی کی مدد کو پہنچیے۔

کتب مناقب اور دیگر کتب کی روایات کے مطابق، نوفل بن ارزق نے ایک آہنی گرز

آپ کے سر مبارک پر مارا۔ بعض روایات کے مطابق اس گرز کے اثر سے آپ کا سر شگافتہ ہوگیا اور شگاف دماغ تک جا پہنچا اور آپ زمین پر گر پڑے۔

مرحوم مقرم شیخ کاظم سبتی رحمۃ اللہ جو کہ ایک عالم و فاضل ہستی تھے سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا۔ ایک قابل اعتماد عالم میرے پاس آئے اور انہوں نے کہا: میں تمہاری طرف حضرت عباسؑ کا فرستادہ ہوں۔ میں نے مولا کو خواب میں دیکھا ہے کہ وہ ہم پر ناراض ہو رہے تھے، اور فرماتے تھے کہ شیخ کاظم میری مصیبت کا ذکر کیوں نہیں کرتا۔ میں نے آقا سے عرض کیا میں نے ہمیشہ ان سے آپؑ کے مصائب سنے ہیں۔ مولاؑ نے فرمایا! اسے کہو کہ اس مصیبت کا ذکر کیا کرے کہ جب بھی کوئی سوار گھوڑے سے گرتا ہے تو وہ اپنے دونوں بازوؤں کے بل زمین پر آتا ہے، لیکن اگر اس کے سینے پر تیر پیوست ہوں اور اس کے دونوں بازو کاٹ دیئے گئے ہوں تو وہ کس چیز کا سہارا لے گا اور کس طرح زمین پر آئے گا۔ (مقتل مقرم/۳۳۷)

مظلوم کربلاؑ نے جب بھائی کی صدا سنی تو آپ کے پاس پہنچے۔ جب اپنے بھائی کو اس حال میں دیکھا تو آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور فرمایا:

اَلْاٰنَ اِنْكَسَرَ ظَهْرِیْ وَقَلَّتْ حِيْلَتِیْ.

(بحار الانوار: ۴۵/۴۱ منتہی الآمال: ۱/۳۸۴ وغیرہ)

"آج میری کمر ٹوٹ گئی اور میرا چارہ تدبیر ختم ہوگیا"

(کتاب العباس مصنفہ مرحوم مقرم ص ۲۹۳ میں یہ اضافہ ہے "وَشَمِتَ بِیْ عَدُوِّیْ" اور دشمن نے میری سرزنش کے لئے زبان کھولی۔)

شیعہ مورخین اور محدثین سے مروی روایات پر مبنی کتاب "مقتل ابی مخنف" میں ہے کہ حضرت عباس نے قوم اشقیاء پر حملہ کیا۔ اس کے بعد بارش کے قطروں کی طرح بے شمار تیر چاروں طرف سے آپ پر برسے، جن کی کثرت سے آپ کی زرہ خار پشت کے جسم کی مانند ہوگئی۔ اور باوجود اس کے کہ مشک آپ کی پشت مبارک پر تھی۔ اور آپ بائیں ہاتھ سے جنگ کر رہے تھے (کیونکہ آپ کا دایاں ہاتھ کٹ چکا تھا) پھر بھی آپ نے بہت سے سورماؤں کو واصل جہنم کیا۔ ابن سعد نے (یہ حالت دیکھ کر) آواز دی:

وَيْلَكُمْ اِرْشَقُوْا الْقِرْبَةَ بِالنَّبْلِ فَوَاللّٰهِ اِنْ شَرِبَ الْحُسَيْنُ الْمَاءَ اَفْنَاكُمْ

عَنْ آخِرِكُمْ . اَمَا هُوَ الْفَارِسُ وَالبَطَلُ اَلْمُدَاعِسُ

''وائے ہوتم پر! تیر سے مشک کا پانی بہادو۔خدا کی قسم اگر حسینؑ نے پانی پی لیا تو ہم سب کو نابود کردیں گے۔خبردار ہو جاؤ کہ وہ جنگجو اور نیزہ باز اور شمشیر زن بہادر ہیں۔

(کبریت احمر ۳۸۹/۱ مقتل ابی مخنف ۹۱/۱)

پس دفعتاً اشقیا نے حضرت عباس پر ہجوم کر دیا۔آپ دفاع فرما رہے تھے اور اس اثنا میں آپ نے ایک سو اسی (۱۸۰) سواروں کو تہ تیغ کیا۔

''عدۃ الشہور'' نامی کتاب میں منقول ہے کہ سن ۴۰ ہجری کے رمضان کی اکیسویں شب کو (جو شہادت امیر المومنینؑ کی شب تھی) امیر المومنین علی علیہ السلام نے حضرت عباسؑ کو اپنی گود میں بٹھا کر سینے سے لگایا اور آپ کی آنکھیں چوم کر فرمایا:

''وَلَدِی ، سَتَقِرُّ عَیْنِی بِکَ فِیْ یَوْمِ الْقِیَامَۃِ وَلَدِیْ ذَاکَانَ یَوْمُ عَاشُوْرَا وَدَخَلْتَ الْمَشْرَعَۃَ اِیَّاکَ اَنْ تَشْرَبَ الْمَاءَ وَاَخُوکَ الْحُسَیْنُ عَطْشَانُ''

''میرے بیٹے! جلد ہی روز قیامت کو میری آنکھیں تیرے وسیلے سے روشن ہو جائیں گی۔میرے بیٹے! جب روز عاشور آپہنچے اور تم نہر فرات میں داخل ہو تو کہیں اپنے بھائی حسینؑ کی پیاس کی حالت میں تم پانی نہ پی لینا۔

(معالی السبطین: ۲۷۷/۱ اور اسی کی نظیر: العباس ۲۰۰/۱ باب مواسات)

''محرق الفواد'' نامی کتاب اور ''مقتل ابن عربی'' میں مذکور ہے کہ جس وقت حضرت عباسؑ کے بازو قطع کیے گئے اور آپؑ مظلومیت کی حالت میں زمین پر گرے تو اپنے بھائی کو صدا دی:

''یَا اَخَا اَدْرِکْ اَخَاکَ'' ''اے بھائی اپنے بھائی کی مدد کو پہنچیے امام مظلوم اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے اور حضرت عباسؑ کی مدد کے لئے میدان جنگ کا رخ کیا۔آپ عباسؑ کی صدائے نالہ و فریاد کی طرف بڑھے۔اچانک ذوالجناح رک گیا اور قدم نہ اٹھاتے ہوئے اپنے سر کو امام مظلومؑ کی طرف بلند کر کے گریہ و نوحہ زاری کرتے ہوئے زمین کی طرف اشارہ کیا۔امامؑ سمجھ گئے کہ کوئی بات ہے:

"فَلَمّا نَظَرَا لُحُسَيْنُ اِلی اِلاَ رْضِ رَاٰیٰ اَیْدِیٰ اَخِیْهِ الْعَبّاسِ مَقْطُوعَةً وَفِیْ التُّرَابِ مَوْضُوعَةً"

"جب نگاہ کی تو اپنے بھائی عباسؑ کے کٹے ہوئے ہاتھ خاک پر پڑے دیکھے۔

امامؑ جھکے! بھائی کے کٹے ہاتھوں کو اٹھا کر اپنے سینے سے لگایا اور فرمایا:

"اَلاٰنَ انْكَسَرَ ظَهْرِیْ وَقَلَّتْ حِيْلَتِیْ"

"آج میری کمر ٹوٹ گئی اور میرا چارہ کار ختم ہو گیا" (انوار الشہادۃ ۹۸ ف ۸)

مرحوم شیخ جعفر شوشتری امام کے اپنے بھائی کے ہاتھوں کے دیکھنے کی بات کو بعید از امکان تصور کرتے ہیں اور مجالس المواعظ (ص ۸۷م ۸) میں فرماتے ہیں: یہ واقعہ صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ نہر فرات کا حضرت عباسؑ کی شہادت گاہ سے راستہ' خیمہ گاہ سے آپ کی شہادت گاہ کے راستے کے علاوہ ہے۔ اور حضرت عباسؑ کے دست ہائے بریدہ نہر سے شہادت گاہ کے راستے میں گرے تھے۔ اس بنا پر ممکن نہیں کہ حضرت امام حسینؑ نے حضرت عباسؑ کی لاش پر پہنچتے ہوئے ان کے کٹے ہاتھوں کو دیکھا ہو۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ ایک تیر آپ کے سینہ اقدس میں لگا' جس سے آپ زمین پر آ گرے۔ آپ نے اپنے خون میں لوٹتے پوٹتے آواز دی:

وااَخاهُ وااحُسَیْناهُ واابَتاهُ وَعَلِیّاهُ .

"اور فریاد کی: اے ابا عبداللہ آپ پر میرا اسلام ہو (خدا حافظ)

جواباً امامؑ نے فرمایا:

"وااَخاهُ واعَبّاساهُ مُهْجَةَ قَلْباهُ"

"ہائے میرے بھائی! ہائے میرے عباسؑ! ہائے میرے سرور دل و جاں"

اور پھر شکاری باز کی مانند آپ کی طرف بڑھے۔ لشکر اشقیاء کو اپنے بھائی سے دور ہٹایا اور اس کارگزاری میں دشمن کے ستر (۷۰) افراد کو کیفر کردار تک پہنچایا۔

حضرت زینبؑ نے فریاد کی اور کہا:

"وااَخاهُ ' واعَبّاساهُ واقِلَّةَ ناصِراهُ وا ضَیْعَتاهُ مِنْ بَعْدِکَ"

"ہائے میرے بھائی' ہائے عباس' ہائے آپ کے بعد ہم بے یار و مددگار ہوئے اور مصیبت میں گرفتار ہوں گے"

امام مظلومؑ نے فرمایا: ہاں خدا کی قسم! عباسؑ کی شہادت کے بعد ہمارے برباد ہونے پر وائے ہمارے چارہ کار کے ختم ہو جانے پر وائے، اور شہادت عباسؑ کے بعد میری کمر ٹوٹ جانے پر وائے۔

پس اہل حرم نے گریہ وزاری شروع کر دی اور امام مظلومؑ بھی ان کے ہمراہ گریہ فرما رہے تھے اور آپ اس وقت یہ اشعار پڑھ رہے تھے:

اَخِیْ یا نُورَ عَیْنِی یا شَقِیْقِی
فَلِیْ قَدْ کُنْتَ کَالرُّکْنِ الوَثِیقِ
أیا ابْنَ أبِیْ نَصَحْتَ أخاکَ حَتّی
سَقاکَ اللّٰہُ کَاسًا مِنْ رَحِیقِ
أیا قَمَرًا مُنِیْرًا کُنْتَ عَوْنِیْ
عَلٰی کُلِّ النَّوائِبِ فِیْ الْمَضِیقِ
فَبَعْدَکَ لَا تَطِیبُ لَنا حَیاۃٌ
سَنَجْمَعُ فِی الْغَداۃِ عَلٰی الْحَقِیْقِ
ألَا لِلّٰہِ شَکْوَائِی وَصَبْرِی
وَما ألْقاہُ مِنْ ظَمَاءٍ وَضِیْقٍ

"اے میرے بھائی! ہائے میری آنکھوں کے نور اور بدن کے ٹکڑے' تم میرے لئے ایک استوار ستون کی مانند تھے۔

اے میرے باپ کے فرزند! تم نے اپنے بھائی کی مدد اور نصرت کی حتّیٰ کہ خدائے متعال نے تمہیں بہشت کی خوشگوار شراب سے بھرپور جام پلا دیا۔

اے درخشندہ اور عالمتاب ماہتاب! تم سختیوں اور تنگیوں میں ہمارے یار و مددگار تھے پس تمہارے بعد ہمارے لئے زندگی ناگوار ہے۔ اور لاریب کل (بہشت میں) ہم اکٹھے ہوں گے جو

کچھ میں نے تشنگی اور سختی میں دیکھا ہے! اس کی صرف بارگاہ الٰہی میں شکایت کرتا ہوں اور اس پر صبر کرتا ہوں۔

''منتخب'' میں ہے کہ امام مظلومؑ نے صدا بلند کی۔

''وَا اَخَاهُ وَاعَبَّاسَاهُ وَامُهْجَةَ قَلْبَاهُ وَاقُرَّةَ عَيْنَاهُ وَاقِلَّةَ نَاصِرَاهُ''

''ہائے میرے بھائی! ہائے میرے عباسؑ! ہائے میرے سرور قلب و جاں! ہائے میرے نور چشم! ہائے مددگاروں کی کمی۔ خدا کی قسم! آپ کی جدائی میرے لئے بہت سخت ہے۔ اسکے بعد شدید گریہ فرمایا۔

مرحوم دربندی قدس سرہ نے ''اسرار الشہادۃ'' میں نقل کیا ہے کہ امام حسین نے آپؑ کے جسد کو اٹھانے کا ارادہ کیا' حضرت عباسؑ نے آنکھیں کھولیں اور اپنے بھائی حسینؑ کو دیکھا کہ وہ آپ کو اٹھا کر خیمے میں لے جانا چاہتے ہیں۔

تو عرض کیا! آپ کو اپنے نانا رسول خداؐ کی قسم! مجھے خیموں میں نہ لے جائیے' بلکہ اسی جگہ رہنے دیجیے۔

امام نے فرمایا: وہ کس لئے؟

عباسؑ نے عرض کیا: مجھے آپ کی بیٹی سکینہؑ سے شرم محسوس ہوتی ہے۔ کیونکہ میں نے اس سے پانی لا کر دینے کا وعدہ کیا تھا لیکن پانی نہیں لا سکا۔ اور چونکہ میں آپ کے لشکر کا سردار اور علم بردار بھی تھا لہٰذا جب آپ کے ساتھی مجھے مقتول دیکھیں گے تو ان کا عزم و صبر کم ہو جائے گا۔

امامؑ نے فرمایا: خداوند قدوس آپ کے بھائی کی طرف سے آپؑ کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ آپ نے اپنی زندگی اور موت میں میری مدد کی۔ (معالی السبطین: ۱/۴۷۲)

اور بعض دوسری معتبر کتب میں مرقوم ہے کہ حضرت عباس کو لگنے والے زخموں کی کثرت کے سبب امامؑ نے آپؑ کو گنج شہداء سے نہ اٹھایا۔ پس آپ کو گنج شہیداں میں چھوڑ کر گریہ فرماتے ہوئے غم زدہ حالت میں خیام کی طرف لوٹ گئے۔ (وقائع الایام خیابانی ۱/۴۳۲)

مرحوم مقرم رقم طراز ہیں کہ حضرت عباسؑ کو قتل گاہ میں چھوڑ آنے میں بہت سے اسرار

اور حقائق پنہاں ہیں جو ہر تیز بین پر آشکار ہیں، اور اگر یہ بات نہ ہوتی تو امام ہر قیمت پر انہیں اٹھا لاتے ۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ راز آشکار ہوگیا ہے کہ مقصد یہ تھا کہ ارباب حوائج عازم سفر ہوں اور جناب عباسؑ کے حرم مطہر سے دنیا و آخرت کے لئے توشہ حاصل کریں' تا کہ سب پر آنحضرت کے معجزات و کرامات ظاہر ہوسکیں اور امت (محمدی) خدا کے حضور ان کی قدر و منزلت سے آگاہ ہو۔اور ان کی حقیقی قدر و قیمت سے واقف ہو کر اپنے دلوں میں قمر بنی ہاشم کی محبت کی جوت جگائیں ۔ خداوند متعال اور اس کے ولی و حجت کا ارادہ تھا کہ حضرت عباسؑ کی ظاہری منزلت بھی ان کی معنوی اور اخروی منزلت کی مانند ہو جائے یہ اسی طرح ممکن تھا' کیونکہ اگر امامؑ انہیں حائر مقدس میں اٹھالاتے تو امامؑ کا نور فضل و برتری غالب آجاتا اور ان کی منزلت جو کہ آئمہ اطہارؑ کی مانند ہے، ظاہر نہ ہو پاتی۔

جب شہداؑ کی قبریں تعمیر کی گئیں تو مرحوم سید بحرالعلوم سے سوال کیا گیا: ہر شہید کی قبر اس کے قد و قامت کے برابر ہے۔مگر حضرت عباسؑ کی قبر اس قدر چھوٹی کیوں ہے حالانکہ

"كَانَ الْعَبَّاسُ رَجُلاً طَوِيْلًا جَمِيْلاً وَسِيْمًا جَسِيْمًا يَرْكَبُ الْفَرَسُ الْمُطَهَّمُ وَرِجْلاهُ يَخُطَّانِ فِيْ الاَرْضِ"

''حضرت عباسؑ بلندقامت' خوبصورت اور وسیم و جسیم تھے ۔ اور جب تنومند گھوڑے پر سوار ہوتے تھے (اگر پاؤں رکابوں میں رکھتے تو آپ کے زانوئے مبارک گھوڑے کے سر تک بلند ہوتے اور اگر پاؤں رکابوں میں نہ رکھتے) تو آپ کے پاؤں زمین پر خط کھینچتے تھے۔

مرحوم سید بحرالعلوم یہ سوال سن کر اس قدر روئے کہ بے ہوش ہوگئے ۔ جب ہوش میں آئے تو فرمایا: بارہ محرم کو جب امام زین العابدینؑ نے تمام شہداء کے لاشے دفن کر لئے تو نہر علقمہ کے کنارے پہنچے اور ہر ممکن کوشش کی کہ اپنے چچا عباس کو اٹھا کر دوسرے شہیدوں کے پاس لے جائیں ۔لیکن وہ ایسا نہ کرسکے۔ جب امام نے دیکھا کہ آپ کا بدن اطہر گوشت کی طرح کوبیدہ اور پارہ پارہ ہو چکا ہے تو اسی جگہ سپرد خاک کر دیا امامؑ نے آپؑ کے کٹے ہوئے اعضا کو اکٹھا کیا اور قبر

بنا دی ۔ (ریاض القدس:۲/۲۱۹)

منقول ہے کہ:

لَمَّا قُتِلَ الْعَبَّاسُ بانَ الْاِ نْکِسارُفِیْ وَجْهِ الْحُسَیْنِ (عَلَیْهِ السَّلَامُ)

"جب حضرت عباسؑ شہید ہوئے تو امام حسینؑ کے چہرے پر آثار شکستگی نمودار ہوگئے" (منہاج الدموع/۳۲۹)

امام خیام میں واپس تشریف لے گئے ۔ آپ شکستہ حال رنجیدہ اور گریہ کناں تھے ۔ اور اپنی آستین سے آنسو پونچھ رہے تھے۔ لشکر آپ کے خیمے کے قریب جمع تھا۔ پس آپ نے ندا بلند کی:

"أَمَا مِنْ مُغِیْثٍ یُغِیْثُنَا أَمَا مِنْ مُجِیْرٍ یُجِیْرُنَا أَمَا مِنْ طَالِبِ حَقٍّ یَنْصُرُنَا اَمَامِنَ خَائِفٍ مِنَ النَّارِ فَیَذُبَّ عَنَّا"

"ہے کوئی فریاد رس کہ جو میری فریاد رسی کرے؟ ہے کوئی پناہ دینے والا کہ ہمیں پناہ دے؟ ہے کوئی طالب حق کہ ہماری مدد کرے؟ ہے کوئی جہنم سے ڈرنے والا کہ ہمارے ذریعے جہنم سے بچ سکے"؟

بی بی سکینہؑ نے امامؑ سے اپنے چچا کے بارے میں پوچھا تو آپؑ نے اسے چچا کی شہادت کی خبر دی۔

جب حضرت زینبؑ نے یہ سنا تو فریاد بلند کی: ہائے میرے بھائی ہائے عباسؑ ہائے تمہارے بعد ہماری بربادی ۔ خواتین رو رہی تھیں اور امامؑ بھی ان کے ہمراہ گریہ کناں تھے اور فرما رہے تھے: اے بھائی! ہائے تیرے بعد ہم برباد ہوگئے ۔ (مقتل مقرم/۳۳۹)

احادیث کی کتب میں منقول ہے کہ مسجد مدینہ کے منبر پر بیٹھ کر پیغمبر اکرمؐ نے اپنے اصحاب کو جنگ موتہ میں حصہ لینے والے مسلمانوں سے آگاہ کیا اور انہیں حضرت جعفر بن ابو طالب کی شہادت کی خبر دی۔

اس وقت حضرت علیؑ مسجد میں نہیں تھے ۔ جب آپؑ مسجد میں تشریف لائے تو مسلمانوں کے چہروں پر حزن و ملال کے آثار دیکھے ۔ آپ نہایت اضطراب سے خدمت پیغمبرؐ میں پہنچے

اورعرض کیا: آیا آپ تک جنگ موتہ میں شرکت کرنے والے مسلمانوں کی کوئی خبر پہنچی ہے؟ رسول معظمؐ نے حضرت علیؑ کو جناب جعفر کی شہادت کی خبر سنائی۔

جب آپؑ نے اپنے بھائی کی شہادت کی خبر سنی تو صدائے گریہ بلند کی اور فرمایا: "اَلآنَ اِنْفَصَمَ ظَهْرِی " (لغت میں انفصام سے مراد جدا ہو جانا ہے) جعفر کی موت کی خبر سن کر علیؑ کی پشت کی ہڈیاں جدا ہو گئیں۔ لیکن امام حسینؑ نے اپنے بھائی (عباسؑ) کی شہادت کے وقت فرمایا تھا:

"اَلآنَ اَنْكَسَرَ ظَهْرِیْ "(منہاج الدوع/۳۳۰)

آیت اللہ شیخ محمد حسین اصفہانی مرحوم فرماتے ہیں:

وَبَانَ الْاِنْكِسَارُ فِیْ جَبِيْنِه
فَانْدَكَّتِ الْجِبَالُ مِنْ حَنِيْنِه
وَكَيْفَ لَا وَهُوَ جَمَالُ بَهْجَتِه
وَفِیْ مُحَيَّاهُ سُرُوْرُ مُهْجَتِه
كَافِلُ اُهْلِه وَسَاقِیْ صِبْيَتِه
وَحَامِلُ اللِّوَاءِ بِعَالِی هِمَّتِه

امام حسینؑ کے چہرے پر آثار شکستگی نمایاں ہو گئے اور آپ کے نالہ وفریاد سے پہاڑ پاش پاش ہو گئے۔

اس طرح کیوں نہ ہوتا وہ آپؑ کے سرور و شادمانی کا سبب، زندگی کا سرمایہ خوشی اور سرور قلب وجاں تھے۔

آپؑ کے اہل بیتؑ کے نگہبان، بچوں کے ساقی اور علمبردار (عباسؑ) نے اپنے تمام تر قوی اسے امام عالی مقام کی حمایت کی۔ (فرسان الهیجا:۱/۲۱۷)

واعظ محترم حاج سید مرتضیٰ برقعی مرحوم جو قم کے مشہور واعظوں میں سے تھے اور مراجع عظام کے گھروں میں زینت منبر بنتے تھے، اور تاریخ و مقتل کے تتبع میں معروف تھے، اپنی ایک مجلس میں یوں نقل کرتے ہیں:

جب جناب عباسؑ کے ہاتھ قطع کر دیئے گئے تو ایک تیر آپ کی چشم مبارک پر لگا۔ چونکہ

ہاتھ نہیں تھے۔ اس لئے آپ اپنے زانو کو اوپر لائے (اور سر کو نیچے کیا) تا کہ زانو کے ذریعے چشم مبارک سے تیر کو نکال سکیں۔ جب آپؑ نیچے جھکے تو ایک ظالم نے آہنی گرز آپ کے سر پر مارا۔ جس سے آپ زمین پر آ گرے۔

میں حقیر متاسف ہوں کہ میں نے اس بیان کا حوالہ مرحوم سے کیوں نہ پوچھا۔ البتہ وہ اس سلسلے میں ایک خواب ہمارے لئے نقل کرتے ہیں کہ جس کا مطلب اس کی تائید کرتا ہے اور وہ خواب یہ ہے۔

مرحوم سید محمد ابراہیم قزوینی (متوفی ۱۳۶۰ ہجری) حضرت عباس کے مزار کے صحن مطہر میں امام جماعت تھے۔ اور آقا شیخ محمد علی خراسانی (متوفی سال ۱۳۸۳) جو کہ ایک بے نظیر واعظ تھے نماز کے بعد منبر نشین ہوتے تھے۔

ایک رات خراسانی مرحوم حضرت عباسؑ کے مصائب پڑھ رہے تھے۔ انہوں نے آپ کی چشم مبارک میں تیر کے لگنے کا تذکرہ کیا۔

مرحوم قزوینی جو کہ سخت متاثر ہوئے اور بہت گریہ کر رہے تھے' نے ان سے پوچھا آپ نے اتنی سخت مصیبت کو کیوں پڑھا کہ جس کی کوئی مضبوط سند موجود نہیں ہے؟

رات کو خواب میں دیکھا کہ حضرت عباسؑ کے حضور مشرف ہیں۔ حضرت عباس نے ان سے فرمایا:

سید ابراہیم! کیا تم کربلا میں موجود تھے اور تمہیں معلوم ہے کہ روز عاشور میرے ساتھ کیا ہوا؟ جب میرے دونوں ہاتھ بدن سے جدا کر دیئے گئے تو دشمن کی سپاہ نے مجھ پر تیروں کی بارش کر دی۔ اس وقت ایک تیر میری آنکھ میں لگا (شاید یہ فرمایا کہ میری دائیں آنکھ میں لگا)۔ میں نے سر کو ہر ممکن جنبش دی کہ تیر باہر نکل آئے لیکن تیر نہ نکلا جب کہ میرے سر سے عمامہ بھی گر گیا۔ میں نے اپنے زانو کو بلند کیا اور خود نیچے جھکا کہ زانو کے وسیلے سے آنکھ سے تیر نکال سکوں۔ اتنے میں دشمن نے میرے سر پر آہنی گرز مارا۔

(سردار کربلا ۲۸۹/ چہرہ درخشان قمر بنی ہاشم ۱/ ۲۳۵ آیۃ اللہ سید محمد کاظم قزوینی کے فرزند سے منقول ہے۔

رثائے عباس میں چند شعر پیش ہیں۔

اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَىُّ بَدْرٍ خَرَّ عَنْ
اُفُقِ الْهِدَايَةِ فَاسْتَشَاطَ ظَلَامُهَا
فَمَنِ الْمُعَزّىٰ السِّبْطَ سِبْطَ مُحَمَّدٍ
بِفَتًى لَهُ الْاَ شُرَافُ طَأً طَأً هَا مُهَا
وَأَخٍ كَرِيْمٍ لَمْ يَخُنْهُ بِمَشْهَدٍ
حَيْثُ السُّرَاةُ كَبَا بِهَا أَقْدَامُهَا
تَاللّٰهِ لَا أَنْسَى ابْنَ فَاطِمَ اِذْ جَلَا
عَنْهُ الْعِجَاجَةَ يَسْبَكُرُ قُتَامُهَا
مِنْ بَعْدِ أَنْ حُطِمَ الْوَاشِيْجُ وَثُلِمَتْ
بِيضُ الصِّفَاحِ وَنُكِّسَتْ اَعْلَامُهَا
حَتّٰى اِذَا حُمَّ لُبَلَاءُ وَاِنَّمَا
اَبَدَىٰ لُقَضَاءُ جَرَتْ بِهِ أَقْلَامُهَا
وَافَى بِهِ نَحْوَ الْمُخَيَّمِ حَامِلًا
مِنْ شَاهِقِىٰ عُلْيَاءَ عَزَّ مَرَامُهَا
وَهَوىٰ عَلَيْهِ مَاهُنَا لِكَ قَائِلاً
اَلْيَوْمَ بَانَ عَنِ الْيَمِيْنِ حُسَامُهَا
اَلْيَوْمَ سَارَ عَنِ الْكَتَائِبِ كَبْشُهَا
اَلْيَوْمَ غَابَ عَنِ الصَّلٰوةِ اِمَامُهَا
اَلْيَوْمَ آلَ اِلَى التَّفَرُّقِ جَمْعُنَا
اَلْيَوْمَ حَلَّ عَلَى الْبُنُودِ نِظَامُهَا
اَلْيَوْمَ نَامَتْ أَعْيُنٌ بِكَ لَمْ تَنَمْ

وَتَسَهَّدَتْ اُخْرىٰ فَعَزَّ مَنٰا مُهٰا
أَشَقِيْقَ رُوْحِيْ هَلْ تَراکَ عَلِمْتَ اِذْ
غُوْدِرْتَ وَاْنٰالَتْ عَلَيْکَ لِثٰامُهٰا
اِنْ خِلْتُ طُبِّقَتِ السَّمٰاءُ عَلٰی الثَّرىٰ
أُوْ دُکْدِکَتَ فَوْقَ الرَّبٰی أَعْلاٰمُهٰا
•لَکِنْ أَهٰانَ الْخَطْبَ عِنْدَکَ اَنَّنِیْ
بِکَ لاٰحِقُ اَمْرُ قَضٰی عَلاّٰمُهٰا

☆ اللہ اکبر! یہ کیسا ماہ تمام افق ہدایت پر نمودار ہوا اور تاریکی عالم پر چھا گیا۔

☆ یہ کون ہے کہ جس نے نواسہ رسول سے دلداری وفاداری کرتے ہوئے جواں مردوں کی سی موت پائی کہ تمام اہل شرف اس کے سامنے سرنگوں ہیں۔

☆ وہ عظیم وکریم بھائی جس نے کسی میدان جنگ میں بے وفائی نہ کی حتی کہ ایسے مقام پر بھی جہاں بڑے بڑے جنگجوؤں کے قدم لڑکھڑا جاتے ہیں۔

☆ خدا کی قسم میں اس وقت تک فاطمہؑ کے بیٹے کو فراموش نہیں کروں گا جب تک کہ اس معرکہ حق و باطل کا غبار چھٹ نہیں جاتا۔

☆ جب نیزہ ٹوٹ گیا' چمکتی ہوئی تلواریں تھم گئیں اور پرچم سرنگوں ہو گئے۔

☆ تب بلا نازل ہوئی اور قلم قضا جاری ہوا یعنی حضرت عباسؑ شہید ہو گئے۔

☆ (امام حسینؑ) اسے خرگاہ میں لے آئے اور ایک بلند جگہ پر پہنچے ان کی آواز بمشکل نکل رہی تھی۔

☆ آپ نے فرمایا: آج میرے ہاتھ سے تلوار چھوٹ گئی۔

☆ آج پہلوان لشکر لشکر سے جدا ہو گیا اور آج امام نماز نماز میں موجود نہیں رہا۔

☆ آج ہماری جمعیت بکھر گئی اور نظام فوج بدنظمی کا شکار ہو گیا۔

☆ آج وہ آنکھیں سو گئیں جو تمہارے خوف سے کبھی نہ سوتی تھیں جب کہ دوسری (سونیوالی) آنکھیں بے خواب ہو گئیں اور نیند ان کے لئے دشوار ہو گئی۔

☆ اے میری روح کے پیوند میں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ یہ وقت بھی آئے گا۔

☆ مجھے محسوس ہوتا ہے کہ آسمان زمین پر آ گرا ہے اور پہاڑ زمین پر گر پڑے ہیں۔

☆ لیکن مشکل کام کو آسان سمجھئے کیونکہ میں بہت جلدی آپ سے آ ملنے والا ہوں اور یہی امر ربی ہے۔ (نفس المہموم ۳۴۵)

حضرت عباسؑ کی شہادت پر بی بی ام البنین کا گریہ

معاویہ بن عمارا امام جعفر صادقؑ سے روایت کرتا ہے کہ حضرت ام البنین بقیع میں جا کر اپنے بیٹوں پر رویا کرتی تھیں۔ وہ اس قدر غم انگیز اور پرسوز انداز سے نالہ وشیون کیا کرتیں کہ لوگ ان کے گرد جمع ہو جاتے۔ انکا گریہ سنتے (اور خود بھی گریہ کرتے)۔حتی کہ مروان (جو خاندان اہل بیتؑ کا بہت بڑا دشمن تھا بھی وہاں آ کر بی بی کا گریہ سنتا اور (اپنی سنگدلی کے باوجود) رونے پر مجبور ہو جاتا۔ (نفس المہموم/۳۴۴)

بی بی ام البنینؓ کے اپنے بیٹے ابوالفضل عباسؑ اور دیگر بیٹوں کے مرثیے میں حسب ذیل اشعار نقل ہوئے ہیں:

يَامَنَ رَاَیَ الْعَبَّاسَ کَرَّ عَلٰی جَمَا هِيرِ النَّقَدْ
وَوَرَاهُ مِنُ اُبْنَاءِ حَيْدَرٍ کُلُّ لَيْثٍ ذِیُ لَبَدْ
اُنْبِئْتُ اَنَّ ابْنِیُ اُصِيْبَ بِرَاسِهِ مَقْطُوعَ يَدِ
وَيْلِی عَلٰی شِبْلِیُ اَمَالَ بِرَاسِهِ ضَرُبَ الْعَمَدِ
لَوْکَانَ سَيْفُکَ فِیُ يَدَيْکَ لَمَا دَنٰی مِنْکَ اَحَدَ

☆ اے وہ شخص کہ جس نے عباسؑ کو میدان جنگ میں لڑتے ہوئے دیکھا وہ جنگ آوروں کی طرح حملہ کر رہے تھے اور ان کے بھائی فرزندان حیدرؑ شیروں کی طرح ان کے پیچھے پیچھے تھے۔

☆ مجھے معلوم ہوا ہے کہ میرے بیٹے (عباسؑ) کے سر پر اس حال میں ضربت لگی کہ ان کے بازو بھی کٹ چکے تھے۔ ہائے افسوس کہ میرے شیر بیٹے پر کیا مصیبت گزری۔ اس کے سر پر گرز سے ضربت لگائی گئی۔ (میرے عباسؑ! میں تجھے جانتی ہوں) اگر تلوار

تمہارے ہاتھ میں ہوتی تو کوئی شخص تمہارے نزدیک آنے کی جرات بھی نہ کرتا۔

ام البنینؑ نے یوں بھی مرثیہ خوانی کی:

لَا تَدْعُوِنّی وَیْکِ اُمَّ الْبَنِیْنَ
تُذَکِّرِ . یْنِی بِلُیُوثِ الْعَرِیْنِ
کَانَتْ بَنُونَ لِیْ اُدْعٰی بِهِمْ
وَالْیَوْمَ اُصْبِحْتُ وَلَا مِنْ بَنِیْنَ
اَرْبَعَةُ مِثْلُ نُسُورِ الرُّبیٰ
قَدْ وَاصَلُو الْمَوْتَ بِقَطْعِ الْوَاتِیْنِ
تَنَازَعَ الْخِرصَانُ اَشْلَائَهُمْ
فَکُلُّهُمْ اَمْسٰی صَرِیْعًا طَعِیْنُ
یَالَیْتَ شِعرِی اَکَمَا اَخْبَرُوا
بِاَنَّ عَبَّاسًا قَطِیْعُ الْیَمِیْنِ

☆ اے مدینے کی عورتو! اب مجھے ام البنین (بیٹوں کی ماں) نہ کہنا کہ اس سے میرے دل میں اپنے بیٹوں کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔

☆ جن بیٹوں کے سبب مجھے ام البنین کہا جاتا تھا (وہ نہیں رہے) اب تو میں بے فرزند ہو چکی ہوں۔

☆ میرے شکاری عقابوں جیسے چار بیٹے تھے کہ جن کو تیروں کا نشانہ بنایا گیا اور ان کی گردن کی رگیں کاٹ دی گئیں۔

☆ ان کی لاشوں پر نیزے بھی مارے گئے اور وہ سب نیزوں کی ضربوں سے زمین پر گرے۔

☆ اے کاش جو مجھے خبر دی گئی ہے میں اسے سمجھ سکتی کہ یعنی کیا میرے عباس کا دایاں بازو قطع ہو گیا تھا؟ (منتہی الامال ۱/۳۸۵)

ولادت عباسؑ کے وقت امیر المومنینؑ کا گریہ

جس دن حضرت عباسؑ پیدا ہوئے حضرت علیؑ نے ان کے دائیں کان میں اذان کہی اور بائیں کان میں اقامت، اور عباسؑ نام رکھا۔

کبھی آپؑ عباس کے قنداقہ (وہ کپڑا جس میں بچے کو لپیٹا جاتا ہے) کو پکڑ تے تھے تو اس شیر خوار کی چھوٹی چھوٹی آستینوں کو اوپر اٹھا کر اس کے بازوؤں کو چومتے تھے اور ساتھ ساتھ گریہ فرماتے تھے۔

ام البنینؑ نے اس گریہ کا سبب پوچھا تو فرمایا کہ اس کے ہاتھ اس کے بھائی حسینؑ کی نصرت میں قطع کر دیئے جائیں گے۔ میں اس دن کو یاد کر کے رو رہا ہوں۔

(زندگانی قمر بنی ہاشم عماد زادہ/۵۳)

اولاد عباسؑ

"عمدۃ الطالب" میں ہے کہ آپؑ کے دو فرزند تھے ایک کا نام عبداللہ اور دوسرے کا نام فضل تھا۔

ان دونوں بیٹوں کی والدہ محترمہ کا نام لبابہ بنت عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب تھا۔ بعض مورخین مثلاً مرحوم مقرم نے جناب لبابہ کو عبداللہ بن عباس کی دختر لکھا ہے۔ (العباس /۳۵۰) جناب عبداللہ عالم اور دانش مند تھے۔ اور حضرت عباسؑ کی نسل انہی سے آگے بڑھی۔ کیونکہ حضرت فضل کی اولاد نہ تھی اور جناب عبداللہ کے دو بیٹے تھے۔ جن کے نام عبداللہ اور حسن تھے۔ ان دونوں بھائیوں میں سے عبداللہ بھی بے اولاد تھے۔ لہٰذا حضرت عباس کی نسل حضرت حسن سے آگے بڑھی۔ جن کی والدہ محترمہ عبداللہ بن عباس بن سعید بن عباس بن عبدالمطلب کی بیٹی تھیں۔

حضرت عباس کی برکت کے سبب آپ کے تمام اولاد و احفاد (پوتے دوہتے) مقامات عالیہ کے حامل عالم، زاہد، شاعر اور آئمہ طاہرینؑ کی احادیث کو عام کرنے والے تھے۔

(منتخب التواریخ/۲۶۱، کبریت احمر/۳۸۰، منتہی الامال وغیرہ سے رجوع کیا جائے)

بعض (مورخین) مثلاً مرحوم مقرم نے لبابہ کا عبداللہ بن عباس کی دختر کے طور پر ذکر کیا ہے (العباس/۳۵۰)

شہزادہ علی اصغرؑ

ولادت باسعادت

آقا علی اکبر تبریزی، جو تہران کے رہنے والے قابل اعتماد شخص ہیں، نقل کرتے ہیں کہ میں ایک سفر کے دوران مشہد مقدس میں مولا علی رضاؑ کے صحن حرم کے پائین پا اپنے کچھ رفقاء کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے امام رضاؑ سے درخواست کی کہ مجھے کوئی ایسی چیز عطا فرمائیے جو آج تک کسی کو عطا نہ ہوئی ہو اور جس سے میں لوگوں کو فیض پہنچا سکوں۔ میرے دوست ہنسنے لگے اور انہوں نے کہا: تو بزرگی کا دعویٰ کر رہا ہے۔ میں نے کہا: اولاً تو میں کسی بری چیز کی خواہش نہیں کر رہا اور ثانیاً میں نے جو چیز چاہی ہے اس سے سب کا فائدہ مقصود ہے۔

میں نے توسل کا آغاز کیا۔ اس حالت میں ایک جلیل القدر اور بہت نورانی چہرے والے خوبصورت بزرگ تشریف لائے اور بڑے آرام سے میرے سامنے بیٹھ گئے۔ انہوں نے میرا نام لے کر مجھے آواز دی اور فرمایا: علی اکبر ماہ رجب کی ۹ تاریخ کو جو کہ شہزادہ علی اصغرؑ کی ولادت کا دن ہے، جشن مناؤ۔ تاکہ سب کو اس کی خیر و خوبی سے فائدہ پہنچے اور اس واقعہ کی کسی کو خبر نہ کرنا۔ میں نے اپنی غفلت پر غور کیا کہ وہ میرا نام کس طرح جانتے ہیں۔ اور انہیں میری درخواست کی خبر کس طرح ہوئی چند لمحوں کے بعد وہ تشریف لے گئے تو اس وقت میں نے سوچا یہ صاحب کون تھے انہیں میرے نام کا کیسے پتہ چلا اور کس نے میری حاجت کی خبر دی؟ میں نے اپنے دوستوں سے کہا: آقا نے میرا جواب دے دیا ہے۔ یہ کہہ کر میں نے رونا شروع کر دیا۔ میں بے خود ہو گیا اور مجھ پر عجیب حالت طاری تھی۔

میں اس عطا سے خوش ہوگیااور جب میں نے یہ واقعہ تہران کے علما آیۃ اللہ اثنا عشری اور آقائے سقا زادہ سے نقل کیا: تو آقائے سقا زادہ نے تحقیق کے بعد مدرک فراہم کیا (افسوس کہ آقائے سقا زادہ وفات پا گئے اور میں ان سے ماخذ حاصل نہ کرسکا) اگر چہ اس بارے میں کوئی تاریخی یا حدیثی مدرک معلوم نہیں ہے۔لیکن یہ خیال کرتے ہوئے کہ شہزادے کی عمر مبارک چھ ماہ لکھی گئی ہے اس سے مندرجہ بالا مفہوم کی تائید ہوتی ہے اور یہی مناسب ہے کہ اہل بیتؑ کے چاہنے والے اس روز حضرت کی یاد میں مجالس سرور منعقد کریں جب شہزادے کی ولادت کی رات آ پہنچی تو اس نے اپنے گھر میں ایک جشن منعقد کیا۔اسی رات میری بیوی نے جناب فاطمہ زہراؑ کو خواب میں دیکھا، گویا مخدومہ کونین میری بیوی کا شکریہ ادا کر رہی تھیں اور فرماتی تھیں:

دلی شکستہ تر از من در آن زمان نبود

در این زمان دل فرزند من شکستہ تر است

اس زمانے میں میرے دل سے زیادہ شکستہ تر کوئی دل نہیں تھا اور اس زمانے میں میرے بیٹے (مہدیؑ) کے دل سے کوئی دل شکستہ تر نہیں ہے۔

اور فرمایا اس جملے کو حرز جاں بنالو۔

یہ قول مشہور ہے اور متعدد (مورخین) نے نقل کیا ہے کہ حضرت علی اصغرؑ شش ماہے تھے ،جو کہ اس واقعہ کے موافق ہے ابی مخنف رقم طراز ہے:

"وَلَهُ مِنَ الْعُمْرِ سِتَّةُ أَشْهُرٍ

''اس بچے کی عمر چھ ماہ تھی'' (مقتل ابی مخنف/۱۲۹)

مرحوم سپہر بھی تحریر کرتے ہیں کہ علی اصغرؑ کا سن ابھی چھ ماہ سے زیادہ نہ تھا۔

(ناسخ التواریخ ۲/۲۶۳)

بہر حال لاریب اس شہزادے کی ولادت سن ساٹھ (۶۰) ہجری میں ہوئی چونکہ سن اکسٹھ (۶۱) میں آپ کی شہادت ہوگئی تھی اور آپ کی جائے ولادت مدینہ منورہ تھی۔

اسم گرامی

ابن شہر آشوب (مناقب ۴/۱۰۹) اور دوسروں نے آپ کا اسم گرامی علی اصغر تحریر کیا ہے۔ جب کہ آپ کا دوسرا نام عبداللہ ہے جو کہ بعض دوسری کتب اور عبارات میں مذکور ہے۔ اور زیارت ناحیہ مقدسہ میں بھی موجود ہے:

"اَلسَّلامُ عَلٰی عَبْدِاللّٰهِ بِنِ الْحُسَیْنِ ، الطِّفْلِ الرَّضِیْعِ،الْمَرْمِیِّ الصَّرِیْعِ الْمُتَشَحِّطِ دَماً' الْمُصَعَّدِ دَمُهُ فِیْ السَّماءِ الْمَذْبُوْحِ بِالسَّهْمِ فِیْ حِجْرِ اَبِیْهِ . لَعَنَ اللّٰهُ رَامِیَهُ حَرْمَلَةَ بْنَ کَاهِلِ الْاَسَدِیِّ وَذَوِیْهِ"

"امام حسینؑ کے بیٹے عبداللہؑ پر سلام ہو جس طفل شیر خوار کو تیر کا نشانہ بنایا گیا اور وہ خون میں غلطان ہوگئے ۔باپ نے اس خون کو آسمان کی جانب اچھال دیا اور وہ باپ کی آغوش میں تیر سے ذبح ہوگئے ۔خدایا! آپ کے قاتل اس تیر انداز حرملہ بن کاہل پر لعنت فرما۔ (بحارالانوار: ۴۵/۶۶)

ظاہر ہے یہ عبداللہ وہی علی اصغرؑ ہیں کہ جو اپنے باپ کی آغوش میں حرملہ کے تیر سے شہید ہوئے چونکہ شہزادہ علی اصغرؑ ہی وہ بچے تھے جو اپنے باپ کی گود میں ذبح ہوئے اور جن کے خون کو باپ نے آسمان کی طرف اچھال دیا اور انہی کے قاتل کا نام حرملہ تھا۔

والدۂ علی اصغرؑ

آپ کی والدہ گرامی امراءالقیس کی بیٹی جناب رباب تھیں۔

فہاد میرزا ابوالفرج اصفہانی سے نقل کرتا ہے: خلافت عمر کے زمانے میں ایک شخص مسجد میں آیا۔ وہ لوگوں کے سروں اور کاندھوں پر پاؤں رکھتا ہوا عمر کے سامنے آ کر کھڑا ہوگیا اور اسے بطور خلیفہ سلام کیا۔

عمر نے پوچھا: تم کون ہو کس قبیلے سے تعلق رکھتے ہو اور کس کام کے سلسلے میں آئے ہو؟ اس نے کہا میں ایک نصرانی ہوں اور میرا نام امراءالقیس بن عدی کلبی ہے اور میں اس لئے آیا ہوں

کہ مسلمان ہوجاؤں ۔عمر نے اس کو نہ پہچانا اور دوبارہ اس سے حال احوال پوچھا تو اس نے وہی جواب دیا۔

بالآخر وہ مسلمان ہوگیا۔عمر نے ان کا نیزہ طلب کیا اور اس پر پرچم باندھ دیا۔اور انہیں قبیلہ قضاعہ کے مسلمانوں کا امیر بنادیا۔

راوی کہتا ہے: میں نے کبھی کوئی ایسا شخص نہیں دیکھا کہ جس نے ابھی ایک رکعت نماز نہ پڑھی ہو اور اسے مسلمانوں کا امیر بنادیا جائے سوائے امرالقیس کے۔ جب وہ مسجد سے باہر نکلے تو امیرالمومنینؑ بھی ان کے پیچھے پیچھے چل پڑے۔ امام حسنؑ اور حسینؑ بھی امیرالمومنینؑ کے ہمراہ تھے۔ جب وہ امرالقیس تک پہنچے تو فرمایا: میں رسول خداؐ کا چچا زاد علیؑ ابن ابی طالبؑ ہوں، اور یہ دونوں بیٹے رسول معظمؐ کی بیٹی سے ہیں، ہماری خواہش ہے کہ آپ سے رشتہ داری کرلیں۔

القیس نے کہا: اے ابوالحسن! میری تین بیٹیاں ہیں میں محیاۃ کی آپؑ سے، سلمٰی کی حسنؑ سے اور ربابؑ کی حسینؑ سے کرنے کے لئے تیار ہوں۔

رباب حضرت سکینہؑ اور حضرت علی اصغرؑ کی والدہ بنیں۔

(قمقام زخار: ۲/۱۵۳ نفس المہموم/۵۲۷ الاغانی: ۱۴/۱۱۱ اور ینابیع المودۃ آخری حصہ/۳۱۸ ب ۶۰)

ہشام کلبی کا کہنا ہے:

"وَ كَانَتِ الرُّبَابُ مِنْ خِيَارِ النِّسَاءِ وَافْضَلِهِنَّ"

"رباب بہترین اور افضل ترین عورتوں میں سے تھیں"

اور رباب کے والد گرامی عرب کے ایک عظیم خاندان کے اشراف میں سے تھے۔ کہ جن کی امامؑ کے نزدیک بھی قدر و منزلت تھی۔ (قمقام زخار: ۲/۶۵۴)

ابن اثیر نقل فرماتے ہیں۔ (شہادت حسینؑ کے بعد) رباب کو دیگر قیدیوں کے ہمراہ شام لے جایا گیا۔ جب وہ واپس مدینہ پہنچیں تو اشراف قریش میں سے کئی افراد نے ان سے شادی کے لئے خواستگاری کی لیکن انہوں نے قبول نہ کی اور فرمایا:

ما كُنْتُ لِاَ تَّخِذُ حَمْوًا بَعْدَ رَسُولِ اللّٰهِ

''رسول خدا کے بعد میں کسی کو اپنا سسر نہیں بنا سکتی''

امام حسینؑ کی شہادت کے بعد وہ ایک سال تک زندہ رہیں (وہ ہر وقت نالہ وگریہ کرتی رہتی تھیں) اور مکان کی چھت کے نیچے نہ جاتی تھیں (بلکہ دھوپ میں بیٹھی رہتی تھیں) وہ بہت کمزور ہوگئیں اور رنج وغم کی حالت میں اس دنیا سے رحلت فرمائی۔

نفس المہموم/۵۲۸ اور کامل ابن اثیر: ۸۸/۴ کی روایت کے مطابق رباب ایک سال کا عرصہ قبر حسینؑ پر رہیں۔اس کے بعد مدینہ آئیں اور غم وتاسف کی حالت میں وفات پا گئیں۔

سبط ابن جوزی کا کہنا ہے کہ رباب امام حسینؑ کے بعد ایک سال تک زندہ رہیں۔وہ کبھی چھت کے تلے نہ گئیں اور زیر آفتاب دھوپ میں بیٹھی رہتی تھیں۔پس اسی حالت غم میں رحلت فرما گئیں۔ (فرسان الھیجاء/۲۷۰)

جب حضرت رباب اپنے رشتہ داروں سے ملنے جاتیں تو حضرت سکینہ کو اپنے ہمراہ لے جاتیں۔حضرت امام حسین ان دونوں کی مفارقت سے اداس ہوجاتے تھے اور یہ شعر پڑھا کرتے تھے:

كَأَنَّ اللَّيْلَ مَوصُولٌ بِلَيْلٍ

إِذَا زَارَتْ سَكِينَةُ وَالرُّبَابُ

''جب سکینہ اور رباب کسی (عزیز) سے ملنے جاتی ہیں تو راتیں متصل یعنی طویل ہوجاتی ہیں۔ (منتخب التواریخ/۲۴۳)

اس عظیم خاتون کے فضائل کا کچھ حصہ حضرت سکینہؑ کے حالات زندگی میں نقل کیا جائے گا۔

شہادت علی اصغرؑ

سید بن طاؤس مرحوم لکھتے ہیں۔جب امام مظلومؑ نے دیکھا کہ آپ کے تمام جوان اور دوست شہید ہوگئے ہیں تو بذات خود ارادہ کیا کہ دشمن سے جنگ کرکے خون دل نذرانہ پروردگار کریں۔آپ نے صدا دی:

هَلْ مِنْ ذَابٍّ يَذُبُّ عَنْ حَرَمِ رَسُولِ اللّٰهِ ؟هَلْ مِنْ مُوَحِّدٍ يَخَافُ اللّٰهَ فِيْنَا ؟ هَلْ مِنْ مُغِيثٍ يَرجُو اللّٰهَ بِاغَاثَتِنَا؟ هَلْ مِنْ مُعِيْنٍ يَرْجُوْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ فِيْ اِعَانَتِنَا؟

"ہے کوئی (شخص) جو حرم رسول خداؐ کا دفاع کرے؟ ہے کوئی خدا پرست کہ ہمارے بارے میں خدا سے ڈرے؟ ہے کوئی دادرس کہ خدا سے صلہ کی امید میں ہماری امداد کرے؟ ہے کوئی مددگار جو اس امید پر ہمارا ساتھ دے کہ ہم خدا کے حضور اس کی مدد (شفاعت) کریں؟

زنان حرم نے جب حضرت کی صدائے استغاثہ سنی تو صدائے گریہ بلند کی امامؑ خیام کی طرف تشریف لائے اور اپنی بہن زینبؑ سے فرمایا:

"نَاوِلِيْنِي وَلَدِيَ الصَّغِيْرَ حَتّٰى اُوَدِّعَهُ"

"میرا کم سن بچہ لایئے تاکہ اس سے وداع کرسکوں"

آپ نے بچے کو اٹھایا۔ جب چاہا کہ اس کا بوسہ لیں تو حرملہ بن کاہل نے بچے کو تیر کا نشانہ بنایا۔ وہ تیر شہزادے کے گلوئے اقدس میں پیوست ہوگیا اور شہزادے کو ذبح کرگیا۔

امام مظلومؑ نے حضرت زینبؑ سے فرمایا: بچے کو لے لیجئے۔ پھر دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں (چلو) کو بچے کی گردن سے ٹپکتے ہوئے خون کے نیچے کیا اور جب ہتھیلیاں خون سے بھر گئیں تو یہ خون آسمان کی طرف اچھال دیا۔ پھر فرمایا:

"هَوَّنَ عَلَيَّ مَانَزَلَ بِيْ اَنَّهُ بِعَيْنِ اللّٰهِ"

"جو بات مجھ پر وارد مصیبت کو آسان کردیتی ہے وہ یہ ہے کہ خداوند متعال دیکھ رہا ہے"

امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں اس خون کا ایک قطرہ بھی زمین پر واپس نہ گرا۔

(لہوف/۱۱۶)

سبط ابن جوزی "تذکرۃ الخواص" میں نقل کرتے ہیں کہ جب امام حسین نے دیکھا کہ

فوج اشقیاء آپ کو قتل کرنے پر مصر ہے تو آپ نے قرآن ہاتھ میں لیا، اسے کھول کر سر پر رکھا اور لشکر کے درمیان میں فریاد بلند کی:

"بَیْنِی وَبَیْنَکُمْ کِتَابُ اللّٰهِ، وَجَدِّی مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ یاقَوْمِ بِمَ تَسْتَحِلُّوْنَ دَمِیْ"

''میرے اور تمہارے درمیان خدا کی یہ کتاب اور میرے جد رسول خداؐ (حکم ہیں اے لوگو! تم میرا خون کس طرح حلال سمجھتے ہو؟

کیا میں تمہارے پیغمبرؐ کا بیٹا نہیں ہوں؟ کیا تم تک میرے ناناؐ کا یہ فرمان نہیں پہنچا کہ آپؐ نے میرے اور میرے بھائی کے بارے میں فرمایا تھا:

"هٰذٰ انِ سَیِّدٰ اشبابِ أهْلِ الْجَنَّةِ"

''یہ جنت کے جوانوں کے سردار ہیں''

اگر تمہیں میری بات پر یقین نہیں تو جابر اور زید بن ارقم اور ابو سعید خدری سے پوچھ لو۔

جب آپ لشکر اشقیاء سے احتجاج فرما رہے تھے تو آپ کی نظر اپنی اولاد میں سے ایک بچے پر پڑی جو پیاس کی شدت سے رو رہا تھا۔ امامؑ نے بچے کو ہاتھوں میں اٹھایا اور فرمایا:

"یا قَوْمِ اِنْ لَمْ تَرْحَمُوْنِیْ فَارْحَمُوِ هٰذٰا لِطِّفِلْ"

''اے لوگو! اگر تم مجھ پر رحم نہیں کھاتے تو (کم از کم) اس بچے پر تو رحم کھاؤ''

پس فوج اشقیا سے ایک شخص نے اس بچے کی جانب تیر چلایا اور اسے ذبح کر کے رکھ دیا

امام مظلومؑ نے گریہ کیا اور فرمایا:

"اَللّٰهُمَّ اِحْکُمْ بَیْنَنا وَبَیْنَ قَوْمٍ دَعَوْنا لِیَنْصُرُوْنا فَقَتَلُو نا فَنُودِیَ مِنَ الْهَوٰاءِ دَعْهُ یاحُسَیْنِ فَاِنَّ لَهُ مَرْضِعًا فِیْ الْجَنَّةِ"

''خدایا! ہمارے اور ان لوگوں کے درمیان فیصلہ فرما کہ جنہوں نے ہمیں اس لئے بلایا کہ ہم آپ کا ساتھ دیں گے اور اب اس کے بدلے ہمیں قتل کر رہے ہیں۔

پس آسمان سے ایک آواز آئی: اے حسینؑ بچے کو ہماری طرف بھیج دو کہ اس کے

لئے بہشت میں ایک دایہ موجود ہے" (نفس المہموم/۳۵۰، تذکرۃ الخواص/۱۴۳)

امام مظلومؑ نے فرمایا۔ خدایا: میرا یہ بچہ تیرے نزدیک ناقہ صالحؑ سے کم نہیں ہوگا۔ خدایا! رتو اس وقت ہماری امداد کرنے میں مصلحت نہیں سمجھتا تو اس کے بدلے ہمیں صلہ عطا فرما (کہ س سے ہمارے ثواب اور درجات اُخروی میں اضافہ ہو۔ (بحار الانوار: ۴۵/۴۷، جلاء العیون/۴۰۷)

بعض نے اس طرح نقل کیا ہے: امام بچے کو لشکر کے سامنے لائے اور اپنے دونوں ہاتھوں پر بلند کر کے فرمایا:

"أَمَا تَرَوْنَهُ كَيْفَ يَتَلَظَّى عَطَشاً، فَاسْقُوهُ شَرْبَةً مِنَ الْمَاءِ"

"کیا تم نہیں دیکھ رہے کہ یہ بچہ پیاس کی شدت سے کس طرح جل رہا ہے، اسے پانی دے دیجئے۔

لشکر اشقیاء کے بعض افراد ایک دوسرے کو سرزنش کرنے لگے اور کہنے لگے: اگر اس بچے کو ایک گھونٹ پانی دے دیا جائے تو کیا ہو جائے گا؟ لشکر کے درمیان ایک ہلچل سی مچ گئی۔ عمر سعد نے جب یہ دیکھا کہ نزدیک ہے کہ لشکر بغاوت کر دے تو اس نے حرملہ کی طرف منہ کر کے کہا: تو حسینؑ کا جواب کیوں نہیں دیتا۔

وہ بولا: اے امیر باپ کا جواب دوں یا بیٹے کا؟

اشارہ اس بات کی طرف تھا کہ باپ کو نشانہ بناؤں یا بیٹے کو۔ عمر سعد نے کہا: مگر تجھے بچے کے گلے کی سفیدی نظر نہیں آ رہی؟ حرملہ نے اپنے گھوڑے کو ایڑی لگائی اور ایک بلند مقام پر پہنچ کر گھوڑے سے اتر آیا۔ اس نے بچے کی طرف تیر چلایا جس سے بچے نے مرغ بسمل کی طرح تڑپتے ہوئے جان دے دی۔ (ابی مخنف لکھتے ہیں (مقتل ابی مخنف/۱۳۰)

فَذَبَحَ الطِّفْلَ مِنَ الْاُذُنِ اِلَى الْاُذُنِ

(اس زہر آلودہ تیر نے علی اصغرؑ کو ایک کان سے دوسرے کان تک کاٹ دیا اور......

امام مظلومؑ نے خون علی اصغرؑ ہاتھوں میں اکٹھا کر کے فضا میں اچھال دیا اور فرمایا خدایا اس قوم پر گواہ رہنا گویا انہوں نے نذر مان رکھی ہے کہ خاندان پیغمبر کے ایک فرد کو بھی باقی نہ چھوڑا جائے۔

ثُمَّ رَجَعَ بِا الطِّفْلِ مَذْبُوحا وَدَمُهُ يَجْرِیْ عَلٰی صَدْرِ الْحُسَیْنِ "

''اس کے بعد آپؑ اس مقتول بچے کو لیے واپس چلے گئے اس حالت میں کہ بچے کے گلوئے اقدس کا خون آپ کے سینہ مبارک پر بہہ رہا تھا۔(ریاض القدس :۲/۱۰۱)

سپہر مرحوم رقم طراز ہیں : علی اصغرؑ جو کہ چھ ماہ کے تھے ماں کی چھاتیوں میں دودھ نہ ہونے کے سبب بھوک اور پیاس کی حالت میں رو رہے تھے۔

امامؑ نے فرمایا میرے بیٹے علی (اصغرؑ) کو مجھے دیجئے تا کہ میں اس سے وداع کر سکو۔ آپ نے بچے کو پکڑ کر بچے کو چوما اور فرمایا: وائے ہو اس قوم پر' یہ وہ روز ہے کہ جس روز تمہارے جد محمدؐ اس قوم کے دشمن ہوئے۔

امام بچے کو لائے اور دشمنوں کی صف کے سامنے رکھ دیا۔

گویا کہہ رہے تھے۔ بار الہا! میرے خزانے میں اس گوہر کے علاوہ کچھ نہیں بچا' میں اسے بھی تیرے راستے میں قربان کرنا چاہتا ہوں۔ پھر کوفیوں سے فرمایا:

اے آل ابوسفیان کے شیعو! اگر تم مجھے مجرم خیال کرتے ہو تو مجھے یہ بتاؤ کہ اس بچے کا کیا گناہ ہے اسے تو پانی دے دیجئے ! کہ پیاس کی شدت سے اس کی ماں کی چھاتی کا دودھ خشک ہو چکا ہے۔ کسی نے آپؑ کی بات کا جواب نہ دیا۔ حرملہ بن کاہل اسدی نے ایک تیر آپ کی طرف چلایا وہ تیر ہوا میں لہراتا ہوا علی اصغر کے گلوئے نازک میں پیوست ہو گیا اور اس سے خون بہنے لگا۔

صاحب عوالم کی روایت کے مطابق امام حسین نے علی اصغرؑ کے بدن کو اس کے خون میں غلطان کیا۔ شرح میں مرقوم ہے کہ آپ اپنے گھوڑے سے اترے اور اس پر نماز پڑھی اور اپنی تلوار سے زمین میں گڑھا کھود کر بچے کو دفن کر دیا۔

(ناسخ التواریخ !۲/۳۶۳)

اور ایک دوسری روایت کے مطابق جناب زینبؑ بچے کو خیمے سے باہر لائیں' اپنے بھائی کے نزدیک پہنچیں اور عرض کیا: اے بھائی اس بچے نے تین روز سے پانی نہیں پیا' اس کے لئے

اس قوم سے پانی طلب کیجئے۔

آپؑ نے بچے کو لیا اور میدان میں پہنچے جب عمر سعد لعین کے نزدیک آئے تو فرمایا: اے لوگو! تم نے میرے شیعوں اور اہل بیتؑ کو قتل کر دیا اور میرے ساتھ کئے ہوئے وعدۂ بیعت کو توڑ دیا مجھ سے ہاتھ اٹھالو تا کہ میں اپنے جد کے حرم مطاہر کی طرف چلا جاؤں یا (کم از کم) مجھے پانی ہی دے دو اب میرا سوائے عورتوں اور بچوں کے کوئی بھی نہیں بچا کہ جو نیزہ و تلوار نہیں چلا سکتے۔

"وَيْلَكُمْ اُسْقُوْهَذَالرَّضِيْعَ اَمَا تَرَوْنَهُ كَيْفَ يَتَلَظّٰى عَطَشًا مِنْ غَيْرِ ذَنْبٍ أَتَاهُ اِلَيْكُمْ"

"وائے ہو تم پر' اس بچے کو پانی دے دو۔ کیا تم نہیں دیکھ رہے کہ یہ پیاس سے تڑپ رہا ہے اور پیچ و تاب کھا رہا ہے"

یا مچھلی کی طرح منہ کھول اور بند کر رہا ہے۔ باوجود اس کے کہ اس نے تمہارا کوئی گناہ نہیں کیا۔

امام مظلومؑ ان لوگوں سے یہ گفتگو فرما رہے تھے کہ ناگاہ حرملہ بن کاہل ملعون نے حلہ کمان میں تیر رکھا اور امام مظلومؑ کی طرف چلایا۔ یہ تیر اس بچے کے گلوئے مبارک پر لگا اور اس کے گلے کو چھید کر رکھ دیا۔ (منہج الاحزان ۱/۲۴۳م۱۰ وقائع الایام خیابانی ۱/۴۵۱ الدمعۃ الساکبہ کی نقل کے ساتھ)

اور حمید بن مسلم سے منقول ہے کہ میں ابن زیاد کے لشکر میں تھا اور میری نظر اس بچے پر تھی جو سید الشہداءؑ کے ہاتھوں پر شہید ہو گیا۔

اچانک میں نے دیکھا کہ ایک نورانی مخدرہ خیمے سے باہر تشریف لائیں کہ جن کا نور آفتاب کو شرما رہا تھا۔ ان کے پاؤں دامن میں الجھ رہے تھے، کبھی گرتی تھیں اور کبھی اٹھتی تھیں اور فریاد کناں تھیں:

وَاوَلَدَاهُ وَاقَتِيلَاهُ وَامُهْجَةَ قَلْبَاهُ"

"ہائے میرا بچہ' ہائے میرا مقتول ہائے میرے دل کا سکون"

جب وہ اس بچے کے نزدیک پہنچیں تو اپنے آپ کو اس کے اوپر گرا دیا۔ پھر کچھ لڑکیاں

دوڑتی ہوئیں خیمے سے باہر آئیں اور اس شہید بچے پر آ گریں ۔سید الشہداءؑ جو کہ قوم اشقیاء سے گفتگو فرما رہے تھے، جب یہ حال دیکھا تو اس طرف آئے اور انہیں وعظ و نصیحت کیا اور نہایت شفقت کے ساتھ خیمے میں پلٹا دیا۔

جو لوگ نزدیک کھڑے ہوئے تھے میں نے ان سے پوچھا: یہ بی بی کون ہے ۔انہوں نے جواب دیا: یہ ام کلثومؑ ہے اور وہ بچیاں فاطمہؑ سکینہؑ اور رقیہؑ ہیں ۔(مہیج الاحزان ۱/۲۴۴)

طبرسی مرحوم لکھتے ہیں: جب امامؑ کے اصحاب اور اقرباء شہید ہوگئے اور آپ کے بیٹے زین العابدینؑ اور شیر خوار عبداللہ کے سوا کوئی باقی نہ بچا تو آپ خیمے کے سامنے آئے اور فرمایا:

"نَاوِلُوْنِی ذَالِکَ الطِّفْلَ حَتّٰی اُوَدِّعَهُ"

"یہ بچہ مجھے دے دیجئے تا کہ میں اسے الوداع کرسکوں) آپ نے بچے کو اٹھایا اور اسے چومتے ہوئے فرمایا: اس قوم پر افسوس کہ محمدؐ ان سے بے زار ہوئے ۔ ناگاہ ایک تیر اس شیر خوار کے گلوئے اقدس پہ لگا اور وہ شہید ہوگیا ۔پس امام مظلومؑ گھوڑے سے اتر آئے اور غلاف شمشیر سے زمین کو کھود کر بچے کا لاشہ خون آلودہ کر کے اس میں دفن کر دیا۔ (احتجاج: ۲/۲۵)

نیز خوارزمی رقم طراز ہیں: حسینؑ گھوڑے سے اترے اور بچے کو دفن کرنے کے لئے زمین کو کھودا۔ بچے کے بدن پر خون ملا اس پر نماز پڑھی اور اسے دفن کر دیا ۔(مقتل خوارزمی: ۲/۳۲)

مورخین عامہ میں سے اکثر نے شیعہ مورخین کی طرح نقل کیا ہے کہ سید الشہداءؑ نے اپنی تلوار سے زمین کو کھودا اور اس بچے کو دفن کر دیا ۔ہم یہاں بعض روایات نقل کرتے ہیں ۔

شوستری مرحوم اس ضمن میں لکھتے ہیں: بعض روایات کے مطابق امام حسینؑ نے اس شیر خوار بچے کے لئے قبر کھودی اور اسے دفن کر دیا ۔شاید اس راز کی چند وجوہات ہوں ۔

(۱) ممکن ہے کہ تنہائی کی وجہ سے اس بچے کو سپرد خاک کر دیا ہو۔

(۲) دوسرے شہداء کی طرح اس بچے کا سر بدن سے جدا نہ ہوا تھا۔

(۳) اسے اس لئے دفن کر دیا کہ (دوسرے شہداء کے لاشوں کی طرح) تین روز تک زمین پر

برہنہ وعریاں نہ پڑا رہے۔

(۴) یہ کہ گھوڑوں کے سموں کے نیچے پامال نہ ہو۔

(۵) یہ کہ امامؑ اور (اہل حرم) سکت نہیں رکھتے تھے کہ اس بچے کے بدن کو دوسری بار اس حالت میں دیکھیں۔

البتہ امامؑ کے لئے اپنے اصحاب کے بارے میں جو کچھ ممکن تھا آپ نے کیا۔ مثلاً ان کے لاشوں کو جمع کیا اور بعض کو بعض کے پاس رکھا۔ اکثر کو خود اٹھا کے لائے اور اگر دوسرے اٹھا کر نہ لا سکے تو آپ نے ان کا ساتھ دیا۔ (الخصائص الحسینیہ ۲۹/باب الجنائز)

لیکن ان لوگوں نے امامؑ کو اپنے مقصد تک نہ پہنچنے دیا۔

اور شاید آپ کی خواہش ہو کہ بچے کی نماز جنازہ پڑھنے سے خود کو سکون میسر آئے۔

علی اصغرؑ مرد میدان نہیں تھے' انہوں نے جنگی لباس نہیں پہن رکھا تھا' وہ شمشیر زن نہیں تھے۔ اور کسی بھی قوم میں بچے کو گناہ گار نہیں سمجھا جاتا اور کوئی بھی بچے کو قتل نہیں کرتا۔ اور اگر کوئی ایسا کرے بھی تو سہ شعبہ تیر استعمال نہیں کرتا۔ لہٰذا امامؑ سے منسوب اس شعر میں

لَیْتَکُمْ فِی یَوْمِ عَاشُورَ جَمِیْعًا تَنْظُرُوْنِی

کَیْفَ اُسْتَسْقِی لِطِفْلِی فَاَبَوْ اَنْ یَرْحَمُوْنِی

امامؑ نے صرف اسی مقتول کو یاد کیا۔

بہر حال آپ نے بچے کی نماز جنازہ پڑھ کر اور اسے دفن کر کے خود کو تسلی دی۔

ابو خلیق کو مختار کے سامنے لایا گیا تو مختار نے اس سے پوچھا: اے ملعون! میدان کربلا میں ہمارے آقا حسین علیہ السلام پر کبھی تیرا دل کڑھا؟

اس نے کہا: ہاں اے امیر! ایک دفعہ میرا دل اس قدر کڑھا کہ میں نے خدا سے اپنی موت کی دعا مانگی تا کہ حضرت کی اس حالت زار کو نہ دیکھوں۔ مختار نے کہا: بیان کرو کہ وہ کون سی حالت تھی؟ اس نے جواب دیا: اے امیر جب سید الشہداءؑ اپنے بچے کو اپنی عبا سے ڈھانپ کر میدان سے پلٹے تو آپ خیموں کی طرف بڑھے۔ میں دیکھ رہا تھا کہ ایک جلیل القدر خاتون

جس نے سر پر چادر اوڑھ رکھی تھی اور چہرے پر نقاب لے رکھی تھی' خیمے سے باہر کھڑی تھی ۔ گویا اس بچے کی ماں ہو اور بچے کا انتظار کر رہی ہو۔

جب امامؑ کی نظر بچے کی منتظر ماں پر پڑی تو امامؑ ٹھہر گئے' دوبارہ خیمے کی طرف چلے' پھر شرمندگی محسوس ہوئی تو واپس آئے ۔ یہاں تک کہ امامؑ تین دفعہ خیمے کی طرف بڑھے اور واپس آئے اور علی اصغرؑ کی ماں سے شرمندگی محسوس کی ۔ جب میں نے حسینؑ کی اس حالت کو دیکھا تو میرا جگر کباب ہو گیا۔

مختار نے کہا: اے ملعون آخر کار کیا ہوا؟

اس نے جواب دیا اے امیر بالآخر امام گھوڑے سے اترے اور بچے کو زمین پر رکھ دیا غلاف شمشیر سے قبر کے لئے گڑھا کھودا' بچے پر نماز پڑھی اور اسے سپرد خاک کر کے لوٹ گئے ۔

مختار نے جب یہ سنا تو ایک آہ بھری اور اس پر غشی کی حالت طاری ہو گئی ۔ جب ہوش آیا تو اپنا گریبان پھاڑ لیا اور سر و سینہ پر ماتم کرتے ہوئے فرمایا: امام حسینؑ کی یہ آخری حالت سب سے زیادہ تکلیف دہ ہے ۔ آپؑ نہیں چاہتے تھے کہ اس کے بعد اس بچے کے بدن کو کوئی آزار پہنچائے یا اس کا سر کاٹے یا پھر گھوڑوں کے سموں کے تلے پامال کرے۔

ابو خلیق نے کہا: اے امیر! خدا کی قسم' ان ظالموں نے اس بچے کے بدن کو پھر بھی سلامت نہ چھوڑا ۔ گیارہ محرم کو جب تمام شہیدوں کے سر فخر و مباہات کے اظہار کے لئے نیزوں پر بلند کیے گئے اور انعام کے حصول کے لئے ابن زیاد کے پاس لائے گئے تو ابو ایوب غنوی' جو بیلداروں کا سر کردہ تھا، کو شہداء میں سے ایک کا سر نہ ملا۔ اس نے بیلداروں کو حکم دیا کہ زمین کربلا کو کھودو اور اس بچے کی لاش کو تلاش کرو ۔ جب لاش برآمد ہوئی تو انہوں نے علی اصغرؑ کے سر کو کاٹا اور نیزے پر سوار کر کے کوفہ لے آئے ۔

ابو خلیق کا کہنا ہے: میں ابن زیاد کے دربار میں موجود تھا' میں نے دیکھا کہ حسینؑ اور علی اصغرؑ کے سر ایک طشت میں پڑے تھے اور دوسرے تمام شہداء کے سر بھی طشتوں میں اس کے سامنے رکھے تھے ، حسین کا چہرہ ہمیشہ علی اصغر کے چہرے کی طرف رہتا تھا (یہاں مناسب محسوس ہوتا ہے کہ ایک داستان بھی نقل کی جائے)

بنی اسرائیل کا ایک جوان تھا جس کا وسیلہ روزگار ایک گائے اور ایک بچھڑا تھا۔ایک دن اس نے گوشت کے حصول کے لئے بچھڑے کے ہاتھ پاؤں باندھے اور اس کی ماں کے سامنے اسے ذبح کرنے لگا۔

گائے نے اپنے سر بریدہ بچے کو دیکھا تو اس قدر چیخی کہ درو دیوار لرز گئے اور اس کی آنکھوں سے اشکوں کی برسات ہونے لگی۔ اس نے اپنا سر آسمان کی طرف بلند کیا تو فوراً بنی اسرائیل کے اس جوان کے ہاتھ شل ہو گئے۔

وہ جوان حضرت موسیٰؑ کے پاس آیا اور ان سے شفاعت طلب کی۔حضرت غصے میں آ گئے اور اسے خود سے دور بھگاتے ہوئے فرمایا: تو کس قدر بے رحم اور بے انصاف ہے کہ تو نے ماں کے سامنے بچے کا سر جدا کر دیا۔(ریاض القدس:۲/۱۰۴،۱۰۵)

ایک دفعہ امام جعفر صادقؑ کا شاعر کمیت آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کے سامنے کچھ اشعار اور مرثیہ پڑھا۔آنحضرت نے شدید گریہ فرمایا۔اہل حرم جو پردے کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے۔نے بھی نالہ وزاری بلند کی۔

ناگاہ ایک کنیز پردے کے پیچھے سے برآمد ہوئی اور ایک بچے کو امام جعفر صادقؑ کی گود میں ڈال دیا۔حضرت کا گریہ اور بھی شدید ہو گیا' اور آپ کی اور پس پردہ بیٹھی مخدرات کی صدائے گریہ بلند ہو گئی۔

(معالی السبطین ۱/۲۶۰)

منہال ابن عمرو کہتا ہے: میں کوفے سے سفر حج پر روانہ ہوا اور واپسی پر مدینہ میں علی بن الحسینؑ کی خدمت میں حاضر ہوا۔آپ نے فرمایا: حرملہ کی کیا خبر ہے۔

میں نے عرض کیا: کوفے میں ابھی زندہ ہے۔

آپ نے اپنے دست مبارک بلند کئے اور فرمایا:

"اَللّٰهُمَّ اَذِقْهُ حَرَّ الْحَدِيْدِ اَللّٰهُمَّ اَذِقْهُ حَرَّ الْحَدِيْدِ اَللّٰهُمَّ اَذِقْهُ حَرَّ النَّارِ"

"خدایا! اسے لوہے کی گرمی کا مزا چکھا، خدایا اسے لوہے کی گرمی کا مزا چکھا، خدایا

اسے لوہے کی گرمی کا مزا چکھا"

منہال کہتا ہے جب میں کوفہ پہنچا تو مختار خروج کر چکے تھے میں سفر کی تھکن کے سبب کچھ روز گھر میں رہا اس کے بعد مختار سے ملاقات کے لئے گیا۔ میں ان کے گھر سے باہر ان سے ملا تو انہوں نے کہا: تم مجھے ملنے اور مبارک باد دینے کیوں نہیں آئے؟ میں نے کہا میں مکہ گیا ہوا تھا۔ ہم ساتھ ساتھ چلتے ہوئے کناسہ کوفہ میں پہنچے!

وہاں تھوڑی دیر ٹھہرے، جیسے (مختار) کسی چیز کا انتظار کر رہے ہوں۔ اچانک ایک گروہ دوڑتا ہوا آیا اور کہنے لگا اے امیر خوش خبری ہو کہ ہم نے حرملہ کو گرفتار کر لیا۔ وہ تھوڑی ہی دیر میں وہ اسے (دست بستہ حالت میں) لے آئے:

جب مختار نے اسے دیکھا تو حمد خداوندی بجا لائے کہ اس ذات نے انہیں ظفریاب کیا پھر حکم دیا کہ اس کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دو۔ اور اس کے بعد اسے آگ میں پھینک دو۔

جب میں نے یہ دیکھا تو پکار اٹھا: سبحان اللہ! مختار نے پوچھا تیرا تسبیح پڑھنے سے کیا مطلب ہے؟ میں نے امام سجادؑ سے اپنی ملاقات اور ان کی نفرین کا واقعہ نقل کیا۔ مختار نے کہا: تجھے خدا کی قسم! تو نے یہ الفاظ علیؑ بن الحسینؑ سے سنے؟ میں نے کہا: ہاں! مختار (شکر گزاری کے لئے) گھوڑے سے اتر آئے' دو رکعت نماز پڑھی اور طویل سجدہ شکر کیا۔ واپسی پر اکٹھے چلتے ہوئے جب ہم میرے گھر کے نزدیک پہنچے تو میں نے مختار کو دعوت دی کہ میرے گھر کھانا تناول کیجئے۔ مختار نے کہا: اے منہال تو نے مجھے خبر دی اور حضرت علی بنؑ الحسین کی دعا میرے ہاتھوں مستجاب ہوئی۔ پس اس خوشی میں مجھے کھانا کھانے کی خواہش نہیں رہی۔ آج کے دن میں سپاس گزاری کے لئے روزہ رکھوں گا۔ (بحار الانوار: ۴۵/۳۳۲ باب احوال المختار رح' منتھی الآمال: ۱/۴۵۱)

حضرت امام باقرؑ سے روایت ہے کہ آپ نے عقبٰی بن بشر اسدی سے فرمایا: بنی اسد کے سر پر ہمارا خون ہے میں نے عرض کیا۔ اے ابو جعفر آپ پر خدا کی رحمت ہو میرا کیا گناہ ہے اور وہ خون کس کا ہے؟

آپ نے فرمایا: امام حسینؑ کا ایک بچہ ان کے پاس لا کر ان کی گود میں ڈالا گیا' تو تم بنی

اسد میں سے ایک شخص نے اسے تیر کا نشانہ بنایا اور ذبح کر دیا۔ امام حسینؑ نے اپنی دونوں ہتھیلیوں کو اس خون سے لبریز کیا اور زمین پر پھینک دیا۔

(شیعہ روایت کے مطابق ہوا میں اچھال دیا) پھر فرمایا:

"رَبِّ اِنَّ تَکُ حَسَبْتَ عَنَّا النَّصْرَ مِنَ السَّمَاءِ فَاجْعَلْ ذَالِکَ لِمَا هُوَ خَیْرٌ وَّ اَنْتَقِمْ لَنَا مِنْ هٰؤُلَاءِ الظَّالِمِیْنَ"

"پروردگار! اگر تو اس وقت ہماری امداد میں مصلحت نہیں سمجھتا تو ہمیں اس کا بیشتر صلہ عنایت فرما اور ان ستمگاروں سے ہمارا انتقام لے۔

(نفس المہموم/۳۴۹ تاریخ طبری: ۴۴۸/۵)

چہرہ امامؑ روشن ہو گیا

شیخ صدوقؒ اپنی سند کے ساتھ امام سجادؑ سے روایت کرتے ہیں کہ جب (روز عاشور) امام حسین کے لے حالات سخت دشوار تھے تو وہ لوگ جو امامؑ کے ہمراہ تھے' نے آپ کی طرف دیکھا تو امامؑ کا حال اپنی حالت کے برخلاف پایا۔ کیونکہ جس وقت ان پر کوئی مشکل وقت آتا تھا تو ان کے چہروں کے رنگ اڑ جاتے تھے۔ ان کے اعضاء کانپنے لگتے تھے اور خوف ان کے دلوں میں بیٹھ جاتا تھا۔

لیکن امام حسینؑ اور آپ کے بعض خواص کے رنگ اور کھل اٹھے۔ ان کے اعضاء آرام میں تھے۔ اور انفاس سکون میں۔

لہذا اصحاب ایک دوسرے سے کہنے لگے: دیکھو امام حسینؑ کو موت سے بھی خوف محسوس نہیں ہو رہا۔ آپؑ نے ان سے فرمایا:

صَبْرًا بَنِیْ الْکِرامِ فَمَاالْمَوتُ اِلاَّ قَنْطَرَۃٌ تَعْبُرُ بِکُمْ عَنِ الْبُؤسِ وَاضَّرّاءِ اِلٰی الْجِنانِ الْواسِعَۃِ وَالنَّعِیْمِ الدّائِمَۃِ فَأَیُّکُمْ یَکْرَہُ اَنْ یَنْتَقِلَ مِنْ سِجْنٍ اِلٰی قَصْرٍ ؟ وَما ھٰؤلاَ عَدائِکُمْ اِلاَّ کَمَنْ یَنْتَقِلُ مِنْ قَصْرٍاِلٰی سِجْنٍ وَ عَذابٍ . اِنَّ اَبِی حَدَّثَنِی عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِؐ اِنَّ الدُّنْیا سِجْنُ الْمُومِنِ وَجَنَّۃُ الْکَافِرِ وَالْمَوْتُ جِسْرُھٰؤ لاءِ اِلٰی جَنا نِھِمْ وجِسْرُ ھٰؤلاءِ اِلٰی جَحِیْمِھِمْ ماکَذِبْتُ وَلاَ کُذِبْتُ "

"بزرگواران! صبر کیجئے۔ موت ایک پل سے زیادہ نہیں ہے کہ تمہیں سخت تنگی کی

حالت سے وسیع وعریض بہشت اور اس کی دائمی نعمتوں میں پہنچا دے گی ۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ جو تمہیں دوست نہ رکھتا ہو وہ زندان سے محل میں منتقل ہو سکے تمہارے دشمنوں کے لئے محلات سے زندان میں منتقل ہونے اور عذاب آخرت) کے علاوہ کچھ اور نہیں ۔ میرے والد گرامی نے رسول خداؐ سے ہمارے لئے نقل فرمایا کہ دنیا مومن کے لئے زندان اور کافر کے لئے بہشت ہے ۔ جبکہ موت مومنین کے لئے بہشت کا پل اور کافروں کے لئے جہنم کا پل ہے ۔ میں جھوٹ نہیں کہہ رہا اور نہ ہی میں نے کبھی جھوٹ بولا ہے ۔

(بحارالانوار:۶/۱۵۴باب سکرات الموت ح ۹' وج ۲۹۷/۴۴ ب۳۵ ح ۲)

وداع امام مظلومؑ

روایت میں ہے کہ جب امام مظلومؑ نے دیکھا کہ آپ کے تمام اصحاب اوراہل بیتؑ شہید ہو گئے ہیں اور خاک کربلا پر پڑے ہوئے ہیں، تو آپ دشمن سے جنگ کے لئے نکلے اور الوداع کے لئے خیام کی طرف تشریف لائے اور آواز دی:

"یا سَکِینَۃُ، یافاطِمَۃُ، (یَا رُقَیَّۃُ) یَازَیْنَبُ یا اُمَّ کُلْثُومٍ عَلَیْکُنَّ مِنِّی السَّلامُ "

''اے سکینہؑ! اے فاطمہؑ! اے رقیہؑ! اے زینبؑ! اے ام کلثومؑ! خدا حافظ۔

سکینہؑ نے فریاد بلند کی: اے میرے بابا!

اَسْتَسْلَمْتَ لِلْمَوْتِ ؟

''کیا آپ موت کی طرف جا رہے ہیں؟''

امامؑ نے فرمایا: میں کس طرح موت کی جانب نہ جاؤں کہ میرا کوئی یار و مددگار نہیں رہا۔

سکینہؑ نے عرض کیا: بابا جان! ہمیں ہمارے اجداد کے حرم پر واپس چھوڑتے جایئے۔

امام نے فرمایا:

"هَیْهاتَ لَوْ تُرِکَ القَطاَلَنامَ"

''افسوس! اگر شکاری قطا نامی پرندے سے ہاتھ اٹھا لے تو وہ اپنے آشیانے میں آسودگی سے سو جائے''

(اس ضرب المثل میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ دشمن مجھ سے ہاتھ نہیں اٹھائے گا

) مخدرات نے گریہ کی صدا بلند کی۔امامؑ نے انہیں چپ کروایا۔اور یہ بھی منقول ہے کہ آپؑ نے ام کلثوم کی طرف منہ کر کے فرمایا:

اے بہن! میں سفارش کرتا ہوں کہ اپنے آپ پر ضبط رکھنا اور نیک عمل کا مظاہرہ کرنا۔ میں اس گروہ (اشقیاء) سے جنگ کے لئے میدان میں جا رہا ہوں۔

سکینہؑ روئی ہوئی سامنے آئیں۔امامؑ اپنی اس بیٹی سے بے حد محبت فرماتے تھے۔آپ نے سکینہؑ کو گلے سے لگایا۔اس کے آنسو پونچھے اور فرمایا:

سَیَطُولُ بَعْدِیْ یَا سَکِیْنَۃَ فَاعْلَمِی
مِنْکِ الْبُکَاءُ اِذَا الْحِمَامُ دَهَانِی
لَا تُحْرِقِی قَلْبِی بِدَمْعِکِ حَسْرَۃً
مَادَامَ مِنِّی الرُّوْحُ فِی جُثْمَانِی
وَاِذَا قُتِلْتُ فَاَنْتِ اَوْلٰی بِالَّذِیْ
تَبْکِیْنَہٗ (تَاتِیْنَہٗ) یَا خَیْرَۃَ النِّسْوَانِ

"اے سکینہ! جب میں مر جاؤں گا تو تمہارا گریہ بہت طولانی ہوگا۔جب تک روح میرے بدن میں ہے اپنے اشک حسرت سے میرا دل نہ جلاؤ۔البتہ جب میں مر جاؤں تو پھر تمہارا رونا سزاوار تر ہے۔

(نفس المہموم/۳۳۶،منتخب طریحی/۳۶۷،۳۱۶،ینابیع المودۃ/۳۳۶ب۶۱)

آئیدہ تا بگریم چون ابر در بہاراں
کز سنگ نالہ خیزد روز وداع یاراں
با سار بان بگوئید احوال اشک چشم
تا بر شتر عبند د محمل بہ روز باراں

آؤ کہ ہم بہار کے بادل کی طرح روئیں کیونکہ جب دوست وداع ہوتے ہیں تو پتھروں سے بھی صدائے نالہ بلند ہوتی ہے۔

ساربان سے میری آنکھوں کے آنسوؤں کا احوال بیان کردو تاکہ وہ برسات کے دن اونٹ پر محمل نہ باندھے۔

علامہ مجلسیؒ رقم طراز ہیں: امام نے خواتین کو بلایا اور اپنی بیٹوں اور بہنوں کو گلے لگایا اور ہر ایک کو خداوند متعال کی طرف سے ثواب کی تسلی دی۔ خیام سے اہل حرم کی صدائے گریہ وشیون بلند ہوئی اَلْوِدَاعَ اَلْوِدَاعَ اور اَلْفِرَاقَ الْفِرَاقَ کی صدائیں زمین سے آسمان تک گونجنے لگیں۔

امامؑ کی صاحب زادی سکینہؑ نے کہا: اے بابا! آپ خود کو موت کے حوالے کرنے جارہے ہیں۔ ہمیں کس کے سپرد کئے جاتے ہیں؟ امام مظلومؑ رو پڑے اور فرمایا میری نور چشم! جس کا کوئی مدگار نہیں ہوتا وہ موت کی طرف ہی بڑھتا ہے۔ اے میری بیٹی! تمام لوگوں کی یار و مددگار رحمت خدا دنیا و آخرت میں تم سے کبھی جدا نہ ہوگی۔ حکم خدا پہ صبر کرو اور شکیبائی کا مظاہرہ کرو کہ جلد ہی یہ دنیائے فانی ختم ہونے والی ہے اور آخرت کی ہمیشہ رہنے والی نعمتوں کا اختتام کبھی نہ ہوگا۔

(جلاء العیون/۴۰۸)

امامؑ کی ایک تین سالہ بیٹی تھی جو دروازہ خیمہ میں بیٹھی آپؑ کے وداع کا منظر دیکھ رہی تھی وہ گریہ کرنے لگی۔ اور جب امام مظلومؑ نے خیمے سے باہر آنا چاہا تو اس کم سن بچی نے باپ کا دامن پکڑ لیا اور اپنی بہن سکینہؑ سے کہا کہ بہن آؤ بابا کا دامن پکڑ لیں۔ اور انہیں اپنے پاؤں پر چل کر موت کی طرف نہ جانے دیں۔

اس بچی کی بات نے امام اور خواتین عصمت کے دلوں کو جلا کر رکھ دیا۔ امامؑ نے اس بچی کو گود میں بٹھا لیا اور اس کا چہرہ چوما۔ بچی نے روتے ہوئے کہا: ہم کب تک پیاسے رہیں گے؟

امامؑ نے فرمایا:

"اِجْلِسِی عِنْدَا لْخَیْمَةِ لَعَلِّی آتِیْکِ بِالْمَاءِ"

''میری بیٹی تم خیمے کے پاس بیٹھ جاؤ' شاید میں تمہارے لئے پانی لے آؤں''

(ریاض القدس:۲/۱۴۲)

یزید نے شمر سے پوچھا: تو کربلا میں تھا، کیا کبھی تیرا دل حسینؑ کے لئے کڑھا؟ اس

ملعون نے کہا: ان مقامات میں سے جہاں میرا دل کڑھا' ایک یہ بھی ہے کہ امامؑ آخری وداع کے لئے جب دروازہ خیمہ پر آئے تو آپ کی چھوٹی بچی نے اپنے ننھے منے ہاتھ باپ کی گردن میں حمائل کر کے اس طرح نالہ بلند کیا: "وا ابتاہ"

جس سے عالمین کے رہنے والوں کے دلوں میں سوز و گداز پیدا ہو گیا۔ حسینؑ نے سر نیچے جھکا لیا اور آپؑ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ جب کہ وہ بچی کہہ رہی تھی: بابا جان! ہمیں واپس مدینہ پہنچا دیجئے۔ (نہضت حسینی: ۱۴۲/۱)

روایت میں ہے کہ جب مالک بن یسر نے آپ پر وار کیا تو آپ کی کلاہ مبارک خون سے پر ہو گئی۔ آپؑ نے کلاہ سر سے اتاری اور خیمہ میں پہنچ کر کپڑا طلب کیا تا کہ زخم پر پٹی باندھ سکیں۔

اور ایک روایت کے مطابق اس حال میں ندا کی:

"یا زَیْنَبُ وَیاأُمَّ کُلْثُومٍ وَیا سَکِیْنَةُ، یا رُقَیَّةُ ' یافاطِمَةُ، عَلَیْکُنَّ مِنِّی السَّلامُ"

"حضرت زینبؑ نے آپ کی طرف دیکھا اور فرمایا: بھائی! کیا آپ کو اپنی شہادت کا یقین ہو گیا ہے؟ آپ نے فرمایا: کیسے یقین نہ ہو جب کہ میرا کوئی یار و مددگار ہی نہیں۔ بی بی نے عرض کیا: بھائی! ہمیں اپنے جد بزرگوار کے حرم مبارک پر واپس پہنچا دیجئے۔ امام مظلومؑ نے فرمایا:

هَیْهاتَ لَوْ تُرِکْتُ ما أَلْقَیْتُ نَفْسِی فِی الْمَهْلَکَةِ وَکَأَنِّی بِکُمْ غَیْرَ بَعِیْدٍ کَالْعَبِیْدِ یَسُوقُونَکُمْ أَمامَ الرِّکابِ وَیَسُومُونَکُمْ سُوءَ الْعَذابِ

"افسوس اگر یہ لوگ مجھے چھوڑ دیتے تو میں خود کو ہلاکت میں نہ ڈالتا۔ اور گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ یہ لوگ تمہیں جلد ہی غلاموں کی طرح اپنے جلوئے رکاب میں ہانکتے ہوئے لے چلیں گے (تمہیں قیدی بنا لیں گے) اور تمہیں سخت تکالیف سے دوچار کریں گے"

جب زینب عالیہؑ نے یہ کلمات سنے تو آپ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے اور آپ

نے ندا بلند کی۔

''وَاحَدَ تَاہُ ' وَاقِلَّۃَ نَاصِرَاہُ ' وَسُوءَ مُنْقَلَبَاہُ وَاشُوْمَ صَبَا حَاہُ''

''بی بی نے اپنے لباس کو پارہ پارہ کرلیا اور سر کے بال کھول دیئے اور اپنے منہ پر پیٹنا شروع کیا۔

امامؑ نے فرمایا اے دختر مرتضیٰؑ! صبر کیجئے۔ ابھی رونے کے لئے بہت وقت پڑا ہے۔

جب امامؑ نے خیمے سے باہر نکلنا چاہا تو جناب زینبؑ نے عرض کیا: اے بھائی! تھوڑی دیر ٹھہریئے کہ میں آپ کی زیارت کرسکوں اور آپ سے آخری ملاقات کرسکوں کہ اس کے بعد دوسری ملاقات نہیں ہوگی۔

فَمَهْلاً اَخِی قَبْلَ الْمَمَاتِ هُنَیَّۃً

لِتَبْرُدَ مِنّی لَوْعَۃُ وَغَلِیْلُ

''اے بھائی موت سے پہلے چند لمحات ٹھہریئے تاکہ میں آپ کے جمال مبارک کی زیارت سے غم کی اس آگ کو ٹھنڈا کرسکوں جو میرے دل و جان کو جلا رہی ہے''

پھر بی بی نے بھائی کے دونوں ہاتھوں اور دونوں پاؤں پر بوسہ دیا' دوسری بیبیاں بھی آنحضرت کے گرد جمع ہوگئیں اور یہی عمل دہرانے لگیں۔

پھر امام نے پرانا لباس منگوایا اور اپنے لباس کے نیچے پہنا۔

(الطراز المذہب (تاریخ حضرت زینب علیہ السلام از عباس قلی خان ۱/۲۲۵)

شہر کنعان سے باہر ایک درخت تھا کہ جسے درخت وداع کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ جو شخص سفر پر جاتا تھا۔ اس کے عزیز و اقارب اور احباب اسے اس درخت تک چھوڑنے جاتے تھے۔

جب برداران یوسف نے حضرت یوسفؑ کو اپنے ساتھ سیر کے لئے لے جانے کی اجازت حاصل کی تو یوسفؑ ابھی شہر سے باہر ہی نکلے تھے کہ آپ کی ایک بہن جو آپ کی ماں جائی تھی اور آپ سے بہت محبت کرتی تھی۔ نے خواب میں دیکھا کہ یوسفؑ کو ایک بھیڑیئے نے پکڑ لیا ہے۔ وہ مضطرب ہو کر اٹھی اور پوچھنے لگی: میرا بھائی کہاں ہے؟

اسے بتایا گیا کہ اپنے بھائیوں کے ساتھ صحرا میں گیا ہے۔

پوچھنے لگی: میرے بابا (یعقوب علیہ السلام) کہاں ہیں؟ جواب ملا: اسے وداع کرنے گئے ہیں۔

بہن بے تاب ہوگئی کہ شاید دیر سے واپس آئے اور مجھے اس سے تاب جدائی نہیں۔ اس نے سر پر چادر لی اور بھائیوں کے پیچھے روانہ ہوگئی۔ جب دیکھا کہ یوسفؑ وداع کر کے جا رہے ہیں تو دور سے انہیں جاتے ہوئے دیکھ کر فریاد کی: اے بھائی! ایک لحظہ ٹھہر جایئے تا کہ میں آپ کو دیکھ لوں، کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ دیر سے واپس آئیں۔ خواہر یوسفؑ حالت اضطراب میں دوڑیں تو چند دفعہ زمین پر گریں جس سے آپ کے دست و پا مجروح ہوگئے۔ یہاں تک کہ آپ جناب یوسفؑ تک پہنچ گئیں اور ان کے گلے میں باہیں ڈال کر اتنا روئیں کہ بے ہوش ہوگئیں۔

(ریاض الشہادۃ: ۲/۲۴۰م ۱۲)

روز عاشور امام مظلومؑ نے اپنے ساتھیوں، عزیزوں اور بیٹوں کی شہادت کے بعد دو طرح کے وداع کئے: پہلا وداع عام: چونکہ عام موجودات بلکہ تمام ممکنات آپ کے وجود مسعود کے سبب تھیں۔ اس وداع سے تمام موجودات عالم کسیختہ ہو کر رہ گئیں اور تمام عالم میں خلل واقع ہوگیا اور منادی نے عرش سے آواز دی:

" أَلَا أَيَّتُهَا الْأُمَّةُ الْمُتَحَيِّرَةُ الظَّالِمَةُ بَعْدَ نَبِيِّهَا (اَلْقَاتِلَةُ عِتْرَةَ نَبِيِّهَا) لَا وَفَّقَكُمُ اللّٰهُ لِأَضْحٰى وَلَا فِطْرٍ "

اے سرکشو! امت اور عترت پیغمبرؐ پر ظلم کرنے والو اور انہیں قتل کرنے والو خدا تمہیں عیدالضحیٰ اور عیدالفطر سے محروم کردے۔

وداع خاص جو آپ نے اپنے خواص سے فرمایا: حدیث کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وداع کئی مرتبہ فرمایا پہلا خاص وداع اپنے اہل حرم سے کیا۔

علامہ مجلسیؒ نے "بحارالانوار" میں ذکر کیا ہے کہ جب امام مظلومؑ نے اپنے اہل بیتؑ کے بہتر (۷۲) افراد کے لاشوں کو بے کس و تنہا زمین پر پڑے دیکھا، تو آپ وداع کے لئے خیموں کی جانب متوجہ ہوئے۔

"وَنادیٰ یا سَکِینَۃُ وَیارُقَیَّۃُ ، وَیاعاتِکَۃُ وَیازَیْنَبُ وَ یافاطِمَۃُ ، یااُمَّ کَلْثُومٍ عَلَیْکُنَّ مِنِّی السَّلامُ"

"آپ نے اہل حرم کوآواز دے کر فرمایا: اے سکینہؑ ،اے رقیہؑ اے عاتکہؑ اے زینبؑ اے فاطمہؑ اورام کلثومؑ تم پر میرا اسلام۔

(انوار الشہادۃ/۱۶۰ف ۱۴، بحار الانوار: ۴۵/۴۷)

شاید عاتکہ سے مراد عاتکہ دختر زید بن عمرو بن نفیل قرشی' امام حسینؑ کی باوفا زوجہ محترمہ ہیں ۔ جوکہ ایک فاضلہ اور شاعرہ تھیں ۔ انہوں نے امام مظلوم کے سوگ میں بہت سے اشعار کہے ۔اور وہ پہلی ہستی تھیں کہ جنہوں نے امام عالی مقام کے جسد مبارک کوخاک سے اٹھایا۔ اورآپ کے قاتلوں پرلعنت فرمائی۔

(اعلام النساء:۳/۲۰۶' ریحانۃ الادب:۳/۱۳۷۶اجساد جاویداں/۶۳)

جب خواتین' بیٹیوں اور کنیزوں نے یہ آ واز سنی تو سب کی سب خیموں سے باہر دوڑیں اورگریہ و نالہ کی صدائیں بلند کیں ۔ امامؑ ہرایک کونصیحت کررہے تھے جس سے دل کباب ہو جاتے ہیں ۔آپ نے ان پر نگاہ حسرت فرمائی اوراپنے دل سوختہ سے آہ کھینچی۔

آپ نے فرمایا:

وَ کَاَنِّیْ بِکُمْ غَیْرَ بَعِیْدٍ کَالْعَبِیْدِ یَسُوقُونَکُمْ اَمامَ الرِّکابِ وَیَسُو مُوْنَکُمْ سُوءَ الْعَذابِ فَتَصارَخُنَ النِّساءُ فَسَکَّتَهُنَّ

"اے بہن ! گویامیں دیکھ رہاہوں کہ تھوڑی ہی دیر میں تمہیں غلاموں اورکنیزوں کی طرح قیدی بنالیا جائے ۔ یہ لوگ تمہیں گھوڑوں کے جلو میں دوڑائیں گے اورتم پرظلم کریں گے ۔ اہل حرم نے گریہ و نالہ کی صدا بلند کی تو امامؑ نے انہیں خاموش کرایا۔

دوسرا وداع: آپ نے صبر کا حکم دیا اور میدان کی طرف روانہ ہوگئے ۔

تیسرا وداع: حضرت سکینہؑ مظلومہ کے ساتھ وداع خاص صغیرسن رقیہ کیساتھ وداع

۔جیسا کہ نافع بن ہلال کا کہنا ہے میں نے لشکر کی دوصفوں کے درمیان نگاہ کی تو

"فَرَأَيْتُ صَغِيْرَةً بَاكِيَةً جَاءَ تْ وَأَخَذَتْ بِذَيْلِ اَبِيْهَا فَقَالَتْ يَاأَبَةِ اُنْظُرِالَيَّ فَاِنِّي عَطْشَانٌ"

میں نے دیکھا کہ ایک چھوٹی سی بچی آئی اورامام مظلومؑ کے دامن کو تھام کر کہا: میری طرف دیکھئے کہ میں بہت پیاسی ہوں۔

امام مظلومؑ نے اس صغیرہ کی طرف دیکھا اور روکر فرمایا: اے میری نورچشم !صبر کرو۔

"اَللّٰهُ يَسْقِيْكَ فَاِنَّهُ وَكِيْلِي"

"خدا تمہیں پانی پلائے گا کہ یقیناً وہی میرا وکیل ہے"

"آپ نے اس کا ہاتھ پکڑا اور خیموں کی طرف پلٹے"

نافع بن ہلال کہتا ہے: میں نے پوچھا یہ بچی کون ہے اور اس کا نام کیا ہے؟ کسی شخص نے اسے بتایا کہ یہ حسینؑ کی تین سالہ بیٹی رقیہ ہے۔

چوتھاوداع: حضرت زینب عالیہؑ سے کیا: جیسا کہ روایت میں ہے کہ اہل حرم سے عمومی وداع کے بعد آپ نے حضرت زینبؑ کو بلایا اور انہیں وصیت فرمائی اور بچوں اور بیبیوں کی سفارش کرتے ہوئے صبر کی تلقین کی۔اس صورت حال کو شاعر نے امامؑ کی زبان حال سے یوں نقل کیا ہے

لَا تَلْطِمِي يَابْنَةَ الزَّهْرَاءِ خَدَّكِ مِنْ قَتْلِي
وَاِنْ غَمَرَتْ أَعْضَاكِ أَشْجَانُ
وَلَا تَشُقِّي عَلَيَّ الْجَيْبَ صَارِخَةً
فَالشَّقُّ كَشْفٌ وَنَشْرُ الشِّعْرِ خِذْلَانُ
لَكِنْ اِذَا انْصَعْتُ فِي الرَّمْضَاءِ مُتَجَدِّلاً
وَانْحَطَّ مِنْ شَامِخِ الْمَعْرُوْفِ بُنْيَانُ
حَنِّي حَنِيْنَ حَمَامِ لَأَيْكِ نَادِيَةً
وستمطرى الدَّمْعَ حَيْثُ السُّحْبُ اَعْيَانُ

وَاِنْ تَفَرَّقَتِ الْاِ یُتَامَ فَابُعَدنی
بِجَمْعِهٖا فَالْجَزَاءُ فِیْ الْبَعْثِ غُفْرَانُ
وَاِنْ یَشُقَّ عَلَیْھَا سَیْرُ قَائِدِھَا
فَاسْتَرْ فِقِیْهِ وَاِنْ عَازَقَکِ اِحْسَانُ

"اے بہن! اے دختر زہراؑ! میں آپ کو وصیت کرتا ہوں کہ میرے قتل ہو جانے پر اپنے منہ پر نہ پیٹنا، اگر چہ آپ کا رنج وغم بہت زیادہ ہوگا۔

اے میری بہن! میری مصیبت پر فریاد کرتے ہوئے اپنے کپڑے نہ پھاڑنا تاکہ مکشوف نہ ہو جاؤ اور سر کے بال مت کھولنا کہ کہیں ذلت وخواری کا باعث بنیں۔

لیکن اے مہربان بہن! جب میں زمین پر گر پڑوں اور (دشمن) مجھے شہید کر دیں۔ اور میرے بدن کے ٹکڑے زمین پر بکھیر دیئے جائیں تو شاخ شجر پر بیٹھے کبوتر کی طرح اور برستے بادل کی طرح آنکھوں سے آنسو بہانا اور نالہ وفریاد کرنا۔

جب میرے یتیم بچے ظالموں کے خوف سے اس بیابان میں بھٹک جائیں تو ان کی ماں بن کر انہیں اکٹھا کرنا کہ یہ بات روز قیامت باعث بخشش ہے۔

اے بہن! دوران اسیری میں اگر یہ (ظالم) آپ کے ساتھ تند خوئی اور سخت رویہ اختیار کریں تو ان سے التماس کرنا کہ ہمارے ساتھ نیک سلوک کرو۔ اگر چہ میں جانتا ہوں کہ ان لوگوں کے دل میں رحم نہیں ہے اور ان سے احسان کبھی سرزد نہیں ہوگا (بلکہ ظلم وستم ہی کا برتاؤ کریں گے)

وَاسْتَسْقِ مِنْ خَصِیْمِکِ الْمَاءَ اِنْ شَکَتْ
عَطَشًا فَرُ بَّمَا رَقَّ اِنَّ الشَّطَّ مَلاَنُ
ھٰذَا عَلِیٌّ اَبُوْ اِنْ دَعَتْ بِأَبٍ
وَالْمُؤْمِنُوْنَ لَھَا فِی اللّٰهِ اِخْوَانُ

مَهْلاً یا اَخِی تَوَقَّفْ حَتّٰی اَتَزَوَّدَ مِنْ نَظَرِیْ
اِلَیْکَ فَھٰذا وِدَاعُ لاٰ تَلاَقَ بَعْدَہٗ

اگر میرے بچے پیاسے ہوں تو ان کے لئے پانی طلب کیجئے گا۔شاید یہ ظالم ان بچوں پر رحم کھا جائیں اور انہیں پانی دے دیں۔ یہ حقیقت ہے کہ اس صحرا میں کہیں بھی پانی میسر نہیں ہے جبکہ شط فرات پانی سے مملو ہے۔ اے بہن ! اگر میرے یتیم اپنے باپ کو ملنا چاہیں تو میرا بیٹا علی (زین العابدینؑ) میری جگہ ان کا باپ ہے۔اور اگر بھائی سے ملنے کے خواہش مند ہوں تو مومنین ان کے لئے بھائیوں کی مانند ہیں۔

امامؑ نے ذوالجناح طلب فرمایا: تو اہل حرم اور بچوں کے گریہ و نالہ کی آوازیں آسمان تک جا پہنچیں۔ جب آپ نے چند قدم فاصلہ طے کیا تو دیکھا کہ دوبارہ صدائے گریہ بلند ہو رہی ہے اور زینب عالیہ ننگے پاؤں چل کر آ رہی ہیں اور فرماتی ہیں:

اے بھائی ٹھہریئے! مجھے آپ سے ایک کام ہے۔

فَمَهْلاً یاأَخِیْ قَبْلَ الْمَمَاتِ هُنَیْئَةً
لِتَبْرُدَ مِنِّی لَوْعَةٌ وَغَلِیْلُ
تَوَقَّفْ أَخِیْ حَتّٰاکَ أَنْظُرَ نَظْرَةً
فَھٰذا وِداعُ لاٰ تَلاَقَ اِلَی الْغِدِ
تَوَقَّفْ أَخِیْ حَتّٰی اُبرِدَ لَوْعَتِیْ
وَاَمْسَحَ ذَاوَجْھِی بِرِجْلَیْکَ وَالْیَدِ
تَوَقَّفْ أَخِیْ حَتّٰی اُقَبِّلِ قُبْلَةً
مَوَاضِعَ تَقْبِیْلِ النَّبِی مُحَمَّدِ

اے بھائی ! جلدی مت کیجئے۔ تھوڑی دیر کے لئے ٹھہریئے کہ میں آپ کی زیارت سے سکون حاصل کرسکوں اور آپ کے گلستان جمال سے گل چینی کرسکوں

کہ یہ زینب کا آپ سے آخری وداع ہے اور پھر کبھی حاضر خدمت ہونے کا موقع نہ مل سکے گا۔

اے جان خواہر! تھوڑی دیر کے لئے شفقت کیجئے اس سے پہلے کہ میں آپ کے دیدار سے محروم ہو جاؤں۔ آپ کے دیدار کے ذریعے سوزش دل سے تسکین حاصل کرسکوں۔

اے بھائی! صبر کیجئے! تا کہ دوبارہ آپ کو دیکھ سکوں اور آپ سے وداع کرسکوں پھر کبھی آپ کو نہیں دیکھ سکوں گی۔ اے بھائی! صبر کیجئے تا کہ اپنی سوزش قلب کو تھوڑی سی تسکین بہم پہنچا سکوں اور اپنے چہرے کو آپ کے ہاتھوں اور پاؤں پر مل سکوں۔

اے بھائی! ٹھہریئے کہ میں ان جگہوں پر بوسہ دے سکوں جہاں پیغمبر خداؐ بوسہ دیتے تھے۔

امامؑ ٹھہر گئے۔ جناب زینبؑ نے عرض کیا! اے بھائی! میری ماں نے وفات کے وقت نصیحت کی تھی کہ جب آپ سفر آخرت پر روانہ ہوں تو ماں کی جگہ آپ کے گلے پر بوسہ دوں۔

امامؑ گھوڑے سے اتر آئے۔ زینب عالیہؑ نے اپنے ہاتھ بھائی کی گردن میں حمائل کئے۔ اوران کے گلے کا بوسہ لیا۔ اور دونوں اس قدر روئے کہ نزدیک تھا کہ بے ہوش ہو جائیں گے۔

امام نے فرمایا: اے بہن! میں بھی آپ سے ایک حاجت رکھتا ہوں۔ بہن نے کہا: فرمایئے امامؑ نے فرمایا:

"اِیتَوانِی بِثَوْبٍ عَتِیقٍ لاٰ یُرْغَبُ فِیهِ اَجْعَلُهُ تَحْتَ ثِیَابِیْ لِئَلاَّاُجَرَّدَ بَعْدَ قَتْلِی فَاِنِّی مَقْتُولٌ مَسْلُوبٌ"

"ایسا لباس کہ جس کی طرف کوئی رغبت نہ کرے لے آیئے' کہ میں اسے اپنے لباس کے نیچے پہن لوں' تا کہ میرے قتل کہ بعد یہ (ظالم) میرے بدن کو برہنہ نہ کریں اور جب مجھے قتل کرلیں تو میرا لباس لوٹ نہ لیں۔

خواتین عصمت نے یہ سن کر صدائے گریہ بلند کی اور فریاد وفغاں کرنے لگیں۔ امامؑ نے فرمایا

"مَهْلاً فَاِنَّ الْبُكَاءَ اَمَامَكُنَّ"

''آرام کیجئے کہ ابھی تمہیں رونے کے لئے بہت سے مواقع درپیش ہیں۔

آپؑ کے لئے پرانا لباس لایا گیا تو آپؑ نے اسے پارہ پارہ کر کے اپنے لباس کے نیچے پہنا۔

''فَلَمَّا قُتِلَ جَرَّدُوْهُ مِنْهُ''

''لیکن جب آپ شہید ہو گئے تو آپ کا وہ لباس بھی لوٹ لیا گیا''

مَنْ مُخْبِرُ الزَّهْرَاء أَنَّ حُسَيْنَهَا
بَيْنَ الْوَرىٰ عَارٍ عَلٰى تَلْعَاتِهَا
وَرُؤُوسُ أَبْنَا هَا عَلٰى سُمُرِالْقَنَا
وَبَنَا تُهَا تُهْدىٰ اِلٰى شَامَاتِهَا
يَا فَاطِمَةُ الزَّهْرَاءُ قُوْ مِيْ وَانْدُبِي
اَسْرَاكِ فِيْ أَشْرَاكِ ذُلِّ عِدَائِهَا

''کوئی ہے جو فاطمہ زہراؑ کو خبر دے کہ آپ کے حسینؑ کو بیابان میں برہنہ اور عریاں کر دیا گیا ہے۔

اس کے بیٹوں کے سروں کو نیزوں پر سوار کیا گیا اور بیٹیوں کو (قیدی بنا کر) شام لے جایا جا رہا ہے۔

اے فاطمہؑ زہرا! اٹھو اور اپنے اسیر اور غریب بچوں پر نوحہ کرو کہ جو دشمنوں کے مکر کے جال میں ہیں اور ذلت وخواری سے دوچار ہیں۔

چھٹا وداع: جناب شہر بانو سے تھا۔

ساتواں وداع: جناب امام زین العابدینؑ سے تھا (کہ جس کا ذکر آئندہ ہوگا)

(انوار الشہادۃ/۱۶۷ تا ۱۷۰)

آٹھواں وداع: حرم کی کنیزوں سے تھا۔ جیسا کہ روایات میں ہے کہ امامؑ سوار ہوئے تو حرم کی کنیزیں پردہ سرا سے باہر آ گئیں اور اس ماہ امامت کے گرد ہالہ بنا لیا اور بلند آواز سے گریہ کرنا شروع کر دیا۔ وہ یک زبان ہو کر بلند بہ نوحہ کرنے لگیں۔

ایک نے کہا: اے آقا! کاش میں آپ پر فدا ہو جاتی ۔ دوسری نے کہا: میں آپ کے خشک ہونٹوں پر نثار' تیسری بولی: اے دونوں جہان کے ملجا و ماویٰ ہم بے کسوں کی فریاد کو سنو'ہم (آج) سارے جہاں سے کمزور اور بے آسرا ہیں ۔ خادمہ فضہؑ کی بے چینی شدید تر تھی ۔ امام عالی مقامؑ نے ان سب پر عنایت فرمائی اور ان کے سروں پر اپنا دست شفقت پھیرا۔

مقتل ابن عربی میں تحریر ہے کہ امام مظلومؑ نے اس موقع پر ایک ایسی بات کہی جس سے دل کباب ہوگئے ۔ آپؑ نے فرمایا: اے کنیزان حرم! حسینؑ آپ سے شرمندہ ہے۔تم میرے عیال کی مانند ہو لیکن سب کی سب بھوکی اور پیاسی ہو ۔ کنیزوں نے گریہ ونالہ کی صدائیں بلند کیں اور عرض کرنے لگیں: کاش! ہم سب پیاسی مرجاتیں، لیکن آپ کے ننھے علی اصغرؑ کی پیاس کو نہ دیکھتیں اور اس کا رونا نہ سنتیں۔ امام مظلومؑ ان کی بات سن کر رونے لگے ۔اور پھر میدان جنگ کی طرف روانہ ہوگئے ۔

نواں وداع: ذوالجناح سے تھا، جیسا کہ روایت میں ہے کہ جب امام مظلومؑ ذوالجناح پر آخری دفعہ سوار ہوئے تو فرمایا: اے ذوالجناح! ہائے میں مرجاؤں تو بھوکا اور پیاسا ہے ۔ یہ آخری موقع ہے کہ میں تجھ پر سوار ہو رہا ہوں ۔

دسواں وداع: شہیدوں اور فرات کے پانی سے تھا ۔ جیسا کہ روایت میں ہے کہ امام مظلومؑ نے اہل بیتؑ اور اصحابؓ کے بدن ہائے مبارک پر نظر دوڑائی تو دیکھا کہ سب کے پارہ پارہ بدن صحرا میں پڑے ہیں ۔ یوں آپ نے رو کر فرمایا:

"هَنِيًا لَكُمْ لَقَدْ فُزْتُمْ فَوْزًا عَظِيْمًا فَاِنَّا بِكُمْ لاَ حِقُوْنَ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ "

"تم سب کو (شہادت) مبارک ہو۔تم سب عظیم کامیابی سے ہم کنار ہوئے اور ہم بھی جلد ہی تم سے آملیں گے۔

اس پر حرم سے خواتین کے رونے کی آوازیں بلند ہوئیں پھر آپ نے فرات کی طرف دیکھا اور فرمایا: اے فرات! تجھ پر میری آہ وحسرت!

"يُذْ بَحُ حَوْلَكَ كِبارُنا 'وَيَمُوتُ صِغا رُنا فَكَاَ نَّكَ حَرُمْتَ عَلَيْنَا"

''تمہارے کنارے پر ہمارے بزرگ تشنہ شہید ہوگئے اور بچے پیاس سے مر رہے ہیں ۔ گویا تو ہم پر حرام ہوگئی ہو۔ اتنے میں خیموں کے دروازوں سے فریاد بلند ہوئی اور چھوٹے بچوں اور بچیوں کی رونے کی آوازیں آئیں جو کہہ رہے تھے''

''واعَطَشَاہُ ' واغُرْبَتاہُ ' واذُلّاہُ''

''ہائے پیاس، ہائے غربت، ہائے بے کسی''

امامؑ نے روتے ہوئے فرمایا:

''لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِّي الْعَظِيْمُ ''

گیارہواں وداع : ملائکہ اور جنات سے تھا ۔ جیسا کہ بحارالانوار میں امام جعفر صادق سے روایت ہے کہ جب سیدالشہداء مدینہ سے باہر نکلے تو نجیب بہشتی گھوڑوں پر سوار ملائکہ' جن کے ہاتھوں میں نورانی تلواریں تھیں امامؑ سے آ کر ملے اور سلام کے بعد عرض کیا: اے اہل عالم پر حجت خدا! اللہ تعالیٰ نے ہمیں بہت سی جنگوں اور مصیبتوں میں آپ کے جد بزرگوار کی نصرت کے لئے بھیجا تھا' اور اب ہمیں آپ کی مدد کے لئے بھیجا گیا ہے۔

امامؑ نے فرمایا: میرا اور تمہارا کا وعدہ اس جگہ کا ہے جہاں میری قبر بنے گی اور جس جگہ میں قتل کیا جاؤں گا۔ یہ زمین کربلا ہے۔ جب میں اس زمین پر پہنچوں تو تم آ جانا۔

فرشتوں نے عرض کیا! اے حجت خدا! جو حکم آپ دینا چاہتے ہیں دیجئے تا کہ ہم اطاعت بجالائیں ۔ اور اگر آپ اجازت دیں تو ہم آپ کے ساتھ رہتے ہیں تا کہ آپ سے دشمن کو دور رکھیں امام نے فرمایا: یہ اس وقت تک مجھ پر غلبہ حاصل کرنے اور مجھے اذیت پہنچانے کی طاقت نہیں رکھتے جب تک کہ میں کربلا میں اپنے بقعہ نور میں وارد نہ ہو جاؤں ۔

اس گروہ ملائکہ کے بعد مسلمان جنوں کا ایک گروہ آیا اور سلام کے بعد عرض کیا: اے ہمارے سردار! ہم آپ کے شیعہ اور مددگار ہیں ۔ جو حکم ہے اور جو آپ کی خواہش ہے فرمایئے تا کہ ہم اسے بجالائیں اگر آپ ہمیں اپنے تمام دشمنوں کو قتل کرنے کا حکم دیں ۔ تو اس سے پہلے کہ وہ آپؑ تک پہنچیں یا آپؑ ان تک' ہم ان تمام کو ہلاک کر دیں گے ۔

امامؑ نے ان کے لئے دعا کی اور فرمایا: البتہ ہفتہ کے آخر میں (جمعہ کے روز) آنا جو کہ روز عاشور ہے اور جس دن مجھے اور میری تمام اولاد اور اہل بیتؑ وانصار کو قتل کر دیا جائے گا۔ اور ہمارے سر نیزوں پر سوار کر کے یزید ملعون کے سامنے لائے جائیں گے۔ انہوں نے عرض کیا: اگر آپ کی اطاعت واجب نہ ہوتی اور مخالفت جائز ہوتی تو ہم آپ کے تمام دشمنوں کو آپ تک پہنچنے سے پہلے ہی قتل کر دیتے۔

امامؑ نے فرمایا: خدا کی قسم! ہماری طاقت ان سے کہیں زیادہ ہے۔

"وَلٰكِنْ لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ"

(سورہ انفال و آیہ ۴۲)

"لیکن جو لائق ہلاکت ہے وہ تمام حجت کے بعد ہلاک ہوگا! اور جو کوئی حیات ابدی کا مستحق ہے وہ تمام حجت کے بعد حیات ابدی پا جائے گا۔

بارہواں وداع: جب امام حسنؑ کے بیٹے عبداللہ قتل گاہ میں اپنے چچا سے وداع کرنے کے لئے آپؑ کے پاس آئے۔

تیرہواں وداع: خداوند عالم کے ساتھ تھا۔ جب آسمان سے حکم آپہنچا اور آپؑ نے اپنے اہل و عیال کو خدائے مہربان کے سپرد فرمایا: (انوارلشہادۃ ۳/۱۷۷ تا ۱۸۲)

(فارسی متن میں ترتیب کی غلطی ہے۔ آٹھواں وداع لکھنے کے بجائے سہواً نواں وداع لکھ دیا گیا ہے۔ یوں چودہ خاص وداع گنوائے گئے ہیں۔ حالانکہ مذکورہ تعداد پہلے وداع عام سمیت بنتی ہے مترجم)

منقول ہے کہ جب امام حسینؑ نے دکھی دل کے ساتھ میدان جنگ کی طرف جانے کا ارادہ کیا تو ایک ضعیف و نحیف آواز سنی۔ رخ پھیر کر دیکھا تو بہن زینبؑ کو روتے ہوئے اپنی طرف آتے پایا۔ امام نے فرمایا: اے میری بہن! آپ خیمے سے باہر کس لئے نکل آئیں؟ عرض کیا: مجھے اپنی ماں کی وصیت یاد آ گئی تھی، وہ فرما کر گئی تھیں کہ جہاں میرے جد رسول خدا بوسہ دیتے تھے میں بھی اس جگہ بوسہ دوں جناب زینبؑ نے آپ کے حلق مبارک کو چوما اور دونوں بہن بھائی بہت روئے، پھر امامؑ نے بہن کو تسلی دیتے ہوئے واپس بھیج دیا۔

(الطراز المذہب: ۱/۲۳۰' اور اسی طرح تذکرۃ الشہداء صفحہ ۳۱۱)

اس طرح امام مظلومؑ نے متعدد وداع کئے اور ہر وداع میں اپنے عزیزوں کو صبر وشکیبائی کی تلقین فرمائی اور ان کی دلداری کو ملحوظ خاطر رکھا۔

اگر چہ شہید کربلا کے تمام مصائب دلوں کو غمگین اور اشکوں کو رواں کر دیتے ہیں۔لیکن ان میں سے کوئی مصیبت بھی آپ کے وداع سے زیادہ جانسوز نہ تھی۔

"وَلِمِثْلِ ذٰلِکَ فَلْتَذْرَفِ الدُّمُوْعُ ' وَلْیَبْکِ الْباکُونَ وَلْیَنْدُبِ النّٰادِبُونَ وَلْیَصْرُخِ الصّٰارِخُوْنَ وَیَضِجَّ الضّٰاجُوْنَ وَیَعِجَّ الْعٰاجُون"

''وداع کی مصیبت دل کو جلا کر رکھ دیتی ہے۔اور سوختہ دل فریاد کناں ہو جاتے ہیں۔تصور تو کیجئے کہ امام کس طرح راہ شہادت کی طرف گئے ہوں گے۔آپ کے اردگرد عورتوں' بیٹیوں اور بچوں کا اس طرح ہجوم تھا جیسے شمع کے گرد پروانے ہوتے ہیں۔ایک کو چپ کراتے ہیں تو دوسرا مخاطب ہو جاتا ہے۔کوئی آہ ونالہ کی صدا بلند کرتا ہے،کسی کی وا محمداہ کی فریاد بلند ہوتی ہے اور کسی کی آنکھوں سے آنسوؤں کی برسات ہو رہی ہے۔گویا قیامت کبریٰ برپا ہے اور آسمان کے فرشتے حیرانی وحسرت سے دیکھ رہے ہیں''

امام زمانہ عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف اپنی زیارت میں فرماتے ہیں۔

"قَدْ عَجِبَتْ مِنْ صَبْرِکَ مَلاٰئِکَۃُ السَّمٰوٰاتِ"

''آپ کے صبر نے آسمان کے فرشتوں کو حیران کر دیا''

''اربعین حسینیہ'' میں امام جعفر صادقؑ سے روایت کی گئی ہے کہ آپ نے امام حسینؑ کے وداع کے بارے میں جاں سوز کلمات ارشاد فرمائے اور شدید گریہ کیا۔ان جانسوز کلمات میں یہ بھی فرمایا: وائے ہو اس شخص پر جو وداع حسینؑ کو سنے اور رنجیدہ نہ ہو۔(تحفت حسینیؑ: ۱/۱۴۰)

نوری مرحوم مرزا یحییٰ ابہری سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ علامہ مجلسی سید الشہداء کے صحن مطہر میں پائین یا طاق الصفا میں بیٹھے مصروف تدریس ہیں۔آپ نے

وعظ شروع کیا اور جب مصائب پڑھنا چاہا تو کسی شخص نے آ کر کہا: حضرت فاطمہ زہراءؑ فرماتی ہیں۔

"اُذْکُرِ الْمَصَائِبَ الْمُشْتَمِلَةَ عَلٰی وِدَاعِ وَلَدِیَ الشَّهِیْدِ"

"وہ مصائب بیان کرو جو میرے شہید بیٹے کے وداع کے بارے میں ہو۔

علامہ مجلسی نے وداع امامؑ پر مبنی مصائب بیان کئے تو بہت سے لوگ جمع ہو گئے

۔اور اس قدر گریہ ہوا کہ میں نے عمر بھر نہ دیکھا۔(منتہی الآمال:۳۸۷)

زعفر جن کا انکشاف

فاضل دربندی" اسرار الشہادۃ" نامی کتاب میں اپنے معاصر علماء میں سے ایک شخص کا قول نقل کرتے ہیں کہ ایک جلیل القدر ثقہ طالب علم نے بیان کیا:

میں ہمیشہ زعفر جن کو ملامت کیا کرتا تھا اور اس کی بے سعادتی پر اظہار تاسف کرتا تھا کہ روز عاشور کربلا سے واپس کیوں چلا آیا۔ اس نے امام مظلومؑ کو تنہا پا کر بھی ان کی امداد نہ کی حالانکہ امام نے اسے اذن رخصت بھی عطا نہ کیا تھا۔

عشرہ محرم کی ایک رات میں مدرسہ اصفہان میں اپنے کمرے میں اکیلا بیٹھا ہوا تھا اور کچھ کتابوں میں زعفر جن کے زمین کربلا پر اپنے لشکر سمیت آنے اور پھر پلٹ جانے کے بارے میں پڑھ رہا تھا۔ اچانک ایک شخص نے دروازہ کھولا اور کمرے میں داخل ہوگیا۔ وہ سلام کے بعد ایک گوشے میں بیٹھ گیا۔ میں اس کی اپنے کمرے میں آمد سے بہت متعجب اور خوفزدہ ہوا کیونکہ میں نے تو دروازہ بند کر رکھا تھا۔

اس نے کہا: خوفزدہ نہ ہوں: میں تمہارا بھائی زعفر جن ہوں۔ میں تم سے ملاقات کے لیے آیا ہوں کہ اپنا عذر بیان کرسکوں۔

معلوم ہو کہ جب میں اپنے لشکر کے ساتھ زمین کربلا پر پہنچا تو میں نے کربلا کی سرزمین کو جنوں کے معتبر گروہوں اور ان کے بادشاہوں سے پر پایا۔ میرا رتبہ اور شان وشوکت ان سب سے کمتر اور میرا لشکر ان کے مقابلے میں بہت تھوڑا تھا۔ مجھے اپنے نزدیک چار فرسخ کے فاصلے تک کوئی جگہ خالی نظر نہ آتی تھی۔

اسی طرح میں نے زمین و آسمان کے درمیان تمام جگہ کو ملائکہ سے پر پایا۔ میرا امامؑ کے نزدیک جانا ممکن نہ تھا۔

جنات حسب مراتب و شان آگے پیچھے صف در صف موجود تھے اور ہر صف کے آگے اس کا رئیس کھڑا تھا۔ اسی طرح ملائکہ کے گروہ حاضر تھے اور ہر گروہ آپ کے سامنے اس طرح مراعات ادب بجا لا رہا تھا جیسے رعایا اپنے عظیم سلاطین کے سامنے پیش ہوتی ہے۔ دور اور نزدیک کے تمام جن و ملک اپنے اپنے مقام پر نہایت خضوع و خشوع کے ساتھ امام عالی مقامؑ پر سلام بھیج رہے تھے اور آپ کی نصرت کے لئے اجازت طلب کر رہے تھے۔ جب کہ آپ اجازت نہیں دے رہے تھے۔ میر الشکر امام عالی مقامؑ سے چار فرسخ دور کھڑا تھا ہر کسی لشکر نے اپنے اپنے مقام پر نہایت تعظیم و ادب سے آنحضرت پر سلام کیا اور جواب سلام موصول کیا۔

اس کے بعد امام نے ہر صف میں کھڑے جن و ملائکہ سے بات چیت اور ملاطفت فرمائی ۔ اور آخر میں ہر ایک کے لئے دعا کی' اور ان سب کے لئے خداوند متعال سے جزائے خیر چاہی ' لیکن کسی کو اذن جہاد عطا نہ کیا۔

سب کے سب آپ کی نصرت سے نا امید ہو کر اپنی اپنی جگہ سے واپس چلے گئے لیکن میں واپس جانے کے لئے تیار نہ ہوا اور اسی سرزمین کے ایک کونے میں بیٹھ کر گریہ زاری اور جزع فزع میں مصروف ہو گیا میں اپنے منہ پر پیٹتا تھا اور امام مظلومؑ کی حالت زار پر افسوس کرتا تھا۔ یہاں تک کہ ان ظالموں نے آپ کو شہید کر دیا اور شہداءؑ کے سروں کو اپنے ہمراہ لے گئے اور آپ کے عیال و اطفال اور پسماندگان کو قیدی بنائے وہاں سے کوچ کیا۔ میں بھی اپنے لشکر کے ہمراہ ان کے پیچھے پیچھے چل دیا کہ شاید اہل بیتؑ ہی کی کچھ خدمت کر سکوں۔ اور بچوں کو اونٹوں کی پشتوں سے گرنے اور دیگر صدمات سے بچانے میں معاونت کر سکوں۔

جب ابن زیاد کا لشکر کوفہ پہنچا تو آفتاب غروب ہو گیا اور لشکری کوفہ میں داخل نہ ہو سکے ۔ لہٰذا وہ اشخاص جو قیدیوں اور سروں پر موکل تھے' نے کوفہ کے باہر ہی کپڑے بچھا کر ٹھکانا کیا اور کوفہ سے ان کے لئے اشیائے خورد و نوش لائی گئیں۔ جب کہ اہل بیتؑ رسالت کو کسی اور جگہ پر ٹھہرایا

گیا۔ اہل بیت کے بچے بھوک اور پیاس کی شدت اور ان لذیذ غذاؤں کو دیکھ اور سونگھ کر گریہ کرنے لگے۔

حضرت فاطمہ زہرا کی کنیز فضہ، صدیقہ صغریٰ زینب کبریٰ کے نزدیک پہنچیں اور عرض کرنے لگیں: اے میری آقا زادی! یہ بچے بھوک پیاس سے رو رو کر مر جائیں گے! حضرت زینب نے فرمایا ہمیں کیا کرنا چاہیے؟

فضہ نے کہا: رسول خداؐ نے مجھے تین مستجاب دعائیں عطا فرمائی تھیں جن میں سے ایک دعا مانگنا باقی ہے۔ مجھے حکم دیجئے کہ اس دعا کو بچوں کے لئے استعمال میں لاؤں۔

جناب زینبؑ نے حکم مرحمت فرمایا تو فضہ اس چھوٹے سے ٹیلے کے ایک گوشے میں تشریف لے گئیں۔ وہاں دو رکعت نماز حاجت ادا فرمائی اور دعا کی۔ دعا کے دوان میں ہی میں نے دیکھا کہ آسمان سے گوشت اور شوربے سے بھرا ہوا ایک بہت بڑا قدح (خوان) اترا جس پر دو قرص نان بھی رکھے ہوئے تھے۔ اس خوان نعمت سے مشک عنبر اور زعفران کی خوشبوئیں اٹھ رہی تھیں۔ امام زین العابدین اور عیال و اطفال نے یہ کھانا تناول فرمایا مگر اس میں ذرا برابر کمی نہ آئی۔ پھر غذا کی ضرورت کے وقت یہ غذا کھائی جاتی رہی مگر جوں کی توں رہتی تھی اس کے بعد یہ آسمان کی طرف اٹھالی گئی۔

زعفر نے کہا: یہ ہے میری حکایت خدا کی قسم میں اور میرے ساتھی ورود کربلا سے لے کر مدینہ واپسی تک اہل بیتؑ سے جدا نہ ہوئے۔ اور میں نے ان کی کوئی خلاف ورزی اور تقصیر نہیں کی۔ لہذا آپ آئندہ مذمت و ملامت نہ کیجئے گا۔

زعفر نے یہ کہا اور میری نظروں سے غائب ہوگیا، اور میں اپنی بات پر پشیمان ہوا۔

(دارلسلام عراقی ۲۵۲/۱ مکاشفہ نہم)

پرانا لباس

راوی کہتا ہے: امام حسینؑ نے فرمایا: مجھے ایسا لباس لا کر دیجئے کہ جو کسی کی رغبت کا باعث نہ ہو اور جسے میں اپنے لباس کے نیچے پہن لوں، تاکہ یہ (ظالم) میرے بدن کو برہنہ نہ کریں۔

آپ کے لئے تبان (چھوٹی سی شلوار) لائی گئی مگر آپ نے فرمایا: نہیں یہ اس شخص کا لباس ہے جسے ذلت وخواری دامن گیر ہو۔

پس آپ نے ایک اور پرانا لباس لیا اور اسے پارہ پارہ کر کے اپنے لباس کے نیچے پہنا (لیکن جب آپ شہید ہو گئے تو آپ کے بدن اطہر سے یہ لباس بھی اتار لیا گیا)

پھر یمن کا بنا ہوا لباس طلب فرمایا اور اسے بھی (جگہ جگہ سے) پھاڑ کر پہنا۔ اس لباس کو پھاڑنے سے آپ کا مقصد یہ تھا کہ اسے لوٹ نہ لیا جائے بحرین کعب لعین نے یہ لباس لوٹ کر امام کو برہنہ کر دیا۔

اس جرم کے ارتکاب پر اس ملعون کے دونوں ہاتھ گرمیوں میں خشک لکڑیوں کی طرح سوکھ جاتے تھے اور سردیوں میں تازہ ہو جاتے تھے۔ اور ان سے خون اور پیپ بہنے لگتے اور وہ اسی حالت میں ہلاک ہوا۔

(لہوف/۱۲۳: بحارالانوار: ۴۵/۵۴ ارشاد/۱۱۵ نفس المہموم/۳۶۰)

لباس کہنہ بپوشید زیر پیرہنش
کہ تا برون نکند خصم بد منش زتنش

لباس کہنہ چہ حاجت کہ زیر سم ستور
تنی نماند کہ پوشند جامہ یا کفنش

مرحوم آیت اللہ بیر جندی نے دس جمادی الاولیٰ کے حوادث میں تحریر کیا ہے:

ایک دن حضرت فاطمہ زہراؑ نے حضرت ابراہیم خلیلؑ کا لباس اپنی بیٹی زینب کبریٰ کو عطا کیا اور فرمایا: میری بیٹی! جب تمہارا بھائی حسینؑ تجھ سے اس لباس کا مطالبہ کرے، جو ایک گھڑی کے لئے تمہارا مہمان ہوگا اور اس کے بعد حرام زادوں کے ہاتھوں سخت ترین ظلم و ستم سے شہید کر دیا جائے گا تو یہ لباس اسے دے دینا۔ (اشک رواں برامیر کارواں/۱۱۶ استدراک خصائص)

امام سجادؑ نے ایک ہاتف کے جواب میں فرمایا تھا: جب ابراہیمؑ کو آگ میں پھینکا گیا تو جبریلؑ ان کے لئے لباس لے کر آیا۔ جس کے پہننے سے آگ ان سے دور رہی اور ان کے اردگرد نرگس کے پھول اگ آئے۔ حضرت ابراہیمؑ نے وہ لباس اپنے بیٹے اسحاقؑ کو بخش دیا۔ انہوں نے یعقوبؑ کو اور یعقوب نے یوسف کو دیا اور ان سے خواہش کی کہ اسے اپنے آپ سے جدا نہ کرنا۔

جب حضرت یوسفؑ کے بھائی ان کے پاس آئے تو آپ نے یہ لباس انہیں دیا کہ اسے جناب یعقوب کے چہرہ پر ڈال دینا جس سے ان کی بینائی لوٹ آئے گی۔ جیسا کہ حضرت یعقوب نے فرمایا:

اِنِّی لَاَ جِدُ رِیۡحَ یُوۡسُفَ لَوۡلَا اَنۡ تُفَنِّدُوۡنَ

(سورہ یوسف آیہ ۹۴: بحار الانوار: ۴۳/۱۲)

"اگر تم مجھے گمراہ نہ سمجھو تو میں یوسفؑ کی خوشبو محسوس کر رہا ہوں"

"کہتے ہیں کہ یہی وہ لباس تھا جو امام حسینؑ نے پہنا اور بعد ازاں امام سجادؑ نے یزید سے اس کے واپس کرنے کا مطالبہ کیا۔ (تاریخ انبیاء از مرحوم عمادزادہ/۲۹۳)

امام مظلومؑ کے اس پھٹے ہوئے لباس کو ہر سال اول محرم تا روز عاشور عرش خدا سے زمین کی طرف لٹکایا جاتا ہے۔ پھر اس کو اٹھا لیا جاتا ہے، اس لئے کہ محرم کی ابتداء سے عوالم علویہ کے کل مجردات بلکہ عوالم سفلیہ کے مادیات کہ جن کا تعلق امام مظلومؑ سے ہے، سبھی منقلب عزادار اور محزون

ہو جاتے ہیں۔

(خصائص الزینبیہ ۴۹/ خصیصہ نوز دہم)

روز قیامت حضرت فاطمہ زہراؑ جب میدان محشر میں تشریف لائیں گی تو امام حسینؑ کا خون آلود لباس ان کے ہاتھ میں ہوگا۔ وہ بارگاہ ایزدی میں عرض کریں گی: خدایا! میرے اور میرے فرزند کے قاتلوں کے درمیان فیصلہ فرما۔ (مناقب ابن شہرآشوب: ۳/۳۲۷)

اور عرض کریں گی: خدایا! یہ میرے بیٹے کا لباس ہے۔ یعنی دیکھئے کہ کس قدر تلواروں نیزوں اور تیروں سے سوراخ سوراخ ہے۔ یا یہ کہ اس لباس کو بھی مظلومؑ کے بدن پر نہ چھوڑا گیا اور اسے برہنہ حالت میں زمین پر پھینک دیا گیا۔ اس کے بعد بی بی خداوند متعال سے خواہش کریں گی کہ مجھے میرے حسینؑ سے ملا۔۔

حکم خداوندی ہوگا: قلب قیامت میں نگاہ دوڑایئے آپؑ امام حسینؑ کو سر بریدہ حالت میں کھڑا پائیں گی، اور پکاریں گی: ''اے میرے میوۂ دل''! ملائکہ آپ کے گریہ وشیون سے بے ہوش ہو جائیں گے اور اہل محشر ندا کریں گے۔ خدا آپ کے بیٹے کے قاتل کو قتل فرمائے۔

ایک اور روایت میں آیا ہے:

''لاٰ یَبْقٰی فِیْ الْجَمْعِ مَلَکٌ مُقَرَّبٌ وَلاٰ نَبِیٌّ مُرْسَلٌ وَلاٰ عَبْدٌ مُوْمِنٌ اِلاّٰ بَکٰی لَھٰا''

''میدان قیامت میں کوئی مقرب فرشتہ، پیغمبر مرسل اور بندۂ مومن ایسا نہ ہوگا جو حضرت فاطمہؑ کی اس حالت پر گریہ کناں نہ ہو۔

(۱) کتابہای وفاۃ الصدیقۃ الزہراء از مرحوم مقرم ۳۹/ الخصائص الحسینیہ ۱۶۴/ بحارالانوار: ۴۳/۲۲۱ تا ۲۲۷ اشک رواں بر امیر کارواں ۲۸۸/...... جوع فرمائیں)

علامات امامت کی سپردگی

جیسا کہ اخبار و احادیث سے معلوم ہوتا ہے، علامات امامت ایک امامؑ سے دوسرے امام تک دو طریقوں سے منتقل ہوتے ہیں۔ ایک وداع و اسرار ہیں کہ جن کی سابق امامؑ سے بعد میں آنے والے امامؑ کو بغیر کسی واسطے کے سپردگی ہو جاتی ہے، مثلاً اسم اعظم اور بعض چیزیں مثلاً مخصوص اسلحہ اور کتب وغیرہ اگر کوئی خوف نہ ہو تو یہ بعد میں آنے والے امام تک بغیر کسی واسطہ کے منتقل ہو جاتی ہیں۔ وگرنہ تقیہ کے تحت کسی دوسرے شخص کے توسط سے ایک امام اپنے سے بعد میں آنے والے امام کو یہ اشیاء پہنچا دیتا ہے۔

امام حسینؑ نے اپنے مخصوص علامات و اسرار کو خود امام سجادؑ تک منتقل فرما دیا اور بعض اشیاء مثلاً صحائف، کتب اور اسلحہ چند لوگوں مثلاً بی بی ام سلمہؑ، اپنی بڑی بیٹی فاطمہؑ اور حضرت زینبؑ کے توسط سے امام سجادؑ کو پہنچائیں۔

مرحوم صفار نے اپنی اسناد کے ساتھ ابی جارود سے اور انہوں نے امام محمد باقرؑ سے روایت کی ہے کہ جب وقت شہادت آ پہنچا تو امام حسینؑ نے اپنی بیٹی فاطمہ کو طلب فرمایا اور غلاف میں لپٹی ہوئی ایک کتاب اور ظاہری و باطنی وصیت انہیں عطا فرمائیں۔ اور حضرت علی ابن الحسینؑ اس وقت درد دل میں مبتلا تھے اور کسی کو یقین نہ آتا تھا کہ وہ اس مرض سے صحت یاب ہو جائیں گے۔ آپ کے صحت یاب ہونے کے بعد حضرت فاطمہ نے وہ کتاب انہیں پہنچا دی۔ اور اب وہ رے پاس ہے۔ راوی کہتا ہے میں نے عرض کیا! اس کتاب میں کیا مرقوم ہے؟ آپ نے فرمایا: خدا کی قسم جو کچھ فرزند آدم اختتام دنیا تک جاننے کا محتاج ہے وہ اس کتاب میں ہے۔

(بصائر الدرجات ۱۴۸/۱ جز ۳ ب ۱۳ ح ۹ بحار الانوار ۴۶/۱۷ اب ۲ ح ۲)

شیخ طوسی فضیل سے نقل کرتے ہیں کہ امام محمد باقرؑ نے ان سے فرمایا: جب امام حسینؑ عراق کی طرف متوجہ ہوئے تو اپنا وصیت نامہ اور مخصوص کتب نیز دوسری اشیاء حضرت ام سلمہؓ زوجہ پیغمبرکو دیں اور ان سے فرمایا: جب میرا بڑا بیٹا آپ کے پاس آئے تو آپ یہ اشیاء اسے دے دینا۔

جب امام حسینؑ شہید ہوگئے تو علی بن الحسینؑ ام سلمہؓ کے پاس پہنچے انہوں نے یہ سب کچھ ان کی خدمت میں پیش کردیا۔ (بحار الانوار ۴۶/ ۱۸ ح ۳)

اور حکیمہ بنت امام جواد سے روایت ہے کہ امام حسینؑ نے حالت ظاہری میں اپنی بہن زینبؑ کو نصیحت فرمائی۔ چنانچہ امام سجادؑ کے زمانے میں جو کچھ آنحضرتؑ کے علوم سے ظاہر ہوا' اسے مخفی و محفوظ رکھنے کے بارے میں علی بن الحسینؑ حضرت زینبؑ سے نسبت دیتے تھے۔

(بحار الانوار: ۱۵/ ۳۶۳ باب احوال سفراء ح ۱۱' اثبات الوصیۃ ۲۰۶/۱)

مسعودی کا کہنا ہے: امام حسینؑ نے علی بن الحسین کو حالت بیماری میں طلب فرمایا۔ اور انہیں اسم اعظم اور مواریث انبیاء سپرد فرمائے اور ان سے کہا: علوم صحف اور اسلحہ ام سلمہؓ کے پاس ہیں' اور اس بی بی سے سفارش کر رکھی تھی کہ یہ سب کچھ انہیں دے دینا۔

(نفس المہموم ۳۴۷/۱' اثبات الوصیۃ ۱۲۷)

غریب کربلاؑ کا امام سجادؑ سے الوداع

امام سجادؑ کربلا میں اس قدر بیمار تھے کہ کسی کو بھی ان کے جاں بر ہونے کی امید نہ تھی۔ آپ بستر بیماری پر پڑے تھے اور حرکت کرنے کی سکت تک نہ تھی۔ یہ مصلحت خداوندی تھی کہ آپؑ زندہ رہیں اور دشمنوں کے شر سے محفوظ رہیں تاکہ زمین حجت خدا سے خالی نہ ہو جائے۔

امام حسینؑ اپنے فرزند امام سجادؑ کے سرہانے آئے تا کہ ان سے الوداع کرسکیں۔ بعض کتب مقاتل میں مذکور ہے کہ امام سجادؑ نے اپنے بابا سے سوال کیا:

"یا أَبَتِ ماصنعتَ الْیومَ مَعَ هٰؤُلاءِ الْقَوْمِ"

آپ نے فرمایا:

"اِسۡتَحۡوَذَ عَلَیۡهِمُ الشَّیۡطَانُ فَاَنۡسَا هُمۡ ذِکۡرَاللّٰهِ "(سورہ مجادلہ، آیہ ۱۹)

"شیطان نے ان پر غلبہ حاصل کر رکھا ہے اور انہوں نے خدا کو بھلا دیا ہے"

یہ صبح سے لے کر اب تک مجھ سے جنگ کرنے میں مشغول ہیں۔

امام سجادؑ نے کہا: یا اَبَةِ اَیۡنَ حَبِیۡبُ ؟ بابا (چچا) حبیب کہاں ہیں؟ مظلوم کربلا نے جواب دیا۔ "قُتِلَ" وہ شہید ہوگئے ۔ پھر پوچھا: " اَیۡنَ بُرَیۡرُ"؟ فرمایا قُتِلَ عرض کیا: ابن مسلم؟ فرمایا: شہید ہوگئے: کہا "اَیۡنَ عَمِّیَ الۡعَبَّاسِ "میرے چچا کہاں ہیں۔ فرمایا: وہ بھی شہید ہوگئے عرض کیا: اَیۡنَ اِبۡنُ عَمِّی الۡقَاسِمُ "؟ میرے چچا کے بیٹے قاسم کہاں گئے ؟ فرمایا: وہ بھی شہید ہوگئے۔ پوچھا این اَخِیُّ عَلِیَّ اَکۡبَرُ" میرے بھائی علی اکبر کہاں ہیں؟

مظلوم کربلا سید لشہداء نے فرمایا: میری آنکھوں کے نور دیکھو ان خیموں میں میرے اور

آپ کے سوا کوئی مرد باقی نہیں رہا۔ یعنی آپ کے بھائی بھی مارے گئے۔ یہ سن کر آپ میں تاب گفتگو نہ رہی۔ آپ نے سرد آہ بھری اور مضمحل (بے ہوش) ہو گئے۔ (ریاض القدس: ۲/۱۴۳)

روایت میں ہے کہ آخری دفعہ جب آپ میدان جنگ سے لوٹے تو اپنے دریدہ بدن کے ساتھ امام سجادؑ کے سرہانے پہنچے۔ دونوں ہستیوں نے ایک دوسرے کے گلے میں باہیں ڈال دیں اور نزدیک تھا کہ بے ہوش ہو جائیں۔ پس غریب کربلا نے امامت کے اسرار اور غیبت کے رموز اپنے فرزند ارجمند کو عطا کئے اور فرمایا:

يَاعَلِيُّ عَلَيْکَ بِالصَّبْرِ وَالتَّقْوىٰ

''اے علیؑ میں آپ کو صبر اور تقویٰ کی تلقین کرتا ہوں'' (انوار الشہادۃ ۱/۱۰۷ف۱۴)

امام مظلومؑ جب اپنے فرزند زین العابدین کے خیمے میں آئے تو دیکھا کہ کھال کے فرش پر لیٹے ہوئے ہیں اور زینب کبریٰ ان کے پاس بیٹھ کر ان کی تیمار داری کر رہی ہیں۔

جب بیٹے نے باپ کو دیکھا تو اپنی جگہ سے اٹھ بیٹھے۔ آپ بیماری کی شدت سے ناتواں تھے لہٰذا اپنی پھوپھی زینب سے فرمایا: میری پشت کو اپنے سینہ کا سہارا دیجئے کیونکہ فرزند رسول خداؐ تشریف لا رہے ہیں۔

امامؑ نے اپنے بیمار بیٹے کی احوال پرسی کی اور آپ نے حمد خداوندی بیان فرمائی۔ اس وقت امام سجادؑ نے بابا سے پوچھا۔

أَيْنَ عَمِّيَ الْعَبَّاسِ ؟

''میرے چچا عباسؑ کہاں ہیں''؟

جب آپ نے یہ سوال کیا تو جناب زینبؑ گلوگیر ہو گئیں اور اپنے بھائی پر نگاہ ڈالی کہ بھلا کیا جواب دیتے ہیں؟ چونکہ امام مظلومؑ نے اس خوف سے کہ بیٹے کے مرض میں اضافہ نہ ہو جائے حضرت عباس کی شہادت کی خبر انہیں (ابھی تک) نہ دی تھی۔

اب امامؑ نے فرمایا: بیٹا تمہارے چچا عباسؑ شہید ہو گئے ہیں اور فرات کے نزدیک ان کے بازو قلم کر دیئے گئے ہیں۔

امام سجادؑ نے شدید گریہ کیا، یہاں تک کہ غش فرما گئے۔ اور جب ہوش میں آئے تو اپنے دوسرے چچاؤں کے بارے میں پوچھا: امامؑ نے فرمایا: وہ بھی شہید ہو گئے۔ تب سید سجادؑ نے پوچھا۔

أَيْنَ أَخِيْ عَلِيٌّ وَحَبِيْبُ بْنُ مَظَاهِرَ وَمُسْلِمُ بْنُ عَوسَجَةَ وَزُهَيْرُ بْنُ الْقَيْنِ؟

''میرے بھائی علی (چچا) حبیب ابن مظاہر، مسلم ابن عوسجہ اور زہیر ابن قین کہاں ہیں؟''

امامؑ نے فرمایا: ان خیموں میں مردوں میں سے میرے اور تمہارے سوا کوئی باقی نہیں بچا۔ اور سب کے سب زمین پر پڑے ہیں۔

امام سجادؑ نے شدید گریہ کیا اور اپنی پھوپھی زینبؑ سے فرمایا: میری تلوار اور میرا عصا اٹھا لایئے۔ امام حسینؑ نے فرمایا: یہ (چیزیں) کس لئے مانگ رہے ہو؟ عرض کیا۔ میں عصا کا سہارا لوں گا اور تلوار سے فرزند رسولؐ کا دفاع کروں گا۔

امام حسینؑ نے انہیں منع کیا۔ اور اپنے سینے سے لگا کر فرمایا: اے میرے بیٹے! تم میری پاکیزہ ترین ذریت، بہترین عترت اور ان عورتوں اور بچوں کے لئے میری جانشین ہو۔ یہ غریب و بے کس خواری و یتیمی، دشمنوں کی شماتت اور حوادث روزگار کا شکار ہیں۔ جب یہ فریاد کناں ہوں تو انہیں چپ کرانا اور جب وحشت زدہ ہوں تو ان سے انس و محبت کرنا اور انہیں آرام بہم پہنچانا نیز نرم گفتگو سے ان کے دلوں کی تسکین کا سامان کرنا۔ کیونکہ تمہارے سوا کوئی مرد نہیں ہوگا جس سے وہ مانوس ہوں اور تمہارے سوا کوئی شخص نہیں ہوگا کہ جس سے وہ اپنا غم دل بیان کریں۔

ان کے لئے اپنی خوشبو رہنے دیجئے۔ اور تم ان کی خوشبو حاصل کرنا۔ وہ تم پر گریہ کریں گے اور تم ان پر گریہ کرنا۔

پس آپ نے سید سجادؑ کے ہاتھ کو پکڑا اور بہ آواز بلند فرمایا:

اے زینبؑ اے ام کلثومؑ اے سکینہؑ اے رقیہؑ اے فاطمہ میری بات سنو اور جان لو کہ میرا یہ فرزند تم پر میرا جانشین ہے، اور یہ واجب الاطاعت امامؑ ہے۔ (معالی السبطین: ۱۲/۲)

علامہ مجلسیؒ فرماتے ہیں پھر امام سجادؑ نے اپنے دائیں بائیں نگاہ دوڑائی اور جب اپنے ساتھیوں میں سے کسی کو نہ پایا تو آپؑ اپنے بابا کی تنہائی اور بے یاوری دیکھ کر ان کے آگے آگے

میدان جنگ کی طرف چل پڑے۔ حالانکہ کمزوری اور بیماری کے سبب آپ تلوار تک اٹھانے کی سکت نہ رکھتے تھے۔

جناب ام کلثومؑ نے آپ سے مخاطب ہو کر فرمایا: اے میرے عزیز! واپس لوٹ آیئے۔ سید سجاد نے فرمایا: پھوپھی جان! مجھے روکیے مت تاکہ میں فرزند رسول کے پیش رو کے طور پر جہاد کرسکوں۔

امام مظلومؑ نے فرمایا: ام کلثوم! انہیں پکڑ کر واپس لے جایئے مبادا کہ یہ شہید ہو جائیں اور زمین نسل آل محمد سے خالی ہو جائے (بحارالانوار: ۴۵/۴۶)

''دعوات راوندی'' میں امام زین العابدین سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: جس روز میرے بابا شہید ہوئے۔ انہوں نے مجھے پکڑ کر سینے سے لگایا: اس حال میں کہ خون ان کے جسم اطہر سے پھوٹ رہا تھا۔ اور فرمایا: اے فرزند! میری جانب سے یہ دعا حفظ کر لیجئے کہ جو مجھے حضرت فاطمہؑ نے تعلیم فرمائی تھی اور حضرت فاطمہؑ نے رسول خداؐ سے اور انہوں نے جبرئیل سے سیکھی تھی۔ جب تمہیں کوئی حاجت، مہم، غم مصیبت اور امر دشوار پیش آئے تو کہنا:

بِحَقِّ یٰسٓ وَالْقُرآنِ الْحَکِیمِ وَبِحَقِّ طٰهٰ وَالْقُرآنِ الْعَظِیمِ ' یا مَن یَقْدِرُ عَلٰی حَوَائِجِ السَّائِلِینَ یامَنْ یَعْلَمُ مافِی الضَّمِیرِ یامُنَفِّسًا عَنِ الْمَکْرُوبِینَ 'یا مُفَرِّجًا عَنِ الْمَغْمُومِینَ ' یا راحِمَ الشَّیْخِ الْکَبِیرِ یارازِقَ الطِّفْلِ الصَّغِیرِ یا مَنْ لاَ یَحْتاجُ اِلَی التَّفْسِیرِ، صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ وَفْعَلْ بِی کَذاوَ کَذا (نفس المھموم/۳۴۷: منتہی الآمال: ۱/۳۸۷)

مرحوم کلینی قدس سرہ امام محمد باقر سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: امام زین العابدینؑ نے اپنی وفات کے وقت مجھے اپنے سینے سے لگا کر فرمایا: اے میرے بیٹے! میں تمہیں وہ وصیت کرتا ہوں جو میرے والد گرامی نے اپنی شہادت کے وقت مجھے کی تھی۔ جہاں تک مجھے یاد ہے میرے بابا نے مجھے تاکید فرمائی تھی

یابُنَیَّ اِیّاکَ وَظُلْمَ مِنْ لاَ یَجِدُ عَلَیْکَ ناصِرًا اِلاَّ اَللّٰهَ (کافی: ۲/۳۳۹ باب ظلم ح ۵)

''اے میرے بیٹے ایسے شخص پر ظلم سے اجتناب کرو جس کا خدا کے علاوہ کوئی مددگار نہ ہو''

امام عالی مقامؑ کی میدان جنگ کی طرف روانگی

امام حسینؑ اس حال میں میدان جنگ کی طرف چلے کہ آپ کے ہاتھ میں تلوار تھی ۔ دل دنیا سے قطع تعلق کر چکا تھا اور آپ تیزی سے شہادت اور لقائے پروردگار کی طرف بڑھ رہے تھے ۔

امامؑ نے رات کی بیداری اور دکھ' دن کی گرمی اور سواری' بھائیوں بیٹوں اور عزیزوں کے غم' پیاس کی شدت' زخموں کے درد' گرمی کی تپش اور ساتھیوں کے فقدان کے باوجود رجز پڑھا اور دشمنوں کو جنگ کے لئے للکارا اور جو کوئی اس فرزند حیدر کرار شیر خدا علی مرتضیٰؑ کے سامنے آیا اسے جہنم رسید کیا ۔ اور جب ان منافقوں میں سے بہت سے بہادروں اور دلیروں کے خاتمے پر کسی اور کی جرأت نہیں پڑتی تھی کہ آپ کے سامنے آئے' تو آپ نے بہادر شیر کی طرح لشکر یزید کے میسرہ اور میمنہ پر حملہ کر دیا اور ہر حملے میں بہت سے گروہوں کو ہلاک کیا ۔

سید بن طاؤسؒ لکھتے ہیں : راوی کہتا ہے خدا کی قسم میں نے کبھی کسی ایسے شکستہ حال انسان کو نہیں دیکھا ۔ کہ دشمن نے اسے چاروں طرف سے گھیر رکھا ہو اور اس کے بیٹے' عزیز اور ساتھی قتل ہو چکے ہوں ، اور وہ حسین سے زیادہ بہادر ہو ۔

بڑے بڑے پہلوان اور مرد میدان آپؑ پر حملہ آور ہوئے ۔ لیکن جونہی آپ تلوار ہاتھ میں لئے ان کی طرف بڑھے تو وہ آپؑ کی تلوار کے وار سے اس طرح بھاگے جس طرح گوسفند کسی بھیڑیئے کے حملے سے بھاگتے ہیں ۔ (تذکرۃ الشہداء میں صفحہ/۳۲۴ پر اضافہ ہے کہ جب آپ نے حملہ فرمایا تو لشکر یزید بھاگتا ہوا دروازہ کوفہ تک جا پہنچا)

آپ نے تیس ہزار افراد پر حملہ کیا' وہ آپؑ کے سامنے سے ہٹ کر بکھرے ہوئے

پتنگوں کی طرح بیابان میں چھپتے پھرتے تھے۔ (اور جب آپ کے چاروں جانب سے دشمن چھٹ گئے تو) آپ اپنی مخصوص جگہ پر تشریف لے گئے اور فرمایا: "لا حَوْلَ وَلاَ قُوَّةَ اِلاَّ بِاللّٰهِ" (گویا اس کلام سے اہل حرم کو سمجھا رہے ہوں کہ میں ابھی زندہ ہوں نیز اپنے آپ کو تسلی دے رہے ہوں۔ (لہوف/۱۱۹)

اس کے باوجود کہ آپ پر ہر طرح کی مصیبتیں یلغار کئے ہوئے تھیں۔ پیاس کی شدت' سورج کی حدت' زخموں کی زیادتی' لیکن آپ کے دامن وقار پر کہیں گرد اضطراب نہ تھی اور آپ کا وجود مبارک قطعاً متزلزل نہ تھا۔

آپ اس حال میں بھی حملہ آور ہو کر کشتوں کے پشتے لگا رہے تھے۔ اور زمین کو ان منافقوں کے وجود سے پاک کر رہے تھے۔ قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ ایسا بھی نہ تھا کہ جو کوئی آپ کی تلوار کی زد میں آتا آپ اسے قتل فرما دیتے بلکہ اگر کسی کے صلب اور کسی کی چند (آئندہ) نسلوں سے بھی کسی مومن یا محبّ کے پیدا ہونے کی امید ہوتی تھی تو آپ اسے چھوڑ دیتے اور قتل نہ کرتے تھے۔

کبریت احمر میں منقول ہے کہ امام حسینؑ نے اپنے حملوں پر بعض اہل کوفہ کو قتل کرنے کی قدرت کے باوجود قتل نہ کیا۔ آپؑ سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو آپ نے فرمایا: جس کے صلب میں کوئی مومن ہو میں اسے قتل نہیں کرتا۔

امام زین العابدینؑ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا۔

روز عاشور میں نے کئی اشخاص کو دیکھا کہ جو میرے بابا کو نیزہ (تلوار) سے ضرب لگا رہے تھے اور آپ ان سے متعرض نہ تھے۔ جب امامت مجھ تک منتقل ہوئی تو مجھے معلوم ہوا کہ چونکہ ان کے صلبوں میں ہمارے محبین تھے اس لئے میرے بابا نے انہیں نہ مارا۔ (معالی السبطین ۲:/۱۷)

ابن شہر آشوب اور دوسروں نے نقل کیا ہے کہ آپ نے زخمیوں کی کثیر تعداد کے علاوہ انیس سو پچاس (۱۹۵۰) افراد کو قتل کیا (اور مسعودی کی روایت کے مطابق اٹھارہ سو (۱۸۰۰) افراد کو قتل کیا)

عمر سعد ملعون (نے جب دیکھا کہ روئے زمین پر کوئی شخص ایسا نہیں جو امامؑ کے مقابلے

پر آنے کی ہمت رکھتا ہو تو اس نے اپنے سپاہیوں سے اونچی آواز میں کہا: وائے ہو تم پر کیا تم جانتے ہو کہ تم کس سے جنگ کر رہے ہو؟ یہ انزع بطین (دو دھاری تلوار) علی ابن ابی طالب کا بیٹا ہے۔ یہ اس شخص کا بیٹا ہے، جس نے شجاعان عرب اور دلیران زمانہ کو خاک ہلاکت میں ملا دیا۔ تم سبھی مل کر اس پر چاروں جانب سے حملہ کر دو (اور اس پر تیروں کی بارش کر دو)

چنانچہ چار ہزار تیر اندازوں نے امامؑ مظلوم کو گھیرے میں لے لیا اور آپ پر تیروں کی بارش کر دی۔ وہ آپؑ اور آپؑ کے خیموں کے درمیان حائل ہو گئے۔ (اور خیموں کی طرف سے آپ کا راستہ روک لیا اور ایک گروہ آپ کے خیموں کی طرف چل دیا)

ابن ابی طالب، ابن شہر آشوب، اور سید بن طاؤس کی نقل کے مطابق آپ نے فریاد بلند کی:

"وَيَحْكُمْ يَاشِيْعَةَ آلِ اَبِي سُفْيَانَ اِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ دِيْنٌ وَكُنْتُمْ لاَ تَخَافُوْنَ الْمَعَادَ، فَكُونُوا أَحْرَارً فِيْ دُنْيَا كُمْ وَارْجِعُوْا اِلَى اَحْسَابِكُمْ اِذْ كُنْتُمْ أَعْرَابًا (اِنْ كُنْتُمْ عَرَبًا كَمَا تَزْعُمُوْنَ)"

"اے خاندان ابو سفیان کے پیروؤ! وائے ہو تم پر اگر تم بے دین ہو اور روز آخرت پر ایمان نہیں رکھتے تو کم از کم دنیا ہی میں آزاد مردوں کی طرح رہو۔ اگر تم اپنے گمان کے مطابق عرب ہو تو اپنے نسلی شئون (خصوصیت) کی طرف ہی لوٹ آؤ (چونکہ عرب غیرت اور حمیت رکھتے ہیں)

شمر ملعون نے آواز دی: اے فاطمہ کے بیٹے! کیا کہا ہے؟ امامؑ نے فرمایا: میں تم لوگوں سے جنگ کروں گا۔ تم مجھ سے لڑو، عورتوں کا کوئی گناہ نہیں۔ ان سرکشوں (جاہلوں اور ستم گروں) کو منع کرو کہ جب تک میں زندہ ہوں میرے حرم پر حملہ آور ہونے سے متعرض رہیں۔

شمر ملعون نے کہا: اے فاطمہؑ کے بیٹے! میں تمہاری درخواست کو قبول کرتا ہوں۔ اس نے لشکر کو آواز دی کہ امام کے حرم کے نزدیک نہ جائیں اور کہا کہ پہلے اس کا کام تمام کر لیں۔

پھر ان لعینوں نے یکبار آپ پر یلغار کر دی۔ امامؑ ان پر اور وہ امامؑ پر حملہ آور ہوتے

تھے۔ اس حالت میں امام حسینؑ نے ان سے ایک گھونٹ پانی مانگا۔لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا۔ جب بھی آپ گھوڑے کا رخ فرات کی طرف کرتے تھے۔ وہ لعین آپ پر حملہ آور ہوکر آپ کے دریا کی طرف جانے میں مانع ہو جاتے تھے۔ (بحارالانوار: ۴۵/۵۰' لہوف/۱۲۰ و......)

شمر کہتا ہے کہ ایک مقام پر میرا دل کڑھا' اور یہ وہ وقت تھا جب حسینؑ سمجھے کہ لشکر ان کے خیموں کی طرف بڑھنے کا قصد کئے ہوئے ہے۔ میں نے دیکھا کہ انہوں نے اپنی جگہ سے حرکت کرنا چاہی لیکن زمین پر گر پڑے اور ان کی زرہ کے حلقوں سے خون بہنے لگا۔ وہ اس حالت میں دوبارہ اپنے آپ کو اپنے اہل بیتؑ کی امداد کے لئے (زمین پر) گھسیٹتے تھے۔ (نہضت حسینی: ۱/۱۵۰)

منتخب میں ہے کہ حسینؑ لشکر کے سامنے آئے اور عمر سعد سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: میری ان تین تجاویز میں سے ایک کو قبول کرلو۔ اس نے کہا وہ کیا ہیں؟

امامؑ نے فرمایا:

تَتْرُكُنِي حَتّٰى أَرْجِعَ اِلَى الْمَدِيْنَةِ' اِلٰى حَرَمِ جَدِّی رَسُوْلِ اللّٰهِؐ

''اول تو مجھ سے ہاتھ اٹھا لو تا کہ میں مدینہ میں اپنے جد رسول خداؐ کے حرم کی طرف لوٹ جاؤں''

ابن سعد نے کہا: یہ میرے اختیار میں نہیں! فرمایا:

اَسْقُوْنِي شَرْبَةً مِنَ الْمَاءِ فَقَدْ نَشَفَتْ كَبِدِی مِنْ شِدَّةِ الظَّمَاءِ

''مجھے ایک گھونٹ پانی دے دو کہ میرا جگر پیاس کی شدت سے جل رہا ہے''

کہا: یہ بھی نہیں ہوگا۔ فرمایا''

''وَاِنْ كَانَ لَابُدَّ مِنْ قَتْلِی فَلْيَبْرُزْ اِلَیَّ رَجُلٌ بَعْدَ رَجُلٍ ''

'اور اگر میرا قتل تمہارے لئے ناگزیر ہے تو پھر ایک ایک کرکے میرے مقابلے پر آؤ'

ابن سعد نے کہا: میں اس بات کو قبول کرتا ہوں۔

پس امام مظلومؑ نے جنگ کا ارادہ کیا اور رجز پڑھا۔

''اَنَا بْنُ عَلِیِّ الطُّهْرِ مِنْ آلِ هَاشِمٍ ....

ناسخ التواریخ میں مرقوم ہے: ابن سعد کے حکم کی بجا آوری میں شام کے بہادروں میں سے جو پہلا شخص امام حسینؑ سے جنگ کے لئے آیا وہ تمیم بن قحطبہ تھا۔ آپ برق خاطف (چمکتی ہوئی بجلی) کی طرح اس پر حملہ آور ہوئے اور تلوار کے وار سے اس کا سرتن سے جدا کر دیا۔ اس طرح دوسرے بہادروں میں سے جو بھی آپ سے جنگ کے لئے آیا واصل جہنم ہوا۔

''منتخب'' میں منقول ہے کہ شمر نے پکار کر کہا: اے امیر! خدا کی قسم اگر تمام اہل زمین بھی حسینؑ سے مبارزہ کے لیے آئیں تو یہ سب ہلاک ہو جائیں گے۔ ہمیں چاہیے کہ اسے چاروں طرف سے گھیر لیں۔ سواروں، نیزہ برداروں اور تیر اندازوں نے چاروں جانب سے آپؑ کو گھیر کر زین سے زمین پر گرا دیا۔

بحارالانوار میں منقول ہے کہ عمر سعد نے اپنے سپاہیوں کو پکار کر کہا: وائے ہو تم پر! کیا تم نہیں جانتے کہ تم کس شخص سے جنگ کر رہے ہو؟ یہ انزع بطین (دو دھاری تلوار) علیؑ کا بیٹا ہے جس نے عرب کے بہادروں اور قوم (قریش) کے دلیروں میں سے ایک شخص کو بھی باقی نہ چھوڑا (پھر اپنا عہد توڑتے ہوئے) حکم دیا کہ سارا لشکر مل کر اس پر حملہ آور ہو جائے۔

لشکر سعد طوفانی سمندر کی طرح حرکت میں آیا اور آپؑ اور آپؑ کے خیموں کے درمیان حائل ہو گیا۔ (وقائع الایام خیابانی/۴۶۲)

امامؑ صف لشکر کے پاس آئے اور بلند آواز سے فرمایا:

يا وَيْلَكُمْ ، عَلٰى مَ تُقَا تِلُوْنِي ؟عَلٰى حَقٍّ تَرَكْتُهُ؟ أَمْ عَلٰى سُنَّةٍ غَيَّرْتُهَا ؟ أَمْ عَلٰى شَرِيْعَةٍ بَدَّ لْتُهَا "

''وائے ہو تم پر! تم کس لحاظ سے مجھ سے جنگ کر رہے ہو؟ کیا میں نے کسی حق کو ترک کر دیا ہے؟ کیا میں نے کسی سنت کو بدل ڈالا ہے؟ کیا میں نے شریعت اور دین کو نقصان پہنچایا ہے؟

ظالموں نے جواب میں کہا:

''بَلْ نُقَا تِلُکَ بُغْضًا مِنَّا لِأَبِيْکَ وَمَا فَعَلَ بِأَ شْيَاخِنَايَوْمَ بَدْرٍ وَ حُنَيْنَ "

بلکہ ہم تم سے اس بغض اور کینہ کے سبب جنگ کر رہے ہیں جو ہمیں تمہارے باپ علی سے ہے۔ تمہارے باپ نے بدر و حنین کے معرکوں میں ہمارے بزرگوں کو قتل کیا تھا'

امام مظلومؑ نے جب یہ کلمات سنے تو سخت گریہ فرمایا اور یہ اشعار پڑھے:

یَارَبِّ لاٰ تَتْرُ کَنِیْ وَحِیْدًا ....

آپ نے اپنے دائیں بائیں نگاہ دوڑائی تو تمام اصحاب کو شہید پایا اور اپنے بھائیوں اور بیٹوں کو خاک وخون میں غلطان دیکھا۔ پس آواز دی: اے مسلم بن عقیل، اے ہانی بن عروہ، اے حبیب بن مظاہر اے زہیر بن قین' اے یزید بن مظاہر' اے یحییٰ بن کثیر' اے نافع بن ہلال' اے ابراہیم بن حصین' اے عمیر بن مطاع' اے اسد کلبی' اے عبداللہ بن عقیل' اے مسلم بن عوسجہ' اے داؤد بن طرماح' اے حر ریاحی' اے علی بن الحسین اے باصفا بہادر و اور اے روز جنگ کے سوارو!

مٰالِیْ اُنٰا دِیْکُمْ فَلاٰ تُجِیْبُوْنِی ! وَأَدْعُو کُمْ فَلاٰ تَسْمَعونِی! اَنْتُمْ نِیٰامٌ أَرْجُو کُمْ تَنْتَبِهُونَ ؟ أَمْ حٰالَتْ مَوَدَّ تُکُمْ عَنْ اِمٰامِکُمْ فَلاٰ تَنْصُرُوْنَهُ ؟فَهٰذِهِ نِسٰاءُ الرَّسُولِ لِفَقْدِ کُمْ قَدْ عَلاٰهُنَّ النُّحولِ فَقُو مُواعَن نُوْ مَتِکُم اَیُّهَا لِکَرٰامُ وَاِدْ فَعُو عَنْ حَرَمِ الرَّسُولِ الطُّغٰاةَ الِلّئٰامَ ' وَلٰکِنْ صَرَ عَکُمُ وَاللّٰهِ رَیْبُ الْمَنُونِ ' وَغَدَرَ بِکُمُ الدَّهْرُ الْخَئُونُ وَاِلاّٰ لَمٰا کُنْتُمْ عَنْ دَعْوَتِی تَقْصُرُوْنَ وَلاٰ عَنْ نُصْرَتِی تَحْتَجِبُونَ، فَهٰا نَحْنُ عَلَیْکُمْ مُفْتَجِعُونَ وَبِکُمْ لاٰ حِقُونَ فَاِنّٰا لِلّٰهِ وَاِنّٰا اِلَیْهِ رٰاجِعُونَ "

"تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ میں تمہیں آواز دیتا ہوں' مگر تم مجھے جواب نہیں دیتے !میں تمہیں بلاتا ہوں لیکن تم سنتے نہیں۔ تم سوئے ہوئے ہو اور میں تمہیں جگانا چاہتا ہوں۔ یا کوئی تمہارے اور تمہارے امامؑ کے درمیان حائل ہوگیا ہے کہ تم اس کی مدد نہیں کر رہے۔ یہ تمہارے پیغمبرؐ کے خاندان کی عورتیں ہیں جو تمہارے نہ ہونے کی وجہ سے دکھ اور تکلیف میں اسیر ہیں۔ اے کریمو! خواب سے اٹھ

بیٹھو اوران ظالم لعینوں کو حرم رسولؐ سے دور ہٹاؤ۔ لیکن خدا کی قسم موت نے تمہیں دبوچ لیا ہے اور زمانے نے تم سے منہ پھیر لیا ہے' وگرنہ تم میری دعوت قبول کرنے سے گریز نہ کرتے اور میری نصرت سے ہاتھ نہ کھینچتے۔ میں ابھی تمہارے غم میں آزردہ اور غمناک ہوں، اور تم سے آ کر ملنے والا ہوں۔ ہم خدا کی طرف سے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں'' (ناسخ التواریخ: ۲/۶/۳۷۶)

کجا رفتند آن رعنا جوانان
کجا رفتند آن پاکیزہ جانان
کجا رفتند اصحاب کبارم
کہ من اینسان غریب و خوارد زارم
ھمہ بار سفر بستند ور فتند
مراخونین جگر کردند و رفتند
کجائی ای علی اکبر جوانم
کجائی قاسمؑ ای آرام جانم
کجائی ای علمدارؑ سپاہم
معین و یاور و پشت و پناہم
زجا خیزید ای رعنا جواناں
ببینید از جفا در این بیابان
عیال من غریب و بی پناھند
گرفتار و اسیر این سپاہند
شما آسودہ از ھر رنج و محنت
مکاں کردہ ہمہ در باغ جنت
ولی من باغم و محنت قرینم

درایں صحرا غریب و بے معینم
نہ باک از نیزہ و شمشیر دارم
نہ خوفی از سنان و نیزہ دارم
ازاں ترسم کہ گر من کشتہ گردم
ز تیغ کین بخون آغشتہ گردم
گزار شمر پا درخیمہ ہایم
زند سیلی بہ روی طفل مایم

(خزائن الاشعار جوہری/۹۹)

وہ خوبصورت جوان کہاں گئے؟ وہ پاکیزہ کردار کہاں گئے؟

میرے اصحاب کبار کہاں گئے؟ کہ میں آج غریب اور خوار و زار ہوں۔ سب نے سامان سفر باندھا اور چل دیئے، مجھے خونیں جگر کر کے چلے گئے۔ اے میرے جوان علی اکبرؑ تم کہاں ہو؟ اے میرے آرام جاں قاسمؑ تم کہاں ہو؟ اے میرے لشکر کے علمدارؑ (عباسؑ) تم کہاں ہو؟ اے میرے معین و مددگار اور پشت پناہ تم کہاں ہو' اے خوبصورت جوانو! اپنی اپنی جگہ سے اٹھو اور دیکھو کہ اس بیابان میں کیسی جفا ہو رہی ہے۔ میرے اہل خانہ بے وطن اور بے سہارا ہیں اور اس لشکر کے ہاتھوں گرفتار و اسیر ہیں۔

تم سب کے سب ہر رنج و محن سے آسودہ خاطر ہو اور باغ جنت میں مقیم ہو۔ مگر میں ہر غم و محن سے قریب ہوں اور اس صحرا میں بے یار و مددگار ہوں۔ اگرچہ مجھے نہ نیزہ و شمشیر کا ڈر ہے اور نہ سنان و نیزہ کا خوف۔ لیکن میں اس بات سے ڈر رہا ہوں کہ اگر میں شمشیر ستم سے شہید ہو گیا تو شمر ہمارے خیموں میں گھس آئے گا اور ہمارے بچوں کے چہروں پر تھپڑ مارے گا۔

بہت سی کتابوں میں ہے کہ جب امام حسینؑ کے اصحاب بھائی رشتہ دار اور بیٹے شہید ہو گئے تو آپ نے اپنے دائیں بائیں نظر دوڑائی لیکن اپنے اصحاب میں سے ایک کو بھی نہ پایا تو سر آسمان کی طرف بلند کر کے فرمایا:

"اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ تَریٰ مٰایَصَنَعُ بِوَلَدِ نَبِیِّکَ"

"بارخدایا! تو دیکھ رہا ہے کہ یہ تیرے پیغمبرؐ کے بیٹے کے ساتھ کیا سلوک کر رہے ہیں

پھر ندا بلند کی:

"ھَلْ مِنْ رَاحِمٍ یَرْحَمُ آلَ الرَّسُولِ الْمُخْتَارِ ؟ ھَلْ مِنْ نَاصِرٍ یَنْصُرُ الذُّرِّیَةَ الْاَ طَھٰارِ ؟ ھَلْ مِنْ مُجِیْرٍ لِاَ بْنٰاءِ الْبَتُولِ ؟ ھَلْ مِنْ ذَابٍّ یَذُبُّ عَنْ حَرَمِ الرَّسُولِ ؟ ھَلْ مِنْ مُوَحِّدٍ یَخٰافُ اللّٰہَ فِینٰا؟ ھَلْ مِنِ مُغِیثٍ یَرْجُو اللّٰہَ فِی اِغٰاثَتِنٰا؟ فَارْ تَفَعَتْ اَصْوٰاتُ النِّسٰاءِ بِالْعَوِیْلِ ...."

"ہے کوئی رحم کرنے والا جو آل رسولؐ پر رحم کرے؟ ہے کوئی مددگار کہ ذریت اطہار کی مدد کرے؟ ہے کوئی پناہ دینے والا کہ فرزند بتولؑ کو پناہ دے؟ ہے کوئی شخص جو حرم رسول خداؐ کا دفاع کرے؟ ہے کوئی خدا پرست جو ہمارے بارے میں خدا سے ڈرے؟ ہے کوئی انصاف کرنے والا کہ خدا سے صلہ کی امید میں ہم سے انصاف کرے۔ جب اہل حرم نے امام کے اس استغاثہ کو سنا تو صدائے گریہ بلند کی"

(وقائع لایام خیابانی/۴۴۱)

امام عالی مقامؑ غضب ناک شیر کی طرح دشمن کے لشکر کے درمیان کود ے اور ان پر تلوار کھینچ لی۔ آپؑ نے اس گروہ کثیر کو اس طرح زمین پر گرایا جس طرح بادخزاں سے درختوں کے پتے جھڑتے ہیں۔ آپ نے جس طرف منہ کیا کشتوں کے پشتے لگا دیئے۔ پھر پیاس کی شدت کی وجہ سے راہ فرات کی طرف چلے۔

کوفی جانتے تھے کہ اگر آپؑ نے ایک گھونٹ پانی بھی پی لیا تو ان میں سے ایک شخص بھی باقی نہ بچے گا۔ انہوں نے فرات کے راستے میں صف باندھ لی اور آپ پر پانی کا راستہ بند کردیا۔ جب بھی آپ فرات کی طرف رخ کرتے وہ لعین آپ پر حملہ کرتے اور آپ کو فرات سے دور رکھتے۔

ابن شہر آشوب نے ابی مخنف سے روایت کی ہے کہ

امام حسینؑ نے اعور سلمٰی اور عمرو بن حجاج پر، جو کہ چار ہزار افراد کے ساتھ نہر فرات کی نگہبانی کے لئے مقرر تھے، حملہ کیا اور لشکر کی صفوں کو چیرتے ہوئے نہر فرات پر پہنچے۔ جب گھوڑے نے پیاس کی شدت سے سر پانی کی طرف جھکایا تو آپ نے فرمایا: اے گھوڑے! تو پیاسا ہے اور میں بھی پیاسا ہوں۔ خدا کی قسم میں تب تک پانی نہ پیوں گا جب تک تم پانی نہیں پی لیتے۔

جب گھوڑے نے امامؑ کی بات سنی تو سر اٹھا لیا اور پانی نہ پیا۔ پس حسینؑ نے فرمایا: پانی پیو کہ میں بھی پانی پیتا ہوں آپ نے ہاتھ بڑھایا اور ایک چلو پانی کا بھرا۔ اتنے میں ایک سوار نے آواز دے کر کہا: اے حسینؑ! آپ پانی پی رہے ہیں جب کہ لشکر آپ کے خیام حرم تک جا پہنچا ہے اور آپ کی ہتک حرمت کر رہا ہے۔

جب حمیت وغیرت کی اس کان نے یہ بات سنی تو پانی کو چلو سے گرا دیا اور لشکر پر حملہ کر کے اسے چیرتے ہوئے خیموں تک پہنچے۔ تب معلوم ہوا کہ اس لعین نے جھوٹ بکا تھا اور کوئی ان سے متعرض نہیں ہوا۔

(مناقب ابن شہر آشوب: ۴/ ۵۸ بحار الانوار: ۴۵/ ۵۱)

اہل بیتؑ سے دوسرا وداع

علامہ مجلسیؒ اور دوسروں نے نقل کیا ہے کہ امام حسینؑ نے دوسری بار اہل بیتؑ رسالت اور خاندان عصمت و طہارت سے وداع فرمایا۔ ان کو صبر کی تلقین فرمائی اور انہیں اللہ کی طرف سے لا محدود ثواب کی بشارت دی۔ اور حکم دیا کہ چادریں سروں پر اوڑھ لو (اور ایسا لباس پہن لو جو اسیری کے لئے مناسب ہو) اور ان سے فرمایا:

"اِسْتَعِدُّوا لِلْبَلاءِ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللّٰهَ حَافِظُكُمْ وَحَامِيكُمْ وَسَيُنْجِيكُمْ مِنْ شَرِّ الْأَعْدَاءِ وَيَجْعَلُ عَاقِبَةَ اَمْرِكُمْ اِلٰى خَيْرٍ وَيُعَذِّبُ أَعَادِيَكُمْ بِأَنْوَاعِ الْبَلاءِ وَيُعَوِّضُكُمُ اللّٰهُ عَنْ هٰذِهِ الْبَلِيَّةِ أَنْوَاعَ النِّعَمِ وَالْكَرَامَةِ فَلا تَشْكُوا وَلا تَقُولُوا بِأَلْسِنَتِكُمْ مَا يَنْقُصُ قَدْرَكُمْ"

"مصیبت و بلا کو برداشت کرنے کے لئے تیار ہو جاؤ! اور جان لو کہ خدائے متعال تمہارا حامی و ناصر ہے جو تمہیں دشمنوں کے شر سے نجات دے گا۔ اور تمہاری عاقبت بخیر فرمائے گا۔ اور تمہارے دشمنوں کی طرح طرح کی مصیبتوں کے عوض میں تمہیں طرح طرح کی نعمتوں اور کرامتوں سے نوازے گا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم صبر کا دامن چھوڑ بیٹھو اور کوئی ایسی بات زبان پر لے آؤ جو تمہارے ثواب اور قدر و منزلت میں کمی کا باعث بنے" (جلاء العیون/۴۰۸، ناسخ التواریخ: ۲/۳۸۰)

میدان جنگ میں واپسی

عمر سعد نے کہا: تم پر وائے ہو، حسینؑ کو اہل حرم سے مشغول گفتگو پا کر ان پر حملہ کر دو۔ بخدا! اگر وہ تمہارے مقابلے کے لئے فارغ ہو گئے تو تمہاری سپاہ کے میمنہ و میسرہ کو ایک کر دیں گے اور صفیں درہم برہم کر دیں گے۔ پس لشکر نے آپ پر حملہ کر دیا اور آپ پر تیروں کی بارش کر دی گئی۔ یہاں تک کہ یہ تیر خیموں کی طنابوں کے درمیان اور پشت خیام تک جا پہنچے اور خواتین کے لباسوں میں جا لگے جن سے ان کے لباس پھٹ گئے۔ انہوں نے امام کی طرف دیکھا کہ اب آپ کیا کرتے ہیں؟

امام عالی مقامؑ نے غضب ناک شیر کی طرح ان پر حملہ کر دیا اور جو کوئی آپ کی تلوار کی زد میں آتا اسے قتل کرتے جاتے تھے۔ ہر طرف سے آپ کی جانب تیر آ رہے تھے جنہیں آپ سینۂ مبارک اور گلوئے اقدس پر برداشت کر رہے تھے۔

پس آپ نے قلب لشکر سے اپنے مرکز کی طرف رخ کیا اور بہت دفعہ فرمایا:

"لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ"

اس حالت میں آپ نے پانی طلب فرمایا۔ شمر ملعون نے ناشائستہ بات کہی اور دوبارہ آواز دی: اے حسینؑ! تم فرات کے پانی کو دیکھ رہے ہو کہ کیسے مچھلی کے پیٹ کی طرح موجزن ہے۔ تم اس سے نہیں پی سکو گے، حتیٰ کہ پیاس سے مر جاؤ گے۔ آپ نے فرمایا:

"اَللّٰهُمَّ اَمِتْهُ عَطَشًا"

"خدایا! اسے پیاسا مارنا"

راوی کہتا ہے: وہ ملعون پیاس کی شدت کی وجہ سے فریاد کرتا تھا اور پانی مانگتا تھا کہ اسے پانی دیا جائے۔لیکن وہ جتنا پانی پیتا وہ اس کے منہ سے باہر نکل آتا۔ وہ دوبارہ فریاد بلند کرتا۔ مجھے پانی دیجئے کہ پیاس نے مجھے مارڈالا۔اسی حالت میں وہ واصل جہنم ہوا۔(مقتل مقرم/۳۵۰)

آپ کے فرزند ارجمند امام زین العابدینؑ فرماتے ہیں:

"قُتِلَ بْنُ رَسُولِ اللّٰهِ عَطْشَانًا"

"رسول خداؐ کے بیٹے کو پیاسا شہید کر دیا گیا"

اور کئی دفعہ آپ فرمایا کرتے تھے:

"اَسْقُونِی شَرْبَةً مِنَ الْمَاءِ فَقَدْ نَشَفَتْ كَبِدِی مِنَ الظَّمَاءِ"

"ظالموں نے آپ پر رحم نہ کیا اور آپ کو پانی نہ دیا' جس کا اثر آپ پر تیروں اور تلواروں سے بھی زیادہ ہوا۔(کبریت احمر/۱۹۴)

لشکر سعد نے آپ پر اس قدر نیزوں اور تلواروں کے وار کئے کہ آپ کا بدن مبارک چھلنی ہو گیا اور زرہ مبارک پر اس قدر تیر لگے کہ گویا اوج سعادت کے پرندے کے بال و پر ہوں۔

ابن شہر آشوب نے امام محمد باقرؑ سے نقل کیا ہے کہ تین ہزار بیس سے زیادہ نیزے تلواریں اور تیر آپ کے جسم اطہر پر لگے۔

اور روایت میں ہے کہ بدن مبارک پر تین سو ساٹھ (۳۶۰) زخم آئے۔

اور کچھ کا کہنا ہے کہ ایک ہزار نو سو زخم لگے۔ اور تیر آپ کی زرہ پر اس طرح پیوست تھے کہ خار پشت کا بدن معلوم ہوتا تھا۔

اور روایت میں ہے کہ یہ تمام کے تمام زخم آپ کے بدن کے اگلے حصے پر لگے (کیونکہ آپ اپنے باپ کی طرح جنگ میں پیٹھ کبھی نہیں دکھاتے تھے)

(مناقب ابن شہر آشوب:۴/۱۱۰' بحار الانوار:۴۵/۵۲)

آپ نے دشمنوں پر اور دشمنوں نے آپ پر حملے کئے۔اس حال میں امامؑ ان سے پانی کا ایک گھونٹ مانگ رہے تھے۔ حالانکہ اس کا کوئی فائدہ بھی نہ تھا کیونکہ آپ کے جسم اطہر پر اس

وقت بہتر (۷۲) زخم لگ چکے تھے۔

آپ کچھ دیر آرام کے لئے رک گئے اور شاید جنگ کی طاقت ہی نہ رہی تھی کہ اتنے میں ایک پتھر آ کر آپ کی پیشانی پر لگا۔ آپ نے اپنے دامن سے خون صاف کرنا چاہا کہ ادھر سے ایک سہ شعبہ زہر آلود تیر آ کر آپ کے قلب مبارک پر لگا (اور ایک قول کے مطابق آپ کے سینہ مبارک پر لگا) اور دوسری طرف سے جا نکلا۔ آپ نے فرمایا:

بِسْمِ اللّٰهِ وَبِاللّٰهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ

پھر سر آسمان کی طرف اٹھایا اور عرض کیا: بارالٰہا تو جانتا ہے کہ یہ اس شخص کو مار رہے ہیں کہ جس کے سوا روئے زمین پر کوئی رسول کی بیٹی کا بیٹا نہیں۔

پس آپ نے تیر کو پکڑا اور کھینچ کر باہر نکالا۔ خون کا فوارا پھوٹا' امامؑ نے یہ خون اپنے ہاتھوں میں لے کر آسمان کی طرف پھینکا تو اس سے ایک قطرہ بھی (زمین پر) واپس نہ آیا۔ اور جب تک امام حسینؑ نے یہ خون آسمان کی طرف نہ پھینکا اس سے پہلے آسمان پر سرخی شفق نہ دیکھی گئی تھی۔

آپؑ نے دوسری مرتبہ اپنے خون سے چلو بھرا اور اسے اپنے سر اور ریش مبارک پر مل کر فرمایا: میں نے اپنے خون کے خضاب کے ساتھ اپنے نانا رسول خداؐ کی زیارت کی اور ان سے عرض کیا: یارسول اللہؐ فلاں اور فلاں نے مجھے قتل کیا ہے۔ اس کے بعد آپ میں جنگ کی طاقت نہ رہی آپ ایک جگہ ٹھہر گئے۔

اب جو شخص بھی آپ کی طرف آتا واپس چلا جاتا اور نہیں چاہتا تھا کہ اس حالت میں خدا سے ملاقات کرے کہ اس کا دامن خون حسینؑ سے تر ہو۔ یہاں تک کہ قبیلہ کندہ سے ایک شخص جس کا نام مالک بن یسر تھا' آیا، پہلے حسینؑ کو برا بھلا کہا پھر آپ کے سر اقدس پر تلوار کا وار کیا جو آپ کی کلاہ کو چیرتی ہوئی سر میں پیوست ہوگئی اور آپ کی کلاہ مبارک خون سے پر ہوگئی۔

(بحار الانوار: ۴۵/۵۳' لہوف/۱۲۰ مقتل خوارزمی ۲/۳۴)

بعض نے احتمال ظاہر کیا ہے کہ ستر (۷۰) سے کچھ زیادہ زخم تین ہزار ضربیں اور چند

ضربیں آپ کے جسم اطہر پر لگیں۔ اور ایک ہزار نو سو زخم تب تھے جب آپ گھوڑے سے زمین پر گرے اور کوفہ کے بے رحم لشکر نے آپ کے بدن مبارک پر زخم پر زخم لگائے۔

جگر تفتیدہ د تن پر جراحت
بہ مرکز شد ز بہر استراحت
فلک سنگی فکند از دست دشمن
بہ پیشانی وجہ اللہ احسن
چہ زد ازکینہ آن سنگ جفا را
شکست آئینہ ایزد نما را
کہ گلگوں گشت روی عشق سرمد
چہ در روز احد روی محمدؐ
بہ دامان کرامت خواست آن شاہ
کہ خون از چہرہ بزداید بناگاہ
دلی روشن تر از خورشید روشن
نمایان شد ززیر چرخ جوشن
یکی الماسوش تیری ز لشکر
گرفت اندر دل شہ جای تا پر
کہ از پشت پناہ اہل ایمان
عیان گردید زہر آلودہ پیکان
مقام خالق یکتای بیچون
ز زہرآلودہ پیکان نشت پر خون

(یہ اشعار امام مظلومؑ کے "تن زخم زخم" کے عکاس ہیں۔ مترجم)

شہادت عبداللہ بن الحسنؑ

اس دوران میں ایک نابالغ بچہ عبداللہ بن حسنؑ بن علیؑ خیمہ حرم سے باہر نکلا اور دوڑتا ہوا اور لشکر کو چیرتا ہوا اپنے چچا کے پہلو میں جا پہنچا۔

حضرت زینب اس کے پیچھے نکلیں کہ اسے میدان جنگ میں جانے سے روک سکیں۔ امام حسینؑ نے بھی فرمایا: میری بہن اس کی حفاظت کرو لیکن وہ بچہ نہ رکا اور سخت اصرار سے کہنے لگا : خدا کی قسم! میں اپنے چچا سے جدا نہیں ہوں گا۔

اس اثناء میں بحر بن کعب (اور ایک قول کے مطابق حرملہ بن کاہل نزدیک پہنچا اور امام کو تلوار مارنا چاہی۔ اس شہزادے نے کہا: اے ناپاک عورت کے بیٹے وائے ہو تجھ پر تو مرے چچا کو قتل کرنا چاہتا ہے؟ اس ملعون نے تیزی سے تلوار چلائی تو اس بچے نے اپنا ہاتھ تلوار کے آگے سپر کردیا (تا کہ تلوار چچا کو نہ لگے) تلوار کے وار سے بچے کا ہاتھ جسم سے جدا ہو کر کھال سے لٹکنے لگا۔

بچے نے آواز دی: اماں جان (یا یہ آواز دی: چچا جان) امام حسینؑ نے اسے پکڑ کر سینے سے لگا لیا: اور فرمایا: میرے بھائی کے بیٹے! جو تمہارے ساتھ ہوا ہے اس پر صبر کرو۔ اور اسے نیکی جانو کہ خدائے متعال نے تمہیں شائستہ اور نیک آباواجداد سے ملحق کردیا ہے۔

اس کے بعد یہ ہاتھ آسمان کی طرف بلند کر کے عرض کیا! بار خدایا! اگر تو نے ان لوگوں کو ایک زمانے تک زندگی سے بہرہ ور کیا ہے تو تو انہیں متفرق کردے۔ اور پراگندہ گروہ بنادے اور حکومت کو ہرگز ان سے خوش نہ رکھ کیونکہ انہوں نے ہم سے کہا تھا کہ ہم آپ کی نصرت کریں گے لیکن یہ ہمارے دشمن بن گئے اور ہمیں قتل کیا۔

سید بن طاؤس اور ابن نما کی روایت کے مطابق: حرملہ بن کاہل نے تیر چلایا جو چچا کی آغوش میں بیٹھے اس بچے کے حلق مبارک کو ذبح کر گیا۔

(ارشاد: ۲/۱۱۴، لہوف/۱۲۲، مثیر الاحزان/۳/۷، تاریخ طبری: ۵/۴۵۰)

منتخب میں تحریر ہے: جب جناب زینبؑ نے یہ منظر دیکھا تو فریاد بلند کی: افسوس میرے بھائی کے بیٹے! کاش میں مرگئی ہوتی اور یہ دن نہ دیکھتی۔ کاش! آسمان زمین پر گر پڑتا اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گئے ہوتے۔ (وقائع الایام خیابانی/۴۶۰)

مقرم مرحوم نے اس شہزادے کا سن گیارہ سال تحریر کیا ہے۔ (مقتل مقرم/۳۵۴)

یکی طفلی برون آمد ز خرگاه
سوی شه شد روان چون قطعه ماه
هوای دیدن شه داشت بر سر
بدی شهزاده قاسم را برادر
درآندم خواهران را گفت آن شاه
که این کودک برون ناید ز خرگاه
ندارند این جماعت رحم برما
نه بر کودک نه بر پیرو نه برنا
گریزان از حرم گردید آن ماه
دوان تا رفت در آغوش آن شاه
شهش بگرفت همچون جان شیرین
بگفت ای یادگار یار دیرین
چرا بیرون شدی ازخرگه ای جان
نمی بینی مگر پیکان پران

بہ ناگہ کافری زان قوم گمراہ
حوالت کرد تیغی بر سر شاہ
ز بہر حفظ شہ کودک حذر کرد
بر آن تیغ دست خود سپر کرد
جدا گردید دست کودک از تن
بشد آویخته آن چون گرد دامن
چو دیدش حرملہ آن کفر بدبخت
بزد بر سینہ اش تیری چنان سخت
کہ کودک جان بداد و بی مہابا
پرید از دست شہ تا نزد بابا

(عمان سامانی)

(ان اشعار میں امامؑ کی مظلومیت، شہزادہ عبداللہ بن حسنؑ کی قربانی اور وفاداری نیز شہزادے کی شہادت کا مظلومانہ بیان منظوم صورت میں پیش کیا گیا ہے)

....۞............

امام مظلومؑ کی شہادت

شیخ مفیدؒ تحریر کرتے ہیں: جب امام حسینؑ کے خاندان سے تین افراد کے علاوہ کوئی باقی نہ بچا تو آپ نے لشکر کی طرف رخ کر کے (لڑتے ہوئے) اپنا دفاع کیا۔اور ان تین افراد نے دشمنوں سے دفاع کے لئے آپ کی حمایت کی یہاں تک کہ یہ تین افراد بھی شہید ہو گئے اور امام تنہا رہ گئے۔

آپ کے سر مبارک اور بدن اطہر پر لگے ہوئے زخم آپ کے لئے نہایت تکلیف دہ تھے۔لیکن آپ پھر بھی ان دشمنوں پر حملے کر رہے تھے اور انہیں اپنی تلوار کے برابر دائیں بائیں سے پراگندہ کر رہے تھے۔

حمید بن مسلم کہتا ہے: خدا کی قسم میں نے ایسا پریشان حال اور گرفتار مصیبت شخص کبھی نہیں دیکھا کہ جس کے بیٹے، افراد خاندان اور دوست سبھی قتل ہو چکے تھے۔لیکن وہ نہات ہمت سے اپنی جگہ پر ڈٹا ہوا تھا۔جب پیادے آپ پر حملہ آور ہوتے تھے تو آپ تلوار سے ان پر جوابی حملہ کرتے اور اپنے دائیں بائیں سے دشمنوں کو اس طرح بھگاتے تھے جس طرح بھیڑیئے کے آگے گوسفند بھاگتے ہیں۔

شمر ملعون نے جب یہ دیکھا تو سواروں کو آگے بڑھنے کو کہا اور انہیں پیادوں کے پیچھے کھڑا کیا۔اور تیراندازوں کو حکم دیا کہ تیر برسانا شروع کر دیں۔

آپ پر تیروں کی بارش ہونے لگی۔آپ کے بدن پر اس قدر تیر لگے کہ آپ کا بدن مبارک خار پشت کی صورت اختیار کر گیا۔پس آپ ان نامردوں سے جنگ کرنے سے رک گئے

اور دشمنوں نے آپ کو گھیرے میں لے لیا۔

جب آپ کی بہن زینبؑ نے یہ منظر دیکھا تو خیمہ سے باہر تشریف لائیں اور آواز دی۔

"وَيْلَكَ يَاعُمَرُ، أَيُقْتَلُ اَبُو عَبْدِاللّٰهِ وَاَنْتَ تَنْظُرُ اِلَيْهِ "؟

"اے عمر! تجھ پر حیف! ابا عبداللہ کو قتل کیا جا رہا ہے اور تو دیکھ رہا ہے۔ عمر نے جناب زینبؑ کو کوئی جواب نہ دیا اور طبری کی روایت (تاریخ طبری: ۴۵۲/۵) کے ساتھ ساتھ دوسرے مورخوں کے مطابق اس کے چہرے اور نحس ڈاڑھی پر آنسو جاری ہو گئے اور اس نے جناب زینبؑ کی طرف سے اپنا منہ پھیر لیا۔

جناب زینبؑ نے (لشکر اعداء سے مخاطب ہو کر) فرمایا:

"وَيْحَكُمْ أَمَا فِيكُمْ مُسْلِمٌ!

"وائے ہو تم پر! کیا تم میں کوئی بھی مسلمان نہیں ہے"

کسی نے جواب نہ دیا۔

شمر ملعون نے سواروں اور پیادوں کو آواز دی: تم پر وائے ہو اس شخص کے بارے میں کس بات کے منتظر ہو؟ (کس لئے کھڑے ہو) تمہاری مائیں تمہارا غم منائیں (یعنی حسینؑ کا کام تمام کردو)

وہ کم ظرف ہر طرف سے امام مظلومؑ پر حملہ آور ہو گئے۔ زرعہ بن شریک نے آپ کے بائیں شانے پر ایک وار کیا اور اسے جدا کر دیا اور دوسرا وار آپ کی گردن پر کیا۔ آپ نے بچنے کی کوشش کی۔ سنان بن انس نے آپ کو نیزہ مارا اور آپ زمین پر گر پڑے۔ خولی بن یزید آگے بڑھا اور گھوڑے سے اتر کر آپ کا سر تن سے جدا کرنا چاہا۔ اس کے بدن پر لرزہ طاری ہو گیا۔

شمر نے کہا: خدا تیرے بازو کو جدا کردے کیسے لرز رہا ہے؟

اور اس سنگ دل نے خود گھوڑے سے اتر کر مظلوم حسینؑ کا سر تن سے جدا کر دیا۔ پھر آپ کا سر اقدس خولی کو دے کر کہا: اسے عمر سعد کے پاس لے جاؤ۔ (ارشاد: ۱۱۵/۲)

مرحوم سید بن طاؤس تحریر کرتے ہیں: راوی کہتا ہے کہ جب امام حسینؑ زخموں کی

زیادتی کے سبب زین سے زمین پر آئے اور آپ کا بدن خارپشت کی طرح ہوگیا تو صالح بن وہب نے آپ کے پہلو پر ایسا نیزا مارا کہ آپ گھوڑے سے زمین پر آ گرے اور آپ نے اپنا دایاں پہلو خاک پر رکھا اور فرمایا:

بِسْمِ اللّٰهِ وَبِا للّٰهِ وَعَلٰی مِلَّةِ رَسُولِ اللّٰهِ

''اللہ کے نام سے اور اللہ کی نصرت سے اور رسول خدا کے دین پر۔ پھر زمین سے اٹھ بیٹھے''

راوی کہتا ہے جناب زینبؑ خیمے کے دروازے سے باہر آئیں۔ اور آواز دی۔

''وَاَخَاهُ ' وَسَيِّدَاهُ 'وَاَهْلَ بَيْتَاهُ 'لَيْتَ السَّمَاءِ اطْبَقَتْ عَلٰی الْاَرْضِ' وَلَيْتَ الْجِبَالِ تَدَكْدَ كَتْ عَلَى السَّهْلِ''

ہائے میرے بھائی، ہائے میرے آقا، ہائے میرے اہل خاندان، کاش آسمان زمین پر گر چکا ہوتا اور کاش پہاڑ بیابانوں میں بکھر گئے ہوتے''

راوی کا کہنا ہے کہ شمر نے چاروں طرف آواز دی: اس شخص کے بارے میں کس بات کے منتظر ہو؟ اس فرمان کو سن کر ہر سمت سے مظلومؑ پر حملے ہونے لگے۔

شمر کے یہ کہنے کے متعلق طبری تحریر کرتے ہیں: آپ اس حال میں کافی دیر زندہ رہے' اور اگر لشکر چاہتا کہ آپ کو قتل کرے تو وہ ایسا کر سکتا تھا۔ لیکن دشمن دستے آپ کے قتل سے پرہیز کرتے رہے اور ہر دستہ یہ چاہتا تھا کہ دوسرا دستہ ہی آپ کا خون اپنی گردن پر لے۔ اس وقت شمر نے ان کو آواز دے کر کہا: کیا انتظار کر رہے ہو.......... (تاریخ طبری: ۵/۴۵۲)

ابی مخنف تحریر کرتے ہیں: امام حسینؑ نے تین ساعت عروی زمین پر اپنے چہرے کو خون سے غلطان کیا اور فرمایا:

''صَبْرٌ اعَلٰی قَضَاءِكَ لَا اِلٰهَ سِوَاكَ 'يَا غِيَاثَ الْمُسْتَغِيثِيْنَ''

(مقتل ابی مخنف/۱۴۲)

[illegible] بن شریک نے امام کے بائیں شانے پر حملہ کیا۔ امام نے اپنی تلوار سے اسے خود

سے دور ہٹایا۔اس لعنتی نے آپ کے دوش مقدس پر تلوار کا دوسرا وار کیا جس سے آپ زمین پر گر پڑے۔آپ کی حالت نہایت خستہ تھی کیونکہ کمزوری اس قدر غالب آ چکی تھی کہ آپ اٹھنا چاہتے لیکن پھر گر پڑتے۔

اسی اثناء میں سنان بن انس نخعی نے آپ کے گلوئے مقدس کے نیچے نیزے کا ایک وار کیا' پھر اسے باہر کھینچا اور آپ کے سینہ اطہر کی ہڈیاں توڑ دیں۔اس ملعون نے ایک تیر آپ کی طرف چلایا،۔جو آپ کے گلوئے اقدس پر لگا اور آپ زمین پر گر پڑے۔

امامؑ اٹھے پھر بیٹھ گئے اور تیر اپنے گلے سے باہر کھینچا۔اپنی دونوں ہتھیلیاں اس خون کے نیچے رکھیں اور انہیں خون سے پر کر کے اپنے سر اور چہرے کو رنگین کرتے ہوئے فرمایا: میں اسی حالت میں کہ خون سے غلطاں ہوں اور میرے حق میں ظلم کیا گیا ہے،خداوند متعال سے ملاقات کرنا چاہوں گا۔

عمر سعد نے اپنے داہنے ہاتھ کھڑے شخص سے کہا: تم پروائے ہوا سے جلد راحت پہنچاؤ۔

راوی کا کہنا ہے: خولی بن یزید آگے بڑھا کہ آپ کے سر کو اتار لے جائے،لیکن اس کے بدن پر لرزہ طاری ہو گیا۔

پس سنان بن انس گھوڑے سے کودا اور مظلومؑ کے گلوئے اقدس پر تلوار کا وار کرتے ہوئے کہا: میں تمہارا سر بدن سے جدا کر رہا ہوں اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تم رسول خداؐ کے بیٹے ہو اور تمہارے ماں باپ تمام مخلوق سے بہتر ہیں۔پھر اس لعنتی نے آپ کے سر اقدس کو تن سے جدا کر دیا۔
(لہوف/۱۲۴)

علامہ مجلسیؒ کی نقل کے مطابق حصین بن نمیر نے ایک تیر آپ کے دہن مبارک پر مارا اور ابو ایوب غنوی نے آپ کے حلق پر تیر مارا۔جبکہ زرعہ بن شریک نے آپ کے کاندھے پر (تلوار کا) وار کیا اور سنان (لعنتی) نے آپ کے سینے میں نیزہ گاڑ دیا...... (بحار الانوار ۴۵/۵۵)

نہ ذوالجناح دگر تاب استقامت داشت
نہ سید الشہداءؑ بر جدال طاقت داشت
ھوا ز جور مخالف چو قیرگون گردید

عزیز فاطمہؑ ازاسب سرنگون گردید
بلند مرتبہ شاہی زصدر زین افتاد
اگر غلط نکنم عرش بر زمین افتاد
شفیع روز قیامت بہ خاک مسکن کرد
زمین بادیہ را رشک دشت ایمن کرد
کسی نبود بہ بالین آن امام زمن
زمین گرفت سر بی کسش بر دامن

اب نہ ذوالجناح میں تاب استقامت تھی' نہ سید الشہداء میں جنگ کی طاقت تھی۔ دشمنوں کے ظلم سے فضا تاریک ہوگئی اور فاطمہؑ کا بیٹا گھوڑے سے سرنگوں ہوا۔ بلند مرتبے والا بادشاہ زین سے گر پڑا۔ اگر میں غلطی نہیں کر رہا تو (یقیناً) عرش زمین پر گر پڑا شفیع روز قیامت نے خاک کو اپنا مسکن بنالیا۔ اور صحرائے کربلا نے زمین کو رشک صحرائے ایمن بنادیا۔ کوئی بھی اس امام کے سرہانے موجود نہ تھا۔ زمین نے خود اس بے کس کے سر کو اپنے دامن میں وصول کیا۔

جب حضرت زینبؑ اپنے بھائی کی لاش پہ پہنچیں تو شمر سے فرمایا:

دَعْنا نُوَدِّعهُ وَنَجلِسْ عِنْدَهُ
یاشِمْرُ قَبْلَ تَفَرُّقٍ وَفَنَاءِ
دَعْنا نُغَطِّی وَجْهَهُ بِرِداءِ
دَعْنا نُعالِجُ جُرْحَهُ بِدَواءِ
دَعْنا نُظِلُّ جِسْمَهُ یاشِمْرُ عَنْ
حَرِّ الْهَجِیْرِ وَنَفْخَةِ الرَّمْضاءِ
دَعْنا نَرُشُّ الماءَ فَوْقَ جَبِیْنِهِ
فَلَعَلَّهُ یَصْحُو مِنَ الاَ غْماءِ

"چھوڑ دو کہ میں (خود) حسینؑ کو وداع کروں کیونکہ دوبارہ مجھے اس کے پاس

بیٹھنے کا موقع نہ ملے گا۔ اس سے پہلے کہ ہمیں اس سے جدا کر کے قیدی بنالیا جائے گا"

"اے شمر! چھوڑ دو کہ میں حسینؑ کے چہرہ کو کپڑے سے ڈھانپ سکوں۔ چھوڑ دو کہ میں اس کے زخموں پر مرہم لگا سکوں"

اے شمر! چھوڑ دو کہ میں اس کے جسم کو سورج کی حرارت اور جلا دینے والی گرمی سے بچانے کے لئے ڈھانپ سکوں۔

میرا بھائی پیاس کی شدت سے بے ہوش ہوگیا ہے۔ مجھے مہلت دو کہ میں اس کے چہرے پر پانی چھڑک کر اسے ہوش میں لاسکوں۔

مقتل ابن عربی میں لکھا ہے کہ اس ظالم نے کعب نیزہ کو جناب زینبؑ کے سر پردے مارا کہ علی کی بیٹی ہٹ جاؤ تم دوبارہ اپنے بھائی کو نہیں دیکھ سکوگی۔ جناب زینب رونے لگیں۔ جب جناب زینبؑ کے رونے کی آواز امام مظلومؑ کے کانوں تک پہنچی تو آپ نے آنکھ کھولی اور فرمایا: (بہن) میرے بچوں کا ہاتھ پکڑو اور خیمے میں چلی جاؤ تا کہ مجھے تلوار کی دھار تلے نہ دیکھ سکو۔ (انوارالشہادۃ/۲۰۵ف۱۵)

امام مہدیؑ صاحب الزمان عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف زیارت ناحیہ میں فرماتے ہیں:

"قَدْ عَجِبَتْ مِنْ صَبْرِکَ مَلَائِکَةُ السَّمٰاوَاتِ ، فَأَحْدَ قُوابِکَ مِنْ کُلِّ الْجِهَاتِ، وَاَثْخَنُوکَ بِالْجِراحِ ،وَحالُو بَیْنَکَ وَبَیْنَ الرَّوٰاحِ ،وَلَمْ یَبْقَ لَکَ نَاصِرُ وَاَنْتَ مُحْتَسِبُ صٰابِرُ تَذُبُّ عَنْ نِسْوَ تِکَ وَاَوْلاٰ دِکَ ، حَتّٰی نَکَسُوکَ عَنْ جَوَادِکَ فَهَوَیْتَ اِلَی الْاَرْضِ جَرِیْحًا تَطُوکَ الْخُیُولُ بِحَوافِرِهٰا ، وَتَعْلُوکَ الطُّغٰاةُ بِبَوٰا تِرِهٰا ،قَدْ رَشَحَ لِلْمَوْتِ جَبِینُکَ، وَاخْتَلَفَتْ بِالْاِنْقِبَاضِ وَالاِ نْبِسَاطِ شِمٰالُکَ وَیَمِیْنُکَ تُدِیْرُ طَرْ فًا خَفِیًّا اِلٰی رَحْلِکَ وَبَیْتِکَ ،وَقَدْ شُغِلْتَ بِنَفْسِکَ عَنْ وُلْدِکَ وَاَهٰالِیکَ"

"آپؑ نے تمام دشواریوں اور مصیبتوں میں صبر وتحمل دکھایا یہاں تک کہ سماوات

کے ملائکہ نے آپؑ کے صبر پر تعجب کیا۔ دشمنوں نے ہر طرف سے آپؑ کا محاصرہ کر رکھا تھا اور زخموں کی زیادتی کے سبب آپ کو گرایا ہوا تھا۔ آپؑ پر رہائی کا راستہ بند کیا ہوا تھا۔ اور آپؑ کو (اتنی) فرصت نہ دی کہ آپ دن کو رات تک پہنچا سکیں۔ آپ کا کوئی مددگار باقی رہا تھا اور نہ عزیز آپ سب کو راہ خدا میں قربان کر کے صبر فرما رہے تھے اور اپنے اہل حرم اور بچوں کا دفاع کر رہے تھے۔ اس حال میں آپ کو گھوڑے سے گرا دیا گیا اور آپ کے جسم اطہر کو سر تا پا زخموں سے چور چور کر کے زمین پر پھینک دیا گیا۔ گھوڑے اپنے سموں سے آپؑ کو پامال کر رہے تھے۔ اور ظالم و سرکش اپنی تلواروں سے آپ پر وار کر رہے تھے۔ آپ کی پیشانی مبارک پر موت کا پسینہ جاری تھا۔ دائیں بائیں سے آپ کو انقباض و انبساط کا سامنا تھا (آپؑ اندر ہی اندر پیچ و تاب کھا رہے تھے) لیکن ابھی آپ کی نگاہیں حرم اور خیام کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ آپؑ پر جو بھی گزری آپ کو بچوں اور اہل بیتؑ کے خیال سے نہ روک سکی۔ (بحارالانوار:۱۰۱/۳۲۲)

مرحوم شوستری آپ کے صبر پر آسمان کے فرشتوں کے متعجب ہونے کے بارے میں فرماتے ہیں:

آپؑ کے صبر کو دیکھ کر ملائکہ بھلا تعجب کیوں نہ کرتے۔ آپؑ گرم ریت پر گرے پڑے تھے اور آپ کے تمام اعضاء تلواروں' تیروں اور نیزوں کے زخموں سے پارہ پارہ تھے۔ سر شگافتہ اور پیشانی شکستہ تھی۔ سینہ مبارک تیروں سے چھلنی تھا۔ دل نیزے سے سہ پہلو چاک تھا۔ ایک تیر حلقوم مبارک میں پیوست تھا۔ دوسرا ٹھوڑی کو خستہ حال کر چکا تھا اور ایک اور تیر پہلو کو شگافتہ کر چکا تھا، آپ کی زبان مبارک خشکی کے سبب تالو سے لگی ہوئی تھی۔ جگر پیاس سے پھٹ رہا تھا۔ اور ہونٹ خشک تھے۔ آپ کا قلب مبارک اپنے مقتول ساتھیوں اور بے کس بچوں کو دیکھ کر کڑھ رہا تھا۔ دست مبارک زرعہ بن شریک کے وار سے کٹ چکا تھا۔ نیزہ آپ کے پہلو میں پیوست تھا اور سر اور ریش مبارک خون سے خضاب شدہ تھے۔ اہل عیال اور بچوں کی صدائے استغاثہ ایک طرف، اور دوسری طرف سے دشمنوں کی شماتت و شتم جاری تھی۔ جب آپ آنکھ کھولتے تو بعض

لاشے آنکھوں کے سامنے آجاتے۔ اس سب کے باوجود آپ نے ایک آہ تک نہ بھری اور ایک آنسو تک نہ بہایا بلکہ یہ فرمایا:

صَبْرًا عَلٰی قَضَاءِ کَ، مَعْبُودَ سِوَاکَ یَاغِیَاثَ الْمُسْتَغِیْثِیْنَ "

''پروردگار! میں تیری قضا (وقدر) پر صابر ہوں' تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ اے فریاد کرنے والوں کی پناہ گاہ''

حضرت امام سجادؑ سے روایت ہے: جو چیز بھی آپ پر گراں گزرتی تھی یا شدید تر ہوتی تھی اس سے آپ کے رخساروں کا رنگ چمک اٹھتا تھا اور اطمینان بڑھ جاتا تھا۔ یہاں تک کہ کچھ لوگ کہہ اٹھے۔ حسینؑ کو دیکھو کہ وہ کس طرح موت سے بے خوف ہے۔

(الخصائص الحسینیہ/۱۳۹ اشک روان برامیر کاروان/۱۲۸)

"صَبْرًا عَلٰی قَضَاءِ کَ یَارَبِّ ، لاَ اِلٰهَ سِوَاکَ' یَاغِیَاثَ الْمُسْتَغِیْثِیْنَ، مَالِی رَبٌّ سِوَاکَ وَلاَ مَعْبُودَ غَیْرُکَ، صَبْرًا عَلٰی حُکْمِکَ، یَاغِیَاثَ مَنْ لاَ غِیَاثَ لَهُ یَادَائِمًا لاَ نَفَادَ لَهُ ' یَا مُحْیِیَ الْمَوْتٰی . یَا قَائِمًا عَلٰی کُلِّ نَفْسٍ بِمَاکَسَبَتْ اُحْکُمْ بَیْنِی وَبَیْنَهُمْ وَاَنْتَ خَیْرُ الْحَاکِمِیْنَ "

''پروردگار! میں تیری قضا (وقدر) پر صابر ہوں۔ تیرے سوا کوئی خدا نہیں۔ اے فریاد کرنے والوں کی پناہ گا! میرے نزدیک تیرے سوا کوئی پروردگار اور معبود نہیں۔ میں تیرے حکم پر صابر (وشاکر) ہوں۔ اے ایسے شخص کے فریادرس جس کا کوئی فریادرس نہ ہو۔ اور اے ایسے دائم جس کی کوئی غایت وانتہا نہیں۔ اے مردوں کو زندہ کرنے والے۔ اے وہ ہستی کہ موجودات کی جان اور سزا و جزا جس کے ہاتھ میں ہے۔ میرے اور ان لوگوں کے درمیان فیصلہ فرمادے کہ تو بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔ (مقتل مقرم /۳۵۷)

ابوحمزہ ثمالی کا کہنا ہے: میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا: اے فرزند رسولؐ!

"اَلَسْتُمْ کُلُّکُمْ قَائِمِیْنَ بِالْحَقِّ"؟

"کیا آپ تمام آئمہؑ قائم بالحق نہیں ہیں"۔

آپؑ نے فرمایا: کس طرح؟ میں نے عرض کیا: قائم (بارھویں امامؑ) کو قائم کیوں کہا گیا ہے؟

آپؑ نے فرمایا: جب ہمارے جد حسین علیہ السلام شہید ہوگئے تو فرشتوں نے نالہ وشیون کرتے ہوئے خدا متعال کی خدمت میں عرض کیا: اے پروردگار! اے ہمارے سردار!

"اَتَغْفُلُ عَمَّنْ قَتَلَ صَفْوَتَکَ وَابْنَ صَفْوَتِکَ وَخِیَرَتَکَ مِنْ خَلْقِکَ؟"

"کیا تیری ذات اپنے برگزیدہ بندوں میں سے بہترین بندے محمد مصطفیؐ کے فرزند ارجمند سے بے اعتنا ہے؟"

اللہ عزوجل نے ان پر وحی نازل فرمائی: اے میرے فرشتو! انتظار کرو۔

"فَوَ عِزَّتِی وَجَلَالِی لَأَنْتَقِمَنَّ مِنْهُمْ وَلَوْ بَعْدَ حِیْنٍ"

"مجھے اپنے عزت وجلال کی قسم میں ان سے حتما انتقام لوں گا، لیکن کچھ وقت گزرنے کے بعد"۔

پھر خداوند متعال نے امام حسینؑ کی نسل سے ہونے والے آئمہ اطہارؑ سے ان کو متعارف کروایا اور وہ مسرور ہوگئے۔

فَإِذَا أَحَدُ هُمْ قَائِمُ یُصَلِّی، فَقَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ بِذٰلِکَ الْقَائِمِ أَنْتَقِمُ مِنْهُمْ

''ان میں سے ایک (ہستی) حالت قیام میں مشغول تھے' اللہ رب العزت نے فرمایا: یہ قائم جو حالت قیام میں ہے، ان (ظالموں) سے انتقام لے گا''
(بحار الانوار :۵۱/ ۲۸ ب ۲ ح ۱)

اپنی شہادت کے وقت شمر لعین کے توسط سے امام مظلومؑ نے فرمایا تھا:

یا جَدّاہُ ' یَا مُحَمَّداہُ 'یا اَبَاالْقَاسِماہُ وَ یااَبَتَاہُ یا عَلِیَّاہُ ' یا اُمّاہُ یافاطِماہُ.

''میں مظلوم اور پیاسا شہید کیا جا رہا ہوں اور حالت غربت میں اس دنیا سے جا رہا ہوں۔'' (ینابیع المودۃ/ ۳۴۹ ب ۶۱)

شمر کہتا ہے: جب میں نے حسین علیہ السلام کے سر کو بدن سے جدا کرنا چاہا تو دیکھا کہ آپ کے دونوں لب حرکت کر رہے ہیں۔ میں نے سنا کہ آپ کہہ رہے تھے۔

اِلٰھِی شِیْعَتِیْ وَمُحِبِّی.

''خدایا! میرے شیعہ اور محب''۔ (معالی السبطین :۲/ ۲۵)

منقول ہے کہ جب شمر ملعون نے امام مظلوم کے قتل کا ارادہ کیا تو آپ کے لب مبارک حرکت فرما رہے تھے۔ اس نے سوچا کہ آپ اس پر نفرین کر رہے ہوں گے۔ جب وہ اپنا سر نزدیک لے گیا تو اس نے سنا کہ آپ فرما رہے ہیں: خدایا! میں نے اپنا عہد وفا کر دیا ہے اور اپنی جان تیرے راستے میں قربان کر دی ہے۔ اب تو بھی اپنا عہد پورا کر اور میرے ناناؐ کی امت کے گناہ گاروں کو بخش دے۔ اور میں جانتا ہوں کہ تو اپنے عہد کے خلاف ہرگز نہیں کرتا۔ (ریاض الشہادۃ:۲/ ۳۱ م ۲' اور اسی طرح تذکرۃ الشہداء/۱۳)۔

علامہ مجلسیؒ تحریر کرتے ہیں: امام زین العابدینؑ سے روایت ہے کہ سید الشہداء کا قاتل سنان بن انس لعین تھا۔ اور مشہور یہ ہے کہ شمر حرام زادہ گھوڑے سے اترا اور اس نے امام مظلومؑ کا سر تن سے جدا کرنا چاہا۔ تو مظلوم نے فرمایا: میں جانتا ہوں کہ میرا قاتل تو ہی ہے، اور میں نے

خواب میں دیکھا ہے کہ کچھ کتوں نے مجھ پر حملہ کر دیا ہے اور مجھے چیر پھاڑ رہے ہیں۔ اوران کے درمیان ایک ابلق رنگ کا کتا ہے جو مجھ پر زیادہ حملہ آور ہوتا ہے اور میرے نانا رسول خداؐ نے بھی اسی طرح خبر دی تھی۔

وہ حرام زادہ غصے سے پاگل ہوگیا اور کہنے لگا: آپ نے مجھے کتے سے تشبیہ دی ہے! اس وقت امامؑ کی پیاس نہایت شدید تھی اور آپ زبان مبارک سے پیاس کی شدت کا اظہار کررہے تھے (اور پانی طلب فرمارہے تھے)

اس ملعون نے کہا: اے ابوتراب کے بیٹے تو تو دعویٰ کرتا ہے کہ تیرا باپ ساقی کوثر ہے، صبر کر کہ وہ تجھے پانی پلائے۔ امامؑ نے فرمایا: تو مجھے جانتا بھی ہے اور پھر بھی مجھے قتل کر رہا ہے؟

اس لعین نے کہا: میں تجھے پہچانتا ہوں تیری ماں فاطمہ زہراؑ اور تیرا باپ علی مرتضیٰؑ ہے اور تیرا نانا محمد مصطفیؐ ہے۔ میں تجھے قتل کرتا ہوں، مجھے کسی کی کوئی پروانہیں ہے۔

پس اس لعین نے بارہ ضربوں سے آپؑ کا سر مبارک بدن اطہر سے جدا کیا۔

اورایک اور روایت کے مطابق خولی نے آپ کا سراقدس جدا کیا اوراظہر یہ ہے کہ یہ تینوں ملعون (اس ظلم میں) شریک تھے۔ البتہ سنان اور شمر کا عمل دخل زیادہ تھا۔

(جلاء العیون/۱۴۰ اور بحارالانوار: ۴۵/ ۵۶ سے رجوع فرمائیں)

مرحوم سپہر اور دوسرے (محقق) تحریر کرتے ہیں: پہلا شخص شبث بن ربعی ملعون تھا کہ جو تلوار کھینچے آگے بڑھا۔ امامؑ نے اس پر نظر ڈالی تو وہ ڈر گیا اور کانپنے لگا۔ تلوار اس کے ہاتھ سے گر گئی اور وہ بھاگ گیا، اور کہنے لگا۔ معاذ اللہ! میں خدا سے ملاقات کروں اور (اس حال میں کہ) خون حسینؑ میرے ذمے ہو۔

سنان بن انس جو کہ پیش وکوسہ (برص میں مبتلا اور صرف ٹھوڑی پر داڑھی رکھتا) کوتاہ صورت اور بدشکل تھا، شبث کو شماتت وشناعت کرتے ہوئے کہنے لگا۔ تیری ماں تجھ پر

روئے تو اسے قتل کیوں نہیں کررہا ہے۔ اس نے کہا: جب حسینؑ نے آنکھیں کھول کر میری جانب دیکھا تو مجھے ایسے محسوس ہوا کہ رسول خداؐ کی آنکھوں کو دیکھ رہا ہوں۔ سنان نے تلوار پکڑ لی اور قتل حسینؑ کا ارادہ کیا۔ جب نزدیک پہنچا تو اس پر بھی شدید لرزہ طاری ہوا اور وہ اس قدر خوف زدہ ہوا کہ تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی اور وہ بھاگ کھڑا ہوا۔

شمر نے اس کو سرزنش کی کہ کیوں بھاگ رہا ہے۔ اس نے جواب میں کہا: مجھے اس کے باپ کی شجاعت یاد آئی تو میں بھاگ کھڑا ہوا۔

اب خولی بن یزید ملعون آپ کے سر اطہر کو جدا کرنے کا مصمم ارادہ لئے ہوئے آگے بڑھا لیکن وہ چند قدم ہی آگے بڑھا ہوگا کہ ڈر کر واپس چلا گیا۔

شمر نے کہا: میں کیسے بزدل انسان دیکھ رہا ہوں! تم میں سے کوئی بھی اسے قتل کرنے کا مجھ سے زیادہ سزاوار نہیں۔ اس نے تلوار پکڑ لی اور سینہ حسینؑ پر سوار ہوگیا۔ آپ نے آنکھ کھولی اور اس پر نگاہ ڈالتے ہوئے فرمایا:

مَنْ اَنْتَ ؟ فَلَقَدِ ارْتَقَيْتَ مُرْتَقًى عَظِيْمًا ، طَالَ ما قَبَّلَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ

تو کون ہے؟ کہ اس بلند مقام پر چڑھ بیٹھا ہے کہ جو ہمیشہ بوسہ گاہ رسولؐ رہی ہے۔

اس نے کہا: میں شمر ہوں۔ آپ نے فرمایا: تو مجھے پہچانتا ہے؟ کہنے لگا: اچھی طرح پہچانتا ہوں۔ (ناسخ التواریخ:۲/۳۸۹، ینابیع المودۃ/۳۴۸ب۱۶)

ابی مخنف نقل کرتے ہیں: حضرتؑ نے شمر سے فرمایا:

اِذا كَانَ لَابُدَّ مِنْ قَتْلِي فَاسْقِنِي شَرْبَةً مِنَ الْمَاءِ.

اگر تو مجھے لازمی قتل کرنا چاہتا ہے تو مجھے ایک گھونٹ پانی پلادے۔ اس ملعون نے کہا: افسوس! آپ اس وقت تک پانی نہیں پی سکیں گے جب تک کہ قتل نہیں ہوجاتے۔

امامؑ نے فرمایا: تجھ پر لعنت ہو۔اپنے چہرے اور پیٹ سے کپڑا اٹھا۔

منتخب طریحی میں اس طرح آیا ہے لیکن ینابیع میں ابی مخنف کے حوالے سے اس طرح مسطور ہے:

فَكَشَفَ بَطْنَهُ فَإِذَا بَطْنُهُ اَبْرَصُ كَبَطْنِ الْكِلَابِ وَشَعْرُهُ كَشَعْرِ الْخَنَازِيْرِ . پیٹ کتے کی طرح کا تھا۔

امام نے فرمایا: میرے جد رسول خداؐ نے تمہارے بارے میں، میرے بابا علی علیہ السلام سے صحیح فرمایا تھا۔ میں نے اپنے والد گرامی سے سنا کہ وہ فرماتے تھے: یا علیؑ! تمہارے بیٹے کو ایک پیش شخص قتل کرے گا جس کا پیٹ کتے کے پیٹ کی طرح اور بال خنزیر کے بالوں کی طرح کے ہوں گے۔

(منتخب طریحی/۴۵۱ الدمعۃ الساکبۃ :۴/۳۵۸ ینابیع المودۃ/۳۴۹ ب ۶۱)

شمر نے آپ کو چہرے کے بل لٹایا اور تلوار کھینچ لی اور بارہ ضربوں سے آپ کا سر مبارک گردن سے کاٹ کر نیزے پر بلند کر دیا۔

اہل لشکر نے تین مرتبہ بلند آواز میں تکبیر کہی۔ اس وقت زمین لرز گئی اور مشرق و مغرب میں گھپ گھپ اندھیرا چھا گیا' اور لوگ لرزہ براندام ہو گئے۔آسمانی بجلی بار بار کڑکتی تھی اور آسمان سے تازہ خون برسا۔ (ناسخ التواریخ:۲/۳۹۲)

نافع بن ہلال سے روایت ہے کہ میں عمر سعد کے سپاہیوں کے پاس کھڑا تھا کہ ایک آواز سنائی دی: اے امیر! مبارک ہو شمر نے حسینؑ کو قتل کر دیا۔

راوی کہتا ہے: میں لشکر کے درمیان سے باہر گیا اور حسین علیہ السلام کے سرہانے کی دو صفوں میں کھڑا ہو گیا آپ جان کنی کے عالم میں تھے۔

فَوَاللّٰهِ مَارَأَيْتُ قَطُّ قَتِيْلاً مُضَمِخًا بِدَمِهِ اَحْسَنَ مِنْهُ وَلَا اَنْوَرَ وَجْهًا' وَلَقَدْ شَغَلَنِيْ نُوْرُ وَجْهِهِ وَجَمَالُ هَيْبَتِهِ عَنِ الْفِكْرَةِ فِيْ قَتْلِهِ.

''خدا کی قسم میں نے کبھی کسی خون میں غلطان شہید کو آپؑ سے زیادہ خوبصورت اور نورانی شکل میں نہیں دیکھا۔ کیونکہ میں آپ کے چہرے کے نور اور جلال و جمال میں اس قدر کھو گیا تھا کہ آپ کو قتل کرنے کا خیال ہی بھول گیا۔''

امامؑ نے اس حالت میں پانی طلب فرمایا۔

(لہوف/۱۲۸مثیر الاحزان/۷۵بحارالانوار:۴۵/۵۷)

کچھ اس طرح کہتے ہیں:

''فَاسْتَسْقٰی فِیْ تِلْکَ الحَالَۃِ شَرْبَۃً منَ الْمَاءِ.

''پس آپ نے اس حالت میں پانی کا ایک جام مانگا''

گویا یہ آخری موقع تھا' جیسا کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے فرمایا:

اُسْقُوْنِی شَرْبَۃً مِنَ الْمَاءِ وَجَدِّی لَکُمْ کَفِیْلُ.

''مجھے ایک جام پانی کا دے دو' تا کہ روز قیامت میرے جد بزرگوار تمہاری شفاعت کے ضامن ہوں''۔

دَعُوْنِی اَرِدُمَاءَ الْفُرَاتِ وَدُوْنَکُمْ قَتْلِی' فَکَبِدِی لِلظَّمَاءِ غَلِیْلُ.

''مجھے مہلت دو تا کہ خود کو فرات کے کنارے تک پہنچاؤں اور ایک گھونٹ پانی پی سکوں۔ اس کے بعد تم مجھے قتل کر دینا کیونکہ پیاس سے میرا جگر کباب ہو گیا ہے۔

(انوارالشہادۃ/۱۵اف۱)

بعض کتابوں میں کچھ اضافہ ہے: ہلال کہتا ہے: جس وقت آپ نے پانی مانگا۔ میں عمر سعد کے پاس گیا اور اسے کہا: حسینؑ اپنی زندگی کی آخری سانسیں لے رہے ہیں' مجھے اجازت دو کہ ان کے لئے پانی لے جاؤں۔

اس ملعون نے خاموشی اختیار کی۔ میں نے اس کی خاموشی کو رضا مندی جانا اور

جلدی سے ایک مشکیزہ پانی سے بھرا اور تیزی سے حسینؑ کی طرف پہنچا۔ میں نے دیکھا کہ شمر قتل گاہ سے نکل رہا تھا۔ اس نے مجھ سے پوچھا: کیا ارادہ ہے؟ میں نے اس سے سارا واقعہ بیان کیا۔

شمر نے کہا: میں نے حسینؑ کو قتل کر دیا ہے۔ میں نے اس سے کہا: تو لرز کیوں رہا؟ شمر نے سر منور کی طرف اشارہ کر کے کہا: جب میں اس سر کو جدا کر رہا تھا تو میں نے کسی کی فریاد سنی جو کہہ رہا تھا: "واَلَداهُ' واثَمرَةَ فُؤاداهُ" ہائے میرے بیٹے، ہائے میرے دل کے چین۔ میں سمجھ گیا کہ یہ آپ کی ماں فاطمہ زہراؑ کی فریاد ہے۔

(نہضت حسینی:۱/۱۶۲)

راوی کہتا ہے: اچانک سب نے مل کر آپؑ پر حملہ کر دیا۔ جیسا کہ آپؑ نے فرمایا: خدایا! تو نے ان میں سے کسی کے دل میں ذرا برابر رحم نہیں ڈالا۔ اور ابھی آپ ان سے یہ کہہ ہی رہے تھے کہ ان ملعونوں نے آپ کا سر تن سے جدا کر دیا۔ میں نے ان (ظالموں) کی بے رحمی پر تعجب کیا اور کہا: خدا کی قسم! میں تمہارے ساتھ کسی کام میں بھی شمولیت نہیں کروں گا۔ (لہوف/۱۲۹)

امام محمد باقرؑ نے فرمایا: میرے بابا عاشور کے دن حالت بیماری میں خیمے میں موجود تھے۔ میں نے اپنے دوستوں کو دیکھا کہ وہ امام حسینؑ کے پاس آ اور جا رہے تھے اور پانی لانے میں ان کی ہمراہی کر رہے تھے۔ امام حسینؑ پر اچانک میمنہ اور پھر میسرہ اور دوسری دفعہ قلب لشکر نے حملہ کیا اور آپ کو اس طریقے سے شہید کیا جس سے رسول پاکؐ نے منع فرمایا تھا، حتی کہ حیوانات کو بھی اس طرح ذبح نہیں کرنا چاہیے۔

(ہائے افسوس!) آپ کو تلواروں' نیزوں' پتھروں' لاٹھیوں اور اینٹوں سے مارا گیا اور اس کے بعد آپ کے بدن پر گھوڑے دوڑائے گئے۔

(بحارالانوار:۴۵/۹۱ ب ۳۷ ح ۳۰)

امام سجادؑ نے اہل کوفہ سے اپنے خطبے میں اس طرح فرمایا تھا:

أَنَا بْنُ مَنِ انْتُهِکَ حَرِیْمُهُ وَسُلِبَ نَعِیْمُهُ، وَانْتُهِبَ مَالُهُ وَسُبِیَ عِیَالُهُ اَنَا بْنُ الْمَذْبُوْحِ بِشَطِّ الْفُرَاتِ مِنْ غَیْرِ ذَحْلٍ وَلاَ تُرَاثٍ اَنَا بْنُ مَنْ قُتِلَ صَبْرًا

''میں اس کا بیٹا ہوں کہ جس کے احترام کی ہتک کی گئی اور جس کے اموال کو لوٹ لیا گیا، اس کی ثروت کو تاراج کر دیا گیا اور اس کے اہل و عیال کو قیدی بنالیا گیا۔ میں اس کا بیٹا ہوں جسے فرات کے کنارے بغیر کسی سابقہ رنجش اور عداوت کے ذبح کر دیا گیا۔ میں اس کا بیٹا ہوں جسے ''صبر'' کے طریقے سے قتل کیا گیا۔''

(یعنی آپ کو شکنجے میں پھنسا کر، آپ کے اردگرد گھیرا ڈال کر ہر کسی نے جو کچھ اس کے ہاتھ میں تھا آپ کے بدن مبارک پر مارا یہاں تک کہ آپ شہید ہوگئے) (لہوف ۱۵۷، بحار الانوار: ۴۵/۱۱۳، احتجاج: ۲/۳۲)

واعظ قزوینی کہتے ہیں: مجمع البحرین میں رسول خدا سے روایت ہے کہ آپؐ فرماتے ہیں: کسی بھی حیوان کو ''صبر'' کے طریقہ سے نہ ذبح کرو۔

زمانہ جاہلیت میں ''صبر'' کے طریقے سے قتل کرنے کا رواج تھا وہ جس جانور کو مارنا چاہتے تھے اسے محبوس کر لیتے اس کے بعد اس قدر پتھر، لاٹھیاں اور کلہاڑیاں اس کے جسم پر مارتے کہ وہ مر جاتا۔

(ریاض القدس: ۲/۱۶۸، مجمع البحرین: ۳/۳۶۰، نہایہ ابن اثیر ۳/۸)

معاویہ بن وہب نے امام جعفر صادقؑ سے عرض کیا: میرا ایک سوال ہے لیکن اس کے عرض کرنے میں شرمندگی محسوس کر رہا ہوں۔ امامؑ نے فرمایا: اے معاویہ بیان کیجئے۔ اس نے کہا: میں نے سنا ہے کہ آپؑ کے دادا حسینؑ کے جسم پر ایک ہزار نو سو پچاس زخم آئے تھے

اور یہ سب کے سب آنحضرت کے سامنے کے حصے پر لگے تھے۔ یہ کس طرح ممکن ہے؟

امامؑ نے یہ بات سنی تو ایک آہ بھری اور صدائے گریہ بلند کرتے ہوئے فرمایا:

یَابْنَ وَهَبٍ لَقَدْ جَدَّدْتَ اَحْزَانِیْ وَأَحْرَقْتَ قَلْبِیْ.

''اے وہب کے بیٹے تو نے میرا دل دکھا دیا ہے اور میری مصیبت کو تازہ کردیا ہے۔''

اے وہب کے بیٹے یہ حدیث صحیح ہے اور تمام کے تمام زخم آپ کی پیشانی سے لے کر ناف مبارک تک لگے تھے۔ لیکن اے فرزند وہب! یہ زخم اس طرح تھے کہ تلوار پر تلوار ،نیزے پر نیزہ اور تیر پر تیر لگا تھا۔ اور جن (ملعونوں) کے پاس کوئی ہتھیار نہیں تھا وہ پتھر اٹھاتے تھے اور مظلوم کے نازک بدن پر مارتے تھے۔

حَتّٰی صَارَ کَالْقُنْفُذِ.

''آپ کے جسم پر اس قدر تیر لگے کہ وہ خار پشت کی مانند بن گیا۔''

(انوار الشہادۃ/۶۰ ف ۵)

ذوالجناح کی خیموں میں واپسی

جب امام مظلومؑ گھوڑے سے گرے تو آپ کے گھوڑے نے آپ کی حمایت کی وہ (دشمن) سواروں پر پل پڑا اور انہیں زین سے زمین پر گرانے لگا۔ حتی کہ اس نے چالیس ملعونوں کو پامال کر کے رزق خاک بنایا۔ پھر اپنے آپ کو خون حسینؑ میں غلطان کیا۔ وہ اونچی آواز سے ہنہناتا ہوا اور پاؤں کو زمین پر مارتا ہوا خیموں کی طرف روانہ ہوا۔

(مناقب ابن شہر آشوب: ۴/ ۵۸، بحار الانوار: ۴۵/ ۵۶)

امام جعفر صادقؑ کی روایت میں اس طرح منقول ہے، اور حسین علیہ السلام کے گھوڑے نے اپنے ایال و کاکل کو ان کے خون میں غلطان کیا اور بہ آواز بلند ہنہناتا ہوا خیموں کی طرف دوڑا۔

جب نبی زادیوں نے گھوڑے کی آواز سنی تو خیموں سے باہر دوڑیں اور گھوڑے کی زین کو خالی دیکھ کر سمجھ گئیں کہ حسینؑ شہید ہو گئے: جناب ام کلثوم نے گھوڑے کے سر پر ہاتھ رکھا اور روتے ہوئے فرمایا: "وَامُحَمَّدَاہُ" نانا محمدؐ! (آپ کا) حسینؑ بیابان میں پڑا ہے اور اس کا عمامہ اور عبا لوٹ لئے گئے ہیں۔ (امالی صدوق/۱۶۳م ۳۰)

علامہ مجلسیؒ نقل کرتے ہیں:

حسین علیہ السلام کا گھوڑا (یزیدی لشکر سے بھاگ نکلا) جب عمر سعد ملعون نے حکم دیا کہ اسے پکڑ کر میرے نزدیک لاؤ) تو اس نے اپنے بال خون حسینؑ سے غلطان کئے اور خواتین کے خیموں کی طرف دوڑا اور ہنہناتا ہوا خیموں کے نزدیک پہنچا اور سر کو زمین پر مار مار

کر جان دے دی۔

جب اہل حرم نے امامؑ کے گھوڑے کو دیکھا تو گریہ وشیون کرنے لگے۔ ام کلثومؑ نے سر پر ہاتھ مارتے ہوئے فریاد کی:

وامُحَمَّدَاهُ ' وَاجَدَّهُ 'وَانَبِيَّاهُ ، وَاَبَاالْقَاسِمَاهُ وَاَعِلِيَّاهُ ' وَاجَعْفَرَاهُ ' وَاحَمْزَتَاهُ ' وَاحَسَنَاهُ .

یہ حسینؑ ہے جو کربلا کے بیابان میں پڑا ہے۔ اس کا سر پس پشت سے کاٹ دیا گیا اور عمامہ وردا لوٹ لئے گئے۔ پھر آپ بے ہوش ہو گئیں۔ (بحار الانوار: ۴۵/۶۰)

ہمہ از خیمہ ھا بیرون دویدند
ولی سالار زینبؑ را ندیدند

صاحب مناقب' ابن بابویہ' ابی مخنف اور صاحب منتخب نے کچھ لفظی تفاوت کے ساتھ روایت کی ہے کہ گھوڑے نے ابتداء میں امامؑ کے بدن شریف اور جسم لطیف کو سونگھا اور چوما اور اپنی پیشانی اور چہرے کو خاک وخون میں ملا۔

وَهُوَمَعَ ذٰلِکَ یصَهِل وَیَبْکِیْ بُکَاءَ الثُّکْلٰی حَتّٰی اُعْجَبَ کَلَّ مَنْ حَضَرَ.

''اس کے باوجود وہ گھوڑا پسر مردہ ماں کی طرح فریاد وفغاں کرتا تھا اور اس قدر روتا تھا کہ ہر موجود شخص تعجب کرتا تھا''۔

(جب کہ کوئی شخص بھی موجود نہ تھا جو امام مظلومؑ کی (شہادت کی) خبر اہل حرم تک پہنچائے) ذوالجناح خیموں کی طرف روانہ ہوا اور اس قدر نوحہ وفریاد کی کہ یہ آواز پورے بیابان میں پھیل گئی۔

جونہی اس حیوان کی آواز اہل حرم کے کانوں تک پہنچی جناب زینبؑ نے شہزادی سکینہؑ کی طرف دیکھ کر کہا: اے سکینہؑ! یہ میرے بھائی حسینؑ کا گھوڑا ہے جو (خیموں کی طرف

آرہا ہے۔شاید تمہارے بابا اس پر سوار ہوں۔

سکینہؑ خیموں سے باہر آئیں' ذوالجناح پر نظر دوڑائی تو دیکھا کہ بابا گھوڑے پر سوار نہیں تھے۔زین خالی تھی اور گھوڑے نے اپنے بال خون میں غلطان کر رکھے تھے سکینہ نے یہ منظر دیکھ کر فریاد بلند کی:

قُتِلَ وَاللّٰهِ الْحُسَيْنُ.

''خدا کی قسم حسین شہید ہو گئے''

پس نالہ وزاری بلند کی:

وَاقَتِيْلَاهُ ' وَاغَرِيْبَاهُ 'وَابُعْدَ سَفَرَاهُ 'وَاطُولَ كَرُبَاهُ 'وَاضَيْعَتَاهُ.

اورمنہ پر پیٹنے لگیں۔زینب عالیہؑ نے معصوم سکینہؑ کی آواز سنی تو آپ کے دل سے ''واحسیناہ'' کی صدائے نالہ بلند ہوئی' عورتیں خیموں سے باہر نکلیں۔سب نے اپنے لباس چاک کئے اور منہ پر پیٹتے ہوئے صدائے نالہ بلند کی:

وَامُحَمَّدَاهُ ' وَاعَلِيَّاهُ' وَافَاطِمَتَاهُ ' وَاحَسَنَاهُ ' وَاحُسَيْنَاهُ.

وہ کہتی تھیں:

اَلْيَوْمَ مَاتَ مُحَمَّدُ الْمُصْطَفٰى ' اَلْيَوْمُ مَاتَ عَلِيُّ الْمُرْتَضٰى اَلْيَوْمُ مَاتَتْ فَاطِمَةُ الزَّهْرَاءُ .

''آج محمد مصطفیٰ نے اس دنیا سے رحلت فرمائی' آج علی مرتضیٰ شہید کر دیئے گئے' آج فاطمہ زہراؑ انتقال فرما گئیں''۔

جب بیبیوں کے گریہ وفغاں کی آوازیں آسمان کے ملائکہ تک پہنچیں تو وہ بھی آہ وزاری کرنے لگے۔ (مہیج الاحزان/۲۷۷م۱۱'انوار الشہادۃ/۳۲۲ف۲)

حدیث میں منقول ہے کہ اہل حرم میں سے ایک خاتون نے ذوالجناح کی طرف

منہ کر کے فرمایا:

لَيۡسَ لَکَ الۡوَفاءُ لِمَ أَذۡهَبۡتَهُ وَماجِئۡتَ بِهِ.

''تو نے بے وفائی کیوں کی، انہیں لے گیا مگر واپس نہ لایا؟''

شہزادی سکینہؑ نے اپنے بازو ذوالجناح کی گردن میں حمائل کر دیئے اور اس کی گردن کے بالوں سے خون لے کر اپنے سر اور چہرے پر ملتے ہوئے فرمایا: اے ذوالجناح مجھے بتاؤ کہ۔

هَلۡ سُقِيَ أَبِيۡ أَوۡقُتِلَ عَطۡشانًا؟

''کیا کسی نے میرے بابا کو پانی پلایا یا انہیں پیاسا ہی شہید کر دیا گیا؟''

راوی کہتا ہے: جوں ہی گھوڑے نے سکینہؑ کی یہ بات سنی اس کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہوگئیں اور خیموں سے باہر نکل کر خود کو خاک پر گرا دیا اور اپنا سر زمین پر مارنے لگا یہاں تک کہ وفات پا گیا۔ ایک روایت کے مطابق دریائے فرات میں چھلانگ لگا دی اور غائب ہوگیا۔ (انوار الشہادۃ/۲۳)

امام زمانہ بقیۃ اللہ عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کی زیارت ناحیہ مقدسہ میں آتا ہے:

وَأَسۡرَعَ فَرَسُکَ شارِدًا اِلٰی خِيامِکَ قاصِدًا مُحَمۡحِمًا باكِيًا فَلَمَّا رَأَيۡنَ النِّساءُ جَوادَکَ مَخۡزِيًّا وَنَظَرۡنَ سَرۡجَکَ عَلَيۡهِ مَلۡوِيًّا بَرَزۡنَ مِنَ الۡخُدُوۡرِ ناشِراتِ الشُّعُورِ، عَلَى الۡخُدُوۡدِ لاطِماتِ الۡوُجُوۡهِ سافِراتٍ، وَبِالۡعَوِيۡلِ داعِياتٍ وَبَعۡدَ الۡعِزِمُذَلَّلاتٍ وَاِلٰى مَصۡرَعِکَ مُبادِراتٍ .وَالشِّمۡرُجالِسٌ عَلٰى صَدۡرِکَ وَمُولِغٌ سَيۡفَهُ عَلٰى نَحۡرِکَ قابِضٌ عَلٰى

شَبَّبَتکَ بِیَدِہٖ ذَابِحُ لَکَ بِمُهَنَّدِهِ قَدْ سَکَنَتْ حَوَسُکَ ' وَخَفِیَتْ اَنْفَاسُکَ ' وَرُفِعَ عَلَی الْقَنَاةِ رَاسُکَ.

''اورآپؑ کا گھوڑا نالہ وشیون کرتا ہوا آپؑ سے جدا ہوا۔ وہ ہنہناتا ہوا اورگریہ کرتا ہوا خیام حرم کی طرف تیزی سے بڑھا' جب مخدرات نے گھوڑے کو (آپؑ سے) خالی پایا تو خیموں کے سراپردہ سے برآمد ہوئیں ۔ان کے بال ان کے چہروں پر پریشان تھے' جن سے انہوں نے پردہ کا کام لے رکھا تھا۔ وہ اپنے چہروں پر پیٹتی تھیں اور بہ آواز بلند گریہ کرتے ہوئے آپ پر نوحہ خواں اور فریاد کناں تھیں ۔ وہ (مخدرات عصمت) عزت وآبرو کی زندگی کے بعد ذلت وخواری میں گرفتار ہوئیں اورآپ کی قتل گاہ کی طرف سے گزاری گئیں ۔اس عالم میں کہ شمرآپ کے سینے پر سوار تھااورآپ کے گلوئے مبارک پرتلوار چلا رہا تھا۔اس ملعون نے آپ کی ریش مبارک کو ہاتھ سے پکڑرکھا تھا اوراس نے آپؑ کا سربدن مبارک سے جدا کردیا۔آپؑ بے حس وحرکت پڑے تھے اورآپؑ کی سانسیں ڈوب چکی تھیں اور پھرآپ کا سرمبارک نیزے پر بلند کیا گیا۔ (بحارالانوار:۱۰۱/۳۲۲)

مرحوم سپہر رقم طراز ہیں: جب امام حسینؑ شہید ہوگئے تو آپ کے گھوڑے نے میدان میں فریاد بلند کی اور ہنہناہٹ کی ۔ابن سعد نے اپنے لشکریوں کو حکم دیا اس گھوڑے کو پکڑ کر میرے پاس لے آؤ یہ محمد مصطفیٰ کا گھوڑا ہے۔

لشکر کے سپاہیوں نے اسے پکڑنا چاہا تو اس نے اپنی ٹانگوں' سموں اور دانتوں سے ان پرحملہ کردیا اورانہیں زین سے زمین پرگرادیا۔

اور صاحب عوالم کی روایت کے مطابق چالیس افراد کو مار گرایا۔ابن سعد نے کہا: اسے چھوڑ دو، دیکھتے ہیں یہ کیا کرتا ہے۔جب وہ پاس گئے تو دیکھا کہ وہ اپنا سراور چہرہ امام

حسینؑ کے خون سے آلودہ کر رہا تھا اور اس کے بعد امام کے حرم سرا کی طرف روانہ ہوگیا۔

(ناسخ التواریخ:۲/۳)

امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

اَلظَّالِمَةُ الظَّالِمَةُ مِنْ اُمَّةٍ قَتَلَتْ اِبْنَ بِنْتِ نَبِيِّهَا وَهُمْ يَقْرَؤُونَ الْقُرْآنَ الَّذِىْ جَاءَ بِهِ اِلَيْهِمْ.

اس امت سے فریاد فریاد کہ جو پیغمبر کی بیٹی کے فرزند کو قتل کریں گے۔ اس حال میں کہ وہ اس قرآن کی تلاوت بھی کر رہے ہوں گے جو ان پر نازل ہوا۔ (ناسخ التواریخ:۵/۳)

دنیا اجڑ گئی

امام مظلومؑ کی شہادت کے وقت شدید سیاہ اور تاریک غبار نے آسمان کربلا کو ڈھانپ لیا۔ روز روشن، شب تاریک کی صورت اختیار کر گیا اور اس قدر سرخ آندھی چلی کہ کسی کو کچھ نظر نہیں آتا تھا۔

لوگوں نے سمجھا کہ ان پر عذاب نازل ہونے والا ہے۔ ایک ساعت (گھنٹہ بھر) یہ صورت حال رہی لیکن اس کے بعد فضا روشن ہوگئی۔ (لہوف/۱۲۷)

ابن قولویہ نے حبی سے روایت کی ہے کہ امام صادقؑ نے فرمایا: جب امام حسینؑ شہید ہوگئے تو ہمارے اہل بیتؑ نے مدینہ میں یہ آواز سنی کہ آج اس امت پر مصیبت نازل ہوگئی۔ یہ کبھی کوئی خوشی نہ دیکھیں گے جب تک کہ قائم آل محمدؑ عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کا ظہور نہیں ہو جاتا۔ جو تمہارے سینے کو (غم واندوہ سے) شفا بخشیں گے اور تمہارے دشمنوں کو قتل کر کے تمہارے مقتولین کے خون کا بدلہ لیں گے۔

پس یہ صدا سن کر سبھی جزع فزع کرتے ہوئے اٹھ بیٹھے اور کہنے لگے: کوئی ایسا حادثہ واقع ہو گیا ہے جس کی ہم کو خبر نہیں۔ جب امام مظلومؑ کی شہادت کی خبر (مدینہ) پہنچی تو انہوں نے حساب لگایا کہ وہ آواز اسی رات مدینہ میں سنی گئی تھی جس دن آپؑ کربلا میں شہید ہوئے تھے۔

راوی کا کہنا ہے کہ میں نے عرض کیا: میں آپؑ کے قربان! ہم آپ کس زمانے

تک قتل وغارت اور خوف ووحشت کا شکار رہیں گے؟

امام صادقؑ نے فرمایا: جب تک ظہور مہدیؑ نہیں ہو جاتا۔

جب امام حسینؑ شہید ہوگئے تو کسی نے لشکر کوفہ کے درمیان فریاد بلند کی اور لشکریوں سے کہا: میں کس لئے نالہ وفریاد نہ کروں کہ میں رسول خدا کو کھڑا دیکھ رہا ہوں۔ وہ ایک نظر زمین پر ڈالتے ہیں اور دوسری نظر تمہارے گروہ پر۔ مجھے خدشہ ہے کہ کہیں وہ اہل زمین پر نفرین نہ کردیں اور سب (لوگ) ہلاک ہو جائیں۔

لشکر کوفہ میں سے بعض نے بعض سے کہا: یہ دیوانہ ہے، اور ان میں سے جو توبہ کرنے والے تھے وہ اس آواز پر متنبہ ہوئے اور کہنے لگے: خدا کی قسم ہم نے اپنے آپ سے کیا کرلیا۔ سمیہ کے بیٹے کی خاطر ہم نے بہشت کے جوانوں کے سردار کو قتل کردیا اور انہوں نے عبداللہ (ابن زیاد) کے خلاف خروج کردیا اور معاملہ انتہا تک پہنچ گیا۔

راوی نے عرض کیا: میں آپ کے قربان' وہ فریاد بلند کرنے والا کون تھا؟ امامؑ نے فرمایا: وہ جبرئیلؑ کے علاوہ کوئی دوسرا نہ تھا۔ اور اگر اسے اجازت ہوتی تو وہ نعرہ بلند کرتا اوران کافروں کی روحیں ان کے جسموں سے نکل جاتیں اور وہ واصل جہنم ہوجاتے۔ لیکن خدائے متعال نے ان کو مہلت دی کہ ان کے گناہ اور بڑھ جائیں اور انہیں دردناک عذاب میں مبتلا کیا جائے۔ (کامل الزیارات/۳۳۶ ب ۱۰۸ ح ۱۴)

فرشتوں' پیغمبروںؑ اوران کے اوصیاء نیز جنات کے رونے' اور امام مظلومؑ پران کی عزاداری اور مرثیہ خوانی' اور شہادت مظلوم کے روز موجودات عالم پر مرتب ہونے والے اثرات: آسمان وزمین اور تمام موجودات کے گریہ کرنے اور دنیا کے منقلب ہونے اوراجڑ جانے' نیز مخالف آندھیوں کے چلنے' فضا کے متغیر ہو جانے، کسوف وخسوف' آسمان سے خون کے برسنے اور فضا کے اس قدر تاریک ہو جانے کہ دن کے وقت ستارے دکھائی دینے لگیں' نیز ہر اٹھائے جانے والے پتھر کے نیچے سے تازہ خون کے دیکھے جانے اور آسمان پر سرخی

نمودار ہونے وغیرہ کے بارے میں اس قدر زیادہ احادیث پیش کی گئی ہیں کہ جنہیں علمائے عامہ نے بھی اپنی کتب میں نقل کیا ہے۔

اس سلسلے میں بحارالانوار :(۴۵/۲۰۰تا۲۳۱'نفس المہموم /۲۷۶تا۲۹۶باب چہارم 'کامل الزیارات باب ۲۶ تا۳۱'احقاق الحق ۱۱/۳۵۸تا۳۹۰'منتہی الآمال :۱/۳۵۱'مقتل مقرم/۳۶۵تا۳۷۹)

اور اہل سنت کے منابع :طبقات ابن سعد جزء امام حسینؑ/۹۱ح ۳۲۶حلیہ الاولیاء :۲/۲۷۶' تفسیری طبری ۲۵/۷۴'تاریخ دمشق جلد امام حسین علیہ السلام/۲۴۵'مختصر تاریخ دمشق :۷/۱۴۹'مجمع الزوائد :۹/۱۹۷الصواعق المحرقہ /۱۹۴تذکرۃ الخواص /۲۴۵'ذخائر العقبیٰ /۱۴۵مقتل خوارزمی :۲/۸۹تا۹۱'الاتحاف بحب الاشراف /۲/۷'نظم درر السمطین /۲۲۰'کفایۃ الطالب /۴۴۴'المعجم الکبیر :۳/۱۱۳' ۱۱۹وتاریخ الخلفاء/۲۰۷سیر اعلام النبلاء :۳/۳۱۴'البدایۃ والنھایہ :/۱۷۱'کامل ابن اثیر :۴/۹۰'الذریۃ الطاھرۃ ذولابی/۱۳۵ح ۱۷۰'ینابیع المودۃ /۳۲۰تا۳۲۲ب۶۰وص۳۵۶ب۶۲وغیرہ سے رجوع فرمائیں۔

امام مظلومؑ کے لباس کی لوٹ کھسوٹ

راوی کہتا ہے: اس کے بعد ان لعینوں نے حسینؑ کے ملبوسات کو لوٹنا چاہا اسحاق بن حویہ حضرمی نے آپ کا پیراہن لوٹ لیا اور جب وہ ایسا کر رہا تھا تو وہ برص (پھلبہری کے مرض میں مبتلا ہو گیا اور اس کے بدن کے بال جھڑ گئے۔

روایت میں ہے کہ آپ کے پیراہن میں ایک سو دس سے زیادہ تیروں، نیزوں اور تلواروں کے نشان دیکھے گئے۔

امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں: امام حسینؑ کے پیکر مطاہر پر نیزوں کے انتالیس (۳۹) اور تلواروں کے تیس (۳۰) زخم موجود تھے۔

بحر بن کعب تیمی ملعون نے آپ کی شلوار لوٹ لی اور روایت میں ہے کہ وہ زمین میں دھنس گیا اور اس کے پاؤں نے حرکت ترک کر دی۔ اخنس بن مرثد (اور کچھ کے مطابق جابر بن یزید اودی) آپ کا عمامہ لوٹ کر لے گیا اور جونہی اس نے اسے سر پر رکھا وہ دیوانہ ہو گیا۔

آپ کے نعلین مبارک اسود بن خالد لعین نے لوٹ لئے۔ اور بجدل بن سلیم کلبی ملعون نے آپ کی انگوٹھی لوٹنے کے لئے انگوٹھی سمیت آپ کی انگلی کاٹ لی۔ جب مختار نے اسے پکڑا تو اس کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ کر اسے چھوڑ دیا وہ اپنے خون میں تڑپ تڑپ کر واصل جہنم ہوا۔

(لہوف/۱۲۹ بحار الانوار: ۴۵/۵۷ مثیر الاحزان/۷۶ مذکورہ بالا اشیاء کی ترتیب میں تبدیلی کے ساتھ)

محدث قمی تحریر کرتے ہیں: مقاتل کی کتابوں میں تمام شہداء کے لباس اور اسلحہ کولوٹ لیے جانے کے بارے میں مذکور نہیں ہے۔ لیکن یہی نظر آتا ہے کہ کوفہ کے گھٹیا لوگوں نے کسی شہید کی کوئی چیز نہیں چھوڑی ہوگی اور جو کچھ ان کے بدن پر تھا لوٹ لیا گیا۔

ابن نما رقم طراز ہیں: حکیم بن طفیل نے حضرت عباسؑ کا لباس مبارک اور اسلحہ لوٹ لیا، اور امام جعفر صادقؑ کی زیارت شہداؑ میں اس طرح منقول ہے:

وَسَلَبُوكُمْ لِابْنِ سُمَيَّةَ وَابْنِ آكِلَةِ الْاَكْبادِ.

سمیہ کے بیٹے کی خوشنودی کے لئے اور جگر کھانے والی کے بیٹے کی خوشی کے لئے آپ (کے لباس) کولوٹ لیا گیا۔

اور معتبر حدیث میں امام زین العابدینؑ سے کی گئی روایت میں مروی ہے:

وَكَيْفَ لَا أَجْزَعُ وَاَهْلَعُ وَقَدْ اَرىٰ سَيِّدِي وَاِخْوَتِي وَعُمُومَتِي وَوُلْدَ عَمِّيْ وَاَهْلِي مُصْرِعِيْنَ بِدِمَائِهِمْ مُرَمَّلِيْنَ بِالْعَرَاءِ مُسَلَّبِيْنَ، لَايُكَفَّنُونَ وَلَايُوارُوْنَ.

''میں کس طرح جزع فزع نہ کروں اور بے قرار نہ ہوں جب کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ میرے آقا (ابا عبداللہ الحسینؑ) اور میرے بھائی اور میرے چچا اور میرے چچا زاد اور میرے اہل خانہ کربلا کے بیابان میں خون میں غلطاں پڑے تھے ان کے لباس اور وسائل کولوٹ لیا گیا۔ انہیں بے کفن چھوڑ دیا گیا اور دفن تک نہ کیا گیا۔ (منتہی الآمال ۲/۴۹۸)

تاراجیٔ خیام

جب لشکر کوفہ نے امام مظلومؑ کو شہید کردیا تو وہ آل رسولؐ اور نور چشم بتولؑ کے خیموں کو لوٹنے کے لئے بڑھے (اور جو کچھ اسباب و اثاثہ لباس اور زیورات امامؑ کے عزیزوں کے پاس تھا، لوٹ لیا حتی کہ وہ ملعون مخدرات عصمت کے سروں سے چادریں بھی اتار کر لے گئے۔ پیغمبر کی بیٹیوں اور خاندان رسالت کی خواتین کو خیموں سے باہر نکال دیا گیا۔ جب کہ عمر سعد کے لشکر کا ایک دستہ اپنے مقتول ساتھیوں پر نوحہ سرائی کر رہا تھا۔

حمید بن مسلم روایت کرتا ہے کہ میں نے بکر بن وائل کے طائفہ کی ایک عورت کو دیکھا کہ جو اپنے شوہر کے ہمراہ عمر سعد کے ساتھیوں کے درمیان موجود تھی۔ جب اس نے لوگوں کو خواتین و دختران حسینؑ اور ان کے خیمے پر ہجوم کرتے ہوئے اور ان کو لوٹتے کھسوٹتے دیکھا تو تلوار ہاتھ میں پکڑ کر خیموں کی طرف بڑھی اور آواز دی:

اے قبیلہء بکر کے مردو! کیا رسول خداؐ کی بیٹیوں کے تن سے لباس بھی لوٹ لئے جائیں گے؟ اور "لَاحُکْمَ اِلَّا لِلّٰہ" (یہ خوارج کا شعار تھا) رسول خداؐ کی خون خواہی کے لئے قیام کیجئے۔ اس کے شوہر نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے اپنی قیام گاہ کی طرف لے گیا۔

(لہوف/۱۳۱)

شیخ مفید رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں: اور جو گھوڑے اونٹ اور مال اسباب تھا' سب کچھ لوٹ لیا گیا۔ یہاں تک کہ خواتین کے لباس (چادریں اور زیورات) بھی لوٹ

لئے گئے ۔حمید بن مسلم کہتا ہے: میں نے آپؑ کے خاندان کی کوئی ایسی عورت نہ دیکھی کہ جس کے جسم پر چادر بچی ہو اور لوٹ نہ لی گئی ہو۔ اور اگر کسی بی بی نے اس سلسلے میں رکاوٹ کی تو زبردستی اور ظلم سے اس کی چادر چھین لی گئی۔

پھر ہم علیؑ بن الحسینؑ کی طرف، جو کہ سخت بیماری کی حالت میں اور صاحب فراش تھے، بڑھے۔شمر کے ہمراہ پیادوں کا ایک گروہ تھا۔ وہ شمر سے کہنے لگے: ہم اس بیمار کو قتل کردیں میں نے کہا: سبحان اللہ! کیا بیماروں کو بھی قتل کیا جاتا ہے! یہ جوان مریض ہے جو بیماری اسے ہے یہی اس کے لئے کافی ہے ۔ پس میں ان سے چمٹا رہا تاکہ انہیں اس ارادے سے باز رکھوں۔

عمر سعد خیموں کے دروازے پر آیا۔مخدرات عصمت نے اس کے سامنے فریاد کی اور گریہ فرمایا ۔ ابن سعد نے اپنے ساتھیوں سے کہا کوئی شخص ان خواتین کے خیموں میں داخل نہ ہو اور کوئی اس جوان بیمار کو تنگ نہ کرے۔

بیبیوں نے اس سے درخواست کی کہ ہمارا جو سامان لوٹا گیا ہے وہ ہمیں واپس کرا دیا جائے تاکہ ہم اپنے جسموں کو ڈھانپ سکیں۔

عمر نے کہا: جس کسی نے بھی ان بیبیوں کی کوئی چیز چھینی ہے وہ انہیں واپس کردے لیکن خدا کی قسم کسی شخص نے ایک چیز بھی واپس نہ کی۔ (ارشاد:۲/۱۱۷)

جب شمر اس خیمے میں آیا کہ جس میں علیؑ بن الحسینؑ بستر بیماری پر پڑے تھے تو اس نے تلوار کھینچی کہ آپ کو شہید کردے ۔حمید بن مسلم نے کہا: سبحان اللہ! کیا اس بیمار کو قتل کرو گے؟! البتہ انہیں قتل نہ کیا گیا۔

بعض کا کہنا ہے: عمر سعد نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا: کیا تمہیں خدا سے شرم نہیں آتی کہ اس بیمار جوان کو قتل کرنا چاہتے ہو۔شمر ملعون نے کہا: عبیداللہ (ابن زیاد) کا حکم ہے کہ حسینؑ کے سبھی فرزندوں کو قتل کردیں۔

عمر نے اس کے سامنے رکاوٹ کی اور اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور اہل بیتؑ کے خیموں کو جلا دینے کا حکم دیا۔ (نفس المھموم/۳۷۹روضۃ الصفا:۳/۱۷۰)

فاطمہؑ بنت امام حسینؑ کا کہنا ہے: میں خیمے کے دروازے پر کھڑی تھی اور اپنے بابا اوران کے اصحاب کو اس حالت میں زمین پر پڑے دیکھ رہی تھی جیسے عید قربان کے دن گوسفندوں کو ذبح کیا جاتا ہے۔ ان پر گھوڑے دوڑائے جا رہے تھے۔ میں اس فکر میں تھی کہ بابا کے بعد بنی امیہ ہمارے ساتھ کیا سلوک کریں گے۔ آیا وہ ہمیں قتل کرتے ہیں یا قیدی بناتے ہیں؟ اچانک میں نے ایک سوار کو دیکھا جو خواتین کو نیزے سے مار رہا تھا اور انہیں بھگا رہا تھا۔ اور وہ ایک دوسرے کی پناہ لے رہی تھیں۔ ان کے سروں سے چادریں چھینی جا رہی تھیں اور ان کے زیورات اتارے جا رہے تھے، اور وہ فریاد کر رہی تھیں۔

(واجَدّاہُ واَبَتاہُ ' واعَلِیّاہُ وای از کمی یاور واحَسَناہُ)

ہائے ہمارے ناناؐ' ہائے ہمارے باباؑ' ہائے علی مولاؑ' افسوس مددگاروں کی کمی'
ہائے امام حسنؑ! کیا کوئی پناہ دہندہ نہیں جو ہمیں پناہ دے؟ کیا کوئی ایسا شخص نہیں جو دشمنوں کو ہم سے دور کرے۔

یہ حالت دیکھ کر میرا دل اڑنے لگا اور جسم لرزنے لگا میں نے خوف سے دائیں بائیں نظر دوڑائی اور اپنی پھوپھی ام کلثومؑ کی طرف لپکی (کہ ان کی پناہ لے سکوں) مبادہ وہ شخص میری طرف بڑھنے کا ارادہ کرے۔

اتنے میں اس شخص نے میری طرف بڑھنے کا ارادہ کیا، اور میری طرف روانہ ہوا۔ میں اس کے خوف سے بھاگی اور سوچا کہ میں اس سے محفوظ ہو جاؤں لیکن وہ میرے پس پشت سے آیا اور میرے دونوں شانوں کے درمیان ایسا نیزہ مارا کہ میں زمین پر گر پڑی اس نے میرے کانوں کو پھاڑ کر میرے گوشوارے چھین لئے۔ اور میری چادر (مقنعہ) بھی چھین لی۔ میرے سر اور چہرے سے خون رواں تھا اور سورج میرے سر پر چمک رہا تھا۔ میں (اس

حالت میں) بے ہوش ہوکر گر پڑی۔ ۔جب مجھے ہوش آیا تو میں نے اپنی پھوپھی کو دیکھا جو میرے پاس بیٹھی گریہ کر رہی تھیں اور کہتی تھیں (بیٹی) اٹھ بیٹھو کہ ہم چلیں ۔ دیکھو خواتین اور تمہارے بیمار بھائی پر کیا گزری ہے ۔پھر اتفاق سے ہم خیموں کی طرف چلیں تو کوئی خیمہ ایسا نہ تھا جسے لوٹا نہ گیا ہو۔ میرے بھائی علیؑ بن الحسینؑ (اپنے خیمے میں)پڑے تھے اور بھوک پیاس نیز بیماری کے سبب بیٹھنے کی قدرت نہ رکھتے تھے پس ہم ان پر روتی تھیں اور وہ ہم پر روتے تھے۔ (بحارالانوار:۴۵/۶۰)

فاطمہؑ بنت حسینؑ سے یہ بھی روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: میں بچی تھی اور سونے کے دو خلخال پازیبیں میرے پاؤں میں تھیں ۔ ایک نامرد(بے غیرت) میرے پاؤں سے پازیبیں کھینچتا تھا اور ساتھ ساتھ گریہ بھی کرتا تھا۔ میں نے کہا: اے دشمن خدا! تو روتا کیوں ہے؟ کہنے لگا کیسے نہ روؤں کہ رسول خداؐ کی بیٹی کو لوٹ رہا ہوں۔ میں نے کہا: اگر تو یہ بھی جانتا ہے کہ میں رسول خداؐ کی بیٹی ہوں تو پھر مجھے لوٹتا کیوں ہے؟ وہ کہتا تھا: اگر میں نہیں لوٹوں گا تو کوئی اور لوٹ لے جائے گا۔ (جلاء العیون/۴۶۲)

ملاحظہ کیجئے جہالت اور گمراہی' انسان کو کہاں لے جاتی ہے!

صاحبان مقاتل نے آل اللہ حزب اللہ) کے خیموں کی غارت گری اور ان کے اموال کی لوٹ کھسوٹ کے بارے میں ایسے ایسے واقعات تحریر کئے ہیں کہ قلم ان کو تحریر کرنے سے شرم محسوس کرتا ہے۔

سید الشہداؑ کے لاشہء اطہر کی پامالی

امام مظلومؑ کی شہادت کے بعد عمر سعد ملعون نے لشکر کے درمیان کھڑے ہو کر آواز دی: کون ہے جو انعام کا مستحق قرار پائے اور اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر حسینؑ کے پشت و سینہ کو ایک کر دے' اور جسم کو سموں سے پامال کرے؟

دس اشخاص اس کام کے لئے تیار ہوئے اور اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کر گھوڑے آپ کے بدن اطہر پر دوڑا دیئے۔ اور مظلوم و غریب امامؑ کے سینہ و پشت اور پہلو کی ہڈیوں کو چور چور کر دیا۔

(لہوف/۱۳۴' مثیر الاحزان/۷۸' ارشاد: ۲/۱۱۸' نفس المہموم/۳۷۷' بحار الانوار: ۴/۵۹، مناقب ۴/۱۱۱، مقتل خوارزمی ۲/۳۸، تاریخ طبری: ۵/۴۵۴، مقتل مقرم/۳۸۹ کامل ابن اثیر' مروج الذہب' بدایہ ابن کثیر' تاریخ الخمیس، اعلام الوری اور روضۃ الواعظین وغیرہ سے منقول۔ اور اس جرم و جنایت سے تاریخ کے چہرے کو سیاہ کر دیا۔

کافی (۱/۳۸۷ باب مولد الحسینؑ ح ۷) میں ایک حدیث میں نقل ہے کہ جب زینب کبریٰؑ اور اہل حرم متوجہ ہوئے کہ عمر سعد لعین لاشوں کی پامالی کا ارادہ رکھتا ہے تو فضہ کنیز حضرت زہراؑ نے عرض کیا: اس بیابان میں ایک شیر ہے' میں اس کے پیچھے جاتی ہوں تاکہ وہ اس کام میں مانع ہو۔

اس حدیث میں ظاہراً یہ ہے کہ شیر آیا اور مانع ہوا لیکن وہ تواریخ اور احادیث کہ

جن سے بعض (محدثین اور مورخین) نے نقل کیا ہے وہ اس کے برخلاف ہیں۔ چنانچہ بعض نے اس طرح بتایا ہے کہ جب شیر آیا تو کام تمام ہو چکا تھا۔ لیکن یہ حدیث کے ظاہر کے خلاف ہے۔

جب یہ دس افراد (جنہوں نے ان لاشوں پر گھوڑے دوڑائے تھے) ابن زیاد کے نزدیک پہنچے تو اسید بن مالک ملعون جوان میں سے ایک تھا' کہنے لگا:

نَحْنُ رَضَضْنَا الصَّدْرَ بَعْدَ الظَّهْرِ ٭

بِكُلِّ يَعْبُوْبٍ شَدِيْدِ الْأَسْرِ

ابن زیاد نے کہا: تم کون ہو؟ کہا ہم وہ لوگ ہیں جنہوں نے پشت حسین ؑ پر گھوڑے دوڑائے، یہاں تک کہ چکی چلنے کے عمل کی طرح اس کے سینے کی ہڈیوں کو نرم کر دیا۔

ابن زیاد نے حکم دیا: انہیں قلیل سا انعام دیا جائے۔

ابوعمر زاہد نے کہا: ان دس کے دس افراد کی تحقیق کی گئی ہے یہ سب کے سب زنا زادے ہیں۔

مختار نے (اپنے دور حکومت میں) انہیں تلاش کروایا اور ان کے ہاتھوں اور پاؤں میں میخیں گڑوا کر ان کی پشتوں پر گھوڑے دوڑا دیئے اور وہ اسی حالت میں واصل جہنم ہوئے۔ (لہوف/۱۳۵' بحارالانوار: ۴۵/۵۹)

زیارت ناحیہء مقدسہ میں آیا ہے:

تَطَؤُكَ الْخُيُوْلُ بِحَوَافِرِهَا

"اور اس کے بعد اس کے بدن پر گھوڑے دوڑا دیئے گئے"

(بحارالانوار: ۱۰۱/۳۲۲)

وَلَقَدْ اَوْطَاهُ الْخَيْلُ بَعْدَ ذٰلِكَ. (بحارالانوار: ۴۵/۹۱)

آپ نے اپنی شہزادی سکینہؑ کو قتل گاہ میں غشی کی حالت میں فرمایا:

وَأَنَا السِّبْطُ الَّذِیْ مِنْ غَیْرِ جُرْمٍ قَتَلُوْنِی

وَبِجُرْدِ الْخَیْلِ بَعْدَ الْقَتْلِ عَمَدًا سَحقُوْنِی

"میں پیغمبر کا بیٹا ہوں مجھے، بے جرم وخطا قتل کر دیا گیا اور قتل کرنے کے بعد وہ یہ ارادہ رکھتے ہیں کہ مجھ پر گھوڑے دوڑا کر میری ہڈیوں کو چور چور کر دیں۔ (تذکرۃ الشہداء:۳۷۳)

جناب ام کلثومؑ کی نظر جب اپنے بھائی کی لاش پر پڑی تو فرمایا:

فَجُثْمَانُهُ تَحْتَ الْخُیُوْلِ وَرَاسُهُ

عِنَادًا بِاَطْرَافِ الْاَسِنَّةِ تُرْفَعُ

اس کا چہرہ (سموں) سے پامال ہے اور سر نیزے پر بلند ہے

(تذکرہ الشہداء/۳۷۳)

آتش زدگی خیام

مرحوم سید بن طاؤس فرماتے ہیں: اس کے بعد خواتین کو خیموں سے باہر نکال دیا گیا اور خیام کو آگ لگا دی گئی۔

فَخَرَجْنَ حَوَاسِرَ مُسَلَّبَاتٍ حَافِيَاتٍ بَاكِيَاتٍ يَمْشِيْنَ سَبَايَا فِي أَسْرِ الذِّلَّةِ.

''مخدرات عصمت چادریں لٹنے کے بعد برہنہ سر، ننگے پاؤں، گریہ وفریاد کرتی ہوئیں خیموں سے باہر نکلیں اور انہیں قیدی بنالیا گیا' اور ظالم انہیں اس ذلت کے عالم میں اپنے ہمراہ کوفہ لے چلے''۔ (لہوف/۱۳۲)

ابن نما کا کہنا ہے سردار انبیاءؐ کی بیٹیاں اور جناب فاطمہ زہراؑ کی نور چشم اس عالم میں خیموں سے باہر آئیں کہ ان کے سر برہنہ تھے اور ان کے نوحہ اور گریہ وشیون کی فریاد بلند ہو رہی تھی اور وہ (اپنے) جوانوں اور بوڑھوں پر گریہ کر رہی تھیں۔ اس اثنا میں خیام کو آگ لگا دی گئی جس کے خوف سے وہ خیموں سے باہر نکلیں۔ (مثیر الاحزان/۷۷)

امام رضاؑ فرماتے ہیں: محرم وہ مہینہ تھا جس میں زمانہ جاہلیت کے لوگ بھی جنگ کو حرام سمجھتے تھے لیکن ہمارے خون کو اس مہینے میں بھی حلال سمجھا گیا اور ہماری حرمت کی ہتک کی گئی اور ہمارے بچوں اور عورتوں کو قیدی بنالیا گیا۔

وَأُضْرِمَتِ النِّيْرَانُ فِي مَضَارِبِنَا، وَانْتُهِبَ مَافِيْهَا مِنْ ثِقْلِنَا وَلَمْ

تُرَعَ لِرَسُولِ اللّٰہِ حُرمَۃٌ فِیْ اُمُرِنَا۔

اور ہمارے خیموں میں آگ لگا دی گئی اور جو کچھ ان میں قیمتی اور نفیس مال تھا لوٹ لیا گیا۔ اور ہمارے بارے میں رسول خداؐ کی حرمت کی بھی رعایت نہ کی گئی۔ (امالی صدوق/۱۲۸م۲۷ح۲)

بعض مقاتل میں مذکور ہے کہ جناب زینب کبریٰؑ امام زین العابدینؑ کی خدمت میں آئیں اور عرض کیا: اے گزشتگان (گزرے ہوؤں) کی یادگار اور باز ماندگان (باقی بچ جانے والوں) کے فریاد رس! ہمارے خیموں کو آگ لگا دی گئی ہے: ہمارے لیے (اس صورت حال میں) کیا حکم ہے؟ حضرت نے فرمایا:

عَلَیْکُنَّ بِالْفِرَارِ۔

''فرار اختیار کرو''

پس رسول خداؐ کی بیٹیاں فریاد کرتی ہوئیں اور گریہ کناں خیموں سے نکلیں۔ لیکن زینب کبریٰؑ امام زین العابدینؑ کے حرکت نہ کر سکنے کے سبب ان کے پاس کھڑی رہیں۔

راوی کہتا ہے: میں نے ایک بی بی کو دیکھا جو خیمے کے دروازے میں کھڑی تھی اور چاروں طرف سے آگ کے شعلوں میں گھری ہوئی تھی۔ کبھی وہ اپنے دائیں اور بائیں اور کبھی آسمان کی طرف نگاہ کرتی تھی اور کبھی خیمے میں داخل ہوتی اور باہر نکلتی تھی۔

میں تیزی سے اس کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: اے بی بی! آپ فرار کیوں نہیں اختیار کرتیں؟ جب کہ آگ آپ کے چاروں طرف شعلہ زن ہے، تمام بیبیاں بھاگ نکلی ہیں آپ ان سے ملحق کیوں نہیں ہوتیں؟

وہ بی بی رونے لگی اور فریاد کرنے لگی: اس خیمے میں میرا ایک بیمار ہے جو نہ بیٹھ سکتا ہے اور نہ چل سکتا ہے۔ اس حالت میں کہ جب آگ نے اسے گھیر رکھا ہے میں اس سے کیسے جدا ہو جاؤں۔ (معالی السبطین: ۲/۵۲)

شام غریباں

(گیارہویں کی رات)

دسویں محرم کی شام کے وقت (اہل بیتؑ کے) دو بچے خوف' وحشت اور پیاس کے سبب اس دنیا سے انتقال فرما گئے ۔ جب حضرت زینبؑ نے عورتوں اور بچوں کو جمع کیا تو دو بچے نہ ملے ۔ ان کی تلاش کی گئی تو وہ دونوں ایک دوسرے کے گلے میں باہیں ڈالے خوابیدہ نظر آئے ۔ جب ان دونوں کو حرکت دی گئی تو معلوم ہوا کہ وہ پیاس کی شدت کے سبب اس دار فانی سے رخصت ہو گئے ہیں۔

جب لشکری اس واقعہ سے آگاہ ہوئے تو انہوں نے ابن سعد سے کہا: ہمیں اجازت دو کہ ان (غریبوں) تک پانی لے جائیں۔

جب ان عزیزان حسینؑ کے لیے پانی لایا گیا تو انہوں نے یہ کہہ کر پانی پینے سے انکار کر دیا کہ ہم کیسے پانی پئیں جب کہ فرزند رسولؐ کو پیاسا ذبح کر دیا گیا؟

(معالی السبطین :۲/۵۲مقتل ابن العربی اور مرحوم شیخ محمد حسن کی نقل کے ساتھ انوار الشہادۃ ص۳۱ تا ۳۳ ف۲، میں مذکور ہے ۔)

مرحوم آیۃ اللہ بیرجندی کہتے ہیں: سید بن طاوسؒ کی روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب ان بے کس بیبیوں نے خیام کو نامحرم مردوں سے بھرا ہوا پایا تو "وَامُحَمَّدَاہُ وَعَلِيَّاہُ"

کی صدائیں بلند کیں۔ اور ننگے پاؤں شہداء کی قتل گاہ کا رخ کیا۔

''مقتل'' نامی کتاب میں محمد بن عبداللہ حائری سے روایت ہے کہ امام حسینؑ نے حضرت زینبؑ کو وصیت فرمائی تھی کہ میرے بچوں کو مجتمع رکھنا اوران کا خیال کرنا۔ خیام کی تاراجی کے بعد جناب زینبؑ ان بچوں کو اکٹھا کرنے کے لئے نکلیں جو بیابان میں سرگرداں تھے۔ تو زینبؑ عالیہ نے دو بچوں کوایک درخت کے نیچے دشمن کے خوف اور پیاس سے مردہ پایا۔

اوراس کی تائید بحارلاانوار میں منقول اس حدیث سے بھی ہوتی ہے۔

(بحارالانوار:۴۴/ ۳۰۸)

منقول ہے:

یَامُوْسٰی 'صَغِیْرُ ھُمْ یُمِیْتُهُ الْعَطَشُ وَ کَبِیْرُ ھُمْ جِلْدُهُ مُنْکَمِشُ.

''اے موسٰی ! ان کے بچے پیاس سے مرجائیں گے اور بڑوں کی جلدِ بدن پھٹ جائے گی''

لیکن انہیں سیدالشہداء کے اپنے بچوں کے علاوہ ہونا چاہیے۔

(کبریت احمر/۲۴۳جز۲م۲۰)

امامی مرحوم مقتل حائری کی عبارت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: فاضل بسطامی ''تحفۃ الحسینیہ'' میں امام عصر عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف سے روایت کرتے ہیں کہ:

جس وقت (فوج یزید نے) اہل بیتؑ کوسوار کرانا چاہاتو فہرست کے مطابق ایک بچہ اورایک بچی غائب تھے۔ عمر سعد کے حکم سے لشکریوں نے ادھر ادھر تلاش کیا لیکن یہ دو بچے نہ مل سکے۔ شمر ملعون مقام تفحص سے برآمد ہوا اور ہر طرف گھوڑا بھگایا۔ جب اس کا گزرایک درخت کے پاس سے ہوا تواس نے دیکھا کہ وہ بچے اس درخت کے سائے کے نیچے سوئے پڑے ہیں۔ اس ملعون نے گھوڑے سے جھک کرانہیں تازیانے مارنا شروع کیے لیکن انہوں نے کوئی حرکت نہ کی۔ یہ لعین گھوڑے سے اترا اوران کے چہروں پرتھپڑ مارنے

لگا۔ ان غریبوں نے پھر بھی حرکت نہ کی تو یہ لعین سمجھ گیا کہ یہ دونوں اس دنیا سے رحلت فرما چکے ہیں۔

اور شیخ ابو الفتوح کی کتاب ''مختار یہ'' سے معلوم ہوتا ہے کہ دو چھوٹی بچیاں، جن میں سے ایک امام حسنؑ کی بیٹی اور دوسری سید الشہداء امام حسینؑ کی بیٹی تھیں امام مظلومؑ کو خون میں غلطان دیکھ کر اس دنیا سے رحلت فرما گئیں۔

اور ''تحفۃ الذاکرین'' کرمانشاہی اور لسان الواعظین صفحہ ۴۲ پر یہ مضمون منقول ہے کہ جس وقت خیموں کو آگ لگائی گئی تو خیموں سے تئیس (۲۳) چھوٹے بچے برآمد ہوئے جو پیاس کی وجہ سے نڈھال تھے اور خوف کی وجہ سے کانپ رہے تھے۔

ایک بوڑھے لشکری نے عمر سعد سے کہا: اگر تمہارا خیال ان کو یزید کے پاس لے جانے کا ہے تو ان میں سے ایک نفر بھی شام میں زندہ نہیں پہنچے گا۔ ان کو پانی پلانے کا حکم دو تاکہ یہ پیاس سے مر نہ جائیں۔

عمر سعد نے کہا: ان کو پانی پلاؤ سقاؤں نے مشکیں پانی سے بھریں اور بیبیوں کے پاس پہنچے۔ سب سے پہلے رقیہ (پاکستانی ترویج کے مطابق سکینہؑ مترجم) کو سب سے چھوٹا ہونے کی وجہ سے پانی کا جام دیا۔ رقیہؑ نے پانی پکڑا اور مقتل کی جانب چل دیں

پوچھا گیا: تم کہاں جا رہی ہو:؟ کہا: میرے بابا جب میدان جنگ میں گئے تھے تو ان کے لب پیاسے تھے۔ میں چاہتی ہوں کہ یہ پانی ان کو پہنچاؤں۔

(ثمرات الحیاۃ:۲/۳۱۶)

گیارہویں کی رات زینب کبریٰؑ نے دیکھا کہ رقیہ خیمے میں نہیں ہے زینبؑ وام کلثومؑ رقیہؑ کی تلاش میں بیاباں میں نکلیں۔ جب مقتل میں پہنچیں تو دیکھا کہ رقیہ بابا کی لاش پر پڑی ہوئی ہے اور اپنے ہاتھوں کو بابا کے سینے سے چپکائے بابا سے درد دل بیان کر رہی ہے۔

زینب کبریٰؑ نے بہت کوشش کی کہ ننھی رقیہ کو بابا کے سینے سے جدا کر سکیں لیکن رقیہ

کسی قیمت پر ایسا کرنے کو تیار نہ تھیں۔لہذا بی بی زینبؑ نے ام کلثومؑ سے کہا: بہن خیمے میں جا کر سکینہؑ کو لاؤ شاید وہ ہی بہن کو باپ کے سینے سے جدا کر سکے۔

سکینہؑ آئیں اور رقیہؑ کو خیام میں واپس لانے پر راضی کیا۔ راستے میں سکینہؑ نے رقیہ سے کہا: اے بہن! تو نے بابا کو کیسے پہچانا؟

کہا: بہن! میں بابا بابا پکارتے ہوئے ادھر ادھر تلاش کر رہی تھی۔ اچانک میں نے ایک آواز سنی کہ کوئی کہہ رہا تھا: رقیہ ادھر آ جاؤ۔ جب میں پہنچی تو دیکھا کہ یہ مقتل ہے۔

محرمیہ نامی کتاب کے چھٹے صفحہ پر رقم ہے: زینب عالیہؑ نے گیارہویں کی رات ادھ جلے خیمے کی پشت سے جانسوز نالہ وشیون کی آواز سنی۔ تیزی سے آئیں تو دیکھا کہ علی اصغرؑ کی ماں رباب زار وقطار رو رہی ہیں۔فرمایا: اے بی بی! ہمیں ان بچوں کی خاطر صبر سے کام لینا چاہیے۔

رباب نے کہا: آج عصر کے وقت جب ہمیں پانی دیا گیا تو میری چھاتی میں دودھ اتر آیا۔میرا شیرخوار علی اصغرؑ کہاں ہے کہ اسے دودھ پلا سکوں؟

(نہضت حسینی: ۲/ ۱۸ تا ۲۱، البتہ ماخذ کتاب تحقیق کا طالب ہے)

بعض اہل علم وفضل نے نقل کیا ہے کہ: زینب عالیہؑ نے نماز شب کو تمام عمر ترک نہ فرمایا۔حتی کہ گیارہویں کی قیامت خیز) رات کو بھی۔

امام سجادؑ فرماتے ہیں: میں نے اس رات (بھی) اپنی پھوپھی زینبؑ کو دیکھا کہ نماز پڑھنے میں مشغول بیٹھی ہیں۔

اور فاضل بیر جندی نے بعض معتبر مقاتل سے روایت کی ہے کہ جب امام حسین نے اپنی بہن (زینبؑ) سے وداع فرمایا تو اس وداع آخر میں فرمایا:

یاأُختاهُ ، لاتَنسَینِی فِی نافِلَةِ اللَّیلِ .

اے بہن! نوافل شب میں مجھے فراموش نہ کرنا"۔

(زینب کبریٰ از علامہ نقدی/۸۱)

ابی مخنف نے طرماح بن عدی سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا: میں واقعہ کربلا کے مقتولین میں شامل تھا۔ (زخموں کی زیادتی کے سبب مقتل میں پڑا تھا لیکن مجھ میں کچھ رمق باقی تھی البتہ بے حال تھا۔

(خدا کی) قسم مجھے یاد پڑتا ہے کہ یہ خواب نہ تھا' میں نے بیس نورانی سواروں کو دیکھا کہ جنہوں نے سفید لباس پہن رکھے تھے۔ اوران سے اٹھنے والی مشک دغیرہ کی خوشبو ومشام جاں کو معطر کر رہی تھی وہ مقتل میں تشریف لائے۔ میں نے اپنے آپ سے کہا: شاید یہ ابن زیاد ہواوراپنے ساتھیوں کے ہمراہ امام حسینؑ کا مثلہ کرنے کے لئے آیا ہو۔ وہ سوار حسینؑ کے لاشے پر پہنچے۔ جوان سب کے آگے تھا وہ لاش حسینؑ کے پاس بیٹھ گیا اوراسے سینے سے چمٹالیا۔ اوراپنے ہاتھ سے کوفہ کی طرف اشارہ کرکے امام مظلومؑ کے خون آلود سر کومنگوایا اورآپؑ کے بدن پر رکھا یہ منظر دیکھ کر میرے ہوش دحواس اڑ گئے۔ میں نے خود سے کہا: ابن زیاد اس قدر قدرت ہرگز نہیں رکھتا۔ یعنی یہ ابن زیاد نہیں ہے۔ خوب غوروفکر کے بعد میں نے سوچا یہ بزرگوار رسول خداؐ ہوں گے۔ رسول خداؐ نے فرمایا: اے میرے بیٹے! تم پر سلام۔ سید الشہداءؑ نے جواب سلام دیا رسول خداؐ نے فرمایا:

يا وَلَدِیْ قَتَلُوْكَ أَتَراهُمْ ماعَرَفُوْكَ وَمِنَ الْماءِ مَنَعُوْكَ وَعَنْ حَرَمِ جَدِّكَ أَخْرَجُوْكَ ؟.

''اے میرے بیٹے! انہوں نے تمہیں قتل کر دیا! کیا تمہیں پہچانا نہ کہ تم پر پانی بند کردیا گیا اور تمہیں تمہارے جد کی حرمت سے خارج کر دیا گیا

ان پر افسوس' میرے بیٹے! تم نے اپنا تعارف کروایا ہوتا کہ شاید انہیں تم پر رحم آجاتا؟

امام حسینؑ نے روتے ہوئے فرمایا: ناناؐ جان! میں نے اپنا تعارف کروایا تو انہوں نے

کہا: ہم تمہیں اچھی طرح پہچانتے ہیں' لیکن پھر بھی مجھے ظلم اور دشمنی سے قتل کر دیا۔

اس وقت رسول خداؐ نے اپنے ہمراہیوں کی طرف منہ کر کے فرمایا: اے میرے باپ آدمؑ! اے میرے باپ نوحؑ' اے میرے باپ ابراہیمؑ، اے میرے باپ اسماعیلؑ، اے میرے بھائی موسیٰؑ اور اے میرے بھائی عیسیٰؑ! سب عرض کرنے لگے "لبیک" (یا رسول اللہؐ)

فرمایا: آپ نے دیکھا کہ میرے بعد میری امت کے شقی ترین لوگوں نے میری عترت کے ساتھ کیا سلوک کیا! خدا میری شفاعت انہیں نصیب نہ کرے۔ تمام پیغمبروںؑ نے آمین کہی اور دیر تک روتے رہے۔ انہوں نے رسول خدا کو تعزیت وتسلیت بھی کی۔ آپؐ نے خاک کی مٹھی اٹھائی اور اپنے سر اور داڑھی میں ڈال لی امام حسینؑ نے اپنے اور اپنے ساتھیوں کے مصائب بیان کئے تو رسول خدا نے انہیں سن کر نالہ وزاری کی یہاں تک کہ غش کھا گئے، اور میں سنتا اور دیکھتا رہا۔ پھر امام مظلوم کے بدن کو جیسا کہ وہ پہلے تھا چھوڑ کر کربلا سے چلے گئے۔

(مقتل ابی مخنف/۱۵۷، انوار نعمانیہ: ۳/۲۵۳ ریاض القدس: ۲/۲۰۱، ناسخ التواریخ: ۳/۱۵)

سرہائے شہداء کی کوفہ روانگی

عمر سعد نے امام حسینؑ کا سر مبارک روز عاشور ہی کو خولی بن یزید اور حمید بن مسلم ازدی کے ہاتھ عبید اللہ ابن زیاد کو بھیج دیا۔ اور حکم دیا کہ آپؑ کے ساتھیوں اور عزیزوں کے سروں کو جدا کردو (جو کہ شیخ مفید علیہ الرحمہ کی روایت کے مطابق ۷۲ تھے اور انہیں شمر بن ذی الجوشن، قیس بن اشعث اور عمرو بن حجاج کے ہمراہ کوفہ روانہ کردیا اور خود عمر بن سعد گیارہویں محرم کی ظہر تک کربلا میں رہا۔ پھر کوفہ روانہ ہوگیا۔ (ارشاد: ۲/۱۱۸، لہوف ۱۴۲)

خولی نے امام حسینؑ کے سر مبارک کو اٹھایا اور اسی رات تیزی کے ساتھ کوفہ پہنچ گیا چونکہ رات کا وقت تھا اور ابن زیاد سے ملاقات ممکن نہ تھی اس لئے اپنے گھر چلا گیا اس ملعون کی دو بیویاں تھیں ایک بنی اسد میں سے اور دوسری نوار بنت مالک اور یہ رات نوار کی تھی۔

طبری اور ابن نما نے خولی کی بیوی نوار سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا: وہ ملعون آنحضرتؑ کے سر کو گھر میں لایا اور تغار کے نیچے رکھ دیا۔ اور خود کمرے میں داخل ہو کر اپنے بستر میں آرام کرنے لگا۔

میں نے اس سے کہا: کیا خبر لائے ہو؟ کہنے لگا: تمہارے لئے ایک زمانے کی دولت لایا ہوں: سر حسینؑ تمہارے گھر میں ہے۔

میں نے کہا تجھ پر لعنت' لوگ تو سونا چاندی لائیں اور تو رسول خداؐ کے بیٹے کا سر لے آیا ہے۔ خدا کی قسم میں ہرگز تمہارے ساتھ ہمبستری نہیں کروں گی۔

وہ کہتی ہے: میں بستر سے اٹھی اور گھر کے صحن میں آئی اور اس تغار کے پاس جس کے نیچے سر مطہر رکھا ہوا تھا آ کر بیٹھ گئی۔ خدا کی قسم میں نے آسمان کا ایک ستون دیکھا کہ جو اس جگہ سے آسمان تک بلند تھا۔ اور اس کے اردگرد سفید رنگ کے پرندے طواف کر رہے تھے جب صبح ہوئی تو وہ ملعون سر مبارک کو ابن زیاد کے پاس لے گیا۔

(تاریخ طبری: ۵/۴۵۵ نفس المہموم/۳۸۲ منتہی الآمال:۱/۴۰۱)

دوسری روایت کے مطابق خولی نے امام حسینؑ کے سر کو اٹھایا اور کوفہ کا رخ کیا۔ اس کی منزل کوفہ سے ایک فرسخ کے فاصلے پر تھی چنانچہ اپنے گھر چلا گیا۔ اس کی بیوی انصار میں سے تھی اور اہل بیتؑ کو دل و جان سے دوست رکھتی تھی۔

خولی نے اس کے ڈر سے امامؑ کے سر کو ایک تنور میں چھپا دیا، اور خود اپنی جگہ پر چلا گیا۔ اس کی بیوی نے پوچھا۔ تم یہ چند روز کہاں رہے؟ اس نے جواب دیا: ایک شخص یزید کا باغی تھا، ہم اس کے ساتھ جنگ کے لئے گئے ہوئے تھے۔ عورت نے کوئی بات نہ کی اور کھانا لائی' خولی نے کھانا کھایا اور سو گیا۔

وہ عورت ہر رات نماز شب کے لئے اٹھتی تھی۔ جب اس رات اٹھی تو گھر کو روشن دیکھا جیسے لاکھوں شمعیں اور چراغ روشن کئے گئے ہوں۔ جب اس نے غور سے دیکھا' تو روشنی اس تنور سے ابھر رہی تھی۔ وہ متعجب ہوئی کہ میں نے تو اس تنور میں آگ ہی نہیں جلائی ، یہ روشنی کہاں سے آ گئی؟۔

اس حال میں کہ یہ نور آسمان کی طرف اٹھ رہا تھا۔ اس نے چار عورتوں کو دیکھا جو آسمان سے اتریں اور اس تنور کے پاس پہنچیں۔ ان میں سے ایک نے اس سر کو تندور سے باہر نکالا۔ اسے چوما' اپنے سینے سے لگایا اور روتے ہوئے فرمایا: ہائے ماں کے شہیدؑ! ہائے ماں کے مظلومؑ! خداوند متعال قیامت کے دن تیرے قاتلوں سے میرا انصاف کرے گا۔ اور جب تک مجھے انصاف نہ ملا میں پایۂ عرش سے ہاتھ نہیں اٹھاؤں گی۔ وہ عورتیں بہت روئیں

اوراس سر کو تنور میں رکھ کر غائب ہوگئیں۔

وہ عورت اٹھی اور تنور کے پاس جا کر اس سر کو باہر نکالا اور اسے غور سے دیکھتی رہی چونکہ اس نے امام حسینؑ کو بہت دیکھ رکھا تھا۔ لہٰذا پہچان گئی۔ اس نے ایک چیخ ماری اور بے ہوش ہوگئی۔ اس بے ہوشی کے عالم میں اس نے ایک ہاتف کی آواز سنی کہ اٹھ بیٹھو تمہارا تمہارے شوہر کے گناہ میں مواخذہ نہیں کیا جائے گا۔

اس عورت نے ہاتف (غیبی) سے پوچھا: یہ چار عورتیں جو تنور کے پاس آ کر گریہ وزاری کرتی رہی ہیں یہ کون تھیں؟ آواز آئی: وہ خاتون جس نے اس سر کو سینے سے لگایا اور سب سے زیادہ روتی رہی وہ فاطمہ زہراؑ تھیں۔ اور دوسری ان کی والدہ محترمہ خدیجہ کبریٰ ' تیسری عیسیٰ کی ماں مریم اور چوتھی آسیہ زوجہء فرعون تھیں۔

جب وہ عورت ہوش میں آئی تو کسی کو نہ پایا۔ سر کو اٹھایا اور چومنے لگی۔

(روضۃ الشہداء/۳۶۱)

خولی کی بیوی کا کہنا ہے: میں بے ہوش پڑی تھی اور میں نے غشی کے عالم میں دیکھا کہ بہشت کی حوریں آئی ہیں۔ اچانک میں نے دیکھا کہ آسمان سے پانچ عماریاں اتری ہیں۔ ان سے سیاہ لباس پہنے کچھ عورتیں برآمد ہوئیں اور تنور کے گرد حلقہ باندھ کر ماتم کرنے لگیں۔ ان کے درمیان ایک بی بی نے جس کا سن مبارک ان سب سے کم تھا اور گریبان پھٹا ہوا تھا، روتے ہوئے سر مبارک کو تنور سے باہر نکالا اور سینے پر رکھ کر آہ و فریاد کرنے لگی اور فرماتی تھی:

''وَلَدِی ' وَلَدِی ' یا حُسَیْنُ ' أَیُّھَا الشَّھِیْدُا ' أَیُّھَا الْمَظْلُوْم ' قَتَلُوکَ ! وَمَا عَرَفُوْکَ وَمِنْ شُرْبِ الْمَاءِ مَنَعُوکَ''

''میرے بیٹے' میرے بیٹے' اے حسینؑ' اے شہید' اے مظلوم' تجھے قتل کر دیا گیا! اور تجھے پہچانا نہ گیا اور تجھ پر پانی بند کر دیا گیا''

شہید ثالث ''مجالس'' میں تحریر فرماتے ہیں: خولی کی بیوی نے کہا: میں نے دیکھا کہ اس بی بی نے خون سے بھرے اس سر کو اپنے زانو پر رکھا وہ اپنی چادر کے ایک کونے سے اس کے سر، چہرے اور ریش مبارک سے خاک و خون کو پونچھتی تھی اور فرماتی تھی:

حسینؑ جان! زمین اپنی اس وسعت کے باوجود تم پر تنگ ہوگئی......

(ریاض القدس: ۲/۲۰۵)

گیارہ محرم الحرام
اسیری خاندان حسینؑ

جب عمر سعد ملعون نے شہدائے عظام کے سروں کو کوفہ روانہ کر دیا تو دسویں محرم کا
ن اختتام کو پہنچا۔ وہ گیارہ محرم کی ظہر تک کربلا ہی میں رہا اور اپنے لشکر کے مقتولین پر نماز
جنازہ پڑھ کر انہیں دفن کیا۔ جب کہ عزیز فاطمہ (حسینؑ) اور ان کے ساتھیوں کو عریاں
حالت میں زمین کربلا پر ہی چھوڑ دیا گیا۔

اس وقت امام مظلومؑ کے پسماندگان اور اہل و عیال کو کربلا سے کوچ کا حکم دیا گیا
ور انہیں بے کجاوہ اونٹوں پر سوار کیا گیا۔ ان مظلوموں کو رسول خداؐ کی امانت ہونے کے
اوجود دشمن کی سپاہ کے درمیان خستہ حالی میں بغیر محملوں اور بغیر سایہ و سائبان کے ترک اور
روم کے قیدیوں کی طرح قید و بند کی سخت ترین صعوبتوں کا نشانہ بنایا۔ سید سجادؑ کے گلے میں
ہنی طوق پہنایا گیا' جس کے دونوں طرف زنجیر لگے ہوئے تھے۔ جن کے ذریعے آپؑ کے
ونوں ہاتھ بھی گردن سے باندھ دیئے گئے تھے اور زنجیر کے دونوں سرے دبانے سے دونوں
تھ باہم مل گئے تھے کہ دوبارہ جدا نہ ہوئے۔ اس حالت میں ان مظلوموں کو قتل گاہ شہداء
سے گزارا گیا جوں ہی بیبیوں کی نظریں امام حسینؑ اور دیگر شہداء کے ابدان مبارک پر پڑیں
ز وہ اپنے منہ پیٹ کر رہ گئیں، اور نالہ و بین کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔

(نفس المہموم/۳۸۵ منتہی الآمال :ا/۴۰۲ بحار الانوار : ۴۵/ ۱۰۷)

مرحوم سید بن طاؤس فرماتے ہیں: بیبیوں کو برہنہ سر اور برہنہ پا خیموں سے باہر لایا گیا اور اور انہیں اسیری کی ذلت سے دو چار کیا گیا۔ بیبیاں فریاد کرتی تھیں کہ تمہیں خدا کی قسم ہمیں مقتل حسینؑ کی طرف سے لے چلو۔

عمر سعد اور اس کے ساتھیوں نے ایسا ہی کیا۔ جب خاندان رسولؐ و بتولؑ کی نظریں مقتولین کے لاشوں پر پڑیں تو وہ بین کرتی تھیں اور اپنے چہروں کو (پیٹتی) اور نوچتی تھیں۔

قَالَ فَوَاللّٰهِ لاَ اَنْسٰى زَيْنَبَ بِنْتَ عَلِيٍّ تَنْدُبُ الْحُسَيْنَ وَتُنَادِيْ بِصَوْتٍ حَزِيْنٍ وَقَلْبٍ كَئِيْبٍ : يَامُحَمَّدَاهُ ، صَلّٰى عَلَيْكَ مَلاَئِكَةُ (مَلِيْكُ)السَّمَاءِ ، هٰذَا حُسَيْنٌ مُرَمَّلٌ بِالدِّمَاءِ، مُقَطَّعُ الْاَعْضَاءِ ، وَبَنَاتُكَ سَبَايَا اِلَى اللّٰهِ الْمُشْتَكٰى وَاِلٰى مُحَمَّدٍ الْمُصْطَفٰى ، وَاِلٰى عَلِيٍّ الْمُرْتَضٰى ، وَاِلٰى فَاطِمَةَ الزَّهْرَاءِ ، وَاِلٰى حَمْزَةَ سَيِّدِ الشُّهَدَاءِ يَامُحَمَّدَاهُ هٰذَا حُسَيْنٌ بِالْعَرَاءِ تُسْفِيْ عَلَيْهِ الصَّبَا ، قَتِيْلُ اَوْلاَدِ الْبَغَايَا، وَاحُزْنَاهُ وَاكَرْبَاهُ اَلْيَوْمَ مَاتَ جَدِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ يَا اَصْحَابَ مُحَمَّدَاهُ ، هٰؤُلاَءِ ذُرِّيَّةُ الْمُصْطَفٰى يُسَاقُوْنَ سَوْقَ السَّبَايَا، وَفِيْ رِوَايَةٍ: يَامُحَمَّدَاهُ بَنَاتُكَ سَبَايَا وَذُرِّيَّتُكَ مُقَتَّلَةٌ .تُسْفِيْ عَلَيْهِمْ رِيْحُ الصَّبَا، وَهٰذَا حُسَيْنٌ مَجْزُوْزُ الرَّأْسِ مِنَ الْقَفَا مَسْلُوْبُ الْعِمَامَةِ وَالرِّدَاءِ بِاَبِيْ مَنْ لاَ غَائِبَ فَيُرْتَجٰى وَلاَ جَرِيْحَ فَيُدَاوٰى ، بِاَبِيْ مَنْ نَفْسِي لَهُ الْفِدَاءُ بِاَبِيْ الْمَهْمُوْمِ حَتّٰى قَضٰى بِاَبِي الْعَطْشَانِ حَتّٰى مَضٰى بِاَبِيْ مَنْ شَيْبَتُهُ تَقْطُرُ بِالدِّمَاءِ .بِاَبِيْ

مَنْ جَدُّهُ مُحَمَّدُا الْمُصْطَفٰی بَأَبِی مَنْ جَدُّهُ رَسُوْلُ اِلٰهِ السَّمَاءِ بَابِیْ مَنْ هُوَ سِبْطُ نَبِیِّ الْهُدٰی بَأَبِی (اِبْنُ)مُحَمَّدِا لْمُصْطَفٰی بَأَبِی (اِبْنُ) خَدِیْجَةَ الْکُبْرٰی بَابِی (اِبْنُ) عَلِیُّ الْمُرْتَضٰی بَأَبِی (اِبْنُ) فَاطِمَةَ الزَّهْرَاءِ سَیِّدَةِ النِّسَاءِ بَابِیْ (اِبْنُ) مَنْ رُدَّتْ لَهُ الشَّمْسُ قَالَ الرَّاوِیُ: فَأَبْکَتْ وَاللّٰهِ کُلَّ عَدُوٍّ وَصَدِیْقٍ"

'راوی کہتا ہے کہ خدا کی قسم میں زینبؑ بنت علیؑ کو نہیں بھول سکتا کہ جو غمناک آواز اور درد بھرے دل سے (اپنے بھائی) حسینؑ پر روتی تھیں اور فرماتی تھیں: اے محمد! آسمان کے فرشتے آپ پر سلام بھیجتے ہیں یہ آپ کا حسینؑ ہے کہ خون میں غلطان ہے اور اس کے اعضاء جدا ہو چکے ہیں۔ اور یہ آپ کی بیٹیاں ہیں کہ جنہیں قیدی بنالیا گیا ہے جو خدا کی بارگاہ میں شکایت کرتی ہوں اور محمد مصطفیٰ، علی مرتضیٰؑ، فاطمہ زہراؑ، حمزہ سید الشہداء سے بھی شکوہ کناں ہوں۔ اے محمد (مصطفیٰؐ) یہ حسینؑ ہے جو کربلا کے صحرا کی جانب چل پڑا ہے اور بادصبا اس کے بدن پر خاک ڈال رہی ہے۔ اسے حرام زادوں نے شہید کیا ہے۔ ہائے کتنا بڑا غم ہے اور کتنی عظیم مصیبت؟ گویا آج میرے نانا رسول خداؐ اس دنیا سے کوچ فرما گئے ہوں۔ اے اصحاب محمد! یہ خاندان مصطفیٰ ہے جسے قیدی بنا کر لے جایا جا رہا ہے۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ (جناب زینب کبریٰؑ فرماتی تھیں) اے محمدؐ! آپ کی بیٹیاں قیدی بنالی گئیں اور آپ کے خاندان کو قتل کر دیا گیا۔ بادصبا ان کے جسموں پر خاک ڈال رہی ہے اور یہ حسینؑ ہے کہ جس کا سر پس گردن سے کاٹا گیا۔ اور عمامہ وردا لوٹ لئے گئے۔ میرے بابا اس پر قربان کہ جو ایسے سفر پہ گیا جس سے واپس لوٹنے کی امید ہو

اور نہ ایسا زخم اٹھایا کہ جو مرہم قبول کرے۔ میرے بابا اس پر قربان کہ جس پر کاش میری جان بھی قربان ہو جائے۔ میرے بابا اس پر قربان کہ جو دنیا سے غم وغصہ کی حالت میں گیا۔ میرے بابا اس پر قربان کہ جس نے پیاسے ہونٹوں سے جان دی۔ میرے بابا اس پر قربان کہ جس کی ریش مبارک سے خون بہہ رہا تھا۔ میرے بابا اس پر قربان کہ جس کے نانا محمد مصطفیؐ تھے میرے بابا اس پر قربان کہ جس کے نانا آسمانوں کے خدا کے رسولؐ تھے۔ میرے بابا اس پر قربان کہ جو مظہر ہدایت کا بیٹا تھا میرے بابا خدیجہ کبریٰ کے بیٹے پر قربان' میرے بابا علی مرتضیٰؑ کے بیٹے پر قربان، میرے بابا فاطمہؑ زہراؑ سیدۃ النساء کے بیٹے پر قربان۔ میرے بابا اس ہستی کے بیٹے پر قربان کہ جس کے لئے سورج پلٹ آیا تا کہ وہ نماز ادا کر سکے"۔

راوی کہتا ہے: خدا کی قسم (زینب عالیہؑ کے یہ بین سن کر) ہر دوست دشمن رونے لگا۔

اس کے بعد شہزادی سکینہؑ نے اپنے بابا حسینؑ کی لاش کو آغوش میں لے لیا۔

فَاجْتَمَعَتْ عِدَّةٌ مِنَ الْاَعْرَابِ حَتّٰی جَرُّوْهَا عَنْهُ.

"عربوں کا ایک گروہ آیا اور اسے باپ کی لاش سے کھینچ کر جدا کر دیا"

(لہوف ص ۱۳۲ اور اس عبارت میں سے تھوڑے سے حصے کو ابن نما نے مثیر الاحزان / ۷۷ میں نقل کیا ہے)

جب مقتل میں پہنچے تو اہل بیتؑ رسالت کی نظر خاک وخون میں غلطان اپنے عزیزوں کے جسموں اور کٹے ہوئے اعضاء پر پڑی۔ آہوں کا طوفان برپا ہوگیا اور آنکھوں سے اشکوں کا سیلاب امڈ آیا۔ جب ان کی نظر شہیدوں کے درمیان میں پڑے لاشہ سید الشہداء پر پڑی تو انہوں نے گریہ وشیون کی صدا بلند کی۔ اپنے آپ کو اونٹوں سے گرا دیا اور اپنے گریہ ونوحہ سے ملاءِ اعلیٰ کے رہنے والوں کو بھی رلا دیا۔ وہاں موجود لوگوں کے دل

حسرت کی آگ سے جل اٹھے۔

زینب خاتونؑ نے فریاد بلند کی:"وامحمداہ" یہ برگزیدہ حسینؑ آپ کے پیارے بیٹے ہیں' جو کٹے ہوئے اعضاء کے ساتھ خاک وخون میں غلطاں ہیں' جن کو تشنہ لب، پس گردن سے ذبح کردیا گیا اور اب بغیر عمامہ وردا کے خاک کربلا پر پڑے ہیں۔ آپ کا چہرۂ منور خون سے سرخ ہو چکا ہے اور ریش مبارک خون سے خضاب شدہ ہے۔

ہم آپ کی اولاد ہیں کہ جنہیں اسیر بنالیا گیا اور ہم آپ کی بیٹیاں ہیں کہ جنہیں پکڑ کر لے جایا رہا ہے اور آپ کی حرمت کے سبب ہمارے حق میں ذرا برابر رعایت نہ کی گئی۔ ہمارے خیمے لوٹ لئے گئے اور انہیں آگ لگادی گئی۔

اس کے بعد (زینب عالیہؑ نے) اپنی والدۂ ماجدہ جناب فاطمہ زہراؑ سے مخاطب ہو کر انہیں کربلا کے شہیدوں اور رنج ومحن میں مبتلا اسیروں کی حالت کی شکایت کی اور صحرا کے جانوروں' نیز سمندر کی مچھلیوں کو آتش حسرت سے کباب کردیا۔

پس زینب عالیہؑ نے اپنا منہ شہیدوں کے اس بادشاہ کی طرف کیا اور سوختہ جگر اور خون فشاں ہونٹوں سے کہا: اے فرزند مصطفیٰؐ' اے جگر گوشۂ علی مرتضیٰؑ' اے فاطمہ زہراؑ کی آنکھوں کے نور' اے خدیجہ کبریٰؑ کے بدن کے ٹکڑے' اے آل عباء کے شہید اور اے رنج و محن میں مبتلا لوگوں کے پیشوا میری جان آپ پر قربان!

مظلوم کربلاؑ کی بیٹی شہزادی سکینہؑ دوڑتی ہوئی آئیں اور اپنے آپ کو والد بزرگوار کے جسد منور پر گرادیا۔ سکینہؑ اپنے باباؑ کے بدن پر اپنا چہرہ ملتی تھیں اور روتی تھیں حتیٰ کہ وہاں موجود سب دوست دشمن یہ منظر دیکھ کر گریہ وفغاں کرنے لگے اور اکثر روتے روتے بے ہوش ہوگئے پھر اس مصیبت زدہ (بچی) کو زبردستی امام مظلومؑ سے جدا کردیا گیا۔

(جلاءالعیون: ۴۲۰)

زینب علیاؑ کا جگر پھٹ گیا۔ حیرانگی اور مدہوشی میں نظر دوڑائی اور کہا:

"أَخِيْ ، أَ أَنْتَ أَخِيْ! أَ أَنْتَ بْنُ اُمِّيْ وَابْنُ وَالِدِيْ!"

''بھائی' میرا بھائی! میری ماں اور میرے باپ کا بیٹا!''

پتھروں' لاٹھیوں اور ٹوٹے ہوئے نیزوں کو ہٹایا اور بھائی کی لاش کو نکال کر پہلے اپنے ہونٹ اس شہید راہ حق کے کٹے ہوئے گلے پر رکھے اور اس جگہ کو چوما جسے نہ پیغمبرؐ نے چوما ہوگا نہ علیؑ و فاطمہؑ نے کس جگہ سے چوما؟ تمام کٹی ہوئی رگوں کو غم واندوہ کی شدت میں اپنے آپ کو بھائی کی لاش پر گرا دیا اور اپنے اعضاء بھائی کے خون سے رنگین کر لئے۔ بی بی نے پرسوز نالہ زاری کی اور فرمایا: اے زینبؑ کے دل کے ٹکڑے' اے میری آنکھوں کے نور' اے میرے بھائی!

لَيْتَنِيْ كُنْتُ قَبْلَ هٰذَا الْيَوْمِ عَمْيَاءَ .

''اے کاش! میں اندھی ہوگئی ہوتی اور تم کو اس حالت میں نہ دیکھتی''

"لَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا الْيَوْمِ وَلَا أَرَاكَ كَمَا اَنْتَ عَلَيْهِ لَيْتَنِيْ وُسِدْتُ الثَّرىٰ"

اے کاش! تمہیں اس حال میں دیکھنے سے پہلے میں مر چکی ہوتی اور مٹی میں دفن ہو چکی ہوتی۔ (ریاض القدس:۲/۱۸۹)

اہل بیتؑ کا ہر فرد شہید مظلومؑ سے لپٹ لپٹ کر روتا تھا۔

سکینہؑ بنت الحسینؑ نے اپنے بابا کے پارہ پارہ بدن کو آغوش میں لیا اور اپنے سینے کو مظلومؑ کے سینے پر رکھ کر ایسی نالہ زاری کی کہ جو سنگِ خارا کو بھی ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی ہے۔ شہزادی روتی تھی اور نالہ و فریاد کرتی تھی۔

عمر سعد نے حکم دیا کہ اہل بیتؑ کو قتل گاہ سے دور ہٹا دیا جائے' ظالموں نے خوف و تہدید سے اہل بیتؑ کو دور ہٹایا۔ شہزادی سکینہؑ کو باپ کی لاش سے بڑی مشکل سے جبراً جدا کیا گیا۔

سید سجادؑ کو طوق پہنایا گیا اور جب مرض کی شدت کے سبب آپ میں طاقت نہ

ہی تو آپ کے دونوں پاؤں کو اونٹ کے پیٹ کے نیچے سے ایک دوسرے سے باندھ دیا گیا کہ اونٹ کی پشت سے گر نہ پڑیں۔ اوران ہستیوں کو ترک و روم کے قیدیوں کی طرح (کوفہ) لے جایا گیا۔ (ناسخ التواریخ:۳/۳۰)

مقتل کی بعض کتابوں میں مرقوم ہے کہ جناب زینب عالیہؑ نے بھائی کے جسد مبارک کو آغوش میں لیا اور اپنے ہونٹ بھائی کے کٹے ہوئے گلے پر رکھے اور بوسہ لے کر فرمایا: بھائی! اگر مجھے یہاں سے جانے یا ٹھہرنے میں اختیار ہوتا تو میں آپؑ کے پاس ٹھہرنے کو ترجیح دیتی، خواہ اس بیابان کے درندے میرا گوشت (نوچ کر) کھا جاتے بھائی میں بیبیوں اور بچوں کے دفاع کے لئے باقی ہوں اور میری پشت کوڑوں کے لگنے سے سیاہ ہوچکی ہے۔ (معالی السبطین:۲/۳۲)

جب جناب زینبؑ نے خون میں آلودہ اس جسدِ مبارک پر نظر کی تو بارگاہ ایزدی میں عرض کیا: خدایا! آل محمدؐ کی یہ قلیل سی قربانی قبول فرما۔

(الطراز المذھب (ناسخ حضرت زینبؑ):۱/۵۷

روایت میں ہے کہ جب حضرت یوسفؑ کو کنویں سے باہر نکالا گیا تو مصر کی طرف روانہ کردیا گیا۔ راستے میں آپ کا گزر اپنی ماں کی قبر کے پاس سے ہوا۔ جونہی یوسفؑ کی نظر اپنی ماں کی قبر پر پڑی ماتھے سے پسینہ ٹپکنے لگا۔ آپ نے خود کو اونٹ سے گرادیا اور ماں کی قبر پر بیٹھ کر اپنے بچپن کو یاد کرنے لگے کہ کس طرح ماں کی آغوش میں ہوتے تھے اور اب اونٹ پر سوار کرکے شہر بہ شہر پھرایا جارہا ہے۔ آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے، اور آپ نے فریاد بلند کی:

یا اُمَّاہُ ' اِرْفَعِیْ رَاسَکِ وَانْظُرِیْ فِیْ اِبْنِکِ.

اے مادر گرامی! قبر سے سر نکال کر اپنے بیٹے کے حال زار پر نظر کیجئے (کہ راہ خدا میں دنیا کے مصائب میں گرفتار ہے)

جب سید الساجدینؑ مقتل میں سے گزرے ہوں گے اور باپؑ کے لاشے کو زمین پر پڑا دیکھا ہوگا تو آپؑ پر کیا گزری ہوگی۔ کیا آپ کو وہ زمانہ نہ یاد آیا ہوگا جب بابا آپؑ کو آغوش میں بٹھا کر چومتے تھے اور اب اس بیماری' اسیری اور ذلت میں گرفتار ہیں۔ نہیں اللہ کی قسم نہیں! سید الساجدینؑ اپنے آپ سے بے فکر تھے بلکہ آپ تو یہ یاد کر رہے تھے کہ وہ بدن جو دوش رسول پر جگہ پاتا تھا۔ وہ بغیر غسل وکفن کے عریاں و برہنہ زمین پر پڑا ہے اور کوئی اس کی خبر گیری تک کے لئے نہیں آیا۔ یہ سوچ کر آپ کی حالت اس قدر خراب ہوگئی کہ جیسے ابھی جان بدن سے نکلنے والی ہو۔ (مہیج الاحزان/۲۷۵)

مورخین نے تحریر کیا ہے حضرت حمزہ سید الشہداء کی بہن صفیہ نے جب ان کے بھائی کی شہادت کی خبر سنی تو چاہا کہ اپنے بھائی کی لاش پر پہنچیں۔ رسول خداؐ نے اپنے بیٹے زبیر سے فرمایا: دوڑ کر جاؤ اور اپنی ماں کو روکو تا کہ وہ اپنے بھائی کی لاش کو اس حالت میں نہ دیکھیں۔

زبیر نے اپنی ماں سے کہا: امی جان! رسول خداؐ نے حکم دیا ہے کہ آپ واپس چلی جائیں۔ صفیہ نے کہا: کس لئے؟ میں نے سنا ہے کہ میرے بھائی حمزہ کو شہید کر دیا گیا اور اس کے بعد ان کا مثلہ کرنے کے ساتھ ساتھ ان کا پیٹ بھی پھاڑ دیا ہے اور میں جانتی ہوں کہ یہ سب راہ خدا میں ہوا ہے اور راہ خدا میں یہ سب (قربانی) قلیل ہے۔ ان شاءاللہ میں صبر کروں گی۔

زبیر واپس آئے اور رسول خدا کو اپنی والدہ کی بات پہنچائی (کہ انہوں نے صبر سے کام لینے کا وعدہ کیا ہے)، تب آپؐ نے اجازت مرحمت فرمائی اور صفیہ بھائی کی لاش پر پہنچیں۔ اور تاریخ میں یہ بھی منقول ہے کہ پیغمبر اکرمؐ نے حضرت حمزہ کی لاش کو ڈھانپ دیا۔ حتیٰ کہ پاؤں کو بھی ننگا نہ چھوڑا کہ صفیہ اپنے بھائی کو اس حالت میں نہ دیکھیں۔

اور جب واپس لوٹیں تو صفیہ میں تاب شکیبائی نہ رہی۔ اپنے عزیزوں کو دیکھا تو

رودیں اور رسول خداؐ نیز حضرت فاطمہ زہراؑ بھی اس کے رونے پر گریہ کناں ہو گئے ۔ اور پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا:

''لَنْ اُصٰابَ بِمِثْلِکَ اَبَدًا''

''میں اس طرح مصیبت زدہ کبھی نہ ہوا تھا''۔

(اب تصور کیجئے کہ) زینبؑ بنت علیؑ کا کیا حال ہوا ہوگا؟ اللہ ہی جانتا ہے! اول تو کوئی ان کی دلداری کے لئے موجود نہ تھا۔ نہ باپ، نہ ماں' نہ بھائی۔ ثانیاً جب آپ نے لاش برادر کو دیکھا تو جسم اقدس کی کوئی جگہ صحیح و سالم نہ تھی ۔ اور لاش مطہر پتھروں' لاٹھیوں' نیزوں اور تلواروں میں ڈھکی ہوئی تھی ۔ بنت علیؑ نے بے اختیار فرمایا:

أ أَنْتَ اَخِیْ ! أ أَنْتَ ابْنُ اُمِیَّ.

''ہائے میرے بھائی! ہائے میرے ماں جائے''

اب بجائے اس کے کہ کوئی تسلیت کو آتا (ظالموں نے مظلوم حسینؑ کی مظلوم بہن کو) تازیانوں اور نیزوں سے بھائی کی لاش سے ہٹا دیا۔

یہ بھی منقول ہے کہ رسول خداؐ نے اپنی پھوپھی جناب صفیہ کے حق میں فرمایا تھا:

اِنِّیْ اَخٰافُ عَلٰی عَقْلِهَا ' فَوَضَعَ یَدَهُ عَلٰی صَدْرِهٰا فَدَعٰالَهٰا.

''میں اپنی پھوپھی کی عقل پر خوفزدہ ہوں ۔ آپ نے اپنا دست مبارک اس بی بی کے سینے پر رکھا اور ان کے لئے دعا فرمائی:

قیاس کیجئے اُم المصائب زینب بی بیؑ پر کیا حالت گزری ہوگی ۔ آسمان و زمین ان کے مصائب پر رو دیئے ہوں گے ۔ حضرت حجتؑ ہر روز ان مصائب کا تذکرہ کر کے خون کے آنسو روتے ہیں۔

ان تمام مصائب کے باوجود مخدرۂ عصمت و عفت اپنے فرائض سے غافل ہرگز نہ تھیں ۔ ابن قولیہؒ کے ایک شاگرد نے امام سجادؑ سے سند معتبر کے ساتھ روایت کی ہے کہ

آپ نے زائدہ سے فرمایا:

روز عاشور ہم پر ایسے ایسے مصائب و آلام وارد ہوئے کہ میرے بابا' اپنے بیٹوں' بھائیوں اور تمام اہل بیتؑ کے ہمراہ شہید کر دیئے گئے اور حرم حسینؑ کی محترم بیبیوں کو بے پالان اونٹوں پر سوار کیا گیا' میں نے اپنے بابا اور دیگر تمام شہداء کے جسموں کو خون میں غلطان عریاں حالت میں خاک پر پڑے پایا کہ کسی نے ان کو دفن نہ کیا تھا مجھ پر یہ صورت حال بہت گراں گزری اور میں اس قدر غمزدہ ہوا کہ نزدیک تھا کہ روح بدن سے پرواز کر جائے۔

میری پھوپھی زینبؑ نے جب مجھے اس حال میں دیکھا تو فرمایا:

مَالِی اَرَاکَ تَجُوْدُ بِنَفْسِکَ یابَقِیَّةَ جَدِّی وَاَبِیْ وَاِخْوَتِیْ!

''میں تمہیں کس حالت میں مشاہدہ کر رہی ہوں۔ اے میرے نانا' بابا اور بھائی کی نشانی' میں تمہیں اس حالت میں دیکھ رہی ہوں کہ جیسے تم اپنی جان 'جان آفرین کے سپرد کرنے والے ہو''

میں نے کہا: پھوپھی جان! میں کس طرح بے چین اور زندگی سے دستبردار نہ ہوں جب کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ میرے بھائی میرے چچا اور چچا زاد نیز دیگر افراد خاندان خون میں غلطان اس بیابان میں پڑے ہیں۔ نہ انہیں کفن پہنائے گئے ہیں اور نہ سپرد خاک کیا گیا ہے نہ کوئی ان کے سرہانے آیا ہے اور نہ کوئی انسان ان کے پاس موجود ہے۔ گویا ہم دیلم وخزر میں سے ہیں (یعنی ہمیں مسلمان تک نہیں سمجھا گیا)

میری پھوپھی زینبؑ نے کہا: جو کچھ نظر آ رہا ہے اس سے بے تاب نہ ہوں خدا کی قسم یہ ایک عہد تھا جو رسول خدا نے آپؑ کے جد امجد' والد گرامی اور چچا جان سے لیا تھا اور رسولؐ خدا نے ان میں سے ہر ایک کے مصائب کی انہیں خبر دی تھی اور خدائے متعال نے اس امت کے تمام لوگوں سے عہد و پیمان لیا تھا کہ اس زمین کے فرعون منشوں میں سے کوئی

انہیں نہیں پہچانے گا۔ لیکن معروف اہل آسمان ان پارہ پارہ جسموں کو جمع کر کے سپرد خاک کریں گے اور تمہارے بابا کی قبر پر نشان بنائیں گے تاکہ ہمیشہ باقی رہے اور مرورِ زمانہ سے محو نہ ہونے پائے' (اور اطراف عالم) سے لوگ وہاں آئیں گے۔ اور ان کی زیارت کریں گے) اور ہر چند کفر کے پیشوا (سلاطین جور اور ان گمراہ شدہ لوگوں کے پیروؤں کو مٹانے کی کوشش کریں گے لیکن ان کا اثر روشن تر ہوتا جائے گا۔ اور روز بہ روز بڑھتا چلا جائے گا۔ (کامل الزیارت/۲۶۰ ب ۸۸ ح۱)

کفعمیؒ نے جناب سکینہؑ بنت الحسینؑ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا: جب میرے بابا شہید ہوگئے تو میں نے ان کے بدن نازک کو آغوش میں لیا۔ میں بے ہوش ہوگئی۔ میں نے اس حالت میں سنا کہ میرے بابا فرماتے تھے:

شِيعَتِي مَا اِنْ شَرِبْتُمْ رَیَّ عَذْبٍ فَاذْكُرُوْنِي
أَوْسَمِعْتُمْ بِغَرِيْبٍ أَوْ شَهِيْدٍ فَانْدُ بُوْنِي

"میرے شیعو! جب ٹھنڈا پانی پیو تو مجھے ضرور یاد کرنا اور جب کسی غریب یا شہید کا نام سنو تو مجھ پر گریہ وندبہ کرنا"۔

پس شہزادی خوفزدہ ہو کر اٹھ بیٹھی۔ شہزادی کی آنکھیں رو رو کر زخمی ہوگئیں اور وہ اپنے رخساروں پر پیٹ رہی تھی اس اثنا میں ہاتف غیبی کی آواز سنائی دی:

بَكَتِ الْاَرْضُ وَالسَّمَاءُ عَلَيْهِ
بِدُمُوعٍ غَزِيْرَةٍ وَدِمَاءٍ
يَبْكِيَانِ الْمَقْتُولَ فِي كَرْبَلَا
بَيْنَ غَوْغَاءِ اُمَّةٍ اَدْعِيَاءٍ
مُنِعَ الْمَاءَ وَهُوَ مِنْهُ قَرِيْبٌ

عَیْنُ ابْکِی الْمَمْنُوْعَ شُرْبَ الْمَاءِ

''آسمان وزمین اس پرخون کے آنسو بہاتے ہیں اوراس پر گریہ کناں ہیں جوکربلا میں بدذات وبدنہاد لوگوں کے ہاتھوں قتل ہوا''۔

اس پر پانی بند کردیا گیا حالانکہ پاس ہی پانی (فرات) بہہ رہا تھا۔اے آنکھ! اس پر آنسو بہا جسے پانی پینے سے منع کردیا گیا'' (مصباح کفعمی/۷۴۱ فصل خطبات)

اور ایک دیگر روایت کے مطابق: حضرت سکینہؑ نے اپنے آپ کو لاشۂ امامؑ پر گرادیا اور گریہ وفریاد کرتے ہوئے شہزادی پر غشی کی حالت طاری ہوگئی۔ وہ فرماتی ہیں، میں نے غشی کی حالت میں سنا کہ میرے بابا فرمارہے تھے:

شِیْعَتِی مَا اِنْ شَرِبْتُمْ مَاءَ عَذْبٍ فَذْکُرُوْنِیْ

اَوْسَمِعْتُمْ بِغَرِیْبٍ اَوْشَہِیْدٍ فَانْدُبُوْنِیْ

وَاَنَا السِّبْطُ الَّذِیْ مِنْ غَیْرِ جُرْمٍ قَتَلُوْنِی

وَبِجُرْ الْخَیْلِ بَعْدَ الْقَتْلِ عَمَدًا سَحُقُوْنِیْ

لَیْتَکُمْ فِی یَوْمِ عَاشُوْرَا جَمِیْعًا تَنْظُرُوْنِیْ

کَیْفَ اَسْتَسْقِیْ لِطِفْلِیْ فَاَبَوْا اَنْ یَرْحَمُوْنِیْ

وَسَقَوْهُ سَهْمَ بَغْیٍ عِوَضَ الْمَاءِ الْمَعِیْنِ

یَالَرُزْءٍ وَمُصَابٍ هٰذَا اَرْکَانَ الْحَجُوْنِ

وَیْلَهُمْ قَدْ جَرَحُوْقَلْبَ رَسُوْلِ الثَّقَلَیْنِ

فَالْعَنُوْهُمْ مَااسْتَطَعْتُمْ شِیْعَتِیْ فِی کُلِّ حِیْنٍ

''اے میرے شیعو! جب بھی ٹھنڈا پانی پیو تو مجھے ضرور یاد کرنا اور جب بھی کسی غریب یا شہید کا نام سنو تو میری غربت وشہادت پر گریہ کرنا۔ میں

تمہارے پیغمبرؐ کا بیٹا ہوں جسے بے جرم وخطا شہید کردیا گیا۔ اور قتل کرنے
کے بعد میرے جسم کو گھوڑوں کے سموں سے پامال کیا گیا' حتّٰی کہ میری
ہڈیاں ٹوٹ گئیں"۔

کاش تم روز عاشور موجود ہوتے تو دیکھتے کہ میں کس طرح اپنے بچوں کے لئے پانی طلب کرتا تھا۔ لیکن (ملعون) مجھ پر رحم نہیں کرتے تھے اور مجھے پانی نہیں دیتے تھے۔

بلکہ پانی کے عوض انہوں نے میرے (شیرخوار) بچے (علی اصغرؑ) کے گلے پر تیر مارا۔ اس مصیبت پر انصاف کہ ان ظالموں نے کعبہ اور ہدایت کے ستونوں کو منہدم کردیا۔ اس گروہ پر افسوس کہ جس نے جن و بشر کے رسولؐ کے دل کو زخمی کردیا اے میرے شیعو! ہر وقت جس قدر ہو سکے ان پر لعنت کرتے رہنا۔

راوی کہتا ہے: سکینہؑ ہوش میں آئیں تو نہایت غم زدہ تھیں۔ وہ اپنے رخساروں پر پیٹتی تھیں اور نوحہ و بین کرتی تھیں۔ پس کچھ ظالم آئے اور انہوں نے اسے کھینچ کر باپ کے لاشے سے کر جدا کردیا۔

(مہیج الاحزان/۲۸۶م ۱۱' وقائع الایام خیابانی تتمہ محرم/۱۱۴ میں دمعۃ الساکبہ سے منقول ہے)

روایت میں ہے کہ امام حسینؑ کی چھوٹی بیٹی باپ کے لاشے کے پاس بیٹھ کر شاید باپ کو سونگھتی اور چومتی تھی' اور باپ کی انگلیوں کو اپنے دل پر رکھتی تھی اور کبھی آنکھوں پر پھیرتی تھی۔ اور اپنے بابا کے خون کو اپنے بالوں اور چہرے پر ملتی تھی اور کہتی تھی:

اے بابا! آپ کی شہادت نے شماتت کرنے والوں کی آنکھوں کو روشن کردیا اور دشمن خوش ہوگئے ہیں۔ بابا! بنو امیہ نے مجھے یتیمی کا لباس پہنادیا ہے۔ بابا جان! جب تاریک رات ہوگی تو میں کس کی پناہ لوں گی' اور اگر پیاسی ہوں گی تو مجھے کون سیراب کرے گا
بابا جان! میرے گوشوارے اور میری ردا لوٹ لی گئی۔

یا اُبَتَاہَ ' اَتَنظُرُ اِلٰی رُؤُوسِنَا الْمَکْشُوفَۃِ وَاِلٰی اَکْبَادِنَا الْمَلْھُوفَۃِ

وَالیٰ عَمَّتِیَ الْمَضْرُوْبَةِ وَالیٰ اُمِّیَ الْمَسْجُوْنَةِ ۔

"بابا کیا آپ ہمارے ننگے سروں اور غمزدہ دلوں کو دیکھ رہے ہیں۔ میری پھوپھی کو تازیانے مارے گئے اور میری ماں کو قیدی بنا لیا گیا۔

راوی کہتا ہے کہ اس بچی کا گریہ سن کر (سب کی) آنکھیں اشکبار ہو گئیں ۔(مقتل جامع مقرم:۲/۷۰)

قیامت اس وقت برپا ہوئی جب ان بے رحم بدوؤں نے بیبیوں کو شہداء کے لاشوں سے جدا کر دیا اور وہ مقتولین کے درمیان دوڑتے تھے۔ مخدرات عصمت نے شہداء پر گریہ ختم کیا اور ننگے پاؤں روانہ ہو گئیں۔ مظلوم سکینہؑ جس نے اپنے بابا کے لاشے کو آغوش میں کھینچ رکھا تھا' اسے بابا سے جدا کرنے کی کوشش کی گئی مگر وہ نہ اٹھی۔ ان بے رحم ظالموں کے ایک گروہ نے جس میں شمر بھی شامل تھا مظلوم شہزادیؑ کے سر پر مارنا شروع کیا۔ اور اس کے لباس کو پکڑ پکڑ کر کھینچا۔ انہوں نے جو بھی ظلم کیا سکینہؑ باپ کے لاشے سے نہ اٹھی۔ ان ظالموں نے مظلوم شہزادی کو تازیانے مارنے شروع کر دیئے۔ شہزادی پھر بھی نہ اٹھی۔ البتہ اپنی پھوپھیوں' بہنوں اور کنیزوں سے امداد طلب کی۔ زینب عالیہؑ نے سفارش کی مگر ان لعینوں نے ایک نہ سنی اور ظلم و ستم اور قہر و غضب سے بچی کو باپ کے لاشے سے جدا کر دیا۔

(ریاض القدس:۲/۱۹۱)

ای خصم بد منش تو مزن تازیانہ ام
من از کنار کشتہ بابا نمی روم
ازسایہ محبت این مہربان پدر
باکعب نیزہ در تف گرما نمی روم
من با علیؑ اکبرؑ و عباسؑ آمدم
از این دیار بیکس و تنہا نمی روم

تنہا بہ روی خاک چنین ماندہ بے کفن
در شام و کوفہ ہمرہ سرہا نمی روم
سیلی مزن بہ صورتم ای شمر بی حیا
من بی علی اکبرؑ و لیلا نمی روم

''اے بدنما دشمن! تو مجھے تازیانے نہ مار۔ میں اپنے بابا کے لاشے سے نہیں ہٹوں گی ۔ میں اپنے مہربان باپ کے سایہ محبت سے نیزے کی انی اور گرمی کی شدت کے سبب بھی جدا نہیں ہوں گی ۔ میں علی اکبرؑ اور عباس کے ساتھ آئی تھی اس دیار سے بے کسی و تنہائی میں (کہیں) نہیں جاؤں گی ۔ میں ان لاشوں کو بے گور و کفن چھوڑ کر سروں کے ہمراہ شام نہیں جاؤں گی ۔اے بے حیا شمر! میرے منہ پر تھپڑ مت مار میں علی اکبرؑ اور لیلیٰ کے بغیر نہیں جاؤں گی ۔

نبریدم کہ در این دشت مرا کاری ست
گرچہ گل نیست ولی صفحہء گلزاری ہست
ساربانان نزنید اینہمہ آواز رحیل
آخر این قافلہ را قافلہ سالاری ہست
اے پدر ہیچ نمی پرسی کاندر چمنت
بال و پر سوختہ ومرغ گرفتاری ہست
دشمنان خیرہ و من بیکس وبی یارو غریب
ہر طرف می نگرم کافرو خونخواری ہست

مجھے مت لے جاؤ کہ مجھے اس دشت میں ایک کام ہے ۔اگرچہ

یہاں پھول نہیں ہیں، لیکن یہ (دشت) ایک صفحہ گلزار ہے۔

ابھی تو ساربان نے قافلے کے چلنے کی گھنٹی بھی نہیں دی، آخر اس کارواں کے ساتھ ایک قافلہ سالار بھی موجود ہے۔

اے بابا! آپ کے اس چمن میں کوئی میرا پرسان حال نہیں، میرے بال و پر جل چکے ہیں اور میں قیدی پرندہ ہوں۔

دشمن (دشمنی میں) اندھے ہیں اور میں بے کس، بے یارومددگار اور غریب الوطن ہوں۔ جس طرف آنکھ اٹھا کر دیکھتی ہوں کافر اور خون خوار ہی دکھائی دیتے ہیں۔

عبداللہ بن سنان اپنے باپ سے نقل کرتا ہے کہ میرے باپ نے کہا: عمر سعد نے حکم دیا کہ بیبیوں کو سوار کرو اونٹ حرم رسولؐ کے قریب لائے گئے، اور وہ لعین قافلہ حسینی کی خواتین اور بچوں کو پکڑ پکڑ کر لاتے تھے اور کہتے تھے ابن سعد کا حکم ہے کہ سوار ہو جاؤ۔

جناب زینبؑ نے جب یہ منظر دیکھا تو ندا بلند کی۔

سَوَّدَ اللّٰهُ وَجْهَكَ يَابْنَ سَعْدٍ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، تَأمُرُ هٰؤُلَاءِ الْقَوْمَ بِاَنْ يُرَكِّبُونَا وَنَحْنُ وَدَائِعُ رَسُوْلِ اللّٰهِ! فَقُلْ لَهُمْ: يَتَبَاعَدُوْنَ عَنَّا يُرَكِّبُ بَعْضُنَا بَعْضاً.

''اے ابن سعد! خدا دنیا و آخرت میں تیرا چہرہ سیاہ کرے، تم نے ان ظالموں کو حکم دیا کہ ہمیں سوار کرائیں، حالانکہ (تو جانتا ہے) کہ ہم رسول خداؐ کی امانتیں ہیں۔ ان سے کہو: ہم سے دور ہو جائیں، ہم خود ہی سوار ہو جاتے ہیں''۔

عمر سعد نے کہا: ان سے دور ہٹ جاؤ بی بی زینبؑ اور بی بی ام کلثومؑ آگے بڑھیں اور ہر بی بی کو اس کے نام سے آواز دی اور سوار کرایا۔ جب سب بیبیاں سوار ہو گئیں اور حضرت زینب

" کے علاوہ کوئی باقی نہ رہا تو آپ نے دائیں بائیں نگاہ دوڑائی لیکن جناب زین العابدین کے علاوہ کسی کو نہ پایا' جو کہ بیمار بھی تھے۔ وہ زینب عالیہؑ کے پاس آئے اور فرمایا: پھوپھی جان! آپ سوار ہو جائیں اور مجھے ان لوگوں پر چھوڑ دیں۔

زینب عالیہؑ نے حکم امامؑ کی مخالفت نہ کی اور اپنے اونٹ کی طرف بڑھیں دائیں' بائیں نگاہ دوڑائی تو ریگ صحرا پر پڑے لاشوں اور دشمنوں کے ہاتھوں میں نیزوں پر سوار سروں کے علاوہ کسی کو نہ پایا۔ بی بی نے نالہ وفریاد بلند کرتے ہوئے کہا۔

وَاغُرْبَتَاهُ ' وَا اَخَاهُ ' وَاحُسَيْنَاهُ 'وَاعَبَّاسَاهُ 'وَارِجَالَاهُ '
وَاضَيْعَتَاهُ بَعْدَكَ يَااَبَاعَبْدِاللهِ

"ہائے غریب' ہائے میرا بھائی' ہائے میرا حسینؑ' ہائے میرا عباس' ہائے جوانان بنو ہاشم' ہائے اے ابا عبداللہ! آپ کے بعد ہماری بربادی"

راوی کہتا ہے: جب میں نے یہ حالت دیکھی تو مجھے ان خواتین عصمت کا حجاز میں عزت و رفعت اور عظمت و جلالت سے گھر سے باہر نکلنے کا وہ زمانہ یاد آ گیا اور میں ان کے حال زار پر رو دیا۔

پھر کہتا ہے: جب امام زین العابدینؑ نے یہ منظر دیکھا تو باوجود اس کے وہ بیماری کے سبب خود پر قابو نہ رکھتے تھے۔ کمزوری سے لرزتے ہوئے اپنا عصا اٹھایا' اس کا سہارا لیا اور پھوپھی زینب کی طرف چلے۔ بیمار نے اپنا زانو خم کیا اور فرمایا: پھوپھی جان! سوار ہو جاؤ کہ میرا دل ڈوب رہا ہے اور میرا غم اور بڑھ رہا ہے۔ جب بیمار (امامؑ نے چاہا کہ اس مخدرۂ عصمت کو اونٹ پر سوار کرائیں تو کمزوری سے لرزہ براندام ہوئے اور زمین پر گر پڑے۔

شمر لعین نے جب یہ دیکھا تو آگے بڑھا اور آپ کو تازیانہ مارا۔ بیمار کربلا نے ندا بلند کی۔ (البتہ تذکرۃ الشہداء ۳۸۱ پر ابو اسحاق اسفرائینی نے نقل کیا ہے کہ شہداء کے سر عمر سعد لعین کے ساتھ ہی کوفہ میں پہنچے)

"وَاجَدَّاهُ ' وَامُحَمَّدَاهُ ' وَاعَلِيَّاهُ ' وَاحَسَنَاهُ ' وَاحُسَيْنَاهُ "

"ہائے میرے نانا' ہائے محمد (مصطفیٰ)، ہائے علی (مرتضیٰ)، ہائے حسن (مجتبیٰ)، ہائے حسین (شہید کربلاؑ)

زینب عالیہؑ نے روتے ہوئے فرمایا:

"وَيْلَكَ يَاشِمْرُ ' رِفْقًا بِيَتِيْمِ النُّبُوَّةِ ' وَسَلِيْلِ الرِّسَالَةِ وَحَلِيْفِ التُّقٰى ' وَتَاجِ الْخِلَافَةِ"

"وائے ہو تم پر شمر! خاندان نبوت کے یہ یتیم' جانشین رسالت، تاج دار خلافت اور صاحب تقویٰ ہستی ہیں، ان سے نرمی سے پیش آؤ"

بی بی نے یہ فرما کر شمر لعین کو بیمار کربلاؑ سے دور کیا ہی تھا کہ ایک بوڑھی حبشی کنیز آگے بڑھی اور زینب عالیہ کو سوار کرایا۔ راوی کہتا ہے: میں نے پوچھا کہ تم کون ہو؟ آواز آئی: میں فاطمہ زہراؑ کی کنیز فضہ ہوں۔

بعدازاں امام سجادؑ کو ایک کمزور و لاغر اونٹ پر سوار کیا گیا۔ امامؑ ضعف کی شدت کے سبب سواری پر قادر نہ تھے۔ جب ابن سعد کو اس بات کی خبر دی گئی تو اس حرام زادے نے کہا: ان کے پاؤں اونٹ کے پیٹ کے نیچے باندھ دو۔ چنانچہ ان لعینوں نے ایسے ہی کیا اورانہیں اس طرح سفر پر روانہ کیا گیا۔ (معالی السبطین ۲/۵۴)

بزرگوں کے اخبار و گفتار سے اس طرح معلوم ہوتا ہے کہ اہل بیت عصمتؑ دو دفعہ مقتل میں تشریف لائے۔ ایک بار سید الشہداءؑ کی شہادت کے بعد' جس وقت گھوڑا بغیر سوار کے خیام میں میں آیا۔ جس کا ذکر زیارت ناحیہ میں بھی ہے۔

اِلٰى مَصْرَعِكَ مُبَادِرَاتٍ

"بیبیاں آپ کے مقتل کی طرف دوڑیں"

اور دوسری بار گیارہ محرم کو اس وقت کہ جب انہیں قیدی بنا کر کوفہ لے جایا گیا

مرحوم سید بن طاؤس وغیرہ کی عبارت سے مستفادہ ہوتا ہے کہ انہوں نے خود ہی خواہش کی تھی کہ ہمیں مقتل سے گزار کر لے جایا جائے۔

یہ مفہوم جو چند صفحے پہلے بھی ریاض القدس کے حوالے سے گزر چکا ہے کہ شمر ملعون نے سکینہ کو بابا کے لاشہ سے ہٹانے کے لئے اس مظلومہ کو تازیانہ مارا۔ ارشاد اور لہوف کے حوالے سے گزشتہ فصل میں گزرنے والے مفہوم سے کہ عمر سعد ملعون نے شہداء کے سروں کو شمر اور قیس بن اشعث کی ہمراہی میں کوفہ روانہ کر دیا تھا۔ تضاد رکھتا ہے۔

شہدائے کربلا کی تدفین

مرحوم شیخ مفیدؒ تحریر فرماتے ہیں: جب ابن سعد (ملعون) نے کربلا سے کوچ کیا تو بنی اسد کے ایک گروہ نے' جو اس وقت غاضریہ میں موجود تھا' جب محسوس کیا کہ اب ابن سعد اور اس کا لشکر کربلا سے جا چکے ہیں تو وہ امام حسینؑ اور آپ کے ساتھیوں کے اجساد مطہر کے پاس آیا۔ ان پر نماز جنازہ پڑھی اور انہیں اس ترتیب سے کہ جہاں اب امام حسینؑ کا مرقد مبارک ہے وہاں آپ کو اور آپؑ کے پائے مبارک کے پاس آپ کے فرزند علی اصغرؑ کو دفن کیا۔

دیگر شہیدوں کی تدفین کے لئے جس میں آپ کے خاندان اور یار و انصار شامل تھے اور آپ کے اردگرد زمین کربلا پر پڑے تھے' آپؑ کے پاؤں میں ایک گڑھا کھود کر سب کو وہاں لا کر دفن کر دیا۔ عباسؑ بن علیؑ کو جس جگہ وہ شہید ہوئے یعنی غاضریہ کے راستے میں جہاں اب ان مرقد مبارک ہے' دفن کیا گیا۔ (ارشاد: ۲/ ۱۱۸)

مرحوم عمادالدین طبری رقم طراز ہیں: جب عمر سعد ملعون کربلا سے چلا گیا تو بنی اسد کا قافلہ کہیں سے کوچ کر کے آ رہا تھا۔ جب اہل قافلہ کربلا پہنچے اور یہ صورت حال ملاحظہ کی تو انہوں نے امام حسینؑ کو دفن کیا۔ اور علیؑ بن الحسینؑ کو ان کے پائے مبارک میں دفن کیا۔ جب کہ حضرت عباسؑ (علمدار) کو دریائے فرات کے کنارے' جہاں انہوں نے جام شہادت نوش کیا تھا دفن کیا گیا۔ باقی تمام شہداء کے لئے ایک (ہی) قبر کھودی گئی اور

تمام کواس میں رکھ دیا گیا۔ اور حر بن یزید کوان کے نزدیک جس جگہ انہیں شہید کیا گیا تھا دفن کیا گیا۔

یہ امر معین نہیں ہے کہ ہر ایک شہید کی قبر کہاں ہے۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ امام عالی مقامؑ کے پاؤں کی طرف یا حائر میں تمام کے تمام (شہداء) دفن ہیں۔ مگر یہ کہ علی اصغر امام کے پاؤں کے قریب تر دفن ہیں۔

اور بنی اسد دوسرے قبائل عرب پر فخر کیا کرتے تھے کہ ہم نے حسین علیہ السلام کی نماز جنازہ پڑھی اور ہم نے امام اور ان کے اصحاب کو دفن کرنے میں شرکت کی۔

(کامل بہائی: ۲/۲۸۷)

مورخین نے اس جگہ ذکر نہیں کیا کہ امام سجادؑ اپنے والد گرامی اور دیگر تمام شہدائے کرام کی تدفین کے وقت موجود تھے اور بعض کا خیال ہے کہ چونکہ آپؑ اس وقت دشمن کے اسیر تھے لہذا یہ ممکن نہیں تھا کہ آپؑ کربلا آتے اور اپنے پدر بزرگوار کو دفن فرماتے۔ لیکن علمائے امامیہ کی نقل کردہ صحیح احادیث (نفس المهموم/۳۸۹)

بحار الانوار: ۲۲/۱۳/۵۱۳ باب وفاتہؐ ح ۱۳ ج ۲۷/۲۸۸ تا ۲۹۱ با ان الامام لایغسه ولا یدفنه الا الامام و ج ۴۵/۲۳۰ وام سلمہؓ وغیرھا کا رسول خدا کو خواب میں دیکھنا، و ج ۴۸/۲۷۰ باب رد مذہب الواقفیہ ح ۲۹)

میں ہے کہ امام کے غسل و کفن اور دفن کا متصدی کسی دوسرے امام کے لئے علاوہ کوئی نہیں ہوسکتا۔ امام سجاد علیہ السلام سید الشہداء کی تدفین کے لئے کربلا تشریف لائے تھے اور (اعجاز امامت سے) امامؑ کے لئے یہ کام آسان ہے اگر چہ بظاہر وہ دشمن کی قید میں تھے

اس کے علاوہ بھی امام حسینؑ کی تدفین امام سجادؑ کے ہاتھوں ہونے کے بارے میں بہت سی روایات منقول ہیں۔ اس سلسلے میں کتب احادیث کی طرف رجوع فرمائیں۔ البتہ ہم ان میں سے چند ایک احادیث درج کئے دیتے ہیں۔

احتجاج رضاؑ جو کہ واقفیہ (فرقہ) پر لکھی گئی کتاب ہے میں ہے کہ علی بن حمزہ نے

امام رضاؑ پر اعتراض کیا کہ آپ کے آباؤ اجداد سے ہمارے لئے روایت کی گئی ہے کہ امام کے جنازے کا متصدی امام کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہوسکتا۔ (چونکہ واقفیہ امام رضا کی امامت کے منکر تھے اور حضرت موسیٰ کاظمؑ کی شہادت کے وقت آپؑ مدینہ میں تھے جب کہ امام کا جنازہ ہارون کے متعین کردہ لوگوں کے ہاتھوں میں تھا اس کی مراد یہ تھی کہ اگر حضرت رضاؑ امام تھے تو وہ اپنے بابا کے کفن دفن میں شرکت کرتے اور چونکہ آپ نے شرکت نہیں فرمائی اس لئے امام نہیں تھے۔

آٹھویں امامؑ نے اس کے جواب میں فرمایا: مجھے بتاؤ کہ حسینؑ بن علیؑ امام تھے یا نہیں تھے؟ اس نے جواب دیا کہ امام تھے۔

حضرت نے فرمایا: ان کی تدفین کا متصدی کون تھا؟ اس نے کہا: علی بن الحسینؑ۔

امام رضاؑ نے فرمایا: علیؑ بن الحسینؑ (اس وقت) کہاں تھے؟ کیا وہ کوفہ میں ابن زیاد کی قید میں نہ تھے؟

اس نے کہا: علیؑ بن الحسینؑ خفیہ و پوشیدہ (اعجاز امامت سے) وہاں سے نکلے اور انہیں کچھ خبر ہی نہ ہوئی۔ آپ کربلا پہنچے اور اپنے باپ کے امور تدفین کے متولی بنے۔

امام رضاؑ نے اس سے فرمایا: وہ ذات کہ جس نے علی بن الحسینؑ کو یہ قدرت عطا کی کہ جس سے وہ (کوفہ سے) کربلا پہنچے اور اپنے والد گرامی کی تدفین کے متولی بنے کیا وہ اس کام کے ذمہ دار کو (یعنی مجھے) یہ قدرت عطا نہیں کرسکتا تھا کہ مدینے سے بغداد پہنچے اور اپنے بابا کی تدفین کا متصدی قرار پائے، جو نہ زندان میں تھا اور نہ اسیر۔

(رجال کشی: ۲/۷۶۴، ضمن ح ۸۸۳، بحارالانوار: ۴۸/۲۷۰، نفس المہموم/۳۸۹)

اس حدیث سے نہ صرف اس بات کی صراحت ہوتی ہے کہ امام کو امام ہی دفن کرسکتا ہے بلکہ ہم امام حسینؑ کی تدفین کے قضیے کی امام سجادؑ کے ہاتھوں انجام دہی تک بھی رسائی حاصل کرتے ہیں۔ یہ امر اس قدر مشہور تھا کہ علی بن حمزہ تک بھی اس کا معترف تھا۔

شیخ صدوقؒ اور شیخ طوسیؒ نے امام جعفر صادقؑ سے روایت کی ہے کہ ایک صبح حضرت ام سلمہؓ کو روتے ہوئے دیکھا گیا ان سے دریافت کیا گیا کہ آپ کیوں رو رہی ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا: کل رات میرا بیٹا حسینؑ شہید ہوگیا ہے۔ میں نے رسول خداؐ کو ان کی رحلت سے لے کر آج تک خواب میں نہیں دیکھا تھا۔ لیکن کل رات میں نے انہیں نہایت رنجیدہ اور دل شکستہ حالت میں دیکھا ہے۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہؐ آپ اس قدر محزون اور گریاں کیوں نظر آرہے ہیں؟ فرمایا: میں کل سے لے کر آج تک حسینؑ اور اصحاب حسینؑ کے لئے قبریں کھودنے میں مصروف رہا ہوں۔ (بحارالانوار: ۴۵/۲۳۰ب ۴۲ح۱، نفس المہموم/۳۹۰)

یہ حدیث مبارکہ دلالت کرتی ہے کہ رسول خداؐ نے بھی سید الشہداءؑ کی تدفین میں شرکت کی تھی۔

مرحوم ملا باقر بہبہانی نے بعض معتبر کتب سے روایت کی ہے کہ جب عمر سعد نے کربلا کی طرف کوچ کیا اور (اہل بیتؑ کے) قیدیوں اور شہداء کے سروں کو کوفہ لے گئے۔ تب قبیلہ بنی اسد نے فرات کے کنارے خیمے لگا رکھے تھے۔ ان کی خواتین باہر نکلیں تاکہ پانی لے کر آئیں تو انہوں نے دیکھا کہ فرات کے کنارے اور فرات سے دور تک کچھ لاشیں خاک پر پڑی ہیں۔ ان کے درمیان میں ایک ایسی لاش ہے جو سب لاشوں سے زیادہ منور اور عطر بیز ہے۔

ان خواتین نے نالہ وفریاد کرتے ہوئے کہا: خدا کی قسم! یہ تو حسینؑ اور ان کے اہل بیتؑ کی لاشیں ہیں۔ وہ نالہ وفریاد کرتی ہوئیں اپنے خیموں کی طرف واپس چلی گئیں اور کہنے لگیں: اے بنی اسد! تم (آرام سے) بیٹھے ہوئے ہو اور حسینؑ اور اہل بیت حسینؑ اور ان کے ساتھیوں کی لاشیں قربانی کے جانوروں کی طرح صحرا کی ریت پر پڑی ہیں۔ اور ہوا ان کے جسموں پر خاک ڈال رہی ہے۔ اگر تمہیں ان سے محبت وموالات ہے تو آؤ ان کو دفن کرو ورنہ ہم خود دفن کریں گی۔

وہ کہنے لگے : ہم ابن زیاد اور ابن سعد سے ڈرتے ہیں کہ کہیں ہم پر لشکر کشی نہ کردیں اور ہمارے قتل وغارت کا باعث بنیں۔

قوم کے بزرگ نے کہا : ہم کوفے کے راستے پر نگہبان بٹھا دیتے ہیں اور خود لاشوں کو دفن کرتے ہیں۔

جب وہ لاش حسینؑ کے کنارے آئے تو گریہ کناں تھے ۔انہوں نے ہر ممکن کوشش کی کہ آپؑ کے بدن مطہر کو اٹھائیں مگر وہ ایسا نہ کرسکے ۔کہنے لگے : پہلے ہم دیگر تمام شہدا کو دفن کرتے ہیں۔

ان کے سردار نے کہا:ان لاشوں کو کوئی نہیں پہچانتا کیونکہ یہ بغیر سروں کے اور خاک آلودہ حالت میں ہیں اور اگر کسی نے ہم سے پوچھا تو اسے کیا جواب دیں گے ؟ابھی وہ اسی گفتگو میں تھے کہ ایک سوار کو آتے ہوئے دیکھا۔ وہ اسے دیکھ کر متفرق ہوگئے ۔ سوار لاشوں کے نزدیک پہنچ کر پیدل ہوگیا اور رکوع کی حالت کی طرح تعظیم بجالایا اور اپنے آپ کو لاش حسینؑ پر گرادیا۔ وہ لاش امامؑ کو سونگھتا اور چومتا تھا۔ وہ اس قدر رویا کہ اس کا روبند آنسوؤں سے تر ہوگیا۔ پھر اس نے سر اٹھایا اور کہا تم یہاں کیسے کھڑے ہو؟ وہ کہنے لگے : ہم ان لاشوں کا تماشا کرنے آئے ہیں۔ اس سوار نے کہا : نہیں تم انہیں دفن کرنے آئے ہو۔

وہ کہنے لگے : ہاں ایسا ہی ہے۔ لیکن ہم لاش حسینؑ کو تو اٹھا ہی نہیں سکے اور دوسرے تمام شہداء کی بھی ہمیں کوئی پہچان نہیں ہے (جب اس سوار نے) یہ بات سنی تو نالہ وفریاد کرنے لگا۔ اس نے ایک جانسوز آہ کھینچی اور روتے ہوئے کہا:

یَااَبَتَاہُ'یَااَبَاعَبْدِاللّٰہِ'لَیْتَکَ کُنْتَ حَاضِرًا وَتَرَانِی اَسِیْرًا ذَلِیْلاً.

''بابا جان ! کاش آپ زندہ ہوتے اور مجھے اس اسیری اور ذلت کی حالت میں دیکھتے''

پھر وہ شخص اٹھا اور ہم سے مخاطب ہو کر فرمایا: میں تمہیں ان کی نشاندہی کراتا ہوں)
اور ایک خط کھینچ کر فرمایا: اس جگہ کو کھودو جب ایک گڑھا کھد گیا تو کئی لاشوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ انہیں لاؤ اس طرح ہم نے سترہ (۱۷) بے سر لاشوں کو اس جگہ دفن کر دیا۔

اس کے بعد اس نے ایک اور خط کھینچا اور فرمایا: گڑھا کھودو، اور باقی لاشوں کو ہم نے اس میں دفن کر دیا۔ فقط ایک لاشہ رہ گیا تو فرمایا: یہ لاشہ ان کے سرہانے دفن کیا جائے گا
ہم نے چاہا کہ لاش حسینؑ کی تدفین میں اس کی مدد کریں لیکن اس ہستی نے نہایت مہربانی سے فرمایا۔ تمہاری کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ہم حیران تھے کہ یہ کس طرح ہو سکتا ہے ہم سب تو اس لاش مطہر کے ایک عضو تک کو حرکت نہیں دے سکے؟

فَبَكٰى بُكَاءً شَدِيْدًا فَقَالَ: مَعِيَ مَنْ يُعِيْنُنِيْ.

''اس نے شدید گریہ کرتے ہوئے فرمایا: کوئی میرے ساتھ ہے تو میری مدد کرے گا''

پھر اپنے دونوں ہاتھ پشت حسینؑ پر رکھے اور فرمایا:

بِسْمِ اللّٰهِ وَبِاللّٰهِ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ، وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ مَاشَاءَ اللّٰهِ وَلَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ.

''اور تنہا اس لاش کو قبر میں رکھا''

''ثُمَّ وَضَعَ خَدَّهُ عَلٰى مَنْحَرِهِ الشَّرِيْفِ وَهُوَيَبْكِيْ وَيَقُوْلُ: طُوْبٰى لِلْاَرْضِ تَضَمَّنَتْ جَسَدَكَ الشَّرِيْفَ، اَمَّا الدُّنْيَا فَبَعْدَكَ مُظْلِمَةٌ وَالْاٰخِرَةُ بِنُوْرِكَ مُشْرِقَةٌ،

أَمَّا الْحُزْنُ فَسَرْمَدٌ وَاللَّيْلُ فَمُسَهَّدٌ، حَتّٰى يَخْتَارَ اللّٰهُ لِي ذٰرَاکَ الَّتِي اَنْتَ مُقِيمٌ بِهَا فَعَلَيْکَ مِنِّي اَلسَّلَامُ يَابْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُهُ.

''پھر اپنا چہرہ باپ کے کٹے ہوئے گلے پر رکھا اور فرمایا خوش نصیب ہے یہ زمین جو آپؑ کے جسد مطہر کو آغوش میں لے رہی ہے۔ آپؑ کے بعد دنیا تاریک ہوگئی اور آخرت آپؑ کے نور سے روشن ہوگئی میرا غم ہمیشہ رہنے والا ہے اور میری راتیں جاگتے گزریں گی۔ جب تک کہ خداوند کریم مجھے اس منزل پر فائز نہیں کر دیتا جس پر آپ مقیم ہیں اے فرزند رسول خداؐ آپ پر میرا اسلام ہو۔

پھر قبر مطہر کے دھانے کو پتھروں سے بند کیا اور آپ پر مٹی ڈالی اور اپنا ہاتھ قبر مبارک پر رکھ کر اپنی انگلیوں سے تحریر کیا:

''هٰذَا قَبْرُ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ أَبِيْ طَالِبِ اَلَّذِىْ قَتَلُوْهُ عَطْشَانًا غَرِيْبًا''

''یہ حسینؑ بن علیؑ بن ابی طالبؑ کی قبر ہے' جسے پیاس اور غربت (بے وطنی) میں شہید کر دیا گیا۔

اس کے بعد ہم سے فرمایا: دیکھو کوئی باقی تو نہیں رہ گیا؟

ہم نے کہا: ہاں ایک بہادر کا لاشہ نہر علقمہ کے کنارے پڑا ہے اور دو لاشے اس کے نزدیک پڑے ہیں۔ زخموں کی زیادتی کی وجہ سے انہیں جس طرف سے حرکت دیتے ہیں وہ دوسری طرف زمین پر گر جاتے ہیں۔

فرمایا: آؤ چلیں جب اسے دیکھا تو اپنے آپ کو اس لاشے پر گرا دیا۔ وہ روتے بھی تھے اور اسے چومتے بھی تھے اور فرماتے تھے۔

يَاعَمَّاهُ ، لَيْتَكَ تَنْظُرُ حَالَ لُحَرَمِ وَالْبَنَاتِ وَهُنَّ يُنَادِيْنَ
وَاعَطَشَاهُ وَغُرْبَتَاهُ .

''اے عمو جان! کاش آپ اہل حرم اور بیٹیوں کی حالت دیکھتے کہ وہ کیسے ہائے
پیاس اور ہائے غربت کی فریاد بلند کر رہی تھیں۔

عَلَى الدُّنْيَا بَعْدَكَ الْعَفَا' يَاقَمَرَ بَنِيْ هَاشِمٍ فَعَلَيْكَ مِنِّى
السَّلَامُ مِنْ شَهِيْدٍ مُحْتَسِبٍ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ .

''اے قمر بنی ہاشمؑ! آپ کے بعد دنیا پر خاک میرا آپ پر سلام کہ آپ راہ
خدا میں شہید کر دیئے گئے اور اس کی جزا حاصل کی' آپ پر خدائے متعال
کی رحمتیں اور برکتیں ہوں''

ہم نے زمین میں گڑھا کھودا اور انہوں نے اکیلے اس جسد مطہر کو سپرد خاک کیا اور ہم میں سے کسی کی شراکت قبول نہ کی۔ قبر مبارک کو بند کیا اور مٹی ڈال دی۔ بعد میں حکم دیا کہ دوسرے دو لاشوں کو دفن کر دو۔

(جب ہم ان لاشوں کی تدفین سے فارغ ہوئے تو اس سوار نے کہا: چلو اب ہم حر بن یزید کی لاش کو بھی دفن کریں۔ وہ آگے آگے چلے اور ہم ان کے پیچھے پیچھے تھے۔ جب اس لاشے پر پہنچے تو فرمایا:

أَمَّا اَنْتَ فَقَدْ قَبِلَ اللّٰهُ تَوْبَتَكَ 'وَزَادَ فِيْ سَعَادَتِكَ بِبَذْلِكَ
نَفْسَكَ اَمَامَ ابْنِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ؟

''خدا نے تمہاری توبہ قبول کی اور تمہاری سعادت کو بڑھایا' کیونکہ تم نے
فرزند رسول کی راہ میں جان قربان کرنے میں سبقت حاصل کی''

بنی اسد نے ارادہ کیا کہ اس لاشے کو بھی اٹھا کر دوسرے شہداء کے پاس لے

جائیں لیکن اس ہستی نے منع فرما دیا اور فرمایا: اس کو اسی مقام پر دفن کردو اس کے بعد وہ جواں اپنے گھوڑے کی طرف بڑھا کہ سوار ہو۔ ہم نے چاروں طرف سے اسے گھیرے میں لے لیا کہ اس سے کچھ پوچھیں اس نے خود ہی فرمایا: وہ قبر حسینؑ ہے جس کو تم پہچانتے ہو۔ دور پہلی گودالی میں آپ کے اہل بیت یعنی جوانان بنی ہاشم ہیں اور آپ کے ان سب سے نزدیک تر آپؑ کے بیٹے علی اکبرؑ ہیں، دوسرے گڑھے میں آپؑ کے اصحاب ہیں اور وہ علیحدہ قبر آپ کے علمدار حبیب ابن مظاہر کی ہے۔

اور وہ بہادر جو دریائے (علقمہ) کے کنارے پڑے تھے وہ عباسؑ ابن امیر المومنینؑ ہیں۔ اور دوسرے دو لاشے اولاد امیر المومنینؑ کے تھے اگر کوئی تم سے پوچھے تو اسے بتا دینا۔

ہم نے کہا: ہم آپؑ کو اس جسد مبارک کو قسم دیتے ہیں جسے تنہا (علیحدہ) دفن کیا گیا ہے۔ ہمیں اپنا تعارف کروائیے۔

فرمایا: میں تمہارا امام علی بن الحسین ہوں۔

ہم نے کہا: آپ علیؑ ہیں!

فرمایا: ہاں اور ہماری نظروں سے غائب ہو گئے۔

(وقایع الایام تتمہ محرم/۱۳۷، معالی السبطین: ۲/ ۳۸، دارالسلام عراقی/ ۵۱۴ تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ از مدینۃ العلم مرحوم سید نعمت اللہ جزائری)

شیخ طوسی کی روایت سے استفادہ ہوتا ہے کہ بنی اسد ایک تازہ حصیر بوریا لائے اور لاش حسین کو اس پر رکھ کر دفن کیا گیا۔ جیسا کہ دیزج (جسے متوکل ملعون نے امام حسینؑ کی قبر کو منہدم کرنے پر مامور کیا تھا سے روایت ہے کہ اس نے کہا: میں اپنے مخصوص غلاموں کے ساتھ آیا اور قبر حسینؑ کو شگافتہ کیا۔ میں نے ایک تازہ حصیر (بوریا) دیکھا کہ حسینؑ کا بدن اس کے اوپر پڑا تھا اور اس سے مشک کی خوشبو آ رہی تھی، میں نے اس حصیر کو اسی حالت میں چھوڑ دیا اور حکم دیا کہ قبر

(مطہر) پر مٹی ڈال دی جائے اوراس پر پانی چھڑکا جائے۔
(بحارالانوار:۴۵/۳۹۴ب۵۰ح۲'امالی طوسی:۱/۳۲۴)

حَقٌّ اَنْ لَاتَكْفُنُوْا عَلَوِيًّا
بَعْدَ مَا كُفِّنَ الْحُسَيْنُ بَوَارًا
لَاتَمُدُّوالَكُمْ عَنِ الشَّمْسِ ظِلًّا
اِنَّ فِي الشَّمْسِ مُهْجَةَ الْاَبْرَارِ
لَاتَشُقُّوا لِآلِ بَهْرٍ قُبُوْرًا
وَابْنُ طٰهٰ مُلْقًى بِلَا اِقْبَارٍ

''محمد سعید بن عبداللہ حائری اپنے مقتل میں بنی اسد کے شہداء کی تدفین کے لئے آنے اورامام زین العابدینؑ کے اپنے بابا کودفن کرنے کے لئے تشریف لانے کا تذکرہ کرنے کے بعد روایت کرتے ہیں کہ زخموں کی کثرت اور اعضائے مقدسہ کے جدا ہو جانے کی وجہ سے آنحضرت (امام سجادؑ) نے بنی اسد سے فرمایا کہ ایک حصیر لے آؤ۔
دو ہاتھ نمودار ہوئے اور انہوں نے لاشہ اقدس کو پکڑا' وہ دو ہاتھ رسول خداؐ کے تھے اور قطع شدہ تمام اعضاء اس بوریا کے اوپر تھے حتیٰ کہ وہ انگلی جو بجدل ملعون نے کاٹی تھی وہ بھی دفن کی گئی۔ (کبریت احمر/۴۹۳)
کربلا میں زائرین کی ایک جماعت بزرگ عالم سید مرتضیٰ کشمیری کی خدمت میں پہنچی کہ شہزادہ علی اصغرؑ کی قبر مبارک کے بارے میں دریافت کریں۔انہوں نے بہت زیادہ گریہ کرنے کے بعد جواب دیا میں نہیں جانتا۔صبح آنا تمہیں تسلی بخش جواب دوں گا۔
رات کوخواب میں سید الشہداءؑ کو دیکھا کہ فرما رہے تھے: آقائے کشمیری! تم نے زائرین کو جواب کیوں نہیں دیا۔

مرتضیٰ کشمیری کہتے ہیں میں نے عرض کیا: میں انہیں کیا بتاتا کہ اس شہزادے کی قبر مطہر کے متعلق کچھ نہیں جانتا۔

فرمایا: جان لو اور ان کو بتا دو کہ میرے بیٹے (علی اصغرؑ) کی قبر میرے سینے کے اوپر ہے۔ (مقتل جامع: ۱/۴۵۰)

پہلے ہم بیان کر چکے ہیں کہ آنحضرتؑ نے اپنے بچے کی لاش اطہر اپنے خیام کے پس پشت دفن کر دی تھی۔ اور ابو خلیق کی خبر سے استفادہ ہوتا ہے کہ اس شہزادے کا لاشہء اطہر زمین سے باہر نکالا گیا تھا۔ ظاہر ہے امام سجادؑ نے اس معصوم کے لاشہ اطہر کو بھی (یقیناً) دفن کیا ہوگا۔

مرحوم آیۃ اللہ بیرجندی یہ بعید خیال کرتے ہیں کہ حر کی لاش کو دوسرے شہداء سے علیحدہ دفن کیا گیا ہو۔ لیکن بعد میں لکھتے ہیں:

البتہ شاہ اسماعیل صفوی کے دور میں قبر حر کی کھدائی اور ان کے بدن اطہر کو تازہ حالت میں دیکھنا' ان کے سر سے رومال اتارنا اور خون کا جاری ہو جانا جس کی وجہ سے وہی رومال دوبارہ ان کے سر پر باندھ دیا گیا ''انوار نعمانیہ'' میں مذکور ہے۔ (جس کا تذکرہ ہم نے مقتل حر کے باب میں کر دیا ہے۔ مؤلف)

مرحوم محدث قمی لکھتے ہیں۔ مرحوم شہیدؒ اپنی کتاب ''دروس'' میں حضرت ابا عبداللہ کی زیارت کے فضائل کا ذکر کرنے کے بعد رقم طراز ہیں: جب بھی زیارت کیلئے جاؤ تو امام عالی مقامؑ کی زیارت کے بعد آپ کے بیٹے علیؑ بن الحسینؑ (علی اکبرؑ) کی زیارت کرو اور آپ کے بھائی حضرت عباسؑ کی زیارت کرو نیز حر بن یزید کی زیارت کرو۔..................

اور یہ کلام ظاہر بلکہ صریح ہے کہ شیخ شہید کے زمانے میں جناب حر کی قبر اس جگہ مشہور تھی اور اس شیخ جلیل کے نزدیک یہ بات معتبر تھی، اور اسی قدر یہ امر ہمارے لئے

(معتبر) ہے۔ (منتہی الآمال :۱/۴۰۶)

بعض لوگ حضرت حر کے لاشے کو دیگر شہداء کے درمیان سے (علیحدہ مقام پر) لے جانے کا سبب یہ بیان کرتے ہیں کہ لشکر کوفہ ان کے جسم کو پامال نہیں کرنا چاہتا تھا۔

اور بعض کا کہنا ہے کہ ان کی والدہ ان کے ہمراہ تھی جس نے ان کے لاشے کو شہداء سے دور ہٹا دیا۔ (کبریت احمر/۴۱۸)

مرحوم عمادالدین طبری تحریر کرتے ہیں۔ حر بن یزید کو اس جگہ کے نزدیک ہی دفن کیا گیا جہاں وہ شہید ہوئے تھے۔ (کامل بہائی :۲/۲۸۷)

قابل توجہ بات یہ ہے کہ حضرت علی اکبرؑ کو باپ سے قربت کے سبب باپ کے پائین پا دفن کیا گیا۔

اور امتیاز کے لحاظ سے بھی آپؑ خاندان کے درمیان برخوردار تھے۔ اور حضرت ابوالفضلؑ عباس) کو علیحدہ اس لیے دفن کیا گیا کہ ان کی عظمت اور بزرگواری مشخص ہو اور ان کے بلند مقام کی وجہ سے انہیں عزت و جلالت دی گئی۔ نیز اس لیے کہ زائرین آنجناب سے بھی فیض عظمٰی حاصل کریں۔

جب کہ حبیب ابن مظاہر کو عمر رسیدہ ہونے کے سبب اور اس امتیاز کے سبب جو انہیں اصحاب (حسینؑ) کے درمیان حاصل تھا، علیحدہ دفن کیا گیا۔ جب کہ حر کو علیحدہ دفن کرنے کا باعث ان کے ایثار اور فداکاری کا شکریہ ادا کرنے کے علاوہ ان کی توبہ کے بلند مقام کو واضح کرنا تھا۔

تدفین شہداء کا دن

مشہور ہے کہ شہدائے کربلا کے اجساد طاہرہ تین دن تک غیر مدفون حالت میں روئے زمین پر پڑے رہے۔ (منتہی الآمال:۱/ ۴۰۷)

مرحوم سپہر تحریر کرتے ہیں: تمام شہداء کو بارہ محرم کے دن سے پیشتر، کہ ان کی شہادت کا تیسرا دن تھا، سپرد خاک کر دیا گیا۔ (ناسخ التواریخ:۳/ ۴۴)

مرحوم آیت اللہ بیرجندی فرماتے ہیں:

اکثر (مؤرخین) نے شہدائے کربلا کا روز تدفین بارہ محرم تحریر کیا ہے۔
(کبریت احمر/۴۹۶)

اور مرحوم خیابانی نے بھی شہدا کی تدفین کا دن بار محرم لکھا ہے۔
(وقائع الایام تتمہ محرم/۱۳۲)

لیکن مرحوم مقرم، مسعودی کی اثبات الوصیہ کی نقل کرتے ہوئے رقم طراز ہیں: امام سجادؑ اپنے والد بزرگوار کی تدفین کے لیے محرم کی تیرہ تاریخ کو تشریف لائے۔
(مقتل مقرم/۴۱۴)

اسیریٔ اہل بیتؑ

زیارت ناحیہ مقدسہ میں حضرت ولی عصر عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف فرماتے ہیں

وَرُفِعَ عَلَی الْقَنَاةِ رَأسُکَ وَسُبِیَ اَهْلُکَ کَالْعَبِیْدِ وَصُفِّدُوا فِی الْحَدِیْدِ فَوْقَ اَقْتَابِ الْمَطِیَّاتِ، تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمْ حَرُّ الْهَاجِرَاتِ یُسَاقُوْنَ فِی الْبَرَارِیْ وَالْفَلَوَاتِ اَیْدِیْهِمْ مَغْلُوْلَةٌ اِلَی الْاَعْنَاقِ یُطَافُ بِهِمْ فِی الْاَسْوَاقِ.

''آپؑ کے سر مبارک کو نیزے پر چڑھادیا گیا اور آپؑ کے اہل وعیال کو غلاموں کی طرح اسیر کرلیا گیا اور (بے پالان) اونٹوں پر بٹھا کر زنجیروں سے باندھ دیا گیا۔ نصف النہار پر سورج کی گرمی نے ان کے چہروں کو جھلسا دیا۔ انہیں صحراؤں اور بیابانوں میں (منزل بہ منزل) آگے لے جایا گیا' ان کے ہاتھ زنجیروں کے ساتھ پس گردن بندھے ہوئے تھے، اور انہیں اس حالت میں بازاروں میں پھرایا گیا''۔

(بحار: ۱۰۱/۳۲۲)

مرحوم حاج ملا سلطان علی روضہ خوان تبریزی' جو کہ عابدوں اور زاہدوں میں سے تھے، نقل فرماتے ہیں کہ میں حالت خواب میں حضرت بقیۃ اللہ عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کی

خدمت میں پہنچا۔ میں نے عرض کیا: میرے آقا! جو زیارت ناحیہ مقدسہ میں مذکور ہے کہ آپ نے فرمایا:

فَلاَ نَدُبَنَّکَ صَباحًا وَمَسَاءً وَلاَبَکِیَنَّ عَلَیکَ بَدَلَ الدُّمُوعِ دَمًا

(''ہر صبح و شام میں آپ کے لئے نالہ و فریاد کرتا ہوں اور آپ پر آنسوؤں کے بجائے خون روتا ہوں'') کیا یہ صحیح ہے؟

فرمایا: ہاں صحیح ہے' میں نے عرض کیا: وہ کون سی مصیبت ہے جس پر آپ نے آنسوؤں کے بجائے خون رونا شروع فرمایا: کیا وہ علی اکبرؑ کی مصیبت (شہادت) ہے؟ فرمایا: اگر علی اکبرؑ زندہ ہوتے تو اس مصیبت میں وہ بھی خون روتے۔

میں نے کہا: کیا یہ حضرت عباسؑ کی مصیبت ہے؟

فرمایا: اگر حضرت عباسؑ بھی زندہ ہوتے تو وہ بھی اس مصیبت میں خون روتے۔

میں نے کہا: یقیناً یہ حضرت سید الشہداء کی مصیبت ہوگی؟ امامؑ نے فرمایا: اگر سید الشہداء زندہ ہوتے تو وہ بھی اس مصیبت میں خون روتے۔

میں نے عرض کیا: آخر وہ کون سی مصیبت ہے؟

فرمایا: یہ زینبؑ کی اسیری کی مصیبت تھی کہ جس میں میں ہمیشہ خون روتا ہوں

ام ایمن کی حدیث میں جو حضرت زینبؑ نے حضرت سجادؑ کے لئے نقل فرمائی۔

اس طرح منقول ہے کہ بی بی زینبؑ نے فرمایا: (عبقری الحسان مرحوم وندی: ۱/ ۹۸ بساط دوم)

جب ابن ملجم نے میرے بابا کو ضربت لگائی تو میں نے اپنے بابا پر موت کے آثار طاری دیکھ کر عرض کیا: ام ایمن نے مجھے ایک حدیث نقل کی ہے میری خواہش ہے کہ میں وہ آپ سے سنوں۔

آنحضرتؑ نے فرمایا: اے میری بیٹی! یہ حدیث اسی طرح ہے جیسے کہ ام ایمن نے روایت کی ہے (اور حضرت نے اس میں اضافہ فرمایا)

وَكَانِّیْ بِکَ وَنِسَاءِ اَھْلِکَ سَبَایَا بِھٰذَا الْبَلَدَ ، اَذِلَّاءَ خَاشِعِیْنَ تَخَافُوْنَ اَنْ یَتَخَطَّفَکُمُ النَّاسُ ،فَصَبْرًا صَبْراً، فَوَالَّذِیْ فَلَقَ الْحَبَّةَ وَبَرَءَ النَّسَمَةَ مَالِلّٰهِ عَلٰی ظَھْرِ الْاَرْضِ یَوْمَئِذٍ وَلِیٌّ غَیْرَ کُمْ وَغَیْرَ مُحِبِّیْکُمْ وَشِیْعَتِکُمْ.

''گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ تم اور دیگر خواتین اہل بیتؑ کو اسی شہر کوفہ میں قید و بند میں اسیر اور ذلیل و خوار کیا جائے گا۔ اور تم اس قدر خوفزدہ ہو گی گویا لٹیرے تمہیں لوٹ رہے ہوں گے' پس تم صبر سے کام لینا۔ مجھے اس (ذات) کی قسم کہ جس نے دانے کو شگافتہ اور موجودات کو خلق فرمایا کہ اس روز روئے زمین پر تمہارے علاوہ اور تمہارے دوستوں اور شیعوں کے علاوہ کوئی شخص ولی نہیں ہوگا۔''

(کامل الزیارات/۲۶۶ ب ۸۸ آخر حدیث' بحارالانوار: ۴۵/۱۸۳)

حضرت زینبؑ کے اس خطبے میں جو آپ نے دربار یزید میں دیا مذکور ہے:

اَمِنَ الْعَدْلِ یَابْنَ الطُّلَقَاءِ تَخْدِیْرُکَ حَرَائِرَکَ وَاِمَائَکَ وَسَوْقُکَ بَنَاتَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمْ سَبَایَا قَدْ ھُتِکَتْ سُتُوْرُھُنَّ وَاَبْدِیَتْ وُجُوْھُھُنَّ تَحْدُوْبِھِنَّ الْاَعْدَاءُ مِنْ بَلَدٍ اِلٰی بَلَدٍ یَسْتَشْرِ فُھُنَّ اَھَلُ الْمَنَاھِلِ وَالْمَنَاقِلِ وَیَتَصَفَّحُ وُجُوْھَھُنَّ الْقَرِیْبُ وَالْبَعِیْدُ وَالدَّنِیُّ وَالشَّرِیْفُ لَیْسَ مَعَھُنَّ مِنْ رِجَالِھِنَّ وَلِیٌّ وَلَا مِنْ حُمَاتِھِنَّ حَمِیٌّ .

''اے ہمارے آزاد کردہ (طلقا) کے بیٹے! کیا یہی رسم عدالت ہے کہ تو نے اپنی عورتوں اور کنیزوں کو پردے میں بٹھا رکھا ہے لیکن رسول خداؐ کی بیٹیاں اسیر و دست بستہ تیرے سامنے کھڑی ہیں۔ ان کے پردوں کی حرمت کی

ہتک وتوہین کی جارہی ہے اوران کے چہرے بے پردہ ہیں۔ دشمن انہیں شہر بہ شہر پھرا رہے ہیں۔ انہیں صحرائی اور کوہستانی لوگوں کے سامنے لایا جاتا ہے اور ہر نزدیک و دور اور ہر پست وشریف کی نگاہیں ان پر اٹھتی ہیں نہ ان کے مرد ان کی سرپرستی کے لئے موجود ہیں اور نہ ان کے مددگاران کی حمایت کے لئے۔

(لہوف/۱۸۲،مقتل خوارزمی:۲/۶۴،بحارالانوار:۴۵/۱۳۴)

''عوالم'' (نامی کتاب) میں ہے کہ جب امام حسینؑ نے مدینہ سے ہجرت کا ارادہ فرمایا تو رسول خدا کی زوجہ محترمہ حضرت ام سلمہؓ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا:

میرے بیٹے! اپنے عراق کے سفر سے مجھے غمزدہ نہ کرو' کیونکہ میں نے آپ کے ناناؐ سے سنا ہے کہ وہ فرماتے تھے: میرا بیٹا حسینؑ کربلا میں شہید کردیا جائے گا۔

امام حسینؑ نے فرمایا: اے نانی جان! میں خود بھی یہ بات جانتا ہوں پھر فرمایا: نانی جان!

قَدْشَاءَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ اَنْ یَرَانِیْ مَقْتُوْلاً مَذْبُوحًا ظُلْمًا وَعُدْوَانًا وَقَدْ شَاءَ اَنْ یَرٰیٰ حَرَمِیْ وَرَهْطِی وَنِسَائِیْ مُشَرَّدِیْنَ وَاَطْفَالِی مَذْبُوْحِیْنَ مَاسُوْرِیْنَ مُقَیَّدِیْنَ وَهُمْ یَسْتَغِیْثُوْنَ فَلَا یَجِدُوْنَ نَاصِرًا وَلَا مُعِیْنًا.

''خداوند عزوجل چاہتا ہے کہ مجھے ظلم و جور سے شہید ہوتا دیکھے اور میرے اہل وعیال' خاندان اور خواتین کو پریشان حالی میں دربدر پھرایا جائے' وہ میرے بچوں کو سربریدہ اور اسیر ومغلوب حالت میں زنجیر بستہ دیکھنا چاہتا ہے کہ وہ استغاثہ کررہے ہوں اور کوئی ان کا فریادرس نہ ہو۔

(معالی السبطین:۱/۲۳۳،بحارالانوار:۴۴/۳۳۱)

اسی مفہوم کی مثل امام حسینؑ نے مکہ سے روانہ ہوتے وقت، اپنے بھائی محمد بن حنفیہ سے فرمایا تھا۔

"اِنَّ اللّٰهَ قَدْ شَاءَ اَنْ یَرٰیهُنَّ سَبَایَا" (لہوف/۶۵)

اور امام حسینؑ نے اپنے فرزند امام سجادؑ سے وداع کے وقت بھی فرمایا تھا:

وَ کَاَنِّی بِکَ یَاوَلَدِیْ اَسِیْرٌ ذَلِیْلٌ مَغْلُوْلَةٌ یَدَاکَ مُوْثَوقَةٌ رِجْلَاکَ

"گویا میرے بیٹے میں تمہیں ذلت کی حالت میں اسیر دیکھ رہا ہوں کہ تمہارے ہاتھوں اور پاؤں کو ان (ظالموں) نے بیڑیوں اورزنجیروں سے باندھ رکھا ہے۔ (معالی السبطین:۲/۱۱)

خداوند متعال نے حضرت موسیٰ سے فرمایا تھا...... اے موسیٰ

وَتَنْفُرُفَرَسُهُ وَتُحَمْحِمُ وَتَعْهَلُ وَتَقُوْلُ فِی صَهِیْلِهَا الظَّلِیْمَةُ اَلظَّلِیْمَةِ مِنْ اُمَّةٍ قَتَلَتْ اِبْنَ بِنْتِ نَبِیِّهَا فَیَبْقٰی مُلْقًی عَلَی الرِّمَالِ مِنْ غَیْرِ غُسْلٍ وَلَاکَفَنٍ وَیُنْهَبُ رَحْلُهُ وَتُسْبٰی نِسَاؤُهُ فِی الْبُلْدَانِ وَیُقْتَلُ نَاصِرُهُ وَتُشْهَرُرُؤُوْسُهُمْ مَعَ رَاسِهِ عَلٰی اَطْرَافِ الرِّمَاحِ

اس کا گھوڑا بھاگتا ہوا' ہنہناتے ہوئے کہے گا:

"ظلم کی انتہاء ہوگئی۔ ظلم کی انتہا ہوگئی (الانصاف الانصاف) کہ اس امت نے اپنے پیغمبرؐ کے بیٹے کو قتل کردیا۔ پھر وہ اسے زمین پر بے غسل وکفن چھوڑ دیں گے۔اس کے مال واسباب کو لوٹ لیا جائے گا اور (ظالم) اس کے اہل حرم کو شہر بہ شہر پھرائیں گے۔اس کے ساتھیوں کو شہید کردیا جائے گا۔ اوران کے سروں کو اس (حسینؑ) کے سر کے ہمراہ نیزوں پر چڑھا کر مختلف شہروں میں لے جایا جائے گا۔"

(بحارالانوار:۴۴/۳۰۸ب ۳۶'الخصائص الحسینیہ/۱۰۶)

جب حضرت زینبؑ کی ولادت باسعادت ہوئی تو رسول خداؐ کو خبر دی گئی۔ آپ

فاطمہ زہرا کے گھر تشریف لائے اور فرمایا: نوزاد کو میرے پاس لاؤ۔

جب بچی کو پیغمبر اکرمؐ کی خدمت میں لایا گیا تو آپ نے اسے اٹھایا اور اپنے سینے سے چمٹا لیا۔ اپنا چہرہ اس کے چہرے پر رکھ دیا اور بلند آواز میں اتنا شدید گریہ فرمایا کہ آنسو آپ کے رخساروں پر رواں تھے۔

حضرت فاطمہؑ نے عرض کیا: خدا آپ کو کبھی نہ رلائے آپ روتے کیوں ہیں؟

حضورؐ نے فرمایا: میری بیٹی! آگاہ ہو جاؤ کہ تمہاری یہ بچی جلد ہی طرح طرح کے مصائب اور ناگوار مشکلات میں مبتلا ہوگی۔ اے میرے جسم کے ٹکڑے اور میری آنکھوں کے نور! جوکوئی اس پر اور اس کے مصائب پر روئے گا اسے اس کے دونوں بھائیوں پر رونے کے برابر ثواب عطا کیا جائے گا۔ اس کے بعد اس بچی کا نام زینبؑ رکھا۔ (معالی السبطین:۲/۱۳۲)

بعض (مؤرخین) نے یوں نقل کیا ہے کہ جب رسول خداؐ کے آنسو جاری ہوئے تو حضرت فاطمہؑ نے کہا: جب میں نے حسنؑ کو آپ کے ہاتھ میں دیا تو آپ نے شدید گریہ کرتے ہوئے فرمایا: اسے زہر دے دیا جائے گا۔ اور جب میں حسینؑ کو آپ کی خدمت میں لائی تو آپ نے آنسو بہاتے ہوئے فرمایا: اسے شہید کر دیا جائے گا۔ میں نے پوچھا کیا (یہ ظالم) زینبؑ کو بھی شہید کر دیں گے؟

حضورؐ نے فرمایا: نہیں! اسے قیدی بنایا جائے گا۔ (نہضت حسینی:۲/۲۸)

ہم نے امام حسینؑ کے وداع کے باب میں نقل کیا ہے کہ آپ نے حضرت زینبؑ سے فرمایا:

وَكَاَنِّىْ بِكُمْ غَيْرَ بَعِيْدٍ كَالْعَبِيْدِ يَسُوقُوْنَكُمْ اَمَامَ الرِّكَابِ وَيَسُوْمُوْنَكُمْ سُوءَ الْعَذَابِ .

"گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ یہ تمہیں جلد ہی غلاموں کی طرح اپنے آگے آگے (ہانکتے ہوئے) لے چلیں گے (یعنی قیدی بنالیں گے) اور تمہیں سخت مصائب سے دوچار ہونا پڑے گا۔ (الطراز المذہب:/۲۲۵، معالی السبطین:۲/۱۴)

امام زین العابدینؑ نے زہری سے فرمایا تھا: جس وقت ہم مدینہ سے کربلا کی طرف روانہ ہوئے۔تو جناب زینبؑ کے سوار ہوتے وقت میرے چچا عباسؑ نے ایک طرف سے ان کا بازو پکڑا اور میرے بھائی علی اکبرؑ نے دوسری طرف سے۔ اچانک میرے بابا حسینؑ آئے اور اپنے زانو کو خم کر کے(سہارا دے کر) اس معظّمہ بی بی کو محمل میں سوار کرایا۔ اس کے بعد میرے بابا ایک کونے میں بیٹھ گئے اور ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

جناب زینبؑ نے میرے بابا سے عرض کیا: میں آپ کو ماں زہراؑ کی قسم دیتی ہوں ،مجھے بتاؤ کہ آپ کے رونے کا سبب کیا ہے؟

فرمایا: میں تمہیں درپیش آنے والی اسیری کا تصور کر کے رو رہا ہوں اور کتاب ''لؤلؤ والمرجان'' میں تحریر ہے: ابوحمزہ ثمالی کہتے ہیں کہ میں امام سجادؑ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے دیکھا امام شدید گریہ فرما رہے تھے۔ میں نے اس کا سبب پوچھا تو فرمایا: میں اہل بیتؑ کی قید کو یاد کر کے رو رہا ہوں۔ (سہفت حسینی:۲/۳۱و۳۲البتہ مآخذ کتاب تحقیق طلبہیں)

''اسرار الشہادة'' اور دوسری کتابوں میں مرقوم ہے: میں نے تقریباً چالیس محمل دیکھے جو قیمتی پوشش سے مزین تھے۔امام حسینؑ نے فرمایا: بنوہاشم اپنی اپنی محرمات کو سوار کرائیں۔

اس دوران میں میں نے حشمت وجلال کا یہ منظر بھی دیکھا کہ سرائے حسینؑ سے ایک بلند و بالا جوان جس کے چہرے پر ایک تل تھا اور چہرہ چاند کی طرح چمک رہا تھا۔ برآمد ہوا اور فرمانے لگا، اے بنی ہاشم! دور ہٹ جاؤ۔ اس وقت دو مخدرات عصمت نہایت عفت سے دامن کشاں (گھر سے) باہر نکلیں۔کنیزوں نے انہیں چاروں طرف سے گھیر رکھا تھا۔اس جوان نے زانو پکڑے اور وہ دونوں معظّمہ بیبیاں سوار ہوئیں۔میں نے پوچھا: یہ کون ہیں؟

مجھے بتایا گیا: یہ امیر المومنینؑ کی بیٹیاں زینبؑ و ام کلثومؑ ہیں اور یہ جوان قمر بنی ہاشم عباسؑ ابن علیؑ ہے۔(خصائص الزینبیہ/۸۶خصیصہ ۲۱)

اہل بیتؑ کا کوفہ میں ورود

بارہ محرم کے دن اہل بیتؑ رسالت کوفہ میں داخل ہوئے

(وقائع الایام تتمہ محرم/۲۱۴)

جب ابن زیاد کو یہ خبر ملی کہ اہل بیتؑ کوفہ کے نزدیک پہنچ گئے ہیں تو اس نے حکم دیا کہ شہداء کے سر جو کہ ابن سعد نے پہلے ہی روانہ کردیئے تھے، واپس لے جائے جائیں اور نیزوں پر نصب کر کے انہیں اہل بیتؑ کے ہمراہ شہر میں داخل کیا جائے۔ اور کوفہ کے کوچہ و بازار میں پھرایا جائے تا کہ یزید کی سلطنت کے قہر و غلبہ اور رعب و جلال کی لوگوں پر دھاک بیٹھ جائے اور لوگ مزید خوف زدہ ہو جائیں۔

جب کوفہ کے لوگوں کو اہل بیتؑ کے شہر میں داخلے کی خبر ملی تو وہ شہر سے باہر نکل آئے مرحوم محتشم نے کہا تھا:

چون بی کسان آل نبیؐ دربدر شدند
در شہر کوفہ نالہ کناں نوحہ گر شدند
سرھای سروران ہمہ بر نیزہ و سنان
درپیش روی اہل حرم جلوہ گر شدند

از نالہ ھای پرد گیانؑ ساکنان عرش

جمع از پی نظارہ بہر رہگذر شدند

بی شرم امتی کہ نترسید از خدا

برعترت پیغمبرؐ خود پردہ در شدند

دست از جفا نداشتہ برزخم اہل بیتؑ

ہردم نمک فشان بجفای دگر شدند

''جب آل نبی کے بے کس افراد دربدر ہوگئے تو وہ کوفہ شہر میں نالہ کناں اور نوحہ گر تھے تمام شہداء کے سر نیزوں اور سنانوں پر نصب تھے اور انہیں اہل حرم کے آگے آگے لایا جا رہا تھا۔ پردہ داروں کے نالہ وفریاد سے عرش کے رہنے والے یہ منظر غم دیکھنے کے لئے ہر رہ گزار پر جمع ہوگئے۔ بے شرم امت جسے خوف خدا تک نہ تھا' خود اپنے پیغمبر کی عترت کی پردہ دری کر رہی تھی۔ انہوں نے جفا سے ہاتھ نہ اٹھایا اور اہل بیت نبیؐ کے زخموں پر ہر لحظہ نئی سے نئی جفا کی نمک فشانی کی۔ (منتہی الآمال ۱/۴۰۷)

ابن سعد قیدیوں کو ہمراہ لیے جب کوفہ کے نزدیک پہنچا تو کوفہ کے لوگ قیدیوں کا تماشا دیکھنے کے لئے ان کے اردگرد جمع ہوگئے۔

راوی کہتا ہے: کوفہ کی عورتوں میں سے ایک نے اپنا سر اٹھا کر کہا:

مِنْ أَيِّ الأُسَارىٰ أَنْتُنَّ ؟ فَقُلْنَ: أُسارىٰ آلِ مُحَمَّدٍ

''قیدیو! تم کس قبیلے سے ہو؟ انہوں نے کہا: ہم آل محمدؐ ہیں (جوان ظالموں کی قید میں ہیں'')

بعض کتابوں میں اس واقعہ کو تفصیلاً درج کیا گیا ہے اور اس عورت کا نام ''ام حبیبہ'

مذکور ہے۔

جب اس عورت نے یہ بات سنی تو جلدی سے چھت سے نیچے اتری اور جو کچھ اوڑھنے کے کپڑے (چادریں' جالے اور روسریاں) اس کے گھر میں تھے' قیدیوں کو پیش کیے اور انہیں اوڑھائے۔

راوی کہتا ہے ان خواتین کے ہمراہ علیؑ بن الحسینؑ تھے جو بیماری کے سبب رنجور اور لاغر تھے۔ اور دوسرے حسن بن حسن مثنیٰ تھے کہ جنہوں نے اپنے چچا اور امام پر فدا کاری کی اور تلواروں اور نیزوں کے زخم برداشت کئے۔ اور چونکہ وہ زخموں کی زیادتی کے سبب ناتواں تھے اور ان میں ابھی کچھ رمق (جان) باقی تھی کہ میدان جنگ سے باہر اٹھا لئے گئے۔

صاحب ''مصابیح'' تحریر کرتے ہیں: حسن بن حسنؑ مثنی نے اپنے چچا کے ہمرکاب یوم عاشور ستر (۷۰) افراد کو قتل کیا اور اٹھارہ زخم برداشت کئے۔ اور شہادت پائی۔ ان کے دائی اسماء بن خارجہ نے ان کو اٹھایا اور کوفہ لے گیا اور علاج معالجہ کرتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ صحت یاب ہوگئے۔ اور انہیں مدینہ واپس پہنچا دیا گیا۔

امام حسنؑ کے دو بیٹے زید اور عمرو بھی قیدیوں کے اس قافلے کے ہمراہ تھے جب اہل کوفہ کی نظریں ان (اہل بیتؑ) پر پڑیں تو وہ رونے لگے اور نوحہ سرائی کرنے لگے۔

امام سجادؑ نے فرمایا: تم ہمارے حال زار پر نوحہ و گریہ کر رہے ہو تو پھر جس شخص نے ہمیں قتل کیا وہ کون تھا؟ (لہوف/۴۴ اور تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ مثیر الاحزان/۸۵)

علامہ مجلسیؒ نے بعض معتبر کتابوں سے مسلم گچکار (معمار) سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا: ابن زیاد نے مجھے دارالامارہ کی تعمیر و مرمت کے لئے مقرر کر رکھا تھا۔ اس دوران میں جب کام میں مشغول تھا تو میں نے اطراف کوفہ سے ''وھیاھو'' کی بلند آوازیں سنیں۔ جو مزدور میرے ساتھ تھا' میں نے اس سے پوچھا: کوفہ میں یہ شور و غوغا کیسا ہے؟ کہنے لگا۔ ایک خارجی شخص نے یزید کے خلاف خروج کیا تھا اس کا سر لائے ہیں۔ میں نے کہا

: یہ خارجی کون ہے؟ کہنے لگا حسینؑ ابن علیؑ۔

میں نے یہ سننے کے باوجود خود پر قابو رکھا۔ جب یہ مزدور باہر گیا تو میں نے اپنے چہرے پر اتنے زور سے دو ہتڑ مارا کہ آنکھوں کے ضائع ہونے کا خدشہ تھا' اپنے گچ آلود ہاتھوں اور چہرے کو صاف کیا اور دارالامارہ کے عقب سے باہر نکل آیا تا کہ محلّہ کناسہ میں پہنچوں۔

لوگ قیدیوں اور سروں کی آمد کے منتظر تھے۔ میں بھی وہاں کھڑا ہو گیا۔ اچانک چالیس کے قریب محمل ظاہر ہوئے جو چالیس اونٹوں پر رکھے ہوئے تھے، اوران کے درمیان سید الشہداءؑ کے اہل حرم، عورتیں اور اولاد فاطمہؑ تھے۔ علیؑ بن الحسینؑ ایک برہنہ (بے پالان اونٹ پر سوار تھے۔ زنجیر کی سختی سے ان کی گردن کی رگوں میں سے خون بہہ رہا تھا اور وہ گریہ کر رہے تھے۔

مسلم کہتا ہے: میں نے کوفہ کے لوگوں کو دیکھا کہ وہ بچوں کو خرمے' نان اور اخروٹ دے رہے تھے۔ ام کلثوم نے اہل کوفہ کو مخاطب کر کے فرمایا:

اِنَّ الصَّدَقَةَ عَلَيْنَا حَرامٌ .

''ہم اہل بیتؑ پر صدقہ حرام ہے''

اور ان اشیاء کو بچوں کے ہاتھوں سے لے کر دور پھینک دیا۔ لوگ ان کے مصائب پر گریہ کر رہے تھے۔

پھر ام کلثوم نے محمل سے سر باہر نکالا اور فرمایا: اے اہل کوفہ خاموش ہو جاؤ۔ تمہارے مردوں نے ہم کو قتل کیا اور تمہاری عورتیں ہم پر گریہ کرتی ہیں! خداوند متعال قیامت کے روز ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ فرمائے گا۔

پھر ام کلثوم نے محمل سے سر باہر نکلا اور فرمایا: اے اہل کوفہ! خاموش ہو جاؤ تمہارے مردوں نے ہم کو قتل کیا اور تمہاری عورتیں ہم پر گریہ کرتی ہیں! خداوند متعال قیامت

کے روز ہمارے اورتمہارے درمیان فیصلہ فرمائے گا۔

وہ بی بی ابھی کلام کر ہی رہی تھی کہ شور وغوغا ختم ہوگیا اور نیزوں پر چڑھے شہداء کے سروں کو لایا گیا۔ ان سروں کے آگے آگے حسین علیہ السلام کا نورانی سر تھا جو تابندہ و درخشندہ اور رسول خداؐ سے لوگوں میں سب سے زیادہ مشابہ تھا۔ ریش مبارک شب کی سیاہی کہ جس طرح چمکدار کالا پتھر چمکتا ہے) سے خضاب شدہ تھی بالوں کی جڑوں میں سے سفیدی ظاہر ہورہی تھی۔ آپ کا چہرہ چاند کی طرح چمک رہا تھااور ہوا آپ کی ریش مبارک کے بالوں کودائیں اور بائیں حرکت دیتی تھی۔

حضرت زینبؑ کی نگاہ جوں ہی سرمبارک پر پڑی آپ نے اپنی پیشانی کومحمل کے آگے کی لکڑی پر مارا آپ کے مقنعہ سے خون بہنے لگا۔ بی بی نے سوز دل کے ساتھ اس سر کی طرف اشارہ کرکے فرمایا:

یا هِلاَ لاً لَمَّا اَسْتَتَمَّ کَمَالاً
غَالَهُ خَسْفُهُ فَاَبْدیٰ غُرُوْبًا
مٰا تَوَ هَّمْتُ یاشَقِیْقَ فُؤَادِیُ
کٰانَ هٰذٰا مُقَدَّرًا مَکْتُوْبًا
یا اُخِی فٰاطِمَ الصَّغِیْرَةَ کَلِّمُهٰا
فَقَدْ کٰادَقَلْبُهٰا اَنْ یَذُوْبٰا

(تاآخراشعار)

"اے ماہ نو! جب تم کمال پر پہنچے تو تجھے چاند گرہن نے آلیا اور تو چھپ گیا اے میرے دل کے ٹکڑے مجھے یہ گمان ہتک کبھی نہ تھا کہ ایسا دن بھی ہمارے مقدر کی تحریر میں رقم ہوگا۔

اے بھائی! یہ ننھی فاطمہؑ جب کلام کرتی ہے تو ایسا لگتا ہے کہ اس کا دل

پگھل جائے گا۔ (بحارالانوار:۴۵/۱۱۴)

''کشف الغمہ'' میں عاصم سے منقول ہے کہ زر نے کہا پہلا سر جو اہل اسلام میں نیزے پر سوار کیا گیا وہ امام حسینؑ کا سر تھا۔ اور میں نے اس دن سے زیادہ رونے والوں کو (کبھی) نہیں دیکھا۔ (قمقام زخار:۲/۵۲۶)

ابن زیاد نے سر حسینؑ کو کوفہ کے گلی کوچوں اور قبائل میں پھرانے کے لئے روانہ کیا۔

زید بن ارقم سے روایت ہے کہ اس نے کہا: نیزہ پر سوار یہ مقدس سر جب میرے گھر کے پاس سے گزرا تو میں اپنے بالا خانہ کے جھروکے میں بیٹھا تھا۔ جب یہ سر میرے برابر پہنچا تو میں نے سنا کہ وہ اس آیہ مبارکہ کی تلاوت کر رہا تھا۔

أَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحابَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيمِ كَانُو مِنْ آياتِنا عَجَبًا

(سورہ کہف آیہ ۹)

''کیا تم گمان کرتے ہو کہ اصحاب کہف و رقیم ہماری واضح نشانیوں میں سے تھے''

پس خدا کی قسم خوف و ہراس سے میرے بدن کے بال کھڑے ہو گئے میں نے آواز دے کر کہا: اے فرزند رسولؐ! خدا کی قسم آپ کے سر کی کہانی اس سے بھی واضح تر اور حیرت انگیز ہے (ارشاد۲/۱۲۲)

(اہل سنت کے جن منابع میں امام حسینؑ کے سر مقدس کا نیزے پر کلام کرنا مذکور ہے وہ یہ ہیں۔ مفتاح النجاۃ فی مناقب آل العبا/۱۴۵ الخصائص الکبریٰ:۲/۱۲۷' الکواکب الدریہ/۵۷' اسعاف الراغبین/۲۱۸ نور الابصار/۱۲۵، مقدمہ لہوف/۱۴ طبع اسوہ کی طرف رجوع فرمائیں)

ابی مخنف نے حکایت بیان کی ہے کہ سہل شہرزوری حج کی ادائیگی سے فارغ ہو کر کوفہ پہنچا تو کوفہ کو دگرگوں حالت میں دیکھا بازار اور دکانیں بند تھیں اور لوگوں کا ہجوم تھا۔ کچھ ہنس نہیں رہے تھے کچھ رو رہے تھے۔ اس نے ایک آدمی سے سوال کیا کہ کیا خبر ہے؟ اسے

شہادت حسینؑ کی خبر دی گئی۔ اسی حال میں قیدی اور شہداء کے سر کوفہ میں وارد ہوئے۔

آخر میں وہ رقم طراز ہے۔ کہ ان نورانی سروں اور امامؑ کے اہل وعیال کو دروازہ بنی خزیمہ لے جانے کے لئے لایا گیا ہم وہاں کافی دیر تک قیدیوں کو دیکھتے رہے مظلوموں کے سردار (حسینؑ) کا سر نیزے پر بلند تھا۔ میں نے دیکھا کہ اس کے لب ہائے مبارک حرکت کر رہے ہیں۔ جب توجہ سے سنا تو سر مبارک سورۂ کہف پڑھ رہا تھا۔ جب اس آیت پر پہنچا:

اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحَابَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيمِ كَانُوْ مِنْ آيَاتِنَا عَجَبًا .

سہل کہتا ہے: میں نے روتے ہوئے عرض کیا۔

اے مولا! آپ کا معاملہ عجیب تر اور عظیم تر ہے۔

(مقتل ابی مخنف/۱۶۲ ریاض القدس:۲/۲۲۵' وقایع الایام تتمہ محرم ۲۲۱ تا ۲۲۴)

''روضہ الاحباب'' میں مرقوم ہے: جب ابن زیاد قافلہ اہل بیتؑ کے کوفہ سے نزدیک آجانے سے باخبر ہوا تو اس نے شہر کے پاسبانوں اور دیدہ بانوں کو حکم دیا کہ کوفہ کے لوگوں کو اطلاع دے دو کہ اہل بیتؑ کے (کوفہ میں) داخلے کے دن کوئی شخص اسلحہ لے کر گھر سے باہر نہ نکلے۔ اور دس ہزار سوار اور پیادے جو لشکر کے بہادروں میں سے تھے' شہر کوفہ کی شاہراؤں' راستوں' محلوں اور بازاروں میں گشت کرتے رہے' مبادا کہ قافلہ اہل بیتؑ کے گزرنے پر شیعان علیؑ جہاد کے لئے قیام نہ کردیں۔ (ناسخ التواریخ:۳/۳۵)

کوفہ میں خطبۂ زینبؑ

(بشیر بن خذیم حذیم' بن شریک' یا حذلم بن کثیر) کہتا ہے:

اس دن زینبؑ بنت علیؑ نے میری توجہ اپنی طرف جلب فرمائی' خدا کی قسم میں نے کسی سراپائے شرم وحیا بی بی کو آپ سے بڑھ کر سخنور نہیں دیکھا کیونکہ آپ نے یہ انداز گفتگو امیر المومنین علیؑ ابن ابی طالبؑ سے سیکھا تھا۔ اسی طرح ہاتھ کے اشارے سے لوگوں سے کہا خاموش ہو جاؤ۔ ان کی سانسیں سینوں میں رک گئیں اور گھوڑوں کے گلوں میں جو ''گھنٹیاں'' تھیں ان کی حرکت تک رک گئی' اس وقت آپؑ نے فرمایا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالصَّلاۃُ عَلٰی اَبِیْ مُحَمَّدٍ وَآلِهِ الطَّيِّبِيْنَ الْاَخْيارِ ، اَمَّا بَعْدُ يا اَهْلَ الْكُوْفَةِ يا اَهْلِ الْخَتْلِ وَالْغَدْرِ اَتَبْكُوْنَ؟ فَلارَقَاتِ الدَّمْعَةُ وَلاَ هَدَاَتِ الرَّنَةُ اِنَّما مَثَلُكُمْ كَمَثَلِ الَّتِی نَقَضَتْ غَزْلَها مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكاثًا تَتَّخِذُوْنَ اِيْمانَكُمْ دَخَلاً بَيْنَكُمْ اَلاوَهَلْ فِيْكُمْ اِلَّا اَلصَّلَفُ والنَّطْفُ وَالصَّدْرُ الشَّنَفُ وَمَلَقُ الْاِ ماءِ وَغَمْزُالاَعْداءِ اَوْكَمَرْعی عَلٰی دَمَنِهٖ ' اَوْكَفِضَّةٍ عَلٰی مَلْحُوْدَةٍ اَلْاَساءَ ماقَدَّمَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ وَفِی الْعَذابِ اَنْتُمْ خالِدُوْنَ .اَتَبْكُوْنَ وَتَنْتَحِبُوْنَ! اِیْ

وَاللّٰهِ فَابْكُوا كَثِيْرًا وَاضْحَكُوا قَلِيْلاً ' فَلَقَدْ ذَهَبْتُمْ بِعَارِهَا وَشَنَارِهَا (شَنَآنِهَا) وَلَنْ تَرْحَضُوهَا بِغَسْلٍ بَعْدَ هَا أَبَدًا وَاَنّٰى تَرْحَضُونَ قَتْلَ سَلِيْلِ خَاتَمِ الْاَنْبِيَاءِ (النُّبُوَّةِ) وَمَعْدِنِ الرِّسَالَةِ وَسَيِّدِ شَبَابِ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَمَلَاذِ خِيْرَتِكُمْ وَمَفْزَعِ نَازِلَتِكُمْ وَمَنَارِ حُجَّتِكُمْ وَمِدْرَةِ سُنَّتِكُمْ اَلَاسَاءَ مَاتَزِرُوْنَ ' وَبُعْدًا لَكُمْ وَسُحْقًا' فَلَقَدْ خَابَ السَّعْيُ وَتَبَّتِ الْاَيْدِي وَخَسِرَتِ الصَّفْقَةُ وَبُؤْتُمْ بِغَضَبٍ مِنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْكُمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَيْلَكُمْ يَااَهْلَ الْكُوْفَةِ، اَتَدْرُوْنَ اَيَّ كَبِدٍ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ فَرَيْتُمْ وَاَيَّ كَرِيْمَةٍ لَهُ اَبْرَزْتُمْ! وَاَيَّ دَمٍ لَهُ سَفَكْتُمْ وَاَيَّ حُرْمَةٍ لَهُ انْتَهَكْتُمْ 'وَلَقَدْ جِئْتُمْ بِهِمْ صَلْعَاءَ عَنْقَاءَ سَوْدَاءَ فَقْهَاءَ وَفِي بَعْضِهَا: خَرْقَاءَ شَوْهَاءِ كَطِلَاعِ الْاَرْضِ أَوْمِلَاءِ السَّمَاءِ وَأَفَعَجِبْتُمْ اِنْ مَطَرَتِ السَّمَاءِ دَمًا وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ اَخْزٰى ' وَأَنْتُمْ لَا تُنْصَرُوْنَ فَلَا يَسْتَخِفَنَّكُمُ الْمَهَلُ فَاِنَّهُ لَايَحْفِزُهُ الْبِدَارُ وَلَايَخَافُ فَوْتَ الثَّارَ وَاِنَّ رَبَّكُمْ لَبِالْمِرْصَادِ.

(مناقب شہر آشوب میں ''کقصۃ علی لحودۃ' ہے قصہ سے عربی لغت میں کچھ مراد ہے)

''سب تعریف اللہ کے لئے ہے اور میرے جد محمد مصطفیٰؐ اور ان کی پاک اور برگزیدہ اولاد پر درود ہو۔اے کوفہ کے لوگو! اے رنگ باز و اور بے وفاؤ! اب ہمارے حال پر گریہ کر رہے ہو؟ تمہارے آنسو خشک نہ ہوں اور تمہارا رونا (کبھی) ختم نہ ہو۔ تمہاری مثال اس عورت کی سی ہے جو

مضبوط تعلقات قائم کرنے کے بعد انہیں (خود ہی) توڑ دے اور اپنے استوار و محکم عہد و قسم کو ایک دوسرے کو فریب دینے اور فساد کاری کے لئے کام میں لائے۔ تم میں کیا فضیلت ہے؟ سوائے جھوٹ بکواس آلودگی اور کینہ سے بھرے سینوں کے ۔ظاہر اً تم تملق گو کنیزوں کی طرح ہو اور بباطن نکتہ چینی کرنے والے دشمنوں کی طرح' یا تم اس سبزے کی طرح ہو جو گندگی کے ڈھیروں پر اگتا ہے' یا اس سفیدی (گچ) کی طرح ہو جس سے مردے کی قبر کو سجاتے ہیں جان لو کہ اپنی آخرت کے لئے تم برا کردار آگے بھیج چکے ہو جس کے سبب اللہ کے غضب میں گرفتار ہو گے اور ہمیشہ کے لیے عذاب میں رہو گے ۔تم گریہ کرتے ہو؟ اور فریاد بلند کرتے ہو؟ ہاں خدا کی قسم تم اس سے بھی زیادہ روؤ گے اور بہت کم ہنسو گے کہ تم نے اپنے دامن کو عار و شرمندگی اور عیب پسندی سے آلودہ کر رکھا ہے جسے ہرگز دھو نہیں سکو گے ۔تم ایسا کیسے کر سکتے ہو کہ خاتم نبوت اور معدن رسالت کے فرزند کے خون کو دھو سکو! جوانان اہل بہشت کے سردار کا خون۔ تمہارے نیکوں کی پناہ گاہ اور تمہیں پیش آنے والی ناگواریوں کی گریز گاہ ،اور تمہارے لئے دلیل و حجت کے نور کے مینار اور تمہارے قوانین کے بزرگ و رہبر کا خون جان لو کہ تم بہت بڑے گناہ کے مرتکب ہوئے ہو اور خدا کی رحمت سے دور ہو گئے ہو۔ تم نابود ہو گے اور تمہاری کوششیں ضائع جائیں گی۔ تمہارے ہاتھ کام سے کٹ جائیں گے (محروم ہو جائیں گے۔ اور تم اپنے معاملے میں نقصان دیکھو گے اور خدا کے غیظ و غضب کا شکار ہو گے ۔تمہارے نام پر ذلت و خواری اور بد بختی کا سکہ چلے گا۔ اے کوفیو! تمہاری بربادی ہو تم جانتے ہو کہ تم نے

کس طرح رسول خداؐ کے جگر کو کاٹ ڈالا اور کس طرح پردہ نشینوں کو حرم رسول سے باہر کھینچ لائے؟ اور کس طرح ان کا خون بہایا اور کس طرح ان (مجاہدوں) کی حرمت کی ہتک کی؟ تمہارے اعمال کی گنجی' گردن دراز، بدصفت' بدنما' لمبے دانتوں والی' احمق اور بدخلق و بد قیافہ دلہن زمین کی وسعت اور آسمان کی گنجائش کے ساتھ تمہارے اوپر حیران ہے کہ آسمان نے اس واقعہ پر خون برسایا؟ تحقیق' عالم آخرت کا شکنجہ سخت تر ہے اور کوئی تمہارا مددگار نہیں ہوگا۔ مہلت تمہارے سر سے بوجھ ہلکا نہیں کرے گی اور تم غلط استفادہ نہ کرسکو گے کہ تمہاری پہلے ہی پکڑ ہو چکی ہے (یعنی سزا مل چکی ہے)۔ خدا کو کوئی جلدی نہیں ہے اور نہ ہی اسے انتقام کے اپنے ہاتھ سے نکل جانے کا خوف ہے تمہارا پروردگار تمہاری گھات میں ہے۔

راوی کہتا ہے: خدا کی قسم! میں نے اس دن لوگوں کو دیکھا کہ حیران و سرگرداں روتے پھرتے ہیں اور حیرت سے اپنی انگلیاں دانتوں سے کاٹ رہے ہیں۔

میں نے ایک بوڑھے شخص کو دیکھا جو میرے ساتھ ہی کھڑا تھا۔ وہ اس قدر گریہ کر رہا تھا کہ اس کی داڑھی آنسوؤں سے تر تھی اور وہ کہتا تھا۔ میرے ماں باپ تم پر قربان تمہارے ضعیف تمام ضعیفوں سے بہترین' تمہارے جوان تمام جوانوں سے بہترین اور تمہاری عورتیں تمام عورتوں سے بہترین اور تمہاری نسل تمام نسلوں سے بہترین ہے۔ نہ ہی ذلیل وخوار ہوسکتی ہے اور نہ شکست پذیر ہے۔

''احتجاج'' کی روایت کے مطابق جناب علیؑ بن الحسینؑ نے فرمایا:

يَاعَمَّةُ اُسْكُتِي فَفِيَ الْبَاقِيُ مِنَ الْمَاضِي اعْتِبَارٌ وَأَنْتِ بِحَمْدِ اللّٰهِ عَالِمَةٌ غَيْرُ مُعَلَّمَةٍ فَهِمَةٌ غَيْرُ مُفَهَّمَةٍ اِنَّ الْبُكَاءَ وَالْحَنِيْنَ لاَ يَرُدَّانِ مَنْ قَدْ أَبَادَهُ الدَّهْرُ .

''پھوپھی جان! ٹھہر جاؤ باز ماندگان (آئندہ آنے والوں) کے لئے گزشتگان (گزرے ہوؤں) سے عبرت ہے اور آپ بحمد اللہ بغیر استاد کی عالمہ اور بغیر مدرسے گئے دانا ہیں۔ بے شک گریہ ونالہ ہاتھ سے نکل گئے لوگوں کو واپس نہیں لاسکتا (فرمان امامؑ پر حضرت زینبؑ خاموش ہوگئیں۔

(امالی شیخ طوسی: ا/۹۰ مجلس ۳ ح۱۵ ولہوف/۱۴۲ مثیر الاحزان/۱۸۶ احتجاج: ۲/۲۹ بحار الانوار ۴۵/۱۰۸ اور مقتل خوارزمی: ۲/۴۰ عبارت کے قلیل اختلاف کے ساتھ)

جناب زینب عالیہ کی شہادت کے باب میں آئے گا کہ ملائکہ اس مخدرۂ عصمت کی شہادت کے روز مجلس بپا کرتے ہیں اور اس معظمہ بی بی نے بازار کوفہ میں جو خطبہ ارشاد فرمایا تھا اسے پڑھتے ہیں اور گریہ کرتے ہیں۔ (خصائص الزینبیہ/۴۱)

کوفہ میں امام سجادؑ کا خطبہ

اس کے بعد حضرت امام زین العابدینؑ نے اشارہ فرمایا کہ خاموش ہو جاؤ' تمام لوگ خاموش ہو گئے آپؑ اٹھے اور سپاس خداوندی ادا کیا پھر اللہ کی حمد و ثناء اور پیغمبر اکرمؐ کے نام پر درود بھیجنے کے بعد فرمایا:

اے لوگو! جو مجھے پہچانتا ہے وہ تو پہچانتا ہے اور جو نہیں پہچانتا میں اسے اپنی پہچان کروادوں، میں علیؑ بن الحسینؑ بن علی بن ابی طالب ہوں:

أَنَا ابْنُ مَنِ انْتُهِکَ حُرْمَتُهُ 'وَسُلِبَ نَعِيْمُهُ 'وَانْتُهِبَ مالُهُ وَسُبِيَ عِيالُهُ 'أَنَا ابْنُ الْمَذْبُوحِ بِشَطِّ الْفُراتِ مِنْ غَيْرِ ذَحْلٍ وَلا تُراثٍ أَنَا ابْنُ مَنْ قُتِلَ صَبْرًا وَكَفٰى بِذٰلِکَ فَخْرًا.

"میں اس کا بیٹا ہوں کہ جس کے احترام کی ہتک اور توہین کی گئی' اور مال واسباب لوٹ لئے گئے اور اہل وعیال کو قیدی بنالیا گیا میں اس کا بیٹا ہوں کہ جسے فرات کے کنارے کسی سابقہ کینہ وعداوت اور بغیر کسی قسم کا خون بہا طلب کئے ذبح کر دیا گیا ۔ میں اس کا بیٹا ہوں کہ جسے چاروں طرف سے گھیر کر مارا گیا۔ ان کے گرد حلقہ باندھ لیا گیا اور جو کچھ کسی کے ہاتھ میں تھا۔ اس نے وہ آنحضرتؑ کے جسم اطہر پر مارا اور آپ کو شہید کر دیا گیا میرے لئے یہی فخر کافی ہے۔

اے لوگو! تمہیں خدا کی قسم! تم جانتے ہو کہ تمہی لوگوں نے میرے باپ کو خطوط لکھے اور انہیں اپنے یہاں بلایا۔ ان سے عہد و پیمان باندھا، بیعت کی اور انہیں جنگ کے لئے ابھارا۔ تم کس منہ سے رسول خدا سے نگاہیں ملاؤ گے؟ کہ جب وہ تم سے پوچھیں گے: تم نے میری عترت کو کیوں قتل کیا اور میرے احترام کی ہتک کیوں کی۔ تم میری امت میں سے نہیں ہو۔

راوی کہتا ہے۔ ہر طرف سے آوازیں بلند ہوئیں اور وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے: کاش! ہم مر گئے ہوتے۔ (لہوف/۱۵۷مثیر الاحزان/۸۹'احتجاج:۲/۳۱'بحارالانوار:۴۵/۱۱۲)

خطبۂ حضرت فاطمہ صغریٰؑ و ام کلثومؑ

پھر حضرت فاطمہ صغریٰؑ نے خطبہ دیا۔ آپ نے حمد خداوندی' امیر المومنین (علیؑ) اور ان کے بیٹے امام حسنؑ کی مظلومیت کے بیان کے بعد اہل کوفہ کے بعض جرائم و جنایات کا تذکرہ کیا۔ اس کے بعد ام کلثومؑ بنت علیؑ نے ایک نازک سے پردے کے پیچھے سے اونچی آواز میں گریہ زاری کرتے ہوئے خطبہ دیا، جس کے ضمن میں فرمایا:

اے کوفہ کے لوگو! تم سراسر رسوائی ہو' کیا تم جانتے ہو کہ تمہیں کون سی مصیبت دامن گیر ہوگی؟ اور تم نے کس گناہ کا بوجھ اپنی پشت پر اٹھایا اور کن لوگوں کا خون بہایا؟ اور کس عظیم ہستی سے مقابلہ کیا؟ اور کن بچوں کے لباس لوٹے' اور کن اموال کو تاراج کیا؟ تم نے رسول خداؐ کے بعد سب سے بہترین لوگوں کو قتل کیا ہے۔

راوی نقل کرتا ہے: لوگوں کی گریہ و نوحہ کی صدائیں بلند ہوئیں اور عورتوں نے اپنے بال کھول کر ان میں خاک ڈالی اور اپنے چہروں کو ناخنوں سے نوچ لیا۔ وہ اپنے چہروں پر پیٹتی تھیں اور واویلا کی صدا بلند کرتی تھیں۔ مرد گریہ کرتے اور اپنی داڑھیوں کو اکھاڑتے تھے۔ اور اس سے پہلے کسی مرد اور عورت کو اس طرح روتے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔

(لہوف/۱۴۹تا۱۵۶اومثیر الاحزان/۸۷وبحارالانوار:۴۵/۱۱۰اورنفس المہموم/۳۹۶تا۳۹۹سے رجوع کریں)

دربار ابن زیاد میں قیدیوں کی صدا

تیرہ محرم کو قیدیوں کے ہمراہ سید الشہداءؑ کے مقدس سر کو ابن زیاد کے دربار میں لایا گیا۔ مرحوم سید بن طاؤس اور دوسروں نے روایت کی ہے: (قیدیوں اور شہداء کے مقدس سروں کو کوفہ شہر میں پھرانے کے بعد ابن زیاد اپنے مخصوص محل میں بیٹھا اور دربار عام میں سر حسینؑ کو لایا گیا اور اس کے سامنے رکھ دیا گیا اور قافلہ حسینی کے عورتوں اور بچوں کو بھی دربار میں پیش کیا گیا۔

حضرت زینبؑ بنت علیؑ بطور ناواقف اپنی جسم پر ادنیٰ ترین لباس پہنے دربار میں داخل ہوئیں اور ایک کونے میں بیٹھ گئیں جبکہ کنیزوں نے انہیں چاروں طرف سے گھیر لیا۔

ابن زیاد نے پوچھا: یہ عورت کون ہے؟ زینب عالیہؑ نے کوئی جواب نہ دیا۔ دوبارہ دریافت کیا تو کنیزوں میں سے ایک نے کہا: یہ زینبؑ (بنت علیؑ و) فاطمہؑ رسول خداؐ کی نواسی ہیں۔

ابن زیاد ملعون نے بی بی زینبؑ کی طرف منہ کر کے کہا: میں اللہ کا شکر گزار ہوں کہ جس نے تمہیں ذلیل و رسوا اور قتل کیا اور جو کچھ (نبوت و امامت) تم لائے تھے تمہارے اس جھوٹ کو آشکار کر دیا۔

حضرت زینبؑ نے فرمایا: میں اس خدائے متعال کی سپاس گزار ہوں کہ جس نے ہمیں اپنے رسول گرامی محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا وسیلہ عطا فرمایا اور ہمیں ہر طرح کی رجس

سے پاک و پاکیزہ فرمایا۔ بیشک فاسق رسوا ہوتے ہیں اور بدکار اور تباہ کار جھوٹ بولتے ہیں اور وہ تم ہو نہ کہ ہم۔

ابن زیاد (ملعون) نے کہا: تم نے دیکھا کہ خدا نے تمہارے بھائی اور تمہارے خاندان کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ حضرت زینبؑ نے فرمایا:

مَارَأَيْتُ اِلَّا جَمِيلاً ' هٰؤُلَاءِ قَوْمٌ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْقَتْلَ فَبَرَزُوْا اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ وَسَيَجْمَعُ اللّٰهُ بَيْنَكَ وَبَيْنَهُمْ فَتُحَاجُّ وَتُخَاصَمُ ' فَانْظُرْ لِمَنْ يَكُونُ الْفَلْجُ يَومَئِذٍ ' هَبَلَتْكَ اُمُّكَ يَاابْنَ مَرْجَانَةَ .

''ہم اللہ سے خیر و خوبی کے علاوہ کچھ نہیں دیکھتے' یہ وہ لوگ تھے کہ خداوند متعال نے جن کے مقدروں میں شہادت کا تعین فرمایا تھا۔ لہذا یہ لوگ اپنی ازلی آرام گاہ کی طرف چلے گئے۔ اور بہت جلد خدا تمہیں اور انہیں اکٹھا کرے گا تا کہ وہ تمہارا محاکمہ کریں۔ اے مرجانہ کے بیٹے! تمہاری ماں تمہارے غم میں بیٹھے'' دیکھنا اس دن کس کی فتح ہوتی ہے؟

ابن زیاد اس قدر غضب ناک ہوا کہ اس نے حضرت زینبؑ کے قتل کا ارادہ کرلیا

عمرو بن حریث نے کہا: عورتوں کی باتوں پر مواخذہ نہیں کیا جاتا۔ ابن زیاد ملعون نے کہا: خدا نے میرے دل کو حسینؑ اور تمہارے خاندان کے دوسرے سرکشوں اور نافرمانوں سے شفا دی۔

حضرت زینبؑ نے رد کر فرمایا: اگر تمہارے دل کی شفا اس میں تھی تو مجھے اپنی جان کی قسم! تو نے ہمارے خاندان کے بزرگ کو شہید کیا، ہماری شاخوں کو کاٹا اور ہماری جڑوں کو کھودا۔

ابن زیاد نے کہا: یہ عورت کیسا مقفّی کلام کرتی ہے اور مجھے اپنی جان کی قسم لاریب اس کا باپ بھی قافیہ پرداز اور شاعر تھا۔

حضرت زینبؑ نے فرمایا: اے زیاد کے بیٹے' عورت کو قافیہ پردازی سے کیا کام؟

پس ابن زیاد نے اپنا رخ حضرت علیؑ بن الحسینؑ کی طرف کیا اور کہا: یہ کون ہے؟ کہا گیا یہ علیؑ بن الحسینؑ ہے۔

کہنے لگا: مگر علیؑ بن الحسینؑ کو خدا نے قتل نہیں کر دیا تھا؟

حضرت نے فرمایا: میرا ایک بھائی تھا' اس کا نام بھی علیؑ تھا (تمہارے) لوگوں نے اسے قتل کر دیا ہے۔

کہنے لگا: بلکہ خدا نے اسے قتل کیا ہے۔

امام سجادؑ نے (اس موقع پر) ایک آیہ قرآنی کی تلاوت فرمائی: خدا موت کے وقت جانوں کو نکالتا ہے۔ (سورہ زمر' آیہ ۴۲)

ابن زیاد غضب ناک ہوا اور کہنے لگا: تم ابھی تک مجھے جواب دینے کی جرأت رکھتے ہو؟ اسے لے جاؤ اور اس کی گردن کاٹ دو۔

زینب عالیہؑ بھتیجے سے لپٹ گئیں اور فرمایا: اے زیاد کے بیٹے! کیا تو کسی کو میرے لئے باقی نہ چھوڑے گا۔ اگر اسے قتل کرانے کا ارادہ رکھتے ہو تو مجھے بھی اس کے ساتھ ہی قتل کرا دو۔

امامؑ نے پھوپھی سے فرمایا: پھوپھی جان ٹھہر جایئے تا کہ میں اس سے بات کرسکوں۔ پھر اس ملعون کی طرف رخ کر کے فرمایا:

اے ابن زیاد تو مجھے موت سے ڈراتا ہے؟ مگر تو یہ نہیں جانتا کہ قتل ہونا ہماری عادت ہے اور شہادت ہمارا فخریہ سرمایہ ہے۔

(لہوف/۱۶۰' ارشاد: ۲/۱۱۹' مثیر الاحزان/۹۰' مقتل خوارزمی: ۲/۴۲)

ابن زیاد نے حکم دیا کہ سر حسین کو لایا جائے اور اسے اپنے سامنے رکھتے ہوئے اس پر نگاہ ڈالی اور مسکرایا۔ اس کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی (عربی میں قضیب باریک سی

چھڑی یا نازک سی شمشیر کو کہتے ہیں)

وہ لعین اسے امام عالی مقام کے سامنے کے دانتوں پر مارتا تھا اس بے شرم حرا مزے کے پاس ہی صحابیِ رسول زید بن ارقم بیٹھے تھے، وہ عمر رسیدہ بزرگ تھے۔ جب انہوں نے اس کی یہ حرکت دیکھی تو کہا: ان دولبوں سے چھڑی ہٹالو۔ مجھے خدا کی قسم! جس کے سوا کوئی معبود نہیں' میں نے رسول خداؐ کے لبوں کو بار ہا ان لبوں کا بوسہ لیتے ہوئے دیکھا ہے۔ اس کے بعد وہ رونے لگے۔

ابن زیاد ملعون نے کہا: خدا تمہاری آنکھوں کو رلائے! کیا تو اس فتح و نصرت پر رو رہا ہے۔ جو ہمارا مقدر ہوئی ہے؟ اور اگر یہ نہیں تو تو پاگل بوڑھا ہوگیا ہے اور تمہاری عقل جواب دے گئی ہے۔ میں تمہاری گردن کاٹ دوں گا۔

زید بن ارقم اس کے سامنے سے اٹھے اور اپنے گھر چلے گئے۔ (ارشاد:۲/۱۱۹)

یہاں ابن نما نے اضافہ کیا ہے کہ زید بن ارقم نے کہا: اے ابن زیاد! میں تمہارے لئے ایک اور حدیث نقل کروں تا کہ تمہارا غصہ اور بڑھ جائے میں نے دیکھا کہ رسول خداؐ نے حضرت حسنؑ کو اپنے داہنے زانوں پر اور حضرت حسینؑ کو اپنے بائیں زانو پر بٹھایا پھر آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو ان دونوں (شہزادوں) کے سروں پر رکھا اور فرمایا:

اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَسْتَوْدِعُکَ اِیَّاھُمَا وَصَالِحَ الْمُؤْمِنِیْنَ .

''خدایا میں ان دونوں صالح مومنین (کہ امیر المومنینؑ ہوگا) کو تیری پناہ میں دیتا ہوں''

تمہاری رسول خدا سے امانت داری کا کیا حال ہوگا؟ (مثیر الاحزان/۹۲)

انس بن مالک نقل کرتا ہے: میں نے دیکھا ابن زیاد حسین علیہ السلام کے دانتوں پر چھڑی مارتا تھا اور کہتا تھا تمہارے دانت کتنے خوبصورت ہیں؟ میں نے کہا:

اَمَ وَاللّٰہِ لَاَسُوْءَ نَّکَ ' لَقَدْ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ یُقَبِّلُ مَوْضِعَ

قَضِیبِکَ مِنْ فِیْہِ .

''خدا تجھے ذلیل و رسوا کرے جس جگہ تو چھڑی مار رہا ہے میں نے رسول خداؐ کو اس (دہن مبارک) کو چومتے دیکھا ہے'' (مثیر الاحزان/۹۱)

شیخ صدوقؒ نے ابن زیاد کے دربان سے روایت کی کہ جب امام حسینؑ کے سر کو ابن زیاد کے پاس لایا گیا تو اس نے حکم دیا کہ اسے سونے کے ایک طشت میں اس کے سامنے رکھا جائے۔ وہ اپنے ہاتھ میں پکڑی ہوئی چھڑی اس کے دانتوں پر مارتا تھا اور کہتا تھا: اے ابا عبداللہ! تو جلد ہی بوڑھا ہو گیا۔ حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا:

میں نے رسول خدا کو دیکھا ہے کہ جس جگہ تم چھڑی مار رہے ہو وہ اس جگہ کو چومتے تھے۔ اس نے جواب میں کہا: آج روز بدر کے بدلہ کا دن ہے۔ پس حکم دیا کہ علیؑ بن الحسینؑ کو زنجیروں سے باندھ دیا جائے اور عورتوں اور قیدیوں (بچوں) کے ہمراہ زندان میں بند کر دیا جائے۔ (امالی صدوق/۱۶۵م۳۱ح۳' روضۃ الواعظین/۱۹۰)

بعض نے یہ اضافہ کیا ہے کہ جب ابن زیاد نے کہا: تو کتنی جلدی بوڑھا ہو گیا ہے! تو جناب زینبؑ نے اس کے جواب میں فرمایا: میرے بھائی بوڑھے نہ تھے' علی اکبرؑ کی موت نے انہیں بوڑھا کر دیا۔ (نہضت حسینی:۲/۱۰۲)

تذکرۃ الخواص میں لکھا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ بی بی رباب بنت امراء القیس امام حسین کی زوجہ، ابن زیاد کی مجلس میں میں اپنے شوہر کا سر اطہر دیکھ کر اس قدر بے تاب ہوئیں کہ اپنی جگہ سے اٹھیں اور سر اطہر کو اس طشت سے اٹھا کر اپنے دامن میں رکھ لیا' بی بی اسے چومتی تھیں اور جاں گداز آہ و نالہ کرتی تھیں۔ (وقائع الایام خیابانی تتمہ محرم/۲۶۳)

سید بن طاؤسؒ رقم طراز ہیں: ابن زیاد نے حکم دیا کہ علیؑ بن الحسینؑ اور ان کے خاندان کو مسجد اعظم کے پاس واقع گھر میں لے جاؤ۔

حضرت زینبؑ نے فرمایا کہ کوئی عرب نژاد حق نہیں رکھتی کہ وہ ہمیں دیکھنے آئے

سوا کنیزوں کہ انہوں نے بھی ہماری طرح اسیری دیکھ رکھی ہے۔ (لہوف/۱۶۳)

''صاحب روضۃ الاحباب'' کی روایت کے مطابق جو کہ اہل سنت کے اکابر میں سے تھے۔ ابن زیاد نے سر حسینؑ کو چھڑی سے مارنے کے بعد اٹھایا اور وہ آپ کے چہرے پر نگاہ دوڑا رہا تھا کہ اچانک اس کا ہاتھ لرزا اور سر مبارک اس کے زانو پر گر گیا اور اس کی ران پر خون کا ایک قطرہ گر پڑا، جو اس کے لباس سے گزر کر اس کی ران میں سوراخ کرتے ہوئے دوسری طرف سے باہر جا نکلا۔ اس زخم کا ہر چند علاج کیا گیا لیکن ٹھیک نہ ہوا۔ اس میں تعفن پیدا ہو گیا۔ ناچار اس پر مشک ملا جاتا تھا کہ اس کی بدبو لوگوں کو پریشان نہ کرے۔

(ناسخ التواریخ:۳/۵۹)

ابن حجر، جو کہ عامہ کے متعصبین میں سے ہے، نے نقل کیا ہے کہ جب سر حسینؑ کو ابن زیاد کے گھر لایا گیا تو دیواروں میں سے خون جاری ہو گیا۔ (نفس المہموم/۴۰۲)

''تذکرہ'' میں ''طبقات ابن سعد'' سے منقول ہے کہ ابن زیاد کی ماں مرجانہ نے اپنے بیٹے سے کہا: اے خبیث! تو نے رسول خدا کے بیٹے کو قتل کر دیا! خدا کی قسم تو ہرگز بہشت کو نہیں دیکھ سکے گا۔ (نفس المہموم/۴۰۶؛ تذکرۃ الخواص/۱۴۷)

آپ ملاحظہ کیجئے اس جرم و گناہ نے ابن زیادہ کو کس قدر ذلیل و خوار کیا اور بات کہاں تک جا پہنچی کہ اس کی بدکار ماں نے بھی اسے سرزنش کی۔

''کامل السقیفۃ'' میں تحریر ہے: اس دوران میں کہ جب مظلوموں کے بادشاہ کا سر کوفہ کے کوچہ و بازار اور اطراف شہر میں پھرایا جا رہا تھا' ایک لاکھ لوگ تماشا دیکھنے کے لئے باہر نکل آئے۔ وہ سر کے ہمراہ گشت کرتے پھرے۔ ان میں سے کچھ لوگ شادمان و مسرور تھے اور بعض نالہ و اندوہ میں مبتلا تھے۔

اور میرے (مولف کے) والد ''ریاض الاحزان'' میں لکھتے ہیں: زیاد کے خوف سے کسی میں جرأت نہ تھی کہ قیدیوں کی حمایت یا شفاعت کرے۔ (ریاض القدس ۲/۲۳۹)

عبداللہ بن عفیف کی شہادت

سید بن طاؤس اور شیخ مفیدؒ رقم طراز ہیں: ابن زیاد اپنی جگہ سے اٹھ کر محل سے باہر آیا۔ وہ مسجد میں داخل ہو کر منبر پر گیا اور کہا: خدا کا شکر ہے کہ جس نے حق اور اہل حق کو کامیابی عطا کی اور امیر المومنین یزید اور اس کے پیروؤں کی مدد کی اور معاذ اللہ) دروغ گو ابن دروغ گو اور اس کے پیروؤں کو قتل کیا۔

اس اثنا میں عبداللہ بن عفیف ازدی جو کہ امیر المومنین علی علیہ السلام کے بزرگ شیعوں میں سے تھے اور زاہدوں اور عابدوں میں شمار ہوتے تھے۔ اور ان کی بائیں آنکھ جنگ جمل میں جب کہ دوسری (داہنی) آنکھ جنگ صفین میں ضائع ہو چکی تھی: اور میں ہمیشہ مسجد میں رہتے تھے وہ اور اپنے اکثر اوقات نماز و روزہ میں گزارتے تھے' وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا: اے دشمن خدا! یقیناً تو اور تیرا باپ دروغ گو ہیں۔ اور وہ دروغ گو ہے جس شخص نے تجھے فرماں روا بنایا ہے' اور اس کا باپ دروغ گو ہے۔ اے مرجانہ کے بیٹے! تو پیغمبرؐ کے بیٹے کو قتل کر کے صدیقین کی جگہ منبر نشین ہے اور ہر بری بات جو تو چاہتا ہے زبان سے بک رہا ہے۔

ابن زیاد غضب ناک ہوا اور کہنے لگا: یہ کون شخص بات کر رہا ہے؟

عبداللہ نے کہا: دشمن خدا! میں کہہ رہا ہوں' تو نے اس پاکیزہ خاندان کو قتل کیا ہے کہ خداوند متعال نے جن سے رجس (پلیدی) کو دور کیا ہے اور پھر بھی تو گمان کرتا ہے کہ

تو مسلمان ہے۔ کہاں ہیں مہاجرین اور انصار کہ تجھ سرکش سے میرا انتقام لیں، جس شخص کو اور جس کے باپ کو رسول خداؐ نے ملعون کہا تھا۔

ابن زیادہ اس قدر غضب ناک ہوا کہ اس کی گردن کی رگیں خون سے بھر ہوگئیں اور اس نے حکم دیا کہ اس شخص کو پکڑ کر میرے پاس لاؤ سپاہی عبداللہ بن عفیف کو پکڑنا ہی چاہتے تھے کہ قبیلہ ازد کے سات سو افراد مانع ہوئے اور انہیں مسجد سے نکال باہر لے گئے اور گھر تک پہنچادیا۔ جب رات ہوئی تو ابن زیاد نے ایک بڑے گروہ کو محمد بن اشعث کی سربراہی میں عبداللہ کے گھر بھیجا۔ ان (ظالموں) نے دروازہ توڑا اور گھر کے اندر داخل ہوگئے۔ عبداللہ بن عفیف نے نابینا ہونے کے باوجود تلوار نکال لی اور اپنی بیٹی کی رہنمائی سے کافی دیر تک اپنا دفاع کیا۔ آخرکار ان سپاہیوں نے آپ کا محاصرہ کرلیا اور آپ کو پکڑ کر عبیداللہ ابن زیاد کے پاس لے گئے۔

عبداللہ بن عفیفؓ نے کہا: میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ جو عالمین کا پروردگار ہے۔ میں نے اس دن سے بھی پہلے کہ جب تیری ماں نے تجھے جنا تھا، خدا سے آرزوئے شہادت کی تھی اور خواہش کی تھی کہ میری شہادت خدا کے نزدیک ملعون ترین اور مبغوض ترین شخص کے ہاتھوں انجام پذیر ہو۔ جب سے میری آنکھ ضائع ہوگئی میں شہادت سے مایوس ہوگیا تھا، لیکن اب خدا کا شکرگزار ہوں کہ جس نے ناامیدی کے بعد بھی شہادت کو میرا مقدر بنایا اور میری وہ دعا قبول ہوئی جو میں نے کافی عرصہ پہلے کی تھی ابن زیاد نے کہا: اس کی گردن مار دو۔ عبداللہ کی گردن کاٹ دی گئی اور سبخہ میں سولی پر لٹکا دیا گیا۔ اللہ اس پر اپنی رحمت نازل فرمائے۔

(لہوف/۱۶۴، ارشاد:۲/۱۲۱، مثیر الاحزان/۹۲)

شام کی طرف روانگی

ابن زیاد نے حاکم مدینہ کو ایک خط لکھا اور اسے اس واقعہ سے باخبر کیا اور ایک خط یزید کو لکھا جس میں اسے شہادت حسینؑ اور آپؑ کے اہل و عیال کے احوال سے مطلع کیا (اور اس سے کسب تکلیف کی)

یزید ملعون نے اس کے خط کے جواب میں لکھا کہ حسینؑ کے کٹے ہوئے سر اور دوسرے شہداء کے سروں کو (لوٹ کے مال و اسباب اور آپؑ کے عورتوں اور بچوں سمیت شام بھیج دو۔لہٰذا ابن زیاد نے محفر بن ثعلبہ عاذی کو اس کام کے لئے مقرر کیا اور سروں قیدیوں اور عورتوں کو اس کی تحویل میں دیا۔

محفر انہیں کفار کے قیدیوں کی طرح شام لے گیا اس حال میں کہ شہروں اور قصبوں کے لوگ ان کا تماشا دیکھتے تھے۔(لہوف/۱۶۹و۱۷۱)

تذکرۃ الخواص اور قمقام زخار سے استفادہ ہوتا ہے کہ پندرہ محرم کے دن ابن زیاد ملعون نے شہداء کے سروں اور امامؑ کے اہل بیت کو شام روانہ کیا۔

(وقائع الایام خیابانی تتمہ محرم/۲۷۲و۲۸۱' قمقام زخار:۲/۵۳۲)

شیخ مفیدؒ رقم طراز ہیں: ابن زیاد نے حسین علیہ السلام کے سر اطہر اور ان کے ساتھیوں کے سروں کو زحر بن قیس کو دیا اور اس نے انہیں یزید کے پاس پہنچایا۔

ابن زیاد نے سرہائے مطہر کو شام روانہ کرنے کے بعد حکم دیا کہ عورتوں اور بچوں کو

روانہ ہونے کے لئے تیار کیا جائے۔اس نے حکم دیا کہ علی بن الحسینؑ کی گردن میں بھاری طوق اور زنجیریں پہنائی جائیں اور انہیں سروں کے پیچھے پیچھے مفر بن ثعلبہ اور شمر بن ذی الجوشن کی تحویل میں روانہ کیا جائے۔انہیں لایا گیا اور وہ اس گروہ سے آملے جن کے پاس شہداء کے سر تھے۔علیؑ بن الحسینؑ نے تمام راستہ کسی سے کوئی گفتگو نہ کی۔(ارشاد:۲/۱۲۲)

سید بن طاؤس امام جعفر صادقؑ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت باقر فرماتے ہیں: میں نے اپنے باباعلیؑ بن الحسینؑ سے ان کے یزید کے پاس لائے جانے کی کیفیت دریافت کی تو انہوں نے فرمایا:

مجھے ایک برہنہ اونٹ پر بغیر روپوش اور پالان کے سوار کیا گیا سیدالشہداء کا سرنیزہ پر بلند تھا اور بیبیاں میرے پیچھے بے کجاوہ اونٹوں پر سوار تھیں۔اور ان کافروں اور نیزہ برادروں نے ہمیں چاروں طرف سے گھیر رکھا تھا۔جب ہم میں سے کوئی روتا تھا تو وہ اس کے سر پر نیزے مارتے تھے ہم اسی حال میں دمشق میں داخل ہوئے۔

جب شہر میں داخل ہوئے تو ایک منادی نے ندا دی: اے اہل شام! یہ اہل بیت کے قیدی ہیں۔ (بحارالانوار:۴۵/۱۵۴باب۳۹ح۲،جلاالعیون/۴۳۵)

کتاب ''تبر مذاب'' وغیرہ سے منقول ہے کہ شہداء کے سروں اور اسیران اہل بیت کے ہمراہ آنے والے کفار کی عادت یہ تھی کہ ہر منزل پر سرہائے مقدس کو صندوق سے باہر نکالتے اور نیزوں پر سوار کردیتے اور روانگی کے وقت دوبارہ صندوق میں رکھ دیتے اور اکثر منازل پر شراب نوشی کرتے۔ان جملہ کفار میں مضر بن ثعلبہ زجر بن قیس، شمر اور خولی شامل تھے۔(منتہی الآمال:۱/۴۱۸)

یہ بھی منقول ہے کہ ابن زیاد نے سر مطہر کو قیدیوں کے ساتھ ہی بھیجا تھا اور بیبیاں ،بچے اور رسول خداؐ کی بیٹیاں اونٹوں کے کجاووں کے اوپر رسیوں سے بندھے ہوئے تھے۔

(وقائع الایام خیابانی تتمہ محرم/۲۸۲)

''ریاض الاحزان'' میں ہے: عبارات سے جو استفادہ ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ: قیدی بے حجاب حالت میں اونٹوں پر سوار تھے۔ نہ انہوں نے مقنعہ اوڑھ رکھا تھا نہ ساتری اور نہ ہی ان کے لباس پورے تھے۔ وہ ترک و دیلم اور حبش کے قیدیوں کی طرح پریشان حال اور خوف زدہ تھے اور نہیں جانتے تھے کہ آخر ان کا کام کہاں انجام پذیر ہوگا اور ان پر کیا گزرے گی۔

تمام مخدرات کے ہاتھوں میں رسیاں بندھی ہوئی تھیں اور اونٹوں کے کجاووں کی لکڑیوں کے نشان پڑے ہوئے تھے۔ بعض کو خچروں پر سوار کر کے لایا گیا

(ریاض القدس: ۲/ ۲۵۷)

"عمادالدین طبری" رقم طراز ہیں: امام زین العابدینؑ کی گردن میں بھاری طوق پہنایا گیا جب کہ ہاتھ پس گردن بندھے ہوئے تھے۔ امامؑ سارا راستہ حمد و ثنائے خداوندی، تلاوت قرآن اور استغفار میں مشغول رہے اور سوائے مخدرات اہل بیتؑ کے کسی سے کوئی گفتگو نہ کی۔

اور جو ملعون امام حسینؑ کے سر مبارک کو کوفہ سے باہر لائے وہ عرب کے قبائل سے خوفزدہ تھے کہ وہ احتجاج کریں گے اور انہیں واپس ہونا پڑے گا۔ لہٰذا انہوں نے اصل راستے کو چھوڑ دیا اور خفیہ راستوں کو اپنایا۔ جب وہ کسی قبیلہ کے پاس پہنچتے تھے تو علو نہ طلب کرتے تھے اور کہتے تھے: ہمارے ساتھ خارجیوں کے سر ہیں۔ (کامل بہائی: ۲/ ۲۹۱)

بعض مورخین اور مقتل نویسوں مثلاً ابن مخنف نے (مقتل ابی مخنف ۱۸۰ تا ۱۹۲) کوفہ و شام کے راستے میں آنے والی منازل، اس سفر کے دوران ان پر کیا گزری اور ان سے کیا کیا کرامات سرزد ہوئیں کا تذکرہ کیا ہے؟ بعض مورخین نے راستے میں درپیش آنے والی مصیبتوں، امام حسین علیہ السلام کے سر مقدس کے معجزات اور متعدد مواقع پر سر امامؑ کے گفتگو کرنے نیز سقط حمل۔ (امام حسینؑ کی ایک بیوی جو کہ حاملہ تھیں اور حلب کے نزدیک ایک پہاڑ پر ان کا حمل (جنین) سقط ہوگیا اور اسے پہاڑ کے دامن میں مدفون کیا گیا۔ اور یہ جگہ

مشہد السقط اور مشہد الدکتہ کہلاتی ہے) کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ کچھ اس طرح کے اور واقعات بھی منقول ہیں کہ جن کے نقل کرنے سے ہم اجتناب کر رہے ہیں یہ بھی منقول ہے ایک منزل سفر کے دوران میں امام حسین علیہ السلام کی ایک بیٹی اونٹ سے گر گئی۔ اس نے فریاد کی "یا عَمَّتاهُ ،وَیازَینباهُ "اے پھوپھی جان! اے زینب عالیہؑ بی بی زینب نہایت اضطراب کی کیفیت میں اونٹ سے اتریں اور نالہ و زاری کرتے ہوئے بیابان میں چاروں طرف اسے تلاش کیا اور جب بچی کو تلاش نہ کرسکیں تو بے ہوش ہوگئیں۔ لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ وہ بچی اونٹوں کے پاؤں کے نیچے آ کر جاں بحق ہو چکی ہے۔ بی بی نے یہ منظر دیکھ کر "وَاضَیْعَتاهُ ،وَواغُرَبتاهُ ،وَوامِحنتاهُ" کا نالہ بلند کیا کہ آسمان وزمین کو ہلا کر رکھ دیا۔

(الطراز المذھب تاریخ حضرت زینب علیہ السلام: ۱/۳۵۴)

غل بہ گردن مالک ملک وجود
از خجالت سر بزیر افکندہ بود
چون ہلال یکشنبہ زرد ضعیف
زیر زنجیر گراں جسم نحیف
می شنید از ھر طرف دشنام بد
بود ساکت حاش للہ دم نزد

ملک وجود کے مالک (امام سجادؑ) کی گردن میں طوق تھا اور آپ نے خجالت سے سر جھکا رکھا تھا۔ آپ کا نحیف بدن بھاری زنجیروں کے نیچے پہلی رات کے چاند کی طرح زرد اور کمزور محسوس ہو رہا تھا۔ آپ ہر طرف سے گالیاں سن رہے تھے مگر اللہ کی رضا کی خاطر خاموش تھے۔

دیر راہب کا واقعہ

اکثر شیعہ، سنی محدثین اور مورخین نے اپنی کتب میں اس واقعہ کو تھوڑے بہت اختلاف کے ساتھ نقل کیا ہے۔ جن سب کا حاصل گفتگو کچھ اس طرح ہے:

جب ابن زیاد ملعون کے لشکر نے دیر راہب کے نزدیک منزل کی تو انہوں نے امام حسینؑ کے سر کو صندوق میں رکھ دیا اور قطب راوندی کی روایت کے مطابق سر مبارک نیزے پر سوار کر رکھا تھا اور اس کے گرد بیٹھے خوف زدہ ہو رہے تھے رات کا ایک حصہ انہوں نے شراب نوشی اور عیش و عشرت میں گزارا، پھر کھانے کا بندوبست کیا اور خورو نوش میں مصروف ہوگئے۔ اچانک انہوں نے دیکھا کہ دیر کی دیوار سے ایک ہاتھ نمودار ہوا اور اس نے ایک آہنی قلم سے دیوار پر یہ شعر لکھا

أَتَرْجُوا أُمَّةٌ قَتَلَتْ حُسَيْنًا
شَفَاعَةَ جَدِّهِ يَوْمَ الْحِسَابِ

"کیا وہ امت جس نے حسینؑ کو قتل کیا ہے روز قیامت اس کے ناناؐ سے شفاعت کی امیدوار ہو سکتی ہے؟

لشکری بہت ڈرے اور بعض اٹھے کہ اس ہاتھ اور قلم کو پکڑ لیں، لیکن وہ غائب ہوگیا۔ جب وہ دوبارہ اپنے کام میں مشغول ہوگئے تو وہ ہاتھ پھر نمودار ہوا اور یہ شعر تحریر کیا:

فَلَا وَاللّٰهِ لَیۡسَ لَهُمۡ شَفِیۡعٌ
وَهُمۡ یَوۡمَ الۡقِیَامَةِ فِی الۡعَذَابِ

"خدا کی قسم! قاتلانِ حسینؑ کے لئے کوئی شفاعت کرنے والا نہیں ہوگا اور وہ قیامت کے دن عذاب کا مزا چکھیں گے۔

کچھ لوگ دوبارہ اٹھے کہ اس ہاتھ کو پکڑ لیں لیکن وہ دوبارہ غائب ہوگیا جب یہ لوگ اپنے کام میں مصروف ہوگئے تو تیسری بار پھر یہ ہاتھ مع قلم ظاہر ہوا اور یہ شعر لکھا:

وَقَدۡ قَتَلُو الۡحُسَیۡنَ بِحُکۡمِ جَوۡرٍ
وَخَالَفَ حُکۡمُهُمۡ حُکۡمَ الۡکِتَابِ

"ان لوگوں کی شفاعت کس طرح ہوسکتی ہے جنہوں نے ان ظالموں کے حکم سے حسین علیہ السلام کو شہید کردیا جن کا حکم خدا کے حکم کی مخالف تھا"

جب انہوں نے یہ دیکھا تو غذا ان کے لئے ناگوار ہوگئی اور وہ اسی حالت خوف میں سوگئے۔ آدھی رات کے وقت راہب کے کانوں نے ایک آواز سنی۔ جب اس نے توجہ کی تو کسی کو اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس کرتے ہوئے سنا۔ وہ اٹھا اور دیر کے دروازے سے سر باہر نکال کر دیکھا کہ دیر کی دیوار کے ساتھ رکھے گئے صندوق سے آسمان کی طرف ایک عظیم نور بلند ہو رہا ہے۔ اور آسمان سے ملائکہ گروہ در گروہ نیچے اتر رہے ہیں اور وہ کہتے ہیں:

"اَلسَّلَامُ عَلَیۡکَ یَابۡنَ رَسُوۡلِ اللّٰهِ اَلسَّلَامُ عَلَیۡکَ یَااَبَا عَبۡدِاللّٰهِ صَلَوٰاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهُ عَلَیۡکَ"

راہب نے جب یہ دیکھا تو بہت متعجب اور خوفزدہ ہوا۔ اس نے صبح تک صبر کیا۔ جب صبح کی سفیدی نمودار ہوئی تو وہ اپنے دیر سے باہر نکلا اور لشکر کے درمیان میں پہنچ کر پوچھنے لگا اس لشکر کا سردار کون ہے؟ جواب ملا: خولی۔

وہ خولی کے نزدیک آیا اور کہنے لگا کہ اس صندوق میں کیا ہے؟ خولی نے کہا:

حسینؑ بن علیؑ بن ابی طالبؑ (کا سر ہے)

راہب نے کہا: اس کی ماں کا نام کیا ہے؟

جواب ملا فاطمہ زہراؑ بنت محمد مصطفیٰؐ

راہب کہنے لگا: تم پر ہلاکت ہو تم نے یہ کیا کر دیا' یقیناً ہمارے علماء واحبار نے سچ کہا تھا کہ جب یہ ہستی شہید ہوگی تو آسمان سے خون برسے گا اور ایسا کسی پیغمبر یا وصی پیغمبرؑ کے قتل کے بغیر ناممکن ہے۔

اب میں تم لوگوں سے خواہش کرتا ہوں کہ ایک گھنٹے کے لئے یہ سر مجھے دو پھر میں تمہیں واپس کر دوں گا۔

یہ کہنے لگے: ہم اس سر کو سوائے یزید کے دربار کے کہ جہاں سے ہمیں انعام ملے گا۔(صندوق سے) باہر نہیں نکال سکتے

راہب نے کہا: تم کتنا انعام لینا چاہتے ہو۔

کہنے لگے: دس ہزار درہم سے بھرا کیسہ۔

راہب نے کہا: یہ رقم میں بھی دینے کے لئے تیار ہوں۔ وہ ایک تھیلی لایا کہ جس میں دس ہزار درہم موجود تھے۔ خولی نے یہ رقم وصول کر کے سر مبارک ایک گھنٹے کے لئے راہب کے سپرد کر دیا۔

راہب اس سر کو اپنے صومعہ میں لے گیا۔گلاب کے عرق سے اسے دھویا اور مشک و کافور سے معطر کیا اور اپنے مصلے پر بیٹھ کر گریہ و نالہ کرنے لگا۔ وہ اس سر منور سے کہتا تھا: اے ابا عبداللہ! میرے دل پر بوجھ ہے کہ میں کربلا میں موجود نہیں تھا اور آپ پر اپنی جان قربان نہ کر سکا۔

اے ابا عبداللہ! جب آپ اپنے نانا سے ملاقات کریں تو گواہی دینا کہ میں نے کلمہ شہادت پڑھ لیا ہے اور آپ کے سامنے حلقہ بگوش اسلام ہو گیا ہو۔

پس یہ راہب مسلمان ہوگیا اور جو لوگ اس کے پاس تھے وہ بھی مسلمان ہو گئے اور سر مقدس (حسب وعدہ) واپس کر دیا۔

اس واقعہ کے بعد راہب اپنے صومعہ سے نکل آیا اور ایک کوہستان کے نزدیک زندگی بسر کرنے لگا۔ وہ ایک عرصہ زہد و عبادت میں گزارنے کے بعد اس دنیا سے انتقال کر گیا۔

لشکریوں نے کوچ کیا اور شام کے نزدیک پہنچ کر جب اس رقم کو تقسیم کرنا چاہا تو وہ مٹی بن چکی تھی اور ان درہموں کے ایک طرف لکھا تھا۔

وَلاَ تَحْسَبَنَّ اللّٰه غَافِلاً عَمَّا یَعْمَلُ الظّٰلِمُونَ.

جب کہ دوسری طرف یہ تحریر تھا۔

وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوٓا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَنْقَلِبُوْنَ .

خولی نے کہا اس کو کتمان کریں اور چھپا دیں اور کہا:

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ خَسِرَ الدُّنْیَا وَالْآخِرَةِ.

(منتہی الآمال:۱/۴۴۲ بحار الانوار:۴۵/۱۸۵ سے رجوع کریں)

بعض نے یوں نقل کیا ہے کہ راہب نے سر مقدس سے عرض کیا: اے سرداران عالم کے سردار اور اے صاحبان عظمت سے عظیم! مجھے گمان ہے کہ آپ ان لوگوں میں سے ہیں جن کی توصیف خدا نے تورات اور انجیل میں کی ہے اور تاویل کی فضیلت آپ کو عطا فرمائی ہے تا کہ بنی آدمؑ کے بزرگ اور سادات آپ پر گریہ و ندبہ کریں۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ کو نام اور اوصاف کے حوالے سے پہچانوں۔

سر مبارک نے فرمایا:

اَنَا الْمَظْلُوْمُ اَنَا الْمَهْمُوْمُ ، اَنَا الْمَغْمُوْمُ ، اَنَا الَّذِیْ بِسَیْفِ الْعُدْوَانِ وَالظُّلْمِ قُتِلْتُ ، اَنَا الَّذِی بِحَرْبِ اَهْلِ الْبَغْیِ ظُلِمْتُ

، اَنَا الَّذِیْ عَلٰی غَیْرِ جُرْمٍ لَهِبْتُ اَنَّا الَّذِیْ مِنَ الْمَاءِ مُنِعَتُ اَنَا الَّذِیْ عَنِ الْاَ هْلِ وَالْاَ وْطَانِ بُعِدْتُ .

اس نصرانی نے کہا: اے سر آپ کو خدا کی قسم اس سے آگے (مزید) تعارف کروائیے۔ سرمبارک نے فرمایا:

اَنَا بْنُ مُحَمَّدِ الْمُصْطَفٰی اَنَا بْنُ عَلِی الْمُرْتَضٰی اَنَا ابْنُ فَاطِمَةَ الزَّهْرَا اَنَا بْنُ خَدِیْجَةَ الْکُبْرٰی ، اَنَا بْنُ الْعُرْوَةِ الْوُثْقٰی اَنَا شَهِیْدُ کَرْبَلَا ، اَنَا قَتِیْلُ کَرْبَلَا ، اَنَا مَظْلُوْمُ کَرْبَلَا اَنَا عَطْشَانُ کَرْبَلَا ....

جب راہب کے شاگردوں نے یہ سب کچھ دیکھا تو وہ گریہ کرنے لگے اور اپنے زنار توڑ پھینکے اور امام زین العابدین کی خدمت میں پہنچ کر مسلمان ہو گئے۔

یہ بھی احتمال ہے کہ یہ کوئی دوسرا واقعہ ہو۔

شام میں داخلہ اہل بیتؑ

اہل بیتؑ کو شہر کے باہر تین روز تک ٹھہرائے رکھا گیا تاکہ شہر کی آرائش کی جاسکے۔ شہر کی ہر طرح سے زیب و زینت اور آرائش و زیبائش کی گئی کہ کسی نے ایسی آرائش پہلے نہ دیکھی ہوگی۔ پانچ صد ہزار مرد اور عورتیں دفیں لئے اور ان کے امیر طبل و کوس اور بوق و دھل لئے باہر آئے۔ اور ہزاروں جوان مردوں اور عورتوں نے ناچتے گاتے اور دفیں، چنگ اور رباب بجاتے ہوئے مظلوموں کے اس قافلے کے استقبال کیا۔ اہل شہر نے ہاتھ پاؤں میں مہندی لگا رکھی تھی۔ وہ آنکھوں میں سرمہ لگائے اور فاخرہ لباس پہنے ہوئے تھے۔

(کامل بہائی: ۲/۲۹۲ اور یہ مضمون ریاض القدس: ۲/۲۸۹ وغیرہ میں بھی ہے)

منقول ہے کہ سید الشہداء کا سر مقدس ماہ صفر کی پہلی تاریخ کو دمشق میں داخل ہوا اور اس دن کو بنی امیہ نے عید منائی۔

(مصباح کفعمی/۵۱۰ توضیح القاصد شیخ بہائی، تقویم المحسنین فیض کاشانی/۵۱۰ نفس المہموم ۴۲۹ وغیرہ)

سید بن طاؤسؒ رقم طراز ہیں: کوفی سر حسینؑ کو اسیر عورتوں اور مردوں کے ہمراہ لائے جب یہ دمشق کے نزدیک پہنچے ام کلثوم نے شمر کو، جو ان کے ساتھ ساتھ تھا، نزدیک جا کر فرمایا: مجھے تجھ سے ایک حاجت ہے۔ کہنے لگا کیا؟ بی بی نے فرمایا: ہمیں اس شہر میں اس دروازے سے داخل کرو جس میں تماشائی کم ہوں اور دوسرے ان سپاہیوں سے کہو کہ شہداء کے سروں کو ہمارے کجاووں کے درمیان سے نکال کر دور لے جائیں تاکہ ہم اس حال میں نظر آنے کی ذلت

اورخواری سے بچ سکیں۔

شمرملعون نے اس مقدسہ بی بی کی خواہش کے جواب میں اپنے دل میں موجود کینہ وعناد کے سبب الٹا حکم دیا کہ سروں کو نیزوں پر بلند کرو اور کجاووں کے درمیان تقسیم کردواور اس حال میں اہل بیتؑ کو تماش بینوں کے درمیان پھرایا گیا۔ یہاں تک کہ انہیں دمشق کے دروازے پر لایا گیا اور جامع مسجد کے دروازے کے پلڑوں میں کھڑا رکھا گیا یعنی کہ جس جگہ قیدیوں پر نظر پڑ سکے۔ (لہوف/۱۷۴)

امام سجادؑ فرماتے ہیں جب ہم اہل بیتؑ دروازۂ شام پر پہنچے تو ہمیں وہاں تین گھنٹے ٹھہرائے رکھا گیا تا کہ یزید سے اجازت لے لیں۔ اس کے بعد ہم دروازے میں داخل ہوئے۔ حالانکہ یہودی اور نصرانی بغیر اجازت کے داخل ہو رہے تھے۔ اس وجہ سے اس دروازے کو دروازہ ساعات کا نام دیا گیا ہے اور اس سے پہلے اسے دروازۂ حلب کہا جاتا تھا۔

اس سے بھی دشوار اور مشکل تر یہ کہ حضرت فرماتے ہیں ہمیں اول صبح کے وقت شام شہر میں داخل کیا گیا۔ اور غروب آفتاب کے نزدیک یہ عورتوں اور بھوکے پیاسے قیدی بچوں کا قافلہ یزید کے محل تک پہنچایا گیا (حالانکہ اس ملعون کے محل کا دروازہ چنداں دور نہ تھا دراصل یہ سارا وقت وہ ظالم اہل بیتؑ کو شام کے گلی کوچوں میں پھراتے رہے۔

(انوار الشہادۃ/۲۳۴ف ۱۸)

صاحب مناقب نے اپنی اسناد کے ساتھ زید سے اور اس نے اپنے آباؤ اجداد سے روایت کی ہے کہ سہل بن سعد نے کہا: میں ایک سفر کے دوران دمشق میں داخل ہوا تو دیکھا کہ شہر نہایت آباد و شاد ہے' درختوں کی فراوانی اور نہروں کی کثرت ہے' اونچے اونچے محل اور بے شمار گھر ہیں اور شہر کو بہت سجایا گیا ہے۔ پردے لٹک رہے ہیں' آدمی خوش وخرم ہیں اور عورتیں ساز بجانے میں مشغول ہیں۔

میں نے اپنے آپ سے کہا آج شاید عید کا دن ہے۔ اور ایک گروہ سے پوچھا کہ

شام میں عید ہے جس کا مجھے علم نہیں؟ انہوں نے کہا: اے شیخ: کیا تو اس شہر میں اجنبی ہے؟
میں نے کہا: میں سہل بن سعد صحابی رسول خدا ہوں۔
یہ لوگ کہنے لگے: اے سہل ہمیں تعجب ہے کہ آسمان سے خون کیوں نہیں برستا اور
زمین اپنے ساکنوں کو نگل کیوں نہیں لیتی!
میں نے کہا: کیوں' کہنے لگے کہ یہ فرحت و شادمانی اس لئے ہے کہ حسینؑ ابن علی
ؑ کے سر مبارک کو عراق سے یزید کے لئے بطور ہدیہ لایا گیا ہے۔ میں نے کہا: یہ تعجب خیز بات
ہے! کہ سر امام کو لایا جا رہا ہے اور لوگ خوشیاں منا رہے ہیں؟۔
میں نے پوچھا: وہ کون سے دروازے سے داخل ہو رہے ہیں؟
کہنے لگے: دروازۂ ساعات سے (میں اس دروازے کی طرف بڑھا جب اس
کے نزدیک پہنچا) تو دیکھا کہ کفر و گمراہی کے پرچم یکے بعد دیگرے آ رہے ہیں اور ایک سوار
ہے کہ جس کے ہاتھ میں نیزہ ہے اور اس پر رسول خداؐ سے مشابہ ترین پاک سر مبارک ہے۔
اور اس کے پیچھے عورتوں اور بچوں کو بے کجاوہ اونٹوں پر سوار کر کے لایا جا رہا ہے۔
میں ان میں سے ایک کے پاس گیا اور پوچھا تم کون ہو؟
اس نے کہا: میں امام حسینؑ کی بیٹی سکینہ ہوں۔
میں نے کہا: میں آپ کے جد (محمد مصطفیؐ) کے صحابہ میں سے ہوں اور میرا نام
سہل بن سعد ہے' اگر کوئی حاجت ہے تو بتائیں کہ میں پوری کروں؟
شہزادی سکینہؑ نے فرمایا: وہ شخص جو میرے بابا کا سر اٹھائے ہوئے ہے اسے کہیں کہ
(وہ ہمارے درمیان سے باہر نکل جائے) اور سر کو آگے آگے لے کر چلے (تا کہ لوگ اس
سر منور کو دیکھنے میں مشغول رہیں اور رسول خداؐ کے حرم پر نگاہ نہ کریں۔
سعد کہتا ہے۔ میں اس ملعون کے نزدیک گیا اور کہا: کیا تم میری ایک حاجت پوری
کرو گے' اس کے عوض مجھ سے چار سو طلائی دینار لے لو؟

کہنے لگا: تمہاری حاجت کیا ہے؟

میں نے کہا: اس سر کو خواتین کے درمیان سے نکال لو اور ان کے آگے آگے لے چلو۔

اس ملعون نے مجھ سے رقم لی اور میری حاجت پوری کر دی۔

(بحار الانوار: ۴۵/ ۱۲۷)

علامہ مجلسیؒ نے ''جلا العیون'' میں اس حدیث کو بعض معتبر کتابوں سے نقل کیا ہے اور آخر میں اضافہ فرمایا ہے کہ۔

ابن شہر آشوب کی روایت کے مطابق جب اس ملعون نے چاہا کہ اس رقم کو مصرف میں لائے تو دیکھا کہ وہ طلا سنگ سیاہ بن چکا ہے اور اس کی ایک طرف مرقوم تھا:

وَلاَ تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلاً عَمَّا يَعْمَلُ الظَّالِمُوْنَ .

اور دوسری طرف مرقوم ہے۔

وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُوْنَ. (جلا العیون/ ۴۳۶)

قطب راوندی نے منہال بن عمر سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا: خدا کی قسم دمشق میں وہ لوگ امام حسینؑ کا سر مبارک نیزہ پر سوار کئے ہوئے تھے اور آپ جناب کے سامنے سورہ کہف کی تلاوت کر رہے تھے، جب وہ اس آیت پر پہنچے:

''أَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحَابَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ كَانُو مِنْ آيَاتِنَا عَجَبًا''

تو قدرت خداوندی سے امام حسین کا سر گویا ہوا اور آپ نے زبان فصیح میں فرمایا: میرا معاملہ اصحاب کہف کے قصہ سے بھی عجیب ہے۔

دمشق میں امام حسینؑ کے سر کے کلام کرنے کے سلسلے میں شیعہ منابع الفضائل الخمسہ: ۳/ ۲۹۹، احقاق الحق: ۱۱/ ۴۵۲ اور عامہ کی مختصر تاریخ دمشق: ۲۵/ ۲۷۴ کی طرف رجوع فرمائیں۔

وہ کافر سید المرسلین کے حرم پاک اور اولاد اطہار کو دوبارہ جامع دمشق مسجد کے

دروازے پر لائے جو قیدیوں کے لئے مخصوص جگہ تھی۔ (جلاالعیون/۲۳۶)

راوی کہتا ہے: (اہل شام) میں سے ایک بوڑھا آدمی آیا اور مسجد کے دروازے پر کھڑے قافلہ حسینی کے نزدیک آ کر کہنے لگا: شکر ہے اس خدا کا کہ جس نے تمہیں قتل کیا اور شہروں کو تمہارے مردوں سے آسودہ کیا اور یزید کو تم پر مسلط کیا۔

علیؑ ابن الحسینؑ نے اس سے فرمایا: اے مردضعیف! کیا تو نے قرآن پڑھا ہے؟

وہ کہنے لگا: ہاں۔

امام نے فرمایا: کیا تو نے یہ آیت پڑھی ہے۔

"قُلْ لاَ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجرَ اِلاَّ الْمَوَدَةَ فِى الْقُرْبٰى"

"اے رسول ان سے کہہ دو کہ تم سے کچھ اجر رسالت نہیں چاہتا سوائے اس کے کہ تم میرے اقرباء سے محبت کرنا (سورہ شوریٰ آیہ ۲۳)

کہنے لگا: ہاں پڑھا ہے۔ امام نے فرمایا: ہم ہیں رسولؐ کے وہ اقربا جن کی دوستی کو اجر رسالت کہا گیا ہے۔

پھر فرمایا: کیا تو نے سورۂ بنی اسرائیل میں یہ آیت پڑھی ہے؟

وَآتِ ذَى الْقُرْبٰى حَقَّهُ.

"اقرباء کا حق ادا کرو"

کہنے لگا: ہاں' امام نے فرمایا: "وھذی القربی" ہم ہی ہیں وہ اقربا آنحضرت نے فرمایا: اے مردضعیف کیا تو نے یہ آیت پڑھی ہے؟

وَاعْلَمُوا انَّمَا غَنِمْتُم مِنْ شَىْءٍ فَاِنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهُ وَالِلرَّسُوْلِ وَلِذى الْقُرْبٰى.

"جان لو کہ جو کچھ تم فائدہ حاصل کرو اس کا پانچواں حصہ اللہ، اس کے رسول اور اقربائے رسول کا ہے۔ (سورہ انفال آیہ ۴۱)

کہنے لگا: ہاں امام نے فرمایا: ہم ہی وہ اقربائے رسول ہیں پھر امامؑ نے فرمایا: کیا تم نے یہ آیت تلاوت کی ہے:

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَ یُطَهِّرَ كُمْ تَطْهِیْرًا.

"بے شک خدا نے ارادہ کرلیا ہے کہ اے اہل بیتؑ تم سے رجس کو دور کردے اور تمہیں پاک و پاکیزہ فرمادے"۔ (سورہ احزاب' آیہ ۳۳)

بوڑھا کہنے لگا: ہاں۔

امام نے فرمایا: ہم ہی وہ اہل بیتؑ رسالت ہیں جن کی طہارت کی گواہی خود خداوند قدوس نے دی ہے۔

راوی کہتا ہے: وہ بوڑھا حیران و ساکت کھڑا تھا اور اپنے کہے پر اس کے چہرے پر پشیمانی کے آثار نمودار ہورہے تھے۔

اس نے ایک لحظے کے بعد کہا:

تمہیں خدا کی قسم' تم وہی ہو جو تم نے کہا ہے؟

علیؑ بن الحسینؑ نے فرمایا: خدا کی قسم بلاشک وشبہ ہم ہی وہ خاندان ہیں۔ مجھے اپنے جد رسول خداؐ کی قسم ہم ہی وہ خاندان ہیں۔

بوڑھا رونے لگا، اپنا عمامہ زمین پر پھینک دیا اور سر آسمان کی طرف اٹھا کر کہا: بارالہا میں آل محمدؑ کے دشمنوں سے وہ جنوں میں سے ہیں یا انسانوں میں سے بیزار ہوں۔ پھر آپؑ سے عرض کرنے لگا کیا میرے لئے توبہ کا کوئی راستہ ہے؟

امام نے فرمایا: ہاں' اگر تم توبہ کرو تو خدا تمہاری توبہ قبول کرے گا اور تم ہمارے ساتھ ہوگے۔

عرض کرنے لگا: میں توبہ کرتا ہوں جب اس واقعہ کی خبر یزید پلید کو ملی تو اس نے

حکمدیا کہ اسے قتل کردیا جائے۔

(لہوف/۱۷۶ بحارالانوار:۴۵/۱۲۹ اور اسی مضمون کو شیخ صدوق امالی/۱۶۶ م ۳۱ ضمن حدیث ۳ میں لائے ہیں)

اس داستان کو ہندوشاہ بن سنجر بن عبداللہ صاحبی نخجوانی نے کتاب ''تجارب السلف'' میں اس فرق کے ساتھ کہ فقط آیہ شریفہ:

''قُلْ لاَّ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا''

سے استناد فرمایا ہے۔ اور آخر میں اضافہ کیا ہے کہ اس بوڑھے (شامی نے اپنی بات کے اختتام میں امام سجادؑ سے یوں کہا: خدا کی قسم میں ہرگز نہیں جانتا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم یزید اور اس کے عزیزوں کے علاوہ کوئی اور عزیز بھی رکھتے ہیں۔ پھر روتے ہوئے امام سے معذرت کی۔

کہا جاتا ہے کہ دمشق کے مشائخ میں سے ستر افراد نے طلاق' عتاق اور حج کی قسم کھائی کہ ہم یزید کے علاوہ کسی کو پیغمبر اکرمؐ کے رشتہ دار کے طور پر نہیں جانتے اور سب نے امام زین العابدین کے سامنے معذرت خواہی اور آہ وزاری کی اور امام نے سب کو معاف فرمایا۔

(تجارب السلف/۶۹ طبع تہران در سال ۱۳۱۳ اور یہ کتاب ۷۲۴ میں تالیف ہوئی تھی)

عمر بن منذر ہمدانی کہتا ہے۔

میں نے ام کلثوم کو دیکھا کہ گویا فاطمہ زہرا تھیں آپ کے سر پر ایک پرانی سی چادر تھی اور چہرے پر روبند باندھ رکھا تھا۔ میں ان کے نزدیک گیا اور امام زین العابدین اور ان کے خاندان کی بیبیوں کو سلام کہا۔ وہ مجھ سے فرمانے لگے۔ اے مومن' اگر تم سے ہو سکے تو اس شخص کو جو سر حسین علیہ السلام کو اٹھائے ہوئے ہے کوئی چیز دو کہ سر کو آگے لے جائے کیونکہ ہم تماش بینوں کی وجہ سے سخت زحمت میں ہیں۔

میں نے اس سر بردار کو سو درہم دیئے تا کہ سر حسینؑ کو آگے لے جائے اور بیبیوں سے دور ہٹ جائے۔ (کامل بہائی:۲/۲۹۷)

ایک روایت میں منقول ہے کہ شام میں امام کے سرمبارک سے سنا گیا کہ آپ بار بار فرماتے تھے:

"لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ"

ایک دوسری روایت میں کہ جب اہل بیت عصمت و جلال کو دمشق میں داخل کیا گیا تو ابراہیم بن طلحہ امام زین العابدینؑ کے پاس آیا اور جنگ جمل میں اپنے سینہ پر کینہ پر لگنے والا زخم دکھا کر کہنے لگا: آخر کون شخص مغلوب ہوا؟

امام نے فرمایا: اگر تو چاہتا ہے کہ کون مغلوب ہوا ہے تو جب نماز کا وقت ہو تو اذان و اقامت کی طرف توجہ دینا اور دیکھنا کہ کس کا نام بلند ہوتا ہے؟ اور (یہ نام) قیامت کے دن تک بلند رہے گا۔ (جلاالعیون/۴۳۷)

دربار یزید

جب یزید پلید اہل بیت اطہار کے شام میں داخلے سے آگاہ ہوا تو اس نے حکم دیا کہ دربار کی زینت و آرائش کی جائے اور اہل شام کے معروف معزز بزرگوں اور سرداروں کو مدعو کیا گیا۔ انہیں سنہری کرسیوں پر بٹھایا گیا اور وہ خود مرصع تخت پر بیٹھا۔

قیدیوں کو شہداء کے سروں کے ساتھ محل سے باہر کھڑا کیا گیا۔ مامورین داخلے کے لئے اس کی اجازت کے منتظر تھے۔ جب اجازت ملی تو قیدی رقت بار حالت میں اس شوم کی مجلس میں داخل ہوئے۔

سید بن طاؤس رقم طراز ہیں: امام حسینؑ کی کنیزوں، بیبیوں اور پسماندگان کو یکے بعد دیگرے قطار کی صورت میں رسیوں سے باندھے ہوئے یزید کی مجلس میں داخل کیا گیا۔ جب وہ اس کے سامنے اس حال میں کھڑے تھے تو علیؑ بن الحسینؑ نے یزید سے فرمایا:

"اَنْشُدُکَ بِاللّٰہِ یَایَزِیْدُ مَاظُنُّکَ بِرَسُوْلِ اللّٰہِ لَوْرَاٰنَاعَلٰی ھٰذِہِ الصِّفَۃِ؟"

"اے یزید! اللہ کو گواہ جان کر بتا کہ اگر رسول خداؐ ہمیں اس حالت میں ملاحظہ فرمائیں تو کیا سوچیں گے؟"

یزید نے حکم دیا کہ ان کی رسیوں کو کاٹ دو۔ پھر سر حسینؑ کو اپنے سامنے رکھا اور

بیبیوں کو اپنے سر کی پشت پر جگہ دی تا کہ وہ اسے نہ دیکھیں۔علیؑ بن الحسینؑ نے اس منظر کو دیکھا تا یا بان عمر غذای کہ از سر حیوان تہیہ شدہ باشد میل نفرمود۔

لیکن حضرت زینبؑ نے جب کٹے ہوئے سر کو دیکھا' اپنے ہاتھ سے اپنا گریبان چاک فرمایا: اس کے بعد جاں سوز نالہ بلند کیا اور دل کو زخمی کر دینے والی آواز دی: اے حسینؑ! اے رسول خدا کے حبیب' اے مکہ منیٰ کے فرزند' اے سیدۃ النساء فاطمہ زہراؑ کے بیٹے' اے دختر مصطفیؐ کے بیٹے۔

راوی کہتا ہے: خدا کی قسم جو کوئی بھی اس مجلس میں موجود تھا گریہ کرنے لگا اور یزید ملعون بھی ساکت و خاموش بیٹھا تھا۔

پس یزید کے گھر میں موجود بنی ہاشم کی ایک عورت نے امام حسینؑ کے لئے نوحہ سرائی شروع کر دی اور آواز دی: اے میرے حبیب! اے میرے خاندان کے سردار' اے محمدؐ کے بیٹے' اے بیواؤں اور یتیموں کے سرپرست اور اے حرام زادوں کے ہاتھوں قتل ہونے والے۔

راوی کہتا ہے کہ جس کسی نے بھی اس کی آواز سنی رونے لگا۔

پس یزید ملعون نے خیزران کی چھڑی طلب کی اور اسے حسین علیہ السلام کے داندان مبارک پر مارنے لگا۔ ابو برزہ اسلمی نے یزید کی طرف منہ کر کے کہا: وائے ہو تجھ پر اے یزید! فاطمہ زہراؑ کے بیٹے حسینؑ کے دانتوں پر چھڑی مار رہے ہو؟ میں خود گواہ ہوں کہ پیغمبر اکرمؐ حسینؑ اور اس کے بھائی حسنؑ کے دانتوں کو چومتے تھے اور فرماتے تھے: تم دونوں بہشت کے جوانوں کے سردار ہو خدا تمہیں مارنے والے کو مارے' اس پر لعنت کرے اور دوزخ جیسی بری جگہ کو اس کے لئے تیار رکھے۔

راوی کہتا ہے: یزید یہ بات سن کر غضب ناک ہوا اور اس نے حکم دیا کہ اس شخص کو مجلس سے نکال دو۔ پس سپاہی اسے کھینچتے ہوئے دربار سے باہر لے گئے اور یزید نے یہ اشعار پڑھے۔

لَیْتَ أَشْیاخِی بِبَدرٍ شَهِدُاوَا
جَزَعَ الْخَزْرَجِ مِنَ وَقْعِ الْأَسَلِ
لَأَهِلُّوا وَاسْتَهَلُّو فَرَجًا
ثُمَّ قَالُو یَایَزِیْدُ لَاتَشَلْ
قَدْ قَتَلْنَا الْقَوْمَ مِنْ سَادَاتِهِمْ
وَعَدَلْنَاهُ بِبَدْرٍ فَاعْتَدَلَ
لَعِبَتْ هَاشِمُ بِالْمُلْکِ فَلَا
خَبَرٌجَاءَ وَلَا وَحْیٌ نَزَلَ
لَسْتُ مِنْ خِنْدَفَ اِنْ لَمْ أَنْتَقِمْ
مِنْ بَنِی اَحْمَدَ مَا کَانَ فَعَلَ

''اے کاش میرے قبیلہ کے وہ بزرگ اور گزشتگان جو جنگ بدر میں قتل ہوگئے' قبیلہ خزرج کو نیزوں اور تلواروں کے آگے زاری کرتے ہوئے دیکھتے''

وہ خوشی سے آواز دیتے اور کہتے :اے یزید تمہارے ہاتھ کو درد نہ ہوا میں نے ان کے بہترین اور عظیم لوگوں کو قتل کیا ہے تاکہ بدر میں ہمارے مقتولین کا حساب برابر ہو جائے۔

خاندان بنی ہاشم سلطنت سے کھیلتے رہے نہ ان پر آسمان سے کوئی خبر نازل ہوئی اور نہ وحی اتری۔

میں خندف کا بیٹا نہیں ہوں کہ اگر فرزندان احمد سے اس کا بدلہ نہ لوں جو انہوں نے ہمارے ساتھ کیا۔ (لہوف/۱۷۸'بحارالانوار:۴۵/۱۳۱)

ان اشعار کی اصل ''ابن زبعری'' کی ہے اور کچھ شعر یزید کے اپنے ہیں تمام مورخین نے ان کا ذکر نہیں کیا لیکن محدث قمی (منتہی الآمال ۱/۴۳۰) نے ابن زبعری کے اشعار نقل کئے تا کہ یزید کے کفر آمیز شعر مشخص ہو جائیں مقتل مقرم/۴۹۱ وغیرہ کی طرف رجوع کریں۔

غزوہ بدر ہجرت کے دوسرے سال واقع ہوا۔ رسول خدا نے ۳۱۳ مجاہدین کے ہمراہ اس جنگ میں شرکت کی۔ چودہ افراد مسلمانوں میں سے اور ستر افراد قریش کے قتل ہوئے۔ جن میں سے چھتیس افراد امیر المومنین کے ہاتھ سے قتل ہوئے ان جملہ مقتولین میں سے عتبہ معاویہ کی ماں کا جد (عتبہ معاویہ کی ماں کا باپ) اور ولید معاویہ کا ماموں اور عتبہ کا بیٹا) اور معاویہ کا بھائی حنظلہ امیر المومنین کی تلوار سے واصل جہنم ہوئے۔ اور شیبہ جو کہ عتبہ کا بھائی تھا حضرت حمزہ کے ساتھ لڑتے ہوئے حضرت علیؑ کی تلوار سے قتل ہوا۔

اس عبارت کی نظیر ابن نما نے بھی نقل کی ہے اور وہ رقم طراز ہے: علی بن الحسین نے فرمایا: ہم بارہ افراد کو اس حال میں یزید کے پاس لایا گیا کہ ہم طوق و سلاسل میں جکڑے ہوئے تھے۔

فاطمہؑ بنت حسینؑ نے فرمایا: اے یزید! بھلا کوئی رسول خداؐ کی بیٹیوں کو بھی قید کرتا ہے! اہل دربار اور یزید کے اہل خانہ یہ بات سن کر رو پڑے یہاں تک کہ گریہ وشیون کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔ (مثیر الاحزان/۹۸ تا ۱۰۰)

شیخ صدوقؒ نے روایت کی ہے: خاندان حسینؑ کی بیبیوں کو جب یزید کے پاس لے جایا گیا (تو یہ منظر اس قدر رقت خیز تھا کہ) آل یزید کی عورتیں اور معاویہ کی بیٹیاں اور اس کے خاندان کے لوگ گریہ وزاری کرنے لگے، ماتم برپا ہوگیا اور سر حسینؑ کو یزید کے پاس رکھا گیا حضرت سکینہؑ نے فرمایا:

''وَاللّٰهِ مَارَاَیْتُ اَقْسیٰ قَلْبًا مِنْ یَزِیْدَ وَلاَ رَاَیْتُ کَافِرًا وَلاَ مُشْرِکًا شَرًّا مِنْهُ وَلاَ اَجْفٰی مِنْهُ''

''خدا کی قسم! میں نے یزید سے زیادہ سخت دل انسان نہیں دیکھا اور کوئی کافر ومشرک بھی اس سے بدتر اور جفا رکا نہیں ہوگا۔

لَيْتَ أَشْيَاخِي بِبُدَرٍ شَهِدُوا

جَزْعَ الْخَزْرَجِ مِنْ وَقْعِ الْاَسْلِ

''کاش میرے بزرگ جو بدر میں قتل ہوئے نیزوں اور تلواروں کے سامنے خزرج کا نالہ دفریاد دیکھتے''

فاطمہ دختر حسینؑ سے منقول ہے کہ جب ہمیں یزید کے پاس لایا گیا تو اس نے پہلی بار ہم پر رقت کی اور ہمارے ساتھ نرمی سے پیش آیا۔

اہل شام میں سے ایک سرخ چہرے والا آدمی اٹھا اور اس نے کہا: اے یزید! یہ کنیز مجھے عطا کردو۔ اس کا مقصود میں تھی۔ میں خوف دہراس کا شکار ہوگئی کہ یزید کہیں ایسا کر نہ دے۔

میں نے اپنی بڑی بہن کا دامن تھام لیا۔ اس نے شامی سے کہا: تو جھوٹ بکتا ہے اور ملعون ہوگیا ہے یہ حق نہ تجھے ہے اور نہ اس (یزید) کو۔

یزید غصے میں آ گیا اور کہنے لگا: تم نے جھوٹ بولا ہے اگر میں چاہوں تو یہ کام کرسکتا ہوں۔

بی بی نے فرمایا: نہیں خدا کی قسم' خدا نے یہ حق تمہیں نہیں دیا مگر اس وقت کہ جب تو ہماری ملت اور ہمارے دین سے خارج ہو جائے۔

یزید نے غضب ناک حالت میں کہا: مجھے اس طرح کہہ رہی ہو! تمہارا باپ اور بھائی دین سے خارج ہوں۔

بی بی نے جواب میں فرمایا: دین خدا اور میرے باپ' بھائی اور جد کے دین سے تم نے اور تمہارے باپ نے ہدایت پائی۔

یزید نے کہا: اے دشمن خدا تم جھوٹ کہہ رہی ہو۔

بی بی نے جواب میں فرمایا: امیر تو دیکھو کہ ظالموں کی طرح دشنام دیتا ہے اور اپنی سلطنت کو خود ہی مقہور کرتا ہے۔

یزید کو شرم محسوس ہوئی اور وہ خاموش ہو گیا۔

شامی نے دوبارہ کہا: یہ کنیز مجھے عطا کر دیجئے۔ یزید نے کہا: خاموش ہو جاؤ خدا تجھے حتمی موت دے۔ (امالی صدوق/۱۶۶م۳۱ح۳)

علامہ مجلسیؒ تحریر کرتے ہیں: شیخ مفید ،سید بن طاؤس اور دوسروں نے مختلف روایات سے فاطمہ بنت حسینؑ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا:

جب ہمیں مجلس یزید میں لے جایا گیا تو پہلے حال میں اس نے ہم پر رقت کی۔ پس اہل شام میں سے ایک سرخ بالوں والا شخص اٹھا اور کہنے لگا۔ اے یزید! یہ کنیز مجھے دے دو اور اس نے میری طرف اشارہ کیا۔

میں خوف سے لرز کر رہ گئی اور اپنی پھوپھی زینبؑ کے لباس کو تھام لیا۔ پھوپھی جان نے مجھے تسلی دی اور اس شامی سے مخاطب ہو کر فرمایا: اے ملعون تم اور یزید سے میں کوئی بھی اس طرح کرنے کا حق نہیں رکھتا۔

دوسری روایت کے مطابق: جناب ام کلثومؑ نے اس شامی سے خطاب فرمایا: اے بد بخت خاموش ہو جاؤ۔ خدا تمہاری زبان قطع فرمائے اور تمہاری آنکھوں کو اندھا اور ہاتھوں کو خشک کرے اور تمہاری بازگشت جہنم کی طرف ہو۔ انبیاءؑ کی اولاد حرام زادوں کی خدمت گار نہیں بن سکتی۔

ابھی اس بزرگوار بی بی کی بات ختم نہ ہوئی تھی کہ خداوند کریم نے ان کی دعا مستجاب فرمائی اور اس شخص کی زبان گونگی آنکھیں اندھی اور ہاتھ خشک ہو گئے۔

بی بی ام کلثوم نے فرمایا: بحمد اللہ کہ اللہ نے عذاب و عقوبت کی کچھ مقدار تمہیں اس دنیا میں پہنچا دی ہے اور جو کوئی بھی رسول خدا کے حرم سے متعرض ہو اس کی یہی سزا ہے۔

(جلاالعیون/۲۴۱؛بحارالانوار:۴۵/۱۳۶و۱۳۷)

مسعودی کی ''اثبات الوصیۃ'' میں ہے کہ جب حسین علیہ السلام شہید ہو گئے تو علیؑ بن الحسینؑ کو اصل حرم کے ہمراہ یزید کے سامنے لایا گیا۔ اور آپ کے فرزند ابوجعفر (محمد باقرؑ) جن کی عمر اس وقت دو سال اور کچھ ماہ تھی آپ کے ساتھ تھے بہت سی روایت میں آیا ہے کہ وہ اول رجب یا سوم مصفر سن ۵۷ ہجری میں اس دنیا میں تشریف لائے۔ لہذا ان کی عمر مبارک اس وقت چار (۴) سال بنتی ہے

جب یزید نے آنحضرتؑ کو دیکھا تو کہا: اے علیؑ (ان واقعات کو) تم نے کیسا پایا۔ فرمایا: جو کچھ خدائے عزوجل نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق سے قبل ہمارا مقدر کیا تھا وہ دیکھا ہے۔ یزید نے اہل دربار کے ساتھ امام کے بارے میں مشورہ کیا تو انہوں نے امام کے قتل کا مشورہ دیا اور زبان پر برا کلمہ لائے۔

پانچویں امام ابوجعفر (حضرت امام محمد باقرؑ) نے برائے کلام اپنے معصوم ہونٹ کھولے اور خداوند متعال کی حمد وثنا کے بعد یزید سے فرمایا:

انہوں نے فرعون کے مشیروں کی رائے کے خلاف رائے دی ہے جب فرعون نے موسیٰؑ وہارون کے بارے میں ان سے مشورہ کیا تو انہوں نے کہا:

''ارجه واخاه''

''اسے اور اسکے بھائی کو مہلت دو''

لیکن انہوں نے ہمارے قتل کی رائے دی ہے اور اس کی ایک وجہ ہے۔

یزید نے کہا اس کی وجہ کیا ہے؟

حضرتؑ نے فرمایا: وہ نجیب عورتوں کے حلال زادے تھے لیکن یہ بیوقوف عورتوں کے حرام زادے ہیں کہ۔

''لَایَقْتُلُ الْاَنْبِیَاءَ وَاَوْلَادَهُمْ اِلَّا اَوْلَادُالْاَ دْعِیَاءِ''

""پیغمبروں اوران کی اولادوں کوحرام زادوں کے سوا کوئی قتل نہیں کرتا""

یزید نے سر جھکالیا اوراس ارادے سے باز آیا۔

اور ''تذکرۃ السبط'' میں آیا ہے کہ: علی بن الحسین بیبیوں کے ہمراہ رسی سے بندھے ہوئے تھے اورآپ نے فریاد کی: اے یزید! تمہارے گمان میں اگر رسول خدا ہمیں رسی سے بندھے ہوئے اور بے پالان اونٹوں پر برہنہ سوار دیکھیں تو ان پر کیا گزرے گی؟ پس تمام حاضرین رونے لگے۔

شیخ مفید اور ابن شہرآشوب کہتے ہیں جب سروں کوامام حسینؑ کے سر کے ہمراہ یزید کے نزدیک رکھا گیا تو وہ ایک دستی چوب سے امام کے سامنے کے دانتوں پرٹھوکر مارتا اورکہتا تھا: آج روز بدر کے بدلہ کا دن ہے۔ (نفس المہموم/۴۴۷)

علی بن ابراہیم نے امام صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ جب امام حسین علیہ السلام کے سرکو امام سجادؑ اور امیرالمومنین علی علیہ السلام کی بیٹیوں کے ہمراہ یزید کے سامنے لایا گیا تو امام سجادؑ کے گلے میں طوق تھا۔ یزید ملعون نے آپ سے کہا: خدا کی حمد کہ جس نے تمہارے باپ کوقتل کیا۔

امام سجادؑ نے فرمایا: اس پرخدا کی لعنت کہ جس نے میرے باپ کوقتل کیا۔ یزید غضب ناک ہوااورآپؑ کےقتل کاحکم دیا۔

آپؑ نے فرمایا: اگرتم مجھےقتل کردوگےتو رسول خدا کی بیٹیوں کوان کی منزل پر کون لے کر جائے گا کہ میرے سوا کوئی ان کا محرم نہیں ہے؟ یزید نے کہا: تم ان کوان کی منزل پرواپس لے کر جاؤ گے۔ اس نے لوہار کو بلایااورلوہار سے امام کے گلے میں پڑے طوق کوکٹوادیا۔

اس کے بعد یزید نے یہ آیت پڑھی:

''مَاأَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ''

''ہر مصیبت کہ جو تم نے اٹھائی وہ تمہارے انجام دیئے ہوئے اعمال کے سبب تھی''

امامؑ نے فرمایا: یہ آیہ ہمارے بارے میں ہرگز نازل نہیں ہوئی۔ بلکہ جو ہمارے حال کے مطابق ہے اور ہمارے بارے میں ہے وہ یہ ہے۔

''مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي أَنْفُسِكُمْ اِلَّافِي كِتَابٍ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَبْرَاهَا ''(سورہ حدید' آیہ ۲۲)

''کوئی مصیبت اور تکلیف زمین میں اور تمہارے وجود میں نہیں پہنچتی مگر وہ کہ جو کتاب (لوح محفوظ) میں تمہارے وجود میں آنے سے پہلے ثبت تھی۔

پس وہ ہم ہیں کہ (امور دنیا) میں سے جو کچھ ہمارے ہاتھ سے چلا جائے ہم اس کا دکھ نہیں کرتے اور جو کچھ ہمارے ہاتھ لگے اس پر خوش نہیں ہوتے۔

(تفسیر قمی :۲/۳۵۲' سورہ حدید ذیل آیہ' بحارلانوار: ۴۵/۱۶۸ب ۳۹ ح ۱۴)

مرحوم مقرم نے متعدد (راویوں) سے نقل کیا ہے کہ قیدیوں کو دربار یزید میں لانے کے لئے ایک رسی لائی گئی اور انہیں (گوسفندوں کی طرح) باندھ دیا گیا۔ امام زین العابدینؑ کے گلے کی رسی کے ساتھ زینبؑ وام کلثومؑ اور تمام دختران رسول بندھی ہوئی تھیں۔

ہر زمانی کہ از رفتن می ماندند آنہا رامی زوند' اس حال میں انہیں یزید ملعون کے سامنے لایا گیا اور وہ اپنے تخت پر بیٹھا تھا۔ پس علیؑ بن الحسینؑ نے فرمایا: اگر رسول خداؐ ہمیں اس حال میں دیکھیں تو کیا سوچیں گے؟

تمام حاضرین رونے لگے' یزید نے حکم دیا کہ رسی کو کاٹ دو۔

(مقتل مقرم/۴۴۹)

نیز منقول ہے کہ یزیدؒ نے امام حسینؑ کے سر کو سونے کے طشت میں رکھا اور بیبیاں اس کے سر کے پیچھے تھیں۔ سکینہؑ اور فاطمہؑ کھڑی ہوگئیں اور اپنی گردنیں اونچی

کر کے باپ کے سر کو دیکھنے کی کوشش کرتی تھیں اور یزید ملعون (سر کو) ان سے چھپاتا تھا جب وہ اسے دیکھتی تھیں تو صدائے گریہ بلند کرتی تھیں۔

اور تاریخ طبری (۵/۴۶۵) کامل ابن اثیر تذکرۃ الخواص صواعق المحرقہ فروع ابن مفلح مجمع الزوائد، فصول المہمۃ اور ہدایہ ابن کثیر وغیرہ میں منقول ہے کہ یزید ملعون نے چھڑی اٹھائی اور امام حسینؑ کے دندان مبارک پر ماری۔ (مقتل مقرم/۴۵۵)

مرحوم نوری نے مستدرک میں نقل کیا ہے کہ جب سر مبارک یزید کے سامنے رکھا ہوا تھا۔ اس نے چھڑی اٹھائی اور حسین علیہ السلام کے دندان مبارک پر ماری جس سے دندان مبارک ٹوٹ گئے۔ (معالی السبطین: ۲/۹۴)

مرحوم واعظ قزوینی تحریر کرتے ہیں: یزید نے اس دستی چھڑی کے ساتھ سونے کے اس طشت سے پردہ اٹھایا جب اس کی نگاہ آنحضرت کے کٹے ہوئے سر پر پڑی تو اس کے دل کے اندر موجود کینہ مشتعل ہوگیا۔

"فَجَعَلَ یَدُقُّ ثَنَایَاہُ"

"اس نے اس چھڑی کے ہر دو طلائی سروں کے ساتھ حضرتؑ کے دانتوں کو مارنا شروع کردیا"

ابی مخنف چھڑی سے مارنے، اثر ہونے اور مارنے سے بالاتر رقم طراز ہے۔

"فَجَعَلَ یَزِیْدُ یَنْکُتُ ثَنَایَا الْحُسَیْنَ عَلَیْهِ السَّلَامُ"

"اپنی چھڑی کے ساتھ حضرت کے دانتوں (ثنایا) کو توڑ دیا"

(مقتل ابی مخنف/۲۰۲)

صاحب زبدہ الریاض بھی تحریر کرتے ہیں۔

"لَمَّاوُضِعَ الرَّأْسُ بَیْنَ یَدَیْهِ أَخَذَ قَضِیْبًا فَضَرَبَ بِهَا ثَنَایَا الْحُسَیْنِ عَلَیْهِ السَّلَامِ حَتّٰی کُسِرَتْ"

"جب سر مطہر کو اس کافر کے سامنے رکھا گیا تو اس نے ایک چھڑی ہاتھ میں پکڑی اور اس قدر ماری کہ آپؑ کے دانت ٹوٹ گئے"

(ریاض القدس: ۲/۲۹۶و۲۹۷)

یزید چوب مزن بر لبان عطشانم
کہ ھم غریبم وھم نور سیدہ مہمانم
اگر کہ چوب زنی در خفا بزن ظالم
مگرنمی شنوی نالہ یتیمانم

یزید پیاسے ہونٹوں پر چھڑی نہ مار کہ ہم بے وطن وغریب اور نئے نئے آئے ہوئے مہمان ہیں۔ اگر چھڑی مارنی ہی ہے تو ظالم (ہم سے) چھپا کر مار مگر تو ہم یتیموں کا نالہ وفریاد سنتا ہی نہیں۔

مجاہد کہتا ہے: اس روز جو کوئی وہاں تھا اس نے یزید کو گالیاں دیں اور ملامت کی اور اس سے ترک تعلق کرلیا۔ (تمقام زخار: ۲/۵۵۸)

امام زین العابدین سے روایت کی گئی ہے کہ جب حسین علیہ السلام کے کٹے ہوئے سر کو یزید کے پاس لایا گیا تو اس ملعون نے مے گساری کی محافل ترتیب دیں اور سر مبارک کو منگوا کر اپنے سامنے رکھا اور اس کے اوپر سفرہ مے خواری کی کرو۔

ایک دن بادشاہ روم کا سفیر کہ جو خود بھی روم کے اشراف اور بزرگوں میں سے تھا' اس دربار یزید میں موجود تھا۔ اس نے کہا: اے شاہ عرب یہ کس کا سر ہے؟

یزید نے کہا: تمہیں اس سر سے کیا مطلب؟

اس نے کہا: میں چاہتا ہوں کہ اس کی داستان کی رپورٹ اپنے بادشاہ کو سناؤں تا کہ وہ بھی تمہاری خوشی اور شادمانی میں شریک ہو یزید ملعون نے کہا: یہ حسینؑ بن علیؑ بن ابی طالبؑ کا سر ہے۔

رومی نے کا: اس کی ماں کون ہے؟

یزید نے کہا: فاطمہؑ بنت رسول خداؐ۔

نصرانی کہنے لگا۔ تجھ پر اور تیرے دین پر لعنت' میرا دین تمہارے دین سے بہتر ہے۔ اگر چہ میرا باپ حضرت داؤد کے نوادگان (پڑپوتوں) میں سے ہے اور میرے اور داؤد کے درمیان بہت سی پشتوں کا فاصلہ ہے' پھر بھی عیسائی مجھے بزرگ سمجھتے ہیں اور میرے پاؤں کی خاک کو بطور تبرک اٹھا لیتے ہیں اور تم نے رسول خدا کی بیٹی کے بیٹے کو قتل کر دیا۔ حالانکہ اس کے اور پیغمبر کے درمیان ایک ماں سے زیادہ فاصلہ نہیں ہے۔ یہ کیسا دین ہے؟

اس کے بعد اس نے یزید کے لئے کلیسائے حاضر کی واستان بیان کی کہ سمندر کے وسط میں ایک شہر ہے اور وہاں بے شمار کلیسا ہیں جن سب سے عظیم کلیسائے حاضر ہے۔ جس کی محراب سے ایک طلائی حصہ آویزاں ہے اس حقہ میں درمیان ایک ناخن ہے اور کہا جاتا ہے کہ یہ اس الاغی کا ناخن ہے جس پر حضرت عیسٰیؑ نے سواری کی تھی۔

عیسائیوں نے اس حصہ کو جریر میں لپیٹ رکھا ہے اور ہر سال بہت زیادہ تعداد میں لوگ وہاں آتے ہیں اور اس کا طواف کرتے اور بوسہ لیتے ہیں۔ اور اس کے نزدیک آ کر خداوند متعال سے اپنی حاجتیں طلب کرتے ہیں۔ یہ ہے ان کا عقیدہ اور وطیرہ اس دراز گوش کے ناخن کے بارے میں کہ جو ان کے گمان میں یہ ان کے پیغمبر کی سواری کے گدھے کا ناخن ہے۔ اور تم نے اپنے پیغمبرؐ کی بیٹی کے بیٹے کو قتل کر دیا ہے

یزید ملعون نے کہا: اس نصرانی کو قتل کر دیا جائے تا کہ ہماری آبرو کو اپنی سلطنت میں نہ لے جائے۔

جب نصرانی کو احساس ہو گیا کہ یزید اس کے قتل کے درپے ہے تو اس نے کہا: جان لو کہ کل رات میں نے تمہارے پیغمبرؐ کو خواب میں دیکھا ہے کہ مجھ سے فرماتے ہیں۔ اے نصرانی! تو اہل بہشت میں سے ہے اور میں آنحضرتؐ کے اس کلام پر خوش ہوں۔

"أَشْهَدُ اَنْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ"

شہادتیں کہنے کے بعد وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور سر حسین علیہ السلام کو اٹھا کر سینے سے لگایا' اسے چوما اور گریہ کرتا رہا۔ یہاں تک کہ اسے قتل کر دیا گیا۔
(لہوف/۱۹۰' بحار الانوار: ۴۵/۱۴۱)

مقتل ابی مخنف میں ہے کہ راس لجالوت نے یزید کے ساتھ کلام کیا اور کہا: اے یزید! تمہیں خدا کی قسم بتاؤ کہ یہ کٹا ہوا سر کس کا ہے؟ اور اس کا گناہ کیا ہے؟

اس نے کہا یہ حسینؑ بن علیؑ بن ابی طالبؑ کا سر ہے کہ جس کی ماں فاطمہؑ ہمارے پیغمبر محمدؐ بن عبداللہ کی بیٹی تھیں۔

اس نے پوچھا: تو نے کس وجہ سے اسے قتل کیا ہے؟

یزید نے کہا: اہل عراق نے اسے خطوط لکھے اور دعوت دی کہ آ کر ان کے حاکم بن جاؤ۔ ہمارے حاکم عبداللہ بن زیاد نے اسے قتل کر دیا۔

راس الجالوت نے کہا: وہ پیغمبر کی بیٹی کا بیٹا ہے اس سے زیادہ خلافت کا کون حق دار ہے! اے یزید! جان لو کہ میرے اور حضرت داؤد کے درمیان تینتیس (۳۳) پشتوں کا فاصلہ ہے مگر ابھی تک یہودی میرا احترام کرتے ہیں۔ اور میرے پاؤں کی خاک کو بطور تبرک اٹھا کر اپنے سروں اور چہروں پر ملتے ہیں میری موجودگی کے بغیر شادی نہیں کرتے اور میرے بغیر کسی کام کو صحیح نہیں سمجھتے۔ لیکن کل تک تمہارا پیغمبر تمہارے درمیان تھا اور آج تم نے اس کے فرزند کو قتل کر دیا ہے۔ خدا کی قسم تم سارے عالم کی امتوں سے بدترین امت ہو۔

یزید غضب ناک ہوا اور کہنے لگا۔ اگر ہمارے پیغمبرؐ نے یہ نہ فرمایا ہوتا۔

"مَنْ آذىٰ مُعَاهِدًا كُنْتُ خَصْمَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ"

"جو کوئی ایسے شخص کو اذیت پہنچائے جس نے اسلام کے ساتھ کوئی معاہدہ کر رکھا ہو تو قیامت کے دن میں اس کا دشمن ہوں گا"

تو میں تمہاری جسارت پر تمہیں قتل کر دیتا۔

راس الجالوت نے کہا: اے یزید کیا پیغمبر جس شخص سے معاہدہ کرے اسے اذیت پہنچانے والے کے دشمن ہیں تو جوان کے بیٹے کو قتل کرے اس کے دشمن نہیں ہوں گے؟

میں ایسے پیغمبر پر قربان۔ اس کے بعد اس نے امام عالی مقامؑ کے کٹے ہوئے سر کی طرف رخ کر کے کہا اے ابا عبداللہؑ اپنے جدؐ کے حضور میرے گواہ رہنا' میں شہادت دیتا ہوں کہ ایک خدا کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور اس کا کوئی شریک نہیں اور شہادت دیتا ہوں کہ آپؑ کے جد محمدؐ خدا کے بندے اور رسول ہیں۔

یزید نے حکم دیا اور اسے قتل کر دیا گیا۔ (ریاض القدس ۲/۲۹۹)

یہ داستان ریاض القدس کے مطابق تحریر کی گئی ہے لیکن مقتل ابی مخنف میں اس داستان کو بیان کرتے ہوئے تحریر ہے: میرے اور داؤد کے درمیان ایک سو تین پشتوں کا فاصلہ ہے۔

یزید ملعون پر اعتراض کرنے والوں میں سے ایک شخص مسیحوں کا سردار جاثلیق بھی تھا۔ وہ دربار یزید میں آیا تو اس کی نگاہ امام حسین علیہ السلام کے سونے کے طشت میں رکھے ہوئے سر پر پڑی تو وہ کہنے لگا یہ سر کس کا ہے؟

یزید نے کہا: یہ حسینؑ بن علیؑ کا سر ہے جس کی ماں فاطمہ بنت رسول اللہ ہے۔

جاثلیق نے کہا: اسے کس لئے قتل کیا گیا؟

یزید نے جواب دیا اہل عراق نے اسے خلافت کے لئے بلایا تھا۔ میرے والی (فرماں روا) عبداللہ ابن زیاد نے اسے قتل کر دیا اور سر کو میرے پاس بھیج دیا۔

جاثلیق مسیحی نے کہا: اے یزید! جس ساعت میں میں کلیسا میں سویا پڑا تھا۔ میں نے گریہ وصیحہ کی آواز سنی اور دیکھا کہ آفتاب کی طرح کا ایک (روشن چہرہ) جوان آسمان سے فرشتوں کے ہمراہ نیچے اترا۔

میں نے پوچھا یہ کون ہے؟

مجھے بتایا گیا کہ پیغمبر اکرمؐ فرشتوں کے ہمراہ اپنے بیٹے حسینؑ کی عزاداری کر رہے ہیں۔
اس کے بعد کہا: اے یزید تجھ پر وائے ہو۔ خدا تجھے نیست و نابود کرے۔
یزید غصے میں آ گیا اور اس نے کہا: ہمارے خلاف جھوٹ خواب گھڑتے ہو
غلاموں اسے پکڑ لو۔
(یزید کے غلام آئے اور اسے زمین پر گھسیٹتے ہوئے لے چلے) یزید نے
حکم دیا کہ اسے پیٹو۔ اسے بہت بری طرح پیٹا گیا۔
جاثلیق نے اپنا منہ سید الشہداءؑ کے سر کی طرف کر کے آواز دی یا ابا عبداللہ اپنے
ناناؐ کے حضور میرے لئے گواہ رہنا اور شہادتین کا اقرار کیا۔
یزید اور زیادہ غضب ناک ہوا اور اس نے حکم دیا کہ اسے سولی پر چڑھا دو۔
جاثلیق نے کہا: یزید! جو تمہارا دل چاہتا ہے کرو۔ پیغمبر اکرمؐ میرے پاس کھڑے
ہیں۔ ان کے ہاتھوں میں ایک نورانی لباس اور نورانی تاج ہے اور مجھ سے فرما رہے ہیں
:تمہارے اور میرے درمیان اس تاج کو سر پر رکھنے اور اس لباس کو پہننے کے لئے، دنیا سے
خارج ہونے کے علاوہ کچھ فاصلہ نہیں۔ اس کے بعد تو تم بہشت میں میرے رفیق ہو گے۔
پھر وہ یزید کے ہاتھوں درجۂ شہادت پر فائز ہوا۔ (ناسخ التواریخ ۳/۵۱، مقتل ابی مخنف/۲۰۴)
حدیث میں ہے کہ دو سر شراب کی محفل میں لائے گئے پہلا پیغمبر خداؑ یحییٰ بن زکریا
کا سر اور دوسرا وصی پیغمبر حسینؑ بن علیؑ بن ابی طالبؑ کا سر۔
لیکن حضرت یحییٰ کا سر جب ان کے قاتل کی محفل شراب میں لایا گیا تو اس نے
دیکھا کہ حضرت یحییٰؑ کے لب حرکت کر رہے ہیں۔ کہنے لگا: اسے میرے سامنے لاؤ۔ جب
اس کے نزدیک لایا گیا تو اس نے سنا کہ حضرت یحییٰ اسے موعظہ فرما رہے تھے۔ ظالموں
کو چاہیے کہ خدا سے ڈریں اور موت اور قیامت کے حجاب کی فکر کریں۔
جب اس نے یہ کلام سنا تو پشیمان ہوا اور کہنے لگا: تم نے اس سر کاٹ ڈالا اور اسے

اس کے بدن کے ساتھ ملحق کر کے غسل دیا اور کفن پہنایا۔اورایک روایت کے مطابق حکم دیا کہ انہیں سات کفن پہنائے جائیں۔

لیکن جب امام حسینؑ کے سرکوان کے قاتل یزید پلید کی محفل میں لایا گیا تو اس نے دیکھا کہ آپ کے لب ہائے مبارک حرکت کر رہے ہیں۔ کہنے لگا: اسے میرے نزدیک لاؤ کہ میں سنوں یہ کیا کہہ رہا ہے۔ جب نزدیک لایا گیا تو اس بے حیا نے اور کی تو سنا کہ آپ اس آیہ مبارکہ کی تلاوت فرما رہے ہیں:

"وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُوْنَ"

جب یزید نے اس آیت کو سنا تو غضب ناک ہوا اور کہنے لگا۔اے حسینؑ اب تک مجھے ڈراتے ہو اور سرزنش کرتے ہو! اس نے حکم دیا کہ خیزران کی چھڑی جو نحس ترین چھڑی ہے، حاضر کی جائے۔اس ظالم اور بے رحم نے مظلومؑ کے خشک لبوں اور دانتوں پر اس چھڑی سے اشارہ کیا بلکہ غضب وغصہ سے مارا۔

صاحب عوالم نے روایت کی ہے کہ:

"اِنَّهُ يَضْرِبُ بِقَضِيْبِهِ اَنْفَ الْحُسَيْنِ وَعَيْنَهِ وَيَطْعَنُ فِي فَمِهِ الشَّرِيْفِ"

"اپنی چھڑی کے ساتھ آنحضرت کی ناک آنکھوں اور دہن مبارک پر ضربت لگائی"

اسی مضمون کی روایت ابن زیاد سے مروی ہے

اس سر کا یحییٰ علیہ السلام کے سر سے دوسرا فرق یہ تھا کہ یحییٰ کے سر پر کسی نے چھڑی نہیں ماری۔اور جب یحییٰ کے سر کو قاتل کے دربار میں لایا گیا تو اس کے ہمراہ بیبیاں اور بچے بھی نہ تھے۔لیکن جب مظلوم حسینؑ کے سر کو دربار یزید میں لایا گیا تو آپ کے اہل حرم، بیٹیاں اور بہنیں بھی حالت اسیری میں آپ کے سر کے ہمراہ تھیں۔

ایک شامی کا کہنا ہے جب امام حسینؑ کے سر کو یزید کے دربار میں لایا گیا تو اس

حرام زادے نے اس سر اقدس پر چھڑی مارنا شروع کر دی۔ میں نے ایک تین سالہ بچی کو دیکھا جو یزید کے برابر کھڑی تھی کہ جب وہ ملعون سر مطہر پر چھڑی مارتا تھا وہ بچی اپنے ہاتھوں کو اوپر لے جاتی اور اپنے سر اور چہرے پر ماتی اور کہتی تھی۔

"یا أَبَتَاهُ ، لَيْتَنِي كُنْتُ عَمْيَاءَ وَلاَ أَرَاكَ بِهٰذَا الْحَالِ ، يَا أَبَتَاهُ لَيْتَنِي مِتُّ قَبْلَ هٰذَا الْيَوْمِ وَلاَ أَرىٰ رَاسَكَ مُخَضَّبًا بِالدِّمَاءِ وَمَضْرِبًا بِرُمْحِ الْأَعْدَاءِ"

"اے بابا جان! کاش میں اندھی ہوتی اور آپ کو اس حال میں نہ دیکھتی۔
اے پدر! کاش اس سے پہلے میں مر گئی ہوتی اور آپکے کٹے ہوئے سر کو اس حالت میں نہ دیکھتی کہ دشمن اس پر چھڑیاں اور نیزے مار رہے ہیں۔
اور اس طرح ہمارے دل کو جلاتے ہیں اور ہمیں محفل میں خوار و ذلیل کرتے ہیں"

اس شامی کا کہنا ہے کہ میں نے پوچھا یہ بچی کون ہے؟

کہا گیا: یہ حسینؑ کی بیٹی ہے۔

میں نے اس کے پہلو میں ایک عورت کو دیکھا کہ جو دست بستہ اور گریاں چشم کھڑی تھی اور سوز دل سے نالہ وفریاد کرتی تھی اور اس کی آنکھوں سے اشک حسرت رواں تھے۔ اور آہستہ آہستہ کہتی تھی: اے بھائی! کاش آپؑ کی بہن زینب مر گئی ہوتی اور آپ کو اس حال میں نہ دیکھتی۔

وہ شامی کہتا ہے: جب میں نے ان قیدیوں کا یہ حال زار دیکھا تو میرا دل سوختہ ہو گیا اور میں صبر نہ کر سکا اور محفل یزید سے باہر نکل آیا۔ (انوار الشہادۃ/۲۶ف۲)

شیخ صدوقؒ نے امام رضا علیہ السلام سے ایک روایت نقل کی ہے کہ جس کا خلاصہ کچھ یوں ہے۔

جس وقت امام حسین علیہ السلام کے سر کو شام میں لایا گیا' یزید نے حکم دیا کہ دستر خوان بچھایا جائے اور اس دستر خوان پر بیٹھ کر کھایا پیا اور شراب نوشی کی۔ جب فارغ ہو گیا تو حکم دیا کہ سر مبارک کو میرے تخت کے نیچے رکھ دیا جائے اور پھر سر حسینؑ کے اوپر شطرنج رکھ کر شطرنج کھیلنا شروع کر دیا اور ساتھ ساتھ وہ امام حسینؑ اور ان کے والد اور جد کا مذاق اڑاتا تھا۔

اس حدیث کے آخر میں امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں:

"فَمَنْ كَانَ مِنْ شِيْعَتِنَا فَلْيَتَوَرَّعْ عَنْ شُرْبِ الْفُقَّاعِ وَاللَّعْبِ بِالشَّطْرَنْجِ وَمَنْ نَظَرَ اِلَى الْفُقَّاعِ أَوْاِلَى الشَّطْرَنْجَ فَلْيَذْكُرِالْحُسَيْنَ وَلْيَلْعَنْ يَزِيْدَ وَآلَ زِيَادٍ يَمْحُواللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ بِذٰلِكَ ذُنُوْبَهُ وَلَوْكَانَتْ كَعَدَدِالنُّجُومِ"

"جو شخص ہمارے شیعوں میں سے ہوگا وہ آب جو (فقاع) کے پینے اور شطرنج کھیلنے سے اجتناب کرے گا' اور جس شخص کی نظر آب جو اور شطرنج پر پڑے اسے چاہیے کہ امام حسینؑ کو یاد کرے اور یزید اور آل زیاد پر لعنت کرے۔ اگر وہ ایسا کرے گا تو خدا اس کے گناہ' خواہ وہ آسمان کے ستاروں کے برابر بھی ہوں' معاف فرما دے گا"

(عیون الاخبار :۲/۲۱ب۳۰ح۵۰من لایحضرہ الفقیہ :۴/۳۰۱'وسائل :۲۵/۲۶۳' بحار الانوار :۷۹/۲۳۷وج۴۵/۱۷۶)

دربار یزید میں حضرت زینبؑ کا خطبہ

حضرت زینبؑ نے جب یزید کے کفر آمیز اشعار سنے اور امام حسینؑ کے سر مبارک کے ساتھ اس ملعون کی جسارت کا مشاہدہ کیا تو ایک اہم خطبہ انشاء فرمایا۔ہم یہاں سید بن طاؤسؒ کی روایت کردہ عبارت کو نقل کرتے ہیں:

زینبؑ بنت علیؑ کھڑی ہوگئیں اور کہنے لگیں:

سپاس ہے خدائے متعال کے لئے کہ جو عالمین کا پروردگار ہے اور پیغمبر اور ان کے تمام فرزندوں پر خدا کا درود ہے۔

خداوند سبحانہ وتعالیٰ نے سچ کہا ہے کہ ارشاد ہے:

ثُمَّ کَانَ عَاقِبَۃَ الَّذِیْنَ أَسَاؤُا السُّوْایٰ أَنْ کَذَّبُوْا بِآیَاتِ اللّٰہِ وَکَانُوا بِھَا یَسْتَھْزِؤُنَ "!

"وہ لوگ جنہوں نے بہت سے برے اعمال کیے ان کی عاقبت کار یہ ہے کہ وہ آیات الٰہی کی تکذیب کرتے ہیں اور ان کا تمسخر اڑاتے ہیں"

(سورہ روم، آیہ ۱۰)

اے یزید! تو نے ہر طرف سے آسمان وزمین ہم پر تنگ کر دیئے ہیں اور ہمیں کنیزوں کی طرح قیدی بنا رکھا ہے۔تو گمان کرتا ہے کہ یہ پیش خدا ہماری ذلت اور اس کے نزدیک تمہارا احترام ہے؟ اور یہ کہ خدائے متعال کے نزدیک تمہاری قدر ہے کہ اس طرح ناک میں ہوا ڈال کر نتھنے پھلا رہا ہے اور ہماری طرف متکبرانہ طریقے سے دیکھتا ہے! تو دنیا کو اپنے لئے محکم دیکھ کر خوش ہو رہا ہے

اوراس کے امور کارکو باہم پیوستہ دیکھ رہا ہے اور حکومت وقدرت کو کہ جو ہماری آن بان سے تھی بغیر مزاحمت کے قبضہ میں لے چکا ہے۔

آرام، آرام، مگر اللہ رب العزت کے اس فرمان کو فراموش نہ کر کہ:

" وَلاَ يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا انَّمَا نُمْلِي لَهُمْ خَيْرٌ لاَ نْفُسِهِمْ اِنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ لِيَزْدَادُو اِثْمًا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُهِينٌ "

"وہ لوگ جو کافر ہو گئے یہ گمان نہ کریں کہ جو مہلت ہم نے انہیں دی ہے اس میں ان کی بھلائی ہے، بے شک ہم نے انہیں یہ مہلت اس لئے دی ہے کہ ان کے گناہ اور بڑھ جائیں اوران کے لئے ذلیل خوار کرنے والا عذاب تیار ہے"۔

(سورۂ آل عمران، آیہ ۱۷۸)

" أمِنَ العَدْلِ يَا بنَ الطُّلَقَاءِ تَخْدِيْرُكَ حَرائِرَكَ وَاِمائَكَ ، وَسوْقُكَ بَنَاتَ رَسُولِ اللّٰهِ سَبَايَا ، قَدْهَتَكْتُ سُتُورُهُنَّ وَاُبْدِيَتْ وُجُوهُنَّ تَحْدُو بِهِنَّ الْاَعْدَاءُ مِنْ بَلَدٍ اِلَى بَلَدٍ، وَيَسْتَشرِفُهُنَّ اَهْلُ الْمَنَاهِلِ والْمَنَاقِلِ وَيَتَصَفَّحُ وُجُوهُنَّ الْقَرِيْبُ وَالْبَعِيْدُ وَالدَّنِيُّ وَالشَّرِيفُ لَيْسَ مَعَهُنَّ مِنْ رِجَالِهِنَّ وَلِيٌّ وَلاَ مِنْ حُمَاتِهِنَّ حَمِيٌّ "

"(اے ہمارے جد کے وسیلے سے آزاد ہونے والے) طلقا کی اولاد! یہ تیری عدالت ہے کہ تیری کنیزیں تو پردہ میں ہوں اور رسول خدا کی بیٹیاں ننگے سر اور ننگے پاؤں نامحرموں کے سامنے رسن بستہ کھڑی ہوں۔ اے ظالم تو نے آل رسولؐ کو بے پردہ کر دیا ان کی حرمت پردہ ضائع و برباد کر دی اور انہیں قیدی بنا کر نامحرموں کو ساربان بنا دیا۔ اے یزید انہیں شہر شہر پھرایا جا رہا ہے۔ کوہستانی اچھے برے، نزدیکی سب تماشائی ہیں اور کوئی ایسا نظر نہیں آتا جو شہیدوں کے خون کا بدلہ لینے والا ہو۔"

حضرت زینبؑ کے اس کلام کا اشارہ پیغمبر اسلام کی فتح مکہ کی طرف ہے۔ جس زمانے

میں یزید کا باپ اور دادا قدرت اسلام کا مشاہدہ کر کے ایمان لے آئے اور پیغمبر اکرمؐ نے ان سے درگزر کرتے ہوئے فرمایا: ''اَنتُمُ الطُّلَقَاء'' اور انہیں عفو کا مورد قرار دیا۔

کسی ایسی عورت کے بیٹے سے رحم اور دلسوزی کی امید کس طرح کی جاسکتی ہے کہ جس نے جنگ احد میں شہیدوں کے جگر نکال کر چبائے ہوں اور ان کے کانوں کا ھار بنا کر پہنا ہو؟ اور اس سے کیوں کر چین مل سکتا ہے جو ہم اہل بیتؑ کو بغض ودشمنی اور توہین وکینہ جوئی کی نظر سے دیکھتا ہے۔

پس تو اس تمام جنایت وگناہ کے باوجود از روئے جرات وجسارت کہتا ہے کہ میں نے کوئی گناہ نہیں کیا۔ اور تو اپنے عمل کو بزرگ سمجھتا ہے اور کہتا ہے:

لَأَهَلُّوا وَاسْتَهَلُّوا فَرَحًا
ثُمَّ قَالُوا يَا يَزِيدُ لَاتَشَلُ

''کاش آج میرے وہ بزرگ جو جنگ بدر میں مارے گئے موجود ہوتے تو دیکھتے اور خوش ہوتے کہ میں نے کس طرح آل رسولؐ سے بدلہ لیا ہے اور مجھ سے کہتے: اے یزید تیرے ہاتھ شل نہ ہوں کہ تو نے خوب بدلا لیا۔''

اور اب تو دندان حسینؑ پر چوب دستی سے جسارت کر رہا ہے وہ حسینؑ جو جنت کے جوانوں کا سردار ہے۔

تو بھلا ایسا کیوں کر نہ کرے کہ تو نے تو ہمارے دلوں کو زخمی کر دیا اور ہمیں بیخ وبن سے اکھاڑ دیا اور خاندان محمدؐ اور اولاد عبد المطلبؑ میں سے روئے زمین پر موجود روشن ستاروں کا خون بہایا (کہ جن کے نور ہدایت سے اسلام منور ہے) اور اپنے اسلاف کو آواز دے رہا ہے اور گمان رکھتا ہے کہ تیری آواز ان کے کانوں تک پہنچ رہی ہے! تو بھی جلد ہی ان سے جا ملے گا اور آرزو کرے گا کہ کاش میرے ہاتھ اور زبان شل ہو گئے ہوتے اور میں نے جو کہا نہ کہا ہوتا اور جو کیا نہ کیا ہوتا!۔

بارالہا! جس جس نے ہمارا حق غصب کیا اور ہمیں ظلم کا نشانہ بنایا اس اس سے ہمارا انتقام لے اور جس جس نے ہمارا خون بہایا اور ہمارے عزیزوں کو شہید کیا ان پر اپنا غضب نازل فرما۔

اے یزید! خدا کی قسم تو نہیں چیرے گا مگر اپنی جلد اور نہیں کاٹے گا مگر اپنا گوشت اور تو وہی

بارگناہ اٹھائے گا کہ تو نے ذریت رسول خدا کا خون بہایا اوران کا خاندان اور عزیزوں کی بے حرمتی کی۔(روز حشر) جب سب کو جمع کیا جائے گا تو ان کا حق واپس لوٹایا جائے گا۔

"ولاَ تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاءُ عِنْدَرَبِّهِمْ يُرزَقُونَ"

"وہ لوگ جو راہ خدامیں مارے گئے انہیں مردہ مت سمجھو، بلکہ وہ زندہ ہیں اوراپنے پروردگار کی طرف سے رزق پاتے ہیں۔" (آل عمران، آیہ۱۶۹)

(یعنی اے یزید! تو یہ گمان مت کر کہ شہدائے کربلا مر گئے ہیں، وہ تو زندہ ہیں)

اور تیرے (عتاب کے) لئے یہی کافی ہے کہ اللہ حاکم ہے، محمدؐ تیرے خلاف مدعی ہیں اور جبرئیلؑ ان کا مددگار ہے۔

جس (معاویہ) نے تمہارے لئے سلطنت سجائی اور تمہیں مسلمانوں کی گردنوں پر سوار کر دیا، بہت جلد اسکا محاسبہ ہوگا۔ کیونکہ برا انجام ظالموں کا مقدر ہے اور کون ہے جس کی جگہ تم سے بدتر اور لشکر تم سے کمزورتر ہے۔ اگر چہ زمانے کی گردش کے سبب میں (تمہارے دربار میں) تم سے مخاطبہ کر رہی ہوں لیکن اس حال میں بھی تیری شان وشوکت میری نظر میں ہیچ ہے۔

تمہاری سرزنش شدید اور ملامت بہت زیادہ ہے:

لیکن میں کیا کروں کہ آنکھیں آنسوؤں سے لبریز اور سینے پر سوز ہیں۔

پس تعجب بلکہ بے حد تعجب ہے کہ اگر لشکر خدا کے متقی اور شریف لوگ جنگ میں طلقا کے لشکر شیطان کے ہاتھوں شہید ہو جائیں اور ان ہاتھوں سے ہمارا خون ٹپک رہا ہو اوران کے دہن ہمارے گوشت سے پر آب ہوں اور اجساد طاہرہ بھیڑیوں اور شیروں کی خوراک کی مانند خاک وخون میں غلطاں پڑے ہوں۔

اوراگر تو آج ہم (دختران رسولؐ) کو اپنا مال غنیمت سمجھتا ہے (تو یہ تیری نادانی ہے) اور تو جلدی دیکھے گا کہ ہم تیرے لئے نقصان کا باعث ہیں اور جو کچھ تو نے آگے (آخرت میں) بھیجا ہے اسے دیکھے گا اور پروردگار اپنے بندوں پر ستم روا نہیں رکھتا۔

میں خدا کے حضور شکایت کرتی ہوں اور میرا اسی پر بھروسہ ہے تو جو کر کرنا چاہتا ہے کر اور جو قدام اٹھا سکتا ہے اٹھا لے اور کسی بھی کوشش سے دریغ مت کر۔ یعنی انتہائے سعی کر لے لیکن ذات خدا کی قسم تو ہمارا نام اور ذکر صفحہ روزگار سے نہیں مٹا سکتا اور نہ وحی کو ہمارے درمیان سے اٹھایا جاسکتا ہے۔

اور یہ شرمندگی تیرے دامن سے دھل نہیں سکتی مگر یہ کہ تیری رائے باطل ہے اور تیری حکومت کا زمانہ بہت محدود ہے اور تیری جمعیت منتشر ہوگئی ہے اور وہ دن دور نہیں کہ جب منادی ندا کرے گا:

" أَلاَ لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْقَوْمِ الظّٰالِمِيْنَ "

''ظالموں پر خدا کی لعنت ہو''

پس حمد و سپاس ہے پروردگار عالم کے لئے، جس نے ہمارے اول کو سعادت اور مغفرت اور ہمارے آخر کو شہادت اور رحمت سے انجام دیا اور میں خدا سے التجا کرتی ہوں کہ ان کو اس کا کامل اور زیادہ سے زیادہ ثواب عطا فرمائے۔ اور ہمیں نیکی کی بازگشت کا محل قرار دے کہ وہ مہربان اور رحیم ہے اور اللہ ہی ہمارے لئے کافی ہے اور وہی بہترین وکیل ہے۔

یزید نے اس (خطبہ) کے جواب میں اس مضمون کا شعر پڑھا:

بسا نالہ ای کان پسندیدہ تر
کہ آسان بود نوحہ بر نوحہ گر

(لہوف/۱۸۱، و بہ مثیر الاحزان/۱۰۱، و بحار الانوار: ۴۵/۱۳۳ و مقتل مقرم/۳۶۱ بلاغات النساء/۲۱، مقتل خوارزمی: ۲/۶۴ وغیرہ سے رجوع کریں)

مسجد شام میں حضرت سجادؑ کا خطبہ

یزید نے حکم دیا کہ اہل بیتؑ رسالت کو زندان میں لے جاؤ اور (خود) حضرت امام زین العابدین کو اپنے ہمراہ مسجد لے گیا۔

اس نے ایک خطیب بلایا اور اسے حکم دیا کہ منبر پر چڑھ جاؤ۔ اس خطیب نے حضرت امیر المومنینؑ اور امام حسینؑ کے بارے میں بہت سے نازیبا کلمات کہے اور معاویہ اور یزید کی خوب ستائش کی (کامل بہائی کی نقل کے مطابق: شیخین کی بھی تعریف وتوصیف کی) حضرت امام زین العابدینؑ نے اسے آواز دی:

" وَیْلَکَ أَیُّهَا الْخَاطِبُ ، اِشْتَرَیْتَ مَرضَاۃَ الْمَخْلُوقِ بِسَخَطِ الْخَالِقِ فَتَبَوَّا مَقْعَدَکَ مِنَ النَّارِ "

" اے خطیب وائے ہو تم پر کہ تو نے مخلوق کی خوشنودی کے لئے خالق کے غضب کو دعوت دی ہے اپنی جگہ جہنم میں جان لئے"۔

پھر آپ نے یزید سے منبر پر جانے کی اجازت چاہی اور فرمایا:

" یا یَزِید ، اِئْذَنْ لِی حَتّٰی اَصْعَدَ هٰذِهِ الْأَعْوَادَ ، فَاَتَکَلَّمَ بِکَلِمَاتٍ لِلّٰهِ فِیهِنَّ رِضًا ، وَلِهٰؤُلَاءِ الْجُلَسَاءِ فِیهِنَّ اَجْرٌ وَ ثَوَابٌ "

اے یزید! مجھے اجازت دو کہ اس منبر پر چڑھ کر خدا کی رضا وخوشنودی کے لئے چند کلمات کہوں تا کہ تمام اہل دربار انہیں سن کر اجر وثواب حاصل کریں۔

یزید راضی نہ ہوا لیکن اراکین دربار اور حاضرین نے کہا کہ اسے اجازت دے

دیجیے، ہم اس کی بات سننا چاہتے ہیں۔

یزید نے کہا: اگر یہ منبر پر چلا گیا تو جب تک ہم آل ابوسفیان کو ذلیل ورسوانہ کرلے نہیں اترے گا! وہ کہنے لگے اس نوجوان سے کیا بن پڑے گا؟ یزید نے کہا:

"اِنَّهُ مِنْ اَهْلِ بَيتٍ قَدْزَ قِوُّا العِلْمَ زَقًّا"

یہ اس خاندان اہل بیتؑ میں سے ہے کہ جنہوں نے بچپن میں علم شیر مادر کے ہمراہ پی ا ہے (یعنی یہ شیرخوارگی ہی میں علم وکمال سے آراستہ ہوجاتے ہیں)۔

شامیوں نے اصرار کیا اور یزید کے بیٹے نے بھی اس سے درخواست کی تو تب جا کر اس نے اجازت دی۔

آنحضرت منبر پر گئے خداوند قدوس کی حمد وستائش کی اور ایک ایسا خطبہ دیا (کہ جسے سن) آنکھیں رونے لگیں اور دل جزع وفزع کرنے لگے، فرمایا:

"اَيُّهَا النَّاسُ ، اُعطِينا سِتًّا وَفُضِّلْنَا بِسَبْعٍ : اُعْطِينَا الْعِلْمَ وَالْحِلْمَ وَالسَّمَاحَةَ وَالْفَصَاحَةَ وَالشُّجَاعَةَ وَالْمَحَبَّةَ فِي قُلُوبِ الْمُومِنِينَ . وَفُضِّلْنَا بِاَنَّ مِنَّا النَّبِيَّ الْمُخْتَارَ مُحَمَّدًا وَمِنَّا الصِّدِّيقُ وَمِنَّا الطَّيَّارُ وَمِنَّا اَسَدُ اللّٰهِ وَاَسَدُ رَسُولِهِ وَمِنَّا سِبطَا هٰذِهِ الْاُمَّةِ .

(وَمِنَّا مَهْدِيُّ هٰذِهِ الْاُمَّةِ (معالی))

(وَالْمَهْدِيُّ الَّذِيْ يَقْتُلُ الدَّجَّالَ (کامل)

"اے لوگو! خداوند عالم نے ہم کو چھے چیزیں عطا کی ہیں (کہ جنہیں ہم ان کی حد اعلیٰ تک رکھتے ہیں) اور سات چیزوں میں ہم دوسروں پر فضیلت اور برتری رکھتے ہیں (جو ہمارے علاوہ کوئی نہیں رکھتا) وہ چھے چیزیں یہ ہیں:

علم، حلم، بخشش، فصاحت، شجاعت اور محبت جو مومنین کے دلوں میں ہے۔ اور ہمیں جو فضیلتیں دی گئی ہیں وہ یہ ہیں: نبی مختار ہم میں سے ہیں، صدیق (سب سے پہلے ایمان لانے والے علیؑ) ہم میں سے ہیں، جعفر طیارؑ ہم میں سے ہیں، حمزہؑ خدا اور اس کے رسول کے شیر ہم میں

سے ہیں، اوراس امت کے دوسبط (حسنؑ وحسینؑ) ہم میں سے ہیں: (اور ساتویں فضیلت کومعالی اورکامل بہائی نے نقل کیا ہے کہ فرمایا: اس امت کا مہدی عجل اللہ فرجہ الشریف ہم میں سے ہے (یا وہ مہدیؑ کہ جو دجال کوقتل کرے گا ہم میں سے ہے)''

" مَنْ عَرَفَنِي فَقَدْعَرَفَنِي وَمَنْ لَمْ يَعْرِفْنِي اَنبَاتُهُ بِحَسَبِي وَنَسَبِي اَيُّهَا النّٰاسُ ، اَنَا ابْنُ مَكَّةَ وَمِنٰى ، اَنَا بْنُ زَمْزَمَ وَالصَّفٰا، اَنَا ابنُ مَنْ حَمَلَ الرُّكْنَ بَاطْرافِ الرِّدٰا ، اَنَا ابْنُ خَيْرِ مَنِ ائتَزَرَوَارْتَدٰى ، اَنَا ابنُ خَيْرِمَنِ انْتَعَلَ وَاحْتَفٰى اَنَا ابْنُ خَيرِ مَنْ طٰافَ وَسَعٰى اَنَا ابْنُ خَيرِ مَن حَجَّ وَلَبّٰى ، اَنَا بْنُ مَنْ حُمِلَ عَلَى الْبُراقِ فِي الْهَوٰاء اَنَا ابْنُ مَنْ اُسدِى بِهِ مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرٰامِ اِلٰى الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰى، اَنَا ابْنُ مَنْ بَلَغَ بِهِ جِبرَئِيلُ اِلٰى سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ، اَنَا ا بنُ مَنْ دَنٰا فَتَدلّٰى فكٰانَ قَابَ قَوسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى . اَنَا ابْنُ مَنْ صَلّٰى بِمِلاٰئكَةِ السَّمٰاءِ ، اَنَا بْنُ مَنْ مٰا اَوْحٰى اِلَيهِ الْجلِيلُ اَوحٰى ، اَنَا ابْنُ مُحَمَّدِ الْمُصْطَفٰى "

یہاں مختصر سا تعارف کروایا ہے۔

'' جو مجھے پہچانتا ہے وہ تو پہچانتا ہی ہے اور جو نہیں پہچانتا اسے بتائے دیتا ہوں، اے لوگو! میں مکہ ومنیٰ اور زمزم وصفا کا فرزند ہوں کہ جس نے حجراسود کو اپنی چادر میں اٹھایا اوراس کی جگہ پرنصب کیا۔ میں ازار اور ردا پہننے والے بہترین شخص کا بیٹا ہوں، میں اس بہترین شخص کا بیٹا ہوں کہ جو جوتا پہنے اور پابرہنہ گیا۔ میں طوائف وسعی انجام دینے والے بہترین شخص کا بیٹا ہوں، میں اس بہترین شخص کا بیٹا ہوں کہ جس نے حج کیا اور تلبیہ پڑھا (یعنی کعبۃ اللہ کی زیارت کی اور ارکان حج ادا کیے)۔ میں اس کا بیٹا ہوں کہ جو آسمان پر براق پر سوار ہو کر گیا، میں اس کا بیٹا ہوں جسے رات کے وقت مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ (چوتھے آسمان پر واقع مسجد ، جہاں شب معراج حضورؐ نے تمام انبیاء کونماز پڑھائی اور جسے بیت المعمور بھی کہتے

ہیں تک کی سیر کروائی گئی۔ میں اس کا بیٹا ہوں کہ جسے جبرئیل سدرۃ المنتہی تک لے گیا، میں اس کا بیٹا ہوں کہ جو خداوند متعال کے نزدیک سے نزدیک تر ہوتا گیا۔ پس دوکمان کے اندازہ پر یا اس سے بھی نزدیک تر ہوا۔ میں اس کا بیٹا ہوں کہ جس کی نماز (جنازہ) ملائکہ نے سماوات پر پڑھی، میں اس کا بیٹا ہوں کہ جس پر خداوند جلیل نے وحی بھیجی جیسے وحی بھیجنے کا حق ہے۔ میں محمد مصطفیٰ کا بیٹا ہوں"

اَنَا ابْنُ عَلِی الْمُرتَضٰی ، اَنَا ابنُ مَنْ ضَرَبَ خَراطِیمَ الْخَلْقِ حَتّٰی قالُوا: لا اِلٰهَ اِلَّا للّٰهُ، اَنَا ابْنُ مَن ضَرَبَ بَیْنَ یَدَیْ رَسُولِ اللّٰهِ بِسَیفَیْنِ ، وَطَعَنَ بِرُمْحَیْنِ ، وَهاجَرَالْهِجْرَتَینِ ، وَبایَعَ الْبَیْعَتَینِ ، وَقاتَلَ بِبَدْرٍ وَحُنَیْن وَلَمْ یَکْفُر بِاللّٰهِ طَرْفَةَ عَینٍ . اَنا ابْنُ صالِحِ الْمُؤمِنِیْنَ وَوارِثِ النَّبِیّینَ، وَقامِعِ الْمُلْحِدِیْنَ، وَیَعْسُوبِ الْمُسْلِمِینَ وَنُورِ الْمُجاهِدِینَ ، وَزَیْنِ الْعابِدِیْنَ ، وَتاجِ الْبَکّائِینَ ، وَاَصْبَرِ الصّابِرِینَ ، وَاَفْضَلِ الْقائِمِینَ مِن آلِ یاسِینَ رَسولِ رَبِّ الْعالَمِینَ اَنَا ابن الْمُؤَیَّدِ بِجَبْرَئیلَ ، اَلْمَنْصُورِ بِمِیْکائِیلَ ، اَنَا بْنُ الْمُحامِی عَن حَرَمِ الْمُسلِمینَ ، وَقاتِلِ المارِقِینَ وَالنّاکِثِینَ وَالْقاسِطِینَ وَالْمُجاهِدِ أعْدَاءَ هُ النَّاصِبِیْنَ ، وَاَفْخَرِ مَنْ مَشٰی مِنْ قُرَیْشٍ اَجْمَعِینَ ، وَاَوَّلِ مَن اجابَ وَاَسْتَجابَ لِلّٰهِ وَلِرَسُولِهِ مِنَ الْمُومِنینَ ، وَاَوّلِ السّابِقینَ ، وَقاصِمِ الْمُعتَدِینَ وَمُبیدِ الْمُشرِکِینَ وَسَهم مِنْ مَرامِی اللّٰه عَلَی الْمُنافِقِیْنَ وَلِسانِ حِکْمةِ الْعابِدِینَ ، وَناصِرِ دینِ اللّٰهِ وَ وَلِیِّ اَمرِ اللّٰهِ ، وَبُستانِ حِکْمَةِ اللّٰهِ ، وَعَیْبَةِ عِلْمِهِ ، سَمِحٌ ، سَخِیٌّ ، بَهِیٌّ ، بُهلُولٌ ، زَکِیٌّ ، اَبْطَحِیٌّ ، رَضِیٌّ ، مِقْدامٌ ، هُمامٌ ، صابِرٌ ، صَوّامٌ ، مُهَذَّبٌ ، قَوّامٌ ، قاطِعُ الاَصْلابِ ، وَمُفَرِّقُ الْاَحْزابِ ، اَرْبَطُهُمْ عِناناً ، وَاَثْبَتُهُمْ جناناً ، وَامْضاهُمْ عَزِیمَةً ، وَاَشَدُّ هُمْ شَکِیمَةً ، اَسَدٌ باسِلٌ ، یَطْحَنُهُمْ فِی الْحُرُبِ اِذازْدَلَفَتِ الْاَسِنَّةُ ، وَقَرُبَتِ الاَ

عِنَّةٌ ، طَحُنَ الرّحا ، يَذروُهُمْ فِيهَا ذَرْوَالرِّيحِ الْهَشِيمِ . لَيْثُ الْحِجَازِ وَكَبشُ الْعِرَاقِ ، مَكِّيٌّ مَدَنِيٌّ خِيفِّي عَقَبِيٌّ بَدْرِيٌّ اُحُدِيٌّ شَجَرِيٌّ مُهَاجِرِيٌّ ، مِنَ الْعَرَبِ سَيِّدُهَا ، وَمِنَ الْوَغٰى لَيْثُهَا ، وَارِثُ الْمَشْعَرَيْنِ ، وَاَبُو السِّبْطَيْنِ الْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ . ذَاكَ جَدِّی عَلِيُّ بْنُ اَبِی طَالِب "

" میں علی مرتضٰی کا فرزند ہوں ، میں اس کا بیٹا ہوں کہ جس کی تلوار نے بڑے بڑے سرکشوں کی ناک خاک پر رگڑ دی؛ وہ خدا کی واحدنیت کے قائل ہو گئے اور لاالہ الا اللہ پڑھنے لگے۔ میں اس کا بیٹا ہوں کہ جس نے رسول خداؐ کی خاطر دوتلواروں سے جنگ کی اور دونیزوں سے اہل کفر وعناد سے دفاع فرمایا اور دوہجرتیں کیں اور دوبار بیعتیں کیں، اور کافروں کو جنگ بدر وحنین میں قتل کیا اور آنکھ جھپکنے کے وقفہ کے لئے بھی خدا کا کفر نہ کیا۔ میں صالح المومنین، انبیاء کے وارث ،ملحدین کو ختم کرنے والے، دین کے یعسوب (مسلمانوں کے امیر جہادکرنے والوں کے نور، عابدوں کی زینت ،گریہ کرنے والوں کے افتخار، اصبر الصابرین ،نمازگزاروں میں افضل ترین (خوف خدا کے سبب)،آل یاسین ،رسول رب العالمین ،کا بیٹا ہوں۔ میں اس کا بیٹا ہوں جس کی جبرئیلؑ سے تائید کی گئی اور میکائیلؑ سے امداد کی گئی۔ میں مسلمانوں کی حمایت کرنے والے مارقین، ناکثین اور قاسطین کوقتل کرنے والے؛ اور اپنے ناصبی دشمنوں سے مجاہدہ کرنے والے کا بیٹا ہوں۔ میں قریش کے بزرگوارترین فرد اور اللہ اوراس کے رسول کی دعوت (اسلام) کوسب سے پہلے قبول کرنے والے، اول المومنین، ظالموں کو تباہ کرنے والے (تجاوز کرنے والوں کی کمر توڑنے والے)، مشرکین کا خاتمہ کرنے والے، خدا کی کمان سے منافقوں پر چلنے والے تیر، عابدین کی حکمت کی زبان، دین خدا کے ناصر اللہ کے امر کے ولی ،حکمت خدا کے گلستان اوراس کے علم کے صندوق (حامل علم الٰہی)، جوانمرد، سخی ، بزرگوار، شجاع، ذکی (پاکیزہ)،

ابطحی ، رضی (ہر آلودگی سے پاک)، (مشکلات میں) پیش قدم، بہادر و قہرمان، صابر، دائمی روزہ دار، مہذب، شب زندہ دار، (لعین) نسلوں کے قاتل، (دشمن کے) گروہوں کو پراگندہ کرنے والے، سب سے ثابت قدم اور سب سے ثابت قلب سب سے زیادہ پر عزم دفاع حق میں سخت ترین، شیر بیشہ شجاعت، جنگ کی شدت کے دورانیے میں، نیزوں کی قربت اور لشکر کی نزدیکی میں دشمنوں کو چکی کے پتھر کی طرح گھما کر ہلاک کرنے والے اور ان کو اس طرح منتشر کر دینے والے جس طرح ہوا درختوں کے خشک پتوں کو منتشر کر دیتی ہے، شیر بیشہ حجاز، مرد مردان عراق، مکی، مدنی، حنیفی، عقبی، بدری، احدی، شجری، مہاجری، (یعنی ان مقامات سے منسوب، چونکہ امیر المومنینؑ نے ان تمام مقامات پر سامان افتخار کیا اور ان القاب سے ملقب ہوئے) سید العرب، میدان جنگ کے شیر مشعر و منا، (یعنی ارکان حج) کے وارث، رسول خداؐ کے دو بیٹوں (حسنؑ اور حسینؑ) کے باپ (جو ان اوصاف کے حامل تھے) وہ میرے جد امجد علیؑ ابن ابی طالبؑ تھے۔

" ثُمَّ قَالَ : اَنَا ابنُ فَاطِمَةَ الزَّهْرَاءِ، اَنَا ابنُ سَيِّدَه النِسَاءِ ، (اَنَا ابنُ خَدِيجَةَ الْكُبرىٰ ، اَنَا ابنُ الْمَقْتُولِ ظُلماً ، اَنا ابنُ الْمَجْزُور الرَّاس مِن الْقَفا ، اَنَا ابنُ الْعَطْشَانِ حَتّٰى قَصىٰ ، اَنا بْنُ طَرِيحِ كَرْبَلا ، اَنَا ابنُ مَسْلُوبَةِ الْعِمَامَةِ وَالرِّدَاءِ ."

" اَنَا ابنُ مَن بَكَتْ عَلَيهِ مَلائِكَةُ السَّماءِ اَنَا ابنُ مَنْ نَاحَتْ عَلَيْهِ الْجِنُّ فِي الْاَرضِ وَالطَّيرُ فِي الْهَوَاءِ ، اَنَا ابنُ مَنْ رَاْسُهُ عَلَى السِّنَانِ يُهْدىٰ ، اَنَا ابنُ مَنْ حَرَمُهُ مِن الْعِرَاقِ اِلَى الشَامِ تُسبىٰ ".

"جو عبارت ہم نے درج کی ہے، علامہ مجلسی نے اس میں اختصار کو اپنایا ہے،

(از معالی السبطین (۱۰۶/۲)

اس کے بعد فرمایا: میں فاطمہ زہراؑ کا بیٹا ہوں ، میں سیدہ النساء (العالمین) کا

بیٹا ہوں، میں خدیجۃ الکبریٰ کا بیٹا ہوں، میں اس کا بیٹا ہوں کہ جس کا سر خنجر سے جدا کیا گیا۔ میں اس کا بیٹا ہوں جسے تشنہ لب شہید کیا گیا۔ میں کربلا میں خون میں غلطاں ہونے والے کا بیٹا ہوں، میں اس کا بیٹا ہوں جس کے عمامہ وردا لوٹ لئے گئے۔ میں اس کا بیٹا ہوں کہ جس پر ملائکہ آسمان نے گریہ کیا، میں اسکا بیٹا ہوں کہ جس پر زمین میں جنات اور ہوا میں پرندوں نے نوحہ کیا، میں اس کا بیٹا ہوں جس کے سر کو نیزے پر چڑھا کر شہر بہ شہر پھرایا گیا۔ میں اس کا بیٹا ہوں کہ جس کے اہل وعیال کو قیدی بنا کر عراق سے شام لایا گیا"

آپ نے اپنے آباؤ اجداد کے اسی طرح کے مفاخر کا ذکر فرمایا تو لوگوں نے شور بپا کر دیا اور گریہ وزاری کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔

یزید ڈر گیا کہ کہیں کسی آشوب کا شکار نہ ہو جائے، چنانچہ اس نے مؤذن کو حکم دیا کہ اذان دو تا کہ امامؑ کی گفتگو قطع ہو جائے۔

جب موذن نے کہا "اللّٰہُ اَکْبَر" تو آپ نے فرمایا:

"اللہ سے کوئی بڑا نہیں"

جب موذن نے کہا: "اَشْھَدُاَنْ لاَ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ"

امامؑ نے فرمایا: "شَہِدَبِہَا شَعْرِی وَبَشَرِیْ وَلَحْمِی وَدَمِی"

میرا مومو، گوشت پوست اور خون (سبھی) خدائے متعال کی واحدانیت کی گواہی دیتے ہیں۔"

جب موذن نے کہا: "اَشْھَدُاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ"

(امامؑ نے سر سے عمامہ اتار اور موذن سے کہا: میں تمہیں اسی محمدؐ کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ (کچھ دیر) خاموش ہو جاؤ۔ بحوالہ کامل بہائی)

اس وقت آپ نے یزید کی طرف منہ کر کے فرمایا:

مُحَمَّدٌ ھٰذَا جَدِّی اَمْ جَدُّکَ یَا یَزِیْدُ ؟ فَاِنْ زَعَمْتَ اَنَّهُ جَدُّکَ فَقَدْ

كَذَبْتَ وَكَفَرْتَ ، وَاِنْ زَعَمْتَ اَنَّهُ جَدِّى فَلِمَ قَتَلْتَ عِتْرَتَهُ"

''اے یزید کیا محمدؐ میرے جد ہیں یا تیرے؟''

اگر تو کہے کہ تیرے جد ہیں تو یہ جھوٹ ہوگا اور تو کافر ہو جائے گا، اگر تو سمجھتا ہے

کہ میرے جد ہیں تو پھر تو نے ان کی عترت کو کیوں قتل کیا؟!''

اور دوسری روایت کے مطابق ان کے گھر کو برباد کردیا اور خواتین کو قیدی بنا لیا۔ یہ کہہ کر آپ نے اپنا گریبان چاک کرلیا اور روتے ہوئے خطاب فرمایا: خدا کی قسم! میرے سوا اس دنیا میں کوئی نہیں جس کے جد رسول خدا ہوں۔ اس شخص نے میرے باپ کو ظلم وستم سے قتل کردیا اور ہمیں رومیوں کی طرح قیدی بنالیا۔

اس کے بعد فرمایا: اے یزید! تو نے یہ ظلم بھی کیا اور پھر بھی کہتا ہے محمد رسول خدا ہیں اور رو بہ قبلہ ہے۔ وائے ہو تجھ پر کہ روز قیامت میرے جد و پدر تیرے دشمن ہوں گے!

یزید نے موذن سے کہا کہ اقامت نماز کہو۔ لوگوں میں زبردست ہلچل اور شور بپا ہوگیا۔ کچھ نے اس کے ساتھ نماز پڑھی اور کچھ نماز پڑھے بغیر منتشر ہوگئے۔

(بحار الانوار: ۴۵/ ۱۳۷، نفس المهموم/ ۴۴۹، منتهی الآمال: ۱/ ۴۴۴، معالی السبطین: ۲/ کامل بہائی: ۲/ ۲۹۹ تا ۳۰۲)

بزرگوں نے تحریر کیا ہے: یزید اس واقعہ سے بہت خوف زدہ ہوا، اسے خوف لاحق ہوگیا کہ بہت بڑا فتنہ اور فساد پیدا ہو جائے گا۔ لہٰذا اس نے پاسبانوں اور نگہبانوں کو حکم دیا کہ اہل بیتؑ کے ساتھ مدارات کے ساتھ پیش آئیں اور انہیں آزاد چھوڑ دیں۔

کبھی وہ امام سجادؑ کو اپنے دربار میں بلاتا اور سید الشہداءؑ کے قتل کو ابن زیاد سے منسوب کرتا اور پشیمانی کا اظہار کرتا۔ اور ان سب باتوں سے اس کا مقصد عوام کی توجہ طلب کرنا اور اپنی سلطنت کا تحفظ تھا، نہ کہ وہ حقیقت میں پشیمان تھا۔

لعنة الله عليه وعلى آبائه والراضين بفعله.

''کامل بہائی'' کی روایت کے مطابق حضرت زینب نے اس حرامزادے سے اجازت طلب کی کہ ہمیں امام حسینؑ کی مجلس عزا اور صف ماتم برپا کرنے دی جائے تو اس حرامزادے نے

بوجہ خوف اجازت دے دی۔

بعض نے نقل کیا ہے: سات دن تک مجلس عزا ہوتی رہی اور ہر روز بے شمار شامی عورتیں اس مجلس میں حاضر ہوتیں اور سوگ مناتی تھیں۔اور نزدیک تھا کہ لوگ یزید کے محل پر حملہ آور ہوں اور اسے قتل کردیں۔مروان ان حالات سے آگاہ ہوا اور یزید سے کہنے لگا: اہل بیتؑ کو شام میں رکھنا قرین مصلحت نہیں ہے ،انہیں حجاز بھیج دو۔یزید نے ان کے لئے سفر کے وسائل کا بندوبست کیا اور انہیں مدینہ بھیج دیا۔ (نفس المہموم/۳۵۱،کامل بہائی: ۲/۳۰۲)

امیر المومنین علی علیہ اسلام اور آل علیؑ کے خلاف بنوامیہ کی تبلیغات اس قدر تھیں کہ لوگ ان حالات میں بنی امیہ کے علاوہ کسی کو رسول خداؐ کا عزیز اور قریبی نہ سمجھتے تھے۔شام کے ایک بوڑھے کی گفتگو کتاب ''تجارب السلف'' کے حوالے سے قبل ازیں نقل کی جاچکی ہے۔

لیکن اہل بیت عظام کے شام میں ورو حضرت سجاد کے منبر اور دمشق کے کوچہ وبازار میں فرموات ،دربار یزید میں حضرت زینبؑ کے ارشادات ،شام کے لوگوں کے امام سجادؑ سے میل ملاقات اور آپ سے تحقیق حال نے اس سازش سے پردہ ہٹادیا اور یزید ذلیل ورسوا ہوا۔لہٰذا اسیروں کو شام میں اس سے زیادہ رکھنا ناممکن ہوگیا۔

جس وقت لوگوں نے علیؑ بن الحسینؑ امام سجادؑ کو پہچان لیا تو ایک دوسرے سے کہتے تھے: اس کافرملحد (یزید) نے کیا (قبیح) فعل انجام دیا ہے۔پیغمبرؐ کے نواسے کو قتل کردیا اور ان کے اہل وعیال کو روم کے قیدیوں کی طرح شام لایا گیا۔انہوں نے امام حسینؑ کی مجلس عزا برپا کی۔

جب یہ خبر یزید کے کانوں تک پہنچی تو اس نے حکم دیا کہ قرآن کے نسخے ہٹادیئے جائیں اور جب لوگ نماز سے فارغ ہوں تو مساجد میں تمام افراد کو قرآن کے پارے دیئے جائیں تاکہ وہ قرآن خوانی میں مصروف ہوجائیں اور واقعہ کربلا کا دوبارہ ذکر نہ کریں (اسی سیاست کی مثال آج کل سعودی عرب میں بھی ملاحظہ کی جاسکتی ہے) (مقتل ابی مخنف/ ۲۱۸،تذکرۃ الشھدا/۴۳۰)

یزید نے اہل بیتؑ کو عزاداری کی اجازت دے دی اور علیؑ بن الحسینؑ سے ان کی تین حاجات پوری کرنے کا وعدہ کیا ،اور انہیں کو پیش کش کی کہ اگر آپ چاہیں تو شام ہی میں رہیں۔

انہوں نے یہ پیش کش قبول نہ کی اور کہا: ہمیں اپنے اجداد کے پاس مدینہ واپس جانے دے۔ یزید نے نعمان بن بشیر کو جو کہ صحابی رسول تھے، بلایا اور حکم دیا کہ انہیں سفر کے لئے تیار کرو اور پھر بطور رہنمائے سفر اہل بیت عظام کے ہمراہ بھیجا۔ (نفس المہموم/۴۶۳)

مرحوم سید بن طاؤس نقل فرماتے ہیں کہ: یزید نے علی بن الحسین سے کہا: جن تین حاجتوں کے پورا کرنے کا میں نے آپ سے وعدہ کیا تھا وہ بیان کریں تا کہ میں انہیں پورا کروں ۔امام نے فرمایا:

اول: یہ کہ ہمیں اجازت دے کہ آخری بار اپنے سید و سردار اور والد گرامی حسینؑ کا دیدار کر سکیں۔

دوم: ہمارے جو اموال و وسائل لوٹ لئے گئے تھے وہ واپس کئے جائیں۔

سوم: اگر تو میرے قتل کا ارادہ رکھتا ہے تو کسی شخص کو ان خواتین کے ساتھ بھیج دے، تا کہ وہ انہیں ان کے جد کے حرم تک پہنچا دے۔

یزید ملعون نے کہا: آپؑ اپنے باپ کے چہرے کی زیارت ہرگز نہیں کر سکتے۔ لیکن میں آپ کے قتل سے ہاتھ اٹھاتا ہوں اور آپ کو معاف کرتا ہوں اور خواتین کو آپ کے علاوہ کسی دوسرے شخص کے ہمراہ مدینہ واپس نہیں بھیجتا اور جو کچھ آپ کا لوٹا گیا ہے میں اپنی طرف سے اس کی چنداں برابر قیمت ادا کرنے کے لئے تیار ہوں۔

امام سجادؑ نے فرمایا: میں تمہارا مال (ہرگز) نہیں لینا چاہتا وہ تمہیں مبارک ہو اور جو اپنا لوٹا ہوا مال میں واپس مانگتا ہوں وہ دختر رسول خداؐ کے ہاتھ کا بنا ہوا ایک پارچہ ان کی ایک چادر، ایک گلوبند اور ایک پیراہن ہے۔

یزید نے حکم دیا کہ یہ اثاثہ واپس کر دیا جائے اور اس نے اپنی طرف سے دوسو دینار کا اضافہ بھی کیا۔

امام زین العابدین نے (مصلحت کے تحت) وہ دوسو دینار قبول کئے اور فقراء کے درمیان تقسیم کر دیئے۔

اس کے بعد یزید نے حکم دیا کہ امام حسینؑ کے خاندان کے قیدیوں کو ان کے وطن مدینہ الرسول واپس پہنچا دیا جائے۔ (لہوف/۱۹۴)

بزرگوں نے نقل کیا ہے کہ یزید نے بشیر کے ساتھ کچھ اور افراد بھی مامور کئے تھے تا کہ وہ اہل بیت کی مدینہ واپسی میں ان کے ہمراہ رہیں۔

کاشفی نے ''روضہ'' میں اور قرمانی نے ''اخبار الدول'' میں نقل کیا ہے: اہل بیتؑ کے ہمراہ نعمان بن بشیر کے ساتھ تیس اور اشخاص بھی تھے۔ (روضہ الشہدا/۳۹۱)

مرحوم سپہر اور واعظ قزوینی رقمطراز ہیں: یزید نے اپنے ایک فوجی سردار کو پانچ سو سواروں کے ساتھ ان (اہل بیت) کے ہمراہ روانہ کیا۔

(ناسخ التواریخ: ۳/۱۷۵، ریاض القدس: ۲/۳۳۶)

شاید یہ قول حقیقت کے نزدیک تر ہے، کیونکہ یزید خوفزدہ تھا کہ راستے میں لوگ اس کے خلاف احتجاج کریں گے۔ لہٰذا اپنے مامورین کے ساتھ یہ افراد اہل بیتؑ کے ہمراہ بھیجے اور ظاہر اُس اہتمام سے ان کے احترام وحمایت کا اظہار کیا گیا۔

شام میں اہل بیتؑ کا قیام

یزید ملعون نے اہل بیتؑ کو مسکینوں کے ٹھہرنے کی جگہ پر ٹھہرایا کہ:

لاَ تَقِیهِنَّ مِنْ حَرٍّ وَلاَبَرْدٍ ، حَتّٰی تَقَشَّرَتِ الْجُلُودُ وَسَالَ الصَّدِیْدُ بَعْدَ كِنِّ الْخُدُودِ وَظِلِّ السُّوْرِ وَالصَّبْرُ ظَاعِنٌ وَالْجَزَعُ مُقِیْمٌ وَالْحُزْنُ لَهُنَّ نَدِیْمٌ

"انہیں گرمی اور سردی سے بچانے کا کوئی بندوبست نہ تھا (یہاں تک کہ ان کے جسموں سے کھال اترنے لگی اور زردآب (پیپ) جاری ہوگیا) اس کے علاوہ وہ بیبیاں پردہ ہائے حجاب میں مستور تھیں، صبر نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا جزع وفزع (گریہ وشیون) ان کے ہمراہ رہے اور حزن وملال ان کے ہم نشیں تھے۔

(مثیر الاحزان/۱۰۲، منتہی الآمال ۱/۴۳۷)

بعض کتابوں میں منقول ہے کہ شام میں اہل بیتؑ کا مسکن ایک خرابہ تھا اور یزید کا اس سے مقصود یہ تھا کہ یہ گھر انہی کی وجہ سے برباد ہوا اور یہ قتل ہوئے۔ (منتہی الآمال: ۱/۴۳۷)

یکی بنهاد سر بر بستر خاک
یکی آتش کشیده سر به افلاک
یکی می گفت آه ای نور عینم
بیا ای مهربان بابا حسینم
یکی می گفت عباس جوانم
بیا برباد بنگر خانمانم

کوئی (بی بی) بستر خاک پر سر رکھے پڑی تھی، کوئی آسمان تک پہنچنے والی آہ کھینچ رہی تھی، کوئی کہتی تھی ہائے میری آنکھوں کے نور میرے مہربان بابا حسینؑ (اب تو) آ جائیے۔ کوئی کہتی تھی ہائے میرے جواں سال عباسؑ، آؤ دیکھو تو مخدرات عصمت کس طرح برباد ہوئیں۔

شیخ صدوق علیہ الرحمہ روایت کرتے ہیں کہ یزید نے حکم دیا کہ حرم حسین کو علی بن الحسینؑ کے ساتھ ایسے زندان میں ٹھہرایا جائے کہ جس میں سردی اور گرمی سے حفاظت کا کوئی بندوبست نہ ہو تاکہ ان کے چہروں کی کھال اتر جائے۔ اور بیت المقدس میں زمین سے کوئی پتھر نہیں اٹھایا جاتا تھا سوائے اس کے کہ نیچے سے تازہ خون دکھائی دے (یعنی جب کوئی پتھر اٹھایا جاتا تو اس کے نیچے سے خون نمودار ہوتا)۔ اور لوگ سورج کو دیواروں کو بھی سرخ لباس کی طرح محسوس کرتے تھے۔ تا آنکہ علیؑ بن الحسین بیبیوں کے ساتھ وہاں سے رہا ہوئے اور سر حسینؑ کو لے کر کربلا پہنچے۔

(امالی صدوق/۱۶۷م ۳۱، ح ۴)

شیخ مفیدؒ رقم طراز ہیں: یزید نے حکم دیا کہ خواتین کو علیحدہ گھر میں رکھا جائے اور علی بن الحسینؑ بھی ان کے نزدیک ہوں۔ یزید کے محل سے ملحق مکان ان کے لئے خالی کروایا گیا اور چند روز خاندان عصمت وہاں رہتا رہا۔ (ارشاد: ۲/۱۲۶)

جمیع مؤرخین نے نقل کیا ہے کہ یزید نے حکم دیا کہ امام علیہ السلام کے سر مطہر کو اس کے نجس محل کے دروازے پر نصب کیا جائے اور اہل بیتؑ کو حکم دیا کہ میرے گھر میں داخل ہو جاؤ۔

جب حرم اہل بیت اس لعین کے گھر میں گئے تو ابوسفیان کے خاندان کی عورتوں نے اپنے زیور اتار پھینکے، ماتمی لباس پہن لئے اور گریہ و نوحہ کی آوازیں بلند ہونے لگیں اور تین دن تک ماتم جاری رہا۔

عبداللہ عامر کی بیٹی ہند' جو اس وقت یزید کی بیوی تھی اور اس سے پہلے امام حسینؑ کی بیوی رہ چکی تھی، نے پردہ پھاڑ دیا اور گھر سے باہر دوڑی۔ وہ مجمع عام میں یزید لعین کے دربار میں پہنچی اور کہنے لگی: اے یزید! فرزند فاطمہؑ بنت رسول خداؐ کا سر مبارک تو نے میرے گھر پر نصب کر دیا ہے! یزید اٹھا اور اس کے سر پر چادر اوڑھائی اور اسے واپس (گھر) بھیج دیا...

(منتہی الآمال:۱/۴۴۳)

یہ بھی منقول ہے کہ یزید ملعون نے سر مقدس کے ساتھ (مختلف) جسارتوں کے بعد حکم دیا کہ سر مبارک کو جامع مسجد دمشق میں نصب کر دیا جائے۔ بالکل اسی جگہ جہاں حضرت یحییٰ بن زکریا کا سر مبارک نصب کیا گیا تھا۔ چنانچہ تین روز تک سر مبارک وہاں آویزاں رہا۔

(ستارہ درخشان شام/۱۴۳، حیاۃ الحسینؑ:۳/۳۷۵ سے منقول)

منہال بن عمرو کہتا ہے: میں نے حضرت سجادؑ کو اس حال میں دیکھا کہ آپؑ عصا کا سہارا لئے ہوئے تھے اور آپ کی پنڈلیاں بانسوں کی سی صورت اختیار کر چکی تھیں اور خون ان سے جاری تھا اور آپ کا رنگ زرد ہو چکا تھا۔

مجھے گریہ گلوگیر ہو گیا، جب میں نے آپ سے حال احوال پوچھا تو آپ نے گریہ کرتے ہوئے فرمایا: اس کا کیا حال ہوگا جو یزید (ملعون) کا قیدی ہو اور ہماری عورتوں نے تاحال سیر ہو کر کھانا تک نہیں کھایا۔ ان کے سر عریاں ہیں اور شب و روز نوحہ و گریہ میں گزارتی ہیں۔

اے منہال! ہمارا حال فرعونیوں کے درمیان بنی اسرائیل کا سا ہے کہ جن کے بچوں کو قتل کر دیا جاتا تھا اور عورتوں کو زندہ رکھا جاتا تھا۔

عرب عجموں پر (یہ) فخر تو کرتے ہیں کہ محمدؐ ان میں سے ہیں، لیکن ہم اہل بیتؑ پر غضب کر دیا گیا کہ ہمیں قتل کیا گیا اور ہم بے وطن پردیسی اور دربدر ہو چکے ہیں۔

یزید ہمیں جب بھی طلب کرتا ہے ہم گمان کرتے ہیں کہ وہ کہیں ہمیں قتل نہ کر دے۔

"اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہِ راجعُونَ"

منہال نے عرض کیا: اے میرے آقا! ابھی آپ کہاں جا رہے ہیں؟ فرمایا: اس زندان میں نہ جہاں ہم رہ رہے ہیں جس کی چھت تک نہیں ہے۔ وہاں سورج ہمیں جھلسائے دیتا ہے اور ہوا تک میسر نہیں۔ میں ضعف بدن کی وجہ سے تھوڑی دیر باہر آیا تھا کہ ایک لحظہ آرام کر لوں لیکن بیبیوں (کی تنہائی) کے خوف سے واپس جا رہا ہوں۔

جب میں آپ سے گفتگو کر رہا تھا تو ایک بی بی کی آواز بلند ہوئی۔ آپؑ نے مجھے وہیں

چھوڑا اور اس بی بی کی طرف چل دیئے۔

جب میں نے دقت نظر سے کام لیا تو معلوم ہوا کہ وہ بی بی جناب زینب بنت علیؑ تھیں جو آپ سے کہہ رہی تھیں: اے میری آنکھوں کے نور! آپ کہاں جا رہے ہیں؟ امام واپس چلے گئے اور میں آپ سے جدا ہو گیا اور میں ہمیشہ انہیں یاد کرتا ہوں اور روتا ہوں۔

(انوار نعمانیہ: ۲۵۲/۳، اور اسی مضمون کو علی بن ابراہیم نے اپنی تفسیر میں: ۱۴۴/۲ اسورہ قصص میں حضرت صادق علیہ اسلام سے نقل کیا ہے اور ابن نماؒ مثیر الاحزان/ ۱۰۵، اور مرحوم سید لہوف/ ۱۹۴ پر نقل کرتے ہیں)

حضرت امام جعفر صادقؑ سے پوچھا گیا کہ حضرت یعقوبؑ کیلئے حضرت یوسفؑ کا غم کس قدر تھا، فرمایا: پسر مردہ ستر عورتوں کے برابر۔

اگر حضرت یعقوبؑ کا حزن وملال ستر غم زدہ عورتوں کے برابر تھا تو حضرت یوسفؑ کا غم کس قدر ہوگا؟! جب حضرت یوسفؑ کو زندان میں لے جایا گیا تو آپ اس قدر روئے کہ اہل زندان تنگ آ گئے اور کہنے لگے: تم رات کو رویا کرو یا دن کو تا کہ ہم دن اور رات میں سے ایک میں آرام کرسکیں۔

حالانکہ حضرت یوسف کا قید خانہ زندان عداوت نہ تھا بلکہ زندان محبت تھا۔ کیونکہ آپ کو عشق ومحبت سے اپنی طرف دعوت دی گئی جو آپؑ نے قبول نہ فرمائی۔ اور آپؑ کو زندان میں اس لئے ڈلوایا گیا کہ آپؑ یہ خواہش (محبت) قبول کرلیں، اور اس زندان میں طوق وزنجیر بھی نہیں تھے۔

لیکن سید الساجدین کو زندان میں ڈالا گیا تو آپ کے گلے میں طوق اور ہاتھوں میں ہتھکڑیاں تھیں۔ اور اس کے ساتھ ساتھ آپ بے کس بیبیوں، بہنوں، پھوپھیوں اور بچوں کو قید میں دیکھتے تھے۔ زندان میں گرمی اور سردی سے بچنے کا سامان نہ ہونے کے سبب واویلا بپا ہوتا تھا یہاں تک کہ شدت آفتاب سے ان کے چہرہ ہائے مبارک کی کھال اتر گئی۔

(مہیج الاحزان/ ۲۷۴، گیارھویں مجلس)

شام کے مصائب شدید تر تھے

امام زین العابدینؑ نعمان بن منذر مدائنی سے فرماتے ہیں: جس وقت ہمیں شہر شام میں داخل کیا گیا تو اس سے شدید تر مصیبت ہم نے کبھی نہ دیکھی تھی۔

عرض کیا گیا: ان ظالموں نے ہم پر سات ایسی مصیبتیں وارد کر دیں کہ ان جیسی مصیبتیں ہم نے آغاز اسیری سے نہ دیکھی تھیں۔

اول: انہوں نے برہنہ تلواروں اور تنے ہوئے نیزوں کے ساتھ ہمارا محاصرہ کر رکھا تھا۔ وہ ہمیں نیزوں کی انیاں مارتے تھے اور اہل شام کے مجمع میں ہمیں (کڑی نگہداشت میں رکھے ہوئے تھے۔ یہاں تک کہ اہل طرب اور طنبورے اور مزامیر بجانے والے بلائے گئے۔ پس انہوں نے خوشیاں منائیں اور دفیں اور طنبورے بجائے۔

دوم: شہیدوں کے سر ہماری عورتوں اور بچوں کے درمیان لے آئے۔ میرے بابا اور چچا عباسؑ کے سروں کو میری پھوپھیوں زینبؑ اور ام کلثومؑ کے کجاووں کے بالمقابل لا کھڑا کیا گیا اور میرے بھائی علی اکبرؑ اور چچا کے بیٹے قاسمؑ کے سروں کو میری بہنوں سکینہؑ اور فاطمہؑ کے سامنے۔ وہ سرھائے شہداء سے کھیلتے تھے اور کتنی ہی دفعہ یہ سرہائے مبارک زمین پر گھوڑوں کے پاؤں میں آ گرے۔

سوم: اہل شام اپنے گھروں کی چھتوں سے ہمارے سروں پر پانی اور آگ پھینکتے تھے۔ آگ میرے سر پر گری اور چونکہ میرے ہاتھ پس گردن بندھے ہوئے تھے اور میں اسے بجھا نہیں سکتا تھا' چنانچہ میرا عمامہ جل گیا اور آگ میرے سر تک پہنچ گئی جس سے میرا سر

جل گیا۔

چہارم: طلوع آفتاب سے لے کر غروب آفتاب تک ہمیں طنبوروں کے ساتھ پھرایا گیا اور وہ کہتے تھے: لوگو! ان خارجیوں کو مارو کہ یہ اسلام میں ذرا احترام کے قابل نہیں۔

پنجم: ہمیں اونٹوں سے اتار کر پیدل حالت میں ایک رسی سے باندھ دیا گیا اور (یہ لعین) ہمیں یہود و نصاریٰ کے محلوں میں لے گئے اور انہیں کہتے تھے: یہ ان اہل بیتؑ میں سے ہیں کہ جنہوں نے تمہارے آبا کو قتل کیا اور تمہارے گھر ویران کئے، آج ان سے بدلہ لے لو اے نعمان! تمام یہودی اور نصرانی مٹی، پتھر، لاٹھیاں اور جو کچھ ان کے ہاتھوں میں آیا لے کر ہم پر پل پڑے۔

ششم: ہمیں بردہ فروشوں کے بازار میں غلاموں اور کنیزوں کے طور پر بیچنے کے لئے لایا گیا۔ لیکن خداوند متعال نے انہیں ایسا کرنے کی ہمت نہ دی۔

ہفتم: جس مکان میں ہمیں ٹھہرایا گیا تھا وہ بغیر چھت کے تھا۔ دن کو گرمی اور رات کو سردی کے سبب ہم آرام نہیں کر سکتے تھے۔ نیز بھوک، پیاس اور قتل کر دیئے جانے کے خوف سے ہمیں ذرا سکون نہ تھا۔

یہاں امام سجادؑ کے فرمان کا راز معلوم ہو جاتا ہے کہ جب آپؑ سے پوچھا گیا کہ آپ پر سخت ترین مصائب کہاں ٹوٹے تو آپ نے فرمایا: شام، شام، شام۔ (تذکرۃ الشہداء ۴۱۲)

روایت میں ہے کہ امام زین العابدینؑ سے سوال کیا گیا کہ آپ پر کربلا میں زیادہ مصائب ٹوٹے یا شام میں؟ تو آپؑ نے تین مرتبہ فرمایا: شام، شام، شام۔ اس اعتبار سے کہ جب ہم دروازۂ شام پر پہنچے تو ہم نے ایک طرف (شہداء کے) کٹے ہوئے سر نیزوں پر نصب دیکھے اور دوسری طرف اپنی پھوپھیوں اور بہنوں کو ننگے سر اونٹوں پر سوار پایا۔ اور اس پر مستزاد انہوں نے بازار شام کو سجا رکھا تھا اور شام کے لوگ اہل بیتؑ کا تماشا اور کٹے ہوئے سر دیکھنے کے لئے اپنے گھروں سے باہر نکل آئے تھے۔

اور ایک طرف سے بے شمار پرچم نمودار تھے اور تکبیر و تہلیل کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں۔

ان پرچموں کے نیچے ساز اور دف بجائے جارہے تھے۔ایک دوسرے کومبارکیں دی جارہی تھیں اور خوشیاں منائی جارہی تھیں۔

پس اس اثنا میں ایک ہاتف نے آواز دی:

جاؤُوا ابِرَ اسِکَ یَا بْنَ بِنْتِ مُحَمَّدٍ
مُتَرَ مَّلاً بِدِ مَائِهِ تَرْمِيلاً
يُكَبِّرُونَ بِاَنْ قُتِلْتَ وَاِنَّمَا
قَتَلُوابِکَ التَّکْبِيْرَ وَالتَّهلِيلاَ

☆ اے بنت پیغمبرؐ کے بیٹے! آپ کے سر کو خون آلودہ حالت میں لایا جارہا ہے۔

☆ یہ تکبیر و تہلیل پڑھ رہے ہیں (اور آپ کے قتل کی خوشیاں منا رہے ہیں) حالانکہ آپ کو قتل کر کے انہوں نے تکبیر و تہلیل کا قتل کیا ہے۔

جب امام سجادؑ نے یہ حالات دیکھے تو ایک آہ بھری اور روتے ہوئے فرمایا:

اُقَادُ ذَلِيلاً فِي دِمَشْقَ كَاَنَّنِي
مِنَ الزَّنجِ عَبْدٌ غَابَ عَنْهُ نَصُرُ
وَجَدِّي رَسُولُ اللّٰهِ فِي كُلِّ مَشْهَدٍ
وَشَيْخِي اَمِيْرُ الْمُؤمِنِيْنَ

☆ دمشق میں میری زنجیر و بند سے تذلیل کی گئی، گویا میں ایک زنگی غلام ہوں کہ جس کا کوئی یار و مددگار نہیں ہے۔

☆ اور حالانکہ میں جہاں بھی ہوں میرے جد رسول خداؐ ہیں اور باپ امیر المومنینؑ (نبی اکرم کے وزیر اور جانشین) ہیں۔

(انوار الشہادۃ/۲۳۳ف ۱۸)

حضرت سکینہؑ کا خواب

جناب سکینہؑ فرماتی ہیں: ہمیں شام میں آئے چار ہی دن گزرے تھے کہ میں نے ایک خواب دیکھا اور پھر ایک طویل خواب بیان کیا جس کے اختتام میں آپ نے فرمایا: میں نے ایک عورت دیکھی جو ایک عماری پر سوار تھی اور اپنے ہاتھ سر پر باندھ رکھے تھے۔ میں نے پوچھا: یہ عورت کون ہے؟

مجھے بتایا گیا: یہ آپؑ کی دادی فاطمہؑ بنت محمدؐ ہیں۔ میں نے کہا: بخدا میں ان کے نزدیک جا کر بتاتی ہوں کہ ہمارے ساتھ کیا سلوک کیا گیا۔ میں تیزی سے ان کی طرف دوڑی اور ان کے پاس پہنچ گئی اور ان کے برابر میں کھڑے ہو کر روتے ہوئے کہا:

اماں جان! خدا کی قسم ہمارے حق کا انکار کیا گیا۔

اے ماں! خدا کی قسم ہماری جمعیت کو منتشر کر دیا گیا۔

اماں جان! خدا کی قسم ہماری حرمت کو مباح خیال کیا گیا۔

اے ماں! خدا کی قسم ہمارے بابا حسینؑ کو قتل کر دیا گیا۔

جب انہوں نے مجھ سے یہ سنا تو فرمایا: سکینہؑ اس سے زیادہ کچھ مت کہو کہ میرا دل کٹ جائے گا۔ یہ تمہارے باپ کا پیراہن ہے کہ جسے میں (کبھی) خود سے جدا نہیں کرتی۔ اور اسی پیراہن کو ساتھ لئے خدا سے ملاقات کروں گی۔

(لہوف/۱۸۸، اس خواب کو بہت سوں نے بزرگوں سے نقل کیا ہے اور ہم (اس کی تفصیل) اختصار کے سبب چھوڑ رہے ہیں۔

(مثیر الاحزان/۱۰۴، بحار الانوار: ۱۴۵/ ۱۴۰، ۱۴۱ اور ۱۹۴ اور جلا العیون/ ۴۴۵ کی طرف رجوع کریں۔)

ہندہ کا خواب دیکھنا

ہندہ زوجہ یزید سے منقول ہے کہ اس نے کہا: میں اپنے بستر پر لیٹی ہوئی تھی کہ میں نے دیکھا کہ آسمان کا دروازہ کھلا ہے اور فرشتے گروہ درگروہ سر حسینؑ کے پاس نازل ہو رہے ہیں اور اسے سلام کرر ہے ہیں۔

اسی اثنا میں میں کیا دیکھتی ہوں کہ بادل کا ایک ٹکڑا زمین پر اترا اور اس میں بہت سے اشخاص سوار تھے۔ان کے درمیان میں جو بہت ہی نورانی چہرے والا شخص تھا، وہ دوڑتا ہوا سر حسینؑ کے پاس پہنچا اور ان کے دندان مبارک کو چوم کر فرمایا:

"یا وَلَدِی قَتَلُوکَ، اَتَراهُمْ ماعَرَفُوکَ، وَمِنْ شُرْبِ الْماءِ مَنَعُوکَ"

"میرے فرزند! تمہیں شہید کر دیا گیا، تمہیں پہچانا نہ گیا اور تمہیں پانی پینے سے بھی روک دیا گیا!۔"

میرے بیٹے! میں تمہارا نانا رسول خداؐ ہوں اور یہ تمہارے بابا علی مرتضیٰؑ ہیں۔یہ تمہارا بھائی حسنؑ اور یہ تمہارے چچا جعفر و عقیل اور یہ حمزہ اور عباس ہیں اور ہر ایک اپنے اہل بیتؑ کو پہچانتا ہے۔

ہند کہتی ہے: میں خوف و ہراس کے سبب نیند سے بیدار ہوگئی۔کیا دیکھتی ہوں کہ ایک نور سر حسینؑ کے گرد چمک رہا ہے۔میں یزید کو تلاش کرنے کے لئے اٹھی تو اسے ایک تاریک کمرے میں پایا کہ دیوار کی طرف منہ کر کے کہہ رہا تھا:

"مالِی وَلِلْحُسَیْنِ"!

''مجھے حسینؑ سے کیا سروکار''۔

وہ سخت غمگین تھا۔ میں نے اپنا خواب اس کے سامنے بیان کیا تو اس نے سر نیچے جھکا لیا۔ جب صبح ہوئی تو اس نے حرم پیغمبر کو بلا بھیجا اور کہنے لگا: اگر تم چاہو تو میرے یہاں رہو اور چاہو تو مدینہ واپس چلے جاؤ۔ ....

(بحارالانوار: ۴۵/۱۹۴، نفس المہموم/۴۵۵)

شام میں اہل بیتؑ کی غذا

یزید ملعون آل اللہ (حزب اللہ) کے لئے غذا نہیں بھیجتا تھا اور اگر بھیجتا بھی تھا تو وہ اس غذا کو کھاتے نہیں تھے۔ (مقتل مقرم: ۲/۱۸۷)

منہال کی روایت میں بیان ہو چکا ہے کہ حضرت سجادؑ نے فرمایا:

ہماری خواتین نے تا حال سیر ہو کر کھانا نہیں کھایا اور بھوک سے (نڈھال) ہیں۔

قصر یزید کے نزدیک خرابہ کیسا؟

یزید کا دربار ایک پرشکوہ محل تھا جو معاویہ کے حکم سے تعمیر کیا گیا تھا اور اس دور میں اس محل کے طرز تعمیر اور عمارت کی خاصی شہرت تھی۔ مورخین نے اس کی تعمیر اور تزئین و آرائش کو شرح وبسط کے ساتھ تحریر کیا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ جس وقت معاویہ نے اسے تعمیر کرنا چاہا تو اس کے اردگرد کے مکانات ان کے مالکوں سے خرید لئے۔ لیکن ایک بوڑھی عورت نے جس کا اس کے نواح میں ایک خستہ سا گھر تھا اس (گھر) کو بیچنے سے انکار کر دیا۔

جب معاویہ نے بزور اس سے یہ مکان لینا چاہا تو عمرو عاص اور اس کے دوسرے قریبیوں نے اسے ایسا کرنے سے منع کیا کہ یہ کام نہ کرو تاکہ انوشیرواں کی طرح تمہاری عدالت مشہور ہو جائے کہ جس نے ایوان مدائن کی تعمیر میں اپنی عدالت کے سبب کسی صاحب خانہ کو ناراض کرنے کی اجازت نہ دی۔ اور ایوان کو ناقص صورت ہی میں تعمیر ہونے دیا۔

معاویہ نے بوڑھی عورت کے گھر سے صرف نظر کیا اور محل تعمیر کر لیا گیا اور یہ خرابہ اسی حالت میں اس کے قریب باقی رہا۔

(صفریہ: ۴۲/۳)

حضرت رقیہ خاتون سلام اللہ علیہا

''عوالم العلوم'' نامی کتاب اور بعض دوسری کتب میں روایت بیان ہوئی ہے کہ (اہل بیتؑ کے) اسیروں کے درمیان امام حسینؑ کی ایک چھوٹی بچی بھی تھی ،اس کا نام ایک قول کے مطابق رقیہ تھا اور عمر شریف تین سال تھی ۔امام حسینؑ اس سے بہت پیار کرتے تھے۔وہ بچی اپنے بابا کی شہادت کے بعد دن رات گریہ کرتی رہتی تھی اور اس کے گریہ سے اہل بیتؑ کے دل زخمی ہو گئے تھے۔وہ ہمیشہ اہل بیتؑ سے سوال کرتی کہ میرے بابا کہاں گئے ہیں ؟ اور مجھ سے جدائی کیوں اختیار کی ہے؟............ (انوار الشہادۃ/۲۴۲ف ۲۰)

شام میں پیش آمدہ مصائب میں سے ایک مصیبت اس پیاری سی بچی جناب رقیہ خاتون کی شہادت تھی۔

(کتاب اجساد جاویداں میں بہت سے شواہد وقرائن کے ساتھ ثابت ہے کہ امام حسینؑ کی اس تین سالہ بچی کا نام ''رقیہ'' تھا) (اجساد جاویدان ۵۹ تا ۶۸)

عمادالدین طبری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب '' الحاویہ'' سے نقل کیا ہے کہ خاندان نبوت کی خواتین ان سے اس کے باپوں کی شہادتوں کو پوشیدہ رکھتی تھیں،،اور کہتی تھیں کہ اس کے باپ سفر پر گئے ہیں۔

(ظاہراً یہ مفہوم حضرت رقیہ کے بارے میں اس مخدرہ کی خاندانی شان وعظمت کے سبب صحیح نہیں ہے کہ وہ تو بچپن ہی میں ہر طرح کی آگاہی اور باخبری رکھتی تھیں)

چنانچہ یہ کس طرح ممکن ہے کہ وہ مخدرہ اسیروں کے قافلے اور اپنے باپ کے سر مبارک کے

ہمراہ ہواور باپ کی شہادت سے بے خبر رہے!

وہ مطالب جو اس بچی کے باپ کی شہادت سے باخبر ہونے پر دلالت کرتے ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

الف: امام حسینؑ کا اہل حرم سے خطاب:

" یا اُختاہُ یا اُمَّ کُلثُوم واَنتِ یا زَینَب واَنتِ یا رُقیَّہَ ......اُنظُرنَ اِذا اَنا قُتِلتُ ......

(کہ لہوف صفحہ ۱۴۱ طبع دار الاسوۃ پر نقل ہے)

ب: حضرت رقیہ نے اپنے باپ کے وداع کے وقت اپنی بہن سے کہا: آؤ ہم بابا کا دامن پکڑ لیں اور انہیں نہ جانے دیں (امام حسینؑ کے وداع والے باب کی طرف رجوع کریں)

ج: گیارہویں کی رات جب حضرت زینبؑ نے دیکھا کہ رقیہ خیمہ میں نہیں ہے تو اسے باپ کی لاش پر پایا......... (یہ واقعہ گیارہویں کی رات کے تذکرہ میں گزر چکا ہے)

کہ امام حسینؑ کی ایک چار سالہ بچی تھی ایک رات وہ پریشانی کی حالت میں خواب سے بیدار ہوگئی اور کہنے لگی: میرے بابا حسین کہاں ہیں؟ میں نے ابھی ان کو دیکھا ہے۔

بیبیاں اور بچے یہ بات سن کر رونے لگے اور ان کے بین کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ یزید خواب سے بیدار ہوگیا اور کہنے لگا: کیا خبر ہے؟ اسے اس واقعہ کی خبر دی گئی تو اس لعین نے حکم دیا کہ اس کے باپ کا سر اس کے پاس لے جاؤ۔ سر کو لایا گیا اور بچی کی جھولی میں رکھ دیا گیا۔

بچی کہنے لگی: یہ کیا ہے؟ جواب ملا: یہ تمہارے بابا کا سر ہے۔ وہ بچی خوفزدہ ہوگئی اور ڈر کے مارے چیخنے لگی۔ اس کے بعد بیمار ہوگئی اور انہی ایام میں دمشق ہی میں اس دنیائے فانی سے کوچ فرما گئی۔

(کامل بہائی: ۱۷۹/۲)

بعض کتابوں میں اس طرح منقول ہے کہ:

(طشت میں موجود) سر مبارک پر رومال ڈال کر وہ طشت اس بچی کے سامنے رکھا گیا

۔اس نے اس سے پردہ ہٹایا اور کہا: یہ کس کا سر ہے؟
کہا گیا: تمہارے بابا کا سر ہے ۔بچی نے سر کو طشت میں سے اٹھایا اپنے سینے سے لگایا
اور کہنے لگی:

"یا اَبَتاہُ ، مَن ذَاالَّذِی خَضَبَکَ بِدِ مائِکَ ! یا اَبَتاہُ ، مَن ذَاالَّذِی قَطَعَ وَرِیْدَیکَ ! یا اَبَتاہُ مَنْ ذَاالَّذِی اَیْتَمَنِی عَلٰی صِغَرِ سِنّیِ ! یااَبَتاہُ ،مَنْ بَقِیَ بَعْدکَ نَرْجُوہُ ؟ یا اَبَتاہُ ، مَن لِلْیَتِیْمَۃِ حَتّٰی تَکْبُرَ"

بابا جان ! آپ کو کس نے آپ کے خون سے غلطان کیا ہے ! اے بابا!کس نے آپ کی گردن کی رگیں کاٹیں۔ اے باباکس نے مجھے بچپن (ہی) میں یتیم کر دیا۔اے بابا جان آپ کے بعد میں کس سے امید (محبت) رکھوں۔بابا جان مجھ یتیم کی بڑا ہونے تک کون پرورش کرے گا"۔

یہ گفتگو کرنے کے بعد بچی نے باپ کے منہ پر منہ رکھ کر سخت گریہ کیا ۔یہاں تک کہ غش فرما گئیں اور بے ہوش ہوگئیں۔جب انہیں حرکت دی گئی تو اس دنیا سے رحلت فرما چکی تھیں۔

جب اہل بیتؑ نے یہ منظر دیکھا تو صدائے گریہ بلند کی اور ان کے (پرانے داغ) تازہ ہو گئے اور تمام اہل دمشق اس خبر سے آگاہ ہو گئے اور گریہ کرنے لگے۔ (نفس المہموم/۴۵۶)

جب اولاد رسولؐ اور ذریت بتولؑ کو شام کے خرابے میں ٹھہرایا گیا تو یہ ستم زدہ اور داغ دیدہ غریب صبح وشام اپنے شہداء کے لئے نوحہ و نالہ کرتے رہتے تھے۔جب عصر کا وقت ہوتا تو کم سن بچے اس خرابے کے دروازے میں کھڑے ہوکر دیکھتے کہ شام کے لوگ خوش وخرم اپنے بچوں کے ہاتھ پکڑے خوردونوش کی اشیاء لئے اپنے گھروں کو جا رہے ہیں۔

اہل بیتؑ کے بچے (یہ صورت حال دیکھ کر) شکستہ پر پرندوں کی طرح (تڑپتے ہوئے) پھوپھی کا دامن پکڑ کر کہتے۔اے پھوپھی اماں! ہمارا گھر نہیں ہے؟ ہمارے بابا نہیں ہیں؟!

بی بی فرماتیں : کیوں نہیں میرے نور چشم ! تمہارے گھر مدینۃ النبی میں ہیں اور تمہارے بابا سفر پر گئے ہوئے ہیں۔

ان بچوں میں سے امام علیہ السلام کی ایک بیٹی تھی جس کا نام فاطمہ تھا، جس نے ہجر کے دکھ اٹھا رکھے تھے، بھوک اور پیاس کی ستائی ہوئی تھی، سفر کے رنج اور باپ اور بھائیوں کے داغ دیکھے ہوئے تھی، بے کجاوہ اونٹ پر راستوں کی صعوبت برداشت کئے ہوئے اور نیزوں کی انیاں اور تازیانے کھائے ہوئے تھی۔

امامؑ اسے بہت عزیز رکھتے تھے، اس بچی کی محبت امام کے دل میں سمائی ہوئی تھی، وہ ہمیشہ اپنے بابا کے پاس بیٹھتی اور لحہ بہ لحہ انہیں گلدستے کی مانند چومتی رہتی تھی اور رات کو بھی امامؑ ہی کے پہلو میں سوتی تھی ....

وہ ہمیشہ اپنے بابا کا پوچھتی اور گریہ کرتی تھی کہ:

"اَینَ أَبِی وَ وَالِدِی وَالْمُحَامِی عَنِّی"

اس کی آہ وزاری پر بیبیاں اسے چُپ کراتی تھیں، یہاں تک کہ کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے شام پہنچ گئیں۔ وہ راستے میں (برہنہ) اونٹ کی سواری سے تنگ آ گئی اور اپنی بہن سکینہؑ سے کہنے لگی:

"أَیا أُخْتَ، قَدْ ذَابَتْ مِنَ السَّیْرِ مُهْجَتِیُ"

بہن! یہ اونٹ جونہی مجھے حرکت دیتا ہے میرا جگر پانی ہو جاتا ہے۔

امام حسینؑ اپنی والدہ محترمہ سے بہت محبت کرتے تھے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو بھی بیٹی عطا کی آپ نے اس کا نام فاطمہ رکھا۔ جیسا کہ بیٹوں کے نام علی رکھے، اور امتیاز کی خاطر ہر کسی کو ملقب کر دیا۔ اس تین یا چار سالہ مظلوم بچی کا نام بھی فاطمہ تھا۔

اس بے رحم ساربان سے کہو کہ کچھ دیر اونٹ کو روک دے یا پھر آہستہ چلائے ورنہ ہم مر جائیں گی۔ اس (بے رحم) سے پوچھو کہ ہم کب منزل پر پہنچیں گے..........

اس خرابہ شام میں ایک رات اسے بابا کی یاد نے ستایا تو اس نے باپ کے ہجر میں روتے روتے سر خاک پر رکھ دیا اور اس قدر گریہ کیا کہ زمین اس کے آنسوؤں سے تر ہو گئی اس دوران میں وہ سو گئی۔

خواب میں اس نے اپنے بابا کو دیکھا تو خواب سے بیدار ہوگئی۔

" فَبَکا وَتَقُولُ : وااَبَتاهُ ، وااقُرَّةَ عَیناهُ ، وااحُسَیناهُ ،

وہ روتی تھی اور کہتی تھی : ہائے میرے بابا ، ہائے میری آنکھوں کی ٹھنڈک ، ہائے حسینؑ

۔اس نے اس قدر بین کئے کہ سبھی خرابہ نشین پریشان ہوگئے ....

ہر کسی نے اسے چپ کرانے کی کوشش کی لیکن ایسا ممکن نہ ہوا۔امام زین العابدین آگے بڑھے اور بہن کو اٹھا کر سینے سے لگایا اور تسلی دی لیکن وہ مظلومہ (پھر بھی) چپ نہ ہوئی اور بھائی کی گود میں شدید گریہ ونوحہ کیا:

" حَتّٰی غُشِیَ عَلَیها وَانْقَطَعَ نَفَسُها "

''حتی کہ غش کر گئیں اور سلسلۂ نفس منقطع ہوگیا''

امام سجادؑ گریہ کرنے لگے اور اہل بیتؑ میں کہرام بپا ہوگیا۔

" فَضَجّو ابالْبُکاءِ وَجَدَّ دُوا الْاَحزانَ وَحَثُّوا عَلٰی رُؤُسِهِمُ التُّرابَ ،

وَلَطَمُوا الْخُدُودَ وَشَقُّوا الْجُیُوبَ ، وَقامَ الصِّیاحُ ".

وہ ویرانہ قیدیوں کے نالہ وفریاد سے دارالحزن بن گیا۔بچی بے ہوش پڑی تھی اور مخدرات شدت غم سے اپنے سروں کو پیٹ رہی تھیں اور سینہ زنی کر رہی تھیں۔انہوں نے سروں میں خاک ڈالی اور گریباں چاک کر لئے۔ان کی آہ وبکا کی آواز قصر یزید میں یزید کے کانوں تک جا پہنچی۔

طاہر بن عبداللہ دمشقی کہتا ہے: یزید کا سر میرے زانو پر تھا۔فرزند فاطمہؑ کا سر بھی پاس ہی طشت میں پڑا تھا۔جب خرابہ زندان سے گریہ وشیون کی صدائیں بلند ہوئیں تو میں نے دیکھا کہ اس طشت سے سر پوش ایک طرف جا گرا اور سر مبارک نے محل کی چھت تک بلند ہوکر باآواز بلند فرمایا:

" اُخْتِی سَکِّتِی اِبْنَتِی "

''میری بہن زینب! میری بیٹی کو چپ کرایئے''

طاہر کہتا ہے: میں نے دیکھا کہ پھر یہ سر واپس آ گیا اور یزید کی طرف منہ کر کے فرمایا

اے یزید! میں نے تمہارا کیا بگاڑا تھا کہ تو نے مجھے قتل کر دیا اور میرے اہل وعیال کو قیدی بنالیا؟!

یزید نے اس آواز اور اس صدائے گریہ وشیون پر سر اٹھایا اور مجھ سے دریافت کیا: طاہر کیا خبر ہے؟ میں نے کہا: مجھے یہ تو معلوم نہیں کہ خرابہ زندان میں کیا ہوا ہے لیکن میں نے حسینؑ کے سرمبارک کو طشت سے بلند ہو کر یہ کہتے سنا ہے۔

یزید نے ایک ملازم کو بھیجا کہ پتا کر کے آؤ۔ غلام واپس آیا تو یزید کو سارا واقعہ بیان کیا۔

اس ملعون نے کہا: اس (بچی) کے باپ کا سر اس کے پاس لے جاؤ تا کہ آرام کر جائے سر مطہر کو طشت میں رکھ کر خرابہ زندان میں لایا گیا اور کپڑے سے ڈھکے ہوئے اس سر کو اس مظلومہ کے سامنے رکھ دیا گیا۔ جب پردہ ہٹایا گیا تو بچی کی نظر باپ کے سر پر پڑی:

فَانْكَبَّتْ عَلَيهِ تَقَبِّلُهُ وَتَبكِي وَتَضرِبُ عَلٰى رَاْسِهَا وَوَجْهِهَا حَتّٰى امْتَلاَ فَمُهَا بِالدَّمِ

"اس نے خود کو اس سر پر گرا دیا وہ باپ کے چہرے کو چومتی تھی اور اور اپنے سر ا ور چہرے پر پیٹتی تھی یہاں تک اس کا منہ خون آلود ہو گیا"۔

(ریاض القدس: ۲/۳۲۳ اور "منتخب" میں روایت ہے کہ اس مظلومہ نے اپنے باپ کو مخاطب کر کے فرمایا:

"يَا اَبَتَاهُ، مَنْ ذَاالَّذِي خَضَبَكَ بِدِمَائِكَ"

"بابا جان! آپ کے چہرہ منور کو کس نے خون سے غلطان کیا ہے؟"

"يَا اَبَتَاهُ، مَنْ ذَاالَّذِي قَطَعَ وَرِيدَيكَ!"

"بابا جان! کس (ظالم) نے آپ کی گردن کی رگوں کو کاٹا ہے؟"

"يَا اَبَتَاهُ، مَنْ ذَاالَّذِي اَيتَمَنِي عَلٰى صِغَرِ سِنِّي"

"بابا جان! کس ظالم نے مجھے بچپن میں یتیم کیا ہے"

"يَا اَبَتَاهُ، مَن لِلْيَتِيمَةِ حَتّٰى تَكْبُرَ"

"بابا جان! آپ کی اس یتیم کی بڑے ہونے تک کون کفالت کرے گا؟"

"یَا اَبَتَاہُ ، مَن لِلنِّسَاءِ الحَاسِرَاتِ "

" بابا جان! سر برہنہ بیبیوں کی فریاد پر کون پہنچے گا ؟"

"یَا اَبَتَاہُ ، مَن یِّلَا رَامِلِ الْمَسبِیَّاتِ "

" بابا جان! ان بیوہ اور قیدی بیبیوں کی دادرسی کون کرے گا ؟"

"یَا اَبَتَاہُ ، مَنْ لِلْعُیُونِ الْبَاکِیَاتِ "

" بابا جان ! ہماری ان روتی ہوئی آنکھوں کی طرف کون نظر رحمت فرمائے گا ؟

جو آپ کے فراق میں شب و روز گریاں ہیں!

"یَا اَبَتَاہُ ، مَنْ لِلضَّایِعَاتِ الْغَرِیبَاتِ "

" بابا جان! ان بے وارث و بے وطن غریبوں کی طرف کون متوجہ ہوگا ؟"

"یَا اَبَتَاہُ ، مَن لِلشُّعُورِ الْمَنْشُورَاتِ "

" بابا جان! کون ان (پریشان) بالوں کے لئے پریشان ہوگا ؟"

"یَا اَبَتَاہُ ، مِن بَعْدِکَ وَاخَیْبَتَاہُ "

" بابا جان! ہائے آپ کے بعد ناامیدی!"

"یَا اَبَتَاہُ ، مِن بَعْدِکَ وَاغُرْبَتَاہُ "

" بابا جان! ہائے آپؑ کے بعد، غریبی و بے کسی!"

"یَا اَبَتَاہُ ، لَیتَنِی کُنتُ لَکَ الْفِدَاءُ "

" بابا جان ! کاش میں آپ پر قربان ہو جاؤں"

"یَا اَبَتَاہُ ، لَیْتَنِی کُنتُ قَبْلَ ھٰذَاالْیَوْمِ عَمْیَاءَ "

" بابا جان! کاش میں یہ دن دیکھنے سے پہلے اندھی ہو چکی ہوتی "

اور آپ کو اس حالت میں نہ دیکھتی۔

"یَا اَبَتَاہُ ، لَیتَنِی وُسِدْتُ الثَّرٰی وَلَا اَرٰی شَیبَکَ مُخَضَّبًا بِا الدِّمَاءِ "

" بابا جان ! کاش مجھے خاک کے نیچے چھپا دیا گیا ہوتا اور میں آپ کی ریش

مبارک کوخون سے خضاب شدہ شدہ نہ دیکھتی"

وہ معصومہ نوحہ کرتی تھی اور آنسو بہاتی تھی یہاں تک کہ (شدت غم کے سبب) اس کی سانسیں گنی جاسکتی تھیں اورگریہ اسے گلوگیر ہوگیا، مرغ بسمل کی طرح کبھی وہ باپ کے سرکو اپنی داہنی طرف رکھتی اور چومتی اور اپنے سرکو پیٹتی اور کبھی بائیں جانب رکھتی اور بوسہ زنی کرتی۔

پھراس نے بڑے ناز سے ہونٹ باپ کے ہونٹوں پر رکھے،اورکافی دیر تک خاموشی سے روتی رہی۔

فَنَادیَ الرَّأسُ بِنتهُ ، الِیَّ الِیَّ ، هَلُمِّی فَانَا لَکِ بِالْاِ نتِظَارِ . فغشی علیها غَشوَةً لَمْ تُفِقْ بَعْدَ هَا ، فَحَرَّ کُوهَا فَاِذَا هِیَ قَدْ فَارَقَتْ رُوْحُهَا الدُّنیَا

سرمطہر نے بیٹی کوآواز دی: میری طرف چلی آؤ میں تمہارا منتظر ہوں۔ بچی غش کر گئی اوردوبارہ ہوش میں نہ آئی۔جب اس کوحرکت دی گئی تو دیکھا گیا کہ اس کی روح بدن سے پرواز کرچکی تھی اوروہ اپنے باپ کی خدمت میں پہنچ چکی تھی"

(انوارالشہادۃ /۲۴۴،ریاض القدس:۲/۳۲۶)

راوی کہتا ہے: جب اس بچی کی لاش کواس خرابہ سے اٹھایا گیا تو سیاہ علم لہرایا گیا اور تمام شامی مرداورعورتیں جمع ہوگئے' وہ گریہ وفریاد کررہے تھے اوراپنے سینوں پرپتھروں سے ماتم کرتے تھے۔بچی کوغسل دیا گیااورکفن پہنایا گیا(بعض روایات کے مطابق اسی کہنہ لباس میں تکفین کی گئی۔

(ستارہ درخشان شام/۲۲۱قصائص الزینبیہ/۲۹۶سے منقول)

اس کے بعد نماز جنازہ پڑھی گئی اوردفن کردیا گیا۔ابھی تک اس کی قبرمعلوم ومشہور ہے۔

(انوارالشہادۃ /۲۴۶ف۲۰)

غسالہ عورت تختہ غسل ، پانی اور چراغ لے کر آئی ۔بچی کالباس اتارا تو دیکھا کہ اس نازنین کا بدن زخمی اور سیاہ رنگ کا ہے۔غسالہ نے اپنے سر پر دوہتڑ مارا!کہا گیا: تم خود کو کیوں پیٹ رہی ہو؟ تو اس نے جواب دیا: اس بچی کی ماں (یاان قیدیوں کا بزرگ) کون ہے؟ تا کہ مجھے بتائے کہ یہ بچی کس مرض سے فوت ہوئی ہے؟ اس کا بدن نیلا کیوں ہے۔

خواتین عصمت نے روتے ہوئے کہا: اسے کوئی مرض لاحق نہ تھا، یہ تو نیزوں کی انیوں اور تازیانوں کے نشانات ہیں۔ (مقتل جامع مقرم: ۲/۲۰۵)

آیت اللہ اثنی عشری فرماتے ہیں: میں نے آقائے حاج حسن اور آقائے شیرازی سے سنا ہے وہ آیت اللہ مرحوم سید محسن سے نقل کرتے ہیں کہ:

آیت اللہ سید محسن جبل عاملی کے زمانے میں نزدیک تھا کہ رقیہ خاتون کی قبر کو پانی بہا کر لے جائے، کیونکہ اس کے نزدیک دریا بہتا تھا جس کے سبب قبر کی اطراف کی حالت دگرگوں ہو چکی تھی اور دریا کو ہٹانا ہمارے لئے مشکل تھا چنانچہ جسد اطہر کو وہاں سے منتقل کرنے کا سوچا گیا۔

آیت اللہ محسن سے کہا گیا کہ آپ یہ کام سرانجام دیں۔

سید نے کہا: اگر کوئی امکان (تحفظ کا) نہ رہا تو ہم یہ کام بھی کر سکتے ہیں، ہم قبر کو کھود کر جسد اطہر کو باہر نکال لیں گے۔

سید محسن نے قبر کھودنے کا ارادہ کیا۔ غسل فرمایا، سفید لباس پہنا اور قبر کو کھودنے کا حکم دیا۔ جب لوگ مٹی کو ہٹا کر لحد کی اینٹوں تک پہنچے تو فرمایا: ٹھہر جاؤ! لحد کو میں خود اکھاڑوں گا۔ سید محسن قبر میں اترے۔ جونہی سر مبارک کے اوپر کی اینٹ اٹھائی تو سید محسن وہیں گر گئے۔ ان کی بغلوں کے نیچے سہارا دے کر انہیں اٹھایا گیا تو فرمانے لگے: ہائے افسوس، ہائے افسوس!!

ہم کو تو یہ بتایا گیا ہے کہ یزید نے غسالہ عورت کو اور کفن بھیجا تھا، لیکن (آج) سمجھ میں آیا کہ یہ جھوٹ تھا۔

بچی اپنے لباس ہی میں مدفون تھی اور اس کا جسم پھول کی مانند مطہر تھا۔

میں اس بدن اطہر کو منتقل نہیں کروں گا کیونکہ میں اسے منتقل کرنے سے ڈرتا ہوں۔ وسرے رقیہؑ بنت الحسینؑ کے عنوان سے ان کی پہچان نہیں ہوسکی اور میں اس کا جواب بھی نہیں دے سکتا۔ نہر کو یہاں سے ہٹانے کے لئے جتنا خرچ آتا ہے میں دیتا ہوں نہر کو یہاں سے ہٹا دو۔ (شب پنجم صفر سال ۱۴۱۹، ۳/۸/۷۷ شمسی تہران میں منبر پر بیٹھ کر فرمایا)

کتاب وقائع الشہور والایام" مصنفہ مرحوم آیت اللہ بیر جندی میں ہے کہ امام حسینؑ کی

چھوٹی بیٹی نے ماہ صفر کی پانچ تاریخ کو ۶۱ ھ میں وفات پائی۔ چنانچہ یہی مفہوم کتاب "ریاض القدس" میں بھی مرقوم ہے۔ (ستارہ درخشان شام حضرت رقیہ/۱۹۹)

قبل ازیں بھی اس مخدرہ کا ذکر کئی موارد پر ہوا ہے مثلاً امام حسینؑ کے وداع کے وقت فرمایا تھا:

"یا سَکِینَةُ وَیارُقَیَةُ ...."

(انوارلشہادۃ/۱۶۰ اف ۱۱۴ اورلہوف صفحہ ۱۴۱ طبع دارالاسوہ میں منقول ہے کہ امام حسینؑ نے سفارش فرمائی:

" یا اُختاهُ یا اُمَّ کُلثُومُ وَاَنتِ یا زِینَب وَاَنتِ یارُقَیَّةُ ....اِذا أنا قُتِلتُ فَلاٰ تَشققنَ جَیبًا ...."

اے میری بہن ام کلثوم! اوراے زینب! اوراے رقیہ!

یہاں امامؑ نے اپنی بیٹی رقیہ ہی کو خطاب فرمایا تھا۔ اور امام جعفر صادق اور امام موسیٰ کاظم کے بزرگ اصحابی سیف بن عمیرہ کے پر درد اور سوزناک قصیدے میں بھی دو جگہوں پر اس اس نازدانہ سخن کا تذکرہ ہے: (رجال نجاشی/۱۸۹، ادب الطف: ۱/۱۹۷)

وَرُقَیَّة رَق الحَسُودَ لِضَعفِها
وَغدا لِیعذِرَها الَّذِی لَم یَعذُرُ
لَم اَنسِها وَسَکِینَةَ وَ رُقَیَّة
یَبکِینَهُ بِتَحَسُّرٍ و تزَفُّرِ

(سیاہ پوشی درسوگ آئمہ نور/۳۲۰، منتخب طریحی: ۲/۳۴۷ سے منقول)

حمید بن مسلم سے منقول ہے کہ جب حضرت علی اصغر شہید ہوگئے ....تو کچھ بچیاں خیمہ سے باہر دوڑیں اوراپنے آپ کو اس معصوم شہید کے اوپر گرادیا ....اور وہ بچیاں فاطمہ، سکینہؑ اور رقیہؑ تھیں۔ (مہیج الاحزان/۲۴۴ مجلس دہم)

جب امام حسینؑ نے امام سجادؑ کو میدان میں جانے سے روکا تو فرمایا:

میرے بیٹے! تم میرے پاک ترین بیٹے اور میری عترت میں افضل (ترین) ہو اور عورتوں اور بچوں کے لئے میرے جانشین ہو...... پھر بلند آواز سے فرمایا: اے زینب اور اے ام کلثوم، اے سکینہ، اے رقیہؑ، اے فاطمہؑ، میری بات سنو! جان لو کہ میرا بیٹا تمہارے لئے میرا خلیفہ اور جانشین ہے۔ یہ امام اور پیشوا ہے جس کی اطاعت تم پر واجب ہے۔ (معالی السبطین: ۲/۱۱۲ الدمعۃ الساکبہ سے منقول)

حضرت رقیہ خاتون کی قبر کی تعمیر:

عالم بزرگوار ملا محمد ہاشم خراسانی مرحوم لکھتے ہیں: عالم جلیل شیخ محمد علی شامی جو علمائے نجف اشرف میں سے تھے، نے حقیر سے فرمایا:

میرا می دادا جناب آقا سید ابراہیم دمشقی کہ جن کا نسب سید مرتضیٰ علم الہدیٰ تک پہنچتا ہے اور جن کی عمر ۹۰ سال سے زیادہ تھی، ان کی تین بیٹیاں تھیں اور نرینہ اولاد نہ تھی۔

ایک رات ان کی بڑی بیٹی نے حضرت رقیہ بنت امام حسینؑ کو خواب میں دیکھا کہ فرماتی تھیں: اپنے باپ سے کہو کہ حاکم سے کہے میری لحد اور جسم میں پانی داخل ہو گیا ہے اور میرا جسم اذیت میں ہے، انہیں چاہیے کہ میری قبر کی تعمیر کریں۔

بیٹی نے سید سے عرض کیا، لیکن سید نے اہل تسنن کے خوف کے باعث اس خواب کی طرف توجہ نہ دی، دوسری رات اس سید کی درمیانی بیٹی نے یہی کچھ خواب میں دیکھا، لیکن انہوں نے کچھ اثر نہ لیا۔ تیسری رات اس سید کی چھوٹی بیٹی نے یہی خواب دیکھا اور باپ سے بیان کیا۔ لیکن انہوں نے پھر کوئی اثر نہ لیا۔ چوتھی رات خود سید نے حضرت رقیہ کو خواب میں دیکھا کہ وہ نہایت غصے سے فرما رہی تھیں: آپ نے حاکم کو اطلاع کیوں نہیں دی؟!

سید جاگ اٹھے، صبح حاکم کے پاس پہنچے اور اپنا خواب بیان کیا۔ حاکم نے شام کے شیعہ اور سنی علما کو حکم دیا کہ غسل کر کے پاکیزہ لباس پہنیں اور جس کے ہاتھ سے حرم مطہر کے دروازے کا تالا کھل جائے وہ شخص جائے اور بی بی کی قبر مقدس کو کھودے اور جسد اطہر کو باہر نکال لائے تاکہ قبر تعمیر کرائی جا سکے۔

شیعہ سنی علما نے نہایت ادب کے ساتھ غسل کیا اور پاکیزہ لباس پہن کر تالا کھولنے کی کوشش کی۔لیکن تالا مرحوم سید کے علاوہ کسی سے نہ کھل سکا۔اور جب حرم میں داخل ہوئے تو سوائے سیدابراہیم کے کسی کی کدال نے اثر نہ دکھایا۔

حرم کو خالی کرایا گیا اور جب لحد مبارک کو کھولا گیا تو (علمانے) دیکھا کہ اس مخدرہ کا نازک بدن لحد اور کفن میں صحیح وسالم ہے لیکن لحد میں کافی پانی جمع ہو چکا ہے۔

سیدابراہیمؒ نے بدن اطہر کو لحد سے باہر نکالا اور اپنے زانو پر رکھا اور تین دن اسی طرح اپنے زانوں پر رکھے گریہ کرتے رہے حتی کہ بی بی کی قبر تعمیر ہوگئی۔

جب نماز کا وقت ہو جاتا تو سیدابراہیمؒ اس مخدرہ کے بدن اطہر کو کسی پاکیزہ چیز پر رکھ دیتے اور نماز سے فراغت کے بعد پھر اٹھا کر زانوؤں پر رکھ لیتے، یہاں تک کہ قبر اور لحد کی تعمیر مکمل ہوگئی تو سید نے بدن اطہر کو دفن کر دیا۔

اور اس مخدرہ کا معجزہ یہ ہے کہ سیدابراہیمؒ کو ان تین دنوں میں کھانے' پانی اور وضو کی احتیاج نہ ہوئی۔اور جب بدن اطہر کو دفن کرنے لگے تو دعا فرمائی: خداوند! مجھے بیٹا عطا فرما۔ سیدابراہیمؒ کی دعا قبول ہوئی اور خداوند کریم نے بڑھاپے میں انہیں بیٹا عطا فرمایا۔جس کا نام انہوں نے سید مصطفیٰ رکھا۔

یہ واقعہ والی شام نے سلطان عبدالحمید عثمانی کو لکھا گیا،تو اس نے حضرت زینبؑ،حضرت رقیہؑ،حضرت ام کلثومؑ اور حضرت سکینہؑ کی قبروں کی زمین واگزار کردی اور فعلاً بھی آقا سید ابراہیم نے ان مقامات مقدسہ کی تولیت سنبھال لی۔

(یہ واقعہ سن بارہ سو اسی (۱۲۸۰) ہجری میں ہوا منتخب التواریخ / ۳۶۵ ب ۸)

معالی میں اس واقعہ کو اجمالاً نقل کیا گیا ہے اور آخر میں یہ اضافہ ہے:

"فَنَزَلَ فِيْ قَبْرِ هَا وَوَضَعَ عَلَيْهَا ثَوْبًا لَفَّهَا فِيْهِ وَاَخْرَجَهَا ، فَاِذَا هِيَ بِنْتُ صَغِيْرَةٌ دُوْنَ الْبُلُوْغِ وَكَانَ مِتْنُهَا مَجْرُوحَةً مِنْ كَثْرَةِ الضَّرْبِ"

''وہ سید جلیل قبر میں داخل ہوئے اور اس (میت) پر ایک کپڑا لپیٹا اور اسے

قبر سے باہر نکال لائے۔ یہ ایک چھوٹی بچی تھی جو ابھی عمر بلوغت تک نہ پہنچی تھی اور اس کی پشت مبارک ضربوں کی زیادتی سے زخمی تھی۔" (معالی السبطین: ۲/۱۰۱)

(۱) اس مخدرہ کی عنایات و کرامات:

جیسا کہ اوپر تفصیل سے بیان کیا گیا ہے کہ سید ابراہیمؒ دمشقی ۹۰ سال سے کچھ زیادہ عمر میں حضرت رقیہ کی کرامت سے ایک بیٹے کے باپ بنے اور اس کا نام سید مصطفیٰ رکھا۔

سید ابراہیم کی وفات کے بعد اس مشاہد مشرفہ کی تولیت ان کے بیٹے سید مصطفیٰ اور ان کے بعد ان کے بیٹے سید عباس کو عطا ہوئی۔ (اجساد جاویدان/۶۷)

سید ابراہیم دمشقی کی اولاد بہت معروف تھی اور مشہور ہے کہ جب وہ (اولاد) اپنا ہاتھ کسی گزیدہ مقام پر رکھتے تو وہ فوراً ٹھیک ہو جاتا، اور یہ اثر انہیں اپنے جد بزرگوار سے وراثت میں ملا تھا۔ اور وہ اس (کرامت) کو مظلومہ بی بی کے بدن اطہر کی حفاظت کا صلہ سمجھتے تھے۔
(مقتل جامع مقرم: ۲/۲۰۸)

(۲) ایک عیسائی عورت حضرت رقیہ کی کرامت دیکھ کر مسلمان ہوگئی:

حوزہ علمیہ زینبیہ کے ایک طالب علم جناب حجۃ الاسلام آقائے سید عسکر حیدری بیان کرتے ہیں:

ایک دن ایک عیسائی عورت ایک مفلوج بچی کو لبنان سے شام لائی کیونکہ لبنان کے ڈاکٹروں نے اسے جواب دے دیا تھا۔

وہ عورت اپنی مریضہ بیٹی کو حضرت رقیہؑ کے باعظمت حرم کے پاس لے گئی تاکہ وہاں اس کے علاج کے لئے شام کے کسی ڈاکٹر سے رجوع کر سکے۔ اس دوران میں روز عاشور آ پہنچا اور اس نے دیکھا کہ لوگ گروہ در گروہ حضرت رقیہؑ کے حرم مطہر کی طرف جا رہے ہیں۔

اس نے شام کے لوگوں سے پوچھا: یہاں کیا ہوا ہے؟

انہوں نے جواب دیا۔ یہاں حضرت امام حسینؑ کی بیٹی کا حرم مبارک ہے۔ اس نے بھی

اپنی مریض بیٹی کو کمرے میں تنہا چھوڑ کر اس کا دروازہ بند کیا اور بی بی کے حرم کی طرف چل پڑی ۔ وہاں وہ حضرت رقیہ سے متوسل ہوئی اور اس قدر گریہ کیا کہ غش کھا کر بے ہوش ہوگئی۔ اس حالت میں کسی نے اس سے کہا: اٹھو اپنے ٹھکانے پر جاؤ کہ تمہاری بیٹی وہاں تنہا ہے اور خداوند متعال نے اسے صحت یاب کردیا ہے۔ وہ اٹھی اور اپنے ٹھکانے کی طرف چل دی وہاں پہنچ کر اس نے دروازہ کھٹکھٹایا تو کیا دیکھتی ہے کہ اس کی بیٹی کھیل رہی ہے!

ماں نے بیٹی کو اس حالت میں دیکھ کر اس سے صورت احوال دریافت کی تو بیٹی نے ماں کے جواب میں کہا: جب آپ یہاں سے گئیں تو ایک رقیہ نامی بچی کمرے میں داخل ہوئی اور مجھ سے کہنے لگی: کھڑی ہو جاؤ تا کہ ہم مل کر کھیلیں۔ اس بچی نے مجھ سے کہا: کہو ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' پھر وہ اٹھی اور میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے اوپر اٹھایا۔ کیا دیکھتی ہوں کہ میرا سارا جسم صحیح وسالم ہے۔ وہ مجھ سے مصروف صحبت تھی کہ آپ نے دروازہ کھٹکھٹایا وہ کہنے لگی: تمہاری ماں آئی ہے۔

امام حسینؑ کی دختر کی یہ کرامت دیکھ کر وہ عیسائی عورت مسلمان ہوگئی۔

(ستارہ درخشان شام/۲۷۰)

(۳) منقول ہے:

ایک دن میں حضرت رقیہ کے مصائب کا تذکرہ کرنے میں مشغول تھا کہ اس دوران میں پڑوس میں ایک خاتون شدید گریہ وفریاد سے غش کھا گئی۔

مذکورہ خاتون مجلس کے بعد ہوش میں آئی تو اسے میرے پاس لایا گیا۔ اس نے مجھ سے کہا: میں تین بچوں کی ماں ہوں اور دل کی مریضہ ہوں۔ تمام ڈاکٹروں نے مجھے جواب دے دیا تھا۔ میں بالکل ناامید ہوگئی تو میں نے اپنے شوہر سے کہا کہ مجھے حضرت رقیہؑ کے حرم میں لے چلو۔

آج مجھے یہاں آئے ہوئے تیسرا دن ہے۔ کل رات میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک بچی نے مجھے ایک سبز پتا دیا ہے اور کہتی ہے: اسے کھالو ٹھیک ہو جاؤ گی۔ میں نے کہا آپ کون ہیں ؟ فرمایا: میں رقیہ بنت الحسینؑ ہوں۔

میں خواب سے بیدار ہوئی تو حرم میں پہنچی، اس اثنا میں آپ روضہ خوانی میں مصروف

تھے۔میں نے اسی بچی کو حالت بیداری میں دیکھا کہ جس نے مجھے سبز پنا دیا اور وہاں موجود سب لوگوں نے اس واقعہ کا مشاہدہ کیا میں یہ برداشت نہ کرسکی۔اس کے نتیجے میں میں تحمل نہ کرسکی اور بے ہوش ہوگئی اور بحمد اللہ اب میری حالت بہت بہتر ہے۔ (ستارہ درخشان شام/۲۸۲)

(۴) راہ کربلا کھل گئی:

کئی سالوں سے کربلا کا راستہ بند تھا۔مظلوم کربلا کے شیعہ اور محبّ ان کی محبت زیارت کے شوق سے دل گیر تھے اوراس ابدی سعادت کی توفیق کے لئے ان کی خدمت میں درخواست کرتے تھے۔

آخر کار رحمت ورافت حسینیؑ جوش میں آئی اورانہوں نے شیعہ اور دل باختہ حسینیوں کواس وصف ناپذیر کی بشارت عطا فرمائی۔بالآخر شام کی طرف سے کربلا کا راستہ کھل گیا بہت سے ایرانی ان عتبات عالیہ کی زیارت کے لئے شام روانہ ہوئے۔مجھ حقیر کے دل میں بھی شدید شوق زیارت پیدا ہوا اورمیں کچھ دوستوں کے ہمراہ شام کی طرف روانہ ہوا۔اچانک عراق کی بعثی حکومت کوامریکہ کی دھمکیاں شدت اختیار کرگئیں اور کسی بھی وقت جنگی حملہ کے خطرہ کا امکان تھا۔ایرانیوں کی کثیر تعداد شام میں سرگرداں تھی۔ان میں سے بعض تو ایران واپس لوٹ آئے۔کربلا کی زیارت کے آرزومندوں نے حضرت رقیہ کے حرم میں اجتماع کیا اوراس باب الحوائج سے'درپیش مانع کو'دور کرنے کی درخواست کی۔

بندہ حقیر کی بھی عجیب حالت تھی حتی کہ اس ہستی کی چوکھٹ پر بے اختیار یہ عرض کرنے کی جسارت کی: بی بی جان !اگر آپؑ کے بابا کی زیارت کی منظوری نہ ہوئی تو میں دوبارہ آپؑ کی زیارت کے لئے کبھی نہیں آوٴں گا !!!اور پھر شدید گریہ کیا۔ابھی میں حرم ہی میں تھا کہ زائرین سے پابندی اٹھالی جانے کی خبر سنی اورراستہ دوبارہ کھل گیا۔اور بحمد اللہ ہم بخیر وسلامتی زیارات (کربلا) سے مشرف ہوئے۔

سر مبارک کا مدفن

بہت سے مؤرخین لکھتے ہیں کہ حضرت سجادؑ نے اپنے باپ کے سر کو اربعین کے روز سیدالشہداء کے جسد اطہر سے ملحق کر دیا۔ (مقتل مقرم/۴۶۹)

مرحوم محدث قمی رقم طراز ہیں: علمائے امامیہ میں یہی مشہور ہے کہ (سر مبارک) یا جسد مبارک کے ساتھ دفن کر دیا گیا اور امام سجادؑ اسے واپس لے آئے یا امیرالمومنین علیہ السلام کی قبر مبارک (نجف اشرف) کے نزدیک دفن کیا گیا۔ جیسا کہ متعدد روایات میں مذکور ہے۔
(نفس المہموم/۴۶۶)

ابن شہر آشوب کا کہنا ہے: سید مرتضٰی اپنے ایک رسالہ میں تحریر کرتے ہیں: امام حسینؑ کے سر مطہر کو شام سے کربلا واپس لایا گیا اور بدن اطہر سے ملا دیا گیا۔
(رسائل الشریف المرتضٰی: ۳/۱۳۰)

شیخ طوسی تحریر کرتے ہیں: زیارت اربعین اسی سبب وارد ہوئی ہے۔
(مناقب ابن شہر آشوب: ۴/۷۷: بخش تاریخ آنحضرت از انتشارات علامہ)

اور تاریخ حبیب السیر میں مذکور ہے کہ یزید نے شہدائے کربلا کے سر علیؑ بن الحسینؑ کو دے دیئے اور آپ نے ان سروں کو بیس صفر کو ان کے اجساد مطاہرہ کے ساتھ دفن کر دیا۔ اس کے بعد (حبیب السیر کے مصنف) نے مدینہ منورہ کی طرف منہ کرکے فرمایا: سر مکرم کی تدفین کے بارے میں صحیح ترین روایت یہی ہے۔ (حبیب السیر: ۲/۶۰)

ابو اسحاق اسفرائینی کتاب ''نور العین'' میں لکھتے ہیں:

شام میں آنحضرتؐ کے سر اطہر کو مشک و کافور لگا کر اہل بیتؑ کو دیا گیا اور انہوں نے مدینہ واپسی پر کربلا میں اسے جسد مبارک کے ساتھ دفن کر دیا۔ (تذکرۃ الشہداء/۴۴۷)

شیخ حر در مسلوک نامی کتاب میں لکھتے ہیں: روایت میں ہے کہ (سر مبارک) کربلا میں امامؑ کے جسد مبارک کے ساتھ دفن کر دیا گیا اور طائفہ (علماء) کا عمل اسی مطلب پر دال ہے۔
(مدرک پیشین)

مرحوم سید بن طاؤس رقم طراز ہیں: روایت میں ہے کہ امام حسینؑ کے سر مبارک کو کربلا واپس لایا گیا اور آپ کے جسد اطہر کے ساتھ دفن کر دیا گیا۔ اور طائفہ شیعہ کا عمل بھی اسی پر ہے۔ اگرچہ بہت سی روایات اس کے خلاف بھی منقول ہیں۔ (لہوف/۱۹۵)

البتہ دوسرے قول کہ مطابق سر مبارک کا مدفن امیر المومنینؑ کی قبر کے پاس ہے، کے بارے میں شیخ حر عاملی مرحوم نے وسائل الشیعہ میں (بہت سی) روایات کو نقل کیا ہے۔
(وسائل ۱۴/ ۳۹۸ باب ۳۲ از مزار)

بعض احادیث میں مذکور ہے کہ ہم اہل بیتؑ کے ایک غلام نے سر مبارک کو شام سے چرایا اور وہیں دفن کر دیا۔ (کافی: ۴/۵۷۱)

مفضل بن عمر کی روایت میں آتا ہے کہ امام صادقؑ نے فرمایا: کہ یہ میرے جد حسینؑ کے سر کا مقام ہے کہ "وَضَعُوهُ هٰهُنَا" کہ سر مقدس کو وہاں پر رکھا گیا: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ سر مبارک کو ایک مدت تک اس مقام پر رکھا گیا۔

یونس بن ظبیان سے مروی حدیث میں ہے کہ امام جعفر صادقؑ نے امیر المومنین علیؑ کے قریب (سر سید الشہداؑ) کے مدفون ہونے کے بارے میں گفتگو کے بعد فرمایا:

فَالرَّأْسُ مَعَ الجَسَدِ وَالْجَسَدُ، مَعَ الرَّأْسِ

"سر جسم کے ساتھ ہے اور جسم سر کے ساتھ"

ان احادیث کی عبارات پر غور و خوض سے یہ کہنا ممکن ہے: اس کے بعد (غیر عادی طریقے سے) کربلا منتقل کر دیا گیا ہو جیسا کہ ابن ظبیان کی حدیث سے ظاہر ہوتا ہے۔

مرحوم مقرم:

قول مشہور یعنی کربلا میں تدفین کے دفاع میں لکھتے ہیں:

''روضہ الواعظین فتال'' اور مثیر الاحزان ابن نما'' میں آتا ہے کہ یہی قول امامیہ کے نزدیک مورد اعتماد ہے۔ اور مرحوم سید بن طاؤس نے ''لہوف'' میں فرمایا: طائفہ شیعہ کا عمل اسی طبق احادیث پر ہے۔

''اعلام الوری طبرسی'' ''مقتل عوالم'' بحارالانوار'' اور ''ریاض المصائب'' میں یہی قول ہے جو معروف علما کے درمیان مشہور سمجھا جاتا ہے۔

اور متعدد شیعہ علما سے یہی قول نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

اس قول کی بنا پر ہر وہ قول جو اس کے خلاف ہو قابل اعتنا و اعتبار نہیں۔ چونکہ سر مبارک کی حضرت امیر المومنینؑ کی مرقد مبارک کے نزدیک تدفین والی حدیث ان علماء بزرگ کے سامنے تھی لیکن انہوں نے اسے قبول نہ کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث ان کے لئے مورد وثوق نہ تھی۔ چونکہ اس حدیث کا سلسلہ سند مکمل نہیں ہے اور راوی حضرات بھی معروف نہیں ہیں۔

(مقتل مقرم/۴۶۹)

روز اربعین اہل بیتؑ کا کربلا میں ورود

جب امام حسینؑ کے اہل حرم اور اہل وعیال شام سے واپس پلٹے اور عراق پہنچے تو انہوں نے قافلہ کے رہنما سے کہا: ہمیں کربلا کے راستے لے چلو۔

پس وہ چلتے چلتے جب مقتل شہداء تک پہنچے تو دیکھا کہ جابر بن عبداللہ انصاریؓ اور بنی ہاشم اور آل رسولؐ سے کچھ لوگ قبر حسینؑ کی زیارت کے لئے آئے ہوئے ہیں۔ پس وہ سب اس سر زمین پر اکھٹے ہوگئے اور گریہ وزاری کے ساتھ ساتھ رنج واندوہ سے اپنے منہ پیٹتے ہوئے ایک دوسرے سے تعزیت کی۔ اور اپنوں کے زخموں کی مرہم کے لئے مجلس عزا برپا کی۔ گردونواح کی عورتیں بھی وہاں اکھٹی ہوگئیں اور چند روز اسی صورت حال میں گزرے۔

(لہوف/۱۹۶، اور یہی مضمون مثیر الاحزان/۱۰۷ اور مقتل مقرم میں ریاض الاحزان کے حوالہ سے منقول ہے)

لیکن محدث قمی مرحوم جیسے بعض (محدثین ومورخین) اسے بعید از قیاس سمجھتے ہیں کہ یہ پہلے سال کے اربعین کا واقعہ ہو۔ چونکہ راستہ بہت طولانی تھا اور عادتاً یہ ممکن نہیں کہ اس کم مدت میں اس طولانی راستے کو طے کیا جاسکے۔ اس کے علاوہ کوفہ وشام میں بھی چند روز قیدیوں کو پابند رکھا گیا۔

مولف عرض پرواز ہے: تاریخ میں بیان شدہ موارد سے ثابت ہے کہ طولانی راستوں کو کم مدت میں طے کیا گیا اور کچھ بعید نہیں کہ یہ وہی سال ہو۔ مثلاً

(ا) قبل ازیں بیان کیا جاچکا ہے کہ ابن زیاد نے تیرھویں محرم کو کے دن انہیں کوفہ سے شام کی طرف روانہ کیا اور ابن زیاد نے اہل بیت کی کوفہ آمد کے بعد بارہ محرم کو یزید کو خط

لکھااوراس نے جواب میں لکھا کہ انہیں شام بھیج دیا جائے۔ان تین دنوں کے اندر کیسے خط پہنچا اور جواب واپس پہنچا! بعض جواب دیتے ہیں کہ خط بذریعہ کبوتر بھیجے جاتے تھے لیکن یہ بات ثابت نہیں ہے۔

(۲) جیسا کہ سابقہ فصل میں گزر چکا ہے کہ سر مبارک کے مدفن کے بارے میں دو قابل توجہ قول بیشتر مؤرخین نے نقل کیے ہیں: ایک امیر المومنین علیہ السلام کی مرقد کے قریب جس کے بارے میں کئی روایات دلالت کرتی ہیں اوردوسرا یہ کہ حضرت سجادؑ نے اسے (اربعین کے روز) آنحضرت کے بدن کے ساتھ ملحق کردیا' اور یہی قول علمائے امامیہ کے نزدیک مشہور اور موردِ اعتماد ہے۔

وہ کس طرح امام سجادؑ کے سر مبارک سید الشہداءؑ کو روز اربعین کربلا میں دفن کرنے کو قبول کرتے ہیں لیکن قیدیوں کی روز اربعین کربلا آمد کو بعید سمجھتے ہیں؟

(۳) کفعمیؒ اور بزرگ عالم فیض کاشانی اور مرحوم محدث قمی "نفس المھموم" وغیرہ میں نقل کرتے ہیں، کہ صفر کی پہلی تاریخ کو سرھائے مقدس کو شام لایا گیا۔جیسا کہ قبل ازیں نقل کیا گیا ہے اور سبھی نے اس مطلب کو تسلیم کیا ہے۔

اور تاریخ میں مذکور ہے کہ شہداء کے سرھائے مقدس اور قیدی ایک ہی وقت میں کوفہ و شام کے درمیان منازل طے کرتے ہوئے شام میں داخل ہوئے نہ یہ کہ سرہائے شہداءؑ کو علیحدہ طور پر لایا گیا۔

ہم پوچھتے ہیں: آپ نے اس قلیل مدت میں کوفہ سے شام تک قیدیوں کی آمد کو کس طرح قبول کرلیا جبکہ اس مدت میں واپس آنا اورروز اربعین کربلا میں وارد ہونا بعید (ازفہم) خیال کرلیا؟!

اگر کہا جائے کہ انہوں نے شام میں چندروز قیام کیا تو ہم کہیں گے: کوفہ میں بھی ان قیدیوں نے چند یوم زندان میں کاٹے یا کوفہ شہر میں زیر حراست رہے،اور کوفہ کی طرف پندرہ محرم کو روانہ ہوئے۔

اس بنا پر جانے اور واپس آنے میں فرق روا نہیں رکھا جاسکتا۔ (بلکہ واقفیت کی بنیاد پر جانے کی نسبت واپسی کم تر وقت میں ہونی چاہیے۔ انہیں مختلف شہروں میں لے جایا گیا تاکہ لوگوں کو یزید کی کامیابی سے آگاہ کیا جاسکے۔ لیکن واپسی میں سیدھے راستے سے آئے۔ پس اگر اس طولانی سفر کو کوفہ' درمیانی شہروں اور دروازہ شام کے پیچھے توقف کے باوجود بیس دنوں کے اندر گیارہ محرم سے لیکر پہلی صفر تک) طے کیا گیا تو کوئی بعد نہیں کہ اس سفر کو دمشق میں توقف کے باوجود بیس (۲۰) دن کی مدت میں (پہلی سے بیس صفر تک) طے کیا جاسکے۔

اس سے پہلے ہم بیان کر چکے ہیں کہ حضرت مسلم علیہ السلام پندرہ رمضان کو مکہ سے روانہ ہوئے اور مدینہ تشریف لے گئے اور مدینہ میں اپنے اہل وعیال سے وداع کرنے اور حرم پیغمبر میں نماز پڑھنے کے بعد دو رہنماؤں کے ہمراہ کوفہ کی طرف روانہ ہوئے اور شوال کی پانچ تاریخ کو کوفہ شہر پہنچ گئے۔

ہم کہتے ہیں: اس طولانی فاصلے کو حضرت مسلم نے بیس روز کے اندر اندر کس طرح طے کرلیا، باوجود اس کے کہ انہوں نے کچھ دیر مدینہ میں توقف بھی کیا اور دوران راہ میں دونوں رہنما بھی پیاس سے مرگئے اور حضرت مسلم نے امام حسینؑ کے لئے خط لکھا کہ اگر مناسب خیال کریں تو مجھے (اس سفر سے) معاف فرمائیں، اور حضرتؑ نے جواب میں لکھا: میں نے تمہیں جس راستے سے جانے کا حکم دیا ہے اس خط کے وصول ہونے کے بعد اس پر اپنا سفر جاری رکھو۔

(۵) ابوحنیفہ کی کوفہ یا بغداد میں ذوالحجہ کا چاند دیکھنے اور ارادہ کرنے کی حکایت مشہور ہے۔
(مہیج الاحزان ۱۳۸۱م ۱۴م)

لہٰذا کہنا چاہیے کہ چونکہ ابن زیاد اور یزید کو لوگوں کے بغاوت کردینے کا خوف تھا، خصوصاً کوفہ اور راستے کے بعض شہروں میں، اسلئے انہوں نے ارادہ کیا کہ نہایت تیزی اور جلدی سے اہل بیتؑ کے قافلے کو چلایا جائے۔ اور ایسے راستوں کا انتخاب کیا گیا جو طولانی نہ تھے بلکہ ان کی مسافت کم تھی۔ اور یہ بھی منقول ہے کہ ان خواتین اور بچوں کو (نہایت) اذیت' آزار اور سرعت کے ساتھ لے جایا گیا۔

حتی کہ شام سے واپسی پر بھی اہل بیتؑ آزاد نہ تھے بلکہ دشمن اور یزید کے لشکر کے محاصرہ میں تھے۔اورمنقول ہے کہ یزید نے پانچ سو(۵۰۰)افراد اہل بیتؑ کے ہمراہ روانہ کئے۔(اگرچہ ظاہراً واپسی کے وقت لوگوں کے خوف کے سبب انہیں کچھ مراعات بھی دی گئیں)

اس بنا پر کچھ بعید نہیں کہ اہل بیتؑ کا ورود کربلا میں پہلے ہی سال اکسٹھ(۶۱)ھ اربعین کے روز ہوا ہو۔مصنفین کی کثیر تعداد (تقریباً سوافراد) نے اس امر کو تفصیل سے لکھا اور نقل کیا ہے۔ان جملہ حضرات میں مولفین روضۃ الشہدا اور تاریخ حبیب السیر ابی مخنف ابن نما، سید بن طاؤس، صاحب عوالم اور علامہ مجلسی وغیرہ شامل ہیں۔مرحوم آیۃ اللہ سید محمد علی قاضی تبریزی نے اس بارے میں مستقل کتاب تحریر کی ہے۔تمام بزرگ یہ بات مانتے ہیں کہ اہل بیتؑ شام کے سفر کے بعد کربلا پہنچے۔فقط کچھ اس امر کی تردید کرتے ہیں کہ یہ پہلا اربعین تھا یا نہیں۔

اسی طرح جابر (انصاریؓ) کی روز اربعین سیدالشہداؑ کی زیارت کے لئے کربلا آمد قطعی ہے۔لیکن اسی میں اختلاف یہ ہے کہ آیا اہل بیت کا کربلا میں ورود (جابرؓ کی آمد کے وقت ہی ہوا اور ان کی کربلا میں ملاقات ہوئی تھی یا نہیں؟

فرہاد میرزا مرحوم لکھتے ہیں:

وَفِي مَقْتَلِ أَبِي مَخْنَفْ : فَسَادَ الْقَائِدُ بِهِمْ مِنْ دِمَشق ....قَالَ : فَحِنْدَ ذٰلِکَ قَالُوا لَهُ : مَرْبِنَا بِکَرْبَلَا . فَمَرَّ بِهِمْ عَلىٰ کَرْبَلَا . فَوَجَدُوا فِيهَا يَوْمَئِذٍ جَابِرَبْنَ عَبْدِاللّٰهِ الْاَنْصَارِیَ وَجَمَاعَةً مَعَهُ ، قَدْ اَتَوْ الِزيَارَةِ الْحُسَيْنِ عَلَيْهِ السَّلَامُ .فَعِنْدَ ذٰلِکَ نَظَرُ وافِي کَرْبَلَا فَجَدَّدُو الْاَحْزَانَ وَشَقَّقُو الْجُيوبَ ، وَنَشَرُوا الشُّعُورَ ، وَأَبْدَوْا مَا کَانَ مَکْتُومًا مِنَ الْاَحْزَانِ وَالْمَصَائِبِ وَأَقَامُو عِنْدَهُ اَيَامًا .ثُمَّ رَحَلُوا مِنْهَا وَقَصَدُوا الْمَدِينَةَ

"دمشق سے راہنما ان کے ہمراہ آیا...... دوران سفر میں اہل بیتؑ نے فرمایا: ہمیں کربلا کے راستے سے لے چلو۔رہنما انہیں کربلا لے آیا اور وہاں اہل بیتؑ نے جابر بن عبداللہ انصاری کے ہمراہ زیارت امام حسینؑ کی لئے آنے والے ایک گروہ

سے ملاقات کی۔ جونہی وہ شہداء کی قبروں کے پاس پہنچے۔ محملوں سے نیچے اتر آئے اوران کا غم تازہ ہوگیا۔ انہوں نے اپنے گریبان پھاڑ دیئے۔ بال پریشان کر لئے اور وہ غم واندوہ جوان کے دلوں میں چھپا ہوا تھا ظاہر ہوگیا۔ وہ چندروز وہاں ٹھہرے اس کے بعد مدینہ کی طرف کوچ کر گئے۔

(تمقام زخار وصمصام بتار: ۲/۵۸۰، مقتل ابی مخنف/۲۲۱)

ایک دوسرے بیان میں ہے: جب اہل بیت منزل بہ منزل راستہ طے کرتے ہوئے اس جگہ پہنچے جہاں سے ایک راستہ کربلا کی طرف جاتا ہے اوردوسرا مدینہ کی طرف تو بیبیوں نے رہنما سے اس تمنا کا اظہار کیا کہ ہم تمہیں قسم دے کرکہتی ہیں کہ ہمیں کربلا کے راستے سے گزارو اوراس نے یہ بات قبول کر لی۔ (ریاض القدس: ۲/۳۳۶)

جب وہ زمین کربلا پر پہنچے تو قتل گاہ میں پیادہ پا چلتے ہوئے اس جگہ پہنچے جہاں جابرانصاری اوران کے ساتھ آئے ہوئی بنی ہاشم اوران کے علاوہ دیگر زائرین ٹھہرے ہوئے تھے، ان کی باہم ملاقات ہوئی۔ زیارت امام حسینؑ کے لئے آئے ہوئے ان تمام زائرین نے وہاں گریہ زاری کی بنیاد رکھی اوراپنے سروں اور چہروں پر ماتم کیا اور وہاں تین دن تک عزاداری کرتے رہے۔ اطراف سے کچھ عورتیں بھی وہاں آ گئیں۔ حضرت زینبؑ نے ان کے درمیان پہنچ کر گریبان چاک کردیا اورنہایت پرسوز آواز میں دلوں کی زخمی کردینے والی نالہ زاری کی۔ فرمایا:

" وااَخاهُ واحُسَيناهُ ، واحَبِيبَ رَسُولِ اللهِ ، وَابنَ مَكَّةَ وَمِنىٰ ، وابنَ فاطِمَةَ الزَّهراءِ وَابنَ عَلِيِّ الْمُرتَضىٰ ، آه ، آه "

" ہائے میرے بھائی، ہائے حسینؑ، ہائے حبیب رسول اللہؐ، ہائے مکہ ومنی کے فرزند، ہائے فاطمہ زہراؑ اورعلی مرتضیٰؑ کے بیٹے۔ آہ، آہ"

پھر آپ بے ہوش ہوکر گر پڑیں۔

......ام کلثوم نے نہایت افسردہ حالت میں کھلے بالوں کے ساتھ اپنے سر اورمنہ کو پیٹا اور بلند آواز میں نوحہ سرائی کرتے ہوئے فرمایا:

اَلیَومَ مَاتَ جَدِی مُحَمَّدُ الْمُصطَفیٰ ...

آج میرے جد محمد مصطفیؐ اس دنیا سے رخصت ہوگئے، آج (بابا) علی مرتضیٰ اس دنیا سے رحلت فرما گئے، آج میری ماں فاطمہ زہراؑ وفات پاگئیں۔ آج فاطمہ زہراپر اپنا فرزند کھونے کی مصیبت نازل ہوگئی"۔

باقی بیبیوں نے بھی اپنے سروں اور چہروں پر ماتم کیا، وہ گریہ و ندبہ کرتی اور کہتی تھیں:
"وامُصِیبَاہُ، واحَسنَاہ، واحُسَینَاہُ"

شہزادی سکینہؑ بلند آواز سے فرماتی تھیں: وامُحَمَّداہ، وَاجدَّاہُ، آپ پر وہ ظلم سخت دشوار ہیں کہ جو آپ کے اہل بیتؑ پر روا رکھے گئے۔ کچھ کو عریاں کیا گیا، کچھ کو زخم لگائے گئے اور کچھ کو گھوڑوں کے سموں کے نیچے پامال کردیا گیا اور سب کے سر کاٹ ڈالے گئے"واحُزناہ واسَفاہُ' ھائے غم، ھائے افسوس۔

جب علیؑ بن الحسینؑ نے اسیروں کے قافلہ کو روانگی کا حکم دیا تو سکینہؑ نے اپنے بابا کی قبر کے گرد طواف شروع کردیا اور شدید گریہ کرتی ہوئے نالہ و فریاد کی اور فرمایا:

اَلاَ یَا کَرْبَلاَ نُودِ عُکِ جِسْمًا
بِلاَ کَفَنٍ وَلاَ غُسْلٍ دَفِیناً
اَلاَ یَا کَرْبَلاَ نُودِ عُکِ رُوحًا
لِاَ حْمَد والْوَصِیِّ مَعَ الاَ مِینَا

☆ اے زمین کربلا! میں اس جسد اطہر کو تجھے سونپتی ہوں، جسے بغیر غسل وکفن کے دفن کیا گیا۔

☆ اے کربلا میں اپنی روح کو تیرے پاس چھوڑ رہی ہوں کہ جو رسول خدا اور ان کے وصی امیرالمومنینؑ کی روح ہے اور جبرئیلؑ امین کے ساتھ رہے گی۔

فاطمہ دختر امام حسینؑ نے خود کو اپنے بابا کی قبر پر گرادیا اور شدید گریہ کیا یہاں تک کہ غش کر گئیں۔

(معالی السبطین ۲/۱۱۷)

علی مرتضیٰؑ اور فاطمہ زہراؑ کے یتیم مقتل کے قریب ... سب کے سب خزاں کے پتوں کی

طرح اونٹوں سے روئے زمین پر گر پڑے اور ہر ایک نے ایک شہید کی قبر سے بغل گیر ہو کر صدائے گریہ ونالہ بلند کی۔

ان جملہ عزاداروں میں سے زینب خاتون نے اپنا لباس چاک کر ڈالا اور خود کو امام مظلومؑ کی قبر پر گرا کر نہایت دلدوز انداز میں فریاد کی:

" وااَخاہُ واحُسَیناہُ ، واحَبِیبَ رَسُولِ اللّٰہِ ، یابنَ مَکَّۃَ وَمنٰی ، یابنَ فاطِمَۃَ الزَّھْراءِ یابنَ عَلِیٍّ الْمُرتَضٰی "

آپ نے قبر منور کی خاک سر میں ڈالی اور اس قدر روئیں کہ بے ہوش ہو گئیں۔ جب ہوش میں آئیں تو عرض کیا: اے بھائی شام کے راستے میں میری پشت پر اس قدر تازیانے برسائے گئے کہ میری پشت زخمی ہو گئی ہے اور ابھی ان کے زخم باقی ہیں۔اور اگر اس صحرا میں نامحرم موجود نہ ہوتے تو میں اپنا پیراہن اٹھا کر آپ کو اپنی پشت کے زخم دکھاتی۔

مظلوم سکینہؑ نے کہا: اے بابا جان! (ظالم ،ہمیں دربار یزید میں لے گئے ، وہ ہمارے سروں اور چہروں پر نیزوں کی انیاں اور تازیانے مارتے تھے اور ہمارے یتیموں کے سروں پر ڈنڈے اور لاٹھیاں برساتے تھے۔اور وہ مجھے اور میری بہن فاطمہ کو کنیزی میں لینے کے خواہاں تھے۔

(انوار الشہادۃ/۲۵۲ ف ۲۱)

ام کلثوم نے خود کو اپنے برادر بزرگ کی قبر پر گرا دیا اور عرض کیا:

جُعِلْتُ فِداکَ ، قَتَلُوکَ فَمٰا عَرَفُوکَ ، وَتَرَکُوکَ ، عُریاناً ، وَذَبَحُوکَ عَطْشاناً ، وَلَمْ یُوجَدْ أَحَدٌ اَنْ یَرْحَمَکَ وَیَرْحَمَ عِیالَکَ

"اے بھائی! میں آپ پر قربان کہ آپ کو آپ کے مقام ومنزلت کی معرفت نہ ہونے کے سبب قتل کر دیا گیا۔ اور آپ کو عریاں و برہنہ چھوڑ دیا گیا۔آپ کو تشنہ حالت میں شہید کیا گیا اور اس جفا کار قوم میں ایک بھی شخص ایسا نہ تھا کہ جو آپ پر اور آپ کے اہل وعیال پر رحم کھائے"۔

(تاریخ حضرت زینب: ۲/۵۰۴، صفریہ: ۳/۱۷۴، بحر المصائب ۴/۴۱۶ سے منقول)

تین دن کربلا میں رہنے اور عزاداری برپا کرنے کے بعد امام سجادؑ کو مدینہ کوچ کر جانے کے علاوہ کوئی چارہ نظر نہ آیا، کیونکہ آپ نے یہ دیکھا کہ پھوپھیاں اور بہنیں شب وروز نالہ زاری میں مشغول رہتی ہیں اور ایک قبر سے اٹھ کر دوسری قبر پر جا بیٹھتی ہیں۔

(مقتل مقرم/۴۸۵)

اہل بیتؑ اطہار تین شب و روز کربلا میں عزاداری میں مشغول رہے اور امام سجادؑ نے جب خاندان رسالت کو اس قدر افسردہ ،گریاں اور پریشان دیکھا تو ان کے احوال پر رحم کھایا اور مدینہ کی طرف روانگی کا حکم دیا۔

البتہ بی بی رباب زوجہ امام حسینؑ نے کربلا ہی میں قیام فرمایا اور ان کے ہمراہ (مدینہ) تشریف نہ لائیں۔ جیسا کہ حضرت علی اصغر کی شرح حال میں گزر چکا ہے کہ آپ ایک سال تک اپنے شوہر کی قبر کے پاس مقیم رہیں اور گریہ کرتی رہیں۔

اس کے بعد آپ مدینہ پہنچیں اور رنج وغم کی حالت میں انتقال فرما گئیں۔

بر سر قبر تو ای دلبر فرخندہ منم
کہ پریشان دگرفتار بہ رنج و محنم
ماہ من از نظرم رفتی واز دل نروی
جای آنست زغم چاک زنم پیرہنم

اے میرے محبوب پاکؑ میں آپ کی قبر پر رنج ومحن میں گرفتار ہوں۔ میرا چاند میری نظر سے اوجھل ہوگیا، لیکن دل سے اوجھل نہیں ہوا۔ میں رنج وغم میں اس مقام پر ہوں کہ پیرہن چاک کر دینے کو جی چاہتا ہے۔

بعض مصنفین نے روز اربعین کربلا میں وارد ہوتے وقت امام سجادؑ جناب زینب کبریٰؑ ، جناب ام کلثومؑ ، جناب سکینہؑ اور دیگر اہل بیتؑ کے اقتباسات تحریر کئے ہیں۔ ہم ان کی جگہ (اسی مفہوم کے حامل) شعر رقم کررہے ہیں:

نوای وصل چون بشنید آن شاہ
بر دشت کربلا افراشت خرگاہ
زاسب آمد فرود آن سرور دین
بہ اہل بیتؑ گفتا منزل است این
بدین وادی شما را سد عشق است
نہ سد عشق خود سرحد عشق است
فزون باشد مقام قرب داور
مقام نیست اینجا فزون تر
بہ بار انداز عشق آن پاک بازان
بیفگندند بارِ عشق آسان

جب سید سجادؑ نے نوائے وصل سنی تو دشت کربلا میں ڈیرے ڈال دیئے۔آپ گھوڑے سے اتر آئے اور اہل بیتؑ سے فرمایا: یہی ہماری منزل ہے۔
اسی وادی میں تمہارے لیے سدعشق ہے، نہ صرف سدعشق بلکہ سرحدعشق ہے۔ خدا کے عشق کا مقام بلند ہے اور اس جگہ سے بلند تر مقام کوئی نہیں۔

وارد چہ شد امام چہارمؑ بکربلا
ازشش جہت خروش بہفت آسمان رسید
شوری چہ شور، حشر بپا شد درآن زمین
بر تربت پدر چو امام زمانؑ رسید
گفت اے بزیر خاک لحد خفتہ اے پدر
بابا ز شہر شام ترا مہمان رسید
باور رکمن کہ تا صف محشر رود زیاد
ظلمی کہ بر من از ستم کافران رسید

امام چہارمؑ کربلا میں کیا وارد ہوئے کہ شش جہات سے آسمان تک شوروغل پہنچا۔ وہ شور ایسا شور تھا کہ امام زمانؑ کے اپنے والد کی قبر پر پہنچنے سے اس زمین میں شور حشر بپا ہوگیا۔

امام نے فرمایا: اے زیر خاک آرام فرما بابا جان! شام کے شہر سے آپ کا مہمان آیا ہے۔

جو ظلم ان کافروں نے مجھ پر کیا ہے اس سے زیادہ (عذاب) صف محشر میں بھی ناقابل یقین ہے۔

(بی بی زینبؑ نے فرمایا)

پس از تو جان برادر چہ رنجہا کہ کشیدم
چہ شہرھا کہ نگشتم، چہ کوچہ ھا کہ ندیدم
بخت جانی خود اینقدر نبود گمانم
کہ بی تو زندہ ز دشت بلا بہ شام رسیدم
چہ ماہ چاردہ دیدم سر تورا بہ سر نی
ہلال وار زبار مصیبت تو خمیدم
ز تازیانہ و طعن سنان وطعنہ دشمن
دگر زندگی خویش گشت قطع امیدم
شدم چہ وارد بزم یزید بازوی بستہ
ہزار مرتبہ مرگ خود از خدا طلبیدم
ہنوز بر کف پایم نشان آبلہ پیداست
بہ راہ شام زبس از جفا پیادہ دویدم

☆☆☆

آوردہ ام تمام عزیز انست اے حسینؑ
جز یک سہ سالہ دخترک گل عذار من
از من مپرس حال دل آن سہ سالہ را

در گوشہ خرابہ بمرد او کنار من

یک شب سر تو گشت بہ ویرانہ میہمان

گشتم ہزار سالہ خجل ای نگار من

اے برادر جاں برابر! آپؑ کے بعد میں نے کیا کیا رنج وغم اٹھائے مجھے کن کن شہروں میں نہ پھرایا گیا اور میں نے کون کون سے کوچہ و بازار نہ دیکھے۔

مجھے اپنے اس قدر سخت جان ہونے کا گمان تک بھی نہ تھا کہ میں تمہارے بغیر دشت کربلا سے زندہ حالت میں شام پہنچ گئی۔

جب میں نے آپ کے چودھویں کے چاند جیسے سر کو نیزے کی نوک پر دیکھا تو میں اس مصیبت سے ہلال کی مانند خمیدہ کمر ہوگئی۔

تازیانوں، نیزوں کے کچوکوں اور دشمن کے طعنوں سے تنگ آ کر میں اپنی زندگی سے مایوس ہوگئی۔

جب میں رسن بستہ ہاتھوں سے دربار یزید میں پہنچی تو میں نے خدا سے ہزاروں مرتبہ اپنی موت کی دعا مانگی۔

شام کے راستے میں ہمیں پیدل دوڑانے کی جو جفا کی گئی اس سے ابھی تک میرے پاؤں کے تلوؤں پر آبلوں کے نشان ہیں۔

اے حسینؑ! میں آپ کے تمام عزیزوں کو لے کر آئی ہوں سوائے ایک تین سالہ بچی کے (جو شام کے زندان میں مرگئی) مجھ سے اس سہ سالہ معصومہ کا حال مت پوچھیے کہ وہ خرابہ زندان میں میرے پہلو میں وفات پاگئی۔

ایک رات آپ کا سر ویرانے میں مہمان ٹھہرا جس کے سبب میں ہزار سال تک شرمندہ رہوں گی۔

من زشام و کوفہ باچشم گہربار آمدم

دیدہ گریان برمزار شاہ ابرار آمدم

مدتی از ہم جواری تو بودم ناامید
حالیا اندر جوارت بہر دیدار آمدم

از سفر آوردہ ام جمع یتیمان تورا
جز رقیہ آنکہ از داغش شرر بار آمدم

میں شام وکوفہ کے سفر سے روتی آنکھوں کے ساتھ آئی ہوں اور گریہ کرتی ہوئی شاہ ابرار کے مزار پر پہنچی ہوں۔ ایک مدت تک میں آپ کے قرب سے ناامید رہی اور اب آپؑ کے دیدار کے لیے آپ کے پاس پہنچ چکی ہوں میں اس سفر سے آپ کے تمام یتیموں کو ساتھ لے کر آئی ہوں سوا رقیہ کے کہ جس کا داغ شہادت میرے سینے میں شرر بار ہے۔

(بی بی سکینہؑ نے کہا)

آن بلبلم کہ سوختہ شد آشیانہ ام
بشنو صدای نغمہ و بانگ ترانہ ام
بال وپرم زسنگ حوادث شکستہ شد
از بس کہ شمر شوم زدہ تازیانہ ام
بابا رقیہ را بخرابہ گزار دم
باشم خجل ز روی تو شاہ یگانہ ام
جان داد در خرابہ بی سقف و دخترت
آن کودک یتیم تو آن نازدانہ ام
از بس بہانہ تو گرفتم بہ شہر شام
آتش گرفت عمہ من از بہانہ ام

میں وہ بلبل ہوں جس کا آشیانہ جل چکا ہے۔ میرے نغمہ و ترانہ غم کو سنیئے۔ سنگ حوادث سے میرے بال و پر ٹوٹ گئے' کیونکہ شمر کمینہ مجھے تازیانے مارتا رہا۔ بابا میں رقیہ کو خرابہ زندان میں

چھوڑ آئی ہوں جس کے سبب میں آپؑ (شاہ یگانہ) سے شرمندہ ہوں۔ آپ کی بیٹی اس بغیر چھت کے خرابے میں دم توڑ گئی۔ ہائے آپؑ کی یتیم اور نازوں کی پالی بچی۔

مجھے آپ کے بہانے گرفتار کر کے شام شہر میں لے جایا گیا اور میرے بہانے میری پھوپھی پر آگ پھینکی گئی۔

اے ساربان آہستہ ران کآرام جانم می رود
وآن دل کہ باخود داشتم بادل ستانم می رود
محمل بدار ای ساربان تندی مکن با کارواں
کزعشق آن سرور روان گوئی روانم می رود
در رفتن جان از بدن گویند ہر نوعی سخن
من خود بچشم خویشتن بینم کہ جانم می رود

(مندرجہ بالا اشعار کا ماحصل ان تکالیف کا بیان ہے جو شہزادی سکینہؑ کو سفر کے دوران میں برداشت کرنا پڑیں۔ مترجم)

زیارت اربعین

امام حسن عسکریؑ فرماتے ہیں:

”عَلَامَاتُ الْمُؤْمِنِ (الْمُؤْمِنِیْنَ) خَمْسٌ ، صَلٰوۃُ الاِحْدیٰ وَالْخَمْسِیْنَ ، وَزِیَارَۃُ الْاَرْبَعِیْنِ ، وَالتَّخَتُّمُ وَفِی الْیَمِیْنِ ، وَتَعْفِیْرُ الْجَبِیْنِ ، وَالْجَهْرُ بِبِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ“

مومن (شیعہ) کی پانچ علامات ہیں۔ اکیاون (۵۱) رکعات نماز (ہر شب و روز میں) زیارت اربعین، داہنے ہاتھ میں انگشتری پہننا، (مسجد میں) پیشانی خاک پر رکھنا (تقصیر الجبین) اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بلند آواز سے پڑھنا۔

(مصباح المتہجد/ ۷۸۷، تہذیب: ۶/ ۵۲، وسائل: ۱۴/ ۴۷۸ امام حسینؑ کی زیارت کے باب میں روز اربعین)

بزرگ علماء و محدثین ”زیارۃ الاربعین“ کے جملہ سے امام حسینؑ کی زیارت روز اربعین ہی کو سمجھتے ہیں۔

علامہ حلی نے ”منتہیٰ“ میں، سید بن طاؤسؒ نے ”اقبال“ میں، شیخ بحرانی نے ”حدائق“ میں، اور علامہ مجلسیؒ نے ”بحار“ کے مزار میں نیز دیگر علمائے مذہب حقہ نے بھی امام حسینؑ کی زیارت ”روز اربعین“ ہی کو مستحب خیال کی ہے اور ان سب نے امام حسن عسکریؑ کی اسی حدیث کو دلیل بنایا ہے۔

کچھ لوگ اس حدیث سے مراد چالیس مومنوں کی زیارت لیتے ہیں۔ گزشتہ (عربی) عبارت میں ”ال“ کا اربعین کے ساتھ استعمال یہ ظاہر نہیں کرتا ہے کہ یہ زیارت شیعوں سے

مخصوص ہے اوراس سے مومنین مراد لیے جائیں، بلکہ عامہ کے لیے بھی مورد توجہ ہے۔

لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ اس حدیث کے معنی کیا ہیں؟ حضرت امام صادقؑ کی طرف سے (بھی)روز اربعین کو زیارت پڑھنے کا حکم وارد ہے، یا اس روز امامؑ کے روضہ کی زیارت مطلق کا ، یا ہوسکتا ہے کہ آپ کی مراد اس روز کربلا میں پہنچ کر نزدیک سے امامؑ کے روضہ کی زیارت ہو۔

(مصباح المتہجد /۷۸۸،تہذیب :۶/۱۱۳،مصباح الزائر ۲۸۶،اقبال/۵۹۰، بحارالانوار : ۱۰۱)

معلوم ہوتا ہے کہ حدیث مبارکہ میں سب کچھ شامل ہے۔ جن لوگوں کواربعین کے دن کربلا پہنچنا میسر ہوتو ان کا اس حدیث پرعمل کربلا میں حاضری دینا ہے۔ اور وہ لوگ جو کسی وجہ سے اس سفر سے معذور ہوں تو وہ اسی ماثور کو یا کسی دوسری ماثور زیارت کو پڑھ کر اس حدیث پرعمل پیرا ہوسکتے ہیں۔

روز اربعین جابرؓ کی کربلا میں آمد

شیخ جلیل، عماد الدین ابی جعفر محمد بن ابی القاسم طبری نے عطیہ بن سعد سے مسنداً روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا:

عطیہ کو بعض لوگوں نے اپنی بے خبری کے سبب جناب جابرؓ کا غلام کہا ہے۔ وہ بزرگ تابعین میں سے تھے (تابعی وہ لوگ ہیں' جنہوں نے رسول خداؐ کو تو نہ دیکھا لیکن اصحاب رسول کو دیکھا تھا)

عطیہ کا باپ امیر المومنینؑ کے پاس آیا اور عرض کیا: اللہ نے مجھے بیٹا دیا ہے اس کا نام تجویز فرما دیجیے۔ آپ نے فرمایا:

"هٰذَا عَطِيَّةُ اللّٰهِ" اور اسی جملہ سے عطیۃ اللہ نام رکھ دیا گیا۔

(قاموس الرجال: ٦ / ٢٠٩)

عطیہ راویان حدیث اور قرآن کے بزرگ ترین مفسروں میں سے تھے' اور انہوں نے خود پانچ جلدوں پر مبنی تفسیر قرآن لکھی تھی۔ وہ ابن عباسؓ کے شاگرد تھے، اور جناب فاطمہ زہرا کے خطبہ فدک کو انہوں نے عبداللہ بن محض سے روایت کیا ہے۔

جس وقت عبداللہ بن زبیر نے خروج کیا اور ابن عباس اور محمد بن حنفیہ پر بیعت کے لیے دباؤ ڈالا تو عطیہ نے آٹھ سو افراد کے ہمراہ اس پر چڑھائی کی۔ جب مکہ پہنچے تو تکبیر کہی اور ابن زبیر کو وہاں سے بھگا دیا۔ (طبقات ابن سعد: ۱۰۲/۵)

عطیہ نے (۸۱) ہجری میں حجاج بن یوسف پر بھی خروج کیا اور پھر ''فارس'' چلے

آئے۔ جب آپ کو گرفتار کرلیا گیا اور کہا گیا کہ: نعوذ باللہ علیؑ کو برا بھلا کہو تو وہ نہ مانے 'اس انکار پر ان پر چار سو کوڑے برسائے گئے اور سر اور ریش کے بال تراش دیئے گئے۔"

(الاعلام زرکلی: ۴/ ۲۳۷)

اپنی عمر کے آخری حصے میں آپ کوفہ میں قیام پذیر رہے اور گیارہ ہجری میں وفات پا گئے۔

طبری لکھتا ہے: عطیہ نے بہت سی روایات حدیث کی ہیں، اور قابل اعتماد ہیں۔

(منتخب ذیل المذیل از طبری/ ۱۲۸)

ابن حجر بھی آپ کو ثقہ سمجھتے ہیں لیکن ساجی سے منقول ہے کہ عطیہ کی بات حجت نہیں کیونکہ وہ علیؑ کو سب پر ترجیح دیتے ہیں۔ (التہذیب: ۴/۱۴۴)

اور ہر قدم پر ذکر خدا کرتے ہوئے قبر اطہر پر پہنچے۔ جابرؓ نے مجھ سے کہا کہ میرا ہاتھ قبر پر رکھ دو۔ میں نے ان کا ہاتھ قبر پر رکھ دیا۔

جب آپ کا ہاتھ قبر تک پہنچا تو بے ہوش ہو کر قبر مبارک پر گر پڑے۔ میں نے ان کے چہرے پر پانی چھڑکا تو انہیں ہوش آیا اور تین بار فرمایا:

یا حسینؑ ! (پھر امام حسینؑ کو مخاطب کر کے عرض کیا:)

حَبِيبٌ لاَ يُجِيبُ حَبِيبَهُ !

کیا دوست اپنے دوست کو جواب نہیں دے گا!

اس کے بعد خود سے مخاطب ہو کر کہا: آپؑ بھلا کیسے جواب دیں درحالیکہ آپ کی گردن کی رگیں کٹ گئیں اور آپ کا سر اور بدن جدا جدا ہو گئے۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؑ خاتم الانبیاءؐ اور سید المومنینؑ کے فرزند ہیں۔ آپ اس ہستی کے فرزند ہیں جو صاحب تقویٰ اور راہ ہدایت تھے۔ آپ اصحاب کساء میں سے پانچویں ہستی نیز نقباءؑ کے سردار (حضرت علیؑ) اور سیدۃ النساء جناب فاطمہ زہراءؑ کے بیٹے ہیں۔ اور آپ اس بلند مقام پر کیونکر فائز نہ ہوتے درحالیکہ سید المرسلینؐ نے اپنے ہاتھوں سے آپ کی پرورش کی، آپ نے متقی ہستیوں کی آغوش میں پرورش پائی اور ایمان کے پستان سے دودھ پیا، اور یہ

دودھ اسلام سے حاصل کیا گیا' اور آپ زندگی اور موت دونوں میں پاکیزہ تھے۔

تحقیق مومنوں کے دل آپ کے فراق میں غمگین ہیں کیونکہ آپ کی نیکی میں کوئی شک نہیں۔ پس آپ پر سلام اور خوشنودی خدا ہو۔ بتحقیق میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اپنے بھائی یحییٰؑ بن زکریاؑ کے راستے پر چلے...... اس کے بعد جابرؓ نے دوسرے شہدائے کربلا پر سلام بھیجا اور کہا:

"اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ اَيَّتُهَا الْاَرْوَاحُ الَّتِیْ حَلَّتْ بِفِنَاءِ قَبْرِ الْحُسَيْنِؑ وَأَنَاخَتْ بِرَحْلِهٖ ...."

اہل بیتؑ کو کوفہ بھیجنے کے بعد ابن زیاد نے عبدالملک بن ابی الحارث کو عراق سے حجاز بھیجا تاکہ امامؑ کی شہادت کی خبر والی مدینہ عمرو بن سعید بن عاص کو پہنچا دے لہٰذا جابر نے مدینہ سے امام عالی مقامؑ ، بنی ہاشم اور اصحاب کی شہادت کی خبر سن کر آپ کی زیارت کا ارادہ کیا۔

پھر فرمایا: اس (خدا) کی قسم جس نے محمدؐ کو حق پر مبعوث کیا، ہم بھی آپ کے مقام ومرتبہ میں شریک ہیں۔

عطیہؓ نے جابرؓ سے کہا: ہم ان کے ساتھ کس طرح شریک ہیں حالانکہ نہ ہم نے صحراؤں کی خاک چھانی، نہ پہاڑوں کے سفر کیے اور نہ تلوار چلائی: جبکہ اس گروہ (شہداء) کے سرتنوں سے جدا ہوگئے، ان کی اولادیں یتیم ہوگئیں اور عورتیں بیوہ ہوگئیں!

جابر نے کہا: اے عطیہ! میں نے اپنے حبیب رسول خداؐ سے سنا ہے کہ وہ فرماتے تھے:

مَنْ أَحَبَّ قَوْمًا حُشِرَ مَعَهُمْ وَمَنْ اَحَبَّ عَمَلَ قَوْمٍ أُشْرِکَ فِی عَمَلِهِمْ"

"جو کسی گروہ کو دوست رکھتا ہے وہ اسی گروہ کے ساتھ محشور ہوگا اور ہر وہ شخص جو کسی قوم کے عمل سے محبت کرتا ہے وہ اس میں شریک ہے"

اس خدا کی قسم جس نے محمدؐ کو حق کے ساتھ رسالت سے مبعوث فرمایا میری اور میرے ساتھیوں کی نیت اس چیز پر ہے جس پر امام حسینؑ اور ان کے ساتھیوں کی تھی۔

پس جابر نے کہا: مجھے کوفہ لے جاؤ۔

عطیہ کہتے ہیں: ہم تھوڑا راستہ ہی چلے تھے کہ جابرؓ نے فرمایا: اے عطیہ! کیا میں تمہیں وصیت نہ کروں کیوں کہ مجھے گمان نہیں کہ اس سفر کے بعد دوبارہ تم سے ملاقات ہو سکے؟ (میں نے عرض کیا: فرمایئے، تو فرمایا:)

"أَحِبَّ مُحِبَّ آلِ مُحَمَّدٍ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ مَا أَحَبَّهُمْ ، وَأَبْغِضْ مُبْغِضَ آلِ مُحَمَّدٍ مَا أَبْغَضَهُمْ وَإِنْ كَانَ صَوَّامًا قَوَّامًا وَأَرْفِقْ بِمُحِبِّ (مُحَمَّدٍ وَ) آلِ مُحَمَّدٍ . فَإِنَّهُ إِنْ تَزِلَّ لَهُ قَدَمٌ بِكَثْرَةِ ذُنُوبِهِ ثَبَتَتْ لَهُ أُخْرىٰ بِمَحَبَّتِهِمْ ! فَإِنَّ مُحِبَّهُمْ يَعُودُ إِلَى الْجَنَّةِ وَمُبْغِضَهُمْ يَعُودُ إِلَى النَّارِ"

آل محمدؐ کے دوستوں کو ہمیشہ دوست رکھ کیونکہ آل محمدؐ ان سے محبت کرتے ہیں اور آل محمدؐ کے دشمنوں سے ہمیشہ دشمنی رکھ کیونکہ آل محمدؐ ان سے نفرت کرتے ہیں اگرچہ وہ کثرت کے ساتھ روزے رکھتے ہوں اور نمازیں کیوں نہ پڑھتے ہوں۔ اور (محمدؐ و) آل محمدؐ کے دوستوں کے ساتھ ملاقات کر، اگرچہ کثرت گناہ کے اثر سے تمہارے پاؤں میں ان کی طرف سے لغزش کیوں نہ آ جائے۔ پھر بھی ان سے دوستی میں دوبارہ ثابت قدمی اور استواری کا مظاہرہ کر۔ یقیناً (آل محمدؐ) کا دوست بہشت کی طرف اور دشمن دوزخ کی طرف پلٹ جائے گا۔

(بشارۃ المصطفیٰ /۷۴، بحار الانوار: ۱۰۱/۱۹۵)

اہل بیتؑ کی مدینہ کی طرف واپسی

زیارت ناحیہ مقدسہ میں آتا ہے۔

"فَقَامَ نَاعِیْکَ عِنْدَ قَبْرِ جَدِّکَ الرَّسُوْلِؐ ، فَنَعَاکَ اِلَیْهِ بِالدَّمْعِ الْهَطُوْلِ ، قَائِلاً : یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ، قُتِلَ سِبْطُکَ وَفَتَاکَ ، وَاسْتُبِیْحَ اَهْلُکَ وَحِمَاکَ ، وَسُبِیَتْ بَعْدَکَ ذَرَارِیْکَ ، وَوَقَعَ الْمَحْذُوْرُ بِعِتْرَتِکَ وَذَوِیْکَ فَانْزَعَجَ الرَّسُوْلُ ، وَبَکٰی قَلْبُهُ الْمَهُوْلُ وَعَزَّاهُ بِکَ الْمَلَائِکَةُ وَالْاَنْبِیَاءُ"

"پس ہوا آپؑ کی شہادت کی خوشبو کو لے کر آپ کے جد رسول خداؐ کی قبر مطہر پر پہنچی اور اشک بار آنکھوں سے آپ کی شہادت کی خبر ان تک پہنچائی ۔ اس حال میں کہ وہ کہتی تھی: اے رسول خداؐ آپ کا نواسہ اور جوان شہید کر دیا گیا اور آپ کے اہل بیتؑ اور حرم پاک کی حرمت کو مباح خیال کیا گیا۔ اور آپ کی اولاد کو آپ کے بعد قیدی بنا لیا گیا۔اور آپ کے خاندان اور دابستگان پر مصیبتیں اور مشکلات وارد ہوئیں ۔پس رسول خداؐ غم زدہ اور آشفتہ خاطر ہوئے اور ان کا خوف زدہ دل گریہ کرنے لگا اور فرشتوںؑ اور پیغمبروںؑ نے آپ کی شہادت پر ان سے اظہار تعزیت کیا۔" (بحار الانوار: ۱۰۱/۳۲۳)

اس کے بعد کربلا سے مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ بشیر بن جذلم نے کہا:

جب ہم مدینہ کے پاس پہنچے تو علیؑ بن الحسینؑ سواری سے نیچے اترے، سامان سفر کو

کھولا ، خیمہ نصب کیا اور مخدرات کو پیادہ پا کر کے فرمایا: بشیر! خدا تمہارے باپ پر رحمت کرے وہ تو شاعر تھا کیا تم بھی شعر کہہ لیتے ہو؟

بشیر کہتا ہے میں نے عرض کیا: ہاں! فرزند رسولؐ میں بھی شاعر ہوں۔ حضرت نے فرمایا: شہر مدینہ میں داخل ہو جاؤ اور ابا عبداللہ کے مرثیہ میں شعر پڑھو اور مدینہ کے لوگوں کو ان کی شہادت (اور ہماری آمد) کی اطلاع دو۔

بشیر کہتا ہے: میں گھوڑے پر سوار ہوا اور اسے دوڑاتا ہوا مدینہ میں داخل ہوا۔ جب میں مسجد نبویؐ کے پاس پہنچا تو میں نے صدائے گریہ بلند کی اور کہا:

يَا اَهْلَ يَثْرِبَ لاَ مُقَامَ لَكُمْ بِهَا
قُتِلَ الْحُسَيْنُ فَاَدْمُعِي مِدْرَارٌ
اَلْجِسْمُ مِنْهُ بِكَرْبَلاَ مُضَرَّجٌ
وَالرَّاْسُ مِنْهُ عَلٰى الْقَنَاةِ يُدَارُ

اے اہل مدینہ! یہ شہر رہنے کے قابل نہیں رہا کہ حسینؑ شہید ہوگئے۔ جس کے سبب میری آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب جاری ہے۔

آپؑ کا بدن اطہر کربلا میں خاک وخون میں غلطان پڑا رہا اور آپ کے سر اقدس کو نیزے پر چڑھا کر شہر بہ شہر پھرایا گیا۔

اس کے بعد کہا:

یہ علیؑ بن الحسینؑ ہیں جو اپنی پھوپھیوں اور بہنوں کے ہمراہ شہر کے نزدیک آئے بیٹھے ہیں۔ میں بطور قاصد آیا ہوں کہ تمہیں ان کی جائے قیام کی نشاندہی کرسکوں۔

بشیر کہتا ہے (یہ سن کر) کوئی پردہ نشین عورت بھی مدینہ میں نہ رہی' بلکہ یہ کہ عورتیں گھروں سے باہر نکل آئیں۔ وہ اپنے بال بکھرائے چہروں کو نوچتی اور پیٹتی ہوئیں واویلاہ اور گریہ زاری کی آوازیں بلند کررہی تھیں۔ میں نے اس دن سے پہلے کسی کو اس قدر گریہ کرتے ہوئے نہیں دیکھا تھا اور نہ ہی اس دن سے زیادہ کسی تلخ اور سخت دن سے واقف ہوں۔

میں نے سنا کہ ایک کنیز حسین علیہ السلام پر نوحہ کر رہی تھی او اس مضمون کے اشعار پڑھ رہی تھی:

داد قاصد خبر مرگ تو و دل بشنید
وہ چہ گویم کہ از این فاجعہ بردل چہ رسید
دیدگان ، اشک عزایش منمائید دریغ
اشک یزید پیاپی ز غم شاہ شہید
آنکہ در ماتم او عرش الہی لرزید
وزغمش مجد و شرف داد ز کف دین مجید

قاصد کی فریاد اور آپ کی شہادت کی خبر سنی تو میں کیا کہوں کہ اس فاجعہ سے میرے دل پر کیا گزری۔ آنکھیں آپ کے غم میں آنسو بہانے سے دریغ نہیں کر رہیں اور آپ سید الشہداء کے غم میں مسلسل آنسو بہہ رہے ہیں وہ ہستی جس کے ماتم میں عرش الٰہی لرزنے لگا اور جس کے غم سے دین مجید نے اپنے ہاتھ سے مجد و شرف کو چھوڑ دیا۔

بشیر کہتا ہے: مجھے وہیں چھوڑ کر لوگ مجھ سے پہلے ہی اس طرف دوڑے۔ میں نے گھوڑے کو ایڑی لگائی اور ان کی طرف واپس پلٹا۔ میں نے دیکھا کہ تمام راستوں پر لوگ ہی لوگ تھے۔ میں گھوڑے سے اترا اور لوگوں کے آگے آگے چل کر اس خیمے تک پہنچا جس میں علی بن الحسینؑ موجود تھے۔

امام باہر نکلے اور ہاتھ میں پکڑے ہوئے رومال سے اپنی آنکھوں کو صاف کیا۔ ایک خادم کرسی لے آیا۔ آپ اس پر تشریف فرما ہوئے۔ آپ پر گریہ اس قدر حاوی تھا کہ آپ اس کو روک نہ سکے اور بے اختیار رونے لگے (ہر سمت سے) لوگوں کے رونے کی آوازیں بلند ہو رہی تھی اور عورتیں اور کنیزیں نالہ وفریاد کر رہی تھیں۔ ہر طرف سے لوگ آپ سے تعزیت و تسلیت کا اظہار کر رہے تھے۔ وہ قطعہ زمین لوگوں کے رونے کی آوازوں سے ایک گریہ زار بن گیا۔ امام نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ خاموش ہو جاؤ۔ لوگ خاموش ہو گئے۔ امام نے فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ. أَیُّهَا النَّاسُ ، إِنَّ اللّٰہَ . وَلَهُ الْحَمْدُ اِبْتَلاٰنَا بِمَصَائِبَ جَلِیْلَةٍ وَثُلْمَةٍ فِیْ الْاِسْلَامِ عَظِیْمَةٍ. قُتِلَ أَبُو عَبْدِ اللّٰہِ الْحُسَیْنُ عَلَیْهِ السَّلَامُ وَعِتْرَتُهُ وَسُبِیَ نِسَاؤُهُ وَصَبْیَتُهُ وَدَارُوْا بِرَاسِهِ فِی الْبُلْدَانِ مِنْ فَوْقِ عَامِلِ السِّنَانِ ، وَهٰذِهِ الرَّزِیَّةُ الَّتِیْ لَیْسَ مِثْلَهَا رَزِیَّةٌ. أَیُّهَا النَّاسُ فَأَیِّیْ رِجَالَاتٍ مِنْکُمْ یَسُرُّوْنَ بَعْدَ قَتْلِهِ. أَمْ أَیِّی فُؤَادٍ لاٰیَحْزَنُ مِنْ أَجْلِهِ؟ أَمْ أَیَّةُ عَیْنٍ مِنْکُمْ تَحْبِسُ دَمْعَهَا وَتَضِنُّ عَنِ انْهِمَا لِهَا؟ فَلَقَدْ بَکَتِ السَّبْعُ الشِّدَادُ لِقَتْلِهِ، وَبَکَتِ الْبِحَارُ بِأَمْوَاجِهَا وَالسَّمٰوٰتُ بِأَرْکَانِهَا ، وَالْاَرْضُ بِاَرْجَائِهَا وَالْاَشْجَارُ بِأَغْصَانِهَا، وَالْحِیْتَانُ وَالْجَجُ الْبِحَارِ وَالْمَلَائِکَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ وَأَهْلُ السَّمٰوٰاتِ أَجْمَعُوْنَ. أَیُّهَا النَّاسُ أَیِّی قَلْبٍ لاَ یَنْصَدِعُ لِقَتْلِهِ أَمْ أَیُّ فُؤَادٍ لاَ یَحِنُّ اِلَیْهِ أَمْ أَیُّ سَمْعٍ یَسْمَعُ هٰذِهِ الثُّلْمَةَ الَّتِیْ ثُلِمَتْ فِیْ الْاِسْلَامِ وَلاٰ یُصَمُّ؟

أَیُّهَا النَّاسُ اَصْبَحْنَا مَطْرُوْدِیْنَ مُشَرَّدِیْنَ مُذَوَّدِیْنَ ، وَشَاسِعِیْنَ عَنِ الْأَمْصَارِ کَأَنَّا أَوْلاَدَ تُرْکٍ وَکَابُلٍ مِنْ غَیْرِ جُرْمٍ اجْتَرَمْنَاهُ وَلاٰ مَکْرُوْهٍ ارْتَکَبْنَاهُ وَلاٰ ثُلْمَةٍ فِی الْإِسْلَامِ ثَلَمْنَاهَا مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِی آبَائِنَا الْاَوَّلِیْنَ اِنْ هٰذَا اِلَّا اِخْتِلَاقٌ.وَاللّٰہِ لَوْ أَنَّ النَّبِیَّ تَقَدَّمَ اِلَیْهِمْ فِی قِتَالِنَا کَمَا تَقَدَّمَ اِلَیْهِمْ فِی الوِصَایَةِ بِنَا لَمَا اِزْدَادُوا عَلٰی مَا فَعَلُوابِنَا، فَإِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ مِنْ مُصِیبَةٍ مَا أَعْظَمِهَا وَأَوْجَعَهَا وَرَأَفْجِعَهَا وَأَکَظَّهَا وَ أَفْظَعَهَا وَأَمَرَّهَا وَأَفْدَحَمَا ، فَعِنْدَ اللّٰہِ نَحتَسِبُ فِیمَا أَصَابِنَا وَمَا بَلَغَ بِنَا، فَإِنَّهُ عَزِیزٌ ذُو انتِقَامٍ"

شکر ہے اس خدا کا جو پروردگار عالمین ہے.......... اے لوگو! یقیناً خدائے متعال نے جولائق حمد وسپاس ہے ہمیں عظیم مصائب سے دوچار کیا اور اسلام میں ایک بہت بڑا رخنہ پیدا ہوگیا۔ ابا عبداللہ حسین علیہ السلام اوران کے

خاندان کو قتل کر دیا گیا اور ان کی عورتوں اور بچوں کو قیدی بنالیا گیا۔ اور ان کے کٹے ہوئے سر کو نیزے پر سوار کر کے شہر بہ شہر پھرایا گیا اور یہ ایک ایسی مصیبت تھی کہ جس کی (کہیں) مثال نہیں ملتی۔ اے لوگو! تم میں سے کون ہے جو امام حسین علیہ السلام کو قتل کرنے کے بعد خوش وخرم ہو؟ یا کون سا دل ہے کہ جو ان کے لیے افسردہ نہیں ہے یا تم میں سے کون ہے جو اپنی آنکھوں سے آنسو روک سکا ہو ، یا جس نے شرمندگی محسوس نہ کی ہو؟ اور اس کے ساتھ ساتھ سات آسمانوں نے اپنی سختی ، دریاؤں نے اپنی تمام امواج ، آسمانوں نے اپنے ستونوں، زمین نے اپنے تمام جوانب، درختوں نے اپنی شاخوں، سمندر کی مچھلیوں اور پانی کے ذخیروں، اللہ کے مقرب فرشتوں اور آسمانوں کے رہنے والوں، تمام کے تمام نے ان کے قتل پر گریہ کیا۔ اے لوگو! وہ کون سا دل ہے کہ جو قتل حسینؑ سے شگافتہ نہ ہوا ہو؟ اور کون سا دل ہے کہ جس نے نالہ نہ کیا ہو؟ یا کون سا کان ہے کہ جس نے اسلام میں پیدا ہونے والے اس رخنہ کو نہ سنا ہو اور اسے عظیم (ترین) سانحہ نہ جانا ہو؟ اے لوگو! ہم اپنے شہروں اور دیاروں سے نکال دیئے گئے گویا کہ ہم اہل ترک وکابل ہیں اور وہ بھی بغیر کسی گناہ کے جو ہم سے سرزد ہوا ہو اور بغیر کسی ناخوش آئند کام کے اور اسلام میں کوئی فتنہ کھڑا کرنے کے ۔ اس طرح کی کوئی رسم سابقہ نسلوں میں نہیں سنی گئی ۔ یہ ایک نیا ظاہر ہونے والا کام ہے۔ خدا کی قسم اگر رسول خداؐ نے ہمارے حق میں جس حرمت وحمایت کی سفارش کی ہے اس کے بجائے ہمارے قتل وغارت کا حکم دیا ہوتا تو جو سلوک ہم سے کیا گیا اس سے زیادہ برا سلوک نہ کیا جاتا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یہ ایک عظیم ، دلسوز، دردناک، دلخراش، ناگوار ، تلخ اور جاں سوز مصیبت تھی ہم ان مصائب کا اجر خداوند متعال سے چاہتے ہیں کہ وہ عزیز و غالب اور منتقم ہے۔

(لہوف/۱۹۷، بحار الانوار: ۴۵/۱۴۷)

اہل بیتؑ مدینہ شہر میں داخل ہوئے جب ان کی نگاہیں جناب رسول خداؐ کے مرقد منور اور ضریح مطہر پر پڑیں تو انہوں نے فریاد بلند کی وَاجَدَّهُ وَامُحَمَّدَاهُ ! آپ کے حسینؑ کو تشنہ لب شہید کر دیا گیا اور ان کے اہل بیتؑ محترم کو قیدی بنالیا گیا اور کسی صغیر وکبیر پر رحم نہ کیا گیا۔ پس دوبارہ اہل مدینہ کے درو دیوار سے آہ وفغاں اور نالہ وگریہ کا شور بلند ہوا۔

(منتہی الآمال: ۱/۴۴۸، جلا العیون/۴۵۲)

منقول ہے کہ جناب زینب عالیہؑ جب مسجد نبوی کے دروازے پر پہنچیں تو اسے دونوں طرف سے پکڑ کر ندا کی:

"یا جَدّاهُ ، اِنِّیْ نَاعِیَةُ اِلَیْکَ أَخِیْ الْحُسَیْنَؑ"

''اے جد بزرگوارؐ! تحقیق میرے بھائی حسین کو قتل کر دیا گیا، اور میں ان کی شہادت کی خبر آپ تک لے کر آئی ہوں''

بی بی مسلسل مصروف گریہ تھیں اور آپ کی آنکھوں کے آنسو خشک نہیں ہو رہے تھے اور جب علیؑ بن الحسینؑ کو دیکھتی تھیں تو آپ کا غم تازہ ہو جاتا تھا اور رنج اور بھی بڑھ جاتا تھا۔

(منتہی الآمال: ۱/۴۴۹، نفس المہموم/۴۷۱)

ایک اور حدیث میں ہے کہ زینب خاتونؑ نے عرض کیا: اے نانا جان! اگر مسجد میں نامحرم موجود نہ ہوتے تو میں اپنے بدن سے کپڑا اٹھا کر آپ کو دکھاتی کہ مجھے کس قدر تازیانے مارے گئے جن سے میرا جسم نیلگوں ہو چکا ہے۔ (ریاض القدس: ۲/۳۶۰)

برخیز حال زینبؑ خونین جگر بپرس
از دختر ستم زدہ حال پسر بپرس
با کشتگان بہ دشت بلا گر نبودہ ای
من بودہ ام حکایتشان سربسر بپرس
از کوو کانت از سفر کوفہ و دمشق

پیمودن منازل و رنج سفر پرس
دارد سکینه از تن صد پاره اش خبر
حال گل شکفته ز مرغ سحر پرس
از چشم اشک بار و دل بے قرارما
کردیم چون بسوی شہیدان گزر پرس
بال و پرم زسنگ حوادث بہم شکست
برخیز حال طائر بشکستہ پر پرس

نانا جان! اٹھیے اور غم زدہ زینبؑ کا حال پوچھئے۔ اپنی ستم زدہ بیٹی سے اپنے بیٹے کے احوال دریافت کیجیے۔

اگر آپ کربلا میں شہیدوں کے پاس نہ تھے، تو میں تو وہاں موجود تھی مجھ سے ان کی حکایت معلوم کیجیے۔

کوفہ کے واقعات اور شام کی سرگزشت ایک قصہ ناشنیدہ ہے مجھ سے یہ حدیث غم سنیے۔

آپ مجھ سے اپنی اولاد خصوصاً بچوں کو درپیش آنے والے کوفہ ودمشق کے سفر کی صعوبتیں دریافت کیجیے۔

سکینہؑ کو (حسینؑ کے) صد پارہ تن اطہر کی خبر ہے۔ گل شگفتہ کا حال مرغ سحر سے پوچھیے۔

ہم روتی ہوئی آنکھوں اور بیقرار دلوں کے ساتھ کس طرح شہیدوں کے پاس سے گزرے یہ روداد معلوم کیجیے۔

میرے بال و پر حوادث کے پتھروں سے ٹوٹ چکے ہیں اٹھے اور ایک شکستہ پر پرندے کا حال پوچھیے۔

ای مدینہ خجلم از تو قبولم منما
خجل از بہر خدا نزد رسولم منما
تانگوئی بمن ان نور دو عینت چون شد

آخر ای زینب افکار حسینت چوں شد
ھان نگوئی کہ تو زینب کجا میآئی
باحسین رفتی و تنہا تو چرا آئی
گر رسم بر تو نگوئی کہ ترا معجر کو
ازمن زار نپرسی کہ علی اکبرؑ کو
این نپرسی تو زمن قاسم افکار چہ شد
یا کہ عباس علیؑ میر علمدار چہ شدہ

اے مدینہ میں شرمندہ ہوں تو مجھے قبول نہ کر، خدا کے لیے مجھے رسول خدا کے حضور شرمندہ نہ ہونے دے۔تاکہ وہ کہیں مجھ سے یہ نہ پوچھ لیں کہ تیری آنکھوں کا وہ نور کیا ہوا؟...... اے زینب دل افکار تمہارا حسینؑ کہاں گیا؟!

وہ کہیں یہ نہ دریافت کرلیں کہ زینبؑ تو کہاں سے آئی ہے تو تو حسین کے ساتھ گئی تھی اور تنہا کیوں آئی ہو؟!

کہیں تو رسأنہ کہے کہ تیری چادر کہاں ہے اور وہ میرے دل زار سے یہ نہ پوچھ لیں کہ علی اکبرؑ کہاں ہے؟!

تو مجھ سے یہ مت پوچھ کہ قاسمؑ افگار کو کیا ہوا یا پھر عباسؑ ابن علیؑ علمدار حسینیؑ پر کیا بیتی۔

بعض معتبر کتب میں منقول ہے کہ جب حضرت زینبؑ شام کی قید کاٹ کر واپس مدینہ پہنچیں اور رسول اکرمؐ کے روضہ اقدس میں داخل ہوئیں تو عرض کیا:

"یَا جَدَّاہُ اِنِّی نَاعِیَةُ أَخِیَ الْحُسَیْنِ اِلَیْکَ"

"میں بھائی حسینؑ کی شہادت کی خبر آپؐ تک لائی ہوں"

اور اس کے بعد شہید مظلومؑ کے پارہ پارہ لباس کو لائیں اور قبر رسولؐ پر رکھ کر عرض کیا: یہ آپ کے حسینؑ کی یادگار ہے جو بطور تحفہ لے کر آئی ہوں۔

لیکن درحقیقت یہ پیرہن ابھی ماں زہراؑ کے پاس رہے گا اور روز قیامت وہ شفاعت

کے لیے اسے ہاتھوں میں لے کر آئیں گی۔

"تَجِیُ فاطِمَةُ یَوْمَ الْقِیامَةِ وَفِی حِجرِھا قَمِیصُ الْحُسَیْنِ مُرَمَّلاً"

(منہاج الدموع/۳۳۹)

ابی مخنف نقل کرتے ہیں: جب علی بن الحسین اپنے نانا رسول خدا کی قبر اطہر کے پاس آئے تو چہرہ مبارک کو قبر مطہر پر ملتے ہوئے اشکبار حالت میں کہا:

"أَنَا جِیُکَ یاجَدَّاهُ یا خَیْرَ مُرْسَلٍ
حَبِیْبُکَ مَقْتُوْلُ وَنُسْلُکَ ضَایِعُ
أَناجِیْکَ مَحْزُوْنَا عَلِیْلاً مُؤَجَّلاً
اَسِیْرًا وَمالِیْ قَطُّ حَامٍ وَ دَافِعُ
سُبِینا کَما تُسْبَی الْإِمَاءُ وَمَسَّنَا
مِنَ الضُّرِّ مَا لَا تَحْتَمِلُهُ الْاَضَالِعُ

اے جد بزرگوار، اے سب انبیاء سے افضل! میں آپ سے راز و نیاز کی گفتگو کرتا ہوں کہ آپ کے محبوب حسینؑ شہید ہوگئے اور آپ کی نسل کا ضیاع ہوا۔ میں حزن وملال اور وہراس اسیری میں آپ کو پکارتا تھا اور کوئی بھی اس حالت میں میرا حمایتی اور طرفدار نہ تھا۔ ہمیں قیدی بنالیا گیا' اس طرح کہ جیسے کنیزوں کو قید کرلیتے ہیں، اور ہمیں اس قدر رنج وآزار پہنچایا گیا کہ ہماری ہڈیاں اس کی متحمل نہ تھیں۔ (معالی السبطین: ۲/ ۱۲۵)

جناب ام کلثوم مسجد نبوی کی طرف بڑھیں اور گریہ کرتے ہوئے دل سوز و محزوں حالت میں عرض کیا:

" اَلسَّلامُ عَلَیْکَ یا جَدَّاهُ ، اِنِّیْ نَاعِیَةُ اِلَیْکَ وَلَدَکَ الْحُسَیْنَ عَلَیْهِ السَّلامُ وَجَعَلَتْ تُمَرِّغُ خَدَّیْهَا عَلَی الْمِنبَرِ وَالنَّاسُ یَعُزُّوْنَهَا "

اے جد بزرگوار! آپؐ پر سلام ہو، میں آپ کے حسینؑ کی موت کا قاصد ہوں

اور اپنے چہرے کو منبر پر ملا لوگوں نے آپ کو تسلی دی"۔

اس حال میں قبر رسول سے صدائے نالہ سنائی دی، لوگ اس صدا کو سن کر گریہ زاری کرنے لگے۔ (مقتل ابی مخنف/۲۲۶، معالی السبطین: ۲/ ۱۲۵)

سیدہ ام کلثوم نے گریہ کرتے ہوئے چند اشعار پڑھے جن میں سے کچھ حسب ذیل ہیں:

مَدِيْنَةَ جَدِّنَا لاَ تَقْبَلِيْنَا
فَبِالْحَسَرَاتِ وَالْأَحْزَانِ جِئْنَا
خَرَجْنَا مِنْكِ بِالْاَهْلِيْنَ جَمْعًا
رَجَعْنَا لاَ رِجَالَ وَلاَ بَنِيْنَا
وَاِنَّ رِجَالَنَا بِالطَّفِّ صَرْعٰى
بِلاَ رُؤُسٍ وَ قَدْ ذَبَحُوْ الْبَنِيْنَا
وَاَخْبِرْ جَدَّنَا أَنَّا اُسِرْنَا
بَعْدَ اَلَا سِرِ يَاجَدَّا سُبِيَا
وَرَهْطُكَ يَا - رَسُوْلَ اللّٰهِ اَضْحَوْا
عَرَايَا بِالطُّفُوْفِ مُسَلَّبِيْنَا
وَقَدْ ذَبَحُوْا الْحُسَيْنَ وَلَمْ يُرَاعُوا
جَنَابَكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فِيْنَا
فَلَوْ نَظَرَتْ عُيُوْنُكَ لِلْاُسَارٰى
عَلٰى أَقْتَابِ الْجِمَالِ مُحَمَّلِيْنَا
أَفَاطِمُ لَوْ نَظَرْتِ اِلَى السَّبَايَا
بَنَاتُكِ فِي الْبِلَادِ مُشَتَّتِيْنَا
فَلَوْ دَامَتْ حَيَاتُكِ لَمْ تَزَالِيْ
اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ تَنْدُ بِيْنَا

وَنَحْنُ بَنَاتُ یاسِیْنَ وَطَاھَا
وَنَحْنُ الْبَاکِیَاتُ عَلٰی اَبِیْنَا
اَلَا یَا جَدَّنَا بَلَغَتْ عِدَانَا
مُنَاھَا وَاشْتَفَی الْاَعْدَاءُ فِیْنَا
لَقَدْ ھَتَکُوا النِّسَاءَ وَحَمَّلُوْھَا
عَلَی الْاَقْتَابِ قَھْرًا اَجْمَعِیْنَا
وَزَیْنُ الْعَابِدِیْنَ بِقَیْدِ ذُلٍّ
وَرَامُوا قَتْلَهٗ اَھْلُ الْخَئُوْنَا
فَبَعْدَھُمْ عَلَی الدُّنْیَا تُرَابُ
فَکَاسُ الْمَوْتِ فِیْھَا قَدْ سُقِیْنَا

اے ہمارے نانا کے مدینہ ہمیں قبول نہ کر، کیونکہ ہم حسرت واندوہ سے بھرے دل لے کر آئے ہیں۔

ہم تمام اہل وعیال کے ساتھ مدینہ سے گئے تھے۔ جب کہ واپسی پر نہ (ہمارے) مرد ہمارے ساتھ ہیں نہ جوان اور بچے، سب کو قتل کر دیا گیا ہے۔

تحقیق ہمارے مرد خاک کربلا پر بغیر سروں کے پڑے تھے اور بچوں کے سر بھی کاٹ لیے گئے۔ ہمارے نانا کو خبر کرو کہ ہم قید کر لئے گئے اور اس کے بعد ہمیں غلام بنا کر شہر بہ شہر پھرایا گیا۔

اے رسول خداؐ! آپ کے اہل بیتؑ زمین کربلا پر عریاں اور غارت شدہ حالت میں پڑے ہیں۔ حسینؑ کا سر کاٹ لیا گیا اور ہمارے بارے میں آپ کی حرمت تک کا خیال نہ رکھا گیا۔

کاش آپ اپنی آنکھوں سے ان قیدیوں کو دیکھتے کہ جو کجاووں پر سوار تھے اے فاطمہؑ! کاش آپ اپنی قیدی بیٹیوں کو دیکھتیں کہ جو مختلف شہروں میں بھٹکتی پھریں۔

اے مادر گرامی! اگر آپ روز قیامت تک زندہ رہتیں تو ہمارے حال پر ندبہ اور گریہ کرتیں۔

ہم یاسین و طہ کی بیٹیاں ہیں کہ جو اپنے باپوں (کی مظلومیت) پر گریہ کناں ہیں۔
اے نانا جان! آگاہ ہو جائیں کہ ہمارے دشمنوں نے ہم پر اپنی آرزوؤں کی تکمیل کی اور اپنے کینہ کی آگ کو ٹھنڈا کیا۔
خواتین کی حرمت کی ہتک کی گئی اور سب کو زبردستی اونٹوں پر سوار کرالیا گیا۔
اور امام سجاد کو نہایت ذلت سے زنجیروں میں جکڑا گیا، وہ ظالم ان کے قتل کا بھی ارادہ رکھتے تھے۔ان بزرگ ہستیوں (شہدائے کرامؑ) کے بعد اس دنیا کے سر میں خاک ہمیں اس سفر میں موت کا پیالہ پلایا گیا۔ (منتخب طریحی/۳۵۷، ناسخ التواریخ: ۳/۱۷۹)
اور اس کا کچھ حصہ محدث قمیؒ کی نفس المہموم/۴۷۱ سے لیا گیا ہے)
شہزادی سکینہؑ نے نوحہ و نالہ کی صدا بلند کی اور عرض کیا:
"یا رَسُوْلَ اللّٰهِ، یاجَدَّاهُ اِلَیْکَ الْمُشْتَکٰی مِمَّا رَأَیْتُ بِالشَّامِ مِنَ اللِّئَامِ"
یزید ملعون نے میرے سامنے میرے بابا کے سر کو طشت میں رکھا اور ہمارے زخمی دلوں پر رحم نہ کھایا۔ وہ میرے بابا کے ہونٹوں اور دانتوں پر چھڑی مارتا تھا اور کفر آمیز شعر پڑھتا اور کہتا تھا: اے حسینؑ! تجھے میرے ہاتھ کی ضرب کیسی لگ رہی ہے۔(ریاض القدس: ۲/۳۶۰)
برقی نے روایت کی ہے کہ جب امام حسینؑ شہید ہوگئے تو بنو ہاشم کی بیبیوں نے سیاہ رنگ کا لباس پہن لیا او وہ گرمی اور سردی میں کوئی شکایت نہ کرتی تھیں اور امام سجادؑ ان ماتم زدوں اور عزاداروں کے لیے غذا کا اہتمام کرتے تھے۔
(محاسن/۴۲۰، نفس المہموم/۴۷۳، بحار الانوار: ۴۵/۱۸۸)
امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ (شہادت حسینؑ کے بعد) کسی ہاشمی سیدہ نے آنکھوں میں سرمہ نہ لگایا اور خضاب نہ کیا اور کسی ہاشمی گھر میں سے دھواں نہ اٹھا اور کھانا نہ پکایا گیا۔حتی کہ (اسی حالت میں) پانچ سال گزر گئے اور عبید اللہ ابن زیاد ملعون قتل کر دیا گیا۔
(بحار الانوار: ۴۵/ ۳۸۶ نفس المہموم ۴۷۳)
امام صادقؑ نے فرمایا: امام زین العابدینؑ اپنے باپ پر چالیس سال تک روتے رہے

اور اس مدت میں آپ دن کو روزہ رکھتے تھے اور رات عبادت میں گزارتے تھے۔ اور جب افطار کا وقت ہوتا تو خدمت گزار کھانا اور پانی لے آتے اور آپ کے سامنے رکھ کر عرض کرتے: آقا! تناول فرمایئے۔

آپ فرماتے:

"قُتِلَ ابْنُ رَسُوْلِ اللّٰهِ جَائِعًا ، قُتِلَ ابْنُ رَسُوْلِ اللّٰهِ عَطْشَانًا"

"رسول خداؐ کے بیٹے کو گرسنہ حالت میں شہید کر دیا گیا، رسول خدا کے بیٹے کو تشنہ حالت میں قتل کر دیا گیا۔"

آپ اس جملے کا اس قدر تکرار کرتے اور روتے کہ کھانا آپ کے آنسوؤں سے تر ہو جاتا اور حضرت کے پینے کے پانی میں آنسوؤں کی آمیزش ہو جاتی" اور اسی حالت میں آپ خدائے متعال سے وصال فرما گئے۔ (لہوف/ ۲۰۹)

یہ بات غور طلب ہے کہ حضرت سانحہ عاشور کے بعد ۳۴ یا ۳۵ سال تک زندہ رہے لہٰذا ممکن ہے کہ چالیس کا عدد تقریباً کے معنی میں ہو یا پھر امامؑ کی مصیبت اور گریہ کی شدت بتانا مقصود ہو۔ کیونکہ چالیس (۴۰) اور اسی (۸۰) وغیرہ کے اعداد کو کثرت کے بیان کے لیے استعمال میں لاتے ہیں۔ یعنی آخر عمر تک گریہ کرتے رہے۔ جیسا کہ حدیث کے اختتام سے واضح ہے۔

حضرت زینبؑ کی ولادت باسعادت

بعض بزرگ محققین کی تحقیق کے مطابق اس مخدرہ عصمت کی ولادت باسعادت پانچ جمادی الاول سن پانچ یا چھے ہجری کو ہوئی۔ (زینب الکبریٰؑ تالیف علامہ نقدی/۳۳)

جبکہ بعض نے سن چھ ہجری کے اول ماہ شعبان میں اور بعض نے ماہ رمضان میں آپ کی ولادت تحریر کی ہے۔ (معالی السبطین :۲/۱۳۲، زینب الکبریٰؑ/۳۳)

روایات سے مستفادہ ہوتا ہے کہ حضرت امام حسین کے بعد حضرت زینبؑ کی ولادت ہوئی اور آپ کے بعد جناب ام کلثوم اس دنیا میں تشریف لائیں۔ (منتخب التواریخ /۱۱۳)

اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت زینبؑ رسول خداؐ کی وفات سے چار سال پہلے پیدا ہوئیں۔

(معالی السبطین :۲/۱۳۲ کتاب اسعاف الراغبین کی نقل کے ساتھ۔ اور رسالہ زینبیہ سے سیوطی نے نقل کیا ہے کہ یہ مخدرہ اپنے جد (حضرت محمد مصطفیؐ) کی رحلت سے پانچ سال پہلے پیدا ہوئیں) مشہور روایات کے مطابق حضرت زینب، حضرت فاطمہؑ کے بطن مبارک سے پیدا ہونے والی پہلی بیٹی تھیں اور حضرت علیؑ کی بیٹیوں میں سب سے بڑی تھیں۔

اس پر یہ امر دال ہے کہ راویان حدیث کہیں کہیں حضرت امیر المومنینؑ کو ''ابی زینب'' کی کنیت سے مکنی کرتے ہیں اور کہتے ہیں: یہ روایت ابی زینب سے ہے۔ جیسا کہ ابن ابی الحدید نے اپنی شرح میں بھی ایسا کیا ہے۔ (شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید :۴/۷۳)

اس کی وجہ یہ ہے کہ جناب زینب حسنین شریفین کے بعد حضرت علیؑ کی سب سے بڑی اولاد تھیں۔ (زینب الکبریٰ/۳۳)

حضرت زینبؑ کی نام گزاری

جب حضرت زینبؑ نے اس دنیا میں آنکھ کھولی تو آپ کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہ زہراءؑ نے آپ کو آپ کے والد گرامی جناب امیر المومنینؑ کی خدمت میں پیش کیا اور کہا: اس بچی کا نام تجویز فرمائیں۔

حضرت نے فرمایا: میں رسول خداؐ پر سبقت نہیں کروں گا اور رسول خدا اس وقت سفر پر گئے ہوئے تھے۔ جب (تین دن گزرنے کے بعد آنحضرتؐ) سفر سے واپس آئے تو حضرت علیؑ نے عرض کیا: (یا رسول اللہ !خداوند متعال نے فاطمہؑ کو بیٹی عطا فرمائی ہے) اس کے نام کا تعین فرما دیں۔

آنحضرت نے فرمایا: (فاطمہؑ کی اولاد میری اولاد ہے، لیکن میں پروردگار پر پہل نہیں کرسکتا۔ جبرئیلؑ، نازل ہوئے اور پیغمبر اسلامؐ کو خدا کا پیغام پہنچایا اور عرض کیا: خدا نے اس بچی کا نام زینبؑ اختیار کیا ہے اور یہ لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے)

اور پھر پیغمبر اکرمؐ کو اس بچی کو پیش آنے والے مصائب سے آگاہ کیا۔ پیغمبر اکرمؐ نے گریہ کیا اور فرمایا:

مَنْ بَكٰى عَلٰى مُصَابِ هٰذِهِ الْبِنت ، كَانَ كَمَنْ بَكٰى عَلٰى أُخَوَيْهَا الْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ "

"جو شخص اس بچی کے مصائب پر گریہ کرے گا وہ اس شخص کی مانند ہے جس نے اس کے بھائیوں حسن اور حسینؑ پر گریہ کیا۔"

(زینب الکبریٰ/۳۲، الطراز المذھب ناسخ حضرت زینب: ۱/۴۴)

آیۃ اللہ جزائری اور عباس قلی خان اس حدیث کے آخر میں نقل کرتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا:

''میں وصیت کرتا ہوں کہ اس بچی کی حرمت کا پاس کریں۔ لاریب اپنی امت کے حاضرین و غائبین (موجود اور بعد میں آنے والوں) کے لیے یہ خدیجۃ الکبریٰ کی مانند ہے۔ (خصائص الزینبیہ/۱۷ خصیصہ دوم)

اس جلیل القدر بی بی کو حضرت خدیجہ سے تشبیہ دینا ان کی فضیلت و منقبت کی طرف اشارہ ہے۔ کیونکہ جناب خدیجہ کے فضائل کسی سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ خاصہ و عامہ رسول خداؐ کی اس حدیث پر متفق ہیں کہ۔

"اِنَّ اللّٰہَ اخْتَارَ مِنَ النِّسَاءِ اَرْبَعَۃً : مَرْیَمَ بِنْتَ عِمْرَانِ ، وَآسِیَۃَ بِنْتَ مُزَاحِمٍ ، وَخَدِیْجَۃَ بِنْتَ خُوَیْلِدٍ ، وَفَاطِمَۃَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ"

اللہ رب العزت نے عورات میں سے چار کو منتخب فرمایا: مریم بنت عمران، آسیہ بنت مزاحم، خدیجہ بنت خویلد اور فاطمہؑ بنت محمدؐ۔

اور ان (جناب خدیجہؑ) کی جلالت کے بیان میں یہی کافی ہے کہ انہیں اسلام کی خدمت اور اعلائے کلمہ توحید میں حضرت علیؑ کی تلوار کے برابر قرار دیا گیا ہے۔

حضرت زینب کو حضرت خدیجہ سے تشبیہ دینے کی وجہ (یعنی دونوں میں وجہ تشبیہ) یہ ہے کہ حضرت خدیجہ جناب رسول خدا کے لیے تسلی و تشفی کا باعث تھیں۔ (اور جس طرح) حضرت خدیجہؑ نے دین مبین کے استحکام کے لیے اپنا مال قربان کیا اسی طرح حضرت زینبؑ نے بھی دین کی بقا کے لیے اپنا تمام اثاثہ حتیٰ کہ زیورات اور اولاد کو بھی قربان کر دیا اور اپنی اسیری سے دین مبین کی بقا کا باعث بنیں)

جناب خدیجہ تمام مشکلات میں رسول خداؐ کی حصہ دار اور شریک تھیں اور جناب زینبؑ بھی تمام مصائب و نوائب میں اپنے بھائی کی شریک رہیں۔ (خصائص زینبیہ/۱۸)

لغت میں زینب کے معنی خوبصورت اور خوشبودار درخت کے ہیں۔ اور بھی ممکن ہے کہ یہ لفظ ''زین'' اور ''اب'' کا مخفف ہو۔ جس کے معنی باپ کے لیے زینت کے ہیں۔

جناب زینبؑ کی ولادت کے بعد رسول خداؐ حضرت فاطمہؑ کے گھر تشریف لائے اور فرمایا: بیٹی ! اس نومولود کو میرے پاس لاؤ۔ جب لایا گیا تو آپؐ نے بچی کو سینے سے لگایا اور اپنا چہرہ اس کے چہرے پر رکھا اور بلند آواز میں شدید گریہ کیا کہ آپ کے رخساروں پر آنسو جاری ہوگئے۔ حضرت فاطمہؑ نے عرض کیا: بابا جان خدا آپ کی آنکھوں کو (کبھی) گریاں نہ کرے، یہ رونا کس لیے ؟۔

حضرتؐ نے فرمایا: فاطمہ بیٹی ! بہت جلد یہ بچی گونا مصائب اور مشکلات میں مبتلا ہوگی۔

''یا بَضْعَتِیْ وَقُرَّةَ عَیْنِیْ اِنَّ مَنْ بَکٰی عَلَیْهَا وَعَلٰی مَصَائِبِهَا یَکُوْنُ ثَوَابُ بُکَائِهِ کَثَوَابِ مَنْ بَکٰی عَلٰی أَخَوَیْهَا، ثُمَّ سَمَّاهَا زَیْنَبَ''

''اے میرے پارۂ تن! اور میری آنکھوں کے نور (فاطمہؑ)! جو شخص بھی اس (زینبؑ) پر اور اس کی مصیبت پر روئے، اس کے لیے اس شخص کا سا ثواب ہوگا کہ جس نے اس کے بھائیوں پر گریہ کیا ہو، پھر بچی کا نام زینبؑ رکھا''

(معالی السبطین: ۱۳۲/۲، ناسخ حضرت زینبؑ: ۴۶/۱)

حضرت زینبؑ کی کنیات اور القاب

اس مخدرہ عصمت کی کنیتیں ام کلثوم، ام عبداللہ اور ام الحسن ہیں اور اس مظلومہ کے لیے مخصوص کنیتیں بھی مذکور ہیں مثلاً ام المصائب، ام الرزایا، ام النوائب وغیرہ۔
(ریاحین الشریعہ: ۳/۴۶)

جناب زینبؑ کے کچھ القاب حسب ذیل ہیں:

(۱) صدیقہ صغریٰ: آپ کے والد امیر المومنینؑ صدیق اکبر اور ماں فاطمہ زہرا صدیقہ کبریٰ ہیں۔

(۲) عقیلہ، عقیلہ بنی ہاشم، عقیلۃ الطالبین۔ اور عقیلہ کا مطلب عقلمند اور کریمہ بی بی ہے کہ جو اپنے خانوادے میں عزیز و محترم اور اپنے خاندان میں ارجمند ہو۔

(۳) مؤثقہ

(۴) عارفہ

(۵) عالمۂ غیر معلمہ

(۶) فہمۂ غیر مفہمہ

(۷) فاضلہ

(۸) کاملہ

(۹) عابدۂ آل علی

(۱۰) محدثہ

(۱۱) عصمت اللہ

(۱۲) محجرہ

(۱۳) زاہدہ

(۱۴) ولیۃ اللہ

(۱۵) راضیہ: کیونکہ آپ پروردگار کی قضا وقدر پر راضی تھیں۔

(۱۶) صابرہ: کیونکہ آپ نے مصیبتوں میں صبر کیا اور جزع فزع نہیں کی۔

(۱۷) امیۃ اللہ

(۱۸) محبوبۃ المصطفیٰ

(۱۹) نائبۃ الزہراء

(۲۰) عفیفہ

(۲۱) قانتہ

(۲۲) شریفہ

(۲۳) العصمۃ الصغریٰ

(زینب الکبریٰ/۳۲، ریاحین الشریعہ: ۳/ ۴۷مقتل مقرم: ۳/۱۲۱، ۱۲۹،)مقتل مقرم: ۳/۱۲۱و ۱۲۹،

آپ کے القاب کی شرح کے لیے خصائص زینبیہ صفحہ۲۲ اور مابعد کی طرف رجوع کریں۔

خطبات وفرمودات

مخدرۂ عصمت حضرت زینب سلام اللہ علیہا نے چند نہایت فصیح و بلیغ خطبے انشاء فرمائے، جن میں سے بعض کو قبل ازیں نقل کیا جاچکا ہے اور یہاں ہم ان کا ترتیب وار ذکر کرتے ہیں۔

(۱) آپ کا کوفہ شہر میں دیا گیا فصیح و بلیغ خطبہ بہت سے شیعہ اور سنی علماء نے نقل کیا ہے۔ وہ خطبہ اس قدر کاٹ دار تھا اور لوگوں پر اس قدر مؤثر ثابت ہوا کہ راوی کہتا ہے: خدا کی قسم! میں نے اس دن لوگوں کو دیکھا کہ وہ حیراں و سرگرداں حالت میں گریہ کررہے تھے اور شدت حیرت سے اپنی انگلیاں دانتوں سے کاٹ رہے تھے۔

اس بی بی نے اس طرح خطاب فرمایا کہ کوفہ کے لوگوں میں امیر المومنینؑ کے دلنشین خطبات کی یاد تازہ ہوگئی اور لوگ یہ سمجھے کہ آپ کے والد بزرگوار حضرت علیؑ خطاب فرما رہے ہیں۔ جب اس مظلومہ بی بی نے لوگوں کو خاموش ہو جانے کا حکم دیا تو

"فَارْتَدَّتِ الْاَنْفَاسُ وَسَکَنَتِ الْاَجْرَاسُ"

''ان کی سانسیں سینوں میں رک گئیں اور گھنٹیوں کی آواز ساکت ہوگئی''

طبرسی کی روایت کے مطابق امام سجادؑ نے فرمایا:

(احتجاج: ۳۱/۲، مقتل مقرم/۳۱۳)

"یا عَمَّۃُ اُسْکُتِی فَفِی الْبَاقِیْ مِنَ الْمَاضِیْ اِعْتِبَارٌ وَاَنْتِ . بِحَمْدِاللّٰہِ .
عَالِمَۃٌ غَیْرُ مُعَلَّمَۃٍ ، فَھِمَۃٌ غَیْرُ مُفَھَّمَۃٍ."

''پھوپھی جان! ٹھہر جائیں، آنے والوں کو چاہیے کہ وہ گزر جانے والوں سے عبرت حاصل کریں۔ اور اللہ کی مہربانی سے آپ بغیر معلّمہ کے عالمہ اور بغیر کسی سمجھانے والے کے فرزانہ ہیں.........'' (احتجاج: ۳۱/۲، مقتل مقرم/۳۱۳)

امام کے اس فرمان پر یہ مخدرۂ عصمت خاموش ہوگئیں۔

(لہوف/۱۴۶، مثیر الاحزان/۸۶، بحار الانوار: ۱۰۸/۴۵، مقتل خوارزمی: ۴۰/۲)

(۲) آپ کے وہ کلمات جو آپ نے ابن زیاد کے دربار میں اس ملعون کے جواب میں بیان فرمائے اور جنہیں سن کر وہ لعین اس قدر غضب ناک ہوا کہ اس نے آپ کے قتل کے ارادہ کا اظہار کیا۔ ان کا قبل ازیں تذکرہ ہو چکا ہے۔

(لہوف/۱۶۰، ارشاد: ۱۱۹/۲، مثیر الاحزان/۹۰، مقتل خوارزمی: ۴۲/۲)

(۳) جناب زینبؑ کا وہ خطبہ جو آپ نے دربار یزید میں ارشاد فرمایا: اسے شیعہ سنی علماء کی کثیر تعداد نے نقل کیا ہے۔ اس خطبے نے یزید کو رسوا کر کے رکھ دیا اور وہ اپنے کردار پر پشیمان ہوا نیز اسے ہر دوست، دشمن کے سامنے ندامت اور ذلت اٹھانا پڑی۔

(لہوف/۱۸۱، مثیر الاحزان/۱۰۱، بحار الانوار: ۱۳۳/۴۵، مقتل مقرم/۴۶۱ بلاغات النساء/۲۱، مقتل خوارزمی: ۶۴/۲)

خلاصہ: جناب زینبؑ کے کلام کی فصاحت و بلاغت کسی پر پوشیدہ نہیں اور سبھی نے اس کا اعتراف کیا ہے۔ کیونکہ آپ نے اپنے باپ علی مرتضیٰؑ اور ماں جناب فاطمہ زہراؑ سے یہ لیاقت ورثہ میں حاصل کی تھی۔ اور ان دو معصوموں کے دامن کی تربیت یافتہ بی بی کے کلمات میں خطبات علیؑ کے انوار اور کلام فاطمہؑ کے اسرار کے علاوہ بھلا کیا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔

حضرت زینبؑ اور نقل حدیث

کتب حدیث کی ورق گردانی سے سیدہ زینبؑ سے منقول احادیث کی ایک کثیر تعداد ملتی ہے۔ ان جملہ احادیث میں سے فدک کے بارے میں حضرت فاطمہ زہراؑ کا خطبہ بھی ہے، جسے ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ'' میں پینتالیسویں مکتوب میں (حضرت علیؑ کے) قول "بلی کانت فی ایدینا فدک......" کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے: ہم ان کلمات کے بیان اور تشریح کے متعلق تین فصول میں بات کریں گے۔ اور یہاں حضرت فاطمہؑ کے اس خطبہ کو حضرت زینب بنت علی ابن ابی طالب سے نقل کرتے ہیں۔

(شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید: ۱۶/۲۱۱)

ابوالفرج ''مقاتل الطالبیین میں رقم طراز ہیں۔

"وَالْعَقِيْلَةُ هِيَ الَّتِي رَوَىٰ ابْنُ عَبَّاسُ عَنْهَا"

''عقیلہ (یعنی حضرت زینبؑ) کہ جن سے ابن عباس نے حدیث بیان کی ہے'' فدک کے بارے میں حضرت فاطمہ زہراءؑ کے خطبہ کو مخدرۂ عصمت زینب علیا سے نقل کرنے کے بعد بیان کرتے ہیں:

حیرانی کی بات یہ ہے کہ جس زمانے میں حضرت فاطمہ زہراؑ نے خطبہ فدک انشاء فرمایا اس وقت حضرت زینب عہد طفولیت میں تھیں لیکن آپ نے اس کم سنی کے باوجود یہ طویل خطبہ شریف بیان فرمایا ہے۔

اس خطبہ کو شیعہ سنی دونوں کے بزرگ علمانے نقل کیا ہے اور دیگر بہت سی احادیث

بھی اس مخدرہ سے منقول ہیں۔ (طالبین میں کتاب زینب الکبریٰ/۵۵ سے رجوع فرمائیں)

طبرسی مرحوم رقم طراز ہیں: حضرت زینبؑ نے اپنی والدہ گرامی حضرت فاطمہ زہرا سے کثیر روایات نقل فرمائی ہیں۔

اور عماد المحدثین نقل کرتے ہیں کہ حضرت زینب نے اپنے والد ماجد، والدہ ماجدہ بھائیوں (حسنین شریفینؑ) جناب ام سلمہؓ اور جناب ام ھانیؓ وغیرہ سے روایات بیان کی ہیں۔

جن لوگوں نے آپ سے احادیث نقل کی ہیں ان میں ابن عباسؓ، حضرت علی بن الحسینؑ، عبداللہ بن جعفر، فاطمہ صغریٰ بنت امام حسینؑ وغیرہ کے نام گنوائے جاسکتے ہیں۔

(زینب الکبریٰ/۵۳)

آیۃ اللہ جزائری مرحوم لکھتے ہیں: جن دنوں حضرت امیر المومنینؑ کوفہ میں تشریف رکھتے تھے یہ مکرمہ بی بی اپنے گھر میں ایک مجلس منعقد کرتی تھیں جس میں تفسیر قرآن بیان فرماتی تھیں۔

ایک دن آپ ''کھیعص'' کی تفسیر بیان فرما رہی تھیں کہ اس دوران میں حضرت امیر المومنینؑ تشریف لے آئے اور فرمایا: اے نور چشم! میں سن رہا تھا کہ آپ کھیعص کی تفسیر بیان کررہی تھیں!

عرض کیا: ہاں میں آپ کے قربان۔

حضرتؑ نے فرمایا: یہ عترت رسولؐ پر نازل ہونے والے مصائب کی طرف رمز واشارہ ہے، پھر وہ مصائب اور تکلیفیں جو ان پر نازل ہوں گی، بیان فرمائیں۔ جنہیں سن کر یہ مظلومہ نالہ وفریاد اور گریہ کرنے لگیں۔ (خصائص الزینبیہ/ ۲۷ نواں خصیصہ)

حضرت زینبؑ کے فضائل ومناقب

امام محمد تقی الجواد کی صاحب زادی حکیمہ خاتون کا بیان ہے کہ امام حسینؑ نے ظاہراً اپنی بہن زینب کبریٰؑ بنت امیر المومنینؑ کو وصیت فرمائی، اور اس زمانے میں جو علوم (معارف واحکام الٰہی) امام سجادؑ سے صادر ہوئے انہیں حضرت زینبؑ سے نسبت دی جاتی تھی تا کہ علی بن الحسین محفوظ رہیں۔(اثبات الوصیۃ/۲۳۱، کمالدین: ۲/۵۰۱، غیبت شیخ طوسی/ ۲۳۱)

(اثبات الھداۃ: ۳/۵۰۶، بحار الانوار: ۵۱/۳۶۴، زینب الکبریٰ/ ۴۱)

حضرت زینبؑ اپنے والد گرامی کے متعدد اصحاب مثلاً میثم تمار، رشید ہجری کی طرح علم منایا و بلایا کی حامل تھیں اور آپ مریم بنت عمران اور آسیہ دختر مزاحم وغیرہ سے افضل تھیں۔

(زینب الکبریٰ/ ۵۴)

''مجموعہ شہید'' میں روایت کی گئی ہے کہ.......... جس وقت جناب زینب ابھی کم عمر بچی تھیں، آپ نے اپنے والد بزرگوار سے عرض کیا: اے بابا جان! کیا آپ ہم سے محبت کرتے ہیں؟ امامؑ نے فرمایا: ہاں میری بیٹی، اولاد میرے جگر کے ٹکڑے ہیں۔

حضرت زینبؑ نے عرض کیا: بابا جان دو محبتیں مومن کے دل میں اکٹھی نہیں ہوسکتیں، محبت خدا اور محبت اولاد۔ اوراگر اولاد سے محبت رکھنا ضروری ہے تو ہمارے لیے شفقت اور خدا کے لیے خالص محبت ہونی چاہیے۔

پس حضرت علیؑ کو (یہ بات سن کر) آپؑ سے اور بھی زیادہ محبت ہوگئی۔

(مستدرک: ۱۵/۲۱۵۔ ۷۹ از حکام اولاد ج ۱۶)

دوسری روایت میں یوں ہے کہ حضرت علیؑ کے پاس ایک بیٹا اور ایک بیٹی موجود تھے آپ نے بیٹے کو چوما تو بیٹی نے عرض کیا: کیا آپ کو اپنے بیٹے سے محبت ہے؟

آپؑ نے فرمایا: ہاں !بیٹی نے عرض کیا: میرا خیال تھا کہ آپ خدا کے علاوہ کسی سے محبت نہیں کرتے۔ امامؑ نے گریہ کرتے ہوئے فرمایا: محبت خدا سے مخصوص ہے اور اولاد کے لیے شفقت ہے۔ (مستدرک: ۱۵/۱۷۱ب ۹۵)

یحییٰ مازنی کا کہنا ہے: میں مدینہ منورہ میں ایک طویل عرصہ تک امیر المومنینؑ کا ہمسایہ رہا اور میرا گھر اس گھر کے نزدیک تھا جہاں آپ کی بیٹی سیدہ زینبؑ رہتی تھیں۔ لیکن خدا کی قسم میں نے انہیں کبھی دیکھا اور نہ ان کی آواز سنی۔

جب کبھی وہ اپنے نانا رسول خداؐ کے روضہ اطہر کی زیارت کرنا چاہتیں تو رات کے وقت وہاں جاتی تھیں اور وہ بھی اس حالت میں کہ امام حسنؑ آپ کے دائیں جانب (امام) حسینؑ بائیں جانب اور امیر المومنین علیہ السلام آگے آگے چل رہے ہوتے تھے۔ اور جب وہ قبر رسول پر پہنچتیں تو امیر المومنین جلدی سے جا کر روضہ رسول کے چراغوں کو بجھا دیتے۔ (ایک دفعہ) جب امام حسنؑ نے اس کا سبب پوچھا تو آپ نے فرمایا: میں ایسا اس لیے کرتا ہوں کہ کہیں کسی (غیر محرم) شخص کی نظر تمہاری بہن زینبؑ پر نہ پڑ جائے۔

بعض محدثین نے نقل کیا ہے: جب امام حسنؑ کو زہر دے دیا گیا اور آپ اپنے سامنے رکھے ہوئے طشت میں اپنے پارہ ہائے جگر کی قے کر رہے تھے۔ اس حالت میں آپ کی نظر جناب زینبؑ پر پڑی تو آپ نے (بہن پر شفقت کے سبب) حکم دیا کہ اس طشت کو ہٹا دو مبادا کہ میری بہن زینبؑ کی نظر اس پر پڑے اور وہ اسے دیکھ کر افسردہ ہو۔

بعض احادیث میں آیا ہے کہ جب جناب زینبؑ اپنے بھائی امام حسینؑ کی زیارت سے مشرف ہوتی تھیں تو آپ اپنی بہن کے احترام میں کھڑے ہو جاتے تھے اور انہیں اپنی جگہ پر بٹھاتے تھے۔ (زینب الکبریٰ/۳۹)

آپ کی قدر و منزلت، مقام عظمت اور شان و فضیلت کے بیان میں یہی کافی ہے کہ

بعض احادیث میں آیا ہے کہ ایک دن حضرت زینبؑ امام حسینؑ کے پاس تشریف لائیں اور امام اس وقت قرآن پڑھ رہے تھے (جب آپؑ نے زینب سلام اللہ علیہا کو آتے ہوئے دیکھا تو) آپ نے قرآن زمین پر رکھ دیا اور ان کے احترام و تعظیم کے لیے کھڑے ہوگئے۔
(خاتونِ دوسرا مصنفہ فیض الاسلام مرحوم/ ۱۴۳ کتاب تحفۃ العالم کی نقل کے ساتھ مصنفہ علامہ سید جعفر آل بحر العلوم طباطبائی)

جناب صدیقہ، صغریٰ، نائبۃ الزہرا، امینۂ خدا، ناموس کبریا، اختر برج عصمت، گوہر درج عفت وولایت، امینۃ اللہ العظمٰی، موثقہ علیا، بنت المصطفٰی، قرۃ عین المرتضٰی، شقیقۃ الحسن المجتبٰی وحسین سید الشہداء، عالمہ غیر معلمہ، فہمہ غیر مفہمہ، عارفہ کاملہ، محدثہ، بتول عذرا کی دختر عصمت پرور جناب زینب کبریٰ صلوات اللہ علیہا کے اوصاف باطنی اور مقامات معنوی کو ضبط تحریر وتقریر میں لانا کسی شخص کے بس کا روگ نہیں اور دنیا بھر کے اہل قلم اس محترمہ دو جہاں، محبوبہ خداوند منان کے فضائل ومناقب کا احاطہ واحصا کرنے سے قاصر ہیں جیسا کہ مرقوم ہے۔

"فَاِنَّ فَضَائِلَهَا وَفَوَاضِلَهَا وَخِصَالَهَا وَجَلَالَهَا وَعِلْمَهَا وَعَمَلَهَا وَعِصْمَتَهَا وَ عِفَّتَهَا وَنُوْرَهَا وَ ضِيَاءَ هَا وَشَرَ فَهَا وَ بَهَا ءَ هَا تَالِيَةُ اُمِّهَا صَلَوَاتِ اللّٰهِ عَلَيْهِمَا۔

"بے شک حضرت زینبؑ فضائل وفواضل، خصائل وجلال، علم وعمل، عصمت و عفت، نور وحیا، اور شرافت ومنزلت سبھی میں اپنی مادر گرامی حضرت فاطمہ زہراؑ کی مانند تھیں۔" (الطراز المذھب، تاریخ حضرت زینبؑ: ۱/۷۳)

جناب زینب فصاحت وبلاغت، زہد وعبادت اور تدبیر وشجاعت میں اپنے ماں باپ کی شبیہ تھیں۔ اور امام حسینؑ کی شہادت کے بعد اہل بیت عظام بلکہ تمام بنی ہاشم کے جمیع امور جناب زینب کی رائے اور تدبیر پر منحصر تھے۔ (جنات الخلود/ ۱۹، قسمت اولاد فاطمہ زہرا)

اور "رسالہ علویہ" نیشاپوری میں بھی منقول ہے کہ حضرت زینب فصاحت وبلاغت اور زہد وعبادت میں اپنے والد محترم حضرت علی اور والدہ معظمہ حضرت زہراؑ کی مانند تھیں۔

(زینب الکبریٰ/ ۴۵)

اہل تسنن کے مصنفین سے محمد علی مصری اپنے رسالہ میں رقم طراز ہیں:

بی بی زینبؑ حسباً نسباً اہل بیتؑ عظام کی بزرگوار ترین اور والا ترین ہستیوں میں سے تھیں۔ آپ خاندان رسالت کی طاہرہ وپاکیزہ خواتین میں سے برگزیدہ تر اور خوب تر تھیں۔ آپ وہ فرزانہ روزگار تھیں کہ جس نے شجاعت و شہامت میں (جنگی) سواروں پر بھی منزلت حاصل کی اور تمام عمر اپنے لیے تقوائے الٰہی کا انتخاب فرمایا۔

آپ نے اپنی ذکر خدا میں دائماً مرطوب زبان سے ظالموں کی سرزنش کی اور انہیں ضعف پہنچایا جبکہ اہل حق کی یاور و مددگار بنیں۔ آپ دنیا وآخرت میں بزرگوار، حسنین شریفینؑ کی خواہر اور بتول عذراؑ کی دختر نیک اختر تھیں، جنہیں خداوند متعال نے سیدۃ النساء العالمین کا عظیم مرتبہ عطا فرمایا ہے اور طاقتوروں کے نزدیک آہنی ارادے کا حامل قرار دیا اور جو جودوسخا اور کرم فرمائی میں ہاشمؒ کی بھی ماں تھیں (یعنی جناب ہاشم اپنے تمام تر جودوسخا کے باوجود ان کے فرزند کی مانند تھے کجا ماں اور کجا بیٹا)..................

جناب زینبؑ سن پانچ ہجری کو اپنے نانا رسول خداؐ کی رحلت سے پانچ سال قبل اس دنیا میں تشریف لائیں اور آپ کی ولادت باسعادت سے تمام اہل بیت نہایت خوش وخرم تھے۔

آپ نے (قرآن میں اللہ رب العزت کے تعریف کردہ) درخت سے بھرپور اور کامل بہرہ حیات اور دانشوری میں بلند مقام حاصل کیا کہ جس کی جڑیں زمین میں ہیں اور شاخیں آسمان پر۔

آپ بردباری، عقل ودانش اور مکارم اخلاق کے ایسے اعلیٰ مقام پر فائز تھیں اور اس قدر فصاحت وبلاغت کی حامل تھیں کہ آپ کے ہاتھوں نے چشمہ جودوکرم کی تراوش فرمائی۔

آپ میں ظاہری اور باطنی خوبیاں اس قدر جمع تھیں کہ آپ اس گھر میں مبشر اور صاحب رائے مشہور تھیں کہ جس گھر میں وحی نازل ہوتی رہی۔ اور یہی فخر کا مقام ہے کہ آپ اہل بیتؑ وحی کے شجرہ سے تعلق رکھتی تھیں کہ جن کی مدح وستائش خدائے متعال نے اپنی کتاب

عزیز قرآن مجید میں بھی کی ہے۔ (زینب الکبریٰ/ ۴۹)

فرید وجدی جو کہ ایک کثر سنی مصنف ہے وہ دائرہ المعارف میں لفظ زین کے ذیل میں رقم طراز ہے: زینب بنت علی ابن ابی طالب فاضلہ روزگار خاتون اور جلیلہ بنی ہاشم تھیں کہ وہ واقعۂ کربلا میں اپنے بھائی حسینؑ بن علیؑ کے ساتھ موجود تھیں (اور جب حسینؑ شہید ہو گئے تو ان کے پسماندہ گان بچوں اور بیبیوں کی پیشوا تھیں)

اس کے بعد مصنف موصوف نے اس مظلومہ کے کوفہ و شام کے احوال وواقعات اور دربار یزید میں آپ کے خطبہ کا ذکر کیا ہے۔ (دائرہ المعارف فرید وجدی :۴/۷۹۵، ریاحین الشریعہ :۲/۵۲)

روایت میں ہے کہ ایک دن حضرت علیؑ ایک مہمان کو گھر لے کر آئے اور جناب فاطمہؑ سے پوچھا کہ گھر میں مہمان کے لیے کچھ ہے؟

بی بی نے عرض کیا: روٹی کا ایک ٹکڑا موجود ہے جو زینبؑ بیٹی کے لیے رکھا ہوا ہے۔

بی بی زینبؑ سو رہی تھیں۔ جب مادر گرامی کی یہ بات سنی تو اگر چہ اس وقت آپ کا سن مبارک چار سال کا تھا، فرمایا: اماں جان! یہ روٹی مہمان کو دے دیجیے۔ (مقتل مقرم: ۳/ ۱۳۰)

علامہ نقدیؒ تحریر فرماتے ہیں۔ حضرت زینب خدا کی عبادت اور بندگی میں اپنی ماں جناب زہراؑ کی ثانی تھیں اور ساری ساری رات عبادت وتہجد اور تلاوت قرآن میں مشغول رہتی تھیں۔

بعض فضلا کا کہنا ہے کہ جناب زینب نے تمام عمر نماز تہجد کو ترک نہ فرمایا حتیٰ کہ گیارہ محرم کی رات کو بھی نماز تہجد ادا کی

اور حضرت امام زین العابدینؑ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: اس (گیارہ محرم کی) رات بھی پھوپھی جان بیٹھ کر نماز شب بجا لائیں۔

آیت اللہ بیرجندی بعض معتبر مقاتل میں نقل فرماتے ہیں کہ حضرت سجادؑ نے فرمایا: تحقیق میری پھوپھی زینبؑ نے ان تمام مصائب اور تکلیفوں کے باوجود کہ جو شام کے راستے میں ان پر نازل ہوئیں۔ نوافل شب کو ترک نہ فرمایا: اور امام حسین علیہ السلام نے اپنی بہن زینبؑ سے وداع ہوتے وقت فرمایا:

''اے بہن ! مجھے نوافل شب میں فراموش مت کرنا'' (زینب الکبریٰ/ ۸۱)

علامہ شیخ جواہری کی کتاب ''مثیر الاحزان'' میں ہے کہ فاطمہؑ بنت امام حسینؑ نے فرمایا: میری پھوپھی زینبؑ نے عاشور کی شب کو جائے نماز پر کھڑے ہو کر بارگاہ خداوندی میں استغاثہ فرمایا، (ان کے آہ و نالہ کے اثر سے) میری آنکھ تک نہ لگ سکی اور نہ ہی میرے رونے کی آواز بند ہوئی۔ (خاتون دوسرا/۱۸۲، زینب الکبریٰ/۸۲)

امام سجادؑ فرماتے ہیں میری پھوپھی زینبؑ ایک رات بیٹھ کر نماز شب ادا فرما رہی تھیں۔ میں نے پوچھا: پھوپھی جان! آپ بیٹھ کر نماز کیوں پڑھ رہی ہیں؟

فرمایا: ہر شب و روز میں ایک سے زائد روٹی اسیروں کو نہیں دے سکی اور آج تیسری رات ہے کہ اپنا حصہ بچوں کو دے دیتی ہوں کیونکہ ان کی بھوک ابھی باقی ہوتی ہے۔ اس لیے سخت بھوک اور کمزوری کے سبب مجھ میں اٹھنے کی سکت نہیں رہی۔

(زینب الکبریٰ/۸۲، معالی السطبین: ۲/۱۳۳)

اور جناب زینبؑ کے صبر کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اپنی ماں فاطمہ سلام اللہ علیہا کے بعد کوئی بھی جناب زینبؑ کے مقام استقامت پر فائز نہیں۔ وہ تمام پیش آمدہ مصائب میں ایک مضبوط پہاڑ کی طرح ثابت قدم رہیں۔

آپ مقام امامت کی قدر اور قرب نیز خصوصیات ولایت کے ادراک میں اس مرتبہ پر فائز تھیں کہ جب سید الشہداءؑ کو شہید کر دیا گیا تو آپ نے ان کے خون میں غلطان بدن مبارک پر نظر ڈالی اور خالق مطلق کی بارگاہ میں عرض کیا:

''(اے اللہ) آل محمدؐ کی اس قلیل قربانی کو قبول فرما'' (ناسخ حضرت زینبؑ :۱/۷۵)

آیۃ اللہ میرزا احمد سیبویہ جو کہ تہران کے رہنے والے تھے، عراق کے متقی بزرگ شیخ حسین سامرائی سے نقل فرماتے تھے:

جب میں زیارت سامرا سے مشرف ہوا تو ایک جمعہ کی عصر کے وقت سرداب مقدس میں گیا۔ میرے علاوہ وہاں کوئی نہ تھا، میں جناب صاحب الامر صلوٰت اللہ علیہ کے مقام

معرفت میں توجہ کی حالت میں تھا کہ اس عالم میں اپنے پیچھے سے ایک صدا سنی کہ کوئی فارسی زبان میں کہہ رہا تھا:

''بہ شیعان و دوستان ما بگوئید کہ خدارا بہ حق عمہ ام حضرت زینبؑ قسم دھند کہ فرج مرا نزدیک گرداند''

''میرے شیعو اور دوستو سے کہو کہ خداوند متعال کو میری پھوپھی زینبؑ کے واسطے سے قسم دیں کہ میرے ظہور کو نزدیک فرمائے۔

(شیفتگان حضرت مہدیؑ: ۱/۲۵۱)

کرامات زینب سلام اللہ علیہا

(۱) علامہ نوری نقل فرماتے ہیں : سید محمد باقر سلطان آبادی جو کہ ارباب فضل اور راسخین فی العلم میں سے تھے نے فرمایا: میں بروجرد میں میں آنکھوں کی سخت تکلیف میں مبتلا تھا اور درد کی شدت اس قدر تھی کہ طبیب اس کے علاج سے عاجز تھے۔ وہاں سے مجھے سلطان آباد لایا گیا ، درد اور شدید ہوگیا اور ورم بہت پھیل گیا کہ آنکھ کی سیاہی نظر نہیں آتی تھی۔

درد کی شدت نے میری آنکھوں سے نیند چھین لی اور (اس) شہر کے (بھی) تمام معالج میرے علاج سے عاجز آ گئے۔ بعض معالجوں کا کہنا تھا (میری آنکھوں کو ٹھیک ہونے کے لیے) کم از کم چھ ماہ کا علاج درکار ہے۔

اس صورت حال سے میرا دل افسردہ اور خستہ ہوگیا۔ میں ہمت ہار گیا اور حد سے زیادہ پریشان اور رنجیدہ تھا۔ میرے ایک دوست نے مشورہ دیا: بہتر ہے کہ شفا یابی کے لیے شرف زیارات حاصل کیا جائے۔ میں اس سلسلے میں سفر پر روانہ ہو رہا ہوں میرے ساتھ چلیئے۔ جب آپ خاک کربلا کو سرمہ بنائیں گے تو ان شاء اللہ شفا یاب ہوں گے۔

میں نے اس سے کہا: اس حالت میں میں ڈاکٹر کی اجازت کے بغیر بھلا کس طرح سفر کرسکتا ہوں۔

جب میں نے ڈاکٹر سے رجوع کیا تو اس نے کہا: سفر ہرگز نہ کیجیے، اگر آپ ایسا

کریں گے تو بالکل نابینا ہو جائیں گے اور دوسری منزل تک پہنچنے تک کلی طور پر بینائی سے محروم ہو جائیں گے، میرا دوست چلا گیا اور میں بھی اپنے گھر آ گیا۔

میرے ایک اور دوست آئے اور کہنے لگے: آپ کو مقتل شہداء اور مریض خانہ اولیاء کی خاک شفاء کے سوا آرام نہیں آئے گا اور ضمناً یہ تفصیل بھی دی کہ میں خود نو سال تک طپش قلب کا مریض رہا جب تمام طبیب میرا علاج کرنے سے عاجز آ گئے تو آخر صرف امام حسینؑ کی قبر مطہر کی خاک سے شفا حاصل ہوئی۔ اگر آپ بھی طالب شفا ہیں تو خدا پر توکل کر کے کربلائے معلیٰ کی طرف روانہ ہو جائیں۔

میں خدا کے بھروسے پر عازم سفر ہوا۔ دوسری ہی منزل پر پہنچا تھا کہ مرض شدت اختیار کر گیا اور داہنی آنکھ میں اس قدر درد اٹھا کہ اس کے اثر سے بائیں آنکھ بھی مبتلائے درد ہو گئی۔ میرے ہمراہیوں نے مجھے ملامت کی اور کہا کہ بہتر یہی ہے کہ آپ واپس چلے جائیں۔

جب صبح ہوئی تو درد سے آرام نصیب ہوا اور میں سو گیا۔ میں نے خواب میں صدیقہ صغریٰ جناب زینب الکبریٰؑ کو دیکھا۔ میں اس مکرمہ بی بی کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کے مقنعہ مطہر کا ایک کونا پکڑ کر اپنی آنکھ پر لگایا۔ پھر میں نیند سے بیدار ہو گیا۔ میری دونوں آنکھیں ایک جیسی تھیں اور مجھے کسی قسم کا درد محسوس نہ ہوا۔ یوں میرا سفر اختتام کو پہنچا۔ (دارالسلام: ۲/۱۵۶)

(۲) بعض موثقین نے کتاب "المتبر المذاب" اور مقتل "امدانی یزدی" سے نقل کیا ہے کہ قیدی شام میں داخل ہوئے تو جناب زینبؑ نے شمر کو طلب کر کے فرمایا: مجھے تجھ سے ایک حاجت ہے اور وہ یہ کہ ہمیں اس دروازے سے لوگوں کی بھیڑ سے گزار کر نہ لے جاؤ بلکہ کسی کم مصروف راستے سے شام میں لے جاؤ۔

اس ملعون نے کچھ توجہ نہ دی بلکہ اس مخدرۂ عصمت کو چند تازیانے بھی مارے۔ اس معدن صبر ووقار نے فرط غیرت کے سبب زمین کو حکم دیتے ہوئے فرمایا:

"یَا أَرْضُ خُذِیْهِ"

زمین نے شمر ملعون کو کمر تک اپنے اندر دھنسا لیا۔

اچانک کٹے ہوئے سر سے امام حسینؑ کی آواز آئی:

"یَا اُخْتَاهُ اِصْبِرِیْ وَاحْتَسِبِیْ فِی مَرْضَاتِ اللّٰهِ"

''اے بہن صبر کیجئے اور اللہ کی رضا کو قبول کیجئے۔

چنانچہ بی بی نے زمین کو حکم دے کر اس ملعون کو رہا کرا دیا۔

(خصائص الزینبیہ/ ۱۲۰ خصیصہ ۳۱)

(۳) شبلنجی شافعی ''نور الابصار'' میں شیخ عبدالرحمٰن اجہوری مصری سے (یہ دونوں سنی علماء ہیں) کتاب ''شارق الانوار'' میں نقل کرتے ہیں کہ:

سن ۱۱۷۰ھ قمری میں میں ایک سخت مصیبت میں مبتلا ہوگیا۔ میں نے جناب زینبؑ کی شان میں ایک قصیدہ لکھا اور آپ سے متوسل ہوا۔ خدا نے اس عظیم مخدرۂ عصمت کے صدقے میں مجھے اس مصیبت سے نجات عطا فرمائی۔

پھر مرحوم خیابانی نے یہ قصیدہ نقل فرمایا ہے:

(وقائع الایام خیابانی/ ۳۰۲)

جناب زینبؑ کی اپنے بھائی حسینؑ سے شدت محبت

جناب زینبؑ بچپن ہی سے اپنے بھائی امام حسینؑ سے اس قدر انس و محبت رکھتی تھیں کہ ان کے آغوش و دامان کے بغیر آرام نہ فرماتی تھیں اور جب بھی امام کے نزدیک ہوتیں تو ان کے چہرے سے نظر نہ ہٹاتی تھیں، اور نہ ہی دور ہوتی تھیں۔ اگر کبھی دور ہو جاتیں تو رونے لگتی تھیں۔

ایک دن جناب فاطمہؑ نے اپنے والدگرامیؐ سے عرض کیا: اے بابا جان! میں زینبؑ کی حسینؑ سے اس شدید محبت سے حیران ہوں کہ وہ حسینؑ کو دیکھے بغیر صبر نہیں کرتی اور اگر کچھ دیر اسے حسینؑ کی خوشبو محسوس نہ ہو تو اس کی جان نکلنے لگتی ہے۔

جب رسول خداؐ نے یہ بات سنی تو ایک دردناک آہ کھینچی اور آپؐ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اس حالت میں فرمایا: اے نور چشم! یہ بچی (زینبؑ) حسینؑ کے ساتھ کربلا کے سفر پر جائے گی اور ہزاروں مصیبتوں اور سختیوں کا شکار ہوگی۔

جناب زینبؑ نے جناب عبداللہ بن جعفر سے شادی کے وقت یہ شرط رکھی تھی کہ اپنے بھائی سے شدید انس و محبت کے سبب مجھے اجازت ہونی چاہیے کہ میں ہر روز حسینؑ کی زیارت کر سکوں۔

تمام مدت حیات میں کوئی ایسا دن کم ہی گزرا ہوگا کہ جس میں زینبؑ نے حسینؑ کی زیارت نہ کی ہو اور اسی بنا پر یہ ہوا کہ جب سر حسینؑ کو دفن کر دیا گیا تو زینبؑ بھائی کے ہجر و مفارقت میں اس دنیا سے رحلت فرما گئیں۔

بعض صاحبان مقاتل نے تحریر کیا ہے کہ جب حضرت علیؑ نے جناب زینبؑ کی عبداللہ بن جعفر سے شادی کرنا چاہی تو شرط لگائی کہ جب حسینؑ سفر کا ارادہ کریں اور زینب ان کے ساتھ جانا چاہیں تو عبداللہ ان کو منع نہیں کریں گے۔..........

فاضل بیرجندی ''کبریت احمر'' میں لکھتے ہیں: حضرت زینبؑ اپنے بھائی سے اس قدر مانوس تھیں کہ ایسی انسیت کسی بہن بھائی میں نہیں دیکھی گئی اور آپ بچپن ہی سے امام حسینؑ سے (شدید) انس رکھتی تھیں۔

بعض مصنفین نے لکھا ہے کہ جب عبداللہ بن عباس نے امام حسینؑ سے کہا:

''فَمَا مَعْنٰی حَمْلِکَ هٰؤُلاَءِ النِّسَاءِ''

آپ فرماتے ہیں: میں شہید ہونے کے لیے جارہا ہوں تو پھر خواتین کو اپنے ہمراہ کیوں لے جارہے ہیں؟

تو سیدہ زینبؑ نے محمل سے سر نکالا اور فرمایا: اے ابن عباس! کیا آپ میرے اور میرے بھائی کے درمیان جدائی ڈالنا چاہتے ہیں! میں ان سے ہرگز دور نہ ہوں گی۔

(ریاحین الشریعہ:۴۱/۳)

آپ کو اپنے بھائی حسینؑ سے اس درجہ محبت تھی کہ ہر روز کئی مرتبہ امام حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی آنکھوں کو ان کے دیدار سے روشن کرتی تھیں۔ اسی کیفیت کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ اوقات نماز میں آتیں، اپنے کعبہ مقصود پر نگاہ ڈالتیں، اہل حاجت وحقیقت کے اس قبلہ کی زیارت کرتیں اور پھر نماز میں مشغول ہو جاتیں۔

(الطراز المذهب تاریخ حضرت زینبؑ: ۷۳/۱ اور اسی کے مثل خصائص الزینبیہ/ ۱۲۱ پر ملاحظہ فرمائیں)

مؤلف کا کہنا ہے کہ جناب زینبؑ کے اس کام میں ایک راز ہے جسے اہل حقیقت ہی سمجھتے ہیں۔ حدیث میں آتا ہے۔

''وَانْوِ عِنْدَ افْتِتَاحِ الصَّلاَةِ ذِکْرَ اللّٰهِ وَذِکْرَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَجْعَلْ وَاحِدًا مِنَ الْاَئِمَّةِ عَلَيْهِمُ السَّلاَمُ نَصْبَ عَيْنَيْکَ''

''نماز شروع کرتے وقت خدا کے ذکر اور رسول خداؐ کی یاد کا ارادہ کرو، اور آئمہ معصومینؑ میں سے کسی ایک (کے تصور) کو اپنی آنکھوں کے سامنے رکھو''

(مستدرک :۴/۱۳۲ ب ۱۳ از نیت ح ۱)

آقائے شیخ علی ربانی خلخالی تحریر فرماتے ہیں: ایک دن میں آیت اللہ العظمیٰ سید شہاب الدین نجفی مرعشی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ہر طرح کی باتیں ہوئیں تا آنکہ آپ نے فرمایا: جب جناب فاطمہ زہراءؑ جناب زینبؑ کو رسول خداؐ کی خدمت میں لے گئیں تو اس نوزادنے اہل بیتؑ میں سے کسی ایک پر آنکھ نہ کھولی لیکن جونہی آپ کو امام حسینؑ نے اٹھایا، آپ نے اپنی آنکھیں کھول دیں۔ اور مزید فرمایا کہ دربار یزید میں امام علیہ السلام کے نیزے پر سوار سر نے تمام اسیروں پر نظر ڈالی لیکن جس وقت جناب زینبؑ کے سامنے پہنچا تو اپنی آنکھوں کو بند کرلیا اور گوشۂ چشم سے آنسو جاری ہوگئے۔

(چہرہ درخشان قمر بنی ہاشم :۱/ ۸۷)

نوٹ: مرحوم آیۃ اللہ نجفی مرعشی قدس سرہ تاریخ کے تتبع میں تمام بزرگوں میں مشہور تھے۔

خصائص زینب سلام اللہ علیہا

سیدہ زینبؑ اپنے بھائی امام حسینؑ کی طرح بہت سے خصائص اور امتیازات کی حامل تھیں ۔ ہم یہاں آیۃ اللہ سید نور الدین کی کتاب ''خصائص الزینبیہ'' سے کچھ خصائص یہاں نقل کررہے ہیں:

(۱) آپ کی خلقت کی ابتداء سے تولد فرمانے تک آپ کی والدۂ معظمہ جناب فاطمہ زہراؑ رنج وغم میں مبتلا رہیں۔

البتہ یہ امتیاز تمام اولاد فاطمہ ہی کو حاصل ہے، اس لیے کہ خاصان خدا کے لیے اس دنیا میں خوشیاں نہیں ہیں اور اولاد سے محبت امور قہریہ میں سے ہے۔ حضرت فاطمہؑ اپنے جس بچے سے بھی محمول ہوئیں اس پر وارد ہونے والی مصیبتوں سے آگاہ تھیں، اورا سے فراموش نہ کرسکتی تھیں۔

جب امام حسینؑ پیدا ہوئے تو اس مخدرہ کوخبر دی گئی کہ اس بزرگوار کونہایت مشکلات برداشت کرنے کے بعد زہر جفا سے شہید کر دیا جائے گا۔ چنانچہ آپ جناب حسنؑ کی ولادت ہی سے محزوں رہنے لگیں۔

جب امام حسینؑ سے حاملہ ہوئیں اور ان کو پیش آنے والی مصیبتوں سے آگاہ ہوئیں تو اس قدر غمگین ہوئیں کہ ارشاد ربانی ہے:

''حَمَلَتْهُ اُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا'' (سورۂ احقاف آیہ ۸۵)

''اس کی ماں نے اسے اٹھائے رکھا اور پھر اسے تکلیف کے ساتھ جنم دیا''

اور جناب زینبؑ کے حمل کے بارے میں بھی منقول ہے کہ جناب فاطمہ زہراءؑ آپ کے حمل سے وضع حمل تک رنجیدہ خاطر رہیں۔

(۲) رسول خداؐ کا آپ کی ولادت کے وقت اس سبب سے گریہ فرمانا کہ آپ امام حسینؑ کی شریک مصائب ہوں گی۔

روایت میں ہے کہ جب حضرت زینبؑ اس دنیا میں تشریف لائیں تو رسول خداؐ کو خبر دی گئی۔ آپ جناب فاطمہؑ کے گھر تشریف لائے اور فرمایا: میری بیٹی! اس بچی کو میرے پاس لاؤ۔ جب بچی کو آپ کی خدمت اقدس میں پیش کیا گیا تو آپ نے اسے اٹھا کر اپنے سینے سے چمٹا لیا اور اس کے چہرے پر اپنا چہرہ مبارک رکھ کر

"وَبَكٰى بُكَاءً عَالِيًا وَسَالَ الدَّمْعُ عَلٰى مَحَاسِنِهِ جَارِيًا"

''اونچی آواز میں گریہ فرمایا: اورآپ کے آنسو ریش مبارک پر جاری ہوگئے۔''

جناب فاطمہؑ نے عرض کیا: بابا جان! خدا آپ کی آنکھوں کو کبھی نہ رلائے؟ آپ گریہ کیوں فرما رہے ہیں۔

فرمایا: بیٹی فاطمہؑ! یہ بچی میری اور تمہاری رحلت کے بعد (سخت) مصیبتوں میں مبتلا ہوگی..........

(سیدہ زینبؑ کی نام گزاری کے عنوان کے تحت مکمل حدیث نقل کی جا چکی ہے)

(۳) اس مخدرہؑ پر ہونے والے مصائب کی خبر جبرئیلؑ نے دی۔ اس امتیاز میں بھی آپ امام حسینؑ کے ساتھ شریک ہیں۔

(۴) رسول خدا کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ کا آپ کے لیے نام منتخب کرنا اور آپ کو اسم زینبؑ سے موسوم کرنا، جیسا کہ پہلے بیان کیا جاچکا ہے۔

(۵) آپ کے مخصوص اسما والقاب جن کا مستقل عنوان کے تحت ذکر ہو چکا ہے اور ان میں سے ہر ایک کی شرح کتاب ''خصائص الزینبیہ'' میں موجود ہے۔

(۶) ہرکوئی اس مخدرہ کا کفو نہ تھا اور آپ سے ازدواج کی لیاقت نہیں رکھتا تھا تاریخ کی

بعض کتابوں میں اور ''شرح نہج البلاغہ'' میں ابن ابی الحدید سے منقول ہے کہ اشعث بن قیس جو قبیلہ کندہ کا ایک رئیس وزعیم تھا، نے امیر المومنینؑ سے جناب زینبؑ کی خواستگاری کی۔ امیر المومنینؑ غضب ناک ہوئے اور فرمایا: تمہیں یہ جرات کیسے ہوئی کہ مجھ سے زینبؑ کی خواستگاری کرر ہے ہو؟

ابو قحافہ کے بیٹے نے تمہیں اس قدر گستاخ اور بے شرم بنا دیا ہے۔[1]

(شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید: ۴/ ۷۵)

زینب جناب خدیجہ کی شبیہ اور دامان فاطمہؑ کی پروردہ ہے۔ اور اس نے پستان عصمت سے دودھ پیا ہے۔ تم میں کیا قابلیت ہے کہ اس کے ہمسر بن سکو۔ مجھے اس خدا کی قسم کہ جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے اگر تم نے اس بات کا تکرار کیا تو میں اس کا جواب تمہیں تلوار سے دوں گا۔

(ریاحین الشریعہ: ۳/۵۹)

حتیٰ کہ (۱۷) سترہ ہجری میں جوارد اہل بیتؑ عبداللہ بن جعفر[2] نے، جو نہایت شرف ومنزلت کے حامل تھے اپنے چچا حضرت علیؑ سے اس مکرمہ بی بی کی خواستگاری کی جو آنحضرت نے قبول فرمائی اور جناب فاطمہ کے برابر حق مہر (۴۸۰ درہم) پر آپ کا عقد جناب عبداللہ سے کر دیا گیا۔

---

(۱) یہاں اشعث بن قیس کے ارتداد کی داستان کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اسے اپنے قبیلہ کے دس دیگر افراد کے ساتھ اسلام سے ارتداد کے سبب زنجیروں میں باندھ کر ابوبکر کے پاس لایا گیا۔ ابوبکر نے ان سب کو معاف کر دیا اور اپنی ایک نابینا بہن کی شادی اشعث سے کر دی۔ جس کی وجہ سے وہ گستاخ ہوا۔

(۲) جناب عبداللہ بن جعفر نہایت پاکیزہ کردار اور بزرگوار شخصیت تھے۔ آپ نے پیغمبر اکرمؐ کی زیارت بھی کی تھی اور حضورؐ اور امیر المومنین علی علیہ السلام سے روایت بھی نقل فرمائی۔ آپ جنگ جمل، جنگ صفین اور جنگ نہروان میں حضرت علیؑ کے ہمراہ تھے اور حسنؑ و حسینؑ کے صحابی تھے۔ آپ کی والدہ ماجدہ کا نام اسما بنت عمیس تھا اور آپ حبشہ میں اس دنیا میں تشریف لائے۔

آپ کے دو فرزندوں محمد اور عون نے کربلا کے میدان میں امام حسینؑ پر فداکاری کی اور جام شہادت نوش فرمایا۔ خود آپ کے ساتھ کربلا میں موجود نہ ہونے کے کئی سبب بتائے گئے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ کی نظر بہت کمزور ہو چکی تھی۔

آپ رسول خداؐ کی دعا کی برکت سے بنی ہاشم کے ثروت مندوں میں سے تھے۔ آپ بہت زیادہ سخاوت فرماتے تھے اس لیے آپ کا نام بحرالجود (سخاوت کا سمندر) پڑ گیا تھا۔

آپ کے بارے میں کہا جاتا ہے۔ "لَمْ يَكُنْ فِي الْإِسْلَامِ أَسْخَى مِنْهُ" اسلام میں آپ سے زیادہ سخی کوئی نہیں ہوا۔ آپ کا گھر محتاجوں کی حاجات پوری کرنے کا مرکز تھا اور کوئی سائل خالی ہاتھ نہیں جاتا تھا اور ہمیشہ مانگنے سے پہلے ہی فقیر کو عطا کر دیا جاتا تھا۔ حتیٰ کہ آپ کی وفات کے بعد فقراء کا کہنا تھا: جب تک عبداللہ زندہ تھے ہم سوال کے مفہوم سے ناآشنا تھے۔

ایک بڑھیا نے مکہ سے مدینہ کے راستے میں آپ کی پذیرائی کے لیے ایک گوسفند ذبح کیا، جب وہ مدینہ آئی تو آپ نے اسے دو ہزار گوسفند اور دو ہزار دینار عطا فرمائے۔

(بحار الانوار: ۴۳/ ۳۴۸)

امام صادقؑ فرماتے ہیں: مسجد کے دروازے میں بیٹھے ایک شخص نے عثمان بن عفان سے خیرات مانگی۔ عثمان نے اسے پانچ درہم دیئے۔ اس شخص نے کہا: یہ رقم میرے درد کی دوا نہیں۔ میری کسی ایسے شخص کی طرف رہنمائی کریں کہ جو مجھے اس سے زیادہ خیرات دے سکے۔ عثمان نے کہا تمہارے سامنے سخی مرد بیٹھے ہوئے ہیں اور اپنے ہاتھ سے مسجد کے اس کونے کی طرف اشارہ کیا جس میں امام حسنؑ، امام حسینؑ، اور عبداللہ بن جعفر بیٹھے ہوئے تھے ....

امام حسنؑ نے اسے (۵۰) دینار دیئے، امام حسینؑ نے ۴۹ دینار اور جناب عبداللہ نے ۴۸ دینار۔

جب وہ شخص عثمان کے پاس واپس گیا تو اسے اپنی داستان سنائی: عثمان نے کہا کہ ان جیسا کوئی جواں مرد نہیں۔ انہوں نے علم و دانش (براہ راست علم و دانش کے منبع سے) حاصل کیا ہے اور خیر و نیکی، حکمت، راستی اور درستی کو اپنے کاموں میں اختصاص دیا ہے اور کوئی بھی ان کے مرتبہ تک نہیں پہنچ سکتا۔

(بحار الانوار: ۴۳/۳۳۲)

ایک شخص آپؑ کے پاس آیا، آپؑ اس وقت گھوڑے کی رکاب میں پاؤں رکھ کر اپنی زمینوں پر تشریف لے جانا چاہتے تھے، اس نے کہا: اے رسول خداؐ کے چچا زاد کے بیٹے! میں ایک غریب شاعر ہوں کہ جس کے پاس کچھ بھی نہیں رہا۔

عبداللہ نے فوراً گھوڑے کی رکاب سے پاؤں نکالا اور کہا: میں نے یہ اونٹ اس کی خورجین کے سمیت تمہیں دیا۔ ناقہ پر سوار ہو جاؤ اور اس مال کو اپنے استعمال میں لاؤ۔ جب سائل نے اسے کھولا تو اس میں چار ہزار اشرفیاں اور خز کی چند چادریں بھی تھیں۔

(تذکرۃ الشہداء/ ۱۴۷)

(۷) متعدد امتحانات خصوصاً سفر کربلا کے امتحانات پر پورا اترنا انسانیت کے مقامات و کمالات کے موازنے کے لیے امتحان لیا جاتا ہے جس سے کمالات کا اظہار اور ملکات کا ابراز ہوتا ہے اور آدمی باطناً اگر ان مقامات کے امتحان سے بخوبی عہدہ برآ ہو جائے تو مقام قرب پر پہنچ جاتا ہے' او اسے قوس صعودی کا نام دیا جاتا ہے۔

اور اگر انسان حیوانیت پر پہنچ جاتا ہے (یعنی امتحان پر پورا نہیں اترتا) تو اسے قوس نزولی کا نام دیا جاتا ہے۔

ہر شخص کا امتحان اس کی استعداد اور قابلیت کے مطابق ہوتا ہے اور ہر شخص کو اس کے مقام و مرتبہ کے مطابق ابتلاؤں کا سامنا ہوتا ہے۔ جس قدر مقام بلند ہوگا اسی قدر مصیبت زیادہ ہوگی۔

مشہور ہے کہ مدینہ کے لوگوں کا معمول تھا کہ جب ایک دوسرے سے قرض لیتے تو اس قرض کی ادائیگی کی ضمانت جناب عبداللہ بن جعفر سے دلواتے تھے۔

مرقوم ہے کہ جناب عبداللہ آخری عمر میں تنگدستی کا شکار تھے۔ ایک دن ایک شخص ان کے پاس آیا اور ان سے کوئی چیز مانگی تو چونکہ عبداللہ کے پاس اسے دینے کے لیے کچھ نہ تھا چنانچہ اپنی ردا اتار کر اسے دے دی اور اپنا سر آسمان کی طرف بلند فرما کر عرض کیا: خدایا! اب مجھے موت دے دے۔ چند یوم کے بعد آپ بیمار ہوگئے اور اس دنیا سے رحلت فرما گئے۔

مامقانی مرحوم نے اپنی کتاب رجال میں آپ کی جلالت قدر اور بزرگی کی تعریف و توصیف کی ہے اور مدائنی سے ایک داستان نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: آپ کی ایک روایت میں بھی شک نہیں کیا جاسکتا۔ (تنقیح المقال: ۲/۱۷۳)

بنابرایں مخالفین کی کتابوں مثلاً ''الاغانی مصنفہ ابوالفرج اصفہانی'' (جو کہ ظاہراً سنی اور باطناً یہودی تھا) میں جو یہ کہا گیا ہے کہ عبداللہ بن جعفر سماع وغنا کے رسیا تھے، یہ بات ہرگز قابل اعتبار نہیں بلکہ معاویہ اور ابوالفرج کی ان تہمتوں میں سے ایک تہمت ہے جو انہوں نے خاندان ابی طالبؑ اور امیر المومنین علی علیہ السلام پر لگائیں۔ آپ کی تاریخ وفات اسی (۸۰) ہجری لکھی گئی ہے وفات کے وقت آپ کی عمر شریف ۹۰ سال تھی اور بعض مورخین آپ کی وفات کا سن (۹۰) ہجری خیال کرتے ہیں۔

امام حسینؑ کی مکہ سے مدینہ روانگی کے باب میں آپ کے بارے میں تحریر کیا جاچکا ہے کہ جناب عبداللہ اپنی ضعیفی اور ناسازی صحت کے سبب امامؑ کے ہمراہ کربلا نہ جاسکے۔

حضرت زینبؑ اپنے بھائی امام حسینؑ کی طرح کربلا کے سفر میں طرح طرح کی
یبتوں میں مبتلا ہوئیں اور پہلے گزر جانے والوں یا بعد میں آنے والوں میں سے کسی کا امتحان
ں اتنا سخت نہیں ۔ بلکہ یہ سخت ترین امتحان دو افراد سے مخصوص تھے۔چنانچہ اس مخدرہ کی ہم جس
نام پر بھی ترسیم کریں ہرگز عالی نہیں ہوں گے۔ درحقیقت کربلا کا سفر اس مخدرہؑ کی معراج کا وسیلہ
رقرب الٰہی کا سبب تھا اور آپ اس مقام پر پہنچیں کہ جس پر کوئی بھی فائز نہ ہوسکا:

۸) آپ کی اپنے بھائی امام حسینؑ سے مؤاسات

آپ نے تمام حالات میں اپنے بھائی حسینؑ کے ساتھ مواساۃ کی انتہا کا مظاہرہ کیا آپ مدینہ سے اپنے بھائی کے ساتھ چلیں اور تمام مصائب ،غربت، بھوک ، پیاس اور اسیری میں بھائی کے ساتھ شریک رہیں۔ اپنے دو بیٹے بھائی پر قربان کئے اور جب کوفہ میں یہ دیکھا کہ امامؑ کے خون آلود سر سے خون ٹپک رہا ہے تو اپنا سر محمل کے اگلے حصے پر دے مارا، گویا اس بات میں بھی مؤاسات کی۔

(مراجع تقلید میں سے ایک گروہ نے قول تاریخ میں بی بی کے اس عمل سے استناد کیا ہے اور اس کو اپنا مستند فقہی حکم قرار دیا ہے)

(۹) آپ کے ہاتھوں حجت خدا کی جان کی حفاظت ہوئی، کہ متعدد مواقع پر آپ نے حضرت سجادؑ کی نگہداری کی۔

(اول) جس وقت دشمن کا لشکر خیموں میں داخل ہوگیا اور شمر ملعون نے امام سجادؑ کے قتل کا ارادہ کیا تو جناب زینبؑ نے (شدید)تضرع اور بے تابی دکھائی جس کے سبب امام کی جان بچی۔

(دوم) جب خیموں کو آگ لگا دی گئی تو وہاں اگر جناب زینبؑ نہ ہوتیں تو ظواہر کے مطابق جناب سجادؑ جل گئے ہوتے۔

(سوم) قیدیوں کے مقتل سے گزرنے کے دوران میں یا جب حضرت زینب (شہدأ سے) وداع میں مشغول تھیں، اچانک آپ کی نظر پڑی تو سید سجادؑ کو حالت احتضار میں پا کر

فرمایا:

"مَالِی أرَاکَ تَجُوْدُ بِنَفسِکَ یَا بَقِیَّةَ الْمَاضِیْنَ"

"اے یادگار اجداد! میں آپؑ کی یہ کیا حالت دیکھ رہی ہوں؟ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آپ جاں بحق ہونے والے ہیں"

بی بی نے انہیں تسلی دی اور ام ایمن سے مروی حدیث بیان فرمائی۔

(چہارم) ابن زیاد کے دربار میں، اس ملعون نے امام سجادؑ سے گفتگو کے بعد حکم دیا کہ اما
کو قتل کر دیا جائے۔ اس موقع پر حضرت زینبؑ مانع ہوئیں اور فرمایا: جب تک میں
زندہ ہوں اسے قتل نہیں ہونے دوں گی۔

(۱۰) اس مخدرۂ عصمت کے (فصیح و بلیغ) کلمات:

اس مظلومہ سے نہایت فصیح کلمات اور نہایت بلیغ اشعار منقول ہیں، اور آپ نے
ایسے ایسے خطبات ارشاد فرمائے کہ معصومینؑ کے علاوہ کوئی بھی اس خطابت سے عہد
برآ نہیں ہوسکتا۔ جب آپؑ بازار کوفہ میں خطبہ پڑھ رہی تھیں تو یوں محسوس ہوتا تھ
گویا علیؑ کی زبان سے بول رہی ہیں۔ آپ نے لوگوں کو چپ ہو جانے کا اشارہ کیا
اور ان کی سانسیں سینوں میں بند کر دیں اور ہر طرف کامل خاموشی چھا گئی۔ ہم ان
خطبات میں سے بعض کو قبل ازیں نقل کر چکے ہیں۔

(۱۱) اس بی بی کے ہاتھوں اسلام کی حفاظت:

قیام کربلا امام حسینؑ کے ہاتھوں شروع ہوا اور جناب زینب کے ہاتھوں پایہ تکمیل
تک پہنچا۔ یعنی وہی برنامہ جو آپ کے بھائی نے:

"هَیْهَاتَ مِنَّا الذِّلَّةَ"

"خواری اور ذلت ہم اہل بیتؑ سے دور ہے"

کے جملے کے ساتھ اپنی شہادت کے وقت تک بلند رکھا، عاشور کی عصر سے مدینہ میں
ورود تک آپ کی بہن زینب اسے بروئے کار لائی اور اپنی ماں فاطمہ زہراؑ کا حق

تربیت ادا کر دیا۔

اگر بازار کوفہ اور محافل شام میں جناب زینبؑ کے یہ (حق گویانہ) کلمات نہ ہوتے تو بنی امیہ بھلا کس طرح اجازت دیتے کہ ان کے بارے میں یہ رسوائیاں، بدبختیاں اور ذلتیں تاریخ اسلام میں رقم ہوتیں۔

حضرت زینبؑ نے اپنے اور دیگر قیدیوں نیز شہدائے کربلا کے تعارف اور واقعات کربلا کو اس طرح بیان فرمایا کہ لوگوں کے آنسو جاری ہوگئے، دل افسردہ ہوگئے اور حق وباطل کی پہچان ہوگئی۔ لوگ اپنے اشتباہ اور طاغوت وقت کے پروپیگنڈہ کے سبب یہ سمجھتے تھے کہ یہ حادثہ دشمن کے ہاتھوں وجود پذیر ہوا ہے۔ اس طرح سانحہ کربلا اپنی حقیقی صورت میں تاریخ میں ثبت ہوگیا کہ جس کے آثار قیامت تک باقی رہیں گے۔

حضرت زینبؑ کی وفات اور جائے تدفین

مصعب بن عبداللہ کہتے ہیں: حضرت زینب بنت علی مدینہ میں لوگوں کو حکومت کے خلاف قیام اور خون حسینؑ کے انتقام کے لیے جمع کرتی رہتی تھیں۔

جب عبداللہ بن زبیر نے مکہ میں قیام کیا اور لوگوں کو خون حسینؑ کا بدلہ لینے اور یزید کو حکومت سے ہٹانے کے لیے آواز اٹھائی تو یہ خبر اہل مدینہ تک بھی پہنچی، چنانچہ حضرت زینبؑ نے اپنے خطبات سے لوگوں کو اس انتقام کے لیے ابھارا۔

جب یہ خبر عمرو بن سعید (والی مدینہ) کو ملی تو اس نے یزید کو خط لکھا اور اسے صورتحال کی اطلاع دی۔ جس کے جواب میں اس نے کہا کہ لوگوں کو زینبؑ سے دور کر دو۔

لہٰذا حاکم مدینہ کی طرف سے آپؑ کو مدینہ سے دور کسی اور جگہ سکونت کا حکم صادر ہوا۔

جناب زینبؑ نے فرمایا: خدا ہی جانتا ہے کہ ہم پر کیا گزری۔ ہمارے مردوں کو شہید کر دیا گیا اور ہمیں حیوانوں کی طرح (قید خانے میں) بند کر دیا گیا اور ہمیں اونٹوں پر سوار کر دیا گیا۔ خدا کی قسم میں مدینہ سے نہیں نکلوں گی، چاہے ہمارا (اہل بیتؑ کا) خون بہا دیا جائے۔

زینب بنت عقیل نے عرض کیا: میرے چچا کی بیٹی! ہمارے بارے میں خدا کا وعدہ برحق ہے کہ ہمیں زمین کا وارث بنایا گیا ہے اور جہاں چاہیں سکونت کر سکتے ہیں۔ پس خوش ہو جاؤ اور پرامید رہو کہ جلد ہی خدا ظالموں کو سزا دے گا۔

کیا اس کے بعد آپ دوبارہ ذلت وخواری اور قتل عام چاہتی ہیں؟ شہر امن سے کوچ فرما جایئے۔

اس کے بعد بنی ہاشم کی عورتیں آپ کے گرد اکٹھی ہوگئیں اور ادب و محبت کے ساتھ آپ سے اظہار مواسات کیا (چنانچہ حضرت زینبؑ سفر کے لیے راضی ہوگئیں)

عبداللہ بن ابی رافع کہتا ہے: میں نے محمد ابا القاسم بن علی سے سنا ہے کہ وہ کہتے تھے: جب زینبؑ بنت علیؑ بچوں اور عورتوں کے ہمراہ شام سے مدینہ آئیں تو ان کے اور عمرو بن سعید والی مدینہ کے درمیان اختلاف اور جھگڑا کھڑا ہوگیا۔

اس نے یزید کو خط لکھا اور اسے سیدہ زینبؑ کو مدینہ سے نکال دینے کے حکم کی درخواست کی۔ یزید نے یہ درخواست قبول کرلی اور جناب زینبؑ بنو ہاشم کے کچھ افراد کے ساتھ مصر کی طرف روانہ ہوگئیں، اس وقت رجب میں ابھی چند دن باقی تھے۔

اور امام صادقؑ اپنے والد بزرگوار سے اور وہ حسن بن حسینؑ سے نقل فرماتے ہیں کہ جب میری پھوپھی زینب مدینہ سے روانہ ہوئیں تو بنو ہاشم کی چند خواتین مثلاً میرے چچا حسینؑ کی صاحبزادیاں فاطمہؑ اور سکینہؑ آپکے ساتھ تھیں۔

............رقیہ بنت عقبہ سے منقول ہے کہ اس نے کہا: میں ان لوگوں میں سے تھا جنہوں نے جناب زینب بنت علی کا مصیبت کربلا کے بعد مصر آنے پر استقبال کیا۔

اور اس موقع پر استقبال کے لیے آنے والوں میں مسلمہ بن مخلد عبداللہ بن الحارث، ابو عمیرہ مزنی بھی شامل تھے۔ مسلمہ نے بی بی زینب کو تسلی دی اور رو پڑا اور سب نے اس موقع پر گریہ کیا۔

حضرت زینبؑ نے فرمایا:

"هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ"

"یہ وہی ہے کہ جس کا خداوند متعال نے ہم سے وعدہ فرمایا ہے اور پیغمبروں نے سچ کہا ہے" (سورۂ یٰسین، آیہ ۵۲)

اس کے بعد آپ نے محلّہ حمرا کا رخ کیا اور گیارہ ماہ پندرہ دن وہاں قیام فرمایا۔ اس کے بعد وفات پا گئیں اور ہم نے آپ کے جنازہ میں شرکت کی۔ مسلمہ بن مخلد نے جامع مسجد

میں آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور بعد میں آپ کی وصیت کے مطابق اسی گھر کے ایک کمرہ میں آپ کو دفن کر دیا گیا۔

زینبؑ بنت علیؑ نے یک شنبہ (اتوار) کے روز ۱۵ رجب سن ۶۲ ہجری کو وفات پائی اور آپ کی نماز جنازہ کے بعد آپ کو عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن عوف زہری کے باغ کے پاس حمراقصویٰ میں واقع مسلمہ کے گھر کے ایک حجرے میں دفن کیا گیا۔

(اخبار زینبات منسوب بہ عبیدلی/۱۱۵ تا ۱۲۲)

عبیدلی کے ہم رائے مصنفین، علامہ نقدی مصنف ''زینب الکبریٰ'' کے علاوہ ابن عساکر دمشقی نے اپنی کتاب ''تاریخ کبیر'' میں، ابن طولون دمشقی نے ''رسالہ زینبیہ'' میں شعرانی نے ''لواقع الانوار'' (ج۱ص ۲۳) میں، شیخ محمد صبان نے ''اسعاف الراغبین'' (ص ۱۹۶) میں، شبلنجی نے، نور الابصار'' (ص ۱۶۶) شہراوی ''الاتحاف'' (ص ۹۳) میں، شیخ حسن عدوی نے ''مشارف الانوار'' (ص ۱۰۰) میں شعرانی کی ''انوار قدسیہ'' میں مناوی نے ''طبقات'' سیوطی نے رسالہ زینبیہ میں، علامہ اجہوری نے مسلسل عاشورا پر اپنے رسالہ میں یہ عبارت تحریر کی ہے۔

(زینب الکبریٰ/۱۴۳)

سید حسن صدر مرحوم کتاب ''نزھۃ اھل الحرمین'' میں رقم طراز ہیں: زینب کبریٰ دختر امیر المومنین کہ جن کی کنیت ام کلثوم تھی، کی قبر مطہر اپنے خاوند جناب عبداللہ بن جعفر کے ساتھ دمشق کے باہر ملک شام میں مشہور ہے۔

جس زمانے میں قحط پڑا تھا وہ اپنے خاوند عبداللہ کے ساتھ شام تشریف لائیں یہ عبدالملک مروان کا عہد حکومت تھا۔ کیونکہ جناب عبداللہ کے شام کے باہر کھیت تھے اس لیے وہ وہاں چلے گئے۔

پس جناب زینبؑ وہاں اس دنیا سے کوچ فرما گئیں اور کسی قریہ میں دفن ہوئیں۔

آپ کی تدفین کے بارے میں تحقیق بس یہی ہے اور جو دوسری باتیں بیان کی جاتی ہیں وہ غلط اور بے اصل ہیں۔ پس اسے غنیمت خیال کرنا چاہیے کہ ایک جماعت اشتباہ میں

پڑی ہوتی ہے۔(نذہۃ اھل الحرمین/۳۹(چاپ ہند ۶۷ چاپ کربلا)

سیدھبۃ الدین کتاب ''نہضۃ الحسینؑ'' میں لکھتے ہیں: امیر المومنینؑ کی دو بیٹیاں اسی نام کی حامل تھیں، ان کا لقب ام کلثوم تھا اور زینب کبریٰ وہ فاتح کربلا ہیں کہ ابن عباس نے ان کی عقیلہ بنی ہاشم سے تمجید وتعریف فرمائی ہے۔

وہ امام حسینؑ کے دو سال بعد جناب فاطمہ زہراءؑ کے بطن مبارک سے پیدا ہوئیں اور اپنے بھائی کے ساتھ کربلا گئیں اور امام حسینؑ کے خیام میں قطب دائرہ کی حیثیت رکھتی تھیں۔ لسان الملک نے ''ناسخ'' کی مکمل جلد اس مخدرہ کے بارے میں لکھی ہے۔ اور کتاب ''خیرات الحسان'' وغیرہ میں ہے کہ مدینہ میں قحط پڑ گیا تو عبداللہ اپنے خاندان کے ساتھ شام کی طرف روانہ ہوگئے اور وہاں اپنے ایک باغ میں سکونت فرمائی۔

جناب زینبؑ سفر کی سختی کے سبب یا پھر اہل بیتؑ کو دروان اسیری میں پیش آنے والے غم و اندوہ کو یاد کرکر کے بیمار ہوگئیں اور نصف رجب سن پینسٹھ (۶۵)ھ میں اس دنیا سے رحلت فرما گئیں۔ اور وہیں دفن کی گئیں۔آپ کی قبر مبارک آج تک مشہور ہے۔
(نہضۃ الحسینؑ/ ۹۷)

بعض کا کہنا ہے کہ جو قبر شام میں واقع ہے وہ زینب صغریٰ کی ہے۔ کیونکہ لوح قبر پر اس طرح لکھا ہوا ہے اور زینب کبریٰ نے مصر میں اس دنیا سے رحلت فرمائی اور وہیں دفن ہوئیں۔ ان کی قبر قاہرہ میں مشہور ہے۔ (معالی السبطین: ۲/۱۳۴)

علامہ شہرستانی عبیدلی سے منسوب کتاب ''اخبار زینبات'' پر اعتماد کے سبب معتقد ہیں کہ زینب دختر امیر المومنینؑ ''قناطر السباع'' مصر میں مدفون ہیں۔لیکن درعین حال یہ عقیدہ بھی رکھتے ہیں کہ دلائل سے ثابت ہے کہ جناب زینب کبریٰؑ کی قبر مسلما شام میں ہے اور زینب صغریٰؑ جنہیں ام کلثوم ثانی کہا جاتا ہے، اور مقام کی موقعیت کے لحاظ سے اس اخبار سے متناسب ہیں وہ مصر کی طرف روانہ ہوئیں اور وہیں دفن ہوئیں۔

اور سنگ مدفن (کتبے) پر بھی یہی لکھا ہے: قبر زینب الصغریٰ بنت امیر المومنینؑ اور

زینب کبریٰ کہ جن کا نام رقیہ تھا سانحۂ کربلا سے قبل وفات پا چکی تھیں۔ اور جو زینب واقعہ کربلا میں موجود تھیں وہ ان کی نسبت زینب صغریٰ تھیں۔ لیکن بعد میں زینب کبریٰ کے نام سے مشہور ہوگئیں۔ انہوں نے شام میں وفات پائی اور تاریخ وفات یک شنبہ کی رات پندرہ (۱۵) رجب سن باسٹھ (۶۲) ہجری تھی۔

اور ہم نے تہران میں علامہ سید ھبۃ الدین شہرستانی سے ملاقات کی تو انہوں نے بھی اس نظریہ کی تائید فرمائی۔ حتیٰ کہ بیان کیا کہ اگر تردید کرتے ہو تو اس بارے میں کوئی قول نقل کرو۔

ظاہر ہے کہ یہ مطالب علمائے اسلام کی تصدیق کا مورد ہیں اور ہمیں بھی اس نظریہ پر یقین ہوگیا جس کی تکرار کر رہے ہیں۔

(۱) جناب فاطمہ زہراؑ کی بڑی بیٹی رقیہ کی قبر بر بنائے صحت بقیع میں واقع ہے انہی کا نام زینب تھا اور کنیت ام کلثوم تھی۔

(۲) جناب زینب کبریٰ جن کی کنیت ام کلثوم تھی جو پہلے زینب صغریٰ کہلاتی تھیں اور بعد میں زینب کبریٰ کے نام سے مشہور ہوگئیں کی قبر شام کے باہر واقع ہے، اور قدیم سنگ مزار پر زینب الصغریٰ مرقوم ہے۔ آپ سات ماہ مدینہ میں رہیں اور وہاں سے شام مراجعت فرمائی اور وہیں دفن ہوئیں۔

(۳) جناب زینب صغریٰ کہ جو صہباء ثعلبیہ سے تھیں کی قبر قناطر السباع مصر میں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

(زینب کبریٰ عماد زادہ/ ۲۹۹ تا ۳۰۲)

مؤلف کا کہنا ہے: لازمی ہے کہ اس ہستی کے بارے میں تمام نقطہ ہائے نظر سامنے رکھے جائیں۔

(الف) یہ کہ جناب فاطمہ زہراؑ کی ایک رقیہ نامی بیٹی جناب زینب الکبریٰ سے بڑی تھیں حدیث کی کتابوں اور تراجم میں ان کا تذکرہ نادر ہے وجہ یہ ہے کہ وہ بے اولاد تھیں۔

(ب) عبیدلی کے کلام کی توجیہ یہ ہے کہ زینب دختر صہبا ثعلبیہ کا مصر میں ہونا خلاف ظاہر ہے اور یہ عبیدلی کی عبارت پر منطبق نہیں ہوتا۔

(ج) اگر انہوں نے زینبات عبیدلی کی عبارت کے مطابق زینب کو زینب صغریٰ سمجھا ہے تو پھر ان کی تاریخ وفات کو زینب کبریٰ کے لیے کیوں لائے ہیں۔ معمولاً جناب زینب کبریٰ کا سال وفات عبیدلی کی پیروی میں ۶۲ ھ لکھا جاتا ہے اور یہ زینب کبریٰ کے شام میں ہونے کے لیے مناسب نہیں ہے۔ جیسا کہ لکھتے ہیں کہ قحط کے سال میں جناب زینب الکبریٰ نے شام کی طرف سفر کیا اور یہ عبدالملک مروان کی حکومت کا واقع ہے جو سن پینسٹھ (۶۵) ہجری میں تھی، لہٰذا انہوں نے سن باسٹھ (۶۲) میں کس طرح وفات پائی۔

بلکہ جناب زینب کبریٰ کی وفات سن ۶۵ ہجری قمری میں ہوئی۔ جیسا کہ ''خیرات الحسنات'' میں گزرا ہے اور مرحوم محمد جواد مغنیہ نے پندرہ رجب سن ۶۵ ھ کو اختیار کیا ہے۔

(الحسین وبطلۃ کربلا/ ۲۳۸، خاتون دوسرا/ ۲۴۷)

اس کے جواب میں حقیقت یہ ہے کہ عبیدلی کی کتاب دلائل کے لحاظ سے درجہ اعتبار سے ساقط ہے اور قابل اعتماد نہیں ہے جن میں سے کچھ پہلوؤں کا تذکرہ بعد کے صفحات میں کیا جائے گا اور ضعف کتاب اس کے مصنف سے پوشیدہ نہیں ہے۔

(کتاب مرقد العقیلۃ/ ۷۵ تا ۱۰۱ سے رجوع کریں)

اور مرحوم آیۃ اللہ مرعشی نجفی کہ جو اس کتاب کی تصحیح کرنا چاہتے تھے، آواخر سے ان کی نظر مبارک برگشتہ ہوگئی۔

اور یہ کہ شام میں بی بی کی قبر پر زینب صغریٰ لکھا ہونا، ممکن ہے کہ عبیدلی کی اسی کتاب سے مستفاد ہو۔ اور نویسندہ معتقد ہے کہ حضرت زینب کبریٰ مصر میں مدفون ہیں خیابانی مرحوم لکھتے ہیں: اہل خبر اور اصحاب سیر نے جناب زینب کبریٰ کی قبر منور کی تحقیق میں اختلاف کیا ہے، اور اسے تین جگہوں سے نسبت دی ہے۔ لیکن ان میں سے صحیح یہی ہے کہ شام کے قریہ میں زینبیہ کے نام سے آپ کی قبر معروف ہے..........

اعتماد السلطنت مرحوم ''خیرات الحسان'' میں لکھتے ہیں: جناب زینبؑ کی قبر صحیح روایات

کی بنا پر شام کے ایک قریہ میں ہے اور بعض اتباع کرنے والے اہل خبر اس بارے میں کہتے ہیں: ایک سال مدینہ میں قحط پڑا تو عبداللہ بن جعفر اپنی زوجہ حضرت زینبؑ کے ساتھ شام کی طرف چلے گئے تا کہ اس مصیبت کے ٹل جانے کے بعد واپس آ جائیں۔

اس موضع اور قریہ میں توقف کے ایام میں، کہ جہاں حضرت زینب کا مزار ہے۔ آپ کی طبیعت خراب ہوگئی اور مزاج میں استقامت نہ رہی ۔ اسی مرض سے آپ وفات پا گئیں اور آپؑ کو وہیں سپرد خاک کر دیا گیا۔

اس امر کا مؤید شیخ عباس قمی کا کلام ہے ''ہدیۃ الزائر'' میں فرماتے ہیں اگر ہم کہیں کہ یہ مزار شام میں ہے تو یہ حضرت زینب الکبریٰ کا مزار ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم ان مطالب پر اعتماد کریں کہ جو متبعین میں سے کچھ اہل خبر نے لکھے ہیں اور مجھ حقیر نے اپنے شیخ بزرگوار مرحوم نوری سے جو سنا ہے اس کا ماحصل یہ ہے:

مدینہ میں قحط پڑا اور وبا پھوٹ پڑی تو عبداللہ بن جعفر اپنے اہل و عیال کے ہمراہ شام کی طرف چلے گئے تا کہ وہاں سکونت اختیار کریں۔ اس دوران میں اس جگہ جہاں اب حضرت زینبؑ کا مزار ہے ، بی بی کے مزاج عصمت امتزاج میں استقامت نہ رہی اور اسی تکلیف سے آپ رحلت فرما گئیں اور آپ کو سپرد خاک کر دیا گیا۔

اور جو یہ کہا جاتا ہے کہ اہل بیتؑ کو دوبارہ قیدی بنا کر شام لایا گیا اور شام کے اس دوسری بار کے سفر میں آپ کی وفات ہوئی تو یہ بات درجۂ اعتبار سے ساقط ہے۔..........

(وقائع الایام خیابانی /۳۱۰)

مؤلف کہتا ہے : اس میں کچھ شک نہیں کہ شام اور مصر میں دو زینب مدفون ہیں، اختلاف تو صرف اس بات میں ہے کہ آیا زینب کبریٰ شام میں ہیں یا مصر میں اور ظاہراً اختلاف کی علت یہ ہے کہ آنحضرت کی دونوں بیٹیوں زینب اور ام کلثوم پر اس کا اطلاق ہوتا ہے اور یہ اختلاف دونوں کے نام ایک جیسے ہونے کے سبب ہے۔

مؤرخین کے نظریات مختلف ہیں لیکن مجموعی طور پر جو بات سامنے آتی ہے وہ یہ ہے

کہ حضرت فاطمہ کی بڑی بیٹی زینب کبریٰ ؑ جو عبداللہ بن جعفر کی زوجہ تھیں شام میں مدفون ہیں اور زینب صغریٰ کہ جو احتمالاً امیر المومنین ؑ کی چھوٹی بیٹی ہیں وہ مصر میں مدفون ہیں۔ البتہ مصر میں مدفون زینب کے بارے میں اور اقوال بھی ہیں۔

اس قول کی وجوہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ جناب زینب ؑ شام میں آئیں اور بیمار ہوگئیں اور پھر اس دنیا سے رخصت ہوگئیں وہ تصریح کرتے ہیں کہ ان کے ہمسر عبداللہ بن جعفر تھے کہ جنہوں نے قحط یا طاعون کے سبب شام کی طرف سفر کیا اور یہ بات زینب صغریٰ پر منطبق نہیں ہوتی۔

دوسری عبارت کے مطابق : ''اخبارزینبات'' کی عبارت میں زینب حضرت علی کی بیٹی ہیں جن پر ہر دو زینب کا اطلاق ہوتا ہے لیکن ان لوگوں کی عبارت میں کہ جو یہ کہتے ہیں کہ جناب زینب ؑ شام آئیں' یہ تصریح موجود ہے کہ اس بی بی کے ہمسر عبداللہ بن جعفر ہیں اور عبداللہ بن جعفر زینب کبریٰ ؑ کے شوہر تھے۔

(۲) ''اخبار زینبات'' کی عبارت میں اس طرح ہے کہ حضرت زینب ؑ نے یزید کے خلاف قیام کیا۔ یہ بات زینب کبریٰ ؑ کے بارے میں نہیں ہوسکتی چونکہ جناب سجاد ؑ قضیہ عاشور کے بعد تقیہ کی مراعات کو لازمی سمجھتے تھے، اور اس کی تائید واقعہ حرہ سے ہوتی ہے اس کے علاوہ آپ کے گھر کو محل امن قرار دینے میں کوئی بھی متعرض نہ تھا اور آپ کی پیروی میں دوسروں نے بھی ایسا ہی کیا۔ چنانچہ یہ کس طرح ممکن ہے کہ جناب زینب ؑ اس عظمت و بزرگواری اور امام ؑ سے اپنے قرب کے باوجود امام زمانہ ؑ کے خلاف منشا ایسا کریں۔

(۳) ''اخبار زینبات'' عبیدلی کے قول کے مقابلے میں دیگر معتبر اقوال بھی ہیں کہ جناب زینب کبریٰ ؑ نے شام میں وفات پائی۔ مثلاً کامل بہائی وغیرہ میں شیخ بہائی کی روایت وغیرہ۔

معمولاً جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ جناب زینب کبریٰؑ کی قبر مصر میں ہے ان کا مدرک عبیدلی ہی ہے۔

(۴) کتاب اخبار زینبات کی اسناد قابل خدشہ ہیں اور ان کا ضعف اہل تحقیق پر واضح ہے۔ اور ہم یہاں اس کے ضعف کے بارے میں کچھ نکات کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

(الف) اصولاً جن لوگوں نے کتاب "اخبار زینبات" کی طرف اشارہ کیا ہے وہ اسے عبیدلی نسابہ کی تالیفات میں سے سمجھتے ہیں اور وہ بغیر تردید کے مورد اعتماد واستناد ہے۔ (عبیدلی نسابہ یحیٰ بن حسن بن جعفر بن عبداللہ بن امام سجادؑ تھے جن کی وفات (۲۷۰) ہجری میں ہوئی) لیکن بہت تحقیق کے بعد معلوم ہوا ہے کہ یہ کتاب ابوعلی محمد بن اسعد حسینی عبیدلی مصری، متوفی ۵۸۸ھ کی تالیفات میں سے ہے۔ (النجوم الزہرا: ۶/۱۱۹)

اس مفہوم کے شواہد میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آثار مؤلف میں سے ایک کتاب "الرد علی اولی الرفض والمکر" بھی ہے اور اس میں نقل کردہ مطلب سن چار سو (۴۰۰) ہجری اور کچھ سے مربوط ہے۔ جیسا کہ ابن زیارت نے اس سے روایت کی ہے۔

(الکواکب السیارۃ/۸۹)

اس بیان کے پیش نظر کتاب ہذا کا مؤلف عبیدلی نسابہ نہیں ہوسکتا کہ جس کی وفات ۲۷۰ ہجری میں ہوگئی تھی۔

(ب) کتاب "اخبار زینبات" (صفحہ ۱۱۵ تا ۱۲۱) میں حضرت زینب کبریٰ کے بارے میں چھے احادیث نقل کی گئی ہیں۔ ان چھے حدیثوں میں گیارہ مجہول راوی موجود ہیں کہ ان میں سے کسی کا نام و مقام کتب رجال میں نہیں ملتا۔

(اس مطلب کی شرح کے لیے کتاب مرقد العقیلہ کے ص ۸۵ سے رجوع کیا جائے)

(ج) اس کتاب میں جو عبارت عبداللہ بن عبدالرحمٰن سے نقل کی گئی ہے وہ سفید جھوٹ ہے اور جو کچھ بی بی زینبؑ کی سیرت کے بارے میں قطعی اور یقینی طور پر معلوم ہے، یہ اس کے خلاف ہے۔ (اخبار زینبات/۱۲۰)

(د) اس کتاب میں ہے کہ "مسلمہ بن مخلد" نے بی بی کا استقبال کیا اور اپنے گھر میں جگہ دی اور سرانجام آپ کے جسد اطہر پر نماز (جنازہ) پڑھائی۔ حالانکہ مسلمہ اہل بیتؑ کے قسم خوردہ دشمنوں میں سے تھا اور تحقیق سے ثابت ہے کہ وہ عہد معاویہ ہی میں مر گیا تھا۔
(الکواکب السیارة / ۱۹)

(۵) یہ بہت تعجب کا مقام ہے کہ (عبیدلی کے کہنے کے مطابق) اس مظلومہ کو مکہ و مدینہ سے نکال دیا گیا تھا اور انہوں نے شہر مصر میں سکونت اختیار کی۔ چونکہ مورخین کے کہنے کے مطابق اس زمانے میں تمام مصر عثمانی الرائے اور یزید کا پیرو تھا۔

(۶) اس بات پر کیسے یقین کیا جاسکتا ہے کہ یہ مخدرۂ عصمت مصر میں مسلمہ بن مخلد کے پاس پہنچی ہوں۔ جبکہ اس کے ناصبی ہونے کی شہرت کفر ابلیس کی طرح ہے۔ عثمان کے قتل کے بعد اس نے امیر المومنینؑ کی بیعت نہ کی اور آپ کی شہادت تک آپ سے منحرف رہا۔
ابن حجر اپنے تراجم میں لکھتے ہیں: وہ معاویہ اور یزید کی طرف سے مصر کا والی تھا۔
(الاصابة: ۹۸/۶)

اور ابن الحدید نے تصریح کی ہے کہ اس نے حضرت علیؑ کی بیعت نہ کی، اور سبط ابن جوزی اور دوسروں نے بھی یہی کہا ہے۔ (شرح نہج البلاغہ: ۹/۴، تذکرۃ الخواص / ۶۱)

مگر یہ کہ ہم کہیں کہ انہوں نے تقیہ فرمایا یا اس مخدرہ کو مجبور کیا گیا کہ اس پلید کے پاس جائیں، اور یہ بات عبیدلی کی "اخبار زینبات" کے ظاہر کے خلاف ہے۔

(۷) عبداللہ جعفر اور معاویہ و یزید کے درمیان ارتباط و پیوند تھا اور بعض نے لکھا ہے کہ اسیری کے واقعہ کے بعد (یزید) ملعون جناب عبداللہ سے شرمسار ہوا اور ہر ممکن اصرار کیا کہ حضرت زینب کو رقم اور جواہرات کے وسیلہ سے راضی کیا جائے مگر وہ نہ مانیں اور فرمایا: یزید! میرے بھائی کے خون کا ازالہ ممکن نہیں" اور یہ بعید ہے کہ یزید ملعون نے دوبارہ بی بی زینب کو جلا وطن کرنے کا ارادہ کیا ہو۔

(۸) مورخین کے اتفاق کے مطابق عبداللہ بن جعفر نے مصر کا سفر ہی نہیں کیا اور یہ بات

بھی بعید از قیاس ہے کہ جناب عبداللہ بی بی زینبؑ اور دیگر اہل بیتؑ سے جو انس رکھتے تھے اس کے باوجود انہیں اکیلا چھوڑ دیا اور ان کے ہمراہ روانہ نہ ہوئے مگر اس کے برعکس عبداللہ کا شام کے قریب ایک باغ تھا' حتیٰ کہ شام میں ایک قبر بھی آپ سے منسوب ہے۔

اور جناب زینب کے شام میں مدفون ہونے کے بارے میں جو باتیں مشہور ہیں ان میں سے ایک یہ داستان ہے۔

معروف واعظ دانش مند محترم آقائے سقا زادہ نقل کرتے ہیں کہ آیۃ اللہ آخوند ملا علی معصومی ہمدانی نے حقیر کو حضرت زینبؑ کے مدفن کے بارے میں جواب دیتے ہوئے فرمایا: مرحوم آیۃ اللہ آقا ضیاء الدین عراقی فرماتے ہیں: شہر قطیف حجاز کا ایک شیعہ امام رضا کی زیارت کے قصد سے روانہ ہوا راستے میں آمد و رفت کے اخراجات کی رقم گم کر بیٹھا۔ چنانچہ اس نے بقیۃ اللہ الاعظم حضرت حجۃ ابن الحسن روحی وارواح العالمین لہ الفدا سے توسل کیا۔

اس حالت میں دیکھا کہ ایک نورانی اور جلیل القدر سید آپ کے ہمراہ تھے اور فرماتے تھے: یہ پیسے پکڑو اور سامرا پہنچو۔ وہاں ہمارے وکیل حاج میرزا حسن شیرازی (کہ جو مشہور علماء میں سے ہیں) کے پاس جانا اور کہنا:

سید مہدی نے کہا ہے: میری جو رقم تمہارے پاس ہے اس میں سے اتنی مقدار تمہیں دے دیں، تاکہ تم میرے جد علی بن موسیٰ الرضاؑ کی زیارت کے لیے جا سکو۔

کہتے ہیں کہ میں پہچان نہ سکا کہ یہ بزرگوار کون ہیں اور کہاں سے آئے ہیں۔ میں نے عرض کیا: جب میں آیت اللہ شیرازی سے کہوں: سید مہدی نے کہا ہے' تو اگر وہ پوچھیں کہ مہدی کون ہے اور تمہارے پاس اس کی کیا نشانی اور تحریر ہے تو میں کیا کہوں؟

فرمایا: آقا شیرازی سے کہنا: سید مہدی نے کہا ہے: اس نشانی کے ساتھ کہ اس سال موسم تابستان میں آپ ملا علی کنی تہرانی کے ہمراہ شام میں میری پھوپھی زینب کبریٰؑ کے حرم پر حاضری سے مشرف ہوئے۔ زواروں کی کثرت اور ہجوم کے سبب حرم میں آشغال (کچرا) بکھرا

پڑا تھا۔ آپ نے اپنے دوش سے عبا اتاری اور ہاتھ میں اکٹھی کر کے اس کے ذریعے حرم کو صاف کیا اور آشغال حرم کے ایک کونے میں اکٹھا کر دیا۔ اور حاج ملا علی کنی نے اپنے ہاتھوں سے آشغال کو اٹھایا اور باہر لے گئے اس وقت میں وہیں تھا۔

قطیفی کہتے ہیں: ایک مرتبہ میں نے اپنے آپ سے کہا: شاید یہ امام عصر عجل اللہ تعالی فرجہ الشریف ہوں۔ اسی دوران میں ایک نور نے ان کا احاطہ کر لیا اور وہ میری نظروں سے غائب ہو گئے۔

جس وقت میں سامرا میں آیۃ اللہ حاج میرزا حسن شیرازی کی خدمت میں پہنچا اور یہ واقعہ بیان کیا تو وہ بے اختیار اپنی جگہ سے اٹھے، میری گردن میں ہاتھ ڈالے اور میری آنکھوں کو چوما اور مبارک باد دی۔

اور تہران میں میں نے آیۃ اللہ ملا علی کنی کی خدمت میں پہنچ کر اس بات کی تصدیق کی لیکن دل ہی دل میں حیران تھا کہ آنحضرت نے ان کی طرف حوالہ کیوں نہیں دیا۔

(مقدمہ کتاب خصائص الزینبیہ)

حضرت زینبؑ کے چند مصائب کا تذکرہ

(۱) آپ کے بھائی (امام حسینؑ) سے حر کی گفتگو اور امامؑ کو وہاں رکھنے پر مجبور کرنا۔

(۲) بھائی کے اصحاب اور ساتھیوں کی قلت اور دشمن کے لشکر کی کثرت۔

(۳) امام حسینؑ کے ہمراہ آنے والے کچھ لوگوں کا جناب مسلم کی شہادت کی خبر سن کر منتشر ہو جانا۔

(۴) خواتین جب کربلا پہنچیں تو خوفزدہ اور پریشان حال تھیں۔

(۵) بی بی کا اہل بیتؑ کے ہمراہ پیاسا ہونا اور پانی لانے پر پابندی۔

(۶) پیاس سے بلکتے ہوئے بچوں کو حوصلہ دینا۔

(۷) امامؑ کے چہرے پر نگاہ کرنا اور دیکھنا کہ آپ افسردہ ہیں۔

(۸) بھائیوں، بیٹوں، بھتیجوں، چچا کے بیٹوں اور مددگاروں کا میدان میں جانا اور قتل ہو جانا۔

(۹) آپ کے دو فرزندوں عونؑ و محمدؑ کی شہادت۔

(۱۰) آپ کے بھائی امام حسینؑ کا تنہا رہ جانا اور دشمنوں کا انہیں گھیر لینا۔

(۱۱) ذوالجناح کا امامؑ کے بغیر خیموں کی طرف آنا۔

(۱۲) نشیب مقتل میں شمر ملعون کو بھائی کے سینے پر سوار دیکھنا

(۱۳) بھائی کا سر نیزے پر سوار دیکھنا

(۱۴) خیام کی غارت گری لوٹ مار اور بچوں کا خوفزدہ ہونا۔

(۱۵) لشکر کا خیام کو جلانے کے لیے آگے بڑھنا اور کہنا:

اِحرِقُوا بُیُوتَ الظّٰالِمِیْنَ ۔ ظالموں کے گھروں کو جلا دو۔

(۱۶) آگ لگ جانے کے بعد بچوں کا بیابان میں بھٹک جانا۔

(۱۷) مقتل سے گزرنا اور بھائی کے جسد مطہر کو زمین پر پڑے ہوئے دیکھنا۔

(۱۸) بچوں اور بیبیوں کو اونٹوں پر سوار کرانا۔

(۱۹) سخت بیماری اور ناتوانی میں امام سجادؑ کا خیال رکھنا۔

(۲۰) امام سجادؑ کے پاؤں کا اونٹ کے نچلے حصے (پیٹ) کے ساتھ باندھا جانا۔

(۲۱) بچوں اور بیبیوں کو قیدی بنا کر لے جایا جانا۔

(۲۲) بچوں اور بیبیوں کو تازیانے مارے جانا۔

(۲۳) دشمنوں کی شماتت۔

(۲۴) طشت میں بھائی کے سر کو دیکھنا' جب لب ہائے مبارک پر چھڑی ماری جارہی تھی۔

(۲۵) دربار یزید میں پیشی اور اس ملعون سے گفتگو۔

(۲۶) جناب رقیہ کی شہادت

(۲۷) ایام اسیری میں اپنی اور دوسری بیبیوں کی بھوک اور پیاس

(۲۸) مدینہ میں ورود اور رسول خدا، ماں فاطمہ زہراؑ، بھائی حسنؑ اور بی بی ام البنینؑ کو امام حسین علیہ السلام کی شہادت کی خبر دینا۔

(خاتون دوسرا/ ۱۹۶ سے ماخوذ کچھ موارد)

آسمان پر مجلس عزاء اور ملائکہ کا گریہ

عالم جلیل آیت اللہ بیرجندی مرحوم مؤلف ''کبریت احمر'' اپنی کشکول کتاب ''سفینۃ القماش'' میں لکھتے ہیں۔

جس زمانے میں میں عتبات مقدسہ میں تحصیل علم میں مشغول تھا سادات میں سے ایک شخص وہاں مشغول زیارت تھا، اس نے دیکھا کہ ایک ترک زوار سر مبارک کی طرف قرآن مجید کی تلاوت میں مصروف ہے۔ وہ اپنے آپ سے کہنے لگا: کیا یہ سزاوار ہے کہ تمام لوگ تو تمہارے جد (رسول اکرمؐ) پر اتری ہوئی کتاب کی تلاوت کریں اور تم اس کے فیض سے بہرہ مند نہ ہو۔ لہٰذا وہ (سید) اپنے اوقات میں سے کچھ وقت سقائی میں اور کچھ علم حاصل کرنے کے لیے صرف کرنے لگا۔ اور اپنے آباؤ اجداد کی برکات سے اس نے تھوڑے ہی عرصہ میں علمی ترقی حاصل کر لی۔ یہاں تک کہ آیت اللہ میرزا محمد حسن شیرازی صاحب کے درس میں حاضر ہونے لگا۔ بلکہ یہ احتمال تھا کہ وہ سید بزرگوار درجہ اجتہاد پر فائز ہو چکے ہیں اور موصوف اپنے طہارت وتقویٰ اور کثرت عبادت کے سبب بھی معروف ہو گئے۔

ایک دن انہوں نے ہمیں بتایا کہ میں نے عالم رویا میں حضرت حجت ابن الحسن عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کو دیکھا کہ انتہائی آشفتہ حال تھے۔ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا سلام کیا اور آپ کے حال کے بارے میں سوال کیا!

فرمایا: جان لو کہ آج کے دن میری پھوپھی زینبؑ نے رحلت فرمائی تھی۔ ہر سال اس مخدرہ کی وفات کے روز ملائکہ آسمان پر مجلس عزاء برپا کرتے اور گریہ کرتے ہیں۔ میں ان کے

پاس گیا تھا تاکہ انہیں چپ کراسکوں۔ آج میری پھوپھی زینب کا روز وفات تھا اور میں ابھی اس مجلس ہی سے آ رہا ہوں۔

اور اس دن مرحوم سید اعلی اللہ مقامہ نے نہایت افسوس سے ہمیں یہ واقعہ بیان فرمایا:

(خصائص الزینبیۃ / ۴۱ / خصیصہ ۱۶)

اور اہل بیتؑ کی اسیری کے باب میں گزر چکا ہے کہ ایک شخص نے حالت خواب میں بقیۃ اللہ الاعظم ارواحنا فداہ سے گریہ کرتے ہوئے۔

"لَاَبْکِیَنَّ لَکَ بِدَلَ الدَّمُوْعِ دَمًا"

کے بارے میں سوال کیا۔

حضرت نے فرمایا: جناب زینب کی اسیری کی مصیبت کو یاد کرکے میں ہمیشہ خون کے آنسو روتا رہتا ہوں۔

اولاد حضرت زینبؑ

جناب زینب کے عبداللہ بن جعفر سے چار بیٹے اور ایک بیٹی تھی۔ جن کے نام علی، عون، عباس، محمد اور ام کلثوم تھے۔ (منتخب التواریخ / ۱۱۳)

علامہ نقدی مرحوم لکھتے ہیں: تاریخ الخمیس میں آتا ہے حضرت زینب کی عبداللہ بن جعفر سے یہ اولاد تھی: علی، عون، اکبر، عباس، اور ام کلثوم۔ (تاریخ الخمیس: ۲/ ۳۱۷)

اور نووی نے ''تہذیب الاسماء واللغات'' میں جعفر اکبر کا ذکر کیا ہے۔
(زینب الکبریٰ/ ۱۴۸)

اور سبط ابن جوزی نے ''تذکرۃ الخواص'' میں عون اور عبداللہ نام بتائے ہیں۔
(تذکرۃ الخواص/ ۲۸۸)

اور جناب علی کی نسل سے جو ''زینبی'' مشہور ہیں بہت زیادہ تعداد میں اولاد پیدا ہوئی کہ سیوطی نے ''رسالہ زینبیہ'' انہی کے بارے میں لکھا ہے۔ (الحاوی للفتاوی: ۲/ ۳۱ تا ۳۴)

جناب زینبؑ کے دو بیٹے جن کے نام عون و محمد تھے کربلا میں شہید ہوئے۔

محمد نے دس افراد کو ہلاک کیا اور آخر کار عامر بن تمیمی کے ہاتھوں شہید ہوئے، اور عون تین سواروں اور اٹھارہ پیادوں کو واصل جہنم کر کے عبداللہ بن قطنہ کے ہاتھوں شہید ہوئے۔
(منتہی الآمال ۱/ ۳۷۷، بحار الانوار: ۴۵/ ۳۴)

جناب عون کی قبر کربلا میں مشہور ہے جو ایک گنبد اور بارگاہ پر مشتمل ہے۔

زیارت ناحیہ مقدسہ میں آتا ہے:

"اَلسَّلاَمُ عَلٰی عَوْنِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ جَعْفَرٍ الطَّيَّارِ فِی الْجِنَانِ ، حَلِيْفِ الْاِيْمَانِ ، وَمُنَازِلِ لْاَقْرَانِ النَّاصِحِ لِلرَّحْمٰنِ ، اَلتَّالِیْ لِلْمَثَانِیْ وَالْقُرْآنِ لَعَنَ اللّٰهُ قَاتِلَهُ عَبْدُاللّٰهِ بْنِ قُطْبَةِ النَّبْهَانِیْ اَلسَّلاَمُ عَلٰی مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ جَعْفَرٍ ، الشَّاهِدِ مَكَانَ اَبِيْهِ وَالتَّالِیْ لِاَخِيْهِ وَوَاقِيْهِ بِبَدَنِهٖ لَعَنَ اللّٰهُ قَاتِلَهُ عَامِرَ بْنَ نَهْشَلِ التَّمِيْمِیَّ"

"عون فرزند عبداللہ ابن جعفر طیار پر سلام کہ جو بہشت میں پرواز کرتے ہیں، وہ اہل ایمان کے حلیف ،جنگجوؤں کے حریف ،خداوند رحمان کی طرف سے نصیحت کرنے والے ،قرآن کریم کی تلاوت کرنے والے تھے ،خدا ان کے قاتل عبداللہ بن قطنہ پر لعنت کرے۔ محمد ابن عبداللہ بن جعفر پر درود کہ جو اپنے باپؑ کی جگہ (کربلا میں) موجود تھے ، اور بھائی کے نقش قدم پر چلنے والے اور اپنے جسم سے بھائی کی حمایت کرنے والے ہیں ۔ان کے قاتل عامر ابن نہشل تمیمی پر اللہ کی لعنت ہو۔ (بحارالانوار: ۴۵/ ۶۸)

☆ جناب عبداللہ کی طرف اشارہ ہے کہ چونکہ وہ خود کربلا میں حاضر ہونے کے قابل نہ تھے چنانچہ اپنے دوفرزندوں کو بھیجا اور سانحہ کربلا کے بعد کہا:

"اگر مجھ میں امام حسینؑ پر اپنی جان فدا کرنے کی طاقت نہیں تھی تو میں نے اپنے دونور چشم ان پر قربان کردیئے"۔

(فرسان الھیجاء: ۲/ ۲۰)

جناب سکینہ علیہا السلام

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بی بی سکینہ کے بارے میں بات کرتے ہوئے جو کمی رہ گئی ہے اس کا تذکرہ یہاں کر دیا جائے:

محدث قمی مرحوم لکھتے ہیں :امام حسینؑ کی بیٹی سکینہ کا نام آمنہ اورایک قول کے مطابق امینہ تھا۔ آپ کی والدہ رباب بنت امراءالقیس بن عدی تھیں، جو کہ بکسر بن وائل کے رئیس اور مذہباً نصرانی تھے۔ آپ عمر کے عہد میں مسلمان ہوئے اور ابھی نماز نہ پڑھی تھی کہ عمر نے ناحیہ کی ولایت ان کو دے دی اور حضرت علیؑ نے ان کی بیٹی رباب کی امام حسینؑ کے لئے خواستگاری کی، جوانہوں نے قبول کرلی ۔ جناب عبداللہ (علی اصغرؑ) اورشہزادی سکینہؑ انہی سے پیدا ہوئے ۔

امام حسینؑ جناب سکینہؑ اوران کی ماں کے بارے میں فرماتے ہیں :

لَعَمْرُکَ اِنَّنِیْ لَاُ حِبُّ دَارًا
تَکُوْنُ بِھَا سُکَیْنَۃُ وَالرُّبَابُ
اُحِبُّھُمَا وَاَبْذِلُ جُلَّ مَالِی
وَلَیْسَ لِعَاتِبٍ عِنْدِیْ عِتَابُ
فَلَسْتُ لَھُمْ وَاِنْ عَابُوْا مُطِیْعًا
حَیَاتِیْ اَوْ یُغَیِّبَنِیْ التُّرَبُ

مجھے تمہاری جان کی قسم ! یقیناً جس گھر میں سکینہؑ اور رباب ہوں میں اس گھر سے محبت کرتا ہوں۔

ان دونوں کو دوست رکھتا ہوں اور اپنا بیشتر مال ان دونوں کے لئے خرچ کرتا ہوں
اور ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروانہیں کرتا۔
اگر ملامت کرنے والے مجھے سرزنش کریں تو میں جب تک زندہ ہوں ان کی پیروی
نہیں کروں گا جب تک کہ زمین مجھے اپنے اندر نہ چھپائے۔(نفس المہموم/۵۲۷)
جناب رباب اور آپ کے باپ کی بعض خصوصیات جناب علی اصغر کے باب میں
گزر چکی ہیں۔ابن قتیبہ سے جناب سکینہؑ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ کہتا ہے:
آپ نیک سیرت، بزرگواری، سخاوت کی فراوانی اور عقل کامل کی حامل تھیں۔
''حبیب السیر'' میں ہے کہ آپ کو عقیلہ قریش کہاجاتا ہے۔اورآپ فصاحت
وبلاغت کی کثرت مہارت سے بہرہ مند تھیں۔
اس مخدرہ کے فضائل میں یہی کافی ہے کہ سیدالشہداء نے آپ کو''یاخیرۃ النسوان''
اے بہترین زناں، کہہ کر خطاب فرمایا ہے۔چنانچہ ''منتخب''میں منقول ہے کہ روز عاشور سکینہؑ
فریاد کرتی ہوئی اپنے بابا کی طرف آئیں اور امامؑ اسے بہت دوست رکھتے تھے۔
آپ نے سکینہؑ کو اپنے سینے سے لگالیا اور اپنے دامن سے ان کے آنسو صاف کیے اور فرمایا:

فَاِذَا قُتِلْتُ فَاَنْتِ اَوْلٰی بِالَّذِیْ
تَاْتِیْنَهٗ یَا خَیْرَةَ النِّسْوَانِ

بقیہ تمام اشعار سیدالشہداؑ کے وداع میں نقل کئے جاسکتے ہیں۔(منتخب التواریخ/۲۴۵)
حدیث میں آتا ہے کہ حسن مثنیٰ ابن امام حسنؑ اپنے چچا امام حسینؑ کے پاس آئے
اورآپ کی دوبیٹیوں فاطمہؑ اور سکینہؑ میں سے ایک کی خواستگاری کی۔
امامؑ نے فرمایا: میں نے تمہارے لئے فاطمہ کا انتخاب کیا ہے کیونکہ یہ میری ماں
فاطمہؑ بنت رسول خداؐ سے زیادہ مشابہت رکھتی ہے۔دین داری میں رات کو تہجد پڑھنے والی
اوردن کو روزہ رکھنے والی ہے۔اورخوب صورتی میں حورالعین کی طرح ہے لیکن سکینہ:
''فَغَالِبٌ عَلَیْهَا اِلَا سْتِغْرَاقُ مع اللّٰهِ فلا تصلح لِرَجُلٍ''

''کسی مرد کے ساتھ زندگی گزارنے کی صلاحیت نہیں رکھتی کیونکہ وہ مجذوب حق تعالیٰ ہے۔'' (السیدہ سکینہ/۳۳،اسعاف الراغبین/۲۰۲)

شبلنجی شافعی ''نورالابصار فی مناقب آل النبی المختار'' میں لکھتے ہیں:

سکینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جمال وادب اور فصاحت میں عظیم مرتبہ پر فائز تھیں

(وقائع الایام خیابانی/۲۹۰)

ایک سفر کے دوران میں جب حضرت سجادؑ حج اور عمرہ کے ارادہ سے جا رہے تھے جب آپؑ مدینہ سے باہر گئے تو جناب سکینہؑ نے ہزار طلائی دینار کی ایک تھیلی آپ کی خدمت میں ارسال کی۔امام نے اپنے خادموں فرمایا: اس تھیلی کو غریبوں میں تقسیم کردو۔

(تمقام زخار:۲/۶۵۸)

(ناشر صاحب کی ہدایت کے مطابق ہمسر حضرت سکینہؑ کا عنوان شامل کتاب نہیں کیا گیا۔(مترجم)

شیعوں کی فضیلت میں حدیث حضرت سکینہؑ۔

ابومحمد جعفر بن احمد قمی شیخ صدوقؒ کے معاصر جو''ابن رازی'' کے نام سے مشہور ہیں، نے کتاب ''المسلسلات'' میں اپنے سلسلہ اسناد کے ساتھ روایت کی ہے کہ امیرالمومنینؑ سے فاطمہ دختر امام رضاؑ سے،وہ فاطمہ،زینب اور ام کلثوم دختران موسیٰ بن جعفر سے،وہ فاطمہ دختر امام صادقؑ سے،وہ فاطمہ دختر امام محمد باقرؑ سے،وہ فاطمہ دختر امام سجادؑ سے،وہ فاطمہ وسکینہ دختران امام حسینؑ سے اور وہ ام کلثوم دختر امیر المومنینؑ سے اور وہ جناب فاطمہ زہراؑ سے نقل کرتی ہیں کہ رسول خدا نے فرمایا:شب معراج مجھے جب آسمان پر لے جایا گیا تو میں بہشت میں داخل ہوا وہاں سفید موتی کا بنا ہوا ایک محل دیکھا......اس کی بلندی پر لکھا ہوا تھا:

'' لاالٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ ، عَلِيٌّ وَلِيُّ الْقَوْمِ ''

اور پردہ کے اوپر لکھا ہوا تھا:

'' بَخٍّ بَخٍّ ، مَنْ مِثْلُ شِيعَةِ عَلِيٍّ''

(المسلسلات/۱۰۸،بحارالانوار:۶۸/۷۶،الفوائد الرضویۃ/۶۰)

وفات حضرت سکینہؑ

حضرت سکینہؑ نے بروز جمعرات، پانچ ربیع الاول، سال ۱۱۷ ھجری قمری کو مدینہ کے شہر میں دنیا سے رحلت فرمائی۔

(تمقام زخار: ۲/۶۶۰، نفس المہموم/۵۳۰، منتخب التواریخ/۲۹۶، ناسخ التواریخ: ۴/۲۴۷، وفیات الاعیان ابن خلکان: ۲/۳۹۶، اعلام النساء: ۲/۲۲۴، تاریخ طبری: ۷/۱۰۷، کامل اثیر: ۵/۱۹۵، السیدہ سکینہ مقرم مرحوم/۱۱۲ بہ نقل از اکواکب الدریہ مناوی: ۱/۵۸ و تہذیب الاسماء نووی: ۱/۱۶۳ و نور الابصار شبلنجی/۱۶۰)

اور بعض کا کہنا ہے کہ مکہ میں عمرہ فرمانے گئیں تو وہیں رحلت فرمائی۔

اور کچھ اس کے قائل ہیں کہ شام سے واپسی کے وقت دنیا سے وداع فرمایا۔

(السیدۃ سکینہ/۱۱۲، تمقام ۲/۶۶۰)

البتہ اس مخدرہ کی ولادت کا دن اور وفات کے وقت آپ کی عمر مبارک معلوم نہیں ہے۔

ملا ہاشم مرحوم لکھتے ہیں: اس بی بی کی عمر مبارک معلوم نہیں ہے البتہ کربلا میں دوشیزگی کی عمر میں تھیں۔ کیونکہ سید الشہداءؑ سے منسوب شعر میں آپ کو خیرۃ النسواں (بہترین زناں) سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور دوسری دلیل یہ ہے کہ کربلا کے واقعہ میں یہ مخدرہ اپنے چچا کے بیٹے عبداللہ بن الحسن کی ہم عمر تھیں جو کربلا میں شہید ہو گئے۔ (منتخب التواریخ ۲۴۶)

اس کی نظیر مقرم مرحوم نے اپنی کتاب میں لکھی ہے۔ (السیدۃ سکینہ/۱۱۲، ۱۱۴)

اسی طرح لکھتے ہیں: اس مخدرہ کا سال ولادت اور عمر ہم پر واضح نہیں ہے لیکن سال وفات کو دیکھنے اور یہ جاننے کے بعد کہ آپ واقعہ عاشور میں خواتین کی عمر کی تھیں اور یہ عمر

(بلوغ کی) کم از کم دس سال ہوگی تو ہمیں قائل ہونا پڑے گا کہ آپ کی عمر شریف ۷۰ سال تھی اور آپ کی ولادت ۴۷ ہجری میں ہوئی ہوگی۔ (السیدہ سکینہ/۱۱۲)

مرحوم سپہر کا کہنا ہے: جناب سکینہؑ کی وفات کے سال کے بارے میں تمام اہل سیر کا اتفاق ہے کہ وہ ۱۱۷ ہجری تھا۔ (ناسخ التواریخ :۴/۲۵۱)

عمادزادہ مرحوم لکھتے ہیں: جناب سکینہؑ کی ولادت سن ۴۸ ہجری میں ہوئی اور اس حساب سے ہم احادیث کے تواتر سے آپ کی عمر مبارک معلوم کرتے ہیں۔

(زینب کبریٰ عمادزادہ/ ۳۰۸)

جناب سکینہؑ نے ۱۱۷ ہجری میں ستر (۷۰) سال سے زیادہ کی عمر میں وفات پائی۔ اگر ہم اس خبر کو قابل اعتبار جانیں تو جناب سکینہ کی ولادت سن ۴۷ ہجری میں ہوئی اور آپ اپنے دادا حضرت امیر المومنین کی شہادت کے سات سال بعد پیدا ہوئیں اور تین سال کی تھیں کہ آپ کے چچا سبط اکبر شہید ہوگئے اور کربلا کے واقعہ میں آپ چودہ سال کی تھیں ......

اور کچھ نے تحریر کیا ہے کہ جناب سکینہؑ نے تقریباً ۷۰ سال عمر پائی لہذا آپ کی ولادت سن ۴۳ ہجری (کی حدود) میں ہوئی۔ (زینب کبریٰ/۳۲۲،۳۲۳)

نظام العلما اپنی کتاب ''شہاب الثاقب'' میں رقم کرتے ہیں:

زمین کربلا میں اس مخدرہ کی عمر بیس سال سمجھنی چاہیے۔ اس بنا پر آپ کی عمر ۷۷ سال بن جائے گی۔ (ریاحین الشریعہ :۳/۲۵۷)

و آخر دعوانا

فقطع دابر القوم الذین ظلمو

وَالحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ العَالَمِيْنَ وَصَلَّ اللّٰهُ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّآلِهِ الطّٰاهِرِيْنِ

اَللّٰهُمَّ عَجِّل لِوَلِيكَ الفَرَجَ وَالعَافِيةِ وَالنَّصرِ وَ اجعَلنَا مَعَهُ

فِي الدُّنيَا وَالآخِرَةِ.